اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

ہزار ہزار شکر اُس ناظمِ کون و مکان کا کہ زبانِ اُردو کے شعرائے ماضی و حال کا یہ مکمل تذکرہ موسوم بہ

جس کا تاریخی نام

خمخانۂ جاوید

جلد اوّل

قرار پایا ہے اور جو

لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب آنریبل رائے بہادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا رئیس و لاہور کی لگاتار محنت تلاش اور کوشش کا نتیجہ ہے

مطبع منشی نول کشور واقع لاہور میں چھپکر شایع ہوا

در باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپا

بار اوّل

قیمت فی جلد مجلد (کاغذ قسم اول ... کاغذ قسم دوم ...)

علاوہ محصول

تذکرہ ہزار داستان

معروف بہ

خمخانۂ جاوید

۱۳۲۵ھ

مؤلفہ

لالہ سری رام ایم اے منصف دہلوی خلف الصدق عالیجناب
آنریبل رائے بہادر سرگباشی

مطبوعہ مخزن پریس دہلی



بحضور فیض گنجور اعلیٰحضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخان بہادر

فتح جنگ آصف جاہ سادس جی سی ایس آئی جی سی بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

[illegible] کشاہ دکن

[illegible] میر محبوب علیخان جی سی ایس آئی جی سی بی [illegible] ڈیڈیکیشن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] گشتم [illegible] تو گشتم

[illegible] گشتم تا [illegible] ستم

میں نہایت ادب کے ساتھ **تذکرہ خمخانہ جاوید** کو حضور کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

اور امید کرتا ہوں کہ اس مبارک نام کی بدولت یہ تذکرہ حیات جاوید پائے گا۔

گزارندہ خادم انام **سری رام**





دیباچہ

کُھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

حضرات ناظرین ! جب میں ابتدائی تعلیم کے پنجے سے چھوٹا اور کالج میں داخل ہُوا۔ تو ادھر مذاقِ سخن دامنگیر رہا۔ اُدھر تعلیم کی شکلیں گلوگیر۔ غرض ایک طرف کلام اور اہل کلام کی واقفیت کا عشق تام تھا۔ دوسری جانب دنیوی دھندوں اور خاندانی حصول علم کا تقاضا صبح و شام نہ اسے چھوڑنے بنتی تھی اور نہ اُس سے مُنہ موڑنے سرتی تھی ۔

یہ از خود رفتہ جنوں یہاں تک بڑھا کہ گھر کے مطالعہ کو طاق پر اور اوقات کالج کو زبردستی سر پر رکھا۔ اساتذہ سلف وحال کی خوش کلامی کو مونس اور اُن کے حالات کو اپنا وظیفہ قرار دیا۔ اور دل میں ٹھیرا لیا کہ جملہ اساتذہ و دلدادگان سخن کی ایک مجلس منعقد ہو۔ اور اُن کے کلام کا لُبِّ لُباب یکجائی صورت میں مہیا کیا جائے ۔

اس خیال سے مختلف تذکروں کی فراہمی اور مطالعہ شروع کیا۔ مگر افسوس اُن میں سے کوئی بھی دل میں نہ کُھبا۔ آبِ حیات جو تلاش و تحقیقات کی انتہا۔ تنقید حسنہ کا قابل قدر نمونہ اور اُردو ادب و زبان کی خدمت میں ایثار کے ساتھ فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ انشاپردازی کا ایک بے مثال مرقع ہے۔ اس کی نسبت شروع سے میرا یہ خیال تھا کہ یہ تذکرہ محققانِ زبان مشتاقانِ عروض اور خاصکر مشتاقانِ انشاپردازی کے حق میں خضر راہ ہوگا۔ اور آبِ حیواں کا کام دیگا۔ مگر جب مجھ تشنہ لب سخن کی ان اوسوں سے پیاس نہ بجھی تو کسی دوسرے سرچشمہ کی تلاش ہوئی۔ کیونکہ اس کے جامع نے اوّل تو اس میں خاص التماس چند مشاہیر شعراء کے حال درج ائے نام

غرض اِدھر تو کوئی دلپسند مجموعۂ کلام دستیاب نہ ہُوا - اور اُدھر اپنا شوق پورا کرنے کے واسطے مختلف شعراء کا کلام جمع کرنا پڑا - پس یہی اس کی تدوین اور ترتیب کا باعث ہُوا - اور یہاں تک ذخیرہ بڑھا کہ اس تذکرۂ ہزار داستان کو پانچ جلدوں میں تقسیم کئے بغیر کوئی اَور صورت نظر نہ آئی +

اس تذکرہ کی پہلی جلد پیش نظر ہے - اس وقت کو جب میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کا اوّل جزو لکھا تھا آج پورے سترہ برس ہو گئے - گو سترہ برس کہنے میں دو لفظ اور سُننے میں ایک بات ہے - مگر اس برق رفتار زمانے میں کسی کام کو انجام تک پہنچانا درحقیقت نہایت دشوار کام ہے - تعلیم کی تکمیل - امتحانات کی تیاری - ملازمت کی پابندی - خاندانی سانحات تفکرات و مکروہات اور دائمی مریض رہنے کے باعث یہ تذکرہ اس عرصہ تک تعویق اور التوائے اشاعت میں پڑا رہا - مگر پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہا - میرے دل کی کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوئی - ناپسند واقعات زندگی نے کتنا ہی مجبور کیوں نہ کیا - مجھے مختلف بیماریوں نے کیسا ہی کیوں نہ گھیرا - گرم و سرد زمانہ نے کتنا ہی جی سرد اور دماغ بیکار کیوں نہ کیا - لیکن اس تذکرے کی تکمیل کا جن میرے سر سے نہ اُترا - اور اس کی اشاعت کی دُھن عاشقانہ دُھن بن کر میرے دل و دماغ کو اُبھارے گئی +

جس دوست یا بزرگ کی خدمت میں باریابی ہوئی - شعراء کے حالات اور کلام کا ذکر میرا مشغلہ اور مکالمہ ٹھیرا - بات کوئی ہوتی - مگر میری زبان سے اُس کے جلب میں کسی شاعر کا کلام یا اُس کا ذکر نکل جاتا +

بارے خدا خدا کر کے جناب باری کے فضل و کرم سے آج یہ دن نصیب ہُوا کہ ارباب مذاق کے حضور میں یہ دل شگفتہ کرنے والا گلدستہ جو چمن چمن کے پھولوں - گلشن گلشن کی پتیوں - ڈال ڈال اور پات پات کی کلیوں سے چُن چُن کر موزوں ہوئے

کلام کے سوا دیگر مشتاقان سخن سے غرض نہیں رکھی۔ دوسرے کلام بھی لیا تو بطور نمونہ ہی لیا۔ انتخاب کا حظ نہ آنے دیا۔ گو انھوں نے مجبوراً یہ امر اختیار کیا۔ ورنہ چار دور کیا۔ وہ ایک دور کے شاعر بھی نہ لکھ سکتے۔ مگر اس سے وہ بات نہ ہوئی جس سے اپنی طبیعت کھلتی۔ اور اُن اہل دور کا میلان طبع معلوم ہوتا۔ خدا جھوٹ نہ بُلائے تو جدید و قدیم بیسوں تذکرے دیکھ ڈالے سینکڑوں بیاضیں وقفِ نظر کر دیں۔ لیکن افسوس صد افسوس جملہ تذکروں کو عام اور ہمہ گیر پایا۔ اُن مدوّنوں نے رطب ویابس۔ عام وخاص۔ بلکہ عوام الناس میں بھی کچھ تمیز نہ رکھی۔ یہاں تک کہ بعض تذکرے تو عامیانہ درجے پر پہنچ گئے۔ بھرتی کے شاعروں اور اُن کے کلام کی وہ بھرمار دیکھی کہ ان سے طبیعت پھر گئی۔ اس طوفان بے تمیزی میں تو لنگڑے لُولے ہر قسم کے سوار بھرتی تھے۔ جنہیں قافیہ کی خبر۔ نہ ردیف کی سُدھ۔ خوبیٔ مضمون سے بحث نہ موزونیت سے لہنا +

ہاں **گلستانِ سخن**۔ **گلشنِ بیخار** اس سے مستثنےٰ ہیں۔ یہ دونوں تذکرے مجھے پسند آئے اور دل سے پسند آئے۔ ارکان تذکرہ نویسی سے مالامال۔ محققانہ پابندی سے اپنے مدوّنوں کا کمال دکھا رہے تھے۔ لیکن گلستان سخن نے جس کی تدوین مولانا امام بخش **صہبائی** نے کی۔ اور مرزا قادر بخش **صابر** نے اپنے نام سے چھپوایا۔ دہلی سے آگے قدم بڑھانے کو عار سمجھا۔ لفظ صابر کی رعایت سے اس نے شاہجہانی شہر پناہ کے اندر کی زمین کو زمین اور اُس کے اوپر کے آسمان کو آسمان جانا۔ صرف سرو قدانِ دہلی سے کام رکھا۔ باہر کے لہلہاتے ہوئے شمشادوں کو وہیں کا وہیں کھڑا رہنے دیا۔ البتہ دوسرے گلشن سدا بہار نے خاص خاص رنگ کے پھول چُنے اور ان کے گلدستے بنائے۔ مگر پھر بھی چمنستان سخن کے صدہا خوشنما پھول گلچیں کی مہربانی یا تغافل (جو چاہو اس کا نام رکھ لو) کی بدولت اپنی شاخوں پر پژمردہ ہو کر رہ گئے +

متاخرین میں **سخن** **شعرا** کا پایہ بڑھ جاتا۔ اگر وہ غلط بیانی اور ذاتی تعریف پر دہ جھک پڑتا +

کہ اس مجموعہ میں بعض مندرجات نقادانِ سخن اور مبصران کلام جدید و کہن کی نظروں میں کھٹکیں۔ مگر ان کی ذات بابرکات سے اُمید ہے کہ وہ میری اس حالت پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ منصفانہ نظر ڈال کر ان لغزشوں اور کوتاہیوں کو راقم کی کم مائگی پر محمول فرما کر طبع ثانی کے موقع تک ان نقائص سے آگاہ فرمائینگے تاکہ اس کا دوسرا ایڈیشن حسب دلخواہ ہو سکے۔ کیونکہ میں نے اس تذکرہ کے لکھنے میں بہم رسانیٔ حالات۔ فراہمیٔ کلام گم شدہ از یاد رفتہ سے ہی سترہ برس تک سروکار نہیں رکھا۔ بلکہ جہاں تک بنا ہے۔ اُن ڈانواں ڈول طبیعتوں کو اُبھار دیا جو موجودہ زمانے کی تیز رفتاری سے ٹھوکریں کھا کھا کر گر رہی تھیں۔ اُن فسردہ اور ٹھٹھرے ہوئے دلوں کو گرمایا ہے جو زمانہ کی سرد مہری اور ناگزیر صدموں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دم واپسیں سے کشمکش کرنے والوں۔ بستر مرگ پر دم توڑنے والوں کے سرہانے جا جا کر بیٹھا۔ تذکرہ کا ذکر چھیڑ کر اپنی طرف مخاطب کیا۔ جن جوہر نایاب کے اُن کے ساتھ دفن ہو جانے میں ذرا شبہ نہ تھا۔ دم دلاسا دیکر اُن کے سینوں کے گنجینوں سے اکثر ایسے بے بہا لعل اور دُرِ شاہوار جن کی چمک کے آگے چاند ماند اور آفتاب بے آب و تاب تھا۔ نکال کر لایا۔ اکثر سخن سنجوں کو یہ سمجھایا کہ اس سے تمہاری زندگی ہمیشہ قائم رہیگی۔ لوگ گھروں میں رہتے ہیں۔ تم دلوں میں رہو گے۔ سخن فہم تمہارے اشعار سے حظ اُٹھائینگے اور ہمیشہ دعاے خیر سے یاد رکھینگے۔ گو زمانے کی ناموافقت نے اُنہیں خاک میں ملا رکھا تھا۔ اور اُنہوں نے مجبوراً ان جگر گوشوں کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا۔ لیکن اس خوشہ چین ارباب سخن نے بہم پہنچا کر آنکھوں سے دھویا۔ پلکوں سے برش کیا اور مبصران سخن کو دکھایا۔ جنھوں نے اس تلاش و جستجو کی داد دی اور سچی قدردانی سے حوصلہ بڑھایا +

میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ اکیلے کا انتخاب۔ ذاتی پسند شخصی مذاق اس قابل ہو کہ ہر رنگ میں اپنا رنگ پیدا کر دے اور سب کو اپنا سا بنا لے۔ لہٰذا اس

پیشکش کرنے سے اُن کے دل کی شگفتگی اور قبولیت کا فخر حاصل کروں۔ جس طرح گلدستہ کی تہ جمانے کے واسطے طرح طرح کی پتیاں اور اُس کے دلاویز بنانے کے لئے رنگ برنگ کے پھول قرینے سے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ اس مجموعۂ کلام و مجمع اہلِ کلام میں مختلف مذاق۔ مختلف خیال۔ مختلف انداز پائینگے۔ کہیں طرزِ جدید۔ کہیں طرزِ قدیم کے سخن سنجوں سے ملاقات فرمائینگے۔ یہ وہ محفل ہے کہ اس میں سلطان ابن السلطان۔ خاقان ابن الخاقان۔ امیر سے امیر اور غریب سے غریب موزوں طبع۔ فصیح الکلام کا پہلو دباتے نظر آئینگے۔ اگرچہ میں اس بات کو دل سے مانتا اور انصاف سے جانتا ہوں کہ تاریخ نویسی کی نسبت تذکرہ نگاری ایک بڑے دماغ۔ بڑی تلاش۔ طبع نقاد اور ذہن وقاد کا کام ہے جملہ شعرائے ماضی وحال کا بتمامہ حال لکھنا۔ کیا بقید ولدیت وسکونت۔ کیا بہ تخصیص اُستاد یا ولادت وممات سخت دشوار امر ہے اور خاصکر زمانۂ حال کی شاعری کہ طوائف الملوکی سے کم درجہ نہیں رکھتی اور ہر شخص بہ زعم خود اُستاد ہے۔ ایسی صورت میں شعرائے حال کا حصر محالات سے تھا۔ اساتذہ نے بہت سے تذکرے لکھے اور لکھینگے۔ لیکن ہر شخص کا مذاق جدا۔ کوئی بال کی کھال کھینچنی پسند کرتا۔ کوئی نکتہ چینی کو اپنا فرض جانتا ہے۔ کوئی بالتخصیص نظری پر گرا ہوا ہے۔ کوئی معاملہ بندی پر جھکا ہوا ہے۔ کوئی محاورہ بندی کا دلدادہ ہے۔ کوئی روزمرہ پر فریفتہ۔ کسی کو سادگی پسند ہے۔ کسی کو لفاظی۔ کوئی مراعات ومناسبات لفظی کا پابند ہے۔ کوئی تماثیل ونظائر کا دلبستہ۔ کوئی بلاغت پسند ہے۔ کوئی فصاحت طلب۔ مگر میں اَور ہی باتوں کا دیکھنے والا ہوں۔ میرے نزدیک جس کلام سے دل پر چوٹ لگے۔ جس بات سے سوتا ہوا چونک پڑے۔ جو نصیحت دل میں گھر کرے۔ جو ذکر نمونۂ نفخہ کا سبق دے۔ جو حکایت شکایت سے بچائے۔ وہی غذائے رُوح اور حظِ نفس ہے لیکن ہمیں پھر بھی اس تذکرہ کی خوش اسلوبیوں پر ناز زیبا نہیں۔ جس طرح ہر گل کے ساتھ خار لازم اور ہر ایک پنکھڑی کے ساتھ کچھ نہ کچھ خلش مستلزم ہے پس ممکن ہے

اس تذکرہ میں صرف متوجہ یا اب تک شائع شدہ تذکروں ہی سے مدد نہیں لی۔ بلکہ چند غیر مطبوعہ قلمی تذکرے بھی ایسے بہم پہنچے جو اُن تذکرہ نگاروں کے وارثوں یا شوقینوں کے کتب خانوں میں محفوظ تھے ۔

جن جن تذکروں سے ہم نے مدد لی۔ اُن کے نام نامی ذیل میں درج ہیں :۔
گلستان سخن ۔ گلشن بیخار ۔ نغمۂ عندلیب ۔ انتخاب یادگار ۔ سخن شعرا ۔ سراپا سخن ۔ آبحیات ۔ شمیم سخن ۔ تذکرہ شعرائے دکن ۔ طبقات الشعرائے شوق ۔ تذکرہ قاسم ۔ تذکرہ مصحفی ۔ تذکرہ میر حسن ۔ شمع سخن ۔ مجموعۂ یوسفی ۔ ریاض فردوس ۔ تذکرہ نواب کلب حسین نادر ۔ طورِ کلیم ۔ طرازِ عشق ۔ غنچۂ ارم ۔ تذکرہ شبستان عالمگیری ۔ آثار الشعرا ۔ چمنستان کشمیر ۔ مجموعۂ سخن ۔ تذکرہ شعرائے پٹنہ ۔ تذکرہ لطف ۔ جلوۂ خضر ۔ نکات الشعرا ۔ فرح بخش ۔ طبقات الشعراء جسے ڈاکٹر فیلن صاحب نے فرنچ زبان سے گارسن ڈی ٹیسی کے تذکرہ سے اُردو میں ترجمہ کرایا اور مولوی کریم الدین نے اُس میں اپنے وقت کے شعراء کو بڑھا کر قبل از غدر چھاپا ۔ تذکرہ شعرائے ہنود ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ۔ بریلی ۔ تذکرہ شعرائے ٹونک ۔ تذکرہ ضیغم ۔ تذکرۂ مولوی مظہر الحق ۔ غرض ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم

ان کے علاوہ سینکڑوں قلمی بیاضوں ۔ کچکولوں ۔ اگلے پچھلے گلدستوں ۔ رسالوں ۔ قلمی و مطبوعہ دیوانوں ۔ نامی اخباروں ۔ غیر مشہور قلمی دیوانوں سے بھی بہت کچھ سامان حاصل کیا ۔ اور اپنے وقت کے موجودہ شعراء میں خاص خاص شعراء سے خط و کتابت کر کے اُن کا کلام اور اُن کے حالات منگوائے ۔ بعض مرحوموں کے دیوان اپنے صرف سے چھپوائے ۔ صدہا اصحاب سے وعدے لئے کہ ہم اپنا اور اپنے بزرگوں کا کلام تذکرہ کے لئے دینگے ۔ لیکن ۹۵ فیصدی صورتوں میں وہ "کل" کے وعدے آج تک پورے ہوتے ہیں ۔ فقط کلام اور حالات کے فراہم کرنے اور بہم پہنچانے ہی کی جس کی اکثر تذکروں میں کمی ہے زور ۔

کے انتخاب اور اقتباس میں یہ التزام رکھا کہ متقدمین کا کلام ہو یا متاخرین کا۔ طرز قدیم کے وابستہ ہوں یا طرز جدید کے ہوا خواہ۔ ان کی طبیعتوں کا اصلی میلان۔ ان کے دلوں کا رُجحان۔ بلند پروازیوں کا رنگ جوں کا توں قائم ہے ✦

"نہ تو میں شاعر کہ شعراء کے کسی زمرہ میں شامل ہو کر دھڑے بندی یا طرفداری سے کام رکھوں۔ یا حریفانہ دل آزاری سے اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ نہ میں کسی خاص ٹکسالی شہر کی محبت کا گرفتار کہ ہر طرح سے اُسی کو ترجیح دئے جاؤں۔ مجھے اپنے وطن اور غیر وطن کی تخصیص منظور نہیں۔ فرخ آبادی روپیہ ہو یا نہ ہو۔ سچّے کھرے روپے سے کام ہے وہ جے پوری ہوا خواہ جودھپور کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کن اُستادوں کے نام لیوا ہیں اور کن شہروں کے بسیا۔ میں ایک ادنےٰ سا خوش کلاموں کے کلام کا جامع اور اُن کی مختلف طبائع کا مداح ہوں۔ حسد میرے پاس نہ میں حسد کا رُو شناس۔ جو لوگ کچھ بھی شاعر کہلانے کا استحقاق رکھتے تھے۔ اُنہیں کو ہزار داستان کے مشاعرہ میں جگہ دی۔ اور اُنہیں کے آگے شمع مشاعرہ لئے پھرا۔ تک بندوں سے ملا اور نہ اُن کے کلام سے اس مجلس مشاعرہ کو بھرا۔ کس لئے کہ تک بندی کا نام شاعری نہیں۔

اور ہمارے تذکرے کو دو مصرعی شاعروں سے واسطہ نہیں۔ بہت سے اصحاب صرف تذکرہ کے شاعر ہیں۔ مگر اشعار کہنے کے شاغل نہیں۔ ہمیں فہرست کو طوالت دینا مقصود نہیں۔ اس انتخاب کی حالت میں بھی جو ساٹ سو صفحوں کی اوّل جلد ناظرین بانمکین کی پیش نظر ہے۔ گویا اس خمخانۂ جاوید کے پانچ دوروں میں سے ایک دور۔ یا پانچ کنٹروں میں سے ایک ساغر ہے۔ اسی سے صاحب نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کے مدوّن نے نازک مزاجی یا استخراج وتخریج سے واسطہ نہیں رکھا۔ ہاں بعض جگہ معمولی شعراء کے بعض اشعار کی خوبی نے جو ہمارے نزدیک کسی حالت میں بھی مسلّم الثبوت اُستادوں کے کلام سے گرے ہوئے نہ تھے۔ ہمارے قلم کو نہیں روکا ✦

اُستادانِ دہلی میں اکثر کے کلام تو اُن کے خاندان والوں نے جمع کرائے۔ اور نہ جن لوگوں کے ہاتھ دستبردِ زمانہ سے لگے۔ اُنہیں یہ بات گوارا تھی۔ مگر میری نظر سے وہ گزرے اُن کا انتخاب کیا اور بہت سا کلام ایسے لوگوں کے عزیزوں سے سُن سُن کر لکھا۔ جب مختلف لوگوں سے بھی اُس کی تصدیق ہو گئی تو درج تذکرہ کیا۔ مشہور و مستند شعرا کے شاگردوں اور رشید تلمیذوں کے حالات سے بھی پہلو تہی نہیں کی۔ بلکہ کوئی تاریخی واقعہ اُن سے متعلق ہُوا تو اُسے بھی بخوشی تذکرہ میں جگہ دی۔ زمانہ جس عاشقانہ روش پر چل رہا ہے۔ اُس سے کوئی بے خبر نہیں۔ بچے بچے کے دل میں عشق و محبت کا بیج بویا جاتا ہے۔ موزونیٔ طبع اور تک بندی گھٹی میں پڑ گئی ہے۔ سریلی آواز ہو یا نہ ہو مگر تھیٹر والے نے آدھا گویا بنا دیا ہے۔ جو گاتے گاتے ایک دن کلاونت ضرور ہو جائیگا۔ پس ان تمام اُمنگوں کا توڑنا اور اُنہیں مایوس کر دینا میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جس طرح مجھے اپنے ذاتی مذاقِ سخن کا خیال رہا۔ اسی طرح میں نے پابندی کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ رکھا کہ شعرائے قدیم و جدید کے نتائجِ افکار کو جنہیں اُنہوں نے خونِ جگر کھا کر پبلک کی تفریح و دلبستگی کے واسطے تیار کیا تھا۔ بقائے نام و یادگار دوام کے واسطے قائم و برقرار رکھوں ۔

گو کسی تذکرہ نویس نے اس فن کو شاخِ تاریخ قرار نہیں دیا۔ بطور بیاض یا کچکول جس طرح چاہا۔ اُن کے حالات اور کلام کو لکھ لیا۔ لیکن اس وقت کہ زبانِ اُردو منجدھار میں غوطے کھا رہی ہے۔ یہ بھی بسا غنیمت ہُوا کہ پچھلے حالات کی جستجو کے لئے بنیاد پڑ گئی۔ اور آئندہ کے لئے اساس اُٹھانے کی آس بندھی۔ ہمارا تذکرہ اس حالت میں بھی ایسے لوگوں کا ممنون اور اُن کا خوشہ چیں ہے۔ گو انہوں نے بپاسِ حسد یا بلحاظِ رشک سچے حالات لکھنے سے گریز کی۔ یا اپنے کمال کے آگے اوروں کے کمال کی حقیقت نہ سمجھی۔ البتہ عبارت آرائی میں آسمان زمین کے قلابے ملا دیئے۔ کالے کوسوں کے رہنے والے۔ فرانس کے باشندے گارسن ڈی ٹیسی نے فرانس میں بیٹھے ہوئے انہیں تذکروں اور اپنے ایجنٹوں کی تحقیقات

نہیں دیا بلکہ جہاں تک ممکن ہؤا۔ بقید سن و سال درج تذکرہ کیا تاکہ ہر زمانے کے شعراء کی زبان اُن کے خیالات کا فرق۔ زبان کی ترقی و تنزّل کا بخوبی پتہ لگ جائے ٭

اگرچہ آجکل کے لوگوں کا دماغ اَور ہی خیالات اور مصروفیت کا رُخ لئے ہوئے ہے۔ جو تغزل اور شاعری کے بالکل برخلاف ہے اور ایک نہ ایک زمانے میں یہ رنگ بالکل بدل جائیگا۔ مگر ایسی صورت میں بھی ہمارا تذکرہ گراموفون کا کام دیگا۔ جو زبان۔ جو آواز۔ جو راگ۔ جو لہجے ان صندوقچوں میں محفوظ ملینگے وہ ہمیشہ اپنے اپنے وقت کا راگ گائینگے۔ اور مصلحان زبان کو پکار پکار کر رستہ بتائینگے۔ اس برق رفتار تبدیلی کے زمانے میں اور نئی روشنی کے شور و شغب کے سامنے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ گراموفون جس میں گلشن سخن کے نوانجوں کے رنگا رنگ ترانے بھرے ہوئے ہیں ایک آواز بے ہنگام ٹھیرے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ عین اس وقت جبکہ ہماری تہذیب اور تمدّن کا ہر صیغہ معرض تغیر میں ہے تو اُنکے ساتھ ساتھ زبان اور فن شاعری بھی ہلچل میں ہے۔ موقع ہے کہ پُرانی آوازوں کو جنہیں زمانہ عنقریب بُھلا دیگا۔ ایک مجموعی اور یادگاری حیثیت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا جائے۔ پس یہ خمخانۂ جاوید جو سرستان ازل کا اکھاڑا ہے۔ ابد تک زبان و اہل زبان کو اپنی مستانہ آواز سناتا اور غفلت کے ماتوں کو جگاتا رہیگا ٭

ہم نے کسی شاعر پر چوٹ کرنا خود چوٹ کھانے سے کم نہ سمجھا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے رنگ اور اپنی اپنی حالت میں اچھا جانا ہے جس طرح کوئی مخلوق بیکار نہیں اسی طرح کوئی تصور کوئی مضمون خالی از اسرار نہیں۔ بقول غالب ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

ہم نے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ جن کے دیوان ابھی تک نہیں چھپے۔ ان کا کلام زیادہ لیا ہے، تاکہ اُن کو اپنی جوہر نمائی کا موقع از سر نَو مل جائے اور تلافی مافات ہو سکے ٭

ممدوح نے جلد اوّل کے ابتدائی اجزا کی نظر ثانی کی اور ضروری مشوروں سے امداد دی ۔

ان کے بعد صاحب عالم مرزا محمد ابدالدین شاہی گورگانی جنہیں اب مرحوم اور مغفور کہتے سخت افسوس ہوتا ہے۔ آپ نے اکثر حضرات خاندان شاہی دہلی کے حالات اور بالخصوص مرزا ارشد کے سوانحات زندگی بہ تصریح ارقام فرمائے۔ اور ہمیشہ اس کام سے دلچسپی ظاہر کرتے رہے۔ آپ نے ایک چند روزہ علالت کے بعد عین ہنگام اشاعت تذکرہ میں انتقال کیا۔ صاحب عالم مغفور آخری تاجدار ہند بہادر شاہ کے نبیرہ اور مرزا مغل مرحوم کے فرزند تھے ۔

مشفقی ومکرمی شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا کو بھی ہمیشہ اس علمی خدمت سے خاص وابستگی رہی اور اس کی اشاعت کے متعلق وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے راقم کی امداد کرتے رہے ۔

اسی طرح میرے محب بے ریا مخلص باوفا سیٹھ کیخسرو سوراب جی جو پارسی نژاد ہونے کے باوصف ہماری مادری زبان سے ایک خاص مذاق رکھتے ہیں۔ میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ انھوں نے اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی۔ اُن کی اس عنایت کا نہ صرف مجھے بلکہ تمام ہوا خواہان اُردو کو شکرگزار ہونا چاہیے ۔

محبی پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی بھی ہمیشہ تذکرہ کی عام ترتیب اور انتظام اشاعت میں معقول امداد دیتے رہے ۔

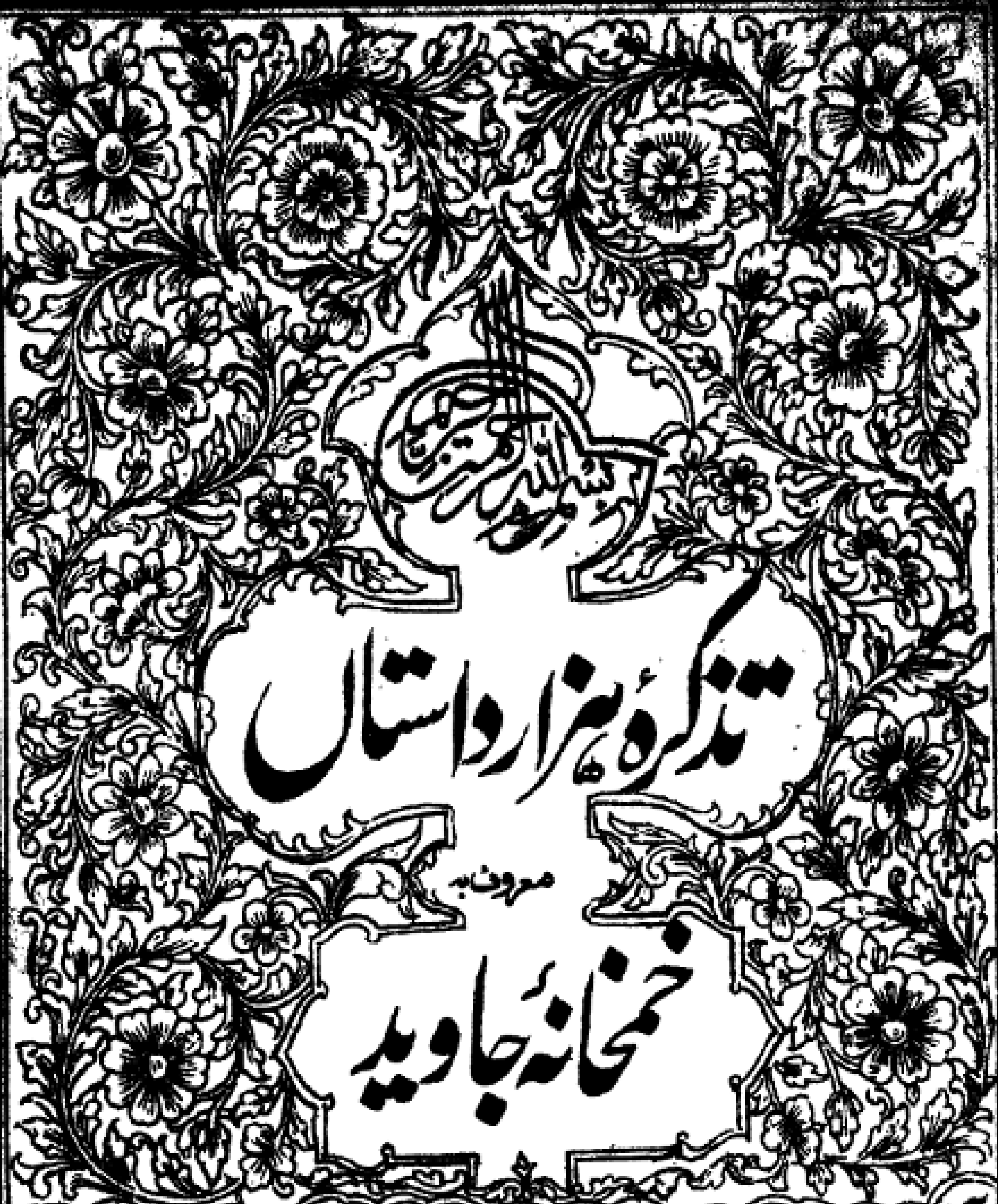
آخر میں اپنے محب صادق اور مخلص گرامی نواب ذوالفقار علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے دوران اشاعت تذکرہ میں انتہا درجے کے خلوص اور نوازش کا اظہار فرمایا۔ اور اس علمی کام کی نسبت اظہار پسندیدگی

سے فرنچ زبان میں ایسا باصول تذکرہ لکھا کہ ہر ایک ملک والے کو پسند آیا اور کئی زبانوں میں اُس کا ترجمہ ہوا ⁕

مجھے افسوس ہے تو اس کا کہ ہم لوگ اپنے ملک میں رہ کر وہ کام نہیں کر سکتے۔ جو ہزاروں کوس کے رہنے والے ہم سے بہتر اور صحیح کر گذرتے ہیں۔ میں اس تذکرہ کو آئندہ نسلوں کے واسطے ایک ذخیرہ سمجھ کر اب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور بشرط حیات مستعار آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ طبع کراتا رہونگا ⁕

یہ مثل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا۔ پس میری محنت بھی ٹھکانے لگی۔ اور ایسی صورت سے ٹھکانے لگی کہ اس کا فخر مجھ کو۔ میرے خاندان کو۔ میرے احباب کو بلکہ ہزارواستان کے تمام موجودہ واز جہاں رفتہ ندیموں جلیسوں۔ ہمنشینوں کو تا قیام تذکرہ وہ شرف وافتخار حاصل رہیگا جس کی تمنا میں لوگ عمریں گنوا دیتے ہیں اور میسر نہیں ہوتا۔ بھلا وہ کونسا فخر ہے وہ یہی فخر ہے کہ ہمارے ہندوستان کی شاہی زبان کے حامی۔ اُردو کے پورے پورے سرپرست۔ اہل سخن کے قدردان سخن سنج۔ سخن گو۔ سخن شناس۔ سخن فہم۔ اعلےٰ حضرت۔ والا شوکت بندگان عالی متعالی سپہ سالار مظفر الممالک۔ فتح جنگ ہز ہائنس **میر محبوب علی خاں** بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اپنی کمال قدردانی و جوہر شناسی سے اپنے نام نامی کے ساتھ اس کا معنون ہونا منظور فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ دیگر ہوا خواہانِ اُردو کا دل بڑھایا ⁕

آخر میں میں اُن دوستوں کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے ترتیب تذکرہ میں شعرا کے حالات اور کلام کی فراہمی سے امداد کی۔ ان میں سب سے اول نمبر پر اُردو زبان کے فدائی اور اُس کے استقلال و قیام پر اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کرنیوالے منشی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وظیفہ خوار نظام قابل تذکرہ ہیں منشی صاحب



آباد

آباد - مرزا مہدی حسن خان خلف مرزا غلام جعفر خاں لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شیخ ناسخ کے نامی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۱۲۳۸ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگ لکھنؤ کے عمائدین میں سمجھے جاتے تھے۔ نواب فرخ آباد کے قریبی رشتہ دار تھے۔ تمام عمر لکھنؤ میں رہے اور اپنی عمر فراغ بالی سے بسر کی۔ اگلے لوگوں کی طرح وضعداری کے پابند اور مجالسِ مشاعرہ کے ازبس دلدادہ تھے۔ وضعداری جو پُرانے لوگوں کا عام شیوہ تھا ان کا خاص شعار تھا۔ چنانچہ آجتک مشہور ہے۔ کہ آپ مشاعروں میں نہایت پابندی سے شریک ہوتے۔ اور حتی الامکان کوئی جلسہ غزل خوانی سے ناغہ نہ ہونے دیتے تھے ان کی پُرگوئی بھی شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک تذکرہ نویس نے تو یہاں تک غلو کو کام فرمایا ہے

سے راقم کا حوصلہ بڑھایا ۔ فقط

لاہور - ۱۵ مارچ ۱۹۰۸ء { خادم انام گمنام سریرافم دہلوی

وا رہیں بعد فنا قبر میں آنکھیں آباد — حشر تک حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

ہجر میں اے رشکِ شیریں جان شیریں تلخ ہے — کام تالے کر رہے ہیں تیشۂ فرہاد کا

روشنی پائی سخاوت سے جہاں میں نام ہے — ہر درم گویا چراغِ مرقدِ حاتم ہوا

بگڑ گیا جو نکلتے ہی روح کا نقشہ — طلسم تھا کوئی یا اپنا خانۂ تن تھا

جب ہوئے برباد اے آباد تب پایا پتا — بے نشاں ہو کر ملا ہم کو نشانِ کوئے دوست

ترے غم میں گریباں گیر ایسی ناتوانی ہے — کہ گر پڑتا ہوں ساتھ اشکوں کے میں بھی اپنے دامن

ہاتھ کیا اُس نے اُٹھایا سینکڑوں بسمل ہوئے — دے رہا ہے عاشقوں کو موت کا پیغام رقص

ممکن نہیں کسی کا رہے برقرار رنگ — ہے مثلِ گل جہان کا ناپائدار رنگ

اے گل ذرا شباب دوروزہ کی قدر کر — کس پھول کا ہمیشہ رہا برقرار رنگ

فقط امید ہے بخشش کی تیری رحمت سے — وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

جو تم کو انس ہے آباد کو محبت ہے — تمہیں نہیں تو اُسے بھی تمہاری چاہ نہیں

مثالِ چرخِ گرداں جنکے لاکھوں قصرِ عالی تھے — اب اُن کی خاک اُڑتی پھرتی ہے دشتِ بیاباں میں

قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے — یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

ہے رنگ کب گلوں میں جو ہے روئے یار میں — اک عندلیب کیا ہے میں کہہ دوں ہزار میں

کوئے صنم سے دیکھئے آتی ہے پھر کے کب — اپنی نظر کے آپ ہیں ہم انتظار میں

محوِ جمالِ یار نہیں مجھ سا دوسرا — جھپکی نہ تا بہ زیست پلک انتظار میں

خوں گرفتہ نہ کوئی عشق میں ہم سا ہوگا — دمبدم منتِ جلاد کیا کرتے ہیں

پس از مردن بھی مجھ سے دشمنی ہے شوخ بدظن کو — مرے مرقد سے جاتا ہے اُٹھائے اپنے دامن کو

جہانتک ہوسکا اپنی زباں سے اس کے گن گائے — جتائی بات ہم نے دوستی کی اپنے دشمن کو

دل لگانے میں تو ہے جور اُٹھانے کا مزہ — لطف کیا ہے کہ جو معشوق ستمگار نہ ہو

لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے — نہ جیئے وہ جسے مرنے سے سروکار نہ ہو

کہ عروض کے ہر ایک بحر میں ان کا ایک ایک دیوان ہے بہرحال دو اور بقول بعض اس سے زیادہ دیوان اور ایک مثنوی - تین واسوخت ان کی یادگار ہیں - جن میں سے ایک دیوان موسوم بہ نگارستان عشق ۱۲۶۲ھ ہجری میں لکھنؤ کے مرتضوی مطبع میں شایع ہُوا تھا - اب یہ بھی کمیاب ہے - مگر ان کی مستقل یادگار بہارستان سخن سے قایم ہوئی جس میں ناسخ آتش کے بالمقابل ہم طرح غزلیں درج ہیں - یہ مجموعہ بیشک ملتا ہے - حق یہ ہے کہ گو ان کا کلام اُن دونوں اُستادوں کے پایہ کو نہیں پہنچا مگر تاہم بجائے خود قادر الکلامی کا پتہ دیتا ہے - اگرچہ ان کی طبیعت بھی استعارہ پسندی سے (جو اس زمانہ میں عام رواج تھا) خالی نہیں مگر اِس کے سوا کہیں کہیں اخلاقی اشعار بھی لطافت طبع کی جھلک دکھا رہے ہیں - چھوٹی بحروں میں اکثر زور فکر لائق تحسین ہے - واسوخت بھی اپنے رنگ میں بہت مقبول اور معاملہ بندی کا پہلو لئے ہوئے ہے - مگر محاورات سے اس نے بھی پہلوتہی کی ہے - نمونۂ کلام بطور انتخاب ذیل میں درج ہے :-

واللہ کیا ہے حُسن بتوں کے غرور کا
بندوں کو شک ہُوا ہے خدا کے ظہور کا

شعبدے دکھلائے حسنِ یار نے ہر دم نئے
سامنے آنکھوں کے یہاں کیا کیا تماشا ہو گیا

کوئی ثروت میں بھی ایذائے غربت دل سے جاتی ہے
نہ بھولا تخت پر یوسف کو صدمہ چاہِ کنعاں کا

پائے گا اک دن کمالِ سربلندی شکلِ بدر
ماہِ نو کی طرح جو بحرِ تواضع خم ہُوا

فور آترپ کے حرف سے ہر حرف ہو جُدا
لکھ دوں جو خط میں حال کبھی اضطراب کا

سیلاب اشک سے نہ فقط ہر مکاں گرا
کرّوبیوں میں غُل ہے کہ اب آسماں گرا

بلبل ہُوں ایسے گلشنِ نازک بہار کا
موجِ شمیم گل سے مرا آشیاں گرا

اتنا بھی نہ رہ محفلِ ہستی میں تو بدمست
دُور آنکھوں سے کرنشہ مئے بےخبری کا

جذب دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا
جیتے جی میں گلشنِ جنت میں داخل ہو گیا

تیری آنکھوں کی فسوں کاری جو کچھ بھی اے پری
کچھ نہ بولا سامری پر دل میں قائل ہو گیا

قیامت آئے اُٹھے روئے یار سے پردہ سمندِ عمر کو آباد روکے کیونکر	خدا وہ صبح دکھائے کہ جسکی شام نہیں زیادہ اس سے کوئی زرِش تیز گام نہیں

آباد

(آباد) ان کا نام یعقوب علی تھا - اور والد کا اسحاق خاں - دہلی شاہ جہاں آباد کے قدیم باشندے تھے - نہایت خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے - مگر افسوس ہے کہ اس حُسن صورت پر حُسن سیرت کا شفاف آئینہ زنگ آلود تھا - گو طبیعت کی اس ناہمواری نے پڑھنے لکھنے پر اچھی طرح دل نہ جمنے دیا مگر موزونی طبع نے درس گاہ سخن میں ضرور داخل کر دیا جس کی بدولت سلک نظم میں کہیں کہیں ان کے اشعار کے موتی اپنی چمک دکھا رہے ہیں - عمر کا ٹھیک حال معلوم نہیں لیکن یہ سنتے ہیں کہ ۵۷ء کے غدر میں جوان تھے - اگرچہ ان کے چند اشعار سے پورا پورا طبیعت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا مگر صاف گوئی میں شبہ نہیں - چنانچہ اس شعر میں اپنی بدصحبتوں کا خود ستاسفانہ اقرار کرتے ہیں ؎

ان خراباتیوں کی صحبت نے	تجھ کو آباد کیا خراب کیا

اشعار ذیل ان کی زندہ یادگار ہیں :-

اُس کے قامت کی یاد میں ہم نے تو نے دریا میں اک نگاہ کے ساتھ اِن خراباتیوں کی صحبت نے	مصرعِ سرو انتخاب کیا قطرۂ آب کو شراب کیا تجھ کو آباد کیا خراب کیا

آباد

(آباد) منشی سید تہذیب حسین - بریلی کالج میں تعلیم پائی ہے - ایام طالب علمی کی کلام سے چند شعر انتخاب ہو کر درج تذکرہ ہوتے ہیں :-

عاجز ہم آ گئے فلکِ بد شعار سے یہ تھی آرزو وقت رحلت ہماری ترے ہجر میں نیم جاں ہو رہے ہیں	جائیں گے اب وہاں کہ جہاں آسماں نہ ہو بنے اس کے کوچے میں تربت ہماری تاسف کے قابل ہے حالت ہماری

تجھ کو جو دیکھے خراماں وہ نہ آئے آپ میں
دل کو وارفتہ کرے وہ طور ہیں رفتار کے

کب دیکھیں چھڑاتا ہے خدا قیدِ الم سے
الجھے ہوئے ہیں سلسلۂ زلفِ صنم سے

کچھ پوچھ نہ حال خرد و صبر کو اے عشق
مدت ہوئی ان دونوں کو چھوٹے ہوئے ہم سے

دل کرے گا نہ خیالِ رخ جاناں خالی
کبھی اس گھر کو نہ چھوڑے گا یہ مہماں خالی

ہے تماشہ کی جگہ عالمِ اسباب مجھے
بخت بیدار دکھاتا ہے نئے خواب مجھے

اب بھی منظورِ نظر ہونے کے قابل کیا نہیں
پس کے دل سرمہ ہوا طرزِ خرامِ یار سے

ابرِ غم میں گھر گئے آباد زلفیں دیکھ کر
بجلیاں دل پر گریں برقِ نگاہِ یار سے

بھلا دیکھیں گے کیونکر غیر اُس کو
مری آنکھوں کے پردے میں نہاں ہے

سینکڑوں ہی کشتۂ رفتارِ جاناں ہو گئے
پاؤں رکھا جس جگہ گنجِ شہیداں ہو گئے

اُمید قطع ہوئی ٹکڑے ہو گئے دل کے
پیامبر کا سر آیا جواب کے بدلے

آباد

(آباد) شیخ علی باقر ساکن عظیم آباد سنہ ۱۳۲۲ ہجری میں ان کا دیوان بھی چھپ گیا ہے چند سال ہوئے کہ انتقال فرمایا۔ خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ شعر خاصا کہتے تھے۔ کلام تعلق الفاظ سے پاک سیدھا سادا اور دل گداز ہے۔ بطور یادگار چند اشعار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں:-

قتل کرتا ہے شوق ہی دل کا
مفت میں نام بد ہے قاتل کا

صاف کہتا ہے حالِ دشمن و دوست
دل ہے آئینہ حق و باطل کا

میری آنکھوں سے دیکھ اے مجنوں
پردہ اُٹھا ہوا ہے محمل کا

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں
ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں

گلوں کو کہتی ہے چونکا کے یوں نسیمِ سحر
چلے چلو کہ ٹھہرنے کا یہ مقام نہیں

خدا کی یاد میں حوروں کی یاد اے واعظ
نگاہ غیر پہ کرنا۔ یہ کیا حرام نہیں

گلے پہ چلنے دو رک رکے تیغِ قاتل کو
مقامِ صبر ہے عجلت کا یہ مقام نہیں

سے ہرگز بے بہرہ نہ تھے۔ اپنی خوش خلقی اور نیکدلی سے دلوں کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اپنے زمانہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے۔ اگرچہ اُن کے کلام میں پُرانے محاورے اور اس وقت کے متروک الفاظ بکثرت ہیں۔ مگر جن اشعار کو اس وقت کی ہوا نہیں لگی وہ بالکل اس زمانہ کے موافق ہیں اور ہوبہو آج کل کے روزمرہ کا لطف دے رہے ہیں لہٰذا ناظرین تذکرہ کو دونو چاشنیوں کا لطف چکھایا جاتا ہے +

چھوڑ مت دام زلف سے دل کو ۔۔۔ بال باندھا غلام ہے تیرا

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہُوا ۔۔۔ جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہُوا

انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں ۔۔۔ جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہُوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے ۔۔۔ کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جُگ بیتا

لگا دل یار میں تب اس کو کیا کام آبرو ہم سے ۔۔۔ کہ زخمی عشق کا پھر مانگ کر پانی نہیں پیتا

نین سے نین جب ملائے گیا ۔۔۔ دل کے اندر مرے سمائے گیا

یہ رسم ظالمی کی دستور ہے کہاں کا ۔۔۔ دل چھین کر ہمارا دشمن ہُوا ہے جاں کا

بوسہ لباں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا ۔۔۔ پیالا بھرا شراب کا افسوس گِر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس گلی ۔۔۔ ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

گرچہ قائل ہوں سجن تیری کمر معدوم کا ۔۔۔ لیک مشکل ہے بیاں اس رمز نامعلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے ۔۔۔ دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اُتارا

بوالہوس کو ہُوا ہے تب سے دماغ ۔۔۔ جب سے تم نے اُسے بلا بھیجا

دل تو دیکھو آدم بے باک کا ۔۔۔ عشق سے بھرتا ہے پُتلا خاک کا

کیوں چھپا ظلمت میں گر اس لب سے شرمندہ نہ تھا ۔۔۔ جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

آبرو کے قتل کو حاضر ہوئے کس کر کمر ۔۔۔ خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھکر

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط ۔۔۔ کس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

حسینوں پہ آبرو مائل نہ ہونا	یہ تم یاد رکھنا نصیحت ہماری

آبرو

(**آبرو**) شاہ نجم الدین عرف شاہ مبارک۔ ان کا نسبی سلسلہ ایک مشہور بزرگ شاہ محمد غوث گوالیاری سے ملتا ہے۔ آپ عالم شباب میں دہلی چلے آئے اور یہیں رہ کر مشق سخن سے اپنے ریختے کی بنیاد کو مستحکم کیا یہانتک کہ مسلم الثبوت اُستاد مانے گئے طبقہ اول کے نامی شعرا میں آبرو کو نہایت آبرو کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ باوجود مشاقی **خانِ آرزو** اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر نے اپنی یادگار ایک بہت بڑا دیوان چھوڑا مگر غدر کی دست بُرد نے اس مرتبہ پر پہونچایا کہ اب وہ عنقا سے کم نہیں۔ ہاں راقم نے اپنے ایک دوست کے پاس ایک مختصر دیوان دیکھا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبع رسا کو تشبیہات وصنعت ایہام کا زیادہ شوق تھا گو ان صنعتوں کا الجھاؤ معاملہ سلجھانے میں حارج تھا لیکن ساتھ ہی اس کے محاورہ کی گرہیں لگاتے جاتے ہیں طبیعت رسا اور فکر معنی یاب تھی۔ محمد شاہی عہد کے شاعروں میں تھے۔ اُسی کس مپرسی کے زمانہ میں زندگانی کا شیریں عیش تلخی سے مبدل ہوگیا تھا؎

مرزا جان جاناں **مظہر**۔ **ناجی**۔ **مضمون** کے معاصرین میں تھے۔ مرزا صاحب سے کبھی کبھی نوک جھوک بھی ہوجاتی تھی۔ آپ سب کو ایک آنکھ دیکھتے تھے ✦

حضرت کو شاہ کمال بخاری کے بیٹے پیر مکھن متخلص بہ **پاکباز** سے کمال اُنس تھا۔ اپنے مرغوب الطبع دوست پیر مکھن کے نام کا سجع بھی کہا ہے گو یا دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کرکے دکھایا ہے۔ وہ سجع یہ ہے :-

عالم ہمہ دروغ ست و محمدؐ مکھن

اگلے زمانے کے شرفا کی علمی تحقیقات تحصیل حاصل ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعلیم عام نہ تھی ایسی حالت میں اگر خواص بھی جاہل رہتے تو صفحۂ عالم پر عبادت گاہوں کی طرح درس گاہوں میں بھی اللہ ہی نظر آتا بس یہ کہنا بیجا نہیں کہ شاہ مبارک آبرو۔ کم از کم دینی علوم وفنون

تم اپنی بات کے ماجا ہو پیارے — کہے سے ضد تمہیں ہووے سوائی

اب تلک کھینچ کھینچ جور و جفا — ہر طرح دوستی نباہی ہے

طور کیا پوچھتے ہو کافر کا + — شوخ ہے بانکا ہے سپاہی ہے

آبرو کیوں نہ ہو رہے خاموش — درد کہنے کی یاں منائی ہے

ٹوجا آبرو سے خود بخود تم — کہ اُس کو تو پیار ہے بیخودی ہے

آبرو

(آبرو) سید اصغر علی ساکن جل گنج واقع ٹونک ۱۸۹۶ء میں دربار ٹونک (راجپوتانہ) کے دفتر الانشاء میں ملازم تھے - اعتبار الملک سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی کے شاگرد ہیں طبیعت رواں ہے - اپنے اُستاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں - بندش بھی بُری نہیں ہے - کلام میں صفائی ہے زبان ستھری ہے - جو کلام ہماری نظر سے گزرا اُس سے طبیعت کی مشاقی معلوم ہوتی ہے +

صدقے ہزار جان سے تجھ پر بہار گل — قربان لاکھ دل سے تری بانکپن کے پھول

پہلو میں خار بن گیا دل واہ ری خلش — غربت میں یاد آئے جو ہم کو وطن کے پھول

کھائیں گے کبک ٹھوکریں رفتار یار سے — جائیں گے آنکھیں دیکھ کے پاؤں ہرن کے بھول

وہ بیماروں سے بدتر کیوں نہ جیں سے نہ تم بولو — وہ اچھا کیوں نہ ہو بیمار غم جس کی دوا تم ہو

آتش

(آتش) اِن کا نام خواجہ حیدر علی اور باپ کا نام خواجہ علی بخش تھا - خواجہ زادوں کے خاندان سے تھے جن میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا - خواجہ صاحب کے تاریخی حالات اور تذکروں میں بالاجمال اور تذکرہ آب حیات میں بالتفصیل موجود ہیں پس ہم اختصار پر اکتفا کرتے ہیں +

خواجہ صاحب اور شیخ ناسخ چونکہ دونوں اُستاد ہمعصر تھے اور ایک ہی جگہ ہونے سے گویا ایک بن میں دو شیر تھے اس باعث سے اکثر باہم چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ معتمد الدولہ نواب آغا میر کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی - یہ وہی مشاعرہ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ نواب صاحب نے آتش کے مقابلہ میں شیخ صاحب کو خلعت دینے کا ارادہ کیا تھا - دونو

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن میں بھول
گلشن کے دیکھ تجھ کو گئے ہاتھ پاؤں پھول

دھمکاوتے ہیں ہم کو کمر بند باندھ کر
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا کُل بھرم

دُور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہُوا ہوں میں
یاں تلک تو فنِ عشق میں کامل ہُوا ہوں میں

مت قہر سیتی ہاتھ میں لے دل ہمارے کون*
جل جائیگا پکڑتا ہے ظالم انگارے کون*

ٹک باغ میں شتاب چلو اے بہارِ حُسن
گل چشم ہو رہا ہے تمہارے نظارے کون

پھر پھر کے دیکھ ہم کو کیوں مسکراوتے ہو
مدت میں آپڑا ہے یہ اتفاق حسنہ

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
تار تار اسکی ہیں دل ہے گانٹھ کی پوری ہے یہ

وہ پختہ کار کب لکھتا ہے نامہ
نہیں کچا جو لیوے ہاتھ خامہ

نہ دیوے لے کے دل وہ جعد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دیوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اُس کی اشک باری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

رستم تیری آنکھوں کے ہوئے اگر مقابل
آنکھوں کو دیکھ تیری تلوار بھول جاوے

کیا شیخ و کیا برہمن جب عاشقی میں آوے
تسبیح کرے فراموش زنّار بھول جاوے

اب دین ہُوا زمانہ سازی
آفاق تمام دُھریا ہے

تم نے بجاونے کو جب ہاتھ بیچ نے لی
مجنون ہو گئے سب یہ اس طرح کی نے لی

تمہارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

تمھارا دل اگر ہم سے پھرا ہے
تو بہتر ہے ہمارا بھی خدا ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے (بگولا)

لباس تن پہ نہیں بن کیونکہ گذرے موسم سرما
قیامت ہے تری یہ سرد مہری تپ بے رُوئی

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل انکھیاں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں قتل ہوئے

نوٹ: * اس زمانہ میں بجائے کو کے مستعمل تھا۔

سے خاطر خواہ تحصیل علم نہ کر سکے طبیعت کی موزونی اور آتش بیانی خداداد تھی - حضرت مصحفی کی اصلاح نے اور بھی چمکا دیا تھا - اخیر میں بعض اشعار کی اصلاح پر استاد سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی - مگر دامن تہذیب دستِ ادب سے نہ چھوڑا تھا - کسی کے ملازم نہیں تھے - سرکار لکھنؤ سے اسّی روپے ماہوار بطور وظیفہ ملتے تھے - مزاج میں قناعت بہت تھی صرف وظیفہ پر ہی تکیہ کئے بیٹھے رہتے تھے کبھی کسی امیر رئیس کی تعریف میں قصیدہ نہیں لکھا حتیٰ کہ شاہ اودھ کے حضور میں بھی حاضر نہیں ہوئے - دیوان غزلیات حیات میں ہی شائع ہو کر قبولیت کا اعزاز حاصل کر چکا تھا - عاشقانہ کلام اکثر زبان زدِ خاص و عام ہے - جس طرح کلام ظاہری تصنع سے پاک صاف ہے باطن بھی ریاکاری کے لوث سے منزہ تھا گو تخلص کی رعایت سے آتش تھے مگر طبیعت کی مسکینی سے اپنے آپ کو خاک جانتے تھے - سپاہیانہ وضع پسند خاطر تھی ہر وقت تلوار قبضے میں رکھتے تھے - کبر و غرور کو پاس نہیں پھٹکنے دیتے تھے ۱۲۶۳ ہجری میں اس دار فنا سے ملک بقا کو سدھارے +

شاگرد تو بہت تھے مگر مشاہیر تلامذہ میں جنھوں نے اُستاد کے نام کو اُسی چمک دمک سے زندہ رکھا یہ ہیں - نواب سید محمد خاں - رند - میر وزیر علی - صبا - میر دوست علی - خلیل - صاحب مرزا اشناور - ہادی علی جلیل - عنایت علی بسمل - پنڈت دیا شنکر نسیم صاحب گلزار نسیم

وہ یاد ہے اسکی کہ بھلا دے دو جہان کو ۔ حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے ۔ محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

چال ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ ۔ ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ بھی کھڑے ہوئے ۔ میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا + ۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

دو نعمتیں ہیں میری ہیں میں ہوں فقیر مست ۔ ایک نانِ خشک ایک پیالہ شراب کا

صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے ۔ کنج قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

اُستاد اپنی اپنی غزلیں لکھ کر لے گئے۔ پہلے شیخ صاحب نے غزل پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے	تماشا ہے تہِ آتش دُھواں ہے

خواجہ آتش بھی پرکالۂ آتش تھے آتش کا لفظ سنتے ہی آگ بگولا ہو کر بھڑک اُٹھے جب شمع سامنے آئی تو یہ مطلع پڑھا ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے	زمیں جسکی چہارم آسماں ہے

حسنِ اتفاق سے یہ مطلع حسب حال ہوگیا کیونکہ چہزلہ مکان کی چھت پر مشاعرہ ہو رہا تھا (یہ مکان اب تک موجود اور آغا میر کی ڈیوڑی کے نام سے مشہور ہے) نواب صاحب نے دونو استادوں کو خلعت سے مفتخر فرمایا۔

دونو کے معتقد اپنی اپنی عقیدت کے جوش میں ایک دوسرے کو جو چاہیں سو کہیں مگر دراصل آتش و ناسخ اپنی اپنی روش و رنگ میں کامل تھے۔ اگر شیخ صاحب موزونی وصحت الفاظ و تلاش مضامین عالی میں بڑھے ہوئے تھے تو خواجہ صاحب بھی لطف محاورہ فصاحت۔ نفاستِ بندش۔ خوش اسلوبی طرز بیان میں اُن سے کم نہ تھے۔ اسی وجہ سے پڑھنے والے کے دل پر ان کے کلام کا بالمقابل زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں باہم کچھ مخالفت تھی تو صرف اتنی کہ ہر ایک اصناف سخن میں فوق لیجانا چاہتا تھا نہ کہ دلوں میں عداوت و مخاصمت جمی ہوئی تھی اُس زمانہ کے شرفا۔ وضعداری۔ انصاف پسندی اور حق گوئی پر زیادہ عمل کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت میں جہل و نفسانیت کو بہت کم دخل تھا چنانچہ باوجودیکہ شیخ ناسخ نے خواجہ صاحب سے نو برس پہلے انتقال کیا مگر خواجہ صاحب نے یہ وضعداری برتی کہ اُس وقت سے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا جس سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر میں ناسخ کے بعد کلام کی داد دینے والا کوئی نہ تھا۔ ہم اس جگہ اُن کے مذہب اور اُن کے والد کی اصلی مقام سکونت کو زائد از بحث سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔

چونکہ خواجہ صاحب کو شعر گوئی کا شوق ابتدا سے سن شعور ہی سے دامنگیر ہو گیا تھا اس وجہ

کوچے سے یار کے نہ صبا دور پھینک لے
مشتاقِ اہلِ میکدہ ہیں یاں کرم کرے

رخسارِ زرد پر مرے بہتے ہیں اشکِ خوں
وحشی بنے بوسے گل کھلے سے جہاں میں ہم

جوشِ وحشت میں جو ہوں مائلِ رفتار قدم
مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست

دیدارِ عام کیجیے پردہ اٹھائیے
برابر جان کے رکھا ہے اسکو مرتے مرتے تک

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں
سر کون سا ہے جس میں کہ سودا نہیں ترا

عاشق ہیں ہم کو مدِنظر کوئے یار ہے
بانئ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں

پھیر کر منہ کو دکھاتے ہیں وہ زلفیں اپنی
بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں

جامِ خرابِ عشق سے دونوں ہیں بے خبر
دردمندِ عشق جویائے دوا ہوتا نہیں

چمنِ دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں میں
چال وہ چلتے ہو دل پستے ہیں جس پہ ہر قدم

باغ میں آئے ہو ساتھ لگے بھی پھیر لو دو گام
سرمۂ منظورِ نظر ٹھہرا ہے چشمِ یار کو

رات بھر آنکھوں کو اس امید پر رکھتا ہوں بند

مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر
ابرِ سیاہ کا لطف نہیں خانقاہ پر

یکجا دکھا رہی ہے خزاں و بہار رنگ
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

شہرِ ہستی سے ہے صحرائے عدم چار قدم
مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

تا چند بندہ ہائے خدا آرزو کریں
ہماری قبر پر رویا کرے گی آرزو برسوں

پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں
ہوتی ہیں تیرے نقشِ قدم کی زیارتیں

کعبے کے حاجیوں کو مبارک زیارتیں
کھیل لے ہر کوئی جس کو یہ وہ شطرنج نہیں

سانپ پالو تو ہیں موجود مگر گنج نہیں
جو اس خم سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

باغِ جنت کی ہوا سے بھی جو پیدا نہ ہو
کام وہ کرتے ہو تم جس میں کسی کا کام ہو

کبک طاؤس کا جھگڑا ہی چکاتے نہ چلو
نیلگوں گنبد اپنا یا مرقوم بیمار کو

خواب میں شاید کہ دیکھوں طالعِ بیدار کو

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں جیتا

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
زینۂ صبا کا ڈھونڈتی ہے اپنی مشتِ خاک
چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
صیاد گلعذار دکھاتا ہے سیرِ باغ
ترچھی نظر سے طائرِ دل ہو چکا شکار

ساقی کی نگاہوں نے مرے ہوش اڑائے
باغِ عالم کا ہر ایک گل ہے خدا کی صورت
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
سُنا کرتا ہوں ان کو چھیڑ کر پاؤں سے میں مجنوں
حیف کی جا ہے نہ دے زمزمہ جب اکی زباں
کسیکی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی
شبِ فراق میں مجھکو سُلانے آیا تھا
قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مرے
دو مرینگے زخمِ کاری سے تو حسرت سے ہزار
اُس بلائے جاں سے آتش دیکھئے کیونکر بنے
مشتاقِ دردِ عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
تا چند کروں سینے میں میں آہ و فغاں بند
ہم الفتِ دیں سے ہے ایسے ہم الفتِ دنیا

نہ اک نُو کم ہوا اپنا نہ اک تارِ کفن بگڑا
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

کہتی ہے مجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا
بامِ بلند یار کا ہے آستانہ کیا
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا
جب تیرِ کج پڑے گا اُڑے گا نشانہ کیا

آنکھوں نے دیا جام مئے بے خبری کا
باغباں کون ہے اسکا یہ چمن ہے کس کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا ہے سنبلستاں کا
میری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا
پرورش پایا ہوا لیا آدمی سے ہے شیر کا
حباب سے کے جو برابر کوئی حباب آیا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست
چار تلواروں میں شل ہو جائینگے بازوئے دوست
دل ہوا شیشے سے نازک دل ہے نازک خوئے دوست
کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ
کب تک ہے اس گھر میں الٰہی یہ جوان بند
وہ گنج ہے دل جسمیں ہے نقدِ دو جہاں بند

میری ایذا کے لئے مُوسے میں جاں آتی ہے
کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ظاہر ہے یہ اے یار تیری کم سخنی سے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے

بیخود ہے یار دولتِ حسنِ شباب سے
سچ ہے زیادہ نشۂ زر سے خراب ہے

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آئی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

جو چلن چاہے چلیں آتش بتانِ بیوفا
حُسن جب پیدا ہُوا سب عیب پنہاں ہو گئے

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقامِ ہُو نظر آیا مجھے

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہکر کمانداروں میں ہم
اس نشانے کو اُڑا دے جو وہ تیرانداز ہے

آثم

(آثم) شاہ عنایت اللہ نام تھا مگر شاہ آثم مشہور تھے - شاہ خادم صفی کے مرید اور مولوی محمد حسن بلگرامی کے شاگرد تھے - ان کا ایک مختصر دیوان مطبع دریائے لطافت کانپور میں چھپا تھا - انکے کلام میں کچھ معرفت کا رنگ بھی جھلکتا ہے +

بیخودی میں عجب مزا دیکھا
سرِّ مخفی کو برملا دیکھا

اس دل میں اگر جلوۂ دیدار نہ ہوتا
زنہار یہ دل مظہرِ اسرار نہ ہوتا

ہے دل وہاں پہ فضلِ خدا سے پہنچا ہوا
وہم فرشتہ بھی نہ جہاں پر رسا ہوا

شکلِ جانانہ جابجا ہیں ہم
کہیں ناز اور کہیں ادا ہیں ہم

عاشقِ زار ہوں جز عشق مجھے کام نہیں
طالبِ کفر نہیں تابعِ اسلام نہیں

عجب تو نے جلوہ دکھایا مجھے
کہ عالم میں پھر کچھ نہ بھایا مجھے

اسلام اور کفر ہمارا ہی نام ہے
کعبہ کنشت میں اپنا مقام ہے

آثم

(آثم) مرزا والا بخت گورگانی مقیم بنارس - مرزا قیصر بخت بہادر فروغ مرحوم کے خلفِ اکبر اور شاگرد رشید تھے علوم مروجہ میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے - وجیہ - خوش خُلق - ذی مروت - ظریف نواز

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

تیغ میں جوہر کہاں وہ ابروے خمدار کے
زخم دکھلائی نہیں دیتے ہیں اس تلوار کے

ہم کو پردہ محبت غائبانہ عشق ہے
لن ترانی اُس سے ہو سائل ہیں جو دیدار کے

حُسن کا نظارہ وہ نعمت نہیں جو دل بھرے
سیر ہو جگے نہیں بھوکے ترے دیدار کے

تم سیر کرکے کیا پھرے اندھیر ہو گیا
بازار آ کے رونقِ بازار لے چلے

بازار دہر میں نہ رہی جنس دل پسند
سودا جو تھا وہ تیرے خریدار لے چلے

بہار آئی مرادِ چمن خدا نے دی
شگفتہ غنچے ہوئے بوئے گل خدا نے دی

نہ مُڑ کے بھی بیدردِ قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

پیامبر نہ میسر ہُوا تو خوب ہُوا
زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

یہ صدا دیتی ہے خلخال ان کی ہنگام خرام
خاک میں مل جائے جسکو حسرتِ پابوس ہے

مگر اس کو فریبِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

خدا یاد آگیا مجھکو بتوں کی بے نیازی سے
ملا بامِ حقیقت زینۂ عشق مجازی سے

گیسوئے مشکیں رخِ محبوب تک آنے لگے
چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بُو تیری

پیمبر میں نہیں عاشق ہوں جانی
رہے موسٰی ہی سے یہ لن ترانی

ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزہ عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گذر لیتا ہے

آنکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

دیکھیئے کرتا ہے کیونکر یار سے گستاخیاں
شوق کے بھی حوصلے کو آزمایا چاہیے

سامنا جب اُس مسیحا کا ہُوا بیمار سے
بھر دیجئے آنکھوں کے کاسے حسرتِ دیدار سے

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

تری سلک دُرِ دنداں کی ایسی آبداری ہے		کہ جسکے سامنے پانی در خوش آب بھرتے ہیں

آرام

(آرام) رائے پریم ناتھ - کھتری - دہلی کے قدیم رؤسا میں تھے - انکے بزرگ بزمانۂ شاہ عالم ثانی شاہی سرکار میں ملازم اور یہ خود بھی صاحب اقتدار تھے - آخر عمر میں تارک الدنیا ہوکر بندرابن (متھرا) میں جا بسے تھے - تیر اندازی اور خوشنویسی میں یدِ طولےٰ رکھتے - فارسی اور اُردو دونو زبانوں شعر کہتے تھے - دو ہزار شعر کا ایک دیوان یادگار زمانہ ہے - انکے کلام میں کسی قسم کی جدت اور بلند پروازی نہیں پائی جاتی البتہ کلام کی موزونی اور زبان کی سادگی میں کچھ شبہ نہیں ہ

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا		دل کا فوارہ اچھلتا ہی رہا
کون غمخواری کرے آرام کی		ایک مجنوں تھا سو جلتا ہی رہا

آرام

(آرام) رائے بہادر منشی شیو نرائن صاحب بیکنٹھ باشی سابق سکرٹری میونسپل کمیٹی آگرہ - انکے بزرگ قدیم الایام سے دار السلطنت اکبرآباد میں سکونت پذیر تھے - انکے جد امجد نظر نسبی جم کالیستھ حضرت غالب مغفور کے نانا خواجہ غلام حسین خاں کی سرکار میں معتمد باختصاص اور دار وغہ تھے - منشی صاحب کے والد تنسکھ لال بھی ذی رتبہ با رسوخ بزرگوار تھے - جناب آرام کو حضرت غالب کی فیض صحبت سے شعر و سخن کی طرف توجہ ہوئی - چونکہ خوش فکر تھے جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے - تصوف کی طرف زیادہ رجحان تھا اور عشقیہ مضامین سے کم رغبت تھی اسی وجہ سے کلام میں چلبلاپن نہیں ہے - غالب مرحوم ان کو نہایت عزیز رکھتے تھے - اُردوے معلی کے متعدد رقعے اسکی شہادت دے رہے ہیں - کلام میں سادگی - نازک خیالی - متانت بہت ہے - باوجود تلاش ایک ہی غزل دستیاب ہوئی اُسکا انتخاب حوالۂ قلم ہوا - منشی شیو نرائن نے انگریزی ڈاکٹر فیلن صاحب مولف فیلن ڈکشنری سے پڑھی تھی - جناب آرام تمام عمر عہدہ ہاے جلیلہ پر ممتاز رہے - چونسٹھ برس کی عمر میں اگست ۱۹۰۸ء کو راہی ملک بقا ہوے انکے دونوں صاحبزادے ڈپٹی کلکٹری کے عہدوں پر ممتاز ہیں آگرہ کے عمائدین میں گنے جاتے ہیں - ہ

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھیرے		جو اپنا دشمنِ دل ہو وہی دل کی دوا ٹھیرے

حکام رس - صاحب رسوخ تھے۔ عنفوانِ شباب میں جب شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی تو چند شعر کہہ ڈالے جب اتفاق سے وہ صاحب عالم مرزا فرخ کی نظر پڑ گئے - اپنے نور نظر کے اس کلام موزون سے متبسم ہوئے - ہونہار سمجھکر اصلاح دینے لگے - یہ بھی ذہن کی رسائی - طبیعت کی شوخی - فکر بلیغ سے چند ہی روز میں اچھے مشاق ہو گئے - ابھی جوانی کی حد سے آگے نہ بڑھے تھے کہ ۱۸ - جون سنہ ۱۹۰۸ء کو ۳۱ برس کی عمر میں دنیا سے دوں کو خیرباد کہکر عالم جاودانی میں گھر جا بسایا - ترتیب تذکرہ کے موقع پر جس قدر ان کے چھوٹے بھائی صاحب نے ان کا کلام بھیجا وہ ہی درج تذکرہ ہوا ✤

ملو نہ غیروں سے عزت پہ حرف آئیگا
کہ آب جا کے پھر آتی نہیں ہے گوہر پر

اجل نے آنکھیں نکالی ہیں مجھ پہ غصے کی
نہیں ہے حلقہ جوہر تمہارے خنجر پر

ساغر میں ہے ضیا جو رُخ شعلہ تاب کی
ہر بوند آفتاب ہے ساقی شراب کی

آثم

(آثم) حافظ حضور احمد خاں صاحب بریلی کے رہنے والے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے گو ابتدا میں حکیم نیاز احمد خاں صاحب ہوش کو بھی اپنا کلام دکھایا تھا - تذکرہ منظور حق ان کی یادگار ہے ۱۹۰۸ء میں کلکتہ جا کر تجارت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا ان کے چند شعر درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

یوں محبت پہ مری ناز ہے اسکو اے چرخ
شادیٔ جیسی دلِ قیس کو لیلا سے کر

حسینانِ جہاں دیکھیں جو اُسکے روئے روشن کو
یہ حسرت ہو ملا دیں خاک میں سب اپنے جوبن کو

جو ہیں اہل کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے
جھکاتا ہے سر ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو

آرام

(آرام) منشی لچھمن لعل صاحب کایستھ دہلی کے رہنے والے تھے - میر انشاء اللہ خاں انشا کے شاگردوں میں خیال کئے جاتے ہیں انکے صرف یہ دو شعر دستیاب ہوئے - جن سے کلام کی فصاحت اور محاورہ کی لطافت ٹپکتی ہے ؎

کہدو مجھسے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل
اسکو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

ٹھیر گیا ہے کہ چند الفاظ تغیر تبدل کر کے پرانے مضمون موزوں کر لئے اور جدت سے کچھ غرض نہ رکھی - متقدمین کو ابتدا ہی سے مضمون تلاش کرنے اور زبان کی ابتدائی حالت ہونے کی وجہ سے الفاظ بہم پہنچانے میں بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا تھا اس قدر خون جگر کھا کر حسب مراد ایک آدھ لخت جگر ہاتھ آتا تھا ایسی صورت میں خان آرزو جیسے فارسی گو شاعر کو کیا دقتیں پیش نہ آتی ہوں گی - یہ انہیں کی رسائی طبع کا نتیجہ تھا کہ اپنے اصلی فارسی مذاق کے پیرایہ پر اُردو اشعار میں ایک خاص رنگ پیدا کر دیا تھا صرف رنگ ہی پیدا نہیں کیا بلکہ خاص خاص محاوروں اور دہلی کے روزمرہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا چنانچہ اکثر ایسے محاورے باندھے ہیں جو اس وقت جوں کے توں مروّج ہیں - سخن فہمی اور تحقیق زبان میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا - شمس العلما پروفیسر آزاد دہلوی خان آرزو کی نسبت لکھتے ہیں کہ "خان موصوف کو زبان اُردو پر وہی دعوے پہنچتا ہے جو ارسطو کو فلسفہ کی منطق پر ہے - جب تک کل منطقی ارسطو کی عیال کہلائینگے - اہل اُردو خانِ آرزو کی کہلاتے رہینگے - خان آرزو وہی ہیں جنکے دامن تربیت سے ایسے شایستہ فرزند پرورش پا کر اُٹھے جو زبان اُردو کے اصلاح دینے والے کہلائے - یعنی مرزا جان جاناں مظہر - مرزا رفیع سودا - میر تقی میر - خواجہ میر درد وغیرہ" میر تقی خان آرزو کے بھانجے بھی تھے - خان موصوف نے ۱۱۶۹ھ ہجری میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا - دو دیوان فارسی میں یعنی ایک بجواب فغانی دوسرا بجواب کمال خجندی - دو کتابیں فن لغت میں ایک مسمی سراج اللغات دوسری موسومہ بچراغِ ہدایت - دو کتابیں شرح میں ایک خیابان یعنی شرح گلستانِ سعدی - دوسری شرح سکندر نامہ انکے علاوہ اور بھی چند کتابیں جیسے تنبیہ الغافلین - مجموعہ النفائس - تذکرہ شعرائے ہند وغیرہ ان کی یادگار ہیں - ان میں سے بعض کتابیں راقم تذکرہ کے پاس بھی موجود ہیں - خان موصوف کے حالات سے جو شوقِ کلام پیدا ہوا ہے اب اُسکی آرزو پوری کیجئے اور اشعار ذیل کو ملاحظہ فرمایئے

کیا حصارِ قلب دلبر نے کھُلے بندوں کیا		کھول کر بندِ قبا کو ملکِ دل غارت کیا

نہ ٹھیرے ناامیدی اُسکے دل میں اور کیا ٹھیرے	کہ جبکا بعد مرنے کے حصولِ مدعا ٹھیرے
وہ چاہیں جسقدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن	ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابندِ رضا ٹھیرے
یہ دنیا اک سرا ہے اسکو آخر چھوڑ جانا ہے	اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
کٹے ہیں سر بہت تیغِ جفا سے بے گناہونکے	عجب کیا ہے اگر قاتل کا کوچہ کربلا ٹھیرے
اِدھر آنے کو وہ ہیں اور اُدھر وقت سفر آیا	عجب مشکل نہ وہ آئیں نہ دم بھر کو قضا ٹھیرے
اُسی کو زندگی کا لطف ہے اس دہرِ فانی میں	کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھیرے
قیام اپنا ہو اس محنت سرائے دہر میں کیونکر	جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھیرے

آرام

(**آرام**) حکیم آرام الدین نام ہے - سورت (گجرات) کے رہنے والے فصیح الملک داغ دہلوی کے شاگرد ہیں اس سے زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

کیوں بتایا تو نے بلبل آشیاں	دشمنِ جاں برق ہے صیاد ہے
قتل کی میرے شہادت اور کیا	تر لہو سے دامنِ جلاد ہے

آرزو

(**آرزو**) سراج الدین علی خاں کے نام نامی سے کون واقف نہیں اکبر آباد اِن کا وطن تھا*۔ والد کا نام شیخ حسام الدین - تخلص حسام تھا - منشیان شاہی کے زمرہ میں منسلک تھے - شیخ محمد غوث گوالیاری کے خاندان سے منسوب اور گوالیار میں قاضی القضاۃ مشہور تھے مگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ دہلی چلے آئے انہیں شاہجہاں آباد کی سرزمین سے بے حد الفت تھی - اگرچہ انتقال لکھنؤ میں ہوا مگر مرتے وقت یہ وصیت کی کہ مجکو خاک دہلی کا پیوند کرنا چنانچہ انکی نعش دلّی میں آکر مدفون ہوئی - لطف نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خان آرزو فرخ سیر کے عہد ۱۱۳۲ہجری میں گوالیار سے دہلی آئے اور بعہد شاہ عالم ثانی بادشاہ گردی کے ایام میں نواب سالار جنگ کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے - خان آرزو فارسی زبان کے زبردست عالم اور مستند اور ایک نامور قادر الکلام شاعر تھے گو اُردو زبان میں کبھی کبھی شعر کہہ لیتے تھے مگر یہ کبھی کبھار کا کہنا بھی آج کل کے ہر وقت فکرِ سخن میں مستغرق رہنے والوں سے بدرجہا بہتر ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں فکرِ سخن کا یہ عالم تھا

* آپ سنہ ۱۱۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔

کہیے حال کی تجھکو نہیں خبر مطلق
کرے ہے پند ہمیں پند گو خدا کی شان
رو رو کے خون اُس نے بھی حسرت نکال لی
آزادگاں کو مانع وحشت نہیں ہے قید
ہے وہی غفلت اور وہی ہے بے نیازیاں
یہاں بیخودی ہے مانع نظارہ ہم نفس
آرزو مے کی مجھے کیا ہے کہ ساقی ہر دم
نگاہوں کے ملاتے ہی نہ تھا گویا کہ سینہ میں
آخر اُس آہوئے رم خوردہ کو لایا ہی نہ کھینچ
زاہد نہ تو تربت کو کہ اس کا ہی ہے ظہور
رہتا ہے غم سدا ترے اِس مبتلا کے ساتھ
اس پر بھی بد دماغ وہ ہوتے ہیں یا نصیب
وہاں بے نیازیوں سے نہیں کچھ خیال بھی
اس کو لڑائیوں کا کہاں ضعف سے دماغ
احباب جو کچھ حال کہیں میرا تو کہوے
ہے ایک بوسہ پہ سودا ہمارے دل کا کہ ہم
روز یوں ہی وصل میں لازم ہے تمکو گفتگو
آرزو کو بھی نہ افسوس قضا نے چھوڑا
فارغ البال ہوئے تم مجھے دے کر بوسہ
بعد مرنے کے بھی اُسکی ہے تمنا باقی

تڑپ رہا ہے پڑا ایک نیم جاں کیسا
کہاں کا آج ہمارا یہ غمگسار آیا
عاشق کا تو نے خوں نہ بہایا تو کیا ہوا
زلفوں میں تم نے دل کو پھنسایا تو کیا ہوا
احوال دل گر اُس کو سنایا تو کیا ہوا
اُس نے جمال اپنا دکھایا تو کیا ہوا
ان نگاہوں سے ہی شکار ہوا جاتا ہوں
عجب ہی دل کے لینے کا ہے ڈھب اُس شوخ پُر فن کو
میرے اس جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو
کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ
گویا کہ آشنا کو ہے ربط آشنا کے ساتھ
ہر چند بات کہتے ہیں ہم التجا کے ساتھ
ہم لب کو کس امید پہ کھولیں دعا کے ساتھ
کیجے نہ جنگ آرزوئے مبتلا کے ساتھ
لے بیٹھے ہو تم ذکر کہاں کا مرے آگے
لحاظِ نفع و خیالِ ضرر نہیں رکھتے
شوق بڑھتا ہے زیادہ آپ کی تکرار سے
عاشقوں میں ترے اک یہ ہی رہا تھا باقی
ابھی سو طرح کا ہے آپ سے دعویٰ باقی
سر تو باقی نہیں اور ہے وہی سودا باقی

(آرزو) منشی سید بندہ رضا خلف حکیم مولوی سید حسن رضا خاں بلگرامی وزیر شاہ اودھ سے انکا

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سُنے | کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا
آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو | کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو
اُس تند خو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے | ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو
جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں | زندگانی کا کیا بھروسا ہے
میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے | زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے
رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے | چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے
تجھ زلف میں اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے | بیکار ہے اٹک نہ رہے دل تو کیا کرے
دکھائی چشم مست اپنی جب اُس رند شرابی نے | نہ دم مارا کٹورے نے نہ ہچکی لی گلابی نے

آرزو

(آرزو) مرزا علاء الدین عرف مرزا کالے دہلی کے شہزادوں میں سے تھے تذکروں میں انکے باپ کے نام میں اختلاف ہے جناب صابر اور نساخ - باپ کا نام مرزا منور بخت نبیرہ مرزا فیروز بخت خلف حضرت شاہ عالم نور اللہ مرقدہٗ بتاتے ہیں اور بعض مرزا مظفر بخت کہتے ہیں مگر جناب صابر کا قول درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ آرزو انہیں کے شاگردوں اور خاندان میں تھے - گو انکا کلام اپنے زمانے کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اشعار میں طبیعت کی سادگی - کلام کی بے تکلفی - ایک موثرانہ طریقے سے جلوہ نما ہے مگر محاورات و روزمرہ دہلی سے جیسے اہل دہلی ملے ہوئے ہیں بہت کم التفات رکھتے ہیں - جناب صابر انکے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "نومشق اور کم گو تھے" پینسٹھ ۶۵ برس کے سن میں غدر سے پیشتر انتقال کیا - مرزا قادر بخش صابر کے اس فقرے سے کہ نومشق تھے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ عمر نہ پائی ہو کیونکہ اتنی عمر پانے کے بعد کسی شاعر کو نومشق نہیں کہا جاسکتا یا شاید آخر عمر میں شوق سخن ہوا ہو - اِن کا منتخب کلام یہ ہے ؎

پھنکے ہے آگ سے ہر دم یہ آسماں کیسا | چڑھا ہے زور پہ اب نالہ و فغاں کیسا
لگائیں ہاتھ بھی چھوٹوں تو یوں کہے بلبل | کہ آج لوٹے ہے گلچیں یہ گلستاں کیسا
صبا تو کیا نفس صبح دے ہے مجھ کو اُڑا | ہوا ہوں روز کے صدموں سے ناتواں کیسا

بن ٹھن کے پیشِ داورِ محشر چلے تو ہو
ہو جائے سامنا نہ کہیں دادخواہ کا

ہوئی جاتی ہیں وہ ترچھی نگاہیں پار سینوں کے
دلِ خوں گشتہ پہ تیر ونگی یہ بوچھار کیسی ہے

عشق میں ایسے ہو گئے بیخود
دل کے جانے کی بھی خبر نہ ہوئی

آرزو

(آرزو) منشی ممتاز احمد صاحب خلف دوم امیر الشعرا حضرت امیر مینائی مرحوم قریباً ۴۰ سال کی عمر ہے شعر بہت اچھا کہتے ہیں - کیوں نہ کہیں کس باپ کے بیٹے ہیں - طباعی - ذہانت - قابلیت اِن کا خاندانی ورثہ ہے - بیان میں صفائی - کلام میں مزہ - خیال پاکیزہ ہے - زبان اچھی ہے مطلب سلیقے سے ادا کرتے ہیں - اشعار ذیل انکی موروثی طبیعت کا نتیجہ ہیں

پہلے سنگھا کے زلف مجھے لاؤ ہوش میں
پھر مجھ سے پوچھنا مرے بیمار کیا ہوا

ہو کے برباد کسی کا قدِ بالا دیکھا
خاک میں مل کے قیامت کا تماشا دیکھا

یہ ہچکیاں نہیں کشتوں کی زیرِ خنجرِ ناز
دعائیں مانگتے ہیں اپنے قدرداں کے لئے

وہ حور ہے مرے گھر میں رقیب جلتے ہیں
تڑپ رہے ہیں پڑے دوزخی جناں کے لئے

ذرا سا دل ہے وہ کیا مجھکو آزمائیں گے
کلیجا چاہئے عاشق کے امتحاں کے لئے

گئے وہ قہر بھری انکھڑیاں دکھا کے مجھے
پیالے زہر کے تھے چلدئے پلا کے مجھے

کسی کا نقشِ قدم لے کے راہ میں بیٹھوں
کہ لوگ سجدہ کریں ہر طرف سے آ کے مجھے

سنگھائیں آپ اگر بوئے گیسوئے مشکیں
اٹھائے غش سے اُسی وقت ہوش آ کے مجھے

دہائی داورِ محشر کی ہو مرا انصاف
بتوں نے لوٹ لیا ہے غریب پا کے مجھے

بے وفائی کے گلے پر ناز سے کہنے لگے
بیوفا کو کیوں دیا دل تم سے نادانی ہوئی

(آرزو) صاحبزادہ محمد یونس خاں عرف چھٹن صاحب - آپ صاحبزادہ محمد اسفندیار خاں مرحوم عزیز والئ ٹونک کے فرزند ارجمند ہیں اور اعتبار الملک منشی سید افتخار حسین صاحب مضطر خیر آبادی کے شاگرد رشید - عمر میں نوجواں - صورت شکل میں نہایت وجیہ - خوش وضع - خوش فکر رئیس زادے ہیں - شکار کا بہت شوق ہے گھوڑے پر خوب سوار ہوتے ہیں - ایک لاکھ روپے کے قریب

سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ عربی کی صرف ونحو منطق اور طب کی کتابیں علماے لکھنؤ سے دیکھیں۔ جب طبیعت نے شعروسخن کی طرف میلان کیا تو منشی محمد زکی صاحب زکی بلگرامی اور شیخ امداد علی صاحب بحر لکھنوی کو اپنے کلام کا مشیر بنایا۔ مرثیہ گوئی میں میر انیس کے شاگرد ہوئے اکثر مجالس عزا میں لکھنؤ سے باہر جانے کا بھی اتفاق ہوتا رہا۔ کتب دینیات کی تصنیف کے علاوہ تین دو اسوخت اور ایک دیوان غیر مطبوعہ موجود ہے۔ ترتیب تذکرہ کے ایام میں جو کلام براہ راست حضرت موصوف سے دستیاب ہوا شکریہ کے ساتھ درج تذکرہ کیا جاتا ہے طبیعت میں جودت اور کلام میں بلند پروازی پائی جاتی ہے ؎

ہوئی ایذا میں راحت یہ ہے احساں دشمنِ جاں کا
زلیخا نے تو رسوائی میں کچھ باقی نہ رکھا تھا

کیا ہم سے تمکو کام ہے غیروں کی لو خبر
بتوں کے دور میں اچھی بڑھی توقیر پتھر کی

نہ منہ سے بولتے ہو کچھ نہ سر کھیلتے ہو کچھ
نہ دیکھا اک نظر مڑکر ادھر سے بارہا نکلے

یہ کیا جب آؤ تو ہنستے ہوؤں کو تم رلا جاؤ
دوبارہ جان بخشی آرزو کو ایک بوسے میں

لب زخم جگر پر لی جو چٹکی لگ گیا ٹانکا
خدایا وہ نہ رکھ لیتا اگر یوسف کے دامن کا

ناخوش ہیں یا کہ خوش ہیں تمہاری بلا سے ہم
جدھر دیکھو ادھر پجنے لگی تصویر پتھر کی

اجی کیوں آدمی سے بن گئے تصویر پتھر کی
بڑے ناآشنا نکلے بڑے تم بیوفا نکلے

کرو وہ بات دل سے ایک عالم کی دعا نکلے
دکھایا معجزہ عیسیٰ کا تم معجز نما نکلے

آرزو (آرزو) نواب جعفر علی خاں رئیس کرنول علاقہ ریاست حیدر آباد دکن۔ جناب محفوظ خاں گرو حضرت داغ مرحوم سے مشورہ کرتے ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ گو حضرت محفوظ کے شاگرد ہیں مگر کلام میں جناب فصیح الملک داغ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ؎

شوق تھا تیغ آزمائی کا +
بخدا ان بتوں کے ہاتھوں سے

کہیے کیا حال ہے کلائی کا
تنگ ہے قافیہ خدائی کا

شکوۂ جور جو کرتا ہوں تو فرماتے ہیں
ڈھونڈ کر کوئی حسیں اور لگا لے دل کو

آرزو عشق میں تنگ آتے ہیں ایسے اس سے
خود کئے دیتے ہیں دشمن کے حوالے دل کو

رکھے دیتے ہیں اسے مجمع خوباں میں ہم آج
مستحق جو کہ ہو اس کا وہ اُٹھا لے دل کو

حال اور وہ بیوفا پوچھے مگر مطلب یہ تھا
شکر ہو جائے شکایت تا زباں آتے ہوئے

ادھر ہوش آیا اُدھر تیری یاد
یہ پھر کھائی ٹھوکر سنبھلتے ہوئے

دردِ فرقت اسی باعث سے سوا ہوتا ہے
تیرا خنجر جو گلے مل کے جدا ہوتا ہے

در پہ اک بُت کے جبیں سا ہیں مسلماں ہو کر
جو مقدر کا لکھا ہے وہ ادا ہوتا ہے

بیخودِ عشق ہوں میں مست ہے حسن وہ ہیں
ہوش دونوں کو نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے

ہزار جاں سے اس روٹھنے کے میں صدقے
کہ دل لبھانے کی جس میں ادا نکلتی ہے

پسند آئی ہے اِس درجہ کو سنے کی ادا
کہ مرنے والے کے دل سے دعا نکلتی ہے

نشانہ دل کا اُڑا دے کوئی تو ہم جانیں
سُنا ہے آپکے ناوک خطا نہیں کرتے

آپ مٹ جائیں ہم مگر دل سے
داغِ الفت نہیں مٹانے کے

جیسے ہم صورت آشنا ہی نہیں
صدقے اِس مُنہ چھپا کے جانے کے

زبانوں پر لگا دی ضبط نے مُہر خاموشی
کہیں اُن دردمندوں سے شکایت ہونیوالی ہے

نکلنے کے لئے بیتاب ہے وہ جو پردے سے
سنبھل جاو دیکھنے والے قیامت ہونیوالی ہے

گرا ہے پاؤں پر سر کٹ کے ٹھکرانے کو ہے قاتل
جبیں پر ثبت اک مُہرِ شہادت ہونیوالی ہے

یہ کہتا ہے ترا گردن جھکا کر حالِ دل سُننا
کہ شکوہ کرنے والے کو ندامت ہونیوالی ہے

فرقت میں ساتھ چھوڑ دیا کیوں جنابِ دل
خود ہو گئے الگ ہمیں آفت میں ڈال کے

زباں جسکی نہو جز صبر وہ فریاد کیا جانے
دہانِ زخم اُو بیداد گر فریاد کیا جانے

دعا بھولے سے بھی لب تک نہیں آئی جدائی میں
جو مرتا ہو بتوں پر وہ خدا کی یاد کیا جانے

(آرزو) حافظ محمد احمد صاحب۔ غالباً امیر مینائی کے شاگردوں میں خوش کلام جلیلی طبیعت کے

سالانہ جاگیر ہے۔ ان کا ہر ایک شعر جولانی طبع کا نمونہ ہے جب عالم نومشقی میں یہ کیفیت ہے تو آیندہ ترقی کرنے کی کیوں نہ امید ہو چند اشعار ذیل ہدیہ ناظرین ہیں ؎

تاریکی لحد کا ہو کیا آرزو خطر
ہے داغِ دل چراغ ہمارے مزار کا

میں چھوٹا ہوں تو مجھ چھوٹے سے پردہ کی ضرورت کیا
جو سچے ہو تو چھپتے مجھ سے کیوں روزِ جزا تم ہو

تمہاری آرزو تو جینے کی ہے مجھ سے تم بگڑو
خطا ہے آرزو کیا آرزو سے کیوں خفا تم ہو

آرزو

(آرزو) منشی سید انوار حسین لکھنوی خلف اصغر میر ذاکر حسین۔ یاس شاگرد جناب جلال لکھنوی پہلے ان کا تخلص۔ امید تھا۔ اب آرزو ہے۔ تیس بتیس برس کی عمر ہے طبیعت میں روانی ہے۔ صاف صاف اور سیدھا سیدھا مزیدار کلام ہے زبان بھی اچھی ہے۔ روزانہ مشق آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے اشعار ذیل زیب تذکرہ ہیں ؎

کوئی امید نہیں اور جان دیتے ہیں
یہ دل ہے ہجر کے صدمے اُٹھانیوالوں کا

وہ باتیں کرتی ہو تم کم نہیں جو نشتر سے
یہی علاج ہے میرے جگر کے چھالوں کا

یہ بلائیں اگر آئیں تو مجھی پر آئیں +
اُن کی زلفیں ہوں پریشاں تو مرے شانوں پہ

کلمہ پڑھ کر ہوئے جاتے ہیں بتوں کے بندے
قہر ٹوٹا ہے خدا کا یہ مسلمانوں پہ

دل کا آنا دے رہا ہے جان جانے کی خبر
انتہا پہچان لی ہے ابتدا کو دیکھ کر

اثر آفت کا ہے سوزِ نہاں میں
کہ دل میں آگ ہے چھالے زباں میں

ترا دل نرم کر سکتے نہیں صفر
وگرنہ لاکھ تاثیریں فغاں میں

نہ بچے کیا غیر کی کاوش سے دامن بزمِ جاناں میں
بہت اُبھرا ہے یہ کانٹا جگہ پا کے گلستاں میں

ترقی چاہیے اب اے زلیخا سوزِ پنہاں میں
کہ سنتے ہیں اندھیرا ہے بعد یوسف کے زنداں میں

کیا ترکِ تعلق گل سے نکہت نے گلستاں میں
نکل چل تو بھی تن کو چھوڑ کر اے روح زنداں میں

یہ ہیبت جسکی آمد میں ہے جلوہ اُسکا کیا ہوگا
کہ تیرہ ہو گیا دن بھی خیالِ شامِ ہجراں میں

اِن حسینوں نے نہ چھوڑا کوئی پہلوئے ستم
کہ جفا دوست کو ایذا بھی یہ کم دیتے ہیں

تذکرہ موسوم بہ شجرۂ طیبہ اپنے خاندان کا لکھا ہے۔ آخر الذکر دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ اُردو زبان میں بھی ایک جو ہے بل نامہ رقم کیا ہے۔ سید صاحب ۲۵ صفر ۱۱۱۶ ہجری کو بلگرام میں پیدا ہوئے اور اپنی عمر کا اخیر حصہ اورنگ آباد دکن میں بسر کیا۔ یہاں انکی زرخرید جا مدادا بتک موجود ہے۔ قصیدہ گوئی اور تاریخ میں یدطولیٰ حاصل تھا بعض کا خیال ہے کہ اُردو زبان میں حکیم قایم چاندپوری سے مشورہ لیتے تھے۔ ۲۱۔ ذیقعدہ ۱۲۰۰ ہجری میں انتقال فرمایا ان کی ایک غزل دستیاب ہوئی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ؎

کیا دھواں دھار اس مسی سے اسکی ہے تحریر لب	دل جلوں کا ہے یہ دُود آہ دامن گیر لب
جسکی ٹھوکر سے مسیحائی ہو اسکے لب کو میں	گر لبِ عیسیٰ سے دوں تشبیہ تو ہے تحقیر لب
دانہ خالِ لب ہے اسنے دام میں باتوں کے آہ	کل دکھا کر مرغِ دل میرا کیا تسخیرِ لب
تیری تحریرِ مسی نے قتل اک عالم کیا	ہے بجا اسکو میاں کہیے اگر شمشیرِ لب
باد کی تحریک سے ہلتے جو دیکھا برگِ گل	پھر گئی اس بت بنے کی آنکھوں میں تصویرِ لب
کیا مسی یہ رنگ یاں ہے زلفِ مشکیں کی قسم	پھر یہ کس سودائی کا ہے خوں گریباں گیرِ لب
اس بتِ پُرفن کی میٹھی باتوں کے افسوں سے میں	وحش و طیر و انس و جن سو روح تسخیرِ لب
اسکی باتوں سے کلیجا چھن کے چھلنی ہو گیا	آہ یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ ہیں یہ تیرِ لب
لب ہلا نا رو بر قایم کے ہے ترکِ ادب	عذر کر آزاد تا ہو عفو یہ تقصیرِ لب

ایک دو مصرعی تاریخ ہندی میں بھی کہی تھی وہ یہ ہے ؎

بھلی تاریکھ ہندی سوں کھانی	رہے آنند سوں یہ پتر گیانی (۱۱۳۱)

آزاد

(آزاد) کپتان الگزینڈر ہیدرلی۔ مسٹر جیمس ہیدرلی فرانسیسی کے چھوٹے بیٹے ایک مسلمان شریف زادی کے بطن سے تھے۔ ان کے والد اُن چند یورپین سے تھے جنہیں ہندوستان جنت نشان کی آب و ہوا خصوصاً دارالسلطنت شاہجہان آباد کی دلچسپیوں نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا چنانچہ ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لینے کے باعث اُنہیں کی طرز معاشرت بھی اختیار

آدمی ہیں۔ اِنکے کلام سے طبیعت کی جودت اور مضمون آفرینی ٹپکتی ہے ؎

دل بچنے کی اب کیا کوئی تدبیر نکالے	سینے پہ چڑھے بیٹھے ہیں دل چھیننے والے
ہم ہاتھ ملیں خونِ دل آنکھوں سے بہا کر	حیہات کہ بوسے ترے ہاتھوں کے حنا لے
اے آثر نہ بیدل ہو غمِ عشق بتاں ہیں	کھاتے ہیں یونہی ٹھوکریں سب چاہنے والے

آزاد

(آزاد) میر فقیر اسعد دکنی۔ طبقہ اول کے شعرا میں گذرے ہیں۔ شاہ ولی الدین۔ ولی کے ہمعصر اور اپنے وقت کے مسلم الثبوت اُستاد تھے۔ درویشانہ اوقات بسر کرتے تھے۔ افسوس کہ اب ان کا کلام نہیں ملتا صرف ایک شعر دستیاب ہُوا جو لکھا جاتا ہے ؎

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہمکو آئیں	پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد

(آزاد) منشی رام سنگھ دہلوی۔ گو بعد تحصیل علم نابینا ہو گئے تھے مگر دل کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں شعر گوئی میں ایسا ملکہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے شاعر انکے سامنے غزل پڑھتے جھجکتے تھے۔ نواب مہدی علیخاں عاشق۔ صاحب تذکرہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ اپنے عہد کے جرأت مانے جاتے تھے۔ افسوس کہ اِن کا کلام تلف ہو گیا صرف ایک شعر ہاتھ لگا جو تیمناً درج کیا جاتا ہے ؎

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اَور ہے	طور چشمک اور ہے طرح تبسم اَور ہے

آزاد

(آزاد) حسان الہند مولانا سید غلام علی واسطی بلگرامی۔ میر عبد الجلیل بلگرامی کے نواسے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے عربی گو شعرا کا تذکرہ موسوم بہ سبحۃ المرجان عربی زبان میں لکھا ہے جو بمبئی کے علاوہ مصر میں بھی شایع ہُوا ہے۔ عربی۔ فارسی کے زبردست عالم۔ ادیب اور ایک قادر الکلام سخنور تھے۔ فارسی گو شعرا کے بھی دو تذکرے لکھے ہیں ایک کا نام سرو آزاد اور دوسرے کا خزانۂ عامرہ ہے یہ چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ خزانۂ عامرہ میں صرف اُن شعرا کو لیا ہے جنہیں اپنے کلام کے صلہ میں امرا کی سرکاروں سے انعام یا خلعت مِلا۔ ایک تذکرہ موسوم بہ مآثر الکلام فی التاریخ بلگرام بھی انہیں کی تالیف ہے اسمیں خاص بلگرام کے علما و صلحا و شعرا کے حالات درج ہیں۔ ایک

مے پی کے تجھے دیکھئے تو لطف ہے دونا
دیکھیں تری آنکھیں تو نشا اور بھی چمکا

وہ گرم روِ راہِ معاصی ہوں جہاں میں
گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

کچھ پاؤں میں طاقت ہو تو کر دشت نوردی
ہاتھوں سے مزا دیکھ ذرا جیب دری کا

کھلتی ہی محبت ہی تری اور نہ عداوت
ہے سب سے نیا ڈھنگ تری عشوہ گری کا

تیروں کی جراحت جو مرے سینہ میں کم ہے
باعث ہے ستمگر یہ تری کم نظری کا

چہلم کو عیادت کے لئے وہ مری آئے
آزاد ٹھکانا بھی ہے اس بے خبری کا

ہم نے دکھا دکھا تری تصویر جا بجا
ہر اک کو اپنی جان کا دشمن بنا لیا

دیکھا وہ جہاں میں جو نہ دیکھا تھا ولیکن
دریائے محبت کا نہ ساحل نظر آیا

جب کعبہ سے بتخانہ میں آیا میں تو آزاد
جلوے مجھے واللہ نظر آئے ہیں کیا کیا

جب مصیبت آ پڑی جز صبر بن آتا نہیں
نو گرفتار قفس پھڑ پھڑا کے رہ گیا

غموں سے گھل کے نہ کچھ تیرے خستہ تن میں رہا
رہا تو کچھ یونہیں دھوکا سا پیرہن میں رہا

زہر قاتل ہے دوا دردِ محبت کے لئے
تھا مرا فیصلا اک دم میں جو درماں ہوتا

کیا کریں تم نے گر چرائی آنکھ
آپ سے کچھ لڑا نہیں جاتا

سُن چکے حال بس ترا آزاد
ہم سے آگے سُنا نہیں جاتا

ہو گیا کچھ کششِ دل میں اثر آپ سے آپ
آ گئے کل وہ یکایک مرے گھر آپ سے آپ

کوئی باعث نہ کوئی وجہ نہ موجب نہ سبب
کھچ گیا ہم سے بتِ رشکِ قمر آپ سے آپ

سوکھنا غم سے میرے حق میں ہوا ہے مرہم
ہو گئے خشک مرے زخم جگر آپ سے آپ

کاہش تن از ضعف سے آزاد عشق میں یاں تک پہنچی ہے نوبت
کوہ ہوا ہے رائی ہلکوں کی بدولت انکی بدولت

ترکِ عادت بھی تو بیجا ہے چھٹے کیونکر شراب
ہو جو ہے آمدِ ماہِ رمضاں اے واعظ

چمنِ کوچۂ جاناں کا خریدار ہوں میں
مفت بھی دے تو نہ لوں باغِ جناں اے واعظ

ہم وہ آزاد زمانہ ہیں کہ اکثر اوقات
ذکرِ بت کرتے ہیں مسجد میں بھی ہاں اے واعظ

کر لی تھی - الکزینڈر ہیدرلی کی تربیت و پرورش دہلی کے شرفائے اہل اسلام کی مانند ہوئی کاؤ
سیس کی صحبتوں نے اِن میں شعر و سخن کا مذاق پیدا کر دیا - اٹھارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے -
طبیعت کی شوخی اور چلبلے پن نے اپنا ظاہری رنگ بھی اُن پر چڑھا دیا جسکے سبب سے بہت جلد
ان کا نام بذلہ سنج احباب کی زبانوں پر چڑھ گیا ہیدرلی کی زندہ دلی اور رنگین مزاجی نے اخیر دم تک
انکی صحبت کو مرجع ارباب مذاق بنائے رکھا - آغاز شباب میں آگرہ چلے گئے تھے مشورۂ سخن
نواب زین العابدین خاں عارف سے لیتے تھے جنکی تعریف میں ایک قصیدہ بہاریہ اور ماتم میں
ایک مرثیہ مع تاریخ وفات اِن کے دیوان میں موجود ہے - فن طب میں بھی اچھی دستگاہ بہم
پہنچائی تھی - مریضوں کا صرف علاج ہی نہیں کرتے بلکہ دوا بھی اپنے پاس سے مفت دیتے
تھے - اس طریق عمل سے شہرت بڑھتی اور دولت گھٹتی گئی مجبوراً ملازمت اختیار کی جو انکی شان
کے لایق ریاست الور میں مل گئی - انکی وجاہت ولیاقت سے امید تھی کہ توپ خانہ کی کپتانی
سے جلد ترقی کر کے کسی اعلیٰ منصب پر پہنچیں گے مگر تفنگ اجل نشانہ لگائے بیٹھا تھا اسنے اتنی
مہلت نہ دی اور ۲ - جولائی ۱۸۶۱ء میں بتیس برس کی عمر پا کر ملک جاودان کو سدھارے -
اِن کے بڑے بھائی طامس ہیدرلی نے جو ریاست بھرت پور میں ڈپٹی تھے اپنے بھائی کے
دوست میر شوکت علی فتحپوری کی مدد سے اِن کا متفرق کلام جابجا سے جمع کر کے ترتیب دیا اور ۱۸۶۳ء
میں مطبع احمدی آگرہ میں شایع کرایا - دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں رنگینی
اور مضمون آفرینی کا خاصا مادہ تھا - زبان بھی سلیس پائی تھی - سنگلاخ زمینوں میں صفائی زبان
رسائی خیال کا لطف دکھایا ہے - قطعات میں بھی کہیں کہیں اچھوتے خیال - پاکیزہ بول چال کا
پتہ لگتا ہے - اخیر میں ناسخ و غالب کی دو غزلیں تضمین کی ہیں ان خمسوں سے کپتان آزاد کی سخن فہمی
و نکتہ سنجی صاف ظاہر ہے - خلاصۂ کلام یہ ہے ؎

واعظوں سے جو سنا کرتے تھے جنت کا نشاں
جبکہ تحقیق کیا کوچۂ جاناں نکلا
کیا کہوں اُسکا شب ماہ میں عالم آزاد
وہ فلک پہ یہ زمیں پر مہِ تاباں نکلا

اُس شرمگیں کی شرم کا اُٹھنا محال ہے
نازک بہت ہے کیونکہ وہ توڑے حجاب کو

جاں تم اپنی بچاؤ گے کہاں تک آزاد
یا مرو عشق میں یا عشق کا دعوے چھوڑ دو

کب سے ہیں زنداں میں ہم دیکھو تو گھس گھس کر تمام
طوق آدھا رہ گیا زنجیر آدھی رہ گئی

قانع ہوں اسپہ عشق میں جو خشک و تر ملے
کھانے کو داغ پینے کو خونِ جگر ملے

کی فقیروں کی بھی اغیار نے بندی آزاد
اب درِ یار پہ کیا خاک رسائی ہوگی

اندیشۂ فراق نے قصہ کیا تمام
کہتے تھے روز مر بھی کہیں لو جی مر چکے

اہل جنت کے لئے ہیں نہ وہ رضواں کیلئے
جو مزے آج ہیں حاصل ترے درباں کیلئے

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا
در و دیوار سرِ کوچۂ جاناں کے لئے

آزاد

(آزاد) میرزا اعظم شاہ۔ معروف زلفوں والے نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی۔ ذکی الطبع وجیہہ۔ قوی الجثہ۔ رند مشرب۔ آزاد وضع تھے۔ حافظ قطب الدین مشیر سے بھی مشورہ سخن کیا ہے۔ لکھنؤ میں نشو و نما پائی تھی۔ ان کے والد مرزا عادل شکوہ کو سرکار انگریزی سے گزارے کے لائق وظیفہ ملتا تھا مرزا اعظم شاہ انکے بڑے بیٹے تھے انکے والد صاحب اگرچہ سلوک ہوتے رہتے تھے مگر مذہبی تخالف کی وجہ سے کہ وہ شیعہ تھے اور یہ سنی باہم کشیدگی رہتی تھی سنہ ۱۳۰۰ ہجری تک زندہ تھے اجمیر اور دکن بھی گئے تھے آخر عمر میں دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی ستر برس سے زیادہ عمر میں انتقال کیا ہ

ہم یہ سمجھے تھے چھپائے گا گنہگاروں کو
پر بہت تنگ ہی محشر ترا داماں دیکھا

گھبرائے گا کیا جی مرا تنگیٔ قفس سے
سو بار بھی کیا ہو کے گرفتار نہ آیا

وہ اور ہیں جنکی شبِ ہجراں کو سحر ہے
یاں شام ہوئی وحشت کی اور یار نہ آیا

آزاد کو مت پوچھو کیا اُس کا ٹھکانا ہے
جس کوچہ میں دن گذرا واں شب بھی رہا ہوگا

آزاد چپکا رہنا آنکھوں پہ سر بُرا ہے
پھٹ جائے گا کلیجہ کچھ بات بھی کیا کر

عجب اعجاز ان آنکھوں نے دکھایا تم قاتل میں
کہ اک تیر نگہ اور آ کے بیٹھے لاکھ کے دل میں

سارے عالم میں نہ کیونکر ہو چراغِ غم روشن
تیرہ روزی میں نہ کیوں آہ غنیمت ہووے

پاس آئے تو جلے دور ہو بیتاب رہے
جب سے پایا دشمنوں نے پانو تکایہ سراغ

کھوئے گئے ہم ایسے کہ ڈھونڈا کئے مگر
وہ اُس سے بلا میں ہے تو ہم اس سے غضب میں

ہے سجدہ ادھر فرض جدھر رُخ ہے ہمارا
ہنگامِ سحر بادہ گُساری کا مزا ہے

ہیں شمع صفت انجمنِ دیر میں آزاد
جیتا نہ ایکدم بھی رہوں ہجرِ یار میں

پردہ ہمارا خاک اُڑانے میں رہ گیا
اولٹا جہاں میں گر ہمیں کھویں کہا کریں

تنگی ہے مسکنتی کی بدولت جنوں نہیں
ہے مجکو وہم ہمرہی غیر راہ سے

بھولے نہیں ہیں تنگیٔ کاشانہ یاد ہے
کیا گھر میں تمھارے در و دیوار کو دیکھوں

گر کوئی بُلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ ضد سے
سبک جو کرکے مجھے تم نے کردیا ہلکا

سب پالیا بدن کے چُرانے کو دیکھکر
نہ چھڑو جان کے پیچھے مرا پیچھا چھوڑو

پھاہا پھپکے نہ جن سے مرہم جلے نہ جن سے
چرخ فانوس ہے اور آہ ہے فانوس میں شمع

ہے یہ ظلمت کدۂ عاشقِ مایوس میں شمع
سر دُھنا کرتی ہے پروانہ کے افسوس میں شمع

سر کے بل چلتا ہوں تب ہے کوے جاناں کی طرف
آزاد ہمکو اپنا نہ پایا نشاں تلک

آنکھوں سے گِلا دل کرے اور دل سے گلا ہم
کاشانہ تیرا قبلہ ہے اور قبلہ نما ہم

اوقات کریں اپنی تلف بہرِ دعا ہم
سرگرم رہِ وادیِ اقلیمِ فنا ہم

مجبور ہوں کہ موت نہیں اختیار میں
آئے نظر کسیکو نہ گرد و غبار میں

سر کے ہی بل چلیں گے سدا کوے یار میں
کپڑے گلے کے بک گئے رفصلِ بہار میں

چھوٹے بڑے ہیں نقشِ قدم رہگزار میں
کرتے ہیں شکر لیٹ کے کُنجِ مزار میں

تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤں
آزاد کو محفل میں نہ بلواؤ تو آؤں

تو پھول ہو کے تمھارے گلے کا ہار ہوں میں
ہیں شوخیاں غضب تری شرم و حیا کے ساتھ

لے کے دل دیں بھی تو پر مجھے جیتا چھوڑ دو
اُن میں جلن نہوگی وہ داغِ غم نہوگئے

لکھنؤ پہنچے وہاں کے مشاہیر سے ملے اور کچھ عرصہ تک اطراف وجوانب میں سفر کرتے پھرے ۱۸۶۴ء میں تقدیر راہ پر آئی لاہور آ کر سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے۔ حضرت آزاد کی بابرکت زندگی کا بڑا حصہ لاہور ہی میں گذرا ہے انجمن پنجاب کے جلسوں کا بانی اگر آپ کو کہا جائے تو بیجا نہیں۔ انہیں کی کوششوں سے حکام بالا کی عموماً اور افسران تعلیم کی خصوصاً زبان اُردو کی نشوونما اور ترقی کی طرف خاص توجہ مبذول ہوئی یہ بھی آپ ہی کی کوشش کا یادگا نتیجہ تھا کہ نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب کے قدوم میمنت لزوم سے انجمن پنجاب میں مشاعرہ کی بنیاد پڑی۔ حضرت آزاد کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ سکرٹری رہے اور یونیورسٹی کالج کے صیغہ علوم مشرقی میں بعہدہ پروفیسری مدتوں کام کیا۔ اسی اثنا میں تعلیمی کاموں کے علاوہ ملکی خدمات بھی وقتاً فوقتاً کمال لیاقت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ۱۸۶۵ء میں بکار سرکار کلکتہ کا سفر کیا اور کچھ دنوں بعد پنڈت من پھول صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب کے ہمراہ کابل و بخارا کا سفر کیا ۱۸۸۵ء میں دوبارہ ایران گئے۔ کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے جناب آزاد سے قصص ہند کا دوسرا حصہ لکھوایا جو مصنف کی اعلیٰ زباندانی و لیاقت کی شہادت دے رہا ہے۔ اُردو زبان کی ترقی کے واسطے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی عشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے ڈھالا وہ کس کی لیاقت کا نتیجہ ہے سچ پوچھو تو انہیں حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور رہا ہے اس طرز کے رواج دینے کو آپ نے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں۔ یہ طرز ایسی مقبول خلائق ہوئی کہ وہ پُرانے اور تمامی ایشیائی شاعر جنکی طبیعتوں پر پُرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم بھول گئے اور بمصداق کل جدید لذیذ اس نئی مفید طرز پر ایسے فریفتہ و دلدادہ ہوئے کہ دیدہ نے یہی رستہ اختیار کر لیا۔ شمس العلما مولوی حالی صاحب کی جدید شاعری اور جزر و مد اسلام کا رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال ہے۔ جناب آزاد نے اپنے نیرنگ خیال کے دو حصے ۱۸۸۰ء میں تالیف کئے۔ اسمیں زیادہ تر انگریزی روش کا پرتو ہے جس میں مضمون نویسی کی

تمھارا جذبۂ الفت جو لیجائے تو لیجائے	وگرنہ کام کیا ہم بیخودوں کا روزِ محشر میں
آزاد تیرے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے	تجھسے کوئی ملے تو کس امید پر ملے
یہ تو کہیئے کہ ملے گا مجھے مرقد میں تو چین	یاد واں بھی ہے کوئی فتنہ اُٹھانا باقی

آزاد

(آزاد) شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب دہلوی - جنہوں نے تذکرۂ آبِ حیات لکھکر اپنے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا - مولوی باقر علی مرحوم دہلوی کے خلف الرشید ہیں - حضرت آزاد کے والد خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق کے دلی دوست اور شمالی ہندوستان میں اُردو اخبار نویسی کے موجد تھے - حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کے سایۂ عاطفت میں ابتدائی تعلیم حاصل کی - اور نکات عروض و فن سخن - انہیں کے فیض سے حاصل کئے - علوم مروجہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں پرانے دہلی کالج کے مشہور ترین یادگاروں میں سے ہیں - اس حُسن عقیدت اور خلوص لحاظ سے جو انہیں اپنے اُستاد حضرت ذوق سے آج کے دن تک قائم ہے فی الواقع انکے شاگرد رشید بلکہ زندہ یادگار کہلانے کے صرف یہی مستحق ہیں اپنے اُستاد کی بدولت اکثر نامی گرامی اشخاص سے ملتے جلتے رہے اور معرکے کے مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں - اسمیں شک نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کمال حاصل کیا اسمیں زیادہ حصہ اُستاد کی فیض صحبت کا ہے - حضرت ذوق کی وفات کے بعد بڑی سرگرمی و تن دہی سے انکے کلام کی ترتیب کے اہم کام میں مصروف ہوئے مگر افسوس ہے کہ ہنگامہ غدر نے کئی سال کے علی الاتصال محنتوں اور مشقتوں کا یک قلم نشان مٹا دیا یعنی وہ تمام مجموعہ دہلی کی تباہی کے وقت برباد و تاراج ہو گیا اور حضرت خاقانی ہند کے صلبی فرزند کے ساتھ روحانی اخلاف بھی واصل رحمت الٰہی ہوئے - حضرت آزاد نے اُستاد ذوق کی وفات کے بعد حکیم آغا جان صاحب عیش سے بھی جو دربار شاہی میں بزمرہ اطبا منسلک تھے استفادہ کیا ہے - جناب آزاد کی تصانیف میں سے کوئی مجموعۂ نظم سنہ ۱۳۲۶ھ سے پہلے کا دستیاب نہوا چند غزلیں جو کلام آزاد میں طبع ہوئی ہیں وہ غدر کے بعد کی کمائی ہے - غالباً پرانا ذاتی سرمایہ بھی غدر میں ہی تلف ہو گیا - آزاد اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد ۵۷ء کے اخیر میں عیال و اقربا کے ہمراہ

جناب ماسٹر صاحب ممدوح وہ شخص ہیں جنھوں نے جناب آزاد کی از ابتدا تا انتہا بہت حالتیں
دیکھی ہیں اور وقتاً فوقتاً بہت سے کاموں میں انکو مدد دیتے رہے ہیں۔ ماسٹر صاحب فرماتے
ہیں کہ جب ۱۸۶۴ء میں حضرت آزاد پنجاب میں وارد ہوئے تو اول اول مولوی رجب علی صاحب
کے پاس جگراؤں میں مقیم رہے پھر مولوی صاحب کے ذریعہ سے پنڈت من پھول صاحب لفٹننٹ
گورنر صاحب کے میرمنشی کے پاس آئے اور میرمنشی صاحب کی سفارش سے لاہور میں ڈائرکٹر
سررشتہ تعلیم کے دفتر میں پندرہ روپے[عہ] ماہوار کے ملازم ہوئے۔ ادنیٰ عہدہ کی وجہ سے نہیں
ایسا موقع ملتا تھا کہ اپنی لیاقت و استعداد کو اعلیٰ افسروں پر ظاہر کریں۔ اسکے علاوہ میجر فلر صاحب
ڈائرکٹر اگرچہ عربی فارسی کا مذاق رکھتے تھے۔ علم دوست تھے مگر اجنبی کے لئے انکا ظاہری رعب
داب اُن تک پہنچنے میں سدِ راہ تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں جناب قبلہ ماسٹر صاحب موصوف
کسی سرکاری کمیٹی میں شریک ہونے کی غرض سے لاہور تشریف لائے چونکہ فلر صاحب
ماسٹر صاحب سے از حد مانوس تھے۔ اس موقع پر حضرت آزاد نے ماسٹر صاحب سے کہا کہ ہم کو
میجر صاحب سے نہیں ملا دیتے؟ ماسٹر صاحب نے ان سے وعدہ کرلیا اور موقع کے منتظر رہے۔
کمیٹی سے فارغ ہو کر میجر صاحب سے جو ملے تو صاحب نے ایک تحریر ماسٹر صاحب کو دکھائی
اسمیں صاحب بہادر نے لفظ (ایجاد) کو مونث لکھا تھا۔ ماسٹر صاحب نے دیکھکر اعتراض کیا کہ
یہ لفظ مذکر بولا جاتا ہے۔ صاحب نے جواب میں فرمایا مولوی کریم الدین صاحب سررشتہ دار کو یہ تحریر
دکھالی ہے وہ اس عبارت کی صحت کے ذمہ دار ہیں۔ مولوی صاحب بلائے گئے۔ میجر صاحب
نے ماسٹر صاحب کا اعتراض بیان کیا۔ مولوی صاحب نے جواب میں سند چاہی۔ عالی جناب
ماسٹر صاحب نے حضرت آزاد کے لئے یہ موقع مناسب خیال کرکے میجر صاحب سے کہا کہ
آپ کے دفتر میں ایک شخص محمد حسین آزاد دہلی کے رہنے والے ہیں انہیں مثال کے ہزاروں
شعر یاد ہیں۔ یہ سنتے ہی آزاد صاحب طلب کئے گئے اور فلر صاحب بہادر نے اُن سے
دریافت کیا کہ لفظ ایجاد مذکر ہے یا مونث؟ پروفیسر صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ مذکر۔

جدید طرز کا جو یہ اُمڈا ہے ۔ تذکرۂ آب حیات جو مشاہیر شعرائے اُردو کا مُنہ سے بولتا تذکرہ ہے آپ
روشن دماغ کی قابل قدر تالیف ہے ۔ یہ کتاب طرز بیان ۔ سلاست زبان ۔ شستگی الفاظ ۔
برجستگی ۔ بیساختگی ۔ روشن خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس نادر تالیف کی جسقدر تعریف و توصیف
کی جائے کم ہے ۔ یہ تذکرہ تمام تذکروں سے ہر طرح فایق و ممتاز ہے اسلئے کہ محققانہ طریقے
سے ہر ایک شاعر کا حال قلمبند کیا ہے اور ہر پہلو پر انصافاً نظر ڈالی ہے حق یہ ہے کہ پروفیسر آزاد
کا رنگ تحریر ایسا موثر اور شوق انگیز ہے کہ اُسکی نظیر اسوقت تک نہیں دیکھی گئی سیدھے سیدھے
صاف اور سادے بیان میں جا بجا رنگینی طبع کی ایسی جدولیں کھنچی ہیں کہ کہیں بھی بھونڈا پن جھلکنے
نہیں دیا ۔ سیدھی بات کو پیچدار الفاظ میں بیان کر جاتے ہیں مگر کیا مقدور کہ پڑھنے والے کو مطلب
سمجھنے میں ذرا بھی دقّت یا رکاوٹ ہو ۔ انکی ایک پُرانی تالیف موسوم بہ دربار اکبری ۔
جسے خود ترتیب و نظر ثانی کرکے نہ چھپوا سکے حال میں شایع ہوئی ہے مگر اس صورت میں بھی
یہ کتاب عبارت کی رنگینی کے اعتبار سے اُنکی بہترین تصنیفات میں ہے ۔ کچھ عرصے
پیرانہ سالی اور بعض امراض کی وجہ سے دماغ کی حالت خراب ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی اس
دلاویز تصنیف کو خود نہ چھاپ سکے مگر اس بگڑی ہوئی حالت پر بھی جب کبھی قلم دوات کے نصیب
کُھلجاتے ہیں تو عجیب عجیب گُل افشانیاں کرتے ہیں کہ اب کوئی ذی ہوش بھی ایسی گلکاریاں
نہیں دکھا سکتا ۔ اس زمانہ کی دو ایک تالیفیں جنہیں پروفیسر صاحب الہامی باتیں کہتے ہیں
مولوی ممتاز علی صاحب نے چھپوا دی ہیں جن میں سے ایک رسالہ کا نام سیاک و نماک رکھا ہے
اس جنون کی ابتدا ۱۸۸۹ء سے ہوئی ہے مکرمی و معظمی جناب عموی رائے بہادر
ماسٹر پیارے لال صاحب فرماتے ہیں کہ جنون کے شروع میں ایک دن آزاد مجھسے ملنے آئے
اور تقریباً دو ڈھائی گھنٹے باتیں کرتے رہے مگر ان الفاظ کے بجز اور کچھ زبان پر نہیں لائے (رائے
صاحب آپ اس شعر کو پڑھا کیجیے اور اسکے معنی آپ جو چاہیں سمجھ لیں شعر

پردہ درِ کعبہ سے اُٹھا دینا ہے آسان	پر پردۂ رخسارِ صنم اُٹھ نہیں سکتا

پچھتر سال کے قریب عمر ہے اگرچہ دماغی عارضہ کے سبب اب عدم و وجود برابر ہے تاہم علم دوست طبیعتوں - قدرداں نگاہوں کے لئے ان کا شربت دیدار مسرت افزا ہے - چنانچہ اس موقع پر یہ شعر حسب حال ہے ؎

تیری دانائی کے قائل تھے سب افلاطوں منش	شاعری نے کردیا اے داغ سودائی تجھے

حضرت ممدوح نے اپنی ذاتی تالیفات و تصنیفات کے علاوہ اپنے استاد ذوق کا حق شاگردی بھی کما ینبغی ادا فرمایا ہے یعنی استاد ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اہتمام سے مرتب کیا ہے جسمیں انکی سوانح عمری اور اوائل عمر سے بالترتیب کلام جمع کرکے دکھایا ہے کہ فلاں غزل فلاں قطعہ فلاں محل اور موقعہ پر کہا تھا - یہ دیوان چھپ گیا ہے - بعض لوگوں کا اسکی نسبت خیال ہے کہ آپ نے اسمیں جابجا تصرف کیا ہے بہرحال مجموعی حیثیت سے یہ امتیاز ضرور ہے کہ سابقہ مرتب دیوان سے اسکا کلام زیادہ ترصیح ہے - حضرت کی تالیفات و تصنیفات مطبوعہ ذیل ہیں - تذکرہ آب حیات - نیرنگ خیال (دو حصہ) - زباندان فارس - دربار اکبری - مجموعہ نظم اُردو - قصص ہند کا دوسرا حصہ - ابتدائی درسی کتب اُردو - جامع القواعد فارسی - قواعد اُردو ان کے سوا بہت سی مختلف نظمیں اور مضامیں - جنون کے زمانہ کی سپاک ونماک مزید برآں ہیں - اُردو نظم کا انتخاب یہ ہے :- ؎

بلا سے دشمن جانی مرا سارا جہاں ہوتا	کسی صورت سے ایجان جہاں تو جان جاں ہوتا
جو کوئی چوٹ دل کے ساتھ تیشے کے اثر کرتی	تو جاے آب ہر چشمہ سے شیریں خوں رواں ہوتا
صنم ہے گردش عالم نگاہ مہر سے تیری	اگر تو مہرباں ہوتا تو عالم مہرباں ہوتا
خدا کے واسطے آزاد رو کو نالۂ دل کو	کہ کوئی آن میں کون و مکاں ہی لامکاں ہوتا
ہاتھ چومیں گے مرے گبر و مسلماں دونوں	ایک میں دست صنم ایک میں قرآن ہوگا
سر اپنا کاٹ کے پھینک آیا کوے قاتل میں	یہ بوجھ بھاری گردن پہ سو اُتار آیا
جوان معرکہ حسن و عشق تھا آزاد	چلا نہ دل پہ جو قابو تو جان ہار آیا

صاحب نے سند مانگی انہوں نے برجستہ سودا کا یہ شعر پڑھ دیا شعر

ہاے کس بھڑوے کا یہ ایجاد ہے	نسخے میں معجونِ زر ابنہاد ہے

اسوقت سے فلر صاحب کی خدمت میں حضرت آزاد کی رسائی ہوگئی اور کچھ ترقی بھی ہوئی اُنکے بعد کرنل ہالرائیڈ صاحب نے اُن کی قدردانی فرماکر کچھ روپے کر کے سب اڈیٹر مقرر کردیا ۔ جس اخبار کے یہ سب اڈیٹر ہوئے اسکے اڈیٹر راے بہادر جناب ماسٹر پیارے لال صاحب آشوب تھے اخبار کا نام اتالیق پنجاب تھا ۔ یہ اخبار سرکاری تھا ۔ سالانہ قیمت پبلک کے اخباروں سے نسبتاً کم تھی ۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ سرکاری تھا اور زیادہ تر اس باعث سے کہ اڈیٹر و مددگار دونوں نہایت قابل و یگانۂ روزگار تھے یہانتک مقبول خاص و عام ہوا کہ اپنے ہمعصر اخباروں سے بدرجہا بڑھ گیا اسکے مضامین کی خوبی ۔ عبارت کی برجستگی و خوش اسلوبی نے ہردلعزیز بنا دیا یہ کیفیت دیکھکر ہندوستانی اخباروں نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ گورنمنٹ کا رعایا کے مقابلے میں اخبار شایع کرنا درپردہ ملکی لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے ۔ گورنمنٹ کی عادلانہ پالسی نے یہ معقول عذر تسلیم کر کے اخبار مذکور کی جگہ ایک رسالہ پنجاب میگزین کے نام سے جاری کردیا ۔ حضرت آزاد کے بعد خواجہ حالی نے بھی کچھدنوں اتالیق پنجاب کی سب اڈیٹری کا کام انجام دیا ۔ چونکہ آزاد طبع حضرت آزاد کے مزاج میں کچھ تعلی و خودبینی کا مادہ بھی موجود تھا اس وجہ سے اکثر اپنے معاصرین سے علمی نوک جھوک اور مخالفت رہا کرتی تھی ۔ پروفیسر صاحب کا خاندانی مذہب امامیہ ہے مگر بعض بعض باتوں میں اپنی ذاتی راے خاندانی مذہب سے الگ رکھتے ہیں انکی گفتگو اور بعض مضامین سے پایا جاتا ہے کہ آپ آواگون کے قائل ہیں بلکہ اس خیال کی تائید میں اکثر اوقات فرمایا ہے کہ ہمارے اُستاد ذوق بھی تناسخ کی صحت کے قائل تھے ۔ اسوقت جگت اُستاد حضرت آزاد کو خدمات ماضیہ کے صلے میں گورنمنٹ سے کچھتر روپے ماہوار پنشن ملتی ہے ۔ حضرت موصوف نے اپنی تصانیف اور کفایت شعاری سے خاصا سرمایہ جمع کرلیا ہے ۔ یہ قابل زیارت پروفیسر لاہور موچی دروازہ میں رہتے ہیں ۔ اور اب

نوٹ ۔ ۱۸۸۷ء کی جوبلی پر آپ کو شمس العلما کا خطاب ملا ۔

تیری الفت نے کیا جینے سے بیزار مجھے
جان سے کھوتا ہے پیارے یہ ترا پیار مجھے

دیتے کیا کیا ہیں دلاسے شبِ فرقت میں ہم
دلِ بیمار کو میں اور دلِ بیمار مجھے

دیکھنا قیدِ تعلق میں نہ آنا آزاد
دام آتے ہیں نظر سبحہ و زنار مجھے

دُنیا ہے جب فنا تو فنا ہی سمجھ اُسے
پی جامِ مرگ آبِ بقا ہی سمجھ اُسے

جو کچھ فلک کے نیچے ہے سب گردباد ہے
پھر جو ہوس ہو دل میں ہوا ہی سمجھ اُسے

سنے گا دیکھنا رو رو کے آواز اک جہاں میری
تمہارے عشق کی ہے داستاں اور ہے زباں میری

سناؤں داستانِ عشق سب قلقل کے پردہ میں
صراحی کے دہن میں کاٹ کر رکھ دو زباں میری

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو
تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیاں میری

ہوا لیلیٰ پہ مجنوں کوہکن شیریں پہ سودائی
محبت دل کا اک سودا ہے جسکی جس سے بن آئی

انتخاب از مثنوی موسم زمستان

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

بزمِ احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے لئے برگ و نوا ہے تجھ سے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
ملک تاتار کی تصویر بنا دیتا ہے

ابر و باراں تو تہِ چرخِ بریں دیکھا تھا
یہ برستا ہوا کافور نہیں دیکھا تھا

جبکہ ہوتا ہے گزر جانبِ کہسار ترا
فنِ صنعت سے وہاں اور کھلے یار ترا

بت تراشی میں ہے تو غیرتِ فرہاد وہاں
قصرِ شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد وہاں

اِک طلسمات کا عالم ہے دکھاتا جاتا
صورتیں برف سی کیا کیا ہے بناتا جاتا

پتے پتے کا ہے تصویر میں انداز درست
اور ہر اک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز درست

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن
مُنہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہم اُن سے دُور بظاہر ہزار بیٹھے ہیں / یہ لاکھ جان سے دل میں نثار بیٹھے ہیں

ادھر بھی چشمِ عنایات ہو ذرا ساقی / کہ مست دیر سے امیدوار بیٹھے ہیں

چمن میں الجھے ہوئے ہیں جو دامنِ گُل سے / وہ دل میں بلبلِ شیدا کے خار بیٹھے ہیں

جلا کے ہجر میں تم نے جو خاک کر دیا دل / ہم اُس کا داغ لئے یادگار بیٹھے ہیں

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ جو بظاہر حال / بگاڑ بیٹھے ہیں یاں وہ سنوار بیٹھے ہیں

نگاہِ ناز کا ساقی کے ایک ہے یہ کمال / کہ بزم ہو گئی مدہوش و یار بیٹھے ہیں

کمانِ ابروئے جاناں کے دل سے ہوں قرباں / کہ جتنے تیر ہیں سینے کے پار بیٹھے ہیں

وہ صاف ہوویں گے کیا اپنے خاکساروں سے / کہ آپ دِل پہ یہ بن کر غبار بیٹھے ہیں

تمہارے زلف کو تھے باندھتے پریشاں ہم / سو دامن آج لئے تار تار بیٹھے ہیں

نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتا وہ صید افگن / دلوں کو ہاتھوں پہ رکھے شکار بیٹھے ہیں

گئے وہ غیر کے گھر اُٹھ کھڑے ہو حضرتِ دل / اب آپ کس کا کئے انتظار بیٹھے ہیں

عمامہ شیخ کا چھوڑیں گے کیا بھلا وہ رند / جو اپنی پگڑی کو پہلے اُتار بیٹھے ہیں

قمارِ عشق میں اب کیا لگائیں گے آزاد / کہ نقدِ دل کو تو پہلے ہی ہار بیٹھے ہیں

دلوں میں کرتے جو الفت سے ہیں جہانداری / جہاں کو ایک نظر میں غلام کرتے ہیں

اس دلِ پُر داغ سا گلشن میں اک لالہ تو ہو / پر یہ گُل جیسا ہے کوئی دیکھنے والا تو ہو

آفریں ہمت کو اُس کی دل کی جس نے عشق میں / جاں تک پیاری نہ کی ایسا جگر والا تو ہو

ایک ہی ساغر میں کچھ ایسا پلا دے ساقیا / بے خبر دنیا و دیں سے تیرا متوالا تو ہو

ہاتھ خالی مردم دیدہ بتوں سے کیا ملیں / موتیوں کی پنجۂ مژگاں میں اک مالا تو ہو

ناخنِ خار آ کے خود عقدہ ترا کر دے گا وا / پہلے پائے شوق میں پیدا کوئی چھالا تو ہو

کچھ نہ کچھ آزاد کو بھی چاہیے دل بستگی / گر نہ ہو خمخانہ جیسی سیر بنگالہ تو ہو

پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی / آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

زاہد مراقبہ کا ہے دم سب کو دے رہا
اور آپ مارے نیند کے جھوکے ہے لے رہا

سونے کو بھر بھی ہے بخواب عدم گیا
دریا بھی راہ تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

اے رات تیرے وصف کہاں تک رقم کروں
اور اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر
بیٹھا تھا جس کا سکہ زمیں آسمان پر

کھولے ہوئے شفق کا نشاں زرق برق سے
رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے

اسکے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے
سکہ ہے اب ستاروں پہ اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اُس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

قطعہ

مزدور تھے جو دن کو مصیبت اُٹھا رہے
اور پاؤں تک سروں کے پسینے بہا رہے

سو طرح کے بار دلوں پہ اُٹھائے ہیں
جب چار پیسہ شام کو لے گھر میں آئے ہیں

قطعہ

اکثر امیر ہیں کہ یہاں بے نظیر ہیں
دولت کے آسمان پہ بدر منیر ہیں

اُن کو خدا کی یاد نہ بندوں کی شرم ہے
دن ہو کہ رات عیش کا بازار گرم ہے

قطعہ

اور وہ جو لکھپتی ہے مہاجن جہان میں
آدھی ڈھلی ہے پر وہ ابھی ہے دکان میں

گنتی میں دام دام کے ہے دم دئے ہوئے
بیٹھا ہے آگے سب بہی کھاتا لئے ہوئے

ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی
پر سوئے کیا کہ بند نہیں ملتی چھدام کی

انتخاب از مثنوی ابر کرم

منہ پر زمیں کے دیکھو تو ہے خاک اُڑ رہی
اور گرد چار سو تہ افلاک اُڑ رہی

دنیا میں بوند بوند کو خلقت ترس رہی
پانی کی جائے آگ فلک سے برس رہی

شہروں میں سوکھ سوکھ کے جنگل چمن ہوئے
اور جنگلوں میں دھوپ سے کالے ہرن ہوئے

طفل نبات پیاس کے مارے بلک رہے
خلق خدا کے نالے بہت دور تک گئے

سیماب ہو کے سینے سے ہر دل نکل چلا
اور آفتاب شمع کی صورت پگھل چلا

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے
گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے

تو نہ تھا جب تو نہ تھا جان کو جینے کا مزا
تھا نہ کھانے کا مزا اور نہ پینے کا مزا

اب عمل میں ترے آرام سے سب جیتے ہیں
گرم کھاتے ہیں غذا آبِ خنک پیتے ہیں

خطاب بہ قلم

آ قلم آ کہ سرِ نامہ لکھوں نامِ خدا
جو کرے نامِ خدا اُس پہ ہے انعامِ خدا

تو جوانی میں مری تیغ شرربار رہا
کرتا اعدائے بداندیش کو فی النار رہا

پر اب ایامِ ضعیفی نظر آتے ہیں قریب
فضل اپنے سے جو اللہ کرے عمر نصیب

اے مرے دوست نہ تو مجھ سے جدا ہو جانا
اپنے آزاد کی پیری کا عصا ہو جانا

مناجات

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں
آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں

پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے
اور کرتا صدقِ دل سے دعا بار بار ہے

مجھکو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں کو کہ دل پہ اثر کرے

انتخاب از مثنوی شبِ قدر

قطعہ

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے
ہر گوہر اس میں ملکِ حبش کا خراج ہے

ہر چند مہرِ حسن میں کیا کیا پھبن نہیں
پردہ دلک ہے تجھ میں کہ جس میں کرن نہیں

روشن تجھی سے روئے زمیں پر چراغ ہیں
اور کھلتے آسماں پہ ستاروں کے باغ ہیں

بجلی ہنسی تو اسکی تجھی سے بہار ہے
شبنم سے تیرا فیضِ کرم آشکار ہے

اے رات سلطنت کا ترے دیکھکر حشم
کھاتا فلک ہے تاروں بھری رات کی قسم

زیادہ معلوم نہیں مگر یہ سب جانتے ہیں کہ شعر و سخن کا ایک رسالہ موسوم بہ گلدستہ شعرا انکے اہتمام سے شہر لکھنؤ میں جاری تھا - مولوی عبد الغفور خاں نساخ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے -
ان کا کلام یہ ہے ؎

کچھ غم نہیں مٹا جو نشاں میری قبر کا	کافی ہے یہ نشان کہ میں بے نشاں گیا
غفلت میں آ کے میں گیا اپنی جان سے	فرمایئے تو آپ کا کیا مہرباں گیا
سختیٔ نزع کا تو بتائے علاج کچھ	بالیں سے میری اُٹھ کے مسیحا کہاں گیا
مہمان ہم بھی ہیں کوئی دم کے جہان میں	کیا غم جو وہ رقیب کے گھر میہماں گیا
پیش نظر تھی موت فراقِ حبیب میں	گزرا ہے مجھ پہ نزع کا عالم تمام شب
جی چاہتا ہے بس یہی بے اختیار آج	دریا پہ کھیلئے بط مے کا شکار آج
وہی ہیں ہم کہ ہیں اب خارِ دشت غربت کے	شگفتہ رکھتی تھی دل کو کبھی وطن کی بہار
فرقت میں جان دینے کا ہر دم بندھا خیال	ڈھونڈی کہیں چھری کہیں تلوار کی تلاش
کیا سُناتا ہے صدائے لن ترانی وقت نزع	چاہیئے مشتاق کو صورت دکھانی وقت نزع
وصل کے لیے ہزاروں سیکڑوں تدبیریں کیں	سچ کہا ہے کہ ہر اک کام ہے تقدیر کے ہاتھ

آزاد　(آزاد) منشی محمد امجد علی ولد محمد امداد علی صاحب - قصبۂ گوپامؤ ضلع ہردوئی کے رہنے والے ہیں ۱۲۶۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے ریاست بھوپال میں محکمہ نظامت کے سررشتہ دار ہیں - فارسی - اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں انکا اُردو کلام یہ ہے ؎

جلا کے خاک کیا جس کو اک نظر دیکھا	بھری ہے کیسی الٰہی نگاہ یار میں آگ
لیا جو بوسہ شبِ وصل بولے جھنجلا کر	چلو ہٹو کہ لگے ایسے تمہارے پیار میں آگ
شفق یہ پھول ہے کب تہ آتشیں ہے مرے	لگی ہے دامنِ چرخِ ستم شعار میں آگ

آزاد　(آزاد) خواجہ ضیاء الدین دہلوی انکی طبیعت کی موزونی خداداد تھی - اصلاح کسی سے نہیں لیتے تھے صرف طبیعت کی رسائی سے شعر کہتے تھے - زندہ دل اور خلیق آدمی تھے -

دل تشنگی کے مارے یہ بیتاب ہو گئے
انساں تڑپ کے ماہیِ بے آب ہو گئے

پہ آب ہے دور دورۂ برشگال کا
چھایا فلک پہ ابر ہے جاہ و جلال کا

آنے سے تیرے آگیا آنکھوں میں نور ہے
دیوار و در سے آج برستا سرور ہے

تیرے ہی دم قدم کی یہ سب لہر بہر ہے
سیراب کوہ و دشت تو شاداب شہر ہے

اے ابر سب یہ سازو نوا تیرے دم سے ہیں
یہ لطفِ عیش و لطفِ ہوا تیرے دم سے ہیں

غنچوں کے مارے پیاس کے تھے مُنہ کھلے ہوئے
گلشن کے نونہالوں کے منکے ڈھلے ہوئے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گُل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کِن دِلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

اے ابر تُو تو چھایا ہُوا ہے جہان پر
چھایا ہُوا اسمان ہے زمیں آسمان پر

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آئی اِدھر صبا ہے اُدھر ہے نسیم بھی
اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جُھک جُھک کے لینا ہاتھ سے گُل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز
سیراب باغ و دشت تو کُہسار سبز سبز

جھولوں میں نوجواں ہیں پینگیں چڑھا رہے
اور بیچ آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

ساون کے گیت اُٹھاتے ہے طوفاں لونڈیں ہیں
پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہیں

ہر تان میں ملہار کے مستی کا شور ہے
بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے

اے ابر تیری رات کی تعریف گر کروں
لازم ہے پہلے میں رہ ظلمات سر کروں

کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا

سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا

بجلی کبھی کبھی نگفتہ ساز ہے
کرتی نقابِ ابر میں چشمک کے ناز ہے

(آزاد) سید محمد امیر الدین عرف شاہ میرزا خاں لکھنوی شاگرد عشرت و فضل احمد کیف۔ ابن کا حال

فیض کی جھلک ٹپک رہی ہے۔ آپ اُن خوش نصیب اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے داغ مرحوم کے زمانہ قیام دکن میں پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ جسوقت سے حضرت داغ دکن میں پہنچے اُسوقت سے اپنے شفیق اُستاد کے انتقال تک روزانہ حاضر باشی میں فرق نہ آنے دیا۔ اُستاد بھی انہیں خاص لوگوں میں سمجھتے تھے اور اپنے عزیزوں کا سا انکے ساتھ برتاؤ کرتے ہے۔ چھوٹی سوٹی کوئی تقریب غیر معمولی بات آزاد صاحب کی شرکت بغیر نہیں ہوتی تھی حضرت داغ کا تیسرا دیوان مہتاب داغ انہیں کے اہتمام سے چھپا ہے۔ جناب آزاد نہایت شریفانہ خیال کے آدمی ہیں۔ دکن کے اکثر گلدستے انکے گلِ سخن سے زینت پاتے ہیں۔ انکے تازہ کلام کا گلدستہ نذرِ ناظرین ہے ؎

ہچکی آتے ہی لیا اُس بت نے نام آزاد کا — مسکرا کر پھر کہا قائل ہوں میں اس یاد کا

وہ کن انکھیوں سے کسی کا دیکھ لینا بزم میں — وہ تڑپ کر ہائے رہ جانا کسی ناشاد کا

اس دُھلائی کے تصدق اِس جبارت کے نثار — داورِ محشر سے دعویٰ ہے مری فریاد کا

اور یہ دو دم میں مجھکو تو عمر ابھی کٹے — اِک تری شمشیر کا اک خنجرِ فولاد کا

تم نئے ہو تو فسانہ بھی نرالا ہی سنو — ہو گیا قصّہ پُرانا قیس کا فرہاد کا

تغافل ہائے بیجا دیکھتا ہوں — گلہ آتا نہیں لیکن زباں پر

پسِ کار الفت سوچنا کیا — نظر کیا کیجیے سود و زیاں پر

ہے اقتضائے رشکِ عدو مانع قیام — کہتا ہے ضعف بیٹھ بھی جا کوئے یار میں

پہلو میں آج میرے دلِ ناتواں نہیں — کیا جانے یہ غریب کہاں ہے کہاں نہیں

جب تک فغاں تھی لب پہ مرے یا اثر نہ تھا — وقتِ اثر ہوا تو مجالِ فغاں نہیں

مزا اُسوقت آئے جب کسی کا کوئی شیدا ہو — مجھے رُسوا کیا جس نے الٰہی وہ بھی رُسوا ہو

یہ کیا تو نے کہا دل مجکو دے ڈالو تو اچھا ہو — تجھے اسواسطے دیدوں کہ تُو لے اور چلتا ہو

ڈرائیں تو اُسے جو کوئی بدنامی سے ڈرتا ہو — جو خود مختار ہو خود سر ہو اُسکو خوف کس کا ہو

انکا کلام ہدیۂ درج ذیل ہے ؎

کہتے ہیں لغزش پر تری آیا بجائے گا — لو خاک میں بھی ہمکو ملایا بجائے گا
جز دید اُن سے اور تمنا نہ کیجئے — لے بڑھ گئی تو شوق گھٹایا بجائے گا
اُس روئے آتشیں کا نہ دل میں خیال لا — شُعلہ بھڑک اٹھا تو بجھایا بجائیگا
دعوئے آب و تاب اور اُس رشک مہر سے — مُنہ بھی تو آئینہ سے دکھایا بجائے گا
اعجاز گو تمام کریں حضرت مسیح — مارا ہُوا بتوں کا جِلایا بجائے گا

آزاد

(آزاد) حکیم غلام حسین خاں ولد حکیم غلام رسول خاں کشمیری - کچھ عرصہ سے انکے آباواجداد نے رام پور کو اپنا وطن بنالیا تھا - نواب احمد علیخاں والی رام پور کے عہد میں نیابت کے عہدہ پر مامور تھے شعر و سخن کے مشغلہ سے بھی دلچسپی تھی - انکی دیانت داری و نیک کرداری کی ایک روایت مشہور ہے جو تذکرۂ انتخاب یادگار میں حضرت امیر مینائی مرحوم نے اسطرح لکھی ہے کہ جب زیارت حرمین شریفین کو چلے تو لاکھ روپے انکے پاس تھے - سب اموال کی فرد بناکر نواب صاحب کے حضور میں پیش کی - حکم ہُوا کہ مال تمہارا ہے سرکار کو اس سے کچھ علاقہ نہیں انکے انتقال کے بعد بھی انکے اقارب سرکار رام پور کے دامن دولت سے وابستہ رہے انکے دو شعر انتخاب یادگار میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں اشعار

جا بجا کرتے ہیں چرچا تری بدوضعی کا — دو کہیں چار کہیں پانچ کہیں سات کہیں
فہم پر تیری ہنسی آتی ہے مجکو آزاد — پھوٹتی ہی نہیں کہتا ہے مری بات کہیں

آزاد

(آزاد) مولوی ابوالحمید - اصل وطن انکا غازی پور زمانیہ ہے - ریاست حیدرآباد دکن میں عدالت عالیہ کے سرآوردہ وکیلوں میں ہیں - نواب فصیح الملک مرحوم داغ دہلوی کے ممتاز شاگردوں میں ہیں - انکے اسلاف شاہی زمانہ میں اچھے اچھے منصبوں پر ممتاز تھے اُنوں نے السنہ مشرقیہ میں معقول استعداد پیدا کی اور قانون کو اکتساب معاش کا ذریعہ قرار دیکر دکن میں اقامت اختیار کرلی - انکا سن پچاس برس سے کم نہیں ہے مگر کلام سے شباب کی شوخی اور اُستاد کے

خلقی جوہر ہیں نواب ڈھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے - شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسہ میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا - یہ اُردو کلام کا لب لباب ہے ؎

بیخودی شوق کی اور عرضِ تمنا اُن سے — نہیں معلوم کہ مُنہ سے مرے کیا کیا نکلا

لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا — لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا

اے وفا تیرا بُرا ہو کہ بنا نغمۂ شکر — لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا

اے اضطرابِ دل وہ نہیں میرا حال کب — دیتا ہے فرصت اِن کو عدو کا خیال کب

واقف تو ہوں ذرا مرے دردِ جگر سے آپ — اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ

آزاد نظمِ ریختہ کچھ میرا فن نہیں — واقف ہیں فارسی کے مرے شعر تر سے آپ

ہم اور اخفائے غمِ عشق بایں بیتابی — آپ اور پردہ دری سینہ میں پنہاں ہو کر

نئی روش ہے ترے ظلم جانستاں کے لئے — ستم ہے پیشہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد - بانکے پور کے مشہور نامی گرامی شاعر ہیں گذشتہ زمانہ میں اخبار الپنچ بانکے پور میں اُنکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں - عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اُردوئے معلیٰ علیگڈھ میں اِن کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے - معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے - آپکی نظم میں اچھوتے تخیل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں - اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو - آپکی ذات مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے آپ کی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدتِ خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے - اگر حضرت کی مختصر نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جاے تو صدہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے خلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ؎

شرابِ حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا — ہمارے قتل کا قاتل نے بندوبست کیا

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا ‏ ‏ جو تمکو چاہتا ہے چاہئے تم بھی اُسے چاہو

مجھے دعویٰ نہیں ہیں باز آیا دادخواہی سے ‏ ‏ جو ہونی ہو وہ مجھپر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو

دیکھنا فرط نزاکت سے نہ اُٹھا عکس یار ‏ ‏ رہ گیا حیران مصور اور ششدر آئینہ

میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر ‏ ‏ ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ

وقت تزئین تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ ‏ ‏ دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ

اے سنہ ہے قسمت ہوا میں انکا جو محو جمال ‏ ‏ دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ

بے وفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں ‏ ‏ اب ہوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ

واں شب اقرار صرف زیب و زینت ہو گئی ‏ ‏ یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی

جھوٹے وعدوں نے کسی کے کر دیا خانہ خراب ‏ ‏ منزل دل رہگذار یاس و حسرت ہو گئی

جب تلاش شاہد مقصود میں رکھا قدم ‏ ‏ رہنمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی

جفا میں لطف - کرم میں جفا نکلتی ہے ‏ ‏ ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شب فرقت ‏ ‏ جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے ✣ ✣

عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر ‏ ‏ سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے

کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے ‏ ‏ دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے

کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار ‏ ‏ ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد

(آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قدیم باشندہ ہے آغا احمد علی احمدؔ کے شاگرد ہیں٭ - فارسی - اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے - چند قصیدے نہایت پُرزور لکھے ہیں - اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد دید نو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونکدی ہے - جدت پسندی اور ظرافت انکی طبیعت کا

٭ اب آپ کی ۶۰ برس کی عمر ہے -

خلق جوہر ہیں نواب ڈھاکہ کی سرکار سے انہیں کچھ وظیفہ بھی ملتا ہے - شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری کے موقعہ پر کلکتہ کے جلسے میں ان کا قصیدہ پیش کش شاہزادہ ہوا تھا - یہ اردو کلام کا لب لباب ہے ؎

بیخودی شوق کی اور عرض تمنا ان سے
نہیں معلوم کہ منہ سے مرے کیا کیا نکلا

لاکھ نیرنگوں کا رکھتا ہے اثر جلوہ ترا
لاکھ امیدوں کی دیتا ہے خبر جلوہ ترا

اے وفا تیرا برا ہو کہ بنا نغمۂ شکر
لب پہ بھولے سے بھی گر شکوۂ بیداد آیا

اے اضطراب دل وہ نہیں میرا حال کب
دیتا ہے فرصت ان کو عدو کا خیال کب

واقف تو ہوں ذرا مرے درد جگر سے آپ
اے کاش دیکھیں اپنے کو میری نظر سے آپ

آزاد نظم ریختہ کچھ میرا فن نہیں
واقف ہیں فارسی کے مرے شعر تر سے آپ

ہم اور اخفائے غم عشق بایں بیتابی
آپ اور پردہ دری سینہ میں پنہاں ہو کر

نئی روش ہے ترے ظلم جانستاں کے لئے
ستم ہے ہمیہ رقیبوں کے امتحاں کیلئے

(آزاد) حافظ سید فضل حق صاحب رئیس عظیم آباد - بانکے پور کے مشہور نامی گرامی شاعر ہیں گذشتہ زمانہ میں اخبار الپنچ بانکے پور میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اردو شاعری کے علاوہ فارسی میں بھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ فکر سخن کرتے ہیں - عربی میں اعلیٰ دستگاہ حاصل ہے آج کل رسالہ مخزن لاہور اور اردوئے معلیٰ علیگڈہ میں ان کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا ہے - معمولی فرسودہ خیالات سے آپکی جدت پسند طبیعت متنفر ہے - آپکی نظم میں اچھوتے نیچرل خیالات اکثر پائے جاتے ہیں - اگرچہ کہیں کہیں بوجہ علوی معلومات و تبحر علمی شوکت الفاظ زیادہ ہوتی ہے مگر نہ ایسی جو قابل گرفت ہو - آپکی ذات مجمع کمالات ظاہری و باطنی ہے آپ کی کوئی نظم لطف سے خالی نہیں پائی بلکہ جدت خیال اور سلاست بیان اس پر مستزاد ہے - اگر حضرت کی مختصرہ نظموں کا انتخاب ہی درج تذکرہ کیا جاوے تو صدہا صفحے درکار ہوں اور اصول تذکرہ نویسی کے خلاف اسلئے صرف عاشقانہ غزلوں کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے ؎

خراب حسن سے آنکھوں کو خوب مست کیا
بہار ستقل کا قاتل نے بندوبست کیا

یہی ہے رسم الفت کی یہی شیوہ محبت کا — جو تمکو چاہتا ہے چاہتے تم بھی اُسے چاہو
مجھے دعویٰ نہیں میں باز آیا دادخواہی سے — جو ہونی ہو وہ مجھپر ہو الٰہی وہ نہ رسوا ہو

دیکھنا از طرز اکت سے نہ اُٹھا عکس یار — رہ گیا حیران مصور اور ششدر آئینہ
میرے دل کا آئینہ ہو آپ کی تصویر پر — ہاتھ آنے کا نہیں پھر اس سے بہتر آئینہ
وقت تزئیں تو میری حیرت کا باعث کچھ نہ پوچھ — دیکھتا ہوں دیکھتا ہے تجھکو کیونکر آئینہ
اسے نہ ہے قسمت ہوا میں انکا جو محوِ جمال — دیکھتے ہیں میری صورت وہ سمجھکر آئینہ
بے وفا میں ہوں کہ دشمن باوفا تم ہو کہ میں — اب ہوا جاتا ہے اسکا حال سب پر آئینہ

واں شبِ اقرار صرفِ زیب و زینت ہو گئی — یاں غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی
جھوٹے وعدوں نے کسی کے کردیا خانہ خراب — منزلِ دل رہگذارِ یاس و حسرت ہو گئی
جب تلاشِ شاہدِ مقصود میں رکھا قدم — رہ نمائی کے لئے آگے مصیبت ہو گئی

جفا میں لطف - کرم میں جفا نکلتی ہے — ادا ادا میں تمہاری ادا نکلتی ہے
مرے نکالے نہ نکلے گی یہ شبِ فرقت — جو تم نکالو ابھی یہ بلا نکلتی ہے ✦ ✦

عشق کر بیٹھے مگر کس کو خبر — سہل کیا اس میں ہے کیا دشوار ہے
کیا چیز ہے کیا سینۂ بسمل میں نہیں ہے — دل تیر میں یا تیر ترا دل میں نہیں ہے
کیوں سمجھے نہ کوئی ترے اقرار کو انکار — ہاں تیری زباں پر ہے ترے دل میں نہیں ہے

آزاد

(آزاد) مولوی سید محمود صاحب ابن سید اسد الدین حیدر - جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قدیم باشندے آغا احمد علی احمد کے شاگرد ہیں✲- فارسی - اُردو دونو زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے - چند قصیدے نہایت پُرزور لکھے ہیں - اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں عرصہ تک انکی قلم سے ظرافت کے مضمون نکلتے رہے ہیں قابل دید نوابی دربار آپ ہی لکھا کرتے تھے دیوان آزاد اور خیالات آزاد یہ دو کتابیں چھپ گئی ہیں اُردو انشا پردازی کے بے جان قالب میں انکی تحریروں نے ایک نئی روح پھونکدی ہے - جدت پسندی اور ظرافت انکی طبیعت کا

لوگ آبرو کو بیچ کے لیں جان دے کے لیں ٹکڑا اسے جو علم و ہنر کی جناب سے
کسب کمال علم و ہنر سے غرض یہ ہے انسان ورنہ کم نہیں ہرگز دواب سے

(آزاد) منشی صدیق حسن انصاری - سہارنپور کے باشندے اور ریاست بھوپال میں ملازم ہیں لکھے چند شعر ایک گلدستہ میں نظر سے گزرے وہی درج کئے جاتے ہیں ؎

جب یار نہ ہو پاس تو پھر جینے سے حاصل مر جاؤں کہ ہو نام ہی اربابِ وفا میں
مختار ہیں اب آپ جلائیں کہ کریں قتل گردن ہے مری خم رہِ تسلیم و رضا میں
ہیں عشق حقیقی کے مزے جن کے دلوں میں حاصل ہے حیاتِ ابدی ان کو فنا میں
آزاد کا دل بہرِ خدا کیجیئے آزاد کیوں قید کیا تم نے اُسے زلف دوتا میں

(آزاد) بابو کالی چرن ایک موزوں طبیعت کے آدمی ہیں - کلام سیدھا سادا اور صنائع شعری سے آزاد ہے ؎

دام کاکل سے کیوں کیا آزاد اب کہاں جائے تیرا آزاد افسوس
ہے بجا بند کل دنیا میں کریں جتنا حجاب ابھی صورت تو نہیں صاحب چھپانے کیلئے
جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں تو بولا وہ صنم ہم نے کب تم سے کہا تھا دل لگانے کے لئے

(آزاد) منشی الطاف احمد سہارنپور کے رہنے والے مولانا **بیدل** سہارنپوری کے شاگرد ہیں ان کا صحیح پتا نہیں معلوم ہوا اس وجہ سے زیادہ حالات درج تذکرہ نہ ہو سکے دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

تجھ سے اے نور مجسم ہر مکاں پر نور ہے ہر کلیسا کعبہ ہے ہر کوہ کوہِ طور ہے
بد زبانی کی بھی کوئی حد ہے آخر تا کجا ہر کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد مثل مشہور ہے
ہو چکے آزاد دنِ آرام کے ++ آدمی بن جاؤ بس اب کام کے
ہم تو صبح شام ہی کے ہو لئے گر یہی وعدے ہیں صبح شام کے
کب تک آخر وقفِ ناکامی رہیں کام آ جاؤ کسی ناکام کے ++

نگاہِ ناز نے کیا خوب بندوبست کیا
کہ ایک جام سے ساقی نے سب کو مست کیا

ابھی اُس نونہال پر عالم
باغباں ہے نکلتی کونپل کا +

چشم بد دور آنکھ ساقی کا +
اُس میں ڈورا سیاہ کاجل کا

نظر آتی ہے نظر بند پری شیشے میں
آج ساقی نے مئے سرخ بھری شیشے میں

حور پردے میں ہے جو تکتی کی دُلہن چلمن میں
مئے گلرنگ سے یا لال پری شیشے میں

نخلِ مینا میں لگا ساغرِ گلرنگ کا پھل
اب نہیں وہ اثرِ بے ثمری شیشے میں

نگہِ ناز کوئی چشم فسوں ساز میں ہے
یا بھری ہے یہ مئے بے خبری شیشے میں

ہوں سخن سنج تو عجب کیا آزاد
انہیں باتوں سے اُترتی ہے پری شیشے میں

بجلیاں گرتی ہیں دل پر ساز کی +
اُس میں پھر شرکت تری آواز کی

جس کو دیکھا اُس کو بسمل کر دیا
پھیر دیں چھُریاں نگاہِ ناز کی

جا چکی گلشن سے جب فصلِ بہار
آہ کب رخصت ملی پرواز کی

زلف سے دونی ہے عارض کی بہار
شب کو کھلتی ہے گرہ آواز کی

اُسکی آنکھوں کے کرشمے دیکھئے
سحر کی کہئے نہ کچھ اعجاز کی

جام مے سرشار ساقی مہرباں
لب تک آجائیں نہ باتیں راز کی

رنگ میں آزاد یہ اُردو غزل
ہے بھری بوتل مئے شیراز کی

موت سے لو لگائے بیٹھے ہیں
یہ بھی تیری نظر نہو جائے

گھر جن میں بنا لیا تھا تُو نے
اے دوست ہیں وہ مقام سُونے

لالہ کو کہاں نصیب وہ داغ
جو دل کو دیے ہیں آرزو نے

خنجر ہوا سرخرو لہو سے
لالی رکھ لی رگِ گلو نے

جاری ہو وہ لین دین ساقی
ساغر نے لیا دیا سُبو نے

جینا دشوار کر دیا ہے
اے شوقِ وصالِ یار تو نے

آزاد

(آزاد) منشی سید محمد نذیر احمد صاحب ملازم دفتر رجسٹری سیتاپور - جدت پسند - ظرافت خیز ولولہ انگیز طبیعت پائی ہے - روزمرہ قابل داد اور کلام صاف صاف عام فہم ہے ؎

آپ بیتی کبھی اک ہم بھی کہانی کہتے
غم نہیں اسکا جو ہم جان سے اے جان گئے

باده خواروں سے یہ چھپ چھپ کے شرابیں پینا
کیا کہوں شیخ جی آج تو سب آپ کو پہچان گئے

سینہ میں تھا جو دل بیتاب کا حال
جس گھڑی کہہ کے وہ "اللہ نگہبان" گئے

لاکھ پردے میں چھپیں آپ تو کیا ہوتا ہے
کہیں چھپتی ہی چھپائے سے بھی صورت اچھی

نقد دل دیتا ہوں انکار عبث کرتے ہو
دے بھی دو بوسۂ رخ ملتی ہے قیمت اچھی

کیا کہیں شوق نہیں آپ کو افسانے سے
خیر عاشق تو ہیں آپ کا سب جان گئے

آزاد

(آزاد) مولوی نعیم الحق شیخوپوری - علمی استعداد معقول اور حضرت امیر مینائی کے خرمن فیض سے بہرہ اندوز اور نکات شاعری سے باخبر معلوم ہوتے ہیں انکا کلام رسالہ فتنہ میں اکثر نظر سے گزرتا رہا ہے انتخاباً چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

دل مضطرب کو تو کاکل میں باندھا
قیامت بپا ہوگی اُٹھے گا فتنہ

اب آنچل ہیں کیا جانے کیا باندھتے ہیں
وہ جوڑا نہیں اک بلا باندھتے ہیں

ہم نفس پا بھی رہیں کے نہیں پاتے بیٹھنے
باد صبا اُٹھاتی ہے کوئے حبیب سے

شکوہ کسی سے ہے نہ شکایت ہے غیر کی
جو کچھ شکایتیں ہیں وہ اپنے نصیب سے

پیری میں دل سے پوچھ نہ حالت شباب کی
ذکر چمن خزاں میں نہ کر عندلیب سے

آزاد

(آزاد) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ مچھلی شہر کا —— رسالہ فتنہ میں کچھ شعر نظر سے گزرے پیش کش ناظرین کیے جاتے ہیں ؎

وحشت دل کا ٹھکانا چاہیئے
چارہ گر اور ایک صحرا چاہیئے

زندگی کا کچھ سہارا چاہیئے
مر رہے ہیں ایک بوسا چاہیئے

اور سب کو چھوڑ دینا چاہیئے
فضل پر مولا کے تکیا چاہیئے

حوصلے سارے دلِ ناکام کے	کردیئے اے ناامیدی تونے پست

آزاد

(آزاد) منشی سید افتخار عالم خلف سید مقبول عالم نبیرہ حضرت صاحب عالم المتخلص بہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ ممالک متحدہ - آپ کی ولادت ۱۲۸۱ھ ہجری میں ہوئی - اُردو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی معمولی کارروائی کے لائق جانتے ہیں - ۱۸۹۶ء میں انگریزی زبان میں مثل عربی فارسی اُردو بحساب جمل تاریخ نکالنے کا قاعدہ قائم کیا اور انگریزی حروف کے اعداد مقرر کیے - کئی تاریخیں بھی لکھیں مگر غیر ضروری ہونے کے باعث یہ ایجاد مقبول نہ ہوا - انہوں نے ایک تذکرۃ الخواتین کا ترجمہ کیا اسکا نام حور مقصورات رکھا - دوسری محمڈن کالج کی ہسٹری تالیف کی ۱۹۰۰ء میں چند مہینے اخبار مفید عام آگرہ کی اڈیٹری کو بھی زینت دی کبھی کبھی اپنا تخلص بجائے آزاد عالم بھی لکھتے ہیں - حیدرآباد جاکر سال ڈیڑھ سال کے قریب حضرت داغ کے پاس رہے اور انکے فیض صحبت سے مستفید ہوئے یہ خلاصۂ کلام ہے ؎

موت کس کی آئی دیکھا چاہیے	یوں سنور کر بیٹھنا اچھا نہیں
دل کسی پر میرا آنا چاہیے	جذب دل خود کھینچ لے گا اسکو آپ
تو پھر تم میں لڑائی کا فروغ ویند ارکیسی ہے	ازل سے سبحہ و زنار میں رشتہ ہے جب قائم
مریضِ ہجر کو خاکِ درِ دلدار کیسی ہے	اگر خاکِ شفا مجھکو نہیں ملتی تو کیا پروا

آزاد

(آزاد) مولوی احمد ابو محمد صاحب غازی پوری - دوڑتی ہوئی طبیعت اور تلاش مضامین کے مائل پائے جاتے ہیں - کلام خاصہ ہے اور اُسی سے یہ اندازہ ہے ؎

میں نہیں ہوں اُسکے دل میں وہ تو میرے دل میں ہے	کیوں پریشاں ہے طبیعت جاں کیوں مشکل میں ہے
کسکے بختِ نارسا کا کارواں منزل میں ہے	اک قدم بڑھتا ہے تو بڑھتی ہے منزل دو قدم
دید کی حسرت جو اسدم دیدۂ بسمل میں ہے	میرے قاتل جان سے پہلے نکلجاتی کہیں
فتنے ہی کیوں اُٹھیں جو چلو راہ سے	گھبراتے کیوں ہو کشمکش دادخواہ سے
باز آیا میں حضور کی اِس رسم و راہ سے	آؤ تو دل لو جانے لگو تم تو جان لو

(آذر) منشی لچھمن پرشاد عرف لچھمن نراین کایستھ - اِنکے والد منشی ہرسکھ راے صاحب نواب ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے دربار قیصری کے موقع پر دلّی بھی آئے تھے - یار باش و خلیق آدمی ہیں - منشی دیبی پرشاد کے مشورہ سے شعر کہتے ہیں - کلام پُرلطف اور سیدھا سادا ہے ملاحظہ ہو ؎

کیا کروں تصویر کھنچوا کر تری اے غنچہ لب	میں تو ہوں مشتاق تیرے خندۂ گفتار کا
ہے محبت میں عبث ہندو و مسلماں کا خیال	عشق میں رہتا نہیں ہے دین و ایماں کا خیال
کہیں بیٹھ جائے نہ بنیاد گردوں	کہ اشکوں سے طوفاں اُٹھا چاہتا ہے

آزردہ

(آزردہ) وحید العصر یکتاے دہر افضل العلما مولوی مفتی صدر الدین خاں صاحب خلف الرشید مولوی لطف اللہ کشمیری شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و مولوی فضل امام والد مولوی فضل حق منطقی خیرآبادی قبل از غدر حکام وقت کی طرف سے عہدۂ صدر الصدور پر ممتاز تھے یہ عہدہ اہل ہند کے لئے اُس زمانہ میں اعلیٰ ترین عہدہ سمجھا جاتا تھا - باوجود مشاغل ملازمت فکر سخن کا بھی شوق رکھتے تھے - بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ اوائل میں چند غزلیں شاہ نصیر صاحب کو دکھائیں اور کچھ دنوں میاں مجرم اکبرآبادی سے بھی مشورہ لیا انجام کار میر مسنون کے شاگرد ہو کر اس فن میں کمال حاصل کیا - اِنکی تاریخ ولادت لفظ چراغ (۱۲۰۴) اور تاریخ وفات چراغ امم (۱۲۸۵) سے نکلتی ہے - عربی - فارسی - ریختہ تینوں زبانوں پر قادر تھے ہر ایک زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت سے داد سخن دی ہے - جناب آزردہ مرحوم ان چند اشخاص میں تھے جنھوں نے اعلیٰ درجے کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک سخن میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھایا ہے - آپ اپنے زمانہ کے مشاہیر سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے - منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوصف آپکی طبیعت ظاہری نمایش سے کوسوں دور تھی - دنیوی آسایش کے تمام سامان بہم پہنچائے مگر خود سیدھی سادی وضع سے بسر کرتے رہے - عدالتی کاروبار سے فرصت کے وقت طلبا کا حلقہ آپکے گرد رہتا تھا طالب علموں

آزر

(آزرؔ +) نواب ذوالفقار علیخاں نبیرہ معتمد الدولہ نواب احمد علیخاں جو احمد شاہ ابدالی کے وزیر اور شاہ ولی خاں کے بھتیجے تھے دلی کے رہنے والے۔ بادشاہ کی طرف سے شاہجہاں آباد کے قلعہ دار تھے۔ نواب اسداللہ خاں غالب سے تلمذ تھا خوبصورت وجیہ۔ جامہ زیب نوجوان تھے۔ کلام میں جدت اور طبیعت میں جودت پائی جاتی ہے ؎

شکر پرواں زبان کٹتی ہے + ۔۔۔ شکوہ کرنے کی کیا مجال نہیں

میرے ستانے نے کام اس سے اک جہاں کیلیئے ۔۔۔ جو میں نہوں تو ہو گردش آسماں کے لئے

ہوئے ناخوش بتاں دیکھا جو مجکو ۔۔۔ خدنگ غمزہ نے گویا خطا کی +

آزر

(آزر) پنڈت جوالا پرشاد خلف بشن چند بارمو۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اوائل عمر میں اپنے بڑے بھائی گنگا پرشاد۔ رند کے پاس بریلی اور اکبرآباد میں رہے پھر بتقریب ملازمت محکمۂ پولیس مظفرنگر۔ شاہدرہ۔ اور متھرا میں متعین رہے انجام کار پنشن لے کر باقی زندگی متھرا میں بسر کی۔ فن شعر میں اپنے بڑے بھائی رند سے مشورہ لیتے تھے۔ ۲۱ - دسمبر ۱۸۶۲ء میں پینسٹھ برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔ کلام میں روانی اور طبیعت میں رجحان فطری پایا جاتا ہے۔ اشعار ذیل انکی یادگار ہیں ؎

شوق نے دکھائے ہیں اک چہرۂ گل گون کے گل ۔۔۔ کیوں نہ رنگیں ہوں مرے گلشن مضموں کے گل

نہ ہمیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی ۔۔۔ اسکو جی چاہے سو یہ گردش افلاک کرے

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں ۔۔۔ ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

رباعی

دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے ۔۔۔ عقبےٰ میں حساب معصیت سے چھوٹے

ہر چار طرف کے مٹ گئے وہم و خیال ۔۔۔ ہم عشق میں کل شش جہت سے چھوٹے

+ اس لفظ کی کتابت میں بعض لوگوں کی بے پروائی سے بجائے زائے معجمہ ذال معجمہ داخل ہوگئی ہے حالانکہ کسی لغت سے ذال کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں۔ آزر بفتح زاے معجمہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے چچا کا نام تھا چونکہ انہوں نے ابراہیم کو پالا تھا اور اہل عرب چچا کو بھی باپ کہتے ہیں اسی سبب سے قرآن میں بھی باپ سے تعبیر کیا گیا الخ +

آ پھنسے بدڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے		مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی بنے

ذوق - مومن - غالب - صہبائی - شیفتہ - نیر رخشاں سے دلی اتحاد تھا۔ سنہ ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۱۶ - جولائی سنہ ۱۸۶۸ء میں اکیاسی برس کی عمر پاکر انتقال فرمایا - اور درگاہ چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔ ایک تذکرہ شعراے ریختہ انکی یادگار ہے مگر نایاب ہے - دیوان مرتب ہونے نہ پایا بلکہ متفرق کلام کا بھی بڑا حصہ تلف ہوگیا - باوجود شوق طبع زادگان سخن کی غور پرداخت پر زیادہ توجہ نہ تھی کبھی کبھی دوستوں کے اصرار یا تفنن طبع کے لحاظ سے شعر کہہ لیا کرتے تھے - ایک مرتبہ آپ کے اس شعر پر ؎

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے		گر ہم بھی سبک حرکت نااہل سے ہوتے

کسی نے اعتراض کیا کہ حرکت بفتحتین چاہیے اس پر آپ نے اساتذہ فارس کے بیسیوں شعر راے مہملہ کے سکون کی سند میں پیش کر کے مخالف کو ساکت کر کے چھوڑا - - آپ کے اشعار ہر قسم کے اغلاق و تنافر سے پاک ہوتے تھے جو عربی کے جید عالم فاضل کے لئے کچھ آسان بات نہیں ہے - شوخی طبع - سلاست زبان دیکھکر بھی تعجب ہوتا ہے کہ آپ کسطرح استعداد عربی کے زبردست اثر کو غالب نہیں آنے دیتے تھے - غدر کے بعد آپ کی شاعری بھی طبیعت کی طرح سرد پڑ گئی اگر کبھی کچھ کہتے بھی تو حضرت شیفتہ یا حضرت غالب کے اصرار سے کہتے -

آپ دہلی میں مجالس علیہ کے رکن رکین تھے آپ کی وفات سے شعر و سخن کی دنیا کو بڑا صدمہ پہنچا آپ کی یہ وضعداری بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ قلعہ کے ترپولئے میں حضرت بہادر شاہ کی سواری قریب سے گزر گئی نہیں معلوم آپ اسوقت کس دُھن میں تھے سلام نہ کر سکے جب صاحب رزیڈنٹ بہادر کو یہ خبر ہوئی تو اُنہوں نے بُلاکر دو روپے جرمانہ کیا - آپ نے اُس دن سے مرتے دم تک کسی کے ساتھ بھی سلام کرنے میں سبقت نہیں کی گویا خود سلام کرنے کی عادت ہی اُڑا دی -

لطیفہ - ایک روز مکرمی منشی بہاری لال مشتاق اپنے دوست لالہ رامچند قمر کے ساتھ جناب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر شاعری کا ذکر چلا - قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت

کو بڑے شوق سے پڑھاتے تھے۔ علمی فیض کے علاوہ ضرورتمند کے ساتھ نقد و جنس سے بھی مسلوک ہوتے تھے۔ نہایت منصف مزاج۔ خوش مزاج۔ نیک نفس۔ نفاست پسند تھے۔ چنانچہ آپکی نفاست پسندی کی اکثر حکایتیں مشہور ہیں۔ اِن اوصاف کے ماسوا۔ زندہ دل۔ خلق مجسم کہنا مبالغہ نہیں ہے۔ انکے شاگردوں میں کئی شاگرد صاحب کمال اور نامور گزرے ہیں۔ آپ کے انتقال سے برسوں پہلے یہ بات زبان زدِ خاص و عام تھی کہ جسنے آپ سے فیض پایا اور موردِ عنایات رہا وہ ضرور اعلیٰ مدارج پر پہنچا۔ نواب یوسف علیخاں۔ ناظم۔ والی ریاست رامپور نے بھی اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں اِن سے پڑھا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم شوہر رئیسہ بھوپال۔ آنریبل ڈاکٹر سرسید احمد خاں بہادر بانی محمڈن کالج علی گڈھ جیسے فرد زمانہ اصحاب کے نام آپ کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہیں سرسید کے حال پر تو آپ کی خاص نظر عنایت تھی۔ آپ کاملین کے نہایت قدردان تھے۔ انہیں کے اجلاس میں حضرت غالب مرحوم نے یہ شعر بطور جواب دعوی پڑھا تھا شعر

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں	رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایکدن

مفتی صاحب نے یہ شعر سنکر اِنکے قرضہ کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد خاص و عام ہے یعنی مفسدوں نے آپسے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھدیے (فتوے بالجبر) مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھکر پیچھا چھوڑ دیا۔ مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا آپنے فتوے بالجبر ثابت کرکے رہائی پائی۔ اسی رستخیز بیجا کے زمانہ میں تمام جائداد بھی ضبط ہوگئی تھی۔ جب کوئی جرم عاید نہ ہوا تو لاٹ صاحب کے رحم نے نصف جائداد واگزاشت کردی۔ اسی ہنگامہ دار و گیر میں کچھ روز حوالات میں نظربند رہے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ترکیب بند لکھ ڈالا جسکا ایک شعر یہ ہے

اُٹھنے میں صبح کے یہ کماں سر گرانیاں
زاہد نے مے کا جلوہ یہ دیکھا ہے خواب میں

تحقیق ہو تو جانو کہ میں کیا ہوں قیس کیا
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں

بہ ہر روئیں سے خرقہ کے میرے ہے خونچکاں
غوطے تو سو دئے اسے زمزم کے آب میں

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم لگا ہے یاں تری بزمِ شراب میں

امدادِ چشم کیا ہو لگی دل کو آگ جو
جلنے کے بعد خوں نہیں رہتا کباب میں

ہیں دونو مثلِ شیشہ یہ سامانِ صد شکست
جیسا ہے میرے دل میں نہیں ہے حباب میں

یہ عمر اور عشق ہے آزردہ جائے شرم
حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں

پلا ساقیا مئے خنک آب میں
کر عقل نہیں تو بہ مہتاب میں

گیا دین کیسا حضورِ نماز
وہ یاد آئے ابرو جو محراب میں

ملے کچھ تو زخمِ جگر کا مزہ
بجھا کر رکھا تیغ زہر آب میں

الٰہی فلک جس سے پھٹ جائے وے
وہ تاثیر آہِ جگر تاب میں

بلند آشیانوں پہ بجلی گری ہے
جو شیشے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

وہ عریاں ہیں سرما میں بھی جن کی شب
گزرتی سمور اور سنجاب میں

نہ آئے ہوں آزردہ لینا خبر
پڑی دھوم یہ سارے پنجاب میں

کاش مقبول ہو دعائے عدو
کیا کروں وہ بھی مستجاب نہیں

اب تو اِس چشمِ تر کا چرچا ہے
ذکر دریا نہیں سحاب نہیں

جمع طوفان و چشمِ تر سرف
اب مصارف کا کچھ حساب نہیں

دھو دیا سب کو دیدۂ تر نے
وہ نہیں درس وہ کتاب نہیں

عشق بازی کا منہ چڑاتا ہے
اب وہ موسم نہیں شباب نہیں

تیری آنکھوں کے دور میں کیا کیا
سحر رسوا نہیں خراب نہیں

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے
اِسکو آرام اُس کو خواب نہیں

تعریف کی۔ مولانا نے چین بجبیں ہو کر فرمایا کہ نہایت مشکل کہتا ہے اور پھر زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جبیں ہوئے اور فرمایا کہ ہائے اچھا کہتا ہے تو ایسا کہتا ہے ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے ۔۔۔ اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

مفتی صاحب کے صلبی اولاد نہ تھی اس وجہ سے اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمن خاں صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر محکمہ دریافت انعامات گورنمنٹ نظام دکن کو متبنے کر لیا تھا۔ آپکے اشعار آبدار کا انتخاب ہدیۂ الوالالباب ہے ؎

مر کر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھہرا ۔۔۔ گشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس درد جدائی سے کہیں جان نکل جائے ۔۔۔ آزردہ میرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامنگیر کوئی جا نکر قاتل تجھے ۔۔۔ تو بھی رونا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

برگشتہ بخت جذبۂ دل تم کو آفریں ۔۔۔ آکر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس

آمد آمد ہوئی پھر موسمِ گل کی شاید ۔۔۔ ان دنوں چاک کو پائی ہیں گریبان سے انس

ہوئے ہیں وہ ناقابلوں میں شمار اب ۔۔۔ جنہیں مانتے تھے زمانے کے قابل

کروں چاک سینہ تو سو بار لیکن ۔۔۔ نہیں داغِ دل یہ دکھانے کے قابل

یہ کہہ کے رخنہ ڈالئے اُن کی نقاب میں ۔۔۔ اچھے بُرے کا حال کھُلے کیا نقاب میں

کیا جانو کیا اثر ہے دلِ شعلہ تاب میں ۔۔۔ یہ وہ ہے برق آگ لگا دے نقاب میں

قسمت تو دیکھ کھولی گرہ کچھ تو رہ گئی ۔۔۔ ناخن ہمارے ٹوٹ کے بندِ نقاب میں

یارب وہ خواب حق میں مرے خواب گہ ہو ۔۔۔ آوے وہ مستِ خواب اگر میرے خواب میں

حال اس نگہ کا اسکے سراپا میں کیا کہوں ۔۔۔ مورِ ضعیف پھنس گئی جا شہدِ ناب میں

یارب یہ کس نے چہرے سے الٹا نقاب ہے ۔۔۔ سو رخنے اب نکلنے لگے آفتاب میں

خورشید زار ہووے زمیں مے جھنک ذرا ۔۔۔ سو آفتاب ہیں ترے گردِ نقاب میں

کیا عقل محتسب کی کہ لایا ہے کھینچکر ۔۔۔ سو دا زدوں کو محکمۂ احتساب میں

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر
کہیں پرسشِ دادخواہاں نہیں

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
ہے فکر بخیہ تجھکو گریباں کے چاک میں

دلِ پُر زخم ہی کو آگ لگا دی ہم نے
چارۂ جز شعلۂ پے خانۂ زنبور نہیں

محتسب کو کیا بیکار تری آنکھوں نے
ایک میخانہ بھی اس دور میں معمور نہیں

مژدہ اے چرخ کہ اب میری طرح سے رکھتا
طاقت اُٹھنے کی ذرا نالۂ رنجور نہیں

ہے نیا قاعدہ یاں ذبح کا قاتل کی طرف
دیکھنا پھر کے کن انکھیوں سے بھی دستور نہیں

دامن اُسکا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں

کون سا دن ہے کہ خورشید جہاں تاب سحر
خاک در سے ترے دریوزہ گرِ نور نہیں

ترک روئی خوش آزردہ محالات سے ہے
یوں خدا کی تو خدائی سے ہے کچھ دور نہیں

گیا کون سا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

گھر سے گھبرا کے کھُلے بالوں ہر اک کھٹکے پر
کیوں نکل آتے ہو دھوکے میں جو بیتاب نہیں

اے بلبلان شعلہ دم اک نالہ اور بھی
گم کردہ راہ باغ ہوں یاد آشیاں نہیں

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ
اِک قہر تھی بلا تھی قیامت تھی جاں نہیں

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شبِ فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

گو اسیری میں ہوں پر مثلِ اسیرِ تصویر
نہ غمِ قید نہ پروائے رہائی مجھکو

ترے مجروح کے سینے میں کچھ گرمی سی باقی تھی
وہیں بس ہو گیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکاں کو

اُلجھنے کو بلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلفِ پریشاں کو

اُس شوخ سے مربوط بہت سِل سے ہوتے
گر ہم بھی سُبک حرکتِ نا اہل سے ہوتے

عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے
نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گھر کے گھر ملے

پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلہ تک
جلنے ہی کے لئے مجھے یہ بال و پر ملے

باہم طلاپ تھا یہ ترے دورِ حسن میں
یہ رسم اُٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے

جوں سراپائے یار آزردہ ٭ تیرے دیواں کا انتخاب نہیں

یہ چھیڑ دیکھو مجھے شب وصل میں کہے
تو اجنبی سے ہے بند قبا کیونکر وا کروں

ہزار شیوہ ہیں پنہاں کہ جی ہی جانے ہے
تری نگہ کا تغافل ہی اک جواب نہیں

شب جوش گریہ تھا مجھے یاد شراب میں
تھا غرق میں تصور آتش سے آب میں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمین و زمیں آسماں نہیں

قاتل کی چشم تر ہو یہ ضبط آہ دیکھ ٭
جوں شمع کٹے پہ اٹھا یاں دھواں نہیں

آنکھوں سے دیکھکر تجھے سب ماننا پڑا
کہتے جو تجھے ہمیشہ چنیں ہے چناں نہیں

افسردہ دل نہو در رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں

لب بند ہوں تو روزن سینہ کو کیا کروں
تھمتا تو مجھ سے نالۂ آتش عناں نہیں

ملنا ترا اغیر سے ہو بہر مصلحت
ہم کو تو سادگی سے تری یہ گماں نہیں

شب اسکو حال دل نے جتایا کچھ اسطرح
ہیں لب تو کیا نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

بے وقت آئے دیر میں کیا شورشیں کیا
ہم پیر و پیر میکدہ بھی تو جواں نہیں

اس بزم میں نہیں کوئی آگاہ ورنہ کب
واں خندہ زیر لب اور ہر اشک نہاں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

نازو نگہ روش سبھی لاگو ہیں جان کے
ہے کون ادا وہ تیری کہ جو جانستاں نہیں

آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے روبرو
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ نے پڑھی غزل اک میکدہ میں کل
وہ صاف ترکہ سینۂ پیر مغاں نہیں

نکلنا ہوا دل سے دشوار کیوں
یہ اک آہ ہے اس کا پیکاں نہیں

یہ ہاتھ اس کے دامن تلک پہونچے کب
رسائی جسے تا گریباں نہیں

فلک نے بھی سیکھے ہیں تیرے سے طور
کہا اپنے کئے سے پشیماں نہیں

مرا نامۂ شوق توؤں تلے ٭٭
نہ ملئے یہ خون شہیداں نہیں

گاج کا جن سے ڈوپٹہ نہ سنبھالا جاتا	لاکھ حکمت سے اُڑھاتے نہ اُڑھایا جاتا

سر پہ وہ بوجھ لئے چار طرف پھرتے ہیں
دو قدم چلتے ہیں مشکل سے تو گر پڑتے ہیں

طبع جو گہنے سے پھولوں کے اذیت پاتی	مہندی ہاتھوں میں لگا سوتی تو گھبراتی
شام سے صبح تلک نیند نہ جن کو آتی	ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی

انکو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اُٹھایا تو ہما نے رکھا

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے	سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جان پہ بن جاتی ہے	مصطفٰے خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے

کیوں نہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

آس

(آس) للن میاں کے نام سے مشہور ہیں۔ قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں رہتے ہیں۔ ۲۵-۲۶ برس کی عمر ہے۔ سید ظہیرالدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد اور طبیعت فن شاعری سے بہت مناسبت رکھتی ہے۔ مزاج میں مزاح و ظرافت بہت ہے۔ فارسی کی قابلیت خاصی ہے۔ کچھ عربی سے بھی بہرہ یاب ہیں اور انگریزی سے بھی ماہر۔ اگرچہ مشق سخن کو بہت زمانہ نہیں گزرا مگر طبیعت کی جودت نے اچھا ملکہ حاصل کیا ہے۔ اپنے طرز بیاں کو فصیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں۔ اُستاد ظہیر انکو بہت چاہتے اور اکثر انکی غزلوں کی تعریف فرماتے ہیں تھوڑا سا کلام انتخاباً درج ہے ؎

نہ ملو کُھل کے تو چوری کی ملاقات رہے	آیا جایا کرو تم رات گئے رات رہے
چال رفتار میں گفتار میں کچھ گھات رہے	لطف تو جب ہے کہ ہر بات میں اک بات رہے
حسرت دید شارمانِ ملاقات رہے	آس پھر جائیں مرے دن جو وہ اک رات رہے

دل نے ملادیں خاک میں سب وضعداریاں
جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

اُسکی گلی میں لے گئے آزردہ کو اُسے
دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر ملے

آنکھ اُٹھائی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
ہجر میں ایسے فرامشگرِ دیدار ہوئے

کام اس خرقۂ زہاد میں اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح یار ہوئے

نہ اُٹھی بیٹھ کے خاک اپنی ترے کوچے میں
ہم نہ یاں دوشِ ہوا کے بھی کبھی بار ہوئے

صبح لے آئینہ اُس بت کو دکھایا ہم نے
رات اغیار سے ملنے کے جو انکار ہوئے

کچھ تعجب نہیں گر اب کے فلک ٹوٹ پڑا
آج نالے جو کوئی اور بھی دو چار ہوئے

مصر میں آج تجھے دیکھ کے پچھتاتے ہیں
سادہ لوحی سے جو یوسف کے خریدار ہوئے

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہیے سچ ہے
رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے

یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للہ
آج دریوزہ گر خانۂ خمار ہوئے

مبتذل دوست بنایا نہ اُسے کیوں اول
جس نے اُس شوخ کی نظروں میں کیا خوار مجھے

مکھڑا وہ غضب زلفِ سیہ فام یہ کافر
کیا خاک جیئے کوئی شب ایسی سحر ایسی

نقشے تو بہت صانع قدرت نے بنائے
پر بن نہ سکا پھر دہن ایسا کمر ایسی

بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا
کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی

انتخاب مُسدّس مرثیہ دہلی

جنکو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
اہل نااہل سے خلط جنہیں زنہار نہ تھا
انکی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی واں بار نہ تھا
وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشاں دربدر
خاک بھی انکو نہیں ملتی کہ ڈالیں سر پر

زیورِ الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا

ہزاروں داغ کھائے جو ہمارے دل اے آسمان
جلا ایسا ہے قمری کا نہ دل ایسا عنادل کا

فروغِ حسن جہاں میں جو تجھکو ہے منظور
زبانِ شمع کی مانند رکھ زباں خاموش

خفا ہو کس سے کہو تو یہ رنج کس سے ہے
بتاؤ بیٹھے ہو کیوں آج مہرباں خاموش

ہے فزوں ترگُلِ تر سے بھی بہارِ عارض
کس طرح بلبلِ دل ہو نہ نثارِ عارض

میری تربت پہ وہ دو پھول چڑھانے آئے
یوں سمجھ کر کہ یہ تھا عاشقِ زارِ عارض

کثرتِ تارِ نظر سے نہ رہائی دیجے
پھینک کر دامِ نگہ کھینچے شکارِ عارض

کہکشاں مانگ سے اُنکی شبِ یلدا زلفیں
خالِ رخ پر ہیں ستارے سرِ انورِ عارض

دام میں طائرِ دل کو نہ پھنسائیں اپنے
دانۂ خال کو زلفوں میں دکھا کر عارض

آنسو مرا آنسو نہیں اے اہلِ نظر ہے
دریا ہے روانی میں صفائی میں گہر ہے

جاتا ہے اُدھر رخ ترے عاشق کا جدھر ہے
قرباں ہیں اس تیر کے کیا تیرِ نظر ہے

یہ چشم ہے یا ہے صدفِ قلزمِ الفت
یہ اشک ہے یا بحرِ محبت کا گہر ہے

تعریف کروں اور میں کیا اس سے زیادہ
تارِ نظرِ دیدۂ عنقا وہ کمر ہے

ہوتی نہیں آخر کسی صورت یہ خدایا
کیا صبحِ قیامت شبِ فرقت کی سحر ہے

پاتا ہے جو قاتل تری تلوار کا پانی
اب رنگ میں ہمشکل گُلِ زخمِ جگر ہے

ہے موتیوں کے ہار میں اک لعلِ بدخشاں
اشکوں میں ہمارے یہ نہیں لختِ جگر ہے

اب ہوش میں آ خوابِ تغافل سے ہویدا
پیری نہ سمجھ شام جوانی کی سحر ہے

مشکل نہیں فردوس تجھے حشر میں پانا
آسماں غمِ شبیر ترے دل میں اگر ہے

عشق میں حسن دکھائے جو طبیعت میری
صاف آئینہ حسینوں کا ہو حیرت میری

آسماں عیش کے پردے میں ستم کرتا ہے
لفظ عُسرت سے بدل دیتا ہے عشرت میری

فرقت کی شب ہے درد مرا کچھ نہ پوچھئے
ہر حال میں ہے شکرِ خدا کچھ نہ پوچھئے

کس شوخ نے کیا مجھے بسمل میں کیا کہوں
تڑپا گئی ہے کس کی ادا کچھ نہ پوچھئے

وصل کی شام کی اللہ کرے صبح نہو
ایک شب کو جو وہ آئے تو کہی رات رہے

چھین لوں گا تمہیں اغیار سے میں لڑ بھڑ کر
تو سہی حشر کا میدان میرے ہات رہے

وہ چلے جائینگے پہلو سے مرے پچھلے پہر
صبح ہو جائیگی افسوس یہاں رات رہے

نہ وہ رونق نہ وہ رنگت نہ وہ جوبن نہ وہ روپ
کچھ بتائیں تو سہی آپ کہاں رات رہے

کھینچتا ہوں جو تصور میں کسی کی تصویر
مدعا ہے کہ وہ آگے مرے دن رات رہے

مانگتا ہے کوئی ساغر کو تو دیتا ہے وہ خم
شاد آباد مرا پیر خرابات رہے

سچ اگر پوچھو تو انصاف کے یہ معنی ہیں
ہے جہاں غیر سے مجھسے بھی ملاقات رہے

میری آنکھوں کی اگر اشک فشانی دیکھے
بانی پانی عرق شرم سے برسات رہے

جو کیا آس نے الفت میں کرے گا نہ کوئی
یاد یہ آپ کو سو بات کی اک بات رہے

آسان

(آسان) منشی سید محمد جعفر کانپوری ابن مولوی میر محب علی صاحب سلیس مرحوم مرثیہ گو متوطن کانپور - خواجہ مرتضےٰ خاں بقا معروف بہ مستند الشعرا کے شاگرد رشید اور نواب سید مبنا حسین صاحب جاہ رئیس اعظم کانپور کے صاحبزادے کے اتالیق ہیں - رنگینی طبع خوش فکری ہر شعر سے ظاہر ہے - تشبیہیں اور استعارے نہایت لطافت سے باندھے ہیں - روزمرہ صاف ہے سن شریف پچاس سال کے قریب ہے ہنگام ترتیب تذکرہ کچھ کلام وصول ہوا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

شگفتہ ہو گیا دل دیکھکر ہر ایک بسمل کا
کھلا ہے باغ کیسا جوہر شمشیر قاتل کا

ہلال آسماں بھی صورت ماہی نظر آئے
جو دریا آئے طغیانی پہ آب تیغ قاتل کا

پس مردن بھی میرا نام روشن ہے زمانے میں
بنا ہے غیرت خورشید ہر کاسہ مری گل کا

برستے ہیں سر عشاق مقتل میں تماشہ ہے
اٹھا ہے ابر کیسا جوہر شمشیر قاتل کا

خدا محفوظ رکھے ناز و انداز حسیناں سے
وہ دشمن جان کا میری یہ دشمن ہے مرے دل کا

ہوا ہے جلوۂ وحدت سے یکتا یہ صفائی میں
ذرا دیکھیں تو آکر آپ آئینہ مرے دل کا

عشق حقیقی میں مستغرق ہوگئے۔ آپکے کلام سے آپکی شوخیِ طبع - بلند پروازی - بندشِ مضمون - تلاشِ الفاظِ مانوس و موزوں - برجستگی کلام - شستگیِ زبان کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے - غرض اصنافِ علوم پر پورے پورے قادر اور ہر علم و فن سے بخوبی واقف و ماہر ہیں مگر افسوس ہے کہ تدوینِ کلام کی مطلق اجازت نہیں دیتے جو کچھ تبرکِ کلام مختلف ذرایع سے ہم پہنچا ہے وہی نورافزاے ناظرین تذکرہ کیا جاتا ہے ومن ہذا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

میں اور کوئے عشق ارے اور یہ نصیب
ذوقِ فنا خضر کی طرح رہنما ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے
کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

رباعی

پھر بادۂ تند غصہ پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسی
سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

رباعی

یا مجھکو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا
ہر جزوِ بدن کو دل بنایا ہوتا

وہ کون حسرت تھی دل کے اندر کہ وقفِ پیچ و تاب ہوکر
جب آنکھوں تک جوش کھا کے آئی تو ٹپکی خونناب ہوکر

ہزاروں کی جان لے چکا ہے یہ چہرہ زیرِ نقاب ہوکر
مگر قیامت کروگے برپا جو نکلوگے بے حجاب ہوکر

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں
کسیکو لوٹا ثواب ہوکر کسی کو مارا عذاب ہوکر

وہ ہیں سوارِ سمندِ خوبی ہلالِ شوال کی یہ شوخی
گلے لگا اُنکے ہوکے نعلِ قدم سے ہیں رکاب ہوکر

بلندی اُسکی اُسکی پستی ہر ایک شے میں اُسکی ہستی
عروج اُسی کا رسول ہوکر نزول اُسی کا کتاب ہوکر

وہ حسن جسپر نظر نہ ٹھیرے بہار اسکی دکھا رہی ہے
کہیں صباحت نقاب ہوکر کہیں ملاحت حجاب ہوکر

خبر جو محشر میں بھیڑ سی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسیکے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہوکر

شناخت اُسکی ہو سہل کیونکر جب نہ تب بھیس اک نیا ہو
وہ دن کو خورشید ہوکے نکلے تو رات کو ماہتاب ہوکر

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ میکدہ میں یہ کہکے تجھ
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے خود وہ شراب ہوکر

فراق میں اس قدر تردد ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بیقراری وصال میں کامیاب ہوکر

جسنے گلے لگا لیا اس کو ہوا شہید
اچھا تپ فرقت سے بھلا کیوں نہیں کرتے
کیا اہل جہاں کرتے ہیں ظاہر کی صفائی
جز ذات خدا اور بقا کسکو ہے آسان
کنج قفس ملا عوض بوستاں مجھے
بولے وہ گرد مجمع عشاق دیکھکر
پستی میں اوج اوج میں پستی رہی مدام
مشتاق میں اشارۂ ابرو کا رہ گیا
اہل عدم نے مڑکے نہ دیکھا جو بے رحال
باطن میں پاس یار کے رہتا ہوں رات دن

حال عروس تیغ ادا کچھ نہ پوچھے
ہو رشک مسیحا تو دوا کیوں نہیں کرتے
آئینۂ باطن کو جلا کیوں نہیں کرتے
فانی ہے جہاں یاد خدا کیوں نہیں کرتے
افسوس لے گئی مری قسمت کہاں مجھے
یوسف سمجھ کے گھیرے ہے یہ کارواں مجھے
ہے آسماں زمیں تو زمیں آسماں مجھے
خنجر تمہارا چھوڑ گیا نیمجاں مجھے
سمجھے تھے کیا غبار پس کارواں مجھے
ظاہر میں دیکھتے ہو تم آساں یہاں مجھے

آسی

(آسی) - مولانا شاہ عبد العلیم صاحب سکندر پوری آج کل غازی پور میں مقیم ہیں ایک نہایت لائق - برگزیدہ اخلاق - ستودہ صفات - صوفی مشرب - عالم باعمل - ادیب کامل - مانے جاتے ہیں - صدہا طالبین باصدق وصفا نے آپ سے فیض پایا ہے - آپ کو عربی وفارسی میں وہی قدرت حاصل ہے جو اپنی مادری اُردو زبان میں دسترس ہے - فن شاعری میں بھی ید طولےٰ رکھتے ہیں - علوم صوری کے درجے طے فرماکر علوم معنوی میں روزافزوں ترقی کر رہے ہیں اسوقت سن شریف بہتّر برس کے قریب ہے مگر طبیعت ہنوز جوان اور عالم شباب کی طرح بدستور زوروں پر ہے - اعلیٰ درجے کے مستغنی المزاج - اکابرین سلف کی زندہ یادگار ہیں ایام طالب علمی سے شعروسخن کی طرف بھی طبع مائل رہی ہے - اِس فن میں ناسخ مرحوم کے خاندان سے مشورہ لیا ہے - ناسخ اور میر علی اوسط - رشک - نے جو روش اختیار کی ہے اُسی کی تقلید کرتے ہیں - ایک زمانہ میں آپ کا کلام بالکل عالمانہ ومشکل پسند رنگ لئے ہوئے تھا - لیکن جب سے آپ کی توجہ تصوف کی طرف مائل ہوئی وہ رنگ ہی بدل گیا عشق مجازی سے

بنیادِ روزگار کی نامحکمی نہ پوچھ	گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے
واعظ مرا معاملہ میکے خدا کو سونپ	میں ہوں گناہگار وہ آمرزگار ہے
مستی میں کوئی راز جو آسی سے فاش ہو	معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

آشفتہ

(**آشفتہ**) شاعر باکمال عنبر شاہ خاں - باشندۂ رام پور شاگرد قائم چاندپوری - جوانِ وجیہہ تھے - شگفتگی طبع - خوش روئی - لطیفہ گوئی - بذلہ سنجی میں مشہور تھے - ۷۰ برس کی عمر پائی - فنِ انشاپردازی سے بخوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہِ کامل حاصل تھی - اُردو فارسی دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے - فارسی میں قدرت اللہ **شوق** سے اصلاح لیتے تھے - سنہ ۱۲۳۰ھ ہجری تک زندہ تھے مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی - قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انہیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں - فارسی کا زیادہ شوق تھا - ریختہ کی طرف کم توجہ تھی - کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے - انکا اکثر کلام نظر سے گزرا - محاورات کہنہ اور زبانِ قدیم کا بہت استعمال کیا ہے - کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے - رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے - بہت سی کتابیں انہوں نے تالیف و تصنیف کیں - منشآت میں گلشنِ فیض - جوشش ہوش - گلزار عنبر - اشراق الخیال - سودائے عنبر - اور فارسی قواعد میں جوہر عنبر - ایذان الاوزان - نوادر المصادر - اور مصطلحات میں **مرآۃ الاصطلاحات** اور ذکر شعرائے ہند و عجم میں ایک بیاض **ریاض عنبر** اور دو **دیوان** انکی یادگار ہیں - اُردو دیوان کا نام تدقیق الخیال اور فارسی دیوان کا نام **تشریق الخیال** ہے - فارسی میں اپنا تخلص **عنبر** رکھتے تھے - مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیر میں دفن ہوئے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

زندہ مانندِ شمع پھر نہ اُٹھا	اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا
نہ پھرا اسقدر م نارسائی سے	خط مرا نامہ بر کو کھو بیٹھا
کس لئے کرتے ہو تم یہ نظرِ ہوش رُبا	بس ہے عشاق کو اسکا اثرِ ہوش رُبا
قتلِ عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر	ہمکو کافی ہے تمہاری نظرِ ہوش رُبا

نہ کر تو اتنی مذمت اسکی بہشت کی چیز ہے یہ واعظ
وہ صاف بدن یا کوئی گلِ تر ہے اسکی خوشبو وہ روح پرور
نگاہیں برچھی نہیں ہیں انکی کرشمہ انکا نہیں ہے خنجر
جنابِ ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اسکو آسی

نہ لگے حسرتِ وصل و غمِ فرقت مجھکو
ہوں گنہگار مگر حسرتِ دید ابھی ہے
میں بھی باطل میری ہستی بھی سراسر باطل
نورِ خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے
بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک میں ہوں
اب تو دیدار دکھا دیجیے تقصیر معاف
میں کہاں میں تو ہوں معدوم مگر ہے کوئی

قطرہ وہ ہے کہ رو کشِ دریا کہیں جسے
بیمارِ غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
یہ بخشش اپنے بندۂ ناچیز کے لئے
آسی جو گل سے گال کسیلے ہوئے تو کیا
عہدِ شباب عہدِ وفائے نگار ہے
کیوں تجھکو اسقدر غمِ روزِ شمار ہے
صیاد و عندلیب میں کیا واقعہ ہوا
خونریز توبہ زہد شکن اتقا گداز
کیا چیز تیری نذر کریں اے رسولِ یار
ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی

یہ ملک ہے جوشِ بحرِ رحمت اگرچہ آیا شراب ہوکر
جدھر سے گذرے بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہوکر
کرینگے اقرارِ خونِ عاشق کبھی تو وہ لاجواب ہوکر
غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کئی نمو انتخاب ہوکر

اپنی ہستی سے کسی طرح ہو غفلت مجھکو
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھکو
یہ سمجھائی ہے انا الحق کی حقیقت مجھکو
تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہو خلوت مجھکو
خلل انداز ہوں کر دیجیے رخصت مجھکو
ہوگیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو
کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہنے

یعنی وہ میں ہی کیوں نہوں تمسا کہیں جسے
وہ درد دل میں دے کہ مسیحا کہیں جسے
تھوڑی سی چیز ایسی کہ دنیا کہیں جسے
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

کتنا ہی پائدار ہو ناپائدار ہے
اے محتسب شراب بڑی غمگسار ہے
گل داغدار سنبلِ تر سوگوار ہے
رات آپکے شباب کی صبحِ بہار ہے
اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے
درکار قوتِ نگہِ اعتبار ہے

برنگ نقش پا دایم ہو افتادہ کہ آشفتہ
بگولے کی طرح نت سرکشوں کے خاک بر سر ہے

بھبوت اُس حُسن سنیاسی پیکر کا زیب بر ہے
رخ آئینہ خاکستر سے پیوستہ منوّر ہے

صفا تر دامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
کہ چشم آئینہ پانی کی صحبت سے مکدر ہے

آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
شب خواب میں تھی اُسکی کمر دست کے تلے

آشفتہ

آشفتہ۔ حکیم مرزا رضا علی بیگ خلف حکیم محمد شفیع اکبرآبادی۔ آگرے میں پیدا ہوئے مگر جب عہد شباب آیا تو لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں میر سوز کی شاگردی اختیار کر کے شعرا کے دربار میں داخل ہو گئے۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں خود بھی بزم مشاعرہ منعقد کرتے رہے۔ زبان پاکیزہ۔ صاف اور رو دسندانہ طبیعت اس فن کے مناسب حال پائی تھی۔ شعر گوئی اور شعر خوانی میں اپنے اُستاد کا بہت تتبع کرتے تھے۔ علم طب کی فضیلت کی شہرت بلاد شرقیہ تک پہنچی تھی۔ چنانچہ حسب الطلب نواب مبارک الدولہ ناظم بنگالہ کے معالجے کے لئے مرشد آباد گئے گو وہ جاں بر نہوئے۔ مگر اُنکے قدر داں خلف نواب ناصر الملک بہادر اِن سے بہت اچھی طرح مسلوک ہوئے کامل سات برس تک اپنے پاس رکھا۔ آشفتہ بدرجہ غایت بے پروا۔ وارستہ مزاج اور فراخ دست آدمی تھے۔ اسلئے اکثر مقروض رہا کرتے تھے۔ آخر کار ۱۲۱۲ھ ہجری میں کلکتے چلے گئے وہاں بھی اُنکی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ مرزا علی **لطف** اور **مصحفی** دونوں نے اپنے تذکروں میں اِن کا حال لکھا ہے۔ فن موسیقی میں درجہ کمال حاصل تھا۔ اور شعر گوئی میں مہارت تام رکھتے تھے۔ شعر صاف اور درد انگیز کہتے تھے۔ شوق کے تذکرے میں بھی اِن کا کلام ہے۔

لڑتے تو اُس سے رات میں غصہ میں لڑ لیا
پھر جب وہ اُٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا

جی تھا آنکھوں میں یا تھا دل میں
یاں تلک انتظار تھا دل میں

مر گئے پھر بھی ہم کو خاک نہ دی +
آج تک یہ غبار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
اِدھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ

بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

دل ہے واماندہ اور اُس زلف کی ہے راہ تنگ
زباں سے اُسنے نگاہِ بتاں کا کام لیا
سُبک رواں نہیں منت پذیرِ اہلِ کرم
رہائی دل کی ہے مشکل کہ قید کو اُسکے
کہی نہ بات بھی ہنگامِ دلستانی کی
رہائی اُسکے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
نکال مُنہ سے نہ آشفتہ نامِ قامتِ یار
ہر باغ میں ہے شورشِ آوازِ عندلیب
خوباں بغیر کون ہے عاشق کا رازداں

سخت پیش آئی ہے اُسکو سفرِ ہوش ربا
حضورِ قلب سے جسنے خدا کا نام لیا
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا
مژہ نے اُسکے قفس گیسوؤں نے دام لیا
دیا دل اُسکو اور اُسنے بھی لاکلام لیا
دل اپنا یار نے آشفتہ صبح و شام لیا
جہاں میں شورِ قیامت کو تو نکر برپا
فصلِ بہار پھر ہوئی دمسازِ عندلیب
گل کے سوا نہیں کوئی ہمرازِ عندلیب

ہے ہجومِ داغ سوزاں اور دلِ مایوس ایک
دل جگر تاب و تواں فرقت میں اُسکے چل بسے
وصل کی شب خوف سے اُسکی رہی اُس سے جدا
عشق گلرویاں میں بلبل اور ہم یکرنگ ہیں
آفتابِ حشر تارک پر تری روشن ہوا
مثلِ حباب بحر جہاں میں الم کے ساتھ
گو کف پہ آبلہ ہے صدف ساں پہ شکلِ بحر
پاسِ نفس سے راہِ رواں جوں حبابِ بحر
آشفتہ نامِ عشق نہ لے پھر تمام عمر
قاصد مرے نامہ میں عبارت نہیں رنگیں
اپنا دل ملول ہے وہ غنچہ اے نسیم
کشورِ عشق میں ہے اپنا مکان برسرِ راہ

ہر طرف جلوہ چراغانکا ہے اور فانوس ایک
رہ گئی زندانِ تن میں جانِ غم مایوس ایک
روزِ ہجراں دل میں ہے اپنے یہی افسوس ایک
جسکو ہم سر پر چڑھا دیں وہ گلے کا ہار ہو
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ
اہلِ سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ
دیکھے جو کوئی میرے دلِ زار کی شبیہ
ملفوف ہیں دل میں دلِ مجبور کے ٹکڑے
گلشن میں جو کھلا نہ ہوا بادِ بہار سے
جو غم زدہ ہے سو آکے یہاں رہتا ہے

پاؤں کو توڑ کے جو بیٹھے ترے در کے آگے	سر دیا یار پہ اک گام نہ رکھے آگے

آشفتہ

(آشفتہ) منشی گلاب سنگھ - دہلوی - قوم کے کھتری اور نہایت وجیہ طرحدار جوان تھے - عین آغاز شباب میں ہیوتامی ایک خانگی پر عاشق و فریفتہ ہو گئے - اور وہ بھی ہزار جان سے انکی شیدا و والہ تھی - کچھ ایام تو نہایت عیش و عشرت سے ایک جگہ بسر کئے - مگر زمانہ کے انقلاب نے آخر کار عاشق و معشوق میں جدائی کرا دی - وفور شوق و اضطراب بے بس ہو کر جب دوسرا کچھ بس نہ چلا تو خنجر آبدار سے اپنا ہی کام تمام کر ڈالا - انکی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت سے وہ درد و مضامین نکلتے تھے جنہیں سُن سُن کر عاشقانِ دلریش بے اختیار کلیجہ پکڑ لیتے ہیں - آشفتہ کے فیض صحبت سے وہ نازنین بھی فکرِ سخن کرنے لگی تھی - بعہد اکبر شاہ ثانی غازی الدین خاں کے مدرسے میں جب مجلسِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی تو یہ بھی کبھی کبھی اُس مشاعرے میں شریک ہو کر دادِ سخن لیا کرتے تھے - غدر سے پچیس برس پہلے انتقال کیا - مگر کلام اب تک زندہ ہے انتخاب ملاحظہ ہو

پوچھتے کیا ہو کہ شب آشفتہ کیونکر مر گیا	اُسمیں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا
جان دی عاشق نے تیرے شکوہ اک نالہ کے ساتھ	آدمی تھا آخرش صدمہ اُٹھا کر مر گیا
ہے جدائی میں زبس آشفتہ جینے سے تنگ	سُن ہی لو گے اک نہ اک دن چھوڑ کر مر گیا
تیرا شکوہ کبھو لب پہ نہ آیا +	یہ تجھکو رحم اے کافر نہ آیا
نہ سوئے ہم شبِ وعدہ سحر تک	نہ آیا تو ہی ظالم پر نہ آیا ++
اسی غم نے رُلایا ہم کو عمر بھر	کہ تجھکو بولنا ہنسکر نہ آیا
نہ کر آشفتہ اتنا شکوہ ہر دم	نہ آوے وہ جفا جو گر نہ آیا +
گو دعا کے ہی لیے ہو ہے خدا کا تو خیال	کیا بنے گی گر کبھی وہ بدگماں پا جائے گا
ہائے یہ غیروں سے کہنا اُسکا رُک رُک کر کہ اب	مجھکو مت چھیڑو کہیں آشفتہ یاں آجائیگا
زلفوں سے بھی زیادہ کیا رُخ نے دل پہ جور	کافر جو تھے سو تھے یہ مسلماں کو کیا کہوں
درد و دکھ جو جہاں میں آتے ہیں	وہ میری ایک جان پہ آتے ہیں

اگرچہ ہووے گی تصدیع لیکن آہ آشفتہ
کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

چہرہ کچھ ان دنوں غمِ پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے
الٰہی موت دے گزرا میں ایسے جینے سے

اپنے کے ہوتے بھلا غیروں کو تو صدقے نکر
ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے

چلا ہے کعبے کو آشفتہ پارسا بنکر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اُسے خراب کرے

آشفتہ

(آشفتہ) عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں دہلوی قوم کے افغان ایک وارستہ مزاج اور میر مہدی مائل کے شاگردوں میں تھے۔ فارسی میں وزیر علی مضمون سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ معروف نے سو روپے دے کر ان سے فقط ایک لفظ ہری جگ خرید لیا تھا۔ سنہ ۱۷۹۳ء میں کچھ عرصے تک لکھنؤ میں بھی رہے سنہ ۱۲۱۰ ہجری میں وفات پائی۔ اخیر عمر میں دنیوی تعلقات قطعی ترک کر دئے تھے اور کسبِ باطن کی طرف متوجہ ہو کر مولانا فخر الدین کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے ساتھ فکرِ سخن سے بھی دست بردار ہو گئے تھے۔ مقطع میں اکثر زلف کا مضمون لاتے تھے۔ فارسی اور ریختہ دونو زبانوں میں دیوان موجود ہیں۔ انتخاباً اُردو کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں ؎

ناخواندہ مرے خط کو اُلٹا ہی پھرا لایا
قاصد کا گلہ کیا ہے قسمت کا لکھا لایا

ہوتا ہے تازہ آہ سے جوں گل ایاغِ دل
کھلتا ہے اس نسیم سے اپنا تو باغِ دل

جام گدائی ہاتھ میں لے نت شام سویرے پھرتے ہیں
شمس و قمر ہیں دونو بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں

پنڈت پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر
بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کسکے پھیرے پھرتے ہیں

عقل ہوئی اب سلب ہماری آہ جنوں رے واہ جنوں
کوچہ بکوچہ اب تو ہمکو لڑکے گھیرے پھرتے ہیں

یوں کاندھے پر زلفیں اُسکے بل کھاتی ہیں وقتِ خرام
مار سیہ کو ڈال گلے میں جیسے سپیرے پھرتے ہیں

جوگ لیا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی
گلیوں گلیوں حال پریشاں بال بکھیرے پھرتے ہیں

دیوانگی ہماری ہے ہر لحظہ یاں سے تازہ
شیدا ہیں اُس پری پہ ہم گرچہ مدتوں سے

کانٹا سا ہو گیا تھا میں سوکھ کر یہاں | لاشہ اُلجھ کے دامنِ قاتل میں رہ گیا

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی | کیا ہم نے بتلاؤ کیا کیا

ہم وحشیوں کا گھر ہے کہ لڑکوں کا کھیل ہے | دن میں ہزار بار بنا اور بگڑ گیا

غیر اچھا ہے یا بُرے ہیں ہم | آپ ہی دل سے پوچھئے صاحب

سر پر اور آنکھوں پہ ہے ناصح نصیحت آپکی | پر کروں کیا دل پہ میرا کچھ نہیں ہے اختیار

آشفتہ تیری گور میں تڑپے سے ساری خلق | ہے بیقرار آمدِ محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے ہو کسی سے ملا نہیں | سچ ہے کہ بے وفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

عاشق کو لطف سے ہے فزوں لطف جور میں | یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

نے قتل کا خیال اُنہیں اور نہ موت کا | قسمت میں کیا خدا میرے مرنا لکھا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں | اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم | ظاہر میں ہوں پاس پر جدا ہوں

آوارہ ہوں آپ پر جہاں کو | میں خضر کی طرح رہنما ہوں

اللہ رے یاوریِ طالع (۱) | ٹھکرا کے چلے وہ میرے سر کو

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی | یا رہے گا یہ غم و رنج و الم جان کے ساتھ

غش ہو گئے ہم آشفتہ تابِ رخِ جاناں سے | پوچھے گا قیامت میں بیہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے بیتاب و بیقرار | جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے | ستم کو وہ بدخو ادا جانتا ہے

ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی | میرے خوں کو رنگِ حنا جانتا ہے

سنا تھا ہم نے آشفتہ کہ کوئی دم کا ہے مہماں | کئی دن ہو گئے اُسکو نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے

(آشفتہ) عز الدولہ ضیغم الملک ہادی علی خاں بہادر قائم جنگ خلف نواب حیدر علی خاں بہادر نواب محسن الدولہ کے حقیقی بھتیجے آئی ای کے علاتی بھائی اور لکھنؤ کے نواب زادوں میں تھے شیخ امان علی سحر کے شاگرد تھے انکا ایک شعر ہے

اک نہ آنے سے تیرے اے ظالم	شکوے سو سو زباں پہ آتے ہیں
رکھا سر پاؤں پر اُس کے تو بولا	کہ تو بھی بے سرو پا کسقدر ہے
دم کا مہماں ہے اور آشفتہ	بے خبر تجھکو کچھ خبر بھی ہے

آشفتہ کی معشوقہ ہوا انکے انتقال کے بعد کسی سے ملتفت نہوئی۔ اور اپنے عاشقِ صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے تپ محرقہ میں گھُل گھُل کر اپنے عاشق جاں باز سے جا ملی بطور یادگار اُسکے بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں جو درد مفارقت کے اثر سے دردانگیز اور حسرت خیز ہیں ۵

چھوڑ کر مجھکو کہاں اے بت گمراہ چلا	تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا
چھُٹ گیا غم سے میرا کشتۂ ابرو مرکر	اک چھُری میرے گلے پر بھی میری آہ چلا
میں تپ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج	ہو سمجھ اُلٹی طبیبوں کی تو کیا اسکا علاج
نہ تو موت آتی ہے نے زیست کا یارا مجھکو	ہائے آشفتہ تیرے مرنے نے مارا مجھکو
موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ	تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھکو
اب کسے چین کہاں عیش کہ ہر بستر خواب	نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھکو
کیا ہوئی ہائے فغاں کی ترے شورانگیزی	لے چلے تجھکو تو تُو نے نہ پکارا مجھکو
ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں کہنو	موت آجائے تو ہو غم دو بارا مجھکو
نعش آشفتہ کو بیرحموں نے پھونکا آگ سے	آتش غم بھی جو انا مرگ کی کچھ کم نہ تھی

آشفتہ

(**آشفتہ**) حکیم منور علی خاں خلف سید علی نواز مقیم شاہ جہاں آباد۔ فن طب میں حکیم غلام حیدر خاں کے شاگرد۔ اور فن شعر میں حکیم مومن خاں اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم سے مستفید تھے۔ مزاج میں خلقی بے باکی تھی۔ کچھ دنوں میرٹھ کی عدالت میں ڈگری نویس رہے۔ نہایت ذکی و فہیم تھے۔ اور فن سخن سے قدرتی مناسبت رکھتے تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں چالیس سال کے قریب عمر تھی ۵

اجل تو نے کیا کیا مجھے شرمندۂ قاتل سے	تماشہ تھا اُسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

نہ ہستی کا نام ونشاں تھا ذرا کچھ　　نہ ہم تھے نہ دل تھے نہ غمِ جان وتن تھا
نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دنیا　　نہ مرگ اور نہ سودائے گور وکفن تھا
نہ سر تھا نہ شورِ جنوں کی یہ شورش　　نہ دل تھا نہ اُس کا یہ دیوانہ پن تھا
کھلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا　　اجل سر پہ اور روبرو گور کن تھا

آشفتہ

(آشفتہ) مولوی شیخ نصیر الدین خلف الرشید شیخ محمد ظہیر الدین ظہیر جہاں آبادی میر منشی مہاراجہ صاحب اجے گڈھ ملک بندھیل کھنڈ۔ نہایت ذی علم اور با استعداد ہیں۔ اُردو اشعار میں نواب شمشیر بہادر اخگر سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ انکے اُستاد جناب اخگر نے کچھ غزلیں عنایت کی تھیں جنکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

دشتِ وحشت میں تپکتے ہیں پھپولے پاؤں کے　　دو قدم چلنا ہمیں اب سخت مشکل ہو گیا
عشق میں تیرے ہوا آشفتہ ایسا ناتواں　　آہ کیسی سانس لینا بھی تو مشکل ہو گیا
جب یہ سمجھ لیا کہ محبت میں ہم نہیں　　لاکھوں پھر انقلابِ فلک ہوں تو غم نہیں
ابرو کا بوسہ لے ہی کے اب ٹلیں گے ہم　　ہٹ جائیں معرکہ سے ابھی ایسے ہم نہیں
دیکھا کسی کو شاد نہ دنیا میں آج تک　　آشفتہ کون ہے جسے رنج والم نہیں

آشفتہ

(آشفتہ) خواجہ محی الدین نام - حیدرآباد دکن کے رسالوں میں انکا کلام نظر سے گزرا چند شعر انتخاب ہوئے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

اب کہاں شکوہ بیوفائی کا　　بھا گیا طرزِ دلربائی کا
زاہد اُس بت کو دیکھ لے جو کبھی　　پھر نہ لے نام پارسائی کا
لوٹنے لگتے ہیں کالے سے مری چھاتی پہ　　یاد آتی ہیں جو وہ کاکلِ پیچاں ابتک
تیغ کھینچے ہوئے ہیں ابروئے پرخم کب سے　　نیزہ تانے ہوئے ہے پنجۂ مژگاں ابتک
تیغ ابرو ہے نگہ تیر مژہ ہے خنجر　　پھر بھی کہتے ہو نہیں قتل کا ساماں ابتک
خال وخط زلف سیہ گیسوئے مشکیں کاکل　　حسن کے تیرے نگہبان ہیں یہ سارے

اجی اب بیٹھے صاحب حضرتِ غم تمکو پہچانا
کرم فرمائے من تم تو بڑے ہی آشنا نکلے

سمجھ کر ہمکو دیوانہ پکارے ہے پری پیکر
جنوں میں ہم تو مجنوں سے بھی ہیں بڑھ کر سوا نکلے

نکلیک اس طرح خنجر کہ میں قرباں ہو جاؤں
دہانِ زخم سے قاتل ترے حق میں دُعا نکلے

مجھے مارا ہے بیدردی سے ہے جس مسیحا نے
اُسی سے میرے یہ ہمدرد بھی لینے دوا نکلے

کروں گر فتنہ پردازوں کی نسبت زباں بندی
نہ تقدیری میں پھر تو کیونکر مدعا نکلے

ہمیں جس زلف کا زکیش سے ڈر تھا بلاؤں کا
اُنھی زلفوں کے اے آشفتہ تم بھی مبتلا نکلے

ترچھی نگاہ یار کی کیا کام کر گئی
دنیا اُلٹ نظر میں ادھر کی اُدھر گئی

دل سے جو اُسکی یاد ہمارے اُتر گئی
کیا ہائے موت تو بھی زمانہ سے مر گئی

تیغِ نگاہ اُسکی غضب کاٹ کر گئی
سینہ سے دل میں دل سے جگر میں گذر گئی

معشوق کی نگاہ میں بھی سو بناؤ ہیں
جتنے وہ بگڑے اُتنی ہی رنگت سنور گئی

وہ چور ہے صبا بھی کہ آتی ہے باغ میں
دامن قبائے غنچہ و گُل کا کتر گئی

گویا نگاہِ شوق کترنی سے ہے سوا
چاکِ نقاب عارضِ زیبا کتر گئی

گھبرا رہا تھا پہلے ہی دل اضطراب میں
بیتابیوں سے اور بھی بن جان پر گئی

جب یہ سُنا کہ یار نے عزمِ سفر کیا
قالب سے پا تراب مری روح کر گئی

عُریانیِ حباب کا رکھا نہ کچھ خیال
مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی

ٹکڑے اِدھر جگر ہے اُدھر چاک چاک دل
مقراضِ چشم یار کی گل سا کتر گئی

یاد آئی بکھری بکھری جو آشفتہ اُسکی زلف
دل کی طرح سے جان پریشان کر گئی

آشفتہ

(آشفتہ) حاجی عبداللہ۔ ولد عبدالحمید۔ سلہٹ کے رہنے والے ہیں۔ حافظ ضیغم بنگالی کے شاگرد ہیں۔ زیادہ حال معلوم نہیں سنہ ۱۲۹۱ ہجری تک زندہ تھے۔ انکے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

قطعہ

ہوا نہ حور میں انداز گر بشر کا سا
تو رنج خلد میں ہوگا ہمیں سقر کا سا

وہی عالم اچھا تھا آشفتہ جس میں
وجودِ عدم کا نہ رنج و محن تھا

آشنا

(آشنا) میر امیر علی نام - میر سہو مرشد آبادی کے فرزند اور مرزا غلام حسین آتش کے شاگرد تھے - سنہ [illegible] ہجری میں انتقال کیا - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - انکے دو شعر درج ذیل ہیں ؎

وہ حسن جلوہ گر ہے وہ رخ بے نقاب ہے — لیکن کچھ اپنی آنکھوں کا پردہ حجاب ہے
مجھکو تو بات کل کی نہیں یاد آشنا — کہتے ہیں روزِ حشر کو دینا حساب ہے

آشنا

(آشنا) سید محمد نام تھا - حافظ سید وارث علی مرحوم لکھنوی کے بیٹے اور شیخ ناسخ کے شاگرد تھے - مگر اُستاد کے رنگ کی ہوا تک نہ لگی سیدھے سیدھے شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ نمونۃً دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

کیونکر نہ رگڑوں آنکھیں میں ہر بار پانوں میں — اے دل لگی ہے خاکِ درِ یار پانوں میں
زنجیر و سے باندھئے دستِ گناہ گار — چوکھٹ کا کاٹ ڈال دے ولله پانوں میں

آشنا

(آشنا) مولوی عبدالکریم خاں - فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے منشی تھے - گلشن نگران کا وطن تھا - کلکتے میں رہتے تھے - اگرچہ شعر کم کہتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۸۲ یا ۱۲۸۳ ہجری میں انتقال کیا ؎

جو قطرہ خوں کا مرے دل کے داغ سے ٹپکا — تو گویا شعلۂ تر اک چراغ سے ٹپکا
چھاتی اُٹھی تری دل خلق کا خُرسند ہوا — شکرِ ایزد شجرِ حسن برومند ہوا
ضبطِ نالہ باعث چاکِ گریباں ہو گیا — کام یوں دستِ جنوں کا اپنے آساں ہو گیا

آشوب

(آشوب) میر امداد علی خاں خلف میر روشن علی فروغ - شاگرد میر نظام الدین ممنون - ساکن شاہجہاں آباد - سادات عظام بارہ سے تھے - خوش خلقی اور روشن ضمیری کے سبب ہمعصروں میں ہر دل عزیز تھے - اپنے اُستاد کی طرز پر اس طرح سخن طرازی کرتے تھے - کہ بعض لوگوں کو انکے اُستاد کے کلام کا دھوکا گزرتا تھا - سنہ ۱۸۳۶ء میں عالمِ شباب تھا - بعد کی خبر نہیں - یہ انکا کلام ہے ؎

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک نہ پہنچ سکے — اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا
نہ آئیو میری بالیں پہ تماشہ جذبۂ دل کا — دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں مریض کبھو آیا

آشنا

(آشنا) مرزا احمد اکرم ولد مرزا محمد اسلم۔ ریاست رام پور کے متوسلوں میں تھے۔ مرد متین اور زمین تھے۔ متانت کے ساتھ ظرافت بھی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اِنکا کلام لطیف ہوتا تھا۔ بچھتّر برس کی عمر پاکر ۱۲۲۹ھ ہجری میں انتقال کیا۔ تذکرۂ انتخاب یادگار میں دو شعر درج تھے وہ ہی یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

آئنہ اُس کے ہاتھ سے اک بار گر پڑا	آنکھوں کی اپنی جب اُسے سستی نظر پڑی
آشنا کو نہ اُٹھا بزم سے اپنی ظالم	ایسے ملنے کے نہیں تازہ اُٹھانے والے

آشنا

(آشنا) میر زین العابدین عرف میر نواب۔ اول میں گجرات کے رہنے والے تھے۔ مگر بعد میں دہلی کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ انکے باپ کا نام حکیم صلیح الدین تھا۔ خانِ آرزو کے ہم عصر تھے ؎

ہم سے بندوں پہ ظلم کرتے ہیں	اِن بتوں کا کوئی خدا بھی ہے

آشنا

(آشنا) سنا سنگھ نام تھا۔ قوم کے کھتری تھے۔ محمد شاہ کا زمانہ پایا تھا۔ طبقۂ اول کے شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے۔ یہاں ایک اُردو کا شعر لکھا جاتا ہے ؎

تری برگشتہ مژگاں جب سے میں دیکھی ہیں اے ظالم	وہی آن اب تلک جی میں مرے ہر دم کھٹکتی ہے

آشنا

(آشنا) حکیم میر علی سہارنپوری مرحوم۔ قوم سادات سے تھے۔ مدت تک نجیب الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم رہے۔ فن طب میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ نجیب الدولہ بہادر کے بعد نجف قلیخاں مرحوم کے طبیبوں میں داخل ہوئے۔ اُردو اور فارسی دو نو زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرد باد کے مانند دم کا آشنا تھا دل	اُڑ گیا خدا جانے کون سے بیاباں کو

آشنا

(آشنا) مرزا جگن۔ قاضی رحمت اللہ کے خلف الرشید تھے۔ جوان صالح۔ نیک خو۔ خوش طبع اور کشادہ رو اور بحر سخن کے آشنا تھے۔ یہ انہیں کی فکر سخن کا خلاصہ ہے ؎

نام خدا جوان ہو شوخی کو چھوڑ دو	مہندی لگا کے بچپنے رہو تو لگی رہے
کرو بیع مجھ کو کہنے لگا آشنا ہے تو	گردن جدا تو کیا کروں اِک جُو لگی ہے

اپنے ایک دوست کے ساتھ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت سے روز افزوں تعارف کی بنیاد پڑی - مرزا صاحب نے قلمدان کے واسطے جو قطعہ موزوں فرمایا وہ یہ ہے ؎

گوڑگانویں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم	عاشق ہے اپنے حاکمِ عادل کے نام کی
سو یہ نگر فروز قلمدان نذر ہے	مسٹر کوآن صاحبِ عالی مقام کی

مرزا صاحب کو جو محبت رائے صاحب سے تھی اُسکی شہادت اُردوئے معلیٰ کے چند رقعوں سے ملتی ہے - ایک مرتبہ ۱۸۶۶ء میں میک لاؤڈ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دہلی میں دربار کیا - اور حسب معمول مرزا صاحب بھی اُس دربار میں شریک ہوئے - مرزا صاحب بوجہ ضعیفی کسی سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتے تھے .. رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے ایسے موقع پر مرزا صاحب کو سہارا دینے کے لئے رائے صاحب ہمراہ ہو گئے - میک لاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر نے مرزا صاحب سے پوچھا کیا یہ تمھارا بیٹا ہے - مرزا صاحب نے جواب میں کہا "نہیں مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے" رائے صاحب جب دہلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے خالی نہ جاتا تھا - کبھی اتفاق سے جانے میں دیر ہو جاتی تو بارہا مرزا صاحب ایک نہ ایک شعر لکھکر رائے صاحب کے پاس بھیجدیتے جس کا مضمون حسن طلب ہوتا - چنانچہ ایک شعر جناب کو اب تک یاد ہے **شعر**

آج یکشنبہ کا دن ہے آؤ گے	یا فقط رستہ ہمیں بتلاؤ گے

دہلی کالج کے تمام درجے طے کر کے ۱۸۵۷ء میں تکمیل علم کے لئے آگرہ کالج میں تشریف لے گئے - وہاں سے سند حاصل کرنے کے بعد ۱۸۵۸ء میں بریلی جاکر سرکاری ملازمت اختیار کی - مگر ایک سال کے بعد پنجاب چلے آئے تھوڑے عرصے تک گوڑگانویں اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے ۱۸۶۳ء میں دہلی سے تبدیلی کے وقت جو سپاس نامہ اہل شہر کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش ہوا اس سے اُس خلوص و عقیدت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے جو ہر طبقہ کے لوگوں کو آپ کی ذات خاص

پوچھا جو میں نے یار سے انجامِ سوزِ عشق
کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودہ تو ہو

تاوکِ غم سے چھپتا یاں تک تن اس تا کام کا
دل کو سمجھے تھے کہ اس بزم سے لے آئینگے

پاسِ آلودگیٔ دامنِ قاتل نہ کیا
دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں

یہ دیدہ و دل اس پر مائل میرے دونو ہیں
شوخی سے اک چراغ کو اُس نے بجھا دیا

اُسکے ہنگامۂ رفتار نے سونے نہ دیا
استخواں پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا

ہائے اپنا بھی ہوا اں سے پھر آنا مشکل
کسقدر ذوقِ تپیدن سے پشیماں ہوں میں

ہائے کتنا شبِ ہجراں میں پریشاں ہوں میں
دشمن میرے دونو ہیں قاتل میرے دونو ہیں

آشوب

(آشوب) قبلہ و کعبہ معظمی و محترمی عالی جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب۔ راقم تذکرہ کے عم نامدار ہیں ۱۸۳۸ء میں بمقام دہلی جو تین سو برس سے بزرگوں کا مسکن ہے پیدا ہوئے ان کے جد امجد رائے بال مکند رائے سیتا رام مرہٹوں کے عہد میں عمدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ خاندانی نسبی سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈر مل تک پہنچتا ہے۔ جنکے آئین و قوانین دربارہ مال گزاری آج تک دستور العمل چلے آتے ہیں۔ پُرانے دہلی کالج کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں۔ آپ ٹنڈن فرقہ کے کتری اور آنگرش گوتر سے ہیں ؂

ریاضی کے مشہور پروفیسر ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی آپکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کسبِ علم اور حصول کمال کے شوق نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی پہنچایا تھا رائے بہادر ماسٹر صاحب مرزا غالب مرحوم کی پہلی ملاقات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں کہ جب ہم گوڑگانوے میں ہیڈ ماسٹر تھے تو وہاں کے اسسٹنٹ کمشنر مسٹر کووان صاحب بہادر کی تبدیلی کا موقع پیش آیا صاحب موصوف ہمارے حال پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے انکی مفارقت کے متعلق جو جلسہ قرار پایا اُس میں لوگوں کی رائے ہوئی کہ صاحب ممدوح کو کوئی چیز بطور یادگار نذر دینی چاہئے چنانچہ کمیٹی کی رائے سے چاندی کا ایک قلمدان تجویز ہوا۔ اور اُس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرا دینا قرار پایا۔ رائے صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت تک مرزا صاحب سے ہمیں خاص تعارف نہ تھا۔ ہم اس شعر کے واسطے

آپ ہی کی صحبت میں ہُوا اور آپ ہی کی مدد سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی +

معظمی و محترمی جناب عموی رائے صاحب بہادر نے اگرچہ نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اپنے کلام کی ترتیب و تدوین نہیں فرمائی - اِس کی وجہ اہم مشاغل سرکاری کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مدت ہوئی کہ اپنے دل سے اس قسم کے خیالات قصداً محو کردئے ہیں - اور جب کبھی اس طرف توجہ تھی اُسوقت بھی محض تفننا نہ کہ شاعر بننے کی غرض سے کچھ کہہ لیا کرتے تھے - شاعری کی ابتدا مکتب ہی سے ہوگئی تھی انکے ہم مکتب و ہم عمر متخلص بہ طرب ایک مرتبہ ایک غزل کہکر لائے اُس میں خاکے کا ایک قافیہ سبز کیا دعویٰ تھا کہ ایسا کوئی کہے تو جانیں - رائے صاحب کی خلقی طباعی اور ذہانت میں اسوقت ایک خاص حرکت ہوئی آپنے اُسی وقت چند شعر اسی ایک قافئے میں کہہ ڈالے اِسکے فیصلہ کے واسطے حضرت صہبائی کے چھوٹے بیٹے عبد الکریم سوز کے پاس وہ شعر لے گئے اُنھوں نے بہت داد دی بلکہ اپنی طرف سے کچھ اور شعر بڑھا کر رائے صاحب کی غزل پوری کردی کہا کہ اب مشاعرے میں جاکر بیدھڑک پڑھ دو - آپ ہی نے تخلص بھی آشوب رکھدیا - اب تو اپنے اُستاد کی شفقت اور خداداد جودت طبع کی بدولت روز بروز مشق بڑھتی گئی - افسوس ہے کہ بندہ کے ازحد اصرار پر بھی جناب رائے بہادر نے اپنے اشعار گُہربار سے اس تذکرے کو افتخار نہ بخشا - نہ وہ بیاض ہی ملی جس میں کبھی کبھی کچھ اشعار لکھ دیا کرتے تھے - آپکی تصانیف اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں سے چند کتابوں کے نام اِس جگہ لکھے جاتے ہیں +

رسوم ہند کے پہلے تین باب - قصص ہند حصہ اول و سوم - اُردو کی تیسری کتاب ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں رسالہ اتالیق پنجاب کے اکثر مضامین - ترجمہ دربار قیصری ۱۸۷۷ء مولفہ مسٹر وہیلر اس شُستہ و بامحاورہ بلکہ برجستہ و دلآویز ترجمہ کے صلہ میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر کیطرف سے ایک تمغہ اور ایک جلد مطلا و مذہب مرحمت ہوئی - ۱۸۹۲ء سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو ہیں - سنہ ۹۲ میں رائے بہادری کا خطاب سرکار سے ملا - سنہ ۱۸۹۵ء میں کامل ۳۷ سال کی ملازمت کے

کے ساتھ تھی۔ حضرت غالب مرحوم نے جو فقرہ اُس کاغذ پر اپنے دستخط کے نیچے لکھا تھا وہ قابلِ ذکر ہے آپ لکھتے ہیں "بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ہُوا ہے وہ میرا ہی جی جانتا ہے بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہیں رہا" ×

آپ نے لاہور میں آکر سررشتہ تعلیم کی کیور ٹیر کے نازک عہدے کے فرائض کو ۱۵-۱۶- برس تک نہایت بیدار مغزی - ہوشیاری - لیاقت اور دیانت سے انجام دیا - اُنہیں خدمات کے صلے میں جب ہندوستانیوں کو عہدۂ انسپکٹری مدارس ملنے کی تجویز سرکار سے منظور ہوئی تو آپ ہی سب سے اول اُس عہدۂ گرامی کے واسطے منتخب ہوئے - چنانچہ ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۵ء تک کامل بارہ برس دہلی اور جالندھر میں اس عہدہ کا کام انجام دیا ۱۸۶۶ء میں آپ ہی نے دہلی لٹریری سوسائٹی کی بنیا ڈالی اور ایک عرصے تک اُس کے سکرٹری رہے - اور متعدد لکچر علمی اور تاریخی مضامین پر دئے - قیام لاہور کے زمانہ میں کئی برس تک سرکاری اخبار کے اڈیٹر رہے - حکام وقت کی نگاہوں میں اپنی اعلیٰ قابلیت اور حسنِ خدمت کے لحاظ سے ہمیشہ موقر و ممتاز رہے خاصکر میجر فلر صاحب اور سائم صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب تو آپ سے نہایت مانوس تھے ×

میجر فلر صاحب عربی فارسی اُردو کے خوب ماہر تھے - کلکتہ یونیورسٹی سے جو سررشتہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات آیا کرتے تھے اُن کے جواب میجر فلر صاحب خود لکھا کرتے اور اُن میں اکثر رائے بہادر صاحب سے مدد لیتے تھے ۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسجع و مقفیٰ عبارت میں کیا فرق ہے مع مثال بیان کرو - حسب معمول یہ سوال بھی رائے صاحب کے پاس بھیجا - رائے صاحب نے یہ سوال بجنسہ مرزا غالب کے پاس بھیجدیا اور اُنہوں نے اسکا جواب مع امثال نظم میں لکھکر دیا جسکا اخیر شعر یہ تھا شعر

تحریر ہے یہ غالبِ یزداں پرست کی	تاریخ اس کی آج نویں ہے اگست کی

شمس العلماء پروفیسر مولوی محمد حسین آزاد اور شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی آپ کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا چکے ہیں - بلکہ سُنا ہے کہ مولانا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال

نواب آصف الدولہ فنِ سخن اور جملہ علوم و فنون کے قدر دان تھے - اِن کا مولد فیض آباد اور مسکن و مدفن لکھنؤ ہے - ملک الشعرا مرزا رفیع السودا اور خدائے سخن جناب میر اور میر سوز - انکی سرکار دولت مدار کے مداح و وظیفہ خوار تھے - میر سوز صرف مداح ہی نہیں انکے اُستاد بھی تھے - آصف الدولہ کے زمانۂ حکومت میں لکھنؤ نے ہر قسم کی ترقی کی - امن و اماں اور قدرِ کمال کی شہرت سُن سُن کر اکثر امرا - شرفا و کملائے دہلی وہاں چلے گئے - نواب ممدوح کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا اور شکار کے بڑے شوقین تھے سچ ہے ؎

شہاں را ضرور است مشقِ شکار		کہ آید پئے صید دلہا بکار	

ان کی سخاوت ہندوستان میں ضرب المثل ہے - چنانچہ مشہور ہے "جسے نہ دے مولا اُسے دے آصف الدولہ" یہ مثل آج تک زبان زد خاص و عام ہے - انکی فیاضی کی عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں - ایک مرتبہ آپ نے لاکھ کے دانوں کی تسبیح بھوبے بن کر ایک بڑھیا سے لاکھ روپیے میں خرید لی - کسی اور موقع پر ایک ضعیفہ کو اُسکے اُس گمان پر کہ وہ سچے لوہے کی تلوار کو پارس سمجھتی تھی اُس تلوار کے ہم وزن سونا دلا دیا - غربا کی پرورش اور اہل کمال کی قدر افزائی کی نئی نئی تجویزیں نکالا کرتے تھے - داد و دہش کو بمنزلۂ ضروریات زندگی سمجھتے تھے - اِن کا اُردو زبان پر بڑا احسان ہے کہ اُس کے منشاء و مرکز (دہلی) پر تباہی آنے کے وقت اہل کمال کی دستگیری فرمائی - اور فکرِ معاش سے آزاد کر کے زورِ طبع دکھانے کا موقع دیا - میر مغفور کی بے اعتنائیوں کا بُرا نماننا اور ارکانِ ریاست سے زیادہ اُن کی توقیر کرتے رہنا خاص سرداری اور سچی قدر دانی کی شان تھی فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ کو دار الامارۃ بنایا اور اُسے بہت کچھ رونق دی - لکھنؤ کا بڑا امام باڑہ جو فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے قحط کے امدادی کام کی پہلی مثال ہے - انکی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ جو باکمال لکھنؤ پہنچ کر بار یاب ہو جاتا تھا پھر اُسکا جی وہاں سے نکلنے کو نچاہتا تھا - انکے کلام میں اپنے اُستاد میر سوز کی سی سادگی و درد نمایاں ہے - خیال ستھرا ہے زبان پاکیزہ لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ میں اِن کا دیوان موجود تھا - ۱۲۱۲ھ ہجری مطابق ۱۷۹۷ء عمر میں اکیاون برس

بعد پنشن لیکر گاہے لاہور گاہے دہلی رہے مگر اب مدت سے اپنے وطن مالوفہ میں سکونت پذیر ہیں✝

آپکے حسن اخلاق دہلی میں ضرب المثل ہیں - جب بات کرتے ہیں تو اسطرح خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے تکلم ہوتے ہیں کہ دشمن کا دل بھی موہ لیتے ہیں - ہر ایک کار خیر میں جھک پڑنا آپ کا وتیرہ ہے - اور ہر شخص کی مصیبت میں ہمدردی فرمانا آپ کا قدیمی شیوہ - ہندو آپ کو دیوتا اور مسلمان ولی کامل کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں - اگر کوئی دشمن بھی صلاح مانگتا ہے تو گو اُنکے حق میں وہ خود مضر ہو مگر یہ کبھی بُری صلاح نہیں دیتے - دہلی میں رفاہ عام اور خاصکر تعلیمی انتظام کے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے ہیں - ہندو کالج دہلی کے ٹرسٹی اور منتظم ہیں - سینکڑوں بیروزگاروں کو روزگار سے لگا دینا - بیکاروں کو مناسب حیلہ و کام بتا دینا آپ کی ہمدردی کا ایک ادنی نمونہ ہے - ہماری دعا ہے کہ اس فیض رسانی اور انسانی دردمندی کے ساتھ خدا تعالیٰ ہمیشہ اُن کو زندہ و سلامت رکھے - آمین یا رب العالمین تبرکاً چند شعر تذکرہ کیے جاتے ہیں

گر شیخ پاکدامن طالب ہو ریا کا	رندوں کی محفلوں میں اُسکا اُڑے نہ خاکا
مجنوں کو ہمنے اپنے مانند خاک دیکھا	گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر پہ شکل شیریں فرہاد نے بنائی	اور ہمنے اپنے دل پہ کھینچا ہے تیرہ خاکا
اپنا تو سر جھکے ہے دونو طرف کہ اُسکی	تصویر بیکدے میں اور ہے حرم میں خاکا
آشوب خستہ جاں کو پھر ہے ہوس وہیں کی	کل ہی تو اُڑ چکا ہے اُس کی گلی میں خاکا
زاہد چھوٹے جو دامن رندان بادہ کش سے	تو چاہئے کہ کھینچے اُسے شست و شوکر کے

آصف

(**آصف**) وزیر الممالک نواب یحییٰ خاں عرف میرزا امانی معروف بہ آصف الدولہ بہادر فرمانروائے لکھنؤ - و وزیر حضرت شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - نواب شجاع الدولہ صوبہ لکھنؤ کے فرزند رشید اور جانشین تھے - ستائیس برس کی عمر میں بمقام فیض آباد ۱۱۸۸ ہجری میں مسند نشین ہوئے کسی نے اسطرح تاریخ جلوس موزوں کی ہے

گشت از پائے آصف الدولہ✝	رونق مسند وزارت ہند

✝ اس تاریخ میں پانچ کا تعمیہ ہے جو پائے آصف الدولہ کی ہ سے ہوتا ہے کیا گیا ہے ۱۲

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف	ق	تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
ایک دن یار سے یہ میں نے کہا		اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف		یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے
تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے کیوں گزرے		تری بلا سے میرا دم رہے رہے نہ رہے
قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال زوال		ترے بھی حسن کا عالم رہے رہے نہ رہے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے		پر ہمکو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے

آصف

(**آصف**) اعلیٰ حضرت بندگان عالی کیوان خدم دارا حشم نوشیرواں معدلت سکندر شوکت حاتم سخا خورشید عطا مہر سپہر اقبال زیبندۂ تخت اجلال حضور پُر نور رستم دوراں افلاطون زماں فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ سادس جی۔سی۔ایس۔آئی وجی۔سی۔بی شاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ +

آپ ۱۸۔اگست ۱۸۶۶ء کو عالم وجود میں جلوہ افروز۔ اور ۲۶۔فروری ۱۸۶۹ء کو کچھ کم تین برس کی عمر میں مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ نواب قمر الدین خاں آصف جاہ اول کے وارث اور جانشین ہیں جو اولاً شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی افواج میں ایک بہت ہی بڑے ممتاز اور سر آوردہ افسر تھے اُن کا نسبی سلسلہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے نواب قمر الدین خاں آصف جاہ ۱۷۲۳ء میں محمد شاہ شہنشاہ دہلی کی طرف سے صوبہ داری دکن کے منصب جلیلہ پر مامور اور نظام الملک کے خطاب سے ممتاز ہوئے تھے ۱۷۴۸ء میں حضرت ممدوح رہگرائے عالم بقا ہوئے۔ اُس وقت چونکہ اُنکے خلف اکبر نواب غازی الدین خاں وہاں دہلی میں وزارت کے عہدے پر مشرف تھے اس وجہ سے آصف جاہ کے دوسرے فرزند ناصر جنگ مسند آرائے ریاست ہوئے۔ نواب غازی الدین خان کے بعد گو اُنکے بھتیجے نواب مظفر جنگ بہادر نے مسٹر ڈپلے فرانسیسی گورنر کی حمایت سے صوبہ داری دکن کا دعویٰ کیا مگر یہ مراد کو نہ پہنچے اور نواب ناصر جنگ انگریزوں کی مدد سے صوبہ دار رہو گئے۔ لیکن جب دوسرے ہی برس نواب

تک فیاضی و نیک نامی کا چشمہ جاری رکھکر حوض کوثر کی سیر کو سدھارے - فیاضی میں حاتم سے بڑھکر اور سخاوت و ہنر پروری میں اسلاف سے زیادہ نام پایا نواب وزیر علی خاں انکے بیٹے جو ایک حرم کے بطن سے تھے جانشین ہوئے مگر چند ماہ بعد انہیں اپنے چچا نواب سعادت علیخاں کے لئے مسند خالی کرنی پڑی -

بڑی شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا ۔ نہ چلیے گا رُو برُو کس کے معاملہ دل کا

یاد رہے مجھے تیرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا ۔ یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہتا ہے بہت کچھ وہ مجھے چپکے ہی چپکے ۔ ظاہر میں یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ق موا ہے تیرے لئے تیرا عاشقِ غم کش ۔ ذرا تو فاتحہ پڑھ چل کے تا کجا وسواس

وہ قبر سے نہ نکل آئیگا میرا ذمہ ۔ ٹک اُسکی روح تو خوش ہو نہ دل میں لا وسواس

ق جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں ۔ آصف یہ ہی کہتے تھے بہ تکرار دم نزع

صیاد تجھے بخشش دیا خون میں اپنا ۔ ٹک جا کے دکھلا مجھے گلزار دم نزع

ق کل ہنس کے بولا نالہ بلبل یہ یوں پتنگ ۔ کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہیں زارِ شمع

رو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے ۔ انصاف دل میں کیجیو اے دل فگارِ شمع

ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی ۔ گر ہے پتنگ سوختہ جاں بیقرارِ شمع

پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام ۔ جینا بغیر یار کے ہے ننگ و عارِ شمع

فریاد و آہ و نالہ بھلا کس لئے کرے ۔ جیتے موئے پتنگ رہا ہم کنارِ شمع

گل مہرباں سنا ہے کبھی عندلیب پر ۔ تو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعارِ شمع

میں آہ آہ و نالہ نہ کھینچوں تو کیا کروں ۔ جلتی ہیں غم سے میری رگیں مثل تارِ شمع

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں ۔ وہاں اپنا ہم سر قلم دیکھتے ہیں

جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں ۔ خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

گزرتے ہیں سو سو خیال اپنے دل میں ۔ کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں

ناصر الدولہ نے مسند ریاست کو زینت دی - انکے زمانے میں معاون فوج کے مصارف کی بابت انگریزوں کو برار کے اضلاع دھار الیو اور رایچور دوآب سپرد کیئے گئے - نواب ناصر الدولہ نے ۱۸۵۷ء میں رحلت کی اور اُنکے خلف اکبر نواب افضل الدولہ مسند نشین ہوئے - اس زمانہ میں نواب سرسالار جنگ اول مدار المہام ریاست تھے - بلوائیوں نے رزیڈنسی پر حملہ کیا - مگر سالار جنگ کی بیدار مغزی اور عالی دماغی کام آئی - اور اس نازک وقت میں انہوں نے ہرطرح سے سرکار انگریزی کی اعانت کی اور امن و امان قائم رکھا - نظام افضل الدولہ نے جن کو گورنمنٹ نے جی سی ایس آئی - کا خطاب دیا تھا - ۲۶ - فروری ۱۸۶۹ء کو چند روزہ علالت کے بعد انتقال فرمایا - اور حضور پرنور نواب میر محبوب علیخاں بہادر آصف جاہ سادس اُنکے اکلوتے فرزند سادہ آرائے ریاست ہوئے - چونکہ اُسوقت ہز ہائینس کی عمر تین برس سے زیادہ نہ تھی اسلیئے ایک ریجنسی کے قیام کی ضرورت ہوئی - انتظام ریاست کے فرائض سالار جنگ اول و امیر کبیر شمس الامرا بہادر کے سپرد ہوئے لیکن فی الحقیقت عنانِ حکومت سرسالار جنگ ہی کے ہاتھمیں رہی - نوعمر نظام کی تعلیم و تربیت کی نسبت ابتدا ہی سے بے انتہا کوشش ہوئی - چنانچہ سرسالار جنگ کی رائے کے اتفاق سے اول کپتان جان کلارک صاحب جن کو سابق میں انگریزی شاہزادوں کی تعلیمی خدمت سپرد تھی اور پھر اُنکے بھائی کپتان کلاڈ کلارک صاحب سی - آئی - ای - ہز ہائینس کی تعلیم کی نگرانی پر مامور ہوئے - انکے علاوہ انگریزی عربی فارسی - اُردو میں تربیت کے لیئے برگزیدہ اتالیق اور لائق معلم مقرر ہوئے - شہسواری تیر اندازی - نشانہ بازی - کرکٹ اور دیگر مردانہ کھیلوں میں ہز ہائینس کو باقاعدہ مشق کرائی - چنانچہ ہز ہائینس نے عربی - فارسی - اُردو - انگریزی میں کافی دستگاہ بہم پہنچائی - فوٹوگرافی میں بھی مہارت حاصل ہے آپ نے اپنے والد ماجد نواب افضل الدولہ بہادر کے انتقال کے بعد اپنی دادی دلاور النسا بیگم صاحبہ کے زیر سایہ پرورش پائی یہ بیگم صاحبہ نواب ناصر الدولہ بہادر کی زوجہ اور نواب افضل الدولہ کی والدہ تھیں - ہز ہائی نس کو امور سیاسی میں سالار جنگ مغفور سے تعلیم ملی ہے - ۸ - فروری ۱۸۸۳ء کو سرسالار جنگ اول نے دنیائے فانی سے رحلت

تا مرجنگ کو باغی پٹھانوں نے قتل کرڈالا تو نواب مظفر جنگ فرانسیسیوں کی اعانت سے حیدرآباد دکن کے بے کھٹکے صوبیدار ہو گئے انہوں نے پانڈی چری کے قریب فرانسیسی گورنر کو ایک قطعہ ملک اور شہر اور ضلع مچھلی پٹن عطا فرمایا - نواب مظفر جنگ ایک فوجی بغاوت میں شہید ہوئے - چونکہ انکا اکلوتا بیٹا نابالغ تھا اس سبب سے نواب صلابت جنگ جو آصف جاہ کے تیسرے فرزند تھے فرانسیسی اثر کی وجہ سے مسند نشین ہوئے انہوں نے فرانسیسیوں کی امدادی فوج کی تنخواہ وغیرہ کے نام سے شمالی سرکار کے کئی اضلاع اُنکے نام لکھدئے - اور اسکے علاوہ انکے ساتھ بہت کچھ مراعات کیں - ۱۷۵۸ء میں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انگریزی فوج نے فرانسیسیوں کو شمالی سرکار سے نکال دیا - نواب صلابت جنگ اولاً انگریزوں کی مخالفت پر آمادہ ہوئے مگر ۱۷۵۹ء میں ایک معاہدے کے رو سے اُنہوں نے انگریزوں کو مچھلی پٹن اور دیگر اضلاع جن کا رقبہ سات سو مربع میل تھا بطور انعام کے مرحمت کر دیا اور اپنے ملک سے فرانسیسیوں کے نکال دینے کا وعدہ کیا - نواب صلابت جنگ کے بعد اُنکے بھائی نواب نظام علی وارث مسند ریاست ہوئے اُنکے اور انگریزوں کے مابین ایک عہدنامہ ہوا جس کی رو سے بعض اضلاع کے عوض برٹش گورنمنٹ نے نظام سے عندالضرورت فوجی اعانت کا وعدہ کیا - اور نظام نے بھی انگریزوں کو اسی قسم کی مدد دینی منظور فرمائی - بعد میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ عہدنامہ منسوخ ہوگیا - سرجان شور صاحب کے زمانے میں جب نظام کو مرہٹوں کے خلاف فوجی کمک کی ضرورت ہوئی اور گورنمنٹ ہند نے اُس سے انکار کیا تو نواب نظام نے فرانسیسی افسروں کی سرگروہی میں ایک فوج قائم کی اور انگریزی فوج کو برخاست کر دیا - مگر جب نواب نظام علی کے بیٹے عالی جاہ نے بغاوت کی تو اُنہوں نے گورنمنٹ انگلشیہ سے پھر معاون فوج کی واپسی کی درخواست کی ۱۷۹۸ء کے عہدنامے کی رو سے امدادی فوج مستقل طور سے قائم ہوگئی - ٹیپو سلطان کے مقابلے میں نظام نے سرکار کمپنی کی فوج اور روپیہ سے امداد کی اور فتوحات میں سے ایک ثلث حصہ پایا - ۱۸۰۳ء میں نظام علی نے انتقال کیا اور اُنکے بیٹے سکندر جاہ مسند حکومت پر متمکن ہوئے چھبیس ۲۶ سال کی حکومت کے بعد یہ بھی رہگرائے عالم جاودانی ہوئے اور ۱۸۲۹ء میں اُنکے بیٹے نواب

بلا مبالغہ نامکمل اور ادھوری خیال کی جاتی - بلکہ قدیم محاورے تو دنیا سے نابود ہی ہو جاتی حضور ممدوح نے صرف خریداری اور انعام سے ہی اعانت نہیں فرمائی بلکہ مصنف کا پچاس روپیہ کا وظیفہ تاحیات مقرر کر دیا - اسکے علاوہ تمدن عرب - سوانح عمری نواب سالار جنگ - تاریخ دکن - وغیرہ بہت سی قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں حضور ہی کی قدردانی کی بدولت حیدر آباد جملہ علوم و فنون اور بالخصوص شاعری کا مرجع بن رہا ہے ۔!۔

حضور نظام اوصاف مذکور الصدر کے علاوہ شعر و سخن سے بھی خاص لگاؤ رکھتے ہیں - اُردو زبان میں آپ کا کلام کیا بلحاظ فصاحت کیا بلحاظ بلاغت و مضمون آفرینی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے - آپکی شاعرانہ قابلیت ایک بادشاہ کثیر الاشغال ہونے کی حیثیت سے ضرور قابلِ داد ہے - آپ آصف تخلص فرماتے ہیں - نواب فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی مرحوم کو آپ کی اُستادی کا شرف حاصل تھا زبان کے لحاظ سے حضور کے کلام میں مرزا داغ کے کلام سے کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا - آپ اپنے اُستاد سے اکثر مشورہ کلام اسطرح لیا کرتے تھے کہ اپنے دست قلم سے غزل لکھکر ایک لفافہ میں بند کرکے خاص چوبدار کی معرفت اُستاد کے پاس بھیجدیتے تھے - جناب داغ کی عالمگیر شہرت کے ساتھ ساتھ حضرت آصف کی اُستاد نوازی مشہورِ انام ہے - ہزار روپیہ ماہوار مشاہرہ کے علاوہ سات سو روپیہ ماہوار کا منصب اُستاد کی صاحبزادی اور نواسے کا مقرر فرمایا جو ابتک بدستور جاری ہے - اس قدردانی کی مثال اب مفقود ہے اسیطرح مولانا شبلی نعمانی - ملک الشعرا شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی - مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی - مولانا غلام قادر گرامی مولانا ظہیر دہلوی - مولانا قدر بلگرامی - حضرت امیر مینائی - وغیرہ صد ہا باکمال عالم و مصنفین نے اس دربار دُربار سے وہ فیض پایا ہے اور پا رہے ہیں کہ ماموں رشید اور ہاروں رشید کی علمی قدردانیوں کو پرے بٹھادیا - ہمارے تذکرہ میں اس قدر گنجایش نہیں کہ ہم اس جلیل القدر - علمی قدردان رئیس کا ایک شمہ حال بھی حسب دلخواہ لکھ سکیں ؏

ہزائی نس ہی کے بابرکت عہد میں ریاست میں متعدد ریلیں جاری ہونے سے سفر میں سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں - حضور نظام کی آمدنی کل ممالک محروسہ ہند کی ریاستوں سے زیادہ ہے - جاگیرداران اور

کی اور مہاراجہ نریندر پرشاد صاحب بجائے مدار المہام کونسل آف ریجنسی کا کام انجام دیتے رہے ہز ہائینس کو لارڈ رپن نے ۵۔ فروری ۱۸۸۴ء کو کامل انتظامی اختیارات ریاست عطا کئے۔ نیز اسی دربار میں آپ نے نواب لائق علیخاں صاحب سر سالار جنگ ثانی کو عہدۂ وزارت سے ممتاز فرمایا۔ فروری ۱۸۸۴ء میں اعلیحضرت قیصرۂ ہند کے حضور سے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب مرحمت ہؤا +

ہز ہائی نس کے عہد معدلت مہد میں بہت سی ترقیاں اور اصلاحیں عمل میں آئیں۔ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ اورنگ آباد میں مختلف قسم کے کارخانے جاری ہوئے۔ تمام ریاست میں پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی ہوئی۔ آب پاشی کے کاموں میں بھی کافی اصلاحیں ہوئیں۔ جن سے ریاست کے محاصل میں ترقی اور معقول اضافہ ہوگیا۔ چونکہ ہز ہائینس تعلیم کے بہت بڑے حامی و مددگار ہیں اس سبب سے تمام ریاست میں جابجا مختلف مدارس اور کالج قائم ہوگئے ہیں۔ اعلیٰ رؤسا و عہدداران ریاست کی اولاد کیلئے خاص مدرسے اور تکمیل علی کے لئے ولایت جانے کو وظائف کا انتظام کیا گیا۔ عورتوں کی طبی تعلیم اور شفاخانوں کے قیام سے ایک اشد ضرورت اوکی نہایت فراخ حوصلگی سے پوری کی ہے۔ ہز ہائینس نے وقتاً فوقتاً اپنی خیرسگالی اور وفاداری کے نمایاں ثبوت دئیے ہیں۔ جس نے ہمیشہ سے انکے خاندان والا دودمان کو دولت برطانیہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے ۱۸۸۵ء میں حضور نظام نے مہم مصر کے لئے گورنمنٹ ہند سے اپنی امدادی فوج دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اسی قسم کی درخواست آپ نے اُس زمانے میں بھی کی تھی جب کہ روس افغانستان پر حملہ کی دھمکی دے رہا تھا۔ اِسوقت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ آپ کے وزیر اور مدار المہام ہیں جو مہاراجہ چندولال سابق مدار المہام کی نسل میں ہیں۔ حضور نظام کو شکار کا بہت شوق ہے۔ آپ کا فیاضانہ و ریجانہ برتاؤ مشہور انام ہے۔ آپ کے عہد میں صدہا مفید انام بلکہ باعث قیام نام کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں جنمیں سے فرہنگ آصفیہ مولفہ کرمی منشی سید احمد دہلوی کی دستگیری نے تمام ہندوستان میں حضور نظام کی قدردانی کی دھوم مچادی۔ اگر یہ لغات نہ چھپتی تو اُردو زبان

یہ اسکے دل سے پوچھ یہ اُسکے جگر سے پوچھ
یہ ہاتھ سے چُرائے تو وہ آنکھ سے چُرائے
آصف سے چُھٹتا ہے نہ ہرگز کبھی چھُٹے
واہ رے شانِ کریمی ترے صدقے قرباں
عاشق و معشوق کی دل کی لگی ہے یہ فرق
اتنی راہوں پر نہ نکلی حسرتِ بسمل ذرا
فیضِ پیرِ میکدہ سے یہ گیا دریائے مئے
گو بظاہر وہ نہ زاہد تھا نہ وہ تھا متقی

کیسا مزہ ہے چاہنے والے کو چاہ کا
دزدِ حنا سے چور ہے بڑھ کر نگاہ کا
لپکا ہے اس کو دید کا چسکا ہے چاہ کا
جس گناہگار کو دیکھا وہ گنہگار نہ تھا
شمع گھُٹتی ہی گھُلی پروانہ پل میں خاک تھا
سینہ تیروں سے ہے چھلنی تیغ سے دل چاک تھا
کیوں نہ چھیتے پارسا بھی آبِ دریا پاک تھا
عاشقِ صادق تھا آصف عشق اسکا پاک تھا

اے کماندار تجھے شست کی حاجت کیا تھی
میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح
بے تمنا بھی کہیں عشق میں ہوتی ہے تسلیم
مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے
وہ تشنہ کام پھر لبِ کوثر پہ کیا کرے
پوچھتی ہے وہ نرگسِ مخمور
کھیل ہے دل لگی ہے کیا ناصح
ذکرِ محشر عبث ہے اے واعظ
وہ نقشِ پائے غیر مٹاتے ہوئے چلے
ایسا گمان تجھ پہ نہ تھا اے دغا شعار
فریاد بے سبب تو نہیں داد خواہ کی
ہوتا چلا ہے رنگ گلابی نقاب کا
جس بات کی دُھن بندھ گئی وہ کرکے چھوڑی

مرغِ دل آپ ترے تیر پہ قرباں ہوتا
تو نہ ہوتا میرا اللہ نگہباں ہوتا
ایک مٹنا تو مجھے دوسرا ارماں ہوتا
آن سے تیغ کھینچی ناز سے خنجر نکلا
جس کو مزا ہو یار کی جھوٹی شراب کا
کس کو دعوےٰ ہے پارسائی کا
چھوٹ جانا لگی لگائی کا
اس خدائی میں اُس خدائی کا
نقشِ قدم پہ اور بھی نقشِ قدم ہوا
دھوکا بڑا مجھے ترے سر کی قسم ہوا
تو نے ستم کیا تو کسی پر ستم ہوا
چھپتا ہے کب چھپانے سے چہرہ عتاب کا
سُنتا ہے کہا کب دلِ دیوانہ کسی کا

صرف خاص کے علاوہ تقریباً چار کروڑ سالانہ محاصل ہے ۔ اور اقطاع مفوضہ برار کے علاوہ ریاست دکن کا رقبہ بیاسی ہزار چھ سو ستانوے میل مربع ہے اور آبادی ایک کروڑ پندرہ لاکھ۔ نظام حیدرآباد کی سلامی ۲۱ ضرب توپ ہے ۔ ہز ہائنس کے صاحبزادے اور ولی عہد کا نام میر عثمان علیخان ہے جو ۲۱۔ مئی سنہ ۱۸۸۶ء کو تولد ہوئے۔ آپ نے اطراف ہند کی خوب سیر فرمائی ہے دربار قیصری سنہ ۱۸۷۷ء میں اور جشن تاجپوشی ملک معظم منعقدہ سنہ ۱۹۰۳ء میں بھی بمقام دہلی رونق افروز ہوئے تھے ۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

انصاف اپنا اے بتِ عیار ہو چکا ۔۔۔ جب تو ہوا عدو تو خدا یار ہو چکا
بس انتظارِ وعدۂ دیدار ہو چکا ۔۔۔ وہ آئے یا نہ آئے یہ بیمار ہو چکا +
کرتا ہوں آہ تیغِ نگہ کھا کے سنبھل ۔۔۔ اب میرا وار روک ترا وار ہو چکا
میں بھی تو آزمائش مہر و وفا کروں ۔۔۔ میرا تو امتحان کئی بار ہو چکا +
پوچھا یہ میرے مردہ پہ اُس بدگمان نے ۔۔۔ کچھ اس میں جان ہے کہ یہ بیمار ہو چکا
جلوۂ یار کیا کہوں کیا تھا ۔۔۔ اُس کی قدرت کا اک تماشا تھا
اب یہ جانا کہ ہم کو دھوکا تھا ۔۔۔ واں ہمارا نہ تھا تمہارا تھا
لوٹتا تھا کوئی تڑپتا تھا ۔۔۔ کوئے قاتل میں اک تماشا تھا
حشر میں بھی کہیں گے تجھ سے ہم ۔۔۔ تجھے دعویٰ ہے تجھے دعویٰ تھا
کہتے ہیں وہ کہے سنے پہ نہ جاؤ ۔۔۔ غیر کے پاس تم نے دیکھا تھا
اللہ بچائے کہ یہ کہتا ہے وہ کافر + ۔۔۔ میں ساری خدائی کو گنہگار کروں گا
دیکھا یہ شعبدہ تری چشمِ سیاہ کا ۔۔۔ محفل میں ہو گیا ہے تماشا نگاہ کا
بجلی بنی کبھی کبھی تلوار بن گئی + ۔۔۔ دیکھا عجیب شعبدہ اُس کی نگاہ کا
برسوں میں اُس نے ملنے کا وعدہ کیا ہے آج ۔۔۔ اِس شرط پر کہ حرف نہ آئے نباہ کا
کس کو سنوگے کون سا قصہ پسند ہے ۔۔۔ یوسف کی چاہ کا کہ زلیخا کی چاہ کا

دزدیدہ نگہ دل کو چرا کے ہوئی بدنام
پروا نہیں کچھ اس کی ہمیں دے گا خدا اور

میخانہ میں کیا لطف سے کیا مانگ سے ساقی
آواز چلی آتی ہے لاؤ ریلا اور

جب دل دیا کسیکو تقدیر یہ پکارتی
درد و الم ہو فتح رنج و محن مبارک

کشتے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے
خلعت سے ہو زیادہ اُس کو کفن مبارک

کہتے ہیں ناز سے وہ ہے ملک حسن اپنا
آصف تمہیں تمہارا ملکِ دکن مبارک

کیا ہے پوشیدہ وہ غارتگر ایماں ابتک
کعبے جاتے ہیں ہزاروں جو مسلماں ابتک

گھل کے پانی بھی ہوا بن کے وہ آنسو بھی بہا
کیا مرے دل میں دھرا ہے تراپیکاں ابتک

خراب و خستہ ہو کر خوب سنبھلا
محبت میں بگڑ کر بن گیا دل

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور نہ کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کرکے دکھا دیتے ہیں

اِن حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نکرے
خوں بہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں

لبِ جاناں کو چکھائیں گے مزہ وصل کی شب
ہوتی آئی ہے کہ چھوٹے کو سزا دیتے ہیں

قطعہ

دل نہ دیتا اگر تو کیوں سنتا
جار کے طعنے چار کی باتیں

بے وفا ایک تیری خاطر سے
سُن رہا ہوں ہزار کی باتیں

کہا جب میں نے رنجیدہ عدو ہو
وہ بولے سنتے ہی وہ کیوں نہ تو ہو

اِدہر میں ہوں اُدہر محشر میں تو ہو
جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو

تجھے دل میں تو رکھوں میں یہ ہے شک
اُسی میں جان ہو تمہیں ہی تو ہو

گداز عشق نے چھوڑا بھی کیا ہے
مژہ سے ٹپکے گر دل میں لہو ہو

شبِ وصل یوں ہی بسر ہو گئی
نہیں کہتے کہتے سحر ہو گئی

تمہاری نرگس بیمار بھی بیمار کیسی ہے
کہ یہ بیمار ہو کر پھر غریب آزار کیسی ہے

نامہ بر دیکھ لے خطِ لفظ ہیں سارے پیارے
میں نے لکھے اُسے مضمون بھی پیارے پیارے

تیرے صدقے ترے قرباں یہ ضد خوب نہیں
مان لے مان لے کہنے کو ہمارے پیارے

اللہ رے تجاہل تجھے اب تک نہیں معلوم
عالم کی زبانوں پہ ہے افسانہ کسیکا

دعوے ہے غلط شیخ و برہمن یہ تمہارا
مسجد نہ کسیکی ہے نہ بتخانہ کسیکا

آصف کا یہ ہے قول سینے صاحبِ غیرت
احساں نہ لے ہمت مردانہ کسیکا

میں اگر غم کروں جدائی کا
شور محشر میں ہو دُھائی کا

نالہ کیا لب تک آکے رہ جاتا
پاس ہے عرش کبریائی کا

وہ بھی کیا دن تھے ہمیں غم سے سروکار نہ تھا
دل کو ارمان نہ تھا جان کو آزار نہ تھا

جان دیتا نہ تڑپ کر یہ وہ بیمار نہ تھا
دل پہ جب ہاتھ رکھا تمنے تو آزار نہ تھا

ایلچی کو بھی کوئی قتل کیا کرتا ہے
میں خطاوار تھا قاصد تو خطاوار نہ تھا

منصفی شرط ہے شایانِ کرم غیر ہی تھی
میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا

کیا عیادت کی توقع ہو ستمگر تجھ سے
بچ گیا کوئی تو کہتا ہے یہ بیمار نہ تھا

عرصۂ حشر کی مانند تھی نفسی نفسی
اُس کو محفل میں کسیکا بھی کوئی یار نہ تھا

مجھکو کیا کوئی پھنسائے گا ازل سے ابتک
دل تو آزاد رہا میرا گرفتار نہ تھا

جنسِ دل داب کے ہم اپنی بغل میں لے آئے
جاکے بازار کو دیکھا تو خریدار نہ تھا

نرگسِ جادو دکھا کے کوئی جادو گر گیا
دوستو لینا خبر میرا دلِ مضطر گیا

گھُلتے گھُلتے عاشقِ بیمار تیرا مرگیا
دل میں زہرِ عشق آخر کام اپنا کر گیا

آئے تھے میرے دل کے خریدار بنکے وہ
دل دیکھتے ہی اُن کا خریدار ہو گیا

ہم کہے دیتے ہیں اے دل عشق ہے خانہ خراب
اِسنے جب رکھا قدم پھر لاکھ کا گھر خاک تھا

خوبرویوں کی بھی حالت ایک سی رہتی نہیں
اب مسیحا اُس کو دیکھا جو کبھی سفاک تھا

انقلاب دہر کی نیرنگ دیکھو تو سہی
لہلہاتا سبزہ ہے جس جا خس و خاشاک تھا

جلانے والوں کو اللہ یوں جلاتا ہے
رقیب پر ہے وہ پروانہ شمع رو ہوکر

تمکین میں شرارت تری دیتی ہے مزہ اور
شوخی میں ترا حسن بڑہاتی ہے حیا اور

رات تڑپتے کٹی چین نہیں دن کو بھی +
ازل کے روز سے اک لاگ حسن و عشق میں ہے
نہ ان کا قول ہے میری بلا سے تجھسے
نیا ہو ناز ہر اک ناز میں نزاکت ہو
تجھکو دل دے کے اپنی رسوائی
پھر کہاں جائیں گے الٰہی ہم +
بت کدے میں جو دیکھی ہے صورت
عمر بھر جتنی جفا ہو سب اُٹھانی چاہئے
تشنہ ہوں شراب ارغوانی چاہئے
داغِ فرقت دے گئے وہ اپنے چھلے کے عوض
رفتہ رفتہ دن مصیبت کے گزر ہی جائینگے
تیسوں روزے ہو چکے رخصت ہُوا ماہ صیام
صدمے بیاں کیا ہوں شبِ انتظار کے
دل میں ہمارے ایک صنم پردہ دار ہے
بیتابئ دل کے ہاتھ سے ہی میری لاش بھی
یہ عرصہ گاہ حشر ہی محفل نہیں تری
آجکل ہمنے زمانے کی یہ حالت دیکھی
غم کو نیند بھی کھا کر نہیں سیری اے دل
ایک ہی جام پلا کر جو کرے اپنا سا
رخصت کے وقت ہائے اس انداز کے نثار
مزا جدا ہی ہو تمہیں جب تمہیں سے کچھ نہوا

دل کو مرے اضطراب دیکھئے کبتک رہے
نہ ہے قصور ہمارا نہ ہے خطا اُن کی +
بلائیں اُس کی بھی لوں گر ملے بلا اُنکی
ادا ادا سے ادا ہو ادا ادا اُن کی
وہ ہوئی اب جو عمر بھر نہوئی
خلد میں بھی اگر بسر نہوئی
وہ بھلے کو خدا کے گھر نہوئی
چاہئے جسکو اُسے تا زندگانی چاہئے
ایسے پیاسے کے لئے ایسا ہی پانی چاہئے
عاشقِ مہجور کو کچھ تو نشانی چاہئے
ان بتوں کی کیا خدا کی مہربانی چاہئے
عید کے دن بھی نہ کیا مینی پلانی چاہئے
سو بار چپ ہُوا ہوں اجل کو پکار کے
آئے خیال غیر تو پردہ پکار کے
اندر مزار کے کبھی باہر مزار کے
اغیار رے تو جائیں تجھے اب اُبھار کے
ایک کے دل میں مروت نہ محبت دیکھی
دیکھی دیکھی ارے بھولے تری نیت دیکھی
ہمنے یہ پیرِ مغاں ہی میں کرامت دیکھی
انگڑائی لے کے اُسنے کہا دیکھنا مجھے
مریضِ عشق کو راس آگئی دوا کس کی

سچ ہے پیاروں کی ہر اک بات ہے پیاری ہوتی
لطف کیا جور بھی ہمکو ہیں تمہارے پیارے

جاں لو جان ہماری بھی گئی ساتھ کے ساتھ
اپنے گھر تم جو خفا ہو کے سدھارے پیارے

پیار تھا اخلاص کی باتوں میں یہ رنجش کیسی
شرط جو پیار کی تھی تم اُسے ہارے پیارے

ناتواں قلب ہوا ہجر میں تیرے ایسا
دم بھی آتا ہے تو لے لیکے سہارے پیارے

کیوں نہ عشق حسینوں کا ثواب اے واعظ
جو ہیں اللہ کے پیارے وہ ہمارے پیارے

سہل ہے بات جو بگڑی کو بگاڑے کوئی
کام اُسکا ہے جو بگڑی کو سنوارے پیارے

ابھی کمسن ہو نہ کہنے میں کسیکے آنا
نہ اُبھرنا جو کوئی تمکو اُبھارے پیارے

کھُل گیا راز عدو اُس سے یہ کہدو آصف
ہم تمہارے ہیں نہ تم اب سے ہمارے پیارے

یہ دل آشنا اور نا آشنا ہے
بھلوں سے بھلا اور بُروں سے بُرا ہے

نہیں ہے اگر تُو ہمارا تو کیا ہے
زمانے میں کوئی کسی کا ہوا ہے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

مزا ہے یہی بات میں بات نکلے
ادا سے ادا جب نہو پھر تو کیا ہے

نشانہ بنے دیکھیئے کونسا دِل
یہ تیرِ دعا ہے وہ تیرِ ادا ہے

کریں بتکدہ سے عبث قصدِ کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

کہاں جائے انسان انسے نکل کر
زمیں فتنہ گر ہے فلک فتنہ زا ہے

شبِ وصل کسطرح طے ہو یہ جھگڑا
نہ تم مانتے ہو نہ دل مانتا ہے

کہو پھر تو گھبرا کے ذکرِ عدو پر
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہے

یہ کافر حسیں ایک جا جمع ہونگے
جہنم میں بھی اِک طرح کا مزا ہے

بہت دور ہے منزلِ وصل اے دل
جو یہ طے ہوئی پھر خدا ہی خدا ہے

کوئی بے وفاؤں کے دم میں نہ آئے
محبت جو کی تھی یہ اُسکی سزا ہے

ہمارے بھی ہے امتحاں میں یہ آصف
لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہے

سے گولیاں کھا کر راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ کچھ عرصہ ریاست جھجر میں بھی ملازم رہے تھے وہاں نواب صاحب نے ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے ایک نہایت بیش بہا اور قابل قدر گلستاں ان سے لکھوائی۔ پھر الور میں ملازم ہو کر ویسی ہی دوسری گلستاں لکھی۔ یہ دونو نسخے خوشخطی اور خوبی منقش و نگار کے باعث عدیم النظیر ہیں۔ جھجر والی گلستاں مہاراجہ منگل سنگھ مرحوم والی الور نے خرید کر دوران سیاحت پنجاب میں ۱۸۸۳ء میں مہاراجہ راجندر سنگھ مغفور والی پٹیالہ کو بطور ہدیہ دیدی تھی۔ دوسرا نسخہ اب تک الور کے کتب خانے کی زینت ہے اسپر متعدد نمایشوں میں تمغہ بھی ملا ہے۔ آغا صاحب گاہے گاہے فکرِ سخن بھی کرتے تھے۔ دو شعر ملے بطور یادگار درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کوئی دارا کوئی جم اور کوئی اسکندر ہوا	داغ سر اپنا ہیں تام خدا افسر ہوا
سرخ ہے موباف قاتل آج دیکھا چاہئے	قصد اس قاتل کا اب ہے کس کے شیخوں پر ہوا

(آغا) سخنور شیریں بیاں میرزا آغا حسین مرحوم اکبرآبادی خلف میرزا علی اعظم۔ میرزا آغا حسین میر علی حسین قیصر مغفور کے حقیقی بھائی تھے اور فنِ سخن میں میرزا حاتم علی بیگ مہر لکھنوی۔ راجہ بلوان سنگھ راجہ۔ مرزا عنایت علی ماہ وغیرہم کے ہم صحبت وہم مشق رہے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ دیوان ریختہ چھپ گیا ہے ۱۲۹۶ھ ہجری میں انتقال کیا۔ کلام صاف۔ بامزہ اور پرلطف ہے ؎

شوق زوروں پہ ہے ضعفِ دلِ بیمار گھٹا	آؤ میخانے چلیں آئی وُھواں دھار گھٹا
اللہ الحمد کہ پانچوں ہیں میسر آغا	مئے و معشوق پریوش۔ گل و گلزار۔ گھٹا
کوچۂ یار کو دعوے ہے کہ جنت میں ہوں	خلد کہتے ہیں کسے روضۂ رضواں کیسا
دل کے آئینہ میں تصویرِ صنم رکھتا ہے	نہیں معلوم کہ آغا ہے مسلماں کیسا
گلچیں سے دوستی تھی موافق زمانہ تھا	اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
وحشت نے یہ دھجیاں اڑائیں	باقی نہیں تار پیرہن کا +
بے سبب زاہد نہیں خالق سے جنت مانگتا	زہد کے بدلے میں ہے مزدور اُجرت مانگتا

ہزار رنگ سے نیرنگ ہیں ہم زمانے میں	ہوئی ہے شعبدہ گر چشم فتنہ زا کس کی

آصف

(**آصف**) حکیم سید محمد آصف - حضرت جلال لکھنوی کی شاگردی سے نامور ہیں - موجودہ رسالوں میں اکثر کلام شائع ہوتا رہتا ہے اُس سے انکی استعداد علمی خاص معلوم ہوتی ہے طبیعت موزون اور زبان صاف ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ناصحوں کے کہنے میں آتا نہیں	ایسوں کو میں دھیان میں لاتا نہیں
ہے عجب دلکش مقام کوئے دوست	جو وہاں جاتا ہے پھر آتا نہیں ✦
دینا اُسے پیامبر عاشق چشم کا پیام	آنکھیں سفید ہوگئیں آپکے انتظار میں
نہ پوچھا اے غنچۂ بت ہے یا خداوہ	اسے بندہ بھلا کیا جانے کیا ہے
تری بد دعا ہی دعا ہوگئی	کہ بیمار غم کو شفا ہوگئی

آصفی

(**آصفی**) مرزا عبدالرحمن بیگ نام ہے حیدرآباد دکن میں قیام ہے - اور علاقہ مہاراجہ یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد کے شفاخانے میں منشی ہیں - یہ انکا کلام ہے ؎

یہ نہ کل کولے کے دل میرا	اور ہو جائیں یار کی باتیں
یہ بھی اچھا ہُنکا اپنی دُعا	کبھی شرمندۂ اثر نہوئی
وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا	وہ بھی تقدیر سے اگر نہوئی
اُسنے چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا	موت بھی اپنی چارہ گر نہوئی
کیوں جی الفت اسی کو کہتے ہیں	مر گئے ہم تمہیں خبر نہوئی
نہ مرتا ہے عاشق نہ ہوتی شفا ہے	الٰہی عجب یہ مرض لادوا ہے

آغا

(**آغا**) مرزا آغا جان عرف آغا صاحب - دہلی کے باشندے تھے - اصل میں عیسائی تھے مگر اپنے اُستاد سید محمد امیر پنجہ کش کی ہدایت و تلقین سے مسلمان ہوگئے تھے - خوشنویسی میں ایسی مشق بہم پہونچائی تھی کہ سید محمد امیر پنجہ کش کے شاگردوں میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا - اخیر دم تک ریاست الور میں ملازم رہے - ۱۲۷۳ھ کے ایام غدر میں یہ دونوں اُستاد و شاگرد گوروں کے ہاتھ

اچھی صورت پہ حسینو تمہیں نخوت کیا ہے
چار دن کی ہے فقط حسن کی دولت کیا ہے

آغا

(آغا) میرزا آغا حسن لکھنوی - شاگرد میر وزیر علی صبا مرحوم لکھنوی - سنہ ۱۳۰۳ ہجری تک مرزا سلیمان قدر بہادر کے ہاں داروغہ تھے - شعر خاصا کہتے تھے - عیوب ظاہری سے ان کا کلام پاک وصاف ہے مگر اسی پرانی ڈگر پر چلتے ہیں جو ابتدا سے ایشیائی شعرا نے اختیار کر رکھی ہے - زبان - بندش ترکیب بیان کے لحاظ سے کلام میں کوئی نقص نہیں ہے - مولوی عبد الغفور نساخ اپنے تذکرے میں اس نام اور تخلص کا ذکر اسطرح کرتے ہیں کہ آغا حسن ولد مرزا امیر لکھنوی شاگرد صبا سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں بمقام کلکتہ تجارت کرتے تھے - شاید یہی آغا حسن ہوں بلکہ ظن غالب ہے کہ یہی ہوں گے - کیونکہ جس غزل کے اشعار ہمنے آخر میں درج کیے ہیں انکا مقطع تذکرہ نساخ سے لیا ہے ٥

لوٹ لی میری دولت ایماں کعبۂ دل کو تو نے ڈھا کے
ہاں ذرا بھی اذیت کافر تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا

ہٹا دو انکو بالیں سے مری وہ خوف کھائینگے
سنا ہے دم نکلتا ہے بڑی مشکل سے عاشق کا

وصل کی شب یہی کرتا ہوں دعا اے آغا
حشر تک اب نظر آئے نہ سحر کی صورت

تمہارے بعد تمہیں یاد کرتے سب آغا
کوئی تو زیست میں ایسی بھی بات کر جاتے

نکلنا سخت مشکل ہو نہ کیونکر کوئے قاتل سے
تڑپتے ہوں جہاں عاشق ہزاروں مرغ بسمل سے

ترے کوچہ میں او ظالم نہ میں آتا نہ میں آتا
مگر مجبور ہوں کچھ بس نہیں بیتابی دل سے

تپ فرقت سے ایسا بڑھ گیا ہے ضعف اے آغا
کہاں کروٹ بدلنا سانس بھی لیتا ہوں مشکل سے

آغا

(آغا) مرزا عبد القادر خاں عرف میرزا آغا جان - رئیس سونگھرہ (مالوہ) شاگرد حضرت داغ دہلوی - انکے والد میرزا جان کابلی الاصل اور مدار المہام ریاست سونگھرہ ہیں - انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے آپکی فارسی قابلیت بہت اچھی ہے ٥

خاک میں جا بنے والوں کو ملا دیتے ہیں
فتنۂ حشر وہ اٹھتے ہی اٹھا دیتے ہیں

آدمی سن نہیں سکتا ہے کسی کے طعنے
دل میں شمشیر ہے یہ زخم سوا کرتے ہیں

ادا ہے کون سی حوروں میں جسپر دم نکلتا ہے
کسی کافر میں بھی زاہد وہی عالم نکلتا ہے

تیرہ بختی نے نچھوڑا ایک دم پیچھا مرا ✤
جب تلک رہی بہار زیرِ گِل لٹا کیا

بجائے اشک مژگاں پر اگر لختِ جگر ہوگا
کتر پروں کو نہ اے بانیِ ستم صیاد
کرے گا قتل مجھکو یا رکیونکر ✤ ✤

گھٹا آئی ہے بوندیں پڑ رہی ہیں
اپنے کئے کی آپ سزا کیوں نہ پائے شمع
مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم
نگاہوں میں اقرار سارے ہوئے ہیں
سچ ہے کہ بُرے وقت نہیں کوئی کسیکا
کیا قید سے جنکو آزاد تم نے
ابھی مُنہ موڑ کر نہ جا قاتل
ہر کوئی پھرتا ہے اپنے قتل کی تدبیر میں
کاٹ بڑھکر تیغ سے ہے ابروے خمدار میں
بوسہ کا نیل عارضِ جاناں سے دُور ہو
کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہو
قتل کا حکم نہ بے جُرم و خطا دے مجھکو
جیتے جی کے آشنا ہیں پھر کسی کا کون ہے
جانِ جاں تیرے سوا رشکِ مسیحا کون ہے
وہ آئے سب اسیروں کو آزاد کر گئے
تیغِ نگاہِ ناز کلیجے پہ چل گئی ✤

رنج آگے سے مرے ملتا تو راحت مانگتا
کیا جانے اسکے پاس کہاں کا خزانہ تھا
ترا احسان میرے حال پر اے چشم تر ہوگا
قفس کو توڑ کے اُڑ جائیں گے نہ ہم صیاد
اُٹھے گی ہاتھ سے تلوار کیونکر
نہ ٹوٹے تو بہ مئے خوار کیونکر ✤ ✤

خود کیوں جلے اگر نہ کسیکو جلائے شمع
تنگ آگئی ہے ہم سے دوا اور دوا سے ہم
ہم اُن کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں
لب خشک ہیں اور دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں
وہ حسرت سے طوق و رسن دیکھتے ہیں
جان باقی ہے تیرے بسمل میں
یہ نئے جوہر ہیں اے قاتل تری شمشیر میں
سینکڑوں بیدم ہوں یہ جوہر کہاں تلوار میں
دھبا خدا کرے مہِ تاباں سے دُور ہو
ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہو
میرے قاتل کوئی الزام لگا دے مجکو
نام کے اپنے ہوا کرتے ہیں اپنا کون ہے
مار کر ٹھوکر جلا دے مجکو ایسا کون ہے
مجھپر جو مہربان ہوئے پر کتر گئے
جانِ قتیلِ حسرتِ قاتل نکل گئی

ہم کو غم کھانے کا دعویٰ تھا مگر	خود ہمیں کھانے لگا غم کیا کریں
صورت ہی سے سوال کو پہچان جائیے	دل میں ہمارے جو ہے صنم جان جائیے
یہ تو خوشی ہے آپ کی میری خوشی نہیں	میں کس طرح کہوں کہ مری جان جائیے

آفاق

(**آفاق**) میر فرید الدین خلف سید بہاؤ الدین۔ شاہ سلیمان متخلص بہ اولیا باشندۂ دہلی کے قرابت داروں میں تھے اصل میں انکا وطن کشمیر تھا۔ حکیم ثناء اللہ خاں **فراق** سے تلمذ رکھتے تھے قدرت اللہ **شوق** کے تذکرے کی ترتیب کے وقت دکن بھی گئے تھے اور وہاں نواب مشیر الملک کی سرکار میں بعزت و آبرو بسر کرتے تھے خلاصہ کلام یہ ہے ؎

تسکین ہوئی دل کو آرام ہوا جی کو ٭	وہ راحت جاں میرے پہلو میں جو آبیٹھا
اُس گل سے مل کے پیویں گے جام شراب ہم	لالہ کا دل جلا کے کریں گے کباب ہم
میخانۂ دنیا میں ہر اک مست ہے غافل	ہے مرد وہی جو رہے ہشیار نشہ میں
ہاتھ کا اُس کے خط لکھا لایا	تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

آفاق

(**آفاق**) منشی غلام حسین خان۔ باشندۂ بنارس۔ شعر خاصا کہتے ہیں اور موزوں طبع شاعر ہیں سُنا ہے کہ اب **جلیل** کے شاگرد ہو گئے ہیں کلام درج تذکرہ ہے ؎

کہتے ہیں کہ ہم غیر سے بولیں گے ہنسیں گے	تم بزم سے اُٹھ جاؤ جو دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں وہ شوخ نگاہیں	نظروں سے وہ جادو کا تماشا نہیں جاتا
ٹھہر کے دیکھ لے بسمل کا لوٹنا قاتل	شہید ناز ہی خوں بہا سمجھتے ہیں
جو پوچھا لیتے کہ تم کو وفا نہیں آتی	بگڑ کے بولے کہ کہہ تو دیا نہیں آتی
یا خدا کیا ہے جو ہوتی ہے کھٹک سی بار بار	پھانس ہے دل میں چبھی یا وہ نگاہِ ناز ہے
گردن میں میری طوق محبت پنہا دیا	باہیں گلے میں اُس نے شب وصل ڈال کے

وہاں محتسب سر ٹپکتا رہا ٭	یہاں خوب رندوں میں ڈھلتی رہی

آفت

(**آفت**) میرزا منیر بیگ ابن مرزا وزیر بیگ ۱۲۷۵ھ میں بمقام قصبہ پٹن ضلع اورنگ آباد دکن

تری نظروں میں بھی تیرِ قضا کا رنگ ہے ظالم	جسے تو دیکھ لیتا ہے اُسی کا دم نکلتا ہے
بوسہ دینے میں جو پوچھا کہ بگڑتا کیا ہے	بولے لینے میں کہو آپ کو ملتا کیا ہے
ہم بھی ہاں مانتے ہیں رشکِ مسیحا تم ہو	مگر اس جاں بلبِ غم کا مداوا کیا ہے
ہاتھ آیا تجھے کیا میرے ستانے والے	کیا ملا تجھکو میرے جی کے جلانے والے
سُن کے شہرے تمہاری قامت کے	ہوش جاتے رہے قیامت کے
میرے زخموں پہ وہ چھڑک کے نمک	کہتے ہیں یہ مزے ہیں چاہت کے
جگر تک آئی یہ برچھی کدھر سے	کوئی یہ پوچھ دے ترچھی نظر سے

آغا

(آغا) منشی عبدالاحد خاں - باشندۂ رام پور، (روہیلکھنڈ) شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم - تخمیناً ۵۰ برس کی عمر ہوگی - سرکار رام پور میں ملازم ہیں - کلام مزیدار ہے طبیعت میں متانت ہے اور بیان میں صفائی پائی جاتی ہے کیوں نہ آخر ہیں کس اُستاد کے خوشہ چینوں میں - کلام حاضر ہے ؎

دل لے کے پوچھنا کہ دلِ زار کیا ہوا	خیر اُو ستم شعار فسوں کار کیا ہوا
تم جاگتے میں آتے تو آنے کا لطف تھا	طالع ہوا جو خواب میں بیدار کیا ہوا
رکھ لوں اسے کلیجے میں گر اختیار ہو	کیا پیاری پیاری شکل مرے دلربا کی ہے
دامن سے چھوٹنے کا نہیں لاکھ دھوئیے	قاتل ہمارے خون میں رنگت وفا کی ہے
دل کیا ہے کروں جان بھی میں اُسکے حوالے	لینے کو جو پردے سے کوئی ہاتھ نکالے
جانباز جو لاکھوں ہیں تھکا جاتا ہے قاتل	اے موت گھڑی کیا ہے ذرا ہاتھ بٹالے
آئے تھے جو سننے کو فسانہ مرے غم کا	وہ جاتے ہیں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

آغاز

(آغاز) منشی امداد حسین خاں کانپوری - شاگرد حضرت عزیز مرحوم - یہ ہمارے زمانے کے شاعر ہیں کلام خاصا اور اچھا ہے - ملاحظہ ہو ؎

نہیں ہر وقت کی یہ ضد اچھی	کبھی کہنا بھی مان لیتے ہیں
ہم تو مرتے ہیں کسی سفاک پر	چارہ اس کا ابن مریم کیا کریں

خدایا بڑھے دردِ الفت زیادہ ... ہے اس رنج میں مجھکو راحت زیادہ
ہمیں سے ہے تمکو عداوت زیادہ ... تمہیں سے ہے ہمکو محبت زیادہ
محبت دبانے سے دبتی نہیں ہے ... چھپانے سے ہوتی ہے شہرت زیادہ
وہ کم کرتے ہیں جس قدر مجھسے ملنا ... مجھے اُن سے ہوتی ہے الفت زیادہ
غضب اُس ستمگر کی محشر خرامی ... قیامت سے ہے یہ قیامت زیادہ
دل اک بوسہ پر دیدو آفت خوشی سے ... نہ آئے گی اب اس سے قیمت زیادہ

بلائیں بھی وہیں آتی ہیں جس جا تنگدستی ہے ... یہ زنجیرِ مصیبت بیکسوں کو خوب کستی ہے
یہ کیا کم ہے اگر ہے میرے دل کی قیمت اک بوسہ ... محبت اُس صنم کی جان دیکر بھی تو سستی ہے

منّے دل دینے میں تکرار جو کی بولے وہ ... جائیے جائیے بس آپ کی الفت دیکھی
دشنام میں ملا ہمیں بوسے سے بڑھکے لطف ... ہاں گالیاں سنائیے دو چار اور بھی
آنکھ اور ہوگئی ہے پڑ کر نگاہ تجھپر ... دل اور ہوگیا ہے جب سے کہ دل میں تو ہے
ملجاؤں ذات میں پھر جی جاؤں خاک ہوکر ... وہ جان کی ہے خواہش یہ دل کی آرزو ہے
آ یار کی محفل میں دکھادیں تجھے زاہد ... اک حور اُتر آئی ہے گلزارِ ارم سے
وعدہ میں نہیں شبہ کچھ اے قول کے پورے ... شک دل میں جو آتا ہے تو بس تیری قسم سے
تھا عشق سے پہلے ہمیں عزت کا بہت پاس ... یہ بات بھی الفت کی بدولت گئی ہم سے

آفتاب

(آفتاب) حضرت فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ غازی - خلف الرشید عرش منزل عزیزالدین عالمگیر ثانی - سنہ ۱۱۳۱ ہجری قلعہ معلی دہلی میں پیدا ہوئے - اور ۱۴ جمادی الاول سنہ ۱۱۷۳ ہجری مطابق ۱۷۵۹ء میں بمقام کھتولی نواح پٹنہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت مرزا عالی گوہر شجاع الدولہ صوبہ اودھ کے ساتھ ملک بنگال پر قبضہ کرنے کی نیت سے عظیم آباد کا محاصرہ کئے پڑے تھے - والد ماجد کی خبر وفات سُنکر شاہ عالم کے لقب سے تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا اور اپنے خلفِ اکبر مرزا جہاندار شاہ عرف مرزا جواں بخت کو ولیعہد

پیدا ہوئے ہائی اسکول اورنگ آباد میں جماعت انٹرنس تک عربی فارسی انگریزی میں تعلیم پاکر ۱۸۹۲ء میں سررشتہ تعلیم میں ملازم ہو گئے آجکل خاص اپنے وطن کے مدرسہ میں مدرس انگریزی ہیں ۔ ملازمت اختیار کرنے کے بعد شاعری کا شوق ہوا تھوڑے عرصہ بعد اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی توحکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی سے استفادہ کیا ۔ اب اُنکے شاگردوں میں آپ کا نام عزت سے لیا جاتا ہے ۔ مذاق سخن اچھا ہے ۔ زبان اور خیالات بھی پاکیزہ ہیں ہنگام اشاعت تذکرہ کچھ کلام موصول ہوا اُسمیں سے جسقدر اشعار پسند آئے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کسقدر رازِ محبت جلد افشا ہو گیا
دل اِدھر آیا اُدھر دنیا میں چرچا ہو گیا

روکنے پر بولے صبحِ وصل "جانے دیجئے
دیکھئے اب آپکا کہنا بھی پورا ہو گیا"

دل کو لے لیتے تم تو اچھا تھا
کیا یہ اِک بوسہ کو بھی مہنگا تھا

ہجر کا حال پوچھتے کیا ہو
سو بلاؤں میں دل اکیلا تھا

میرے ہی دل کا وہ دھواں نکلا
جس کو میں آسمان سمجھا تھا

ابتدائے شباب اے **آفت**
ہائے وہ بھی عجب زمانہ تھا

اہل ظاہر کہتے ہیں جس عشق کو آزارِ جاں
فی الحقیقت ہے یہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بھُلا دیا در پر اُسکے آخر
تقدیر نے دربدر پھرا کر

اب نکلی کدورت اسکے دل کی
خوش ہیں ہمیں خاک میں ملا کر

سمجھتے ہیں وہ اب کیا قید سے میری یہ چھوٹیگا
جبھی دیوانہ گیسو کو بے زنجیر رکھتے ہیں

بتاؤ وعدہ کی شب انتظار ہو کہ نہو
جو تم نہ آؤ تو دل بیقرار ہو کہ نہو

جو تیغ ہاتھ میں ہے تو سوچنا کیسا
لگا بھی دو کوئی تقصیر وار ہو کہ نہو

دشمنوں کی دشمنی سے دوست کی ہوتی ہے قدر
چاہئے ہمدرد دو اپنے تو بیگانے بھی دو

جب میں کہتا ہوں کہ تیرے جان جاتی ہے مری
ہنس کے وہ فرماتے ہیں اچھا تو ہے جانے بھی دو

دل لگانے کا لگا کر جرم وہ لیتے ہیں جاں
دل کا دل لو اور پھر دل دیکے جرمانے بھی دو

سلطنت دہلی کی تباہی کے وقت حضرت شاہ عالم نے فارسی زبان میں فرمایا تھا[۱]

خوب ہی سید ہا بنے گا دیکھ اے سرو چمن	اسکی رعنائی سے تو مت اپنی رعنائی رلا
بعد مجنوں کیوں نہ ہوں میں کار فرمائے جنوں	عشق کی سرکار سے ملبوس رسوائی رلا
کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا	ہم تو بندے اُسکے ہوں وہ یار ہو اغیار کا
خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اُسنے آہ	ہو جیو یا رب بھلا اس چشم آتشبار کا
دیکھکر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب	کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا
سر نہ کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ	ڈھونڈ جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا
اس قدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب	دیکھکر ہوتا ہے تجکو تنگ دل گلزار کا
چھیڑنے کا تو مزا یہ ہے کہو اور سنو	بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر	اے آفتاب دولت دیدار تجھے

قطعہ

صبح تو جام سے گزرتی ہے	شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے	اب تو آرام سے گذرتی ہے

صرصر حادثہ برخواست پئے خواری ما	داد بر باد سر و برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم	بُرد در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از جور فلک بہتر شد	کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغاں بچہ شوکت شاہی برباد	کیست جز ذات منزہ کہ کند یاری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزا ایشاں بود	ہست امید کہ بخشند گنہ گاری ما
کرد سی سال نظارت کہ مراد ادبیاد[۱]	زود تریافت تلافی ستمگاری ما
نازنینان پرے پیرہ کہ ہمدم بودند	نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
حق خفلاں کہ زسی سال فراہم بودند	کرد تاراج نمودند سبکساری ما
شہد و بیباں بمیبال بدادہ نمودند غا	محلبیاں خوب نمودند وفاداری ما

[۱] ناظر مراد از منصور علی خاں ۱۲

قرار دیگر دار الخلافہ میں بجائے خود نائب مقرر فرمایا۔ اور قلمدان وزارت نواب شجاع الدولہ کو مرحمت کیا ۱۷۶۵ء مطابق سنہ ۶ سال جلوس میں ملک بنگالے۔ بہار۔ اور اوڑیسہ۔ کی دیوانی چھبیس لاکھ روپے سالانہ کے بالعوض تاجرانِ فرنگ کی کمپنی کو عطا فرمائے۔ دس سال یعنی ۱۷۷۲ء تک الٰہ آباد میں مقیم رہے۔ پھر مہاراجہ مادہوجی سیندھیا کی ترغیب سے دہلی آ گئے اور انتظام مہام سلطنت مرہٹوں کے ہاتھ میں آگیا ۱۷۸۹ء میں کورنمک غلام قادر رُہیلے نے اس واجب التعظیم بادشاہ کی دہلی کے دیوانِ خاص میں چھاتی پر چڑھ کر آنکھیں نکال لیں۔ اور خاندان شاہی پر بڑی بڑی سختیاں اور زیادتیاں کیں۔ چونکہ ظلم سرسبز نہیں ہوتا مہاراجہ پٹیل مادھوجی سیندھیہ نے بہت جلد اِس نابکار کو اپنے کیے کے پاس بٹھایا اور بادشاہ کو پھر تخت نشین کر دیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کا دہلی میں تسلط ہوگیا اور ذاتی املاک کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر ہوگیا۔ ۷۔ رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں نوے برس کی عمر پاکر راہیِ ملکِ بقا ہوئے آستانۂ حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز کے غرب میں دفن ہوئے۔ انتقال کی تاریخ میر نظام الدین ممنون معروف بہ فخر الشعرا نے برعایت تخلص یہ فرمائی ہے ؎

شور بس روئے زمیں سے یہ اُٹھا		ہے کسوفِ آفتابِ سلطنت

مگر مرقد منور پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

وہی آفتابِ روئے زمیں بود بیش ازل		شد آفتاب زیر زمیں آہ و آسماں

"فردوس مکان شاہ عالم بادشاہ" سے بھی تاریخ وفات نکلتی ہے فنِ شعر سے کمال اُنس تھا۔ آفتاب تخلص فرماتے تھے۔ سودا۔ میر۔ نصیر۔ انشا۔ اعظم۔ نثار۔ ممنون۔ احسان۔ قاسم۔ فراق۔ سب ان کی سرکار کے دعاگو تھے۔ چار دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر اب کمیاب ہیں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے قول کے بموجب ایک ضخیم قصۂ نثر بھی نہایت شستہ دلچسپ عبارت میں حضرت کی یادگار رہے۔ اُردو کلام کے بعد وہ مرثیہ شہر آشوب لکھا جاتا ہے جو

میں میر احمد مشہور قصہ خواں کے شاگرد تھے اس کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا میر ضیاؤ الدین ضیا کے شاگرد تھے - اپنے زمانے کے خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے ۱۸۵۶ء تک زندہ موجود تھے - افسوس کہ اُنکا یہ ایک ہی شعر دستیاب ہوا ؎

ہاں تیغ کھینچ اے بتِ نازک مزاج تو		مرنے پہ آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے

آگاہ

(آگاہ) نور خاں نامی - قوم کے افغان اور قصہ خوانی کیا کرتے تھے - ضیا کے شاگردوں میں تھے زیادہ حال نہیں معلوم ہوا یہ دو شعر اُنکی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

حلقۂ چشم میں کیوں آج ہے دم بار کاب		ہے کہاں کا ہمیں در پیش سفر دیکھیں تو
مُنہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم جاہ کی		باتیں بنا بنا کے نہ کیجے نباہ کی چٹ

آگاہ

(آگاہ) پنڈت جوالا ناتھ خلف پنڈت داتا رام برہمن - فارسی شعر بھی کہتے تھے تذکرہ سخن الشعرا مؤلفہ نساخ کی ترتیب کے وقت آپ کلکتے میں قیام پذیر تھے جسے ۱۲۹۰ھ ہجری کا زمانہ سمجھنا چاہئے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوا یہ دو شعر جو اُس تذکرے میں درج تھے وہی نقل کئے جاتے ہیں جن سے طبیعت کی شوخی اور درد ظاہر ہوتا ہے ؎

	جان جاتی ہے تڑپتا ہوں پڑا		دیکھتے کیا ہو تماشا کیا ہے	
	تیرا دیدار میسر ہووے		اس سوا اور تمنا کیا ہے	

آگاہ

(آگاہ) نواب سید محمد رضا دہلوی معروف بہ احمد میرزا خاں خلف الصدق سید امیر میرزا ابن نواب معظم الدولہ محمد علی خاں مغفور شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب - آپ ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ھ ہجری میں بمقام دہلی پیدا ہوئے آپکے جد امجد نواب روشن الدولہ سید مظفر مرحوم محمد شاہ کے دوران سلطنت میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے - ایام غدر تک دو موضع صدر پور و رئیس پور ضلع میرٹھ جمعی سات ہزار سالانہ آپکی دادی کی جاگیر میں تھی بعد غدر ضبط سرکار ہوئی

پریشانی غدر میں شدہ شدہ جے پور میں پہونچے اور بہ سرپرستی مہاراجہ سوائی رام سنگھ بیکنٹھ باشی جے پور میں سکونت پذیر اور سرکار مہاراجہ سوائی جے پور میں بصیغہ روزینہ داران منسلک ہوئے تا حال اُسی

قوم افغان[1] و مغلیہ ہمہ باہمی ولوند — بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما
آن گدا زادۂ ہمدان کہ بدوزخ برود — بانیٔ جور و ستم شد بدل افگاری ما
گل محمد کہ ز مردان بشرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت بگرفتاری ما
ہم اسد یار و سلیماں و بدل بیگ لعین — ہر سہ بستند کمر بہر دل آزاری ما
شاہ تیمور[2] کہ دارد سر نسبت با من — زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما
مادہو جی سیندھیا فرزند جگر بند من است — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
راجہ و راؤ زمیندار و امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نسازند بغمخواری ما
حال ما گشتہ بتر ہمچو اماماں ز یزید — گر تقدیر ازل روزیٔ ما خواری ما
بود جاں کاہ ز زوالِ جہاں ہمچو مرض — دفع از فضلِ الٰہی شدہ بیماری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما
آفتاب از فلک امروز تباہی دیدی — باز فردا دہد ایزد بسر و سرداری ما

آفریں

(آفریں) شیخ قلندر بخش ساکن سہارنپور۔ انکا سلسلۂ نسب حضرت امام ابو حنیفہ سے ملتا ہے۔ اوائل انیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ عروض و صنائع بدائع شعر سے خوب باخبر تھے چنانچہ ایک رسالہ موسوم بہ تحفۃ الصناعۃ مرتب کیا تھا۔ جملہ اصناف سخن مثل قصیدہ۔ مثنوی۔ غزل پر قادر تھے۔ سنہ ۱۸۴۸ء میں جوانی کا عالم تھا۔ کلام کا خلاصہ بھی درج ذیل ہے ؎

نجا چمن میں تو اب آفریں کہ جوں غنچہ — لبوں میں اُسکے نہاں ہے بہار خندۂ گل
بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو — بُرے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

آگاہ

(آگاہ) میر حسن علی نام۔ دہلی کے رہنے والے اور بادشاہی قصہ خواں تھے۔ ان کی جودتِ طبع اور جدتِ ذہن مشہور تھی۔ قصہ خوانی کے علاوہ چند اور فنون میں بھی درک رکھتے تھے۔ قصہ خوانی

[1] افغان مراد از غلام قادر روہیلہ نمک حرام ۱۲

[2] تیمور مراد از تیمور شاہ والی کابل پسر احمد شاہ ابدالی کہ خواہر شاہ عالم در نکاح او بود و زن شاہ خواہر زادہ شاہ ہند بود ۱۲

شکر ہو کس سے ادا قاتل کی تیغ تیز کا
موت کی دشواریاں دم بھر میں آساں ہو گئیں

غیر تو انجمن ناز سے ٹلتا ہی نہیں
یہ بھی کیا دم ہے ہمارا کہ نکلتا ہی نہیں

ایک ہم ہیں کہ گھُلے جاتے ہیں یاں شمع صفت
اور اک دل ہے تمہارا کہ پگلتا ہی نہیں

تم ہمیں دل سے بھلا دو لاکھ بار
ہم نہ بھولیں گے تمہاری یاد کو

اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق
رو دیئے دل کھول کر اُستاد کو

قہر میں لطف کے آثار خدا خیر کرے
مہرباں وصل میں ہے یار خدا خیر کرے

غیر سے آنکھ نہ ملتی تو اثر بھی ہوتا
اب تمہاری نگہ ناز میں رکھا کیا ہے

یہ بھی اک رنگ ہے محبت کا
روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

(آہ) نام معلوم نہیں۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے شاگردوں میں تھے یہ تین شعر اُنکے دستیاب ہوئے

آہ اور نالے کو ہے درد و اثر سے نسبت
جس طرح چشم کو ہوتی ہے بصر سے نسبت

قصد کرتا ہوں جو اُس جا سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا

نہ وہ در کھولتا ہے اور نہ ہم چوکھٹ سے ٹلتے ہیں
یہ راز و ناز کا جھگڑا ہے دیکھو کیونکر ملتے ہیں

(آہ) شیخ فرید الزماں خاں۔ شیخ وحید الزماں خاں مرحوم کے خلف اکبر ان کا اصل وطن قصبہ نجیبؔ نگر یہ باعث ملازمت دار الریاست رام پور میں قیام پذیر رہے۔ آغاز جوانی میں بطور تفنن طبع شعر و سخن سے مذاق رہا۔ آدمی ذہین اور ذکی تھے۔ فارسی کلام میں قاضی محمد خاں اختر سے اور اردو میں مولوی ہادی علی اشک سے مشورہ لیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں سب کلام تلف ہو گیا۔ تذکرہ انتخاب یادگار مولفہ جناب امیر مینائی کی ترتیب کے وقت ان کی عمر پچاس برس کی تھی۔ اردو کے دو شعر ان کی یادگار ہیں ؎

خوب پرزے اُڑائے قاصد کے
میرے نامے کا یہ جواب آیا

بعد مُردن بھی ہوا تیغ کا باعث میں آہ
ذبح کے بعد مرے روتا ہے صیاد مجھے

(آہ) منشی میر اکبر علی خاں لکھنوی ولد سید طایت علی خاں بن محمد حسین خاں مخاطب بہ مصمم خاں

سرکارِ فیض رسان کے دعاگو ہیں۔ گو سن شریف ۸۰ سال کے قریب ہے مگر طبیعت اب بھی جوانی کی آن بان دکھائے جاتی ہے۔ مزاج کی سادگی اور وضع کی پابندی نے شغل سخن کو ذریعہ شہرت بنانے کی انہیں اجازت نہ دی۔ آپ نے اپنے واجب الاحترام اُستاد سے فارسی کی وہ پیچیدہ بندشیں اور نغز گفتاری حاصل کرنے کے بجائے خیال کی بلند پروازی اور نشست الفاظ کا سلیقہ بہم پہنچایا اور اُس طرز کو پورا پورا نبھایا ہے ✦

جناب محمد سلیم خاں صاحب خستہ حضرت ظہیر اور سید لطف مرزا انور کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ غدر سے پہلے شہزادہ مرزا خضر سلطان بہادر خلف ظل سبحانی حضرت ابو ظفر کے مصاحب تھے ✦

حضرت آگاہ سے اُس نواح کے لوگوں کو بہت کچھ فیض پہنچا ہے جسکی وجہ سے علاقہ جے پور میں آپ کا دم غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ دیوان مرتب ہو چکا ہے مگر اشاعت کا خیال نہیں آیا۔ انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے ✦

جھوٹی شراب اُسکی ہوئی قسمت رقیب
گھر غیر کا ہو راہ میں یہ بھی مری قسمت
اُسی کی یاد میں سب عمر بہنے کاٹی ہائے

اب زہر ہے علاج ہمارے خمار کا
لایا تو اُسے جذبہ محبت کا ہیں تھا
جسے خیال ہمارا نہ ایک بار آیا

یہ کس کی چشم مست کا ساقی اثر ہے آج
ابر آئے تو اے بادہ کشوں توبہ ہے کسکی
جلوہ ہر جائی جب اُسکا ہے دوئی پھر کیسی
کاٹیں گے کس امید پہ فرقت کا ہم پہاڑ
الفت عجیب شے ہے کہ جب کیجیئے خیال
ایک دم میں قلق ہجر مٹا دیتے ہیں
خوگر جور ہیں اتنے کہ دم مشق جفا
جو نگاہیں اُٹھ نہ سکتی تھیں حیا یا شرم سے
تکو اس انداز سے خنجر کھینچ آتا نہ تھا

جو ہے وہ میکدہ میں ترے بیخبر ہے آج
توڑو اُسے قفل در میخانہ سمجھکر
کھنچوا ایک جگہ دیر و حرم کی تصویر
شیریں نے جب کئے نہ کبھی کوہکن کے پھول
آتے نظر ہیں خار بھی اپنے وطن کے پھول
لب سے جب وہ لب جاں بخش ملا دیتے ہیں
جو نہ سوجھے اُسے ہم اور سوجھا دیتے ہیں
بے محابانہ وہ کیونکر دل میں پیکاں ہوگئیں
کیا کہیں کس کس کی جانیں مفت قرباں ہوگئیں

بحرِ ہستی میں مری ہستی ہے مانند حباب
جب کھُلے گی آنکھ دنیا سے سفر ہو جائیگا

بھرتا ہوں دم انہیں کا کچھ اپنا نہیں خیال
وہ دل کو کیا مجھے بھی ملائے ہوئے سے ہیں

خدا ان کی جدائی کا نہ دے داغ
میں زخموں کو لگائے ہوں جگر سے

شانِ رحمت دیکھکر زاہد کو پچھتانا پڑا
کیا مزا ہے مینے پی اسکو پشیمانی ہوئی

تیری تصویر کی شوخی ہے کہتی
کہ مجھ میں جان عاشق کی پڑی ہے

یہ زاہد جیتے جی ہی مر گئے ہیں
کہ ان کی جان جنت میں پڑی ہے

بلبے ڈھوئی لیکے دل اُٹھتا ہے جو اُس بزم سے
چتونیں کہتی ہیں پھر آوٴ گے پچھتاتے ہوئے

قطعہ

خدایا رقیب اب کسے میں کہوں
اُنہیں آپ اپنی ادا بھا گئی

جفا پر ان سے کوئی لاکھ روٹھے
مگر جب وہ منانے کی نظر سے

گلے میں مسکرا کر ڈالدیں ہاتھ
بھلا پھر ضبط کیونکر ہو بشر سے

کہتی ہے شوخی نظر گھری پڑی عشاق پر
شرم سکھلاتی ہے چتون اور شرمائی ہوئی

تو اور اُس در پہ مری خاک بھلا رہنے دے
کیوں اُڑاتی ہے مجھے بادِ صبا رہنے دے

لوٹا ہے اُس نگاہ نے ملکر نگاہ سے
چوری گیا ہے دل انہیں آنکھوں کی راہ سے

آنکھوں میں رکھ لیا تجھے دل میں بٹھا لیا
ہم تجکو لے کے اُٹھے تری جلوہ گاہ سے

غل ہو گیا کہ ایسا گنہگار بچ گیا
رحمت کی دھوم ہو گئی میرے گناہ سے

ہٹ گیا آنچل تو غمزے نے کہا چل دور ہو
ٹوٹنے کی اور تجھے جوبن کی نگہبانی ہوئی

رباعی

سرکار سے جو تجھے ملا دیتا ہے
نادان اپنی گرہ سے کیا دیتا ہے

ملتی ہے تجھے مفت میں دولت یعنی
لیتا ہے دعائیں تو خدا دیتا ہے

گر پڑی تیغ دستِ قاتل سے
لڑ گئی آنکھ چشمِ بسمل سے

کوئی جیسے پناہ لے اگر
تیر لپٹا ہوا ہے یوں دل سے

ملیں آنکھیں تو تازہ ہو گیا تیرِ نظر اُس کا
کوئی جیسے تپا دیتا ہے ظالم کو کہ یہ دل ہے

صاحب دیوان گزرے ہیں - اپنے رنگ میں اچھا کہتے تھے - تذکرۂ سخن الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے یہ اُنہیں کا شعر ہے شعر

اس قدر رویا ہوں خوں میں یاد چشم مست میں	ہیں حنائی پنجۂ مژگانِ تر کی انگلیاں

آہ

(آہ) مولوی محمد عبدالعزیز ملازم محکمۂ بندوبست ریاست بھوپال - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - کلام درج ذیل ہے ؎

ابرو کی طرح کاٹ مزہ کر نہیں سکتی	تلوار کا دے کام سناں ہو نہیں سکتا
یہ کہہ رہی ہیں وصل میں آنکھوں کی تو خیال	کیسا لحاظ اب نگہِ شرمسار کا ؏
ڈر تھا کہ وصل میں کوئی جوبن نہ لوٹ لے	پہرہ بٹھا دیا نگہِ شرمسار کا
خون سے میرے بجھی اُسکی پیاس	تیغ قاتل پہ ہے احساں میرا
مجھکو غش آیا تو ہنس کر بولے	اور دیکھو رخِ تاباں میرا

آہ

(آہ) منشی ممتاز علی ولد منشی سخاوت علی رئیس قصبۂ امیٹھی - فی الحال ڈونگر گڑھ میں بعہدۂ تحصیلداری ممتاز ہیں - ۴۰ - ۴۵ سال کے قریب عمر ہے - انکی تعلیم و تربیت ارباب ثروت کی طرح بہت اچھی ہوئی - مذاق سخن بزرگوں سے ورثے میں ملا - طبیعت رسا واقع ہوئی آغاز مشق ہی میں چبھتے ہوئے شعر کہنے لگے - جب سے امیر مینائی کی شاگردی اختیار کی سونے میں سہاگہ ہو گیا - اُستاد سے فیض حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا - رام پور میں عرصہ تک دفتر امیر اللغات کے سکرٹری بھی رہے پہلی جلد پوری اور دوسری جلد کا ایک حصہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوا - اسوقت امیر مینائی کے مشہور شاگردوں میں ان کو بھی امتیازی نمبر حاصل ہے - ترتیب دیوان کا ابھی تک خیال نہیں آیا مگر متفرق غزلیں اور منتخب اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں - اشعار انتخابیہ یہاں بھی درج کیے جاتے ہیں ؎

جلانا مارنا کیا مجھ حزیں کا	کرشمہ ہے تمہاری ہاں نہیں کا
اُڑائی خاک وحشت میں یہاں تک	بنایا آسماں ہمنے زمیں کا
معرفت سے قصۂ غم مختصر ہو جائے گا	جو خبر پائے گا اُسکی بیخبر ہو جائے گا

اور اسکا نہیں خیال دل میں — اب گھر میں ہمارے کچھ نہیں ہے

اب تو سید ہی کیجیئے ترچھی نگاہ — سینکڑوں ٹکڑے جگر کے ہو چکے

سرِ قبر ٹھوکر لگاتے ہوئے — چلو سوتی قسمت جگاتے ہوئے

کبھی وہ جان کا دشمن وہ قاتل یاد آتا ہے — کبھی پہلوئے خالی دیکھکر دل یاد آتا ہے

کبھی جس دل کو ظالم دمبدم تو یاد آتا تھا — اب اپنا ہمکو وہ آیا ہوا دل یاد آتا ہے

ہماری بیگناہی پوچھتی رہتی ہے قاتل سے — کبھی تمکو کوئی ناکام بسمل یاد آتا ہے

اثر کیونکر رہے کچھ دیر ناصح کی نصیحت کا — مزاج اپنا ہے رندانہ طبیعت لاؤبالی ہے

یہ کس نے اپنے پیارے ناخنوں سے چٹکیاں لی ہیں — کہ دل میں جو نشانِ زخم باقی ہے ہلالی ہے

آہ

(آہ) لالہ رام کشن باشندۂ لکھنؤ۔ منشی جے نراین اثر لکھنوی کے شاگرد اور عزیز ہیں چند سال ہوئے کہ عین عالمِ شباب میں رہگرائے عالمِ بقا ہوئے ؏

دل مرا لے کر ادائے یار بولی ناز سے — بیوفا تھا کھو گیا جاتا رہا جانے بھی دو

سانس بسمل میں بھی تو باقی نہیں کیا فکر ہے — دم اگر تلوار کا جاتا رہا جانے بھی دو

بناء الفت کا ان دو نازکوں میں سخت مشکل ہے — ادھر نازک مزاج یار ادھر نازک مرا دل ہے

وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں کہ مت توڑ — وہ کہتا ہے کھلونا ہے میں کہتا ہوں مرا دل ہے

ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت جھگڑے میں — جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے

آہ

(آہ) منشی سید یعقوب علی لکھنوی۔ شاگرد مولوی سید محمد مصطفٰے خورشید مالک رسالہ انتخاب لکھنؤ۔ اسی رسالے کے دفتر میں ملازمت بھی کر چکے ہیں۔ کلام کا خلاصہ حاضر ہے ؏

شکوۂ بیداد بھی کرتا نہیں ہوں اب تو میں — کچھ تو ان باتوں سے وہ بت مہرباں ہو جائیگا

جان و دل حاضر ہیں لیجے بوسے دیتے جائیے — دل ہی دل میں کچھ حساب دوستاں ہو جائیگا

نہ چین آیا نہ تم آئے اور نہ موت آئی — شب فراق نہ کس کس کا انتظار کیا

حالِ طولِ شب فراق نہ پوچھ — مر گئے ہم مگر سحر نہ ہوئی

نگاہِ یاس کے ہاتھوں دگرگوں ہو گئی حالت　　جو بسمل تھا وہ قاتل ہے جو قاتل تھا وہ بسمل ہے

کیا ہے کیسا کیسا پیار پھر بھی جی نہیں بھرتا　　وہ بھولی بھولی صورت دل نہیں کچھ لینے کے قابل ہے

سلامت چاہنے والے رہیں پھر پاؤں کیوں رکھے　　ادھر زیرِ قدم دل ہے اُدھر زیرِ قدم دل ہے

یہ تم کیا جانو کیوں دن رات نالے آہ کرتے ہیں　　تمہارے سینہ میں پتھر ہمارے سینہ میں دل ہے

(آہ) منشی غلام یسین نام ہے اور ابو نصر کنیت - اصل وطن دہلی ہے - مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم ہیں - جوانی کے ساتھ طبیعت میں بھی نہایت شوخی اور رنگینی پائی جاتی ہے - عربی فارسی میں اچھی قابلیت ہے چنانچہ فنونِ مختلفہ میں انکے اکثر مضامین رسالہ زمانہ وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے ہیں جن سے اِن کی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے - اِس وقت اخباری دنیا میں خاصی شہرت ہے - کلکتے سے ایک رسالہ بھی الصدق نامی شائع کیا تھا - ایک مرتبہ حیدرآباد دکن بھی گئے تھے - مگر بے نیل مرام واپس آئے - نثر کے علاوہ نظم میں بھی خاصی دستگاہ ہے - جدت شوخی اور طرزِ بیاں قابلِ تعریف ہے - فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی ہے - انتخابِ کلام حاضر ہے ؎

کیا کہوں خنجر اُٹھایا اسنے کس انداز سے　　مرنے والا قتل سے پہلے ہی بسمل ہو گیا

تپِ عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے　　مجھے بھی جلا دیگی دل کو جلا کر

اب نہ وہ جوشِ جوانی ہے نہ داغوں کی بہار　　صبح پیری آئی بجھتے ہیں چراغِ شامِ عشق

چارہ گر چپکے سے کیا پڑھ کے دوا دیتے ہیں　　کوستے ہیں مجھے ظالم کہ دعا دیتے ہیں

ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے　　جن کو دیتا ہے خدا راہِ خدا دیتے ہیں

کیوں کروں میں خلشِ خارِ تمنا کا علاج　　یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو مزا دیتے ہیں

روبرو کی چوٹ ہے وہ بھی بڑا بیباک ہے　　دیکھئے صاحب دمِ تزئیں سنبھل کر آئینہ

موجزن اِک نور کا دریا نظر آیا مجھے　　آگیا جس وقت اس رُخ کے برابر آئینہ

قطعہ

اسراف کی دھوم ہر کہیں ہے　　پابندی رسم دلنشیں ہے

سامنے رکھنی ہے تصویر جاناں چاہئے		دل لئے جاتی ہیں حوریں نزع میں اے ہمدمو

آہی

(آہی) آنریبل ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر المخاطب بہ جواد الدولہ عارف جنگ۔ کے۔ سی ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی۔ بانیِ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج علیگڈھ۔ عزیزالدین عالمگیر ثانی کے دربار سے انکے دادا میر ہادی کو منصب ہزاری ذات پانسو سوار اور خطاب جوادالدولہ جواد علی خاں مرحمت ہوا اور اُنکے بعد بھی یہی خطاب انکے والد سید محمد تقی خاں کو بحال رہا۔ انکے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر دبیرالدولہ امین الملک مصلح جنگ پہلے سرکار کمپنی سے شایستہ توسل رکھتے اور شاہ ایران کی سفارت پر مامور ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے حسن تدبیر سے بڑی بڑی مہیں سر کی تھیں۔ ایک مدت کے بعد دہلی میں آکر اکبر شاہ ثانی کے وزیر ہوئے۔ اوپر کا حال تذکرۂ گلستان سخن مولفہ مرزا صابر سے لیا گیا ہے اور یہی امر اس بیان کی تصدیق کے واسطے کافی ہے گو مخالف کچھ ہی کہا کریں۔

سید احمد خاں ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سرکار انگلشیہ کی ملازمت اختیار کی۔ اور سرشتہ داری سے ترقی کرکے اپنے وطن ہی میں ایک مدت تک منصفی کے عہدے پر ممتاز و دادگستری و انصاف کی وجہ سے خاص و عام میں نیکنام رہے۔ دہلی کے بعد کچھ دنوں فتح پور سیکری میں اسی عہدے پر کام کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں سید بجنور کے منصف تھے۔ ۱۸۵۹ء میں دوران قیام مراد آباد میں ایک رسالہ "اسباب بغاوت ہند" چھپوایا۔ جس میں اُنہوں نے غدر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے صحیح وجوہ دکھائے تھے۔ غازی پور۔ بنارس اور دیگر مقامات میں بھی وقتاً فوقتاً سب ججی کے عہدۂ جلیلہ کے فرائض کو انجام دیتے رہے۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوئے۔ اور اپنے دونوں صاحبزادوں سید حامد و سید محمود کو بغرض تکمیلِ تعلیم وہاں چھوڑ کر اکتوبر ۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپس آگئے۔ ولایت سے واپسی کے بعد ۲۴۔ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڈہ میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد ڈالی ۱۸۷۶ء میں پنشن لے کر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کردیا۔ آج علمی دنیا میں سرسید کے کارناموں سے

جب اُن سے دل کا حال بیاں ہی نہ کر سکیں
بیکار پھر زبان ہمارے دہن میں ہے

حشر میں تم ہو سوا اس کے
اور مرنے کا مدعا کیا ہے

آہی

(آہی) - میر عبدالرحمن خلف ارشد ناظم بر تمکین میر حسین تسکین - شاگرد و برادر زادۂ حکیم مومن خاں مومن درسیہ کتابیں مولوی امام بخش صہبائی سے دیکھی تھیں - معمے کے فن میں مہارت کامل رکھتے اور سرکار رامپور سے وظیفہ پاتے تھے - عربی و فارسی کی تحصیل عالمانہ درجے تک پہنچی ہوئی تھی - صاحبِ مذاقِ سلیم - سخن فہم بے نظیر - بڑے طباع - خلیق - ملنسار اور زندہ دل لوگوں میں تھے - مومن مرحوم نے انہیں متبنیٰ کر لیا تھا - عزیز آبادی بیگم کی حویلی میں جو مشاعرے غدر بعد ہوئے تھے اُن میں آپ میر مشاعرہ تھے - وہیں یہ مصرع طرح ہوا تھا مصرعہ

گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نجائے گا

یہ امر خاص کر قابلِ ذکر ہے کہ اکثر سخن سنجانِ گرامی کے زعم میں اِن جیسا سخن فہم کوئی کم ہوا ہوگا ۱۸۸۱ء کے قریب انتقال فرمایا انتخابِ کلام درج ذیل ہے ؎

دیکھا تھا اگر اسکو ہم بزم رقیبوں سے
تو چاہیے تھا قاصد جیتا نہ پھر آ ہوتا

ہے غلط دھوم کہ نکلا تھا وہ گھر سے باہر
شہر میں چاک کسی کا تو گریباں ہوتا

تمہارے حسن میں گرمی کہاں سے ہے
اگر ہُو دے تو وا بندِ قبا ہو

مژدہ اے شوقِ تپیدن خلق میں ہے آج دھوم
زہر میں خنجر کو وہ اپنے بجھا کر لے گئے

اُٹھ کہیں ہے آمد آمد اس ستمگر کی واں
اہلِ محشر مجھکو یہ مژدہ سُنا کر لے گئے

واعظا خلد سے لاخانۂ خمار میں رکھ
قدر واں مے کی ہے جس جا کوئی میخوار ہے

سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی
اُٹھ جائے گی جہان سے اب رسم جاہ کی +

شکوہ کہاں کا کیسا گلہ جی نکل گیا
شرما کے یار نے جو ہیں نیچی نگاہ کی +

کچھ تمہیں بھی خبر ہے آہی کی +
لوگ کہتے ہیں مر گئے کب سے

کھل گیا دروازۂ جنت بھی اپنی گور میں
پر دلِ وحشی یہ کہتا ہے بیاباں چاہیے

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے۔

سید ۲۴ - مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ احتباسِ بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انکا دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ؎

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

(آہی) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب زکی کے تلمیذ با تمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقر خاندان مانا جاتا ہے - طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحب دیوان اور فی الحال واردِ حیدر آباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دمِ رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوے ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہو گیا	یوسف متاعِ جاں سے خریدار ہو گیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ مجھسے پوچھنے ہیں چھیڑ کر کے اے آہی	کہو گزرتی ہے اب کسطرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاشِ قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یارِ جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیِ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُس نے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
اِن مریضوں میں ہیں ہم چارہ گرد	درد دل کو جو دوا کہتے ہیں

ہر فرد بشر واقف ہے۔ مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے۔ انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولنا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں ÷

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ اُنکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاق سخن سے لذت یاب تھا۔ اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنن طبع کے لئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے۔ سرسید کے ابتدائی زمانے میں۔ جناب صہبائی۔ غالب۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ۔ آزردہ۔ جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا بہرحال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے۔ مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی مشغلے سے نجات پائی۔ انکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہوا۔ ہم نے اس تذکرے میں تبرکاً شاعروں کے زمرہ میں انکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

حاشا کہ فخر از ہنر شاعری کنیم	مقصود فضل ماست کمال ہنروری

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک۔ آثار الصنادید۔ اسباب بغاوت ہند۔ خطبات احمدیہ تفسیر القرآن۔ اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں۔ سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالیشان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنہوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت اور اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھکر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

پولیس کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہوگیا تھا - دوسرے صاحبزادے آنریبل جسٹس سید محمود بڑے نامور بیرسٹر اور الہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے ۔

سید ۲۴- مارچ ۱۸۹۸ء کو بعارضہ احتباس بول علیل ہوئے اور آخر اسی عارضے میں ۲۷- مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گڈھ ۸۱ برس کی عمر میں انتقال فرمایا - اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے میں دفن ہوئے - ایک شعر انکا دستیاب ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے ؎

ہزار حیف کہ عمر اپنی مفت صرف ہوئی	نہ کچھ خدا کی عبادت کی نے بتوں کی چاہ

آہی

(آہی) مرزا محمد داؤد خاں نام - اور نواب سید محمد زکریا خاں صاحب ذکی کے تلمیذ با تمیز ہیں جو نواب اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد رشید تھے - آپ نواب مولوی عطاؤ اللہ خاں بہادر مستقیم جنگ رئیس دہلی کے پوتے ہیں سلسلۂ نسب نواب شرف الدین محمد خاں بہادر بخشی الملک اور نواب حسام الدولہ حسام الدین خاں بہادر وزیر شاہ عالم بادشاہ سے ملتا ہے جو دہلی میں ایک موقر خاندان مانا جاتا ہے - طبیعت میں روانی ہے - کلام میں صفائی اور دلچسپی - صاحب دیوان اور فی الحال واردِ حیدرآباد دکن ہیں - کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

سجدے کل پاؤں پر اُس بت کے دمِ رخصت تھے	آج آہی تمہیں دعوے ہے مسلمانی کا
اُس کا کہیں جو خواب میں دیدار ہوگیا	یوسف متاعِ جاں سے خریدار ہوگیا

مسیحائی نہیں کرتے ترے لب	ترا بیمار مر جائے تو اچھا
وہ ہم سے پوچھتے ہیں چھیڑ کر کے آہی	کہو گزرتی ہے اب کس طرح تمہاری رات
نہ ہے وصل ممکن نہ ہے صبر ہمدم	بتا تو ہی پھر زندگانی کی صورت
ہوئی خود ہی نقاش قدرت کو حیرت	بنا کر مرے یار جانی کی صورت
ٹھوکریں کھاتی ہے محشر میں قیامت کیا کیا	اُس ستمگر کی جو ہے شوخیٔ رفتار پسند
آہی وصال میں بھی رکھا اُسنے تلخ کام	یہ کہہ کے بار بار کہ جاتے ہیں گھر کو ہم
ان مریضوں میں ہیں ہم چارہ گر	دردِ دل کو جو دوا کہتے ہیں

ہر فرد بشر واقف ہے۔ مسلمانوں میں نئی تہذیب اور مغربی علوم کا پھیلانے والا اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ سرسید ہی ہے۔ انکی مفصل اور مکمل لائف شمس العلما مولٰنا حالی نے لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے یہاں صرف مختصر حالات قلمبند کر دئے ہیں ÷

تذکرۃ الشعرا میں سرسید کا ذکر کرنا لوگوں کو تعجب میں ڈالتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ انکے ابتدائی زمانے میں عموماً تمام ملک کے شرفا اور خصوصاً دلّی کا بچہ بچہ مذاقِ سخن سے لذت یاب تھا۔ اُس زمانے کا یہ ایک عام مشغلہ تھا کہ ضروری تعلیم کی تکمیل کے بعد اکثر تفنن طبع کے لئے اس مشغلہ کو اختیار کر لیتے تھے جنکا کلام اچھا ہوتا تھا وہ قلعہ تک پہنچکر شاہی رسوخ حاصل کرتے تھے۔ سرسید کے ابتدائی زمانے میں۔ جناب صہبائی۔ غالب۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ۔ آزردہ۔ جیسے باکمال اساتذہ موجود تھے۔ مہینے میں دو ایک مرتبہ مشاعرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ ایسی حالت میں اور خاص کر ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر کیوں نہ شعر گوئی کا شوق ہوتا بہرحال سرسید نے اُسی زمانے میں کبھی کبھی اس مشغلے سے اپنا جی بہلایا ہے۔ مگر چونکہ بہت جلد سرکاری ملازمت کی وجہ سے دہلی کو خیرباد کہنا اور ملکی مشاغل میں منہمک رہنا پڑا اس سبب سے اس لایعنی مشغلے سے نجات پائی۔ انکے اشعار کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ سرسید نے جو کچھ لکھا نہ تو اُسے جمع کیا اور نہ اُسکے چھپوانے کا شوق ہوا۔ ہم نے اس تذکرے میں تبرکاً شاعروں کے زمرہ میں انکا ذکر کر دیا ہے ورنہ وہ تو اس شعر کے مصداق ہیں ؎

حاشا کہ فخر از ہنر شاعری کنیم		مقصود فضل ماست کمال ہنروری	

سرسید کی تصانیف سے سلسلۃ الملوک۔ آثار الصنادید۔ اسباب بغاوت ہند۔ خطبات احمدیہ تفسیر القرآن۔ اور سینکڑوں مضامین مفید یادگار ہیں۔ سرسید نے اپنی یادگار میں صرف اُس عالیشان کالج ہی کو نہیں چھوڑا جس کی اُنھوں نے بنیاد ڈالی بلکہ ایک قومی کالج کی زندہ اور زندہ کن طاقت، اُس کے تعلیم یافتہ گروہ کی اعلیٰ تربیت حب الوطنی اور سب سے بڑھ کر اُن کی اخلاقی حالت اُس ریفارمر کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ آپکے بڑے صاحبزادے سید حامد صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

اُسکا دیوان میری نظر سے نہیں گزرا - یہ حال تذکرہ گارسین ڈی ٹیسی سے لکھا گیا - اِس شخص کا دیوان موسوم بہ "دیوانِ ابجدی" ولایت کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے - اسوجہ سے اُسکے اشعار کا انتخاب متعذر ہُوا کہ وہ یہاں مفقود ہے ॥

ابد

(ابد) نواب فیض اللہ خاں خلف نواب عبداللہ خاں نبیرۂ نواب بہادر خاں رئیس قلعہ شاہ جہاں پور نہایت صاحب مروت - حلیم - شجاع - خلیق اور ذی حوصلہ امیر تھے - اہلِ کمال کی عموماً اور شعرا کی خصوصاً بڑی ہی قدردانی فرماتے اور خود بھی شاعری میں اچھا مذاق رکھتے تھے - ایک رسالہ رسمِ خط میں بہت اچھا لکھا تھا - قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت ابد کا عالمِ شباب تھا - فنِ شعر میں نثار اور مرزا مظہر سے مشورہ لیا کرتے تھے ٥

سرکو ٹھکرا ئے کے سرو رو کو پوچھا میرے	آج ایسی ملی ہے لذتِ بیداد کہ بس
کچھ تو کبھو رحم آنسو واں پر یار	لوٹتے ہیں زمین پر بالک
تو دل کو چاہتا ہے کہ باتیں لیے مول	سو وانھو کا زلف کی اپنی گرہ تو کھول
احوال فراق اے قلم لکھ	گر بیٹھ نہ لکھ سکے تو کم لکھ

ابر

(ابر) منشی سید تفضل حسین نام میر مظفر علی اسیر کے شاگردوں میں تھے اس سے زیادہ حال معلوم نہیں کلام موجود ہے ٥

جس سے کہ فیض خلق کو ملتا تھا اے فلک	وہ ہاتھ خشک ہے صفتِ پشتِ خار آج
گلگشت میں جو ساتھ وہ نازک بدن نہیں	جتنے ہیں گُل نظر میں ہمارے ہیں خار آج
انساں کو ہے مصاحبِ بد سے کمال رنج	دیتا ہے پڑ کے آنکھ میں مژگاں کا بال رنج

ابر

(ابر) حکیم منشی سید علی محسن خاں نقوی خلف حکیم سید محمد نقی خاں صبر ابن سید محمد عرف میرن صاحب لکھنوی - شوق سخن ۱۸ سال کی عمر سے دامنگیر ہُوا اسلئے تکمیل علوم کی نوبت نہ آئی اسوقت ۱۹۰۸ء میں ۴۶ سال کی عمر ہے - شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو میر مرحوم کے تلمذ سے بہرہ یاب ہیں اور فی الحقیقت شاگرد رشید ہیں چنانچہ اُنکا دیوان بھی چھپوا کر حق شاگردی ادا کر دیا ہے

اسکا جلوہ وداع طاقت ہے
زندگانی تھی جس کو سمجھے موت

کس طرح سیرِ چمن سے دلِ غمگین وا ہو
تیرے ہم صدقے برہنہ پائی
مٹ بجاؤں کیوں نہ ہوجاؤں فدا

دیکھ اے ہمنشیں سنبھال ہیں
مر کے حاصل ہُوا وصال ہیں

خواہش اُس گل کی ہے مجھکو جو گلستاں میں نہیں
خارِ صحرا کے مزا دیتے ہیں
جب تجھے دیکھا تھی اک آن میں

اسلئے بند کئے آنکھ پڑے رہتے ہیں
کہ کہیں مُنہ نہ دکھائے شبِ ہجراں ہمکو

منتظر یار کی ٹھوکر کا پڑا ہوں میں تو
دیکھو اے حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھو تم مجھکو

دیکھکر اُس کو ہوئے حضرتِ موسیٰ بیخود
آنکھ آپ اُس سے ملائینگے ادھر دیکھیں تو

کعبہ کا رہا نہ دیر کا وہ
جس دل نے تمہاری آرزو کی

بتوں کو کیا فائدہ ہمکو ستا کر
کہا آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے

طلب بوسہ پہ جھنجلا کے وہ بولے آہی
کیوں اجل آئی تری کیوں تری شامت آئی

کچھ مے کشی کا ہمکو نہ چسکا تھا واعظو
خوبی یہ سارے آپ کے حسنِ بیاں کی ہے

اہلِ حرم نہ رد کئے جانے سے دَیر کے
لیجائیں گے وہیں مری مٹی جہاں کی ہے

کوئی دن کی ہے رونقِ باغِ عالم
تو کیا شاد اے باغباں ہو رہا ہے

فغانِ الم ہے یہ ہے بھول تیری
کہ مرغِ چمن نغمہ خواں ہو رہا ہے

مسلماں کعبہ سمجھے ہیں برہمن بتکدہ سمجھے
خدا جانے بنائی یار نے تربت کہاں میری

شورِ رستاخیز پامالِ خرامِ ناز ہے
فتنۂ محشر میں اسکی ٹھوکریں کھائے ہوئے

ابجدی

(ابجدی) ایک پُرانے گمنام شاعر کا تخلص ہے۔ انکا دیوان دکھنی زبان میں تھا۔ لیکن اُردو زبان سے مشابہت رکھتا تھا۔ تذکرۂ شعرائے ہند مرتبہ مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر میں ان کا حال تحریر ہے جسکا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں بقول شکسپیر یہ شاعر بمبئی کے قریب ایسے مقام میں رہتا تھا جہاں کی زبان آگرے اور دلی کی بول چال سے مشابہ ہے۔

پاک دامن ہو تو یہ خون کا دھبا کیسا
منکر قتل بھی ہوا اسکو چھڑاتے بھی نہیں

مجھ شکستہ دل کی طرز داد خواہی ہو جدا
جو صدا نکلے شکستِ رنگ سے فریاد ہو

جی لگا کر بھیر سنون گا حرمتِ مے کا بیاں
شیخ جی دو گھونٹ پی لوں میں تو پھر ارشاد ہو

شرم اے جذب محبت در تک آکر وہ پھرے
کچھ کرامت تجھ میں گر ہوتی تو آکر بیٹھتے

ان کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی یاد عہد غیر
میری خواہش بھی کوئی خواہش تھی کیونکر بیٹھتے

حلق پر تیغ ہے وہ سینے پر
قابلِ ناز گنہ گاری ہے

کہنے کو تیغ ہوائی ہے نظر
زخمِ ظالم کا مگر کاری ہے

مفت دل ملتا ہے اور اُسپر بھی
نہ پسند آئے تو ناچاری ہے

پروانہ عجز کی نہ اُنہیں التجا کی ہے
بت بے نیاز بنگئے قدرت خدا کی ہے

جائیگی جان بھی جو یہ صورت دوا کی ہے
آتا نہیں ہے اُنکا یہ آمد قضا کی ہے

نظارہ سوز ہو تو عجب کا مقام کیا
گرمی حسن دیکھتے ہو کس بلا کی ہے

کس بیکسی سے تکتے ہیں منہ داد خواہ کا
اک اک گھڑی پہاڑ اُنہیں روز جزا کی ہے

آئینہ دیکھا بڑی تم سے یہ نادانی ہوئی
شانِ یکتائی ہم آغوشِ پشیمانی ہوئی

دستِ وحشت سے اُڑیں جب پیرہن کی دھجیاں
خاکِ غربت پردہ دار شرم عریانی ہوئی

نگاہِ شوق جب حیاء بے پردہ کے ڈالی ہے
چھری چین جبین نے کھا کے بل مجھپر نکالی ہے

بوجھ تلوار کا اور تیری کمر
اُس کو تو تارِ نظر بھاری ہے

(ابر) منشی غلام دستگیر حیدرآبادی - مولانا محمد کاظم شیفتہ کے شاگرد ہیں - گو موجودہ زمانہ کے شعرا میں ہیں مگر زیادہ حال معلوم نہیں ہوا - یہ اُنکا کلام ہے ؎

آجائے جسم عاشقِ مضطر میں جاں کہیں
صاحب ہلائیے لبِ معجز بیاں کہیں +

آنکھیں گھٹائیں آبر کا دل بیقرار ہے
اب جلد پیر میکدہ کھولے دکاں کہیں

اب خدا حافظ ہے جانِ بلبلِ ناشاد کا
پتہ پتہ پر نظر ہے آج کل صیاد کی +

کئی سال سے معیار لکے اہتمام سے نکلتا ہے - جو اشعار درج کئے جاتے ہیں اُن سے خوش کلامی ٹپکتی ہے ؎

قبر میں جاتے ہیں شاید بچ کے راحت ملے
اس زمیں سے دُور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

حالت مری کہتی ہے کہ موت آئے شب ہجر
قسمت مری کہتی ہے ابھی درد جگر اور

جی بھر کے انہیں وصل میں دیکھا نہ اسی سے
جھک جائے نہ زانو پہ کہیں شرم سے سر اور

میں بھی غم دوست ہوں یہ دل بھی ہے دیوانۂ غم
نیند آجائے جو چھیڑے کوئی افسانۂ غم

دل مردہ کا ہے ہر عضو بدن ماتم دار
چار دیوار عناصر ہے عزا خانۂ غم

شمع کی خاک نہ برباد کرے باد سحر
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے پر پروانۂ غم

انکی تصویر لئے ہاتھ میں یہ کہتا ہوں
تُو نے چُپ رہ کے بنایا مجھے دیوانۂ غم

کمسن ہیں انہیں تیر لگانے کی خوشی ہے
کچھ اس سے نہیں کام یہ دل ہے کہ جگر ہے

اُن سے کہہ دو جو ہیں ہر بات سے ڈرنے والے
آپ ہٹ جائیں تو مر جائیں یہ مرنے والے

خون ناحق کا تو محشر میں کیا تھا دعوے
کیا کروں میں جو مُکر جائیں مکرنے والے

ہے زیست کی مدت کا شمار اپنے نفس پر
جب تک یہ ہوا کے ہیں برباد کریں گے

ابر

(ابر) منشی واحد علی - پیشکار مدار المہام ریاست رامپور روہیلکھنڈ - جناب امیر مینائی کے شاگردوں میں نہایت خوش مذاق - اور خوش کلام شاعر ہیں - ان کی متانت و سنجیدگی کے لحاظ سے ان کی نازک خیالی عظمت و وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے - اہل سخن ان کے کلام کی جس قدر ستائش کریں موزوں ہے طرز بیان بہت ہی دلچسپ ہے کوئی شعر لطافت و متانت سے خالی نہیں - پاکیزہ الفاظ کی تلاش اور خاص موقع و محل پر انکا برتاؤ قابلیت کے کمال کی داد دیتا ہے انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

مقبرہ پہ سر یہ لائے گی کوئی
تری زلف پیچاں پریشان ہو کر

جو ہونا تھا وہ ہو چکا وصل کی شب
پشیماں نہ کر اب پشیمان ہو کر

ہمکو اندازۂ تاخیر دعا ہے معلوم
کچھ تو ہے بات جو ہم ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں

نوارے کی زباں پہ یہ جاری ہے رات دن		سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں

اٹل) عبد الجلیل نام ۔ قوم سادات سے تھے ۔ مولف تذکرۂ شعراء ہند (مسٹر ایف فیلن صاحب نے انکو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے ۔ اور مولوی عبد الغفور نساخ نے تذکرۂ سخن شعرا میں دہلوی بیان کیا ہے ۔ جناب نساخ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ مسٹر ایف فیلن صاحب نے غالباً علامہ میر عبد الجلیل واسطی بلگرامی کے دہوکے میں ان کو بھی بلگرامی لکھدیا ۔ حالانکہ وہ جعفر زٹلی کے زمانے سے پہلے گزر چکے ہیں اور اٹل جعفر زٹلی کے شاگرد ہیں ۔ بہرحال یہ شاہجہاں آباد دہلی ہی میں رہتے تھے ۔ اور اپنے اُستاد جعفر زٹلی کے قدم بقدم تھے ۔ معمولی قابلیت کے آدمی تھے ۔ کبھی کبھی فارسی میں بھی فکر سخن کیا کرتے تھے ۔ طبیعت از حد شوخ تھی اپنے معاصرین سے اکثر اُلجھتے رہتے تھے ۔ دہلی کے رنگیلے اور بانکے نوجوانوں میں شمار کئے جاتے تھے ۔ اکثر محمد عطا بانکے سے نوک جھوک رہتی تھی ۔ اکثر مزخرفات کہا کرتے تھے ۔ ان کا جتنا کلام نظر سے گزرا اُسمیں صرف ایک شعر ان عیوب سے پاک اور صاف پایا چنانچہ سب سے اول وہی درج کیا جاتا ہے باقی چند اشعار تفریحاً ہدیۂ ناظرین ہیں ۔

زلف ہے چہرے پہ یا ہمجال ہے		جنبش ابرو ہے یا بھچال ہے
رجپوت بچۂ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج		زلفاں کج وابرو کج و مژگان خنجر دار کج
ظالم کمالے شوخ و شنگ او بے مروت پُر جفا		دستار او ٹمکدار کج زلفش عجب بل دار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہے وہ ترچھی نگاہ		گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج
این طرۂ خوش رنگ و نیرنگ کاری بر دل		گامے کج و طرہ کج و اس طرہ پر ہر تار کج
سید اٹل مقبول ہووے راجوباں ڈھول وو		ہنستے کرے گفتار کج جانے اچھی رفتار کج
دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی		روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اُچک اُچک
زلفیں لٹک کے آئیں اسطرح تجہ لگن میں		ناگن ہو کالی کالی لہراتی جوں پون میں
جوبن کے مد کے ماتے پگ دھر لچک چلے ہے		نازک کمر وہ لچکے ہر ہر قدم چلن میں

سخت جاں جیسا ہوں میں ویسا ہی قاتل نہیں زندگی میں دو اعضو کیونکر چھُوٹے گی سے کی کشتی	کسطرح نکلے وہ ارماں قتل کا جو دل میں ہے الفت بنت العنب رندوں کی آب و گِل میں ہے

(ابر) منشی بلدیو پرشاد - دربار - فتح پور ہنسوے کے رہنے والے ہیں - حضرت داغ دہلوی کے شاگرد اور مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی کے معتقد ہیں - نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

سرمگیں آنکھیں ہیں کیا جادو بھری تیغ ابرو نے کیا مجکو حلال ہے کہاں امید کی دل میں جگہ تمہیں پہ پہلے دل آیا تمہیں پہ جان جائے دو دن کی بہار ہے نو ہے	جس کو دیکھا اک نظر وہ مر گیا کون کہتا ہے قضا سے مر گیا حسرت و ارماں سے یہ گھر بھر گیا ہماری ابتدا تم ہو ہماری انتہا تم ہو بلبل کی ندا یہ چار سو ہے

(ابر) پنڈت بشن نراین صاحب در کشمیری لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا - زبان انگریزی میں ید طولے رکھتے ہیں - پولٹیکل معاملات میں ساعی جمیلہ فرمانے کے سبب ہندوستان کے ممتاز او برگزیدہ اہل الرائے مشاہیر کے طبقے میں انکا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے - انگریزی زبان میں سنجیدہ مضامین نگار ہیں اکثر اخبارات میں انکے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں علاوہ ان اوصاف کے وسیع الاخلاق - خندہ پیشانی - شیریں زبان - نیک طینت - پاک صورت ہیں بمقتضائے رنگینی طبع کبھی کبھی اپنی مادری زبان اُردوے معلیٰ میں بھی گوہر افشانی فرماتے ہیں چنانچہ مثنوی گلزار کشمیر آپ ہی کی طبعزاد ہے - مرحمت الدولہ بہار الملک حضرت حکیم لکھنوی خلف الرشید حضرت امیر مرحوم سے استفادہ کیا ہے - سن شریف اسوقت ۵۰ برس کے قریب ہے ایک غزل کے چند اشعار تیمناً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں

غنچوں کو گو زبان بھی ملی اور گُل کو گوش گُل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں زیب بدن ہو اتنی ہی جتنی ہو چاک چاک	رازِ ریاضِ دہر مگر کچھ کھلا نہیں رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں کچھ کم قبائے گُل سے ہماری قبا نہیں

منت رہیگی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا پہ ہمکو تو آرام ہو گیا

کبھو مُنہ بھی مجھے دکھائیے گا
یا یونہیں دل مرا دکھائیے گا

دل چُراتے ہی بس چُرائی آنکھ
ابھی آگے تو جی چُرائیے گا

کون ہوئے چلے ہو کس لئے دل
نام اپنا ذرا بتائیے گا

دل ہر اک سے لڑاتے پھرتے ہو
آنکھ تو ہم سے بھی لڑائیے گا

جی میں ہے کچھ ارادۂ فاسد
ٹک سمجھ کر ادھر کو آئیے گا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہی خیال رہا

شمع ساں جلتے جلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا

کون وہ ہے کہ خیر خواہی سے
حال میرا تجھے سناوے گا

دیکھیو یہ انتظار مرا
ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا

یاد رکھنا بھلا نہیں بہتر
پھر کبھو تو خدا ملاوے گا

اثر اب تو ملے ہے تو اُس سے
پر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

کچھ اور بھی شاہی کے سوا رتبہ ہے تجھے ہی
گر یوں ہیں نہیں ہے تو کوئی شاہ نہ ہوتا

خواہ بوسہ دو خواہ گالی سب
کچھ تو دل کے عوض دیا ہوتا

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا
قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

اُس سنگدل کے دل میں تو نالہ گیا نہ آہ
کیا فائدہ جو اَور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جو اُسکے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا ✦ ✦
دل میں اثر اُس کے راہ کرنا

تیرا وہ جور میرا یہ صبر
انصاف سے ٹک نگاہ کرنا

کیا لطف ہے لے کے دل مکرنا
اور اُلٹے مجھے گواہ کرنا

جی اسکے بچا خدا اگر
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

کل سے آئل گیا ہے وہ مجھ سے روٹھ کرکے		چت میرا لگ رہا ہے اُس سانورے بجن میں

اثر

(اثر) سید محمد میر- برادر خرد و شاگرد رشید خواجہ میر درد مرحوم و خلفِ اصغر خواجہ ناصر عندلیب - علوم ضروریہ و مروجہ کی تحصیل خواجہ احمد خاں سے اور نکاتِ علوم باطن و تصوف جو اس خاندان میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے اپنے برادر بزرگ سے حاصل کئے بھائی کی محبت میں چُور حسنِ عقیدت و ارادت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہانتک کہ سخن طرازی بھی اپنے برادر والا قدر کی روش پر کرتے تھے- انکے چھوٹی بحروں کے اشعار نہایت پُر اثر اور پُر لطف ہوتے تھے اور جو کچھ کہتے شگفتہ بحر میں کہتے جس سے اہل درد کے دل بھر آتے- ان کا کلام آورد سے پاک آمد سے لبریز اور عجب لطف انگیز ہے۔ تصنّع کا نام نہیں- روزمرہ کے سوا اجنبی الفاظ کا کام نہیں۔ تصوف سے خوب ماہر تھے - کلام میں محاورے کی خوش اسلوبی کا زیادہ خیال رکھتے تھے- ایک چھوٹا سا دیوان اور مثنوی **خواب و خیال** ان کی یادگار ہے- مثنوی لاجواب لکھی ہے - دیوان ابھی تک طبع نہیں ہوا مگر تلاش سے مل جاتا ہے - راقم تذکرہ کے پاس موجود ہے- غدر سے بیشتر ان کی مثنوی بہت مشہور اور جابجا موجود تھی مگر اب وہ بھی عنقا ہے - ترکمان دروازے کے باہر اپنے برادر مبرور میر درد کے پہلو بہ پہلو باوا نندہ کے تکیے میں آسودہ ہیں +

خواجہ میر درد کے عالم ضعیفی میں اُنکے ایک مرید نے عرض کی کہ دنیا دار فانی ہے اور حضرت کا وقت آخر حضور ہدایت فرمائیں کہ آپ کے بعد کسکو آپ کا جانشین اور صاحب سجادہ مانیں آپ یہ سُنکر آنسو بھر لائے اور جواباً یہ قطعہ پڑھا **قطعہ**

موت کیا ہم سے فقیروں سے تجھے لینا ہے		مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کے دلِ عالم سے		درد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

تبرکاً حضرت کے کلام کا انتخاب پیشِ کشِ ناظرین ہے +

انتخاب دیوان سید محمد میر - اثر

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا		ساقی بنیک نگاہ مرا کام ہو گیا +

تیری کیا کیا میں باتیں مانیں ہیں / تو بھی ایک بات میری مان کہیں

تھامتا ہوں اثر میں آہوں کو / جل نہ جاوے یہ آسماں کہیں

مارتی ہے یہ جی کی بے چینی / یا رب آرام دل کو ہووے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں / تو تو آوے بھی یاں پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں + / سب جہاں سے اثر کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانہ / تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری / اور اُلٹی یہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

انکے آزاد کئے ہووے گر آزاد کوئی / تو یہ صیاد بھی ہموں کو آزاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے / ایک بھی گل نے پر سنا ہی نہیں

واہ ری عقل تجھسے دشمن سے / دوستی کا گمان رکھتا ہوں

حال میرا نہ پوچھئے مجھسے / بات میری جو معتبر ہی نہیں

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر / مجھکو میری وفا ہی راس نہیں

تو ہی بہتر ہے آئینہ ہمسے / ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے / پر اثر کی ہیں تو آس نہیں

اس بیکسی میں آہ مرا تو نہیں کوئی / دل ایک ہے سو اور کے بس اپنے بس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی / فریاد ہے یہی کوئی فریادرس نہیں

تجھسے تھا جو کچھ کہ گماں سو یقیں ہوا / جو تجھسے تھا یقین سو اب اُسکا گماں نہیں

مر تو چلے کہاں تیری اب سو گزر کریں / یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات / گو ہو جہاں پہ آپ نہیں تو جہاں نہیں

یہ دولتمند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری / چھٹیں ہرگز نہ قیدِ دام سے گر لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں / آ پھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

کیوں کیا دل اُجڑا نے کا ترا کچھ وصب نرالا تھا
وگرنہ ہر طرح سے اب تلک تو میں سنبھالا تھا

ترا غم کھا گیا میرا کلیجہ دل سبھی ایک بار
ہُوا ہوگا کہاں سے سیر یہ تو اک نوالہ تھا

تیرے گھڑے کو یوں تکے ہے دل
چاند کو جوں رہے چکور لگا *

یہ خاک نشین ترے سرِ راہ جو بیٹھا
جوں نقش قدم رہی مٹا ایک نہ سر کا

دل تھا تو سبھی بات تھی اُس سے متعلق
اب نفع کی امید نہ ہے خوف ضرر کا

دام الفت میں مجھے پھنسوا دیا
دیدہ و دل آہ تم نے کیا کیا

جو کیا خوب کیا اور جو ہوگا سو قبول
تجھ سے کب ہم نے کسی بات کا تکرار کیا

عشق تیرے کا دل کو داغ لگا
دیکھ تو بھی نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا
جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا

زیست ہوتی تو تعجب تھا سے اب
مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت
واہ اپنی بنی ہے کیا قسمت

جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن
ہُوا دوست وہ بھی یا قسمت

خود فروشی میں کرے ناز نہ کیوں یارب
جنس نایاب ہے اور ہیں گے خریدار بہت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپی
کب چھپے ہے یہ مُنہ نقاب کے بیچ

تو ہی بتا بنے گی یوں ہیں بات کسطرح
بالفرض دن کٹا پہ کٹی رات کسطرح

شب نہ دو وار یوں آ زرمردہ دل ہو درد
مانوں نہ پیر تیری کرامات کسطرح

جوں گل تو ہنسے ہے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رُلا کر *

کن نے کہا اور سے نہ مل تو
پر ہم سے بھی کبھو ملا کر *

نالہ مرا نہ پہنچا ترے کان تک کبھی
جاتا ہے گو زمیں سے لے آسماں تلک

دل سے گزر کے نوبت پہونچی ہے گو کہ جاں تک
تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ہو یارب یہ امتحاں کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں

ہُوا آوارہ دشت و بیاباں دیکھیے * اپنے وہ طفل اشک جو الفت سے آنکھوں بیچ پالا تھا

مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے * پر تنگ رام کیا خدا خدا کر

کہوں کیا خدا جانتا ہے صنم
محبت تری اپنا ایمان ہے

آج ادھر کدھر کو بھول پڑے
سچ کہو کیا یہ جی میں آئی ہے

بیگانہ تو کس حساب میں ہے
رکھے نہ توقع آشنا سے

اُٹھ گیا سب جہاں سے قول و قرار
یاد وعدے کیا کرو بیٹھے

اس بحر میں جوں حباب سب کے
سر میں بھری اور ہی ہوا ہے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے
بندہ بندہ خدا خدا ہے

ہیں حیرت سے آپ ہی تجکو دیویں کیا جواب اسکا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح سے نے زندگانی کی

یارب قبول ہووے اتنی دعا تو بارے
دو نو جہاں ہارے عاشق پہ جی نہ ہارے

ہے ایک بار مرنا بر حق کسی طرح ہو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اُسکو مارے

ہم راست گو مسلماں حق ہی بتاں کہیں گے
تم بندے ہو خدا کے ہم بندے ہیں تمہارے

(اخترؔ) نواب حسین علی خاں لکھنوی خلف ارشد نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں وزیر نواب آصف الدولہ بہادر شیخ ناسخ کے شاگرد اور صاحب دیوان و مثنوی تھے۔ ۱۲۴۵ھ میں بانوے برس کی عمر پاکر وفات پائی۔ ایک مرتبہ بطریق سیر کلکتے بھی گئے تھے۔ اِن کا دیوان رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور خلاصہ کلام یہاں حاضر ہے

درس وحشت تھا یاضِ چشمِ آہو سے مجھے
گوشۂ صحرا مرا طفلی میں مکتب خانہ تھا

اُن کے غل شب تا درِ زنداں وہ آکر پھر گیا
شیونِ زنجیر بخت خواب کو افسانہ تھا

تھا آخرِ مرگ شبِ فرقت میں یہ سامانِ عشق
سینہ کوبی خلق کی شادی کا نوبت خانہ تھا

دلا سونے میں قندِ لب کا خاطر خواہ بوسہ لے
مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

اگر تصور میں وہ رشکِ مہِ کنعاں ہوتا
دل مرا یوسفِ یعقوب کا زنداں ہوتا

سیرِ گلشن میں جو اُس کی حیا آنکھیں ہو گئیں
نرگسِ بیمار کی بیمار آنکھیں ہو گئیں

کیا دیں دہن کو نقطۂ موہوم سے مثال
عنقا کا ذکر کیا کریں عنقا کے سامنے

آسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقشِ قدم نہیں ہیں یہ لوحِ مزار ہیں

نہ لگا لے گئے جہاں دل کو
آہ لیجائیے کہاں دل کو

یوں تو کیا بات ہے تری لیکن
وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو

رکھ نہ تو اب دریغ نیم نگاہ
مار مت دیکھ نیمجاں دل کو

بیگنا ہوں سے دل کو صاف کرو
نہیں تقصیر پر معاف کرو

امیدوار تیرے لبِ گور تک بھی آہ
ساتھ آرزو لے گئے بوس و کنار کی

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی

تم آ کے سیر کر جگرِ داغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

دل اپنا پڑا اُس بتِ بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

ساقی مئے جلوے سے انہیں کیجیے معمور
ہیں خالی پڑے شکل حباب آنکھوں کے پیالے

سب چلیے حوالے سے تمہارے ہو نہیں واقف
مت آئیے پر دل تو مرا کیجیے حوالے

بیکسی میں اثر یگانہ ہے
دل بھی اس کا نہیں یگانہ ہے

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے
آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

ایک دم سے لگی ہے کیا کیا کچھ
جان ہے تو جہان اپنا ہے

غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا
دشمن اپنا گمان اپنا ہے

اب غیر سے بھی تیری ملاقات رہ گئی
سچ ہے کہ وقت جاتا رہا بات رہ گئی

نہ ترا زور چلے اُس پہ نہ تجھ پاس ہے زر
کوئی آتا ہے اثر یار فقط زاری سے

کیجیے تا مہربانی ہی آ کر
مہربانی اگر نہیں آتی

دن کٹا جس طرح کٹا لیکن
رات کٹتی نظر نہیں آتی

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے
دل تجھے اعتبار آتا ہے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

سے اصلاح لیتے تھے اب عرصہ سے شعر گوئی ترک کردی ہے جب کہتے تھے اچھا کہتے تھے جناب اثر کا منتخب کلام یہ ہے ؎

جیتے تھے ہم تو کیا تھا اور اب مر گئے تو کیا
جانبازوں کو ڈر ہی نہیں مرنے سے۔ ہوا کر
وا ہوگا آخر وقت سحر باب اجابت
بھید ہے اور ہی کچھ بے خبری میں اُسکے
جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اُس سے اب جی سرد ہے
زندگی کیسی مصیبت تھی کہ اللہ کی پناہ
ہر چشم حیرتی سے رواں ہے جو سیل اشک

ہے کوئی سوگوار نہ جب غمگسار تھا
تو اک ملک الموت مجسّم شب فرقت
پر آہ کہاں صبح تلک ہم شب فرقت
یہ نہ سمجھو کہ مری آہ میں تاثیر نہیں
جو دوا سے درد تھی اب وہ ہی جی کا درد ہے
جان نکلی ہے تو اب ہوش ٹھکانے آئے
کس درجہ آج گرمیٔ بازار دید ہے

(اثر) شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب خلف الرشید مولوی سید وحید الدین خاں بہادر صدر اعلیٰ مرحوم رئیس قصبہ نیورہ ضلع پٹنہ۔ ۱۷۔ اگست ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ صوبہ بہار کے ایک ممتاز خاندان سادات میں سے ہیں سلسلۂ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے۔ اور آپ کے والد خان بہادر سید وحید الدین مغفور کا حسب سید حسن خنگ سوار تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سید فیروز جو سید ابوالفتح واسطی کے نسل سے تھے ہندوستان میں آئے آپ کے آباؤ اجداد ہمیشہ سے سرکار انگلشیہ میں مناصب جلیلہ پر ممتاز رہے ہیں۔ آپ کے والد شمس العلما سید وحید الدین خاں بہادر صدر الصدور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ ڈسٹرکٹ رجسٹرار جج خفیفہ۔ اور جسٹس آف دی پیس کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ آپ کے خاندان کے اکثر نوجوان اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور بعض بیرسٹر ہیں؛

شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب نے حسب معمول عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی علوم ریاضی و معدنیات و حیوانات۔ مناظرہ۔ فلسفہ جدیدہ و قدیمہ سے بخوبی ماہر ہیں۔ زبان انگریزی میں بھی کافی دستگاہ حاصل ہے آپ اُردو کے خوش فکر خوش گو اور باخبر شاعر ہیں۔ انگریزی

اثر

(اثر) منشی عبدالرزاق خلف منشی عبدالرحمٰن تمنا شاگرد صہبائی - پرانے دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے - بہت مدت تک مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں رہ کر زبانِ فارسی اور فنِ سخن میں کمال حاصل کیا تذکرہ گلستانِ سخن کی ترتیب کے وقت ان کا عالم جوانی تھا - کلام پاکیزہ اور پُر لطف ہے ؎

پہلو میں درد سینہ میں چاک آنکھ میں اشک
مجھ سے تو کہہ اثر کہ ترا دل لگا کہیں

تیرا ہر ایک سے ملنا بتِ وفا دشمن
کرے گا دیکھئے کس کس سے آشنا مجھکو

ہوئی بدولتِ ضعف آہ سے بھی خاطر جمع
اثر یہ جس کے کچھ اک اعتبار تھا مجھکو

خواہش ہے میرے دستِ جنوں کو بہار کی
اور آرزو ہے آبلۂ پا کو خار کی

ہوں کامیاب لعلِ لبِ یار سے عدو
حسرت نہ نکلی آہ دلِ سوگوار کی

کیا جانتا تھا وہ کہ ستم کیا ہے جور کیا
باتیں ہیں سب یہ اس دلِ الفت شعار کی

وحشت تو دیکھنے کہ پسِ مرگ بھی مرے
جنگل میں اڑتی پھرتی ہے مٹی مزار کی

تم اور عیش و بادہ و اغیار ہمنشیں
ہم اور مصیبت آہ یہ شبہائے تار کی

اے حضرتِ اثر کہیں عاشق ہیں آپ جو
یوں خاک اڑاتے پھرتے ہیں ہر کوہسار کی

میں اور یار اور شبِ ماہتاب ہے
یارب مجھے خیال ہے یا یہ کہ خواب ہے

اے چشم اسکے سامنے رو کر نہ ہو سبک
انساں کی آبرو جو ہے موتی کی آب ہے

پامال غیر ہے مری نعش اُس گلی میں آج
مر کر بھی میری خاک پہ کیا کیا عذاب ہے

عشقِ بتاں میں خاک بسر ہے تو اے اثر
دنیا خراب اور ترا دیں بھی خراب ہے

ایک دن فاتحہ پڑھتا تھا کسی قبر پہ وہ
حیلہ اک اور بھی باقی ہے - وہ مر دیکھیں گے

گر جاں کا نام آتا ہے آتی ہے قیامت
مضموں تری رفتار کا باندھا نہ کرینگے

اثر

(اثر) قاضی حاجی حب حسن بدایونی ابن قاضی غلام شہید - اصلی وطن بدایوں ہے - انکے والد عدالت شاہجہاں پور میں وکیل تھے یہ خود اوائل شباب میں شعر بھی کہتے تھے اور مذاق بدایونی

ناصح اگر ستم نہ سہیں ہم تو کیا کریں
دل دوڑتا ہے یار کی بیداد کی طرف

عدو کا رشک ہے ہنگامۂ محشر کے ساماں میں
قیامت ہے نہاں انکے تبسم ہائے پنہاں میں

اسی جادو نے اربابِ نظر کو مار رکھا ہے
کہ شوخی ہے حیا کے ساتھ انکی چشمِ فتاں میں

سبھی گل زر بکف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب
غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصلِ بہاراں میں

کیا کیوں ذکر اسکی دشنۂ خونریز مژگاں کا
چبھویا تو نے نشتر چارہ گر میری رگِ جاں میں

اسی سے پائی ہے شیرازۂ کونین نے بندش
دو عالم کی ہے جمعیت تری زلفِ پریشاں میں

جفائیں ہوتی ہیں گھٹتا ہے دم ایسا بھی ہوتا ہے
مگر ہم پر ہے جو تیرا ستم ایسا بھی ہوتا ہے

نگر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا
محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

ہمیں بزمِ عدو میں وہ بلاتے ہیں تپاک سے
کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے

کرتا ہوں عاشقی میں صنم کوہکن کا کام
کچھ کم نہیں پہاڑ سے دن انتظار کے

قیدِ ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جائیے
نکہتِ گل بنکے گلشن سے ہوا ہو جائیے

ہے پیامِ مرگ میں مضمر نویدِ زندگی
تا بقا کی شکل پیدا ہو فنا ہو جائیے

ہے دلِ بے آرزو ہونا کمالِ بندگی
بندۂ بے مدعا ہو کر فدا ہو جائیے

نقاب اُسنے جو اپنے چہرۂ روشن سے اُٹھا ہے
نمایاں نور کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے

خزانِ زندگی ہے تفرقہ اہلِ محبت کا
مزا دنیا میں جینے کا بہارِ دوستاں تک ہے

اثر

(اثر) عالیجناب مولوی خواجہ امام الدین مُحِبّ اجمیر خلف خواجہ سید منیر الدین صاحب خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری قدس السرہ العزیز کی اولاد امجاد میں سے ہیں طبیعت کو فنِ سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے اعلیٰ درجہ کے سخن فہم و قدردانِ سخن ہیں - فارسی استعداد بھی اچھی ہے - شیریں کلامی اور خوش گوئی ہر ایک شعر سے ہویدا ہے - بالفعل اپنے وطن میں عہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری پر ممتاز ہیں اور خلق و مروت و شرافت میں اپنی نظیر آپ ہیں - پچاس سال کے قریب عمر ہے اجمیر میں انکی شاعری کا بڑا شہرہ ہے - اربابِ نشاط میں اکثر غزلیں انہیں کی گائی جاتی ہیں - انتخابِ کلام ملاحظہ ہو

اشعار بھی آپ نے نظم کیے ہیں - آپ کی تصنیفات میں اکثر کتابیں موجود ہیں - کتاب مرآۃ الحکما - اور کتاب الاثمار مصنفہ شمس العلما - زبان سویڈن میں ترجمہ ہوئی ہیں اور وہ سویڈن اور ناروے کی یونیورسٹیوں میں جاری ہیں - آپ نے ایک کتاب کاشف الحقائق معروف بہ بہارستانِ سخن تصنیف کی ہے جس میں آپ نے مصری - یونانی - لاطینی - ایطالوی - جرمن - انگریزی - عربی - فارسی - اُردو - سنسکرت - بھاشا - چینی - جاپانی - اور برہما کی طرز شاعری پر ایک محققانہ دلچسپ بحث کی ہے آپ کو باایں ہمہ علم و فضل شہسواری اور صید افگنی کا بھی بہت بڑا شوق ہے - آپ کے دو صاحبزادے سید علی امام اور سید حسن امام مشہور بیرسٹر ہیں - آپ کی سکونت قصبہ نیورہ (بہار) میں ہے - اُردو کلام دیوان بھی چھپ گیا ہے - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

کیونکر نہو تی دل کو اُس دلربا کی خواہش
رہتی ہے مجکو اُسکی زلفِ دوتا کی خواہش

ظالم وہ کون دل ہے جسمیں نہیں بھری ہے
خونِ جگر جو کھا کر آسودہ ہو رہا ہو

باقی ہے روح بیشک فانی نہیں ہے ہرگز
پامال جو رہم ہیں باغِ جہاں میں ورنہ

اے شیخ و برہمن تم کچھ تو ہمیں بتاؤ
ہے موت ہی مسیحا ہے درد ہی مداوا

آغاز عشق ہی میں اے دل بیانِ مطلب
دُنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اُٹھانا

ہمنے اثرؔ سنا ہے اہلِ رضا کو کہتے

ناصح ہے سب پہ بالا رب العلا کی خواہش
خواہش بھی ایسی خواہش لے دل بلا کی خواہش

تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش
ایسے مریضِ غم کو کیا ہو غذا کی خواہش

وابستہ اِس لئے ہے اُس سے بقا کی خواہش
تیرے قدم سے نکلی کیا کیا حنا کی خواہش

کیا ہے بتوں کی خواہش کیا ہے خدا کی خواہش
تیرے مریضِ غم کو کیا ہو شفا کی خواہش

لایا زباں پہ ناداں کس انتہا کی خواہش
دل میں جنا کو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش

اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

مظلوم ہوں مگر نہیں ملتا کوئی گواہ
ناداں کہیں پناہ نہیں موت سے تجھے

ہیں اہلِ حشر اس ستم ایجاد کی طرف
کیا دیکھتا ہے قلعۂ فولاد کی طرف

آتے ہیں غیر کے گھر سے وہ لگا کر مہندی
تمہارے جاتے ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے

یہ نئی آگ لگائی ہے جلانے کے لئے
تم ایسے ہنستے ہوئے آئے تھے رُلا کے چلے

بُری بنے گی اثر دیکھنا قیامت میں
بتوں کے ساتھ اگر سامنے خدا کے چلے

اچھی صورت کے لئے چاہئے عادت اچھی
ورنہ کس کام کی اچھی سے بھی صورت اچھی

دیکھا بت خانے میں اللہ کی قدرت کا ظہور
ایک سے ایک نظر آتی ہے صورت اچھی

نقش ہو جائے جو دل میں وہی نقشہ اچھا
اپنی آنکھوں میں جو بس جائے وہ صورت اچھی

جان پر آن بنی ضبطِ محبت میں اثر
ایسی کمبخت محبت سے عداوت اچھی

خرامِ ناز سے دو گام تم جو چل جاتے
تمہارے دیکھنے والوں کے دم نکل جاتے

نہ ہوتا رشک کسی کا تو یہ بھی ممکن تھا
ترے خیال میں دو چار دن بہل جاتے

یہ دل ہی موردِ برقِ جمال ہے ورنہ
یہ آگ وہ تھی کہ جس میں پہاڑ جل جاتے

ذقن میں پڑتا جو عکس اُس جبیں کی افشاں کا
کنوئیں کی تہ میں ہزاروں چراغ جل جاتے

شرابِ عشق میں تھا جوش اس قدر ساقی
جو میں نہ پیتا تو یہ ظرف مے کے اُبل جاتے

(اثر) لالہ جے نراین ورما لکھنوی مالک رسالۂ ناول۔ پہلے صانع تخلص تھا۔ بی اے تک کیننگ کالج میں تعلیم پائی ہے عنفوانِ شباب سے کسبِ کمال اور فنِ شاعری کا شوق ہے۔ چند انگریزی ناولوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ایک دوست کی معرفت کچھ کلام ہم تک پہنچا جس کا انتخاب درجِ ذیل ہے۔ افسوس کہ عین عالمِ شباب میں بماہ مارچ ۱۹۰۸ء رہگرائے عالمِ بقا ہوئے۔ چھتیس برس کی عمر پائی ؏

آپ سن سکیئے تو سنئے داستانِ اہلِ درد
ہے زبانِ بے زبانی سے بیانِ اہلِ درد

اضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں
اے اثر ہے درد ہی آرامِ جانِ اہلِ درد

بجز دردِ غم و اندوہِ حرماں
خبر لے کون اپنی بے کسی میں

میرے سوالِ وصل پہ تم بھی تو ہاں کرو
میں تم سے دل کیواسطے کرتا نہیں نہیں

جگر کو تاکا نگہ نے تو دل فگار کیا
کسی پہ باندھا نشانہ کسی پہ وار کیا

بنا بنا کے بگاڑیں گے زلف ساری رات
وہ آ چکے شب وعدہ اگر سنگھار کیا

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ
گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

کسی کا دھیان بھی ہے کچھ کہاں گئے تھے اثر
تمھیں خبر بھی ہے کس کس نے انتظار کیا

دیکھتے ہی دیکھتے تلوار آنکھیں ہو گئیں
دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہو گئیں

عشق میں آخر کو اِن دونو پہ آفت آ گئی
دل نکما ہو گیا بیکار آنکھیں ہو گئیں

روتے روتے پڑ گئے ناسور آنکھوں میں اثر
ہوتے ہوتے زخم دامن دار آنکھیں ہو گئیں

کیا کروں شکوۂ بیداد کروں یا نہ کروں
داور حشر سے فریاد کروں یا نہ کروں

ہجر میں وصل کے آرام میں بھولوں کیونکر
شب غم عیش کے دن یاد کروں یا نہ کروں

کب تلک ضبط کئے جاؤں محبت میں اثر
دل میں ہو درد تو فریاد کروں یا نہ کروں

وہ ہمسے چُھپے ہیں ہم اِن سے چُھپے ہیں بنانیوالے بنا رہے ہیں
شکایتیں دل کی ہو رہی ہیں مزے محبت کے آ رہے ہیں

بہارِ رخسارِ عارضی سے ہے خزاں برابر لگی کھڑی ہے
جوانی دو دن کی پاہُنی ہے یہ دن کسی کے سدا رہے ہیں

معینِ ملت معینِ دیں ہو بھلے بُرے کے تمہیں دھنی ہو
تمہارے قدموں میں سر دیا ہے تمہاری بستی میں آ بسے ہیں

آپکو چاہنے والوں کی ضرورت نہ رہی
خوش رہیں آپ یہاں بھی وہ طبیعت نہ رہی

اگلی باتیں نہ رہیں تمکو وہ الفت نہ رہی
مجھکو بھی جانِ جہاں تم سے محبت نہ رہی

اے صنم تجھکو کیا یاد خدا کو بھولے
مُنہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی

دل لگانے ہی اثر تمنے تو جی چھوڑ دیا
چار ہی دن میں وہ صورت وہ شباہت نہ رہی

بے نقاب آج رخ یار ہوا جاتا ہے
دیکھئے کیا سر بازار ہوا جاتا ہے

اُنکا اقرار کے انکار کہے دیتے ہیں
اب کوئی لحظے میں انکار ہوا جاتا ہے

ذبح کرتا ہے مجھے رشک شب وصل عدو
یہی اب آپ کی تلوار ہوا جاتا ہے

غیر کیا دوست بھی سب ہیں مخالف اثر
دل بھی اب اُنکا طرفدار ہوا جاتا ہے

تڑپتا ہے مریضِ ہجر مر جائے تو اچھا ہو
تمھارے عاشقوں میں نام کر جائے تو اچھا ہو

مدتیں گزری ہیں شغلِ مے کشی چھوٹے ہوئے
وہ پڑے ہیں طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوئے

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے
بات پتے کی جو سنی کھو گئے

اور سنا اے دلِ خوابیدہ بخت
سن کے وہ افسانہ ترا سو گئے

زاہد ہمیشہ قبلے کا رخ پوچھتا پھرا
ہم بت کدے میں جب گئے بیخبر واپس گئے

زخم جگر میں یوں مرے نوکِ سناں رہے
جیسے کسی کے منہ میں کسی کی زباں رہے

پیغامبر کو آج سے موقوف ہی کریں
جو باعثِ فساد ہے کیوں درمیاں رہے

جب کہ دل ہی میں ہو موجود کسی کا جلوہ
کس لئے کوئی طوافِ حرم و دیر کرے

وائے قسمت کہ عیادت کو رقیب آتا ہے
کام جو دوست کے کرنے کا ہو وہ غیر کرے

ہم نہ توڑیں گے کبھی عہد وفا جیتے جی
بیوفائی اُسے کرنا ہے تو وہ خیر کرے

کی بھلائی جو بھلائی کے عوض میں تو کیا
بات تو جب ہے کہ تو شر کے عوض خیر کرے

اثر

(اثر) منشی حسین الدین احمد۔ اوائل مشقِ سخن میں حضرت امیر مینائی کے شاگرد جناب نعیم و جناب وسیم کو کلام دکھایا ہے۔ پھر کچھ دنوں خود حضرت امیر سے اصلاح لی۔ امیر اللغات کے دفتر میں بھی کام کرتے رہے ہیں کلام حسب ذیل ہے ؎

بُری ہوتی ہے لگن الفت کی پیارے
وہی جانے جو مبتلا ہے کسی کا

ہو گیا جا کر گرفتار آپ دلِ
یار کے گیسوئے پُرخم کیا کریں

جھوٹی باتیں ہیں تیری سحر کہ ہم
جانتے پر بھی مان لیتے ہیں

اک میں کہ جھوٹی بات کا کرتا ہوں اعتبار
اِک تم کہ سچی بات کا تم کو یقیں نہیں

پائی ہے میں نے ضبط سے رخصت کراہ کی
خیر آج تیری اے فلکِ ہفتمیں نہیں

گیا ہاتھ چھوٹ اس ادا سے کہا
کلائی مری دیکھو بل کھا گئی

پڑے ہیں جو تربت میں پھیلائے پانو
تھکے عمر بھر کے تھے نیند آ گئی

جان اک رشکِ مسیحا پہ دئے جاتے ہیں — روز مرتے ہیں مگر پھر بھی جئے جاتے ہیں

کس طرح اُن سے ہو اظہارِ تمنائے وصال — عرضِ مطلب پہ وہاں ہونٹ سئے جاتے ہیں

دے کے فقرہ کہیں چلکے کریں گے توبہ — آج میخانہ میں واعظ کو لئے جاتے ہیں

بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اثر — جام بھی پیتے ہیں توبہ بھی کئے جاتے ہیں

مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کئے ہوئے — کعبے کو جائیں یاد بتوں کی لئے ہوئے

کوچۂ یار پہ ترجیح اُسے میں دوں گا — جسنے بتخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا

زاہدا ایسی کہاں کی تری جنت آئی — عین کثرت میں نظر صورتِ وحدت آئی

اثر

(اثر) سید مخدوم عالم صاحب پیرزادہ قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ۔ حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم **مقبول** کے خلف اکبر ہیں۔ فارسی میں عمدہ قابلیت ہے۔ ذہن رسا اور خیالات عالی پائے ہیں۔ رجب سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ خود انگریزی بہت کم جانتے ہیں مگر خیالات نہایت پاکیزہ اور روشن ہیں۔ نثر اور نظم دونوں میں طرزِ بیان دلچسپ اور مرغوب ہے۔ متانت کے ساتھ طبیعت میں ظریفانہ شوخی بھری ہوئی ہے۔ انتخابِ کلام ملاحظہ ہو

دُرِ شہوار بحر کو بخشا — کوہ کو لعلِ شب چراغ دیا

زندگانی کی راہ تھی تاریک — اس لئے عقل کا چراغ دیا

ہے تعجب کہ دے دیا سب کچھ — لیکن اپنا نہ کچھ سراغ دیا

اب تو کعبہ بھی رہ گیا پیچھے — گھر ترا کتنی دور ہے یارب

رباعی در تعریف انبہ

میووں میں اثر قابلِ تعظیم ہے آم — فردوس میں ہم مشربِ تسنیم ہے آم

ہے آم کا نام اسپنے اسلام پہ دال — اللہ و محمد کا الف میم ہے آم

واعظ کبھی سے کھاتے ہیں ہو گا نہ گزر کیا — جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

قفس سے اب کہاں جائے گی بلبل — کترتا ہے عبث اے باغباں پر

چھپے بیٹھے ہیں بھلا سر کو اٹھائیں کیونکر — دل چرائے ہیں وہ آنکھیں نہ چرائیں کیونکر

(اثر) شیخ فیض الدین - احسان شاہجہاں پوری کے شاگرد ہیں ؎

کہتے ہیں کام ہمارا ہے جلانا دل کا — ایسے بے درد پر اچھا تھا نہ آنا دل کا

شکوۂ جور و ستم سن وہ کہتے ہیں اثر — ہاں جی ہاں ہمکو تو آتا ہے ستانا دل کا

یہی تا مٹ گیا نام محبت — ملا کر خاک میں تجھکو ملا کیا

اثر پچھتاؤ گے دیکھو نہ دو دل — جفا کاروں سے امید وفا کیا

ہزار وعدے کئے ایک بھی وفا نہ کیا — تمہارے قول کا کس طرح اعتبار آئے

(اثر) موسیٰ سید جلال الدین نظاری ساکن حیدرآباد دکن ؎

تم آؤ تو آباد ہو ویرانہ کسیکا — تم جاؤ تو گلشن بنے کاشانہ کسیکا

لنڈھا دے خم کے خم محفل میں پیارے — تہی میخانہ ہو خالی سبو ہو

وہ مے جسکی ہوس رہجائے ساقی — وہ مے پھر جسکی دل میں آرزو ہو

وہ مے جس سے طبیعت ہو شگفتہ — وہ مے جس سے ترقی اور نمو ہو

وہ مے جس سے مضامیں مجکو سوجھیں — رواں طبع رواں جوں آبجو ہو

(اثر) منشی محمد حبیب الحق واصل باقی نویس تحصیل ملہارگڑھ علاقہ ریاست جاورہ - قمر گلشن آبادی کے شاگرد ہیں - حال کے نومشق شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں یہ انکا کلام ہے ؎

مجھسے اور ترک عشق اے ناصح — توبہ توبہ یہ کیا خیال ہوا

ملتا نہیں کفن میں مرا جسم ناتواں — منکر نکیر ڈھونڈ رہے ہیں مزار میں

زاہد تو بے خبر ہے رہ عشق سے ابھی — ناداں بڑا مزا ہے حسینوں کے پیار میں

ہرگز وہ جام کوثر و تسنیم میں نہیں — زاہد جو کچھ مزا ہے مئے خوشگوار میں

حوصلہ کتنا ہے غم سے دل لگی ہوتی نہیں — اے فلک کچھ اور دے دلبستگی ہوتی نہیں

ہُوا عاشق اس بے وفا پر آثر	ترے دل میں کمبخت کیا آگئی

اثر

(اثر) مولوی افتخار علی - موضع گنور نواح بدایوں کے رہنے والے ہیں مولوی محمد حسن شوکت میرٹھی کے شاگرد ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں چند شعر درج تذکرہ ہیں ؎

قیامت اپنے قامت سے تو ہر لحظہ دکھاتے ہو	دکھاتا زلف عارض کا یہ یکبار روز و شب کیسا
دسترس ہو تو ابھی چوم لوں دستِ قاتل	کس صفائی سے اُڑایا ہے نشانہ دل کا
بتو نکلے غم میں چشمِ تر سے یاں تیھر برستے ہیں	ہمیں کیا ابرِ نیساں سے اگر گوہر برستے ہیں
سوز دل نے آثر دکھایا رنگ	آہ جو آئی شعلہ بار آئی

اثر

(اثر) حکیم محمد مہدی لکھنوی - عظیم آباد میں رہتے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

تیرِ قاتل نہ تھی یہ تجھ سے امید	ہائے تو بھی تو ہو گیا دل کا
ہیں کچھ نہ کچھ تو تیر میں قاتل کی شوخیاں	بیچین جس سے دل ہے جگر بیقرار ہے
نکلا جو بیکدے سے تو بوتل بغل میں تھی	سُنتے تھے ہم آثر کو کہ پرہیز گار ہے
چال اُس غارتگرِ دیں کی عجب مستانہ ہے	شیخ از خود رفتہ ہے اور برہمن دیوانہ ہے
سُن کے وہ مجھ سے سوالِ وصل کس انداز سے	سر جھکا کر مسکرا کر بولے کچھ دیوانہ ہے
نہیں ہم کو گوارا آپ کی اکرام کی بھی ذِلت	چلے جاؤ یہ کیونکر آپ کے مُنہ سے نکلتا ہے
اُس نے جب قصد کیا صبح کو چلنے کے لئے	مستعد جاں بھی ہوئی تن سے نکلنے کے لئے

اثر

(اثر) منشی الٰہی بخش سوداگر مقیم ریاست ریواں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے - شاید آلہی بھی انہیں کا تخلص ہے - کلام یہ ہے ؎

عبث ہے بیانِ غم و رنج و ذلت	سُنے جب نہ کوئی فسانہ کسی کا
گالیاں دینے لگا وہ بت لبِ جاں بخش سے	اب ہمارے واسطے آبِ بقا بھی سم ہُوا
مرا دل لوٹ ہے کوئے بتاں پر	تصدق شیخ جی باغِ جناں پر
گرے کیوں طورِ عزت کھا کے موسیٰ	کوئی پوچھے تو کیا دیکھا وہاں پر

اوائل میں حضرت داغ مرحوم سے مشورہ تھا - ۲۲-۲۳-برس کی عمر اور نوابانہ طبیعت سے ایشیائی رئیس زادوں کی طرح عیش دوست اور رنگین مزاج ہیں کلام گلدستہ ریاضِ سخن میں جو احسن مارہروی کے اہتمام سے نکلتا تھا دیکھا گیا - وہ انتخاباً درج تذکرہ ہے ؎

گئے صبح کو وہ مری جان ہو کر　　جو آئے تھے کل شب کو مہمان ہو کر
بلا کی ہیں زلفیں تری کالی کالی　　غضب ڈھا رہی ہیں پریشان ہو کر
جدائی کے غم میں مروں میں نہ کیونکر　　رہو دور مجھ سے مری جان ہو کر
ادھر دیکھئے آپ کیوں جھینپتے ہیں　　گئے تھے کہاں شب کو مہمان ہو کر
بتاؤ ہمیں کس پہ مرتے ہو صاحب　　**اثر** پوچھتے ہیں وہ انجان ہو کر

تھم گئے وہ بھی تماشہ کی غرض سے دم بھر　　کام نکلا دلِ ناداں کے مچل جانے سے
جب آتا ہے کبھی ذکر وفا وہ ٹال دیتے ہیں　　سمجھ جاتے ہیں اب میری شکایت ہونیوالی ہے
ابھرنے والی سب چیزیں ابھر آئینگی سب ظالم　　جوانی آنے والی ہے قیامت آنے والی ہے
لطف دے جائیگی مری داستاں　　ترے دل میں درد ہونا چاہئے

اثر

(**اثر**) مرزا احمد شاہ مالک نیرنگ ؎

ہم حشر کے دن ڈھونڈ نکالیں گے کسی کو　　قاتل جو ہمارا ہے نہاں ہو نہیں سکتا
ابھی وہ سن ہے کہ آنکھیں ملاتے بھی نہیں　　دل چرانا تو کجا آنکھ چراتے بھی نہیں

اثر

(**اثر**) منشی رادھے لال صاحب رئیس فرخ آباد - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

جو مجھ پر مہرباں اپنے کرم سے یار ہو جاتا　　تو دریائے الم سے میرا بیڑا پار ہو جاتا
اگر آنکھیں لڑاتا کوئی عاشق فرطِ الفت سے　　ترا تیرِ نظر اسکے جگر کے پار ہو جاتا
عجب کیا تھا عیادت کے لئے گر تم چلے آتے　　کوئی حیلہ جو بن پڑتا تو میں بیمار ہو جاتا
جمالِ یار کی عالم میں شہرت ہونے والی ہے　　خرامِ ناز سے برپا قیامت ہونیوالی ہے
ابھی واقف نہیں ناز و ادا سے وہ کمسن ہے　　جوانی میں اسی قد سے قیامت ہونے والی ہے

اثر

(اثرؔ) مرزا احمد اللہ بیگ حیدرآبادی - خلف ذوالفقار علی شاہ سجادہ حسینی علم - آغا شاعر قزلباش دہلوی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں ؎

فصلِ گل تو جا چکی کمبخت چھٹ کر کیا کرے	تھی رہائی بھی اسیری بلبلِ ناشاد کی +
پاؤں سے مرے دل کو نہ مل اے بتِ کافر	اللہ کا گھر ہے ارے اللہ کا گھر ہے

اثر

(اثرؔ) منشی اصطفےٰ خاں لکھنوی - منشی محمد افتخار علی جگر بسوانی کے شاگرد اور نومشق شاعر ہیں یہ اُنکا کلام ہے ؎

ملے گا اور کہاں انکو اسقدر آرام مئے طہور مبارک ہو زاہد و تم کو یہ ڈرتے ہیں نہ تمنا بھی انکی ہو مجروح	غم و ملال مرے دل سے جا نہیں سکتے زباں سے کہتے ہو تسکین پا نہیں سکتے وہ تیر دل پہ ہمارے لگا نہیں سکتے
لبوں پہ دم بھی جو اے شوخ تند خو آئے سوال وصل پہ تیوری چڑھا کے کہتے ہیں	مریضِ غم کو نہ تسکین دینے تو آئے اب آج سے نہ کبھی ایسی گفتگو آئے

اثر

(اثرؔ) سید ظفر حسن خاں بی اے خلف سید دیوان محمد آزیری مجسٹریٹ سرسہ ضلع حصار - نومشق شاعروں میں اور آغا شاعر دہلوی کے شاگردوں میں ہیں علیگڈھ کالج میں تعلیم پائی ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

اُف رے بے رحمیاں قاتل نمک افشاں نہ ہوا ہونٹ سی دینا اگر نالہ و فریاد کریں ذبح کرنے لگے کیوں اُلٹی چھری سے ہم کو محوِ آرائشِ جلوہ گہ سینا ہوں میں جانِ آنکھوں میں نظر دریہ تمنا دل میں +	بجھ گئے زخم ترے سامنے دامن ہو کر ہے قسم آپ نہ جی بھر کے جو بیداد کریں ایسی بے دردیاں اور تمسے پریزاد کریں جلد آئینۂ رخسار دکھائے کوئی + اب تو دم بھر کو خدا کے لئے آئے کوئی +

اثر

(اثرؔ) نواب عبد الجلیل خاں رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ خلف اصغر نواب عبد الشکور خاں صاحب شروانی - مولوی حبیب الرحمان خاں صاحب حسرت شروانی کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں -

مٹتا ہے کوئی دل سے ترا نقش محبت ... یہ نام تو کندہ ہے عقیقِ یمنی میں +
تم ظلم سے خوش ہو مجھے مطلب ہے خوشی سے ... کیجے نہ کمی کچھ مری خاطر شکنی میں

رکھے خدا پناہ میں بندہ کو چاہ سے ... نکلے لبِ شرر نہ بتوں کے الفت کی راہ سے
شوخی ٹپک رہی ہے سراسر نگاہ سے ... بجلی کہیں گرے نہ تری جلوہ گاہ سے
خالی ہوا نہ دل یہ حسینوں کی چاہ سے ... اٹھا بتوں کا دخل نہ بیتِ الٰہ سے
میں اور عشق حور رقیبوں کے شر سے یہ ... وہم غلط ہے آپ کو اس خیر خواہ سے
اب حشر بھی اٹھا ہے تو اٹھنا محال ہے ... ایسا گرایا آپ نے مجکو نگاہ سے
اُن کی نزاکتوں نے یہ کیسا ستم کیا + ... ناکام پھر کے جاتے ہیں ہم قتل گاہ سے
یکسر چراغِ گورِ غریباں بجھا دیئے ... کیسی ہوا چلی ہے بختِ سیاہ سے
اپنی تو سجدہ گہ ہے درِ پیرِ مے فروش ... دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے
ہوتی ہے بعد رنج کے راحت مگر اثیم ... یوسف عزیز مصر ہوئے گر کے چاہ سے

(اثیم) حافظ شیخ محمد ابراہیم خلف حافظ محمد باقر علی آنریری مجسٹریٹ و رئیس کانپور۔ عنفوان شباب سے شاعری کا شوق دامنگیر ہے اور اُسمیں حضرت آہ لکھنوی سے مشورہ کرتے ہیں۔ ایک بیاض کلام شعرا موسوم بہ ترانۂ عشاق سنہ ۱۳۱۷ھ میں شائع کر چکے ہیں اُسمیں بعض اساتذہ کے کلام کے ساتھ ہی اپنا کلام بھی درج کیا ہے جسے بہ نظرِ انتخاب معائنہ کیا تو بمشکل یہ چند شعر قابلِ اندراج نظر آئے ؎

آپ جاتے ہیں تو اچھا جایئے ... زہر منگوا کر ابھی کھاتے ہیں ہم
سچ ہے کسیکو چاہتے میرے سوا نہیں ... تہمت ہے۔ تمکو غیر کی الفت ذرا نہیں

جو حال زار ہے میرا وہ آکے دیکھ لو تم ... بیان کی کوئی حاجت نہیں عیاں کے لئے
غضب کی لاگ تھی بجلی نے وہ بھی پھونک دئے ... جو تنکے چُن کے کئے جمع آشیاں کے لئے

تڑپنے پر مرے وہ شوخ بولا ... دکھاؤ درد تو مجکو کہاں ہے

اثر

(**اثر**) خواجہ حسین خاں صاحب امیر مینائی کے جانشین منشی جلیل حسن کے شاگرد اور خوش کلام سخنور ہیں ؎

دل سے تا مرگ جدا یار کا پیکاں نہ ہوا
یہ بھی کوئی مری حسرت ہوئی مہماں نہ ہوا

جان دی رنج میں پر عیش کا خواہاں نہ ہوا
درد میرا کبھی منت کش درماں نہ ہوا

ایک بوسے پہ جتاتے ہو ہزاروں احساں
دے دیا ہمنے جو دل یہ کوئی احساں نہ ہوا

اپنی آہوں سے جو امید رسائی ہوتی
ہمنے کیا جانئے کیا آگ لگائی ہوتی

مئے اطہر کی بہت آپ لیا کرتے ہیں
شیخ جی یاروں کو اک دن تو پلائی ہوتی

وہ دوا ہائے بجز موت کے کچھ اور نہیں
جسیں بیمار محبت کی شفا رکھی ہے

اثیم

(**اثیم**) منشی محمد علی باشندۂ گورکھپور ۱۲۸۳ء میں گورکھپور کی عدالت میں ڈگری نویس تھے۔ کئی سال بعد بنارس میں منصفی کے عہدے پر ممتاز ہوئے۔ عبدالرؤف شعور سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ معدن الحکمت اِن کی یادگار ہے۔ تذکرۂ گلدستۂ نازنیناں سے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

دم خنجر میں اگر اُسکے دم عیسیٰ ہے
خضر کیوں کر نہ بھلا کُشتۂ خنجر ہو گا

دیکھ اُس دستِ حنائی کو منجم نے کہا
خون عشاق کا اِن ہاتھوں سے اکثر ہو گا

خدا جانے اسے منظور ہے کس کس کی بربادی
بنایا ہے جو گھر صیاد نے اپنا گلستاں میں

صدائے شیونِ زنجیر سے معلوم ہوتا ہے
تڑپ کر مر گیا شاید کوئی محبوس زنداں میں

اثیم

(**اثیم**) خواجہ عبدالرحیم خاں رئیس ڈھاکہ۔ نواب ڈھاکہ کے خاندان سے ہیں۔ اور سید ظہیرالدین صاحب ظہیر دہلوی کے شاگرد ہیں زبان اور بندشِ الفاظ عمدہ ہے نوشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ؎

تھی الفت شیریں میں مگر نزع کی تلخی
فرہاد گیا جان سے اُس کوہکنی میں

تجھ سے تو زیادہ ترے انداز ہیں قاتل
ہیرے میں نہیں زہر ہے جو ہیرے کی کنی میں

جو لطف خلش ہے تری مژگاں میں کماندار
پیکاں میں یہ لذت ہے نہ برچھی کی انی میں

ہنسی معشوق کی ہوتی ہے وجہ گریۂ عاشق
چمن میں خندۂ گل سے ہے بس نالہ عنادل کا

جو غافل ہیں انہیں راحت کی فکر اصلا نہیں ہوتی
خیالِ عیش رکھنا ہر گھڑی ہے کام کاہل کا

ترا نقشہ بنا کر صانعِ قدرت نے فرمایا
بناؤں گا نہ اب میں دوسرا تیرے مقابل کا

طوافِ کعبۂ رخ ہو چکا بس اب یہ باقی ہے
بجائے سنگ اسود بوسہ لوں رخسار کے تل کا

قاصد کو موت کوچۂ جاناں میں آگئی
میں منتظر ہی بیٹھا ہوں خط کے جواب کا

زاہد تو اُسکے کوچے میں مے پی لے میرے ساتھ
جنت میں کیا حرام ہے پینا شراب کا

اللہ رے اسیریِ بلبل کا انتظام
صیاد عطر مل کے چلا ہے گلاب کا

روشنی ہے در و دیوار پہ پھیلی ہر سو
چاندنی گھر میں ہے اک ماہ لقا سے پیدا

وہ کہتے ہیں تمہارا کیا گیا سودائے الفت میں
مجھے اِس پردے میں رسوائے خاص و عام ہونا تھا

اللہ رے شوقِ قتل کہ کہتا ہوں بار بار
پھر جائے مجھ پہ خنجرِ قاتل کسی طرح

کیا جانئے کہ کیا ہے جو پہلو میں ایک دم
حرکت نہیں ہے آج مرا دل کسی طرح

جو پوچھا میں نے کہاں اتنے دنوں تو ہنس کے فرمایا
کسی کمبخت کے دل میں تھے اب تک مدعا ہو کر

مجھے مسجد میں جاتے دیکھکر بولے ادھر آؤ
خدا کو بھی دکھا دینگے کبھی شانِ خدا ہو کر

حسینوں کو محبت بھی ہو تو سمجھو کہ آفت ہے
وفا آخر کو ان کی رنگ لاتی ہے جفا ہو کر

کہیں لیلیٰ کی صورت جلوہ آرا ہے نہاں ہو کر
کہیں رسوائے عالم صورتِ مجنوں عیاں ہو کر

کہیں تو قاتلِ عالم نظر آتا ہے عالم میں
پھڑکتا ہے کہیں بسمل کی صورت نیم جاں ہو کر

کبھی تو بتکدے میں صورتِ ناقوس ہے نالاں
کبھی مسجد میں بول اُٹھا مؤذن کی اذاں ہو کر

تھی تمنا اُڑ کے دامن سے لپٹ جاتی یہ خاک
وہ اگر آتے کبھی گورِ غریباں کی طرف

سحر کیا جانئے قاتل نے کیا ہے ہم پر
دم نکلتا ہے مگر کہتے ہیں قاتل قاتل +

اتنی فرصت دے ہمیں جلدی نہ کر تو قتل میں
دیکھ لیں دم بھر نظر بھر کر اُسے جلاد ہم

کیا قتل ایک عالم کو ولیکن وائے بیدردی
نہ دیکھا مڑ کے تو نے کس طرح بسمل تڑپتے ہیں

بوسے اتنے لئے کہ وہ بولے — پیار کی کوئی انتہا بھی ہے

احد

(احد) مولوی حکیم عبدالاحد صاحب مدرس اوّل عربی مدرسہ مرزا پور۔ آپ کے صاحب استعداد اور باکمال ہونے میں شبہہ نہیں باوجود مشاغل علمی (آپ واعظ بھی ہیں اور طبیب بھی) شعرگوئی سے رغبت رکھتے ہیں۔ ۳۳-۳۴ برس کی عمر تک فنون عربیہ۔ منطق۔ فلسفہ وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ استعارہ اور تشبیہ سے طبیعت کو ایک خاص لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ خیال کی بلندی اور بندش کی چستی مزید برآں ہے۔ زبان بھی بُری نہیں۔ ہمنے سرسری نگاہ سے جسقدر اشعار آپکے مطبوعہ دیوان میں اپنے مذاق کے مطابق پائے تذکرہ میں درج کردئے ھ

لکھوں دیواں میں گر کچھ قصہ طولِ زلفِ جاناں کا — ازل مطلع ہو دیواں کا ابد مقطع ہو دیواں کا

جو شب کو میرے ماتم کے لئے منہ کھول کر آیا — ہوا روشن چراغِ آرزو شہرِ خموشاں کا

لبِ جاں بخش کی سرخی کا عالم دیکھ اے جاں — ہُوا جاتا ہے ٹکڑے ٹکڑے دل لعلِ بدخشاں کا

چھپانے سے نہیں چھپنے کا قاتل خونِ ناحق یہ — شہادت نامہ ہے دامن ترا خونِ شہیداں کا

بہارِ گلشنِ فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں — اٹھا دیتے ہو پردہ جس گھڑی رخسارِ تاباں کا

نمک پاشی کا زخموں پر مرے جب قصد کرتے ہو — خوشی منہ چومتی ہے ہنسکے اپنے زخمِ خنداں کا

جلوۂ رخ سے کیا گھر بیخودی نے آنکھ میں — جب اُٹھا پردہ اُدھر تو پھر ادھر پردہ ہُوا

جان کے جانے کی کچھ پروا نہیں پر غم یہ ہے — دامنِ قاتل پہ میرے خون کا دھبا ہُوا

کُشتۂ تیرِ نگاہِ ناز مدفوں ہو گیا — اب تو دل او کاوشِ مژگاں ترا ٹھنڈا ہُوا

رہتا ہے بے چین مدت تک تعلق دل کا بھی — غیر کے پہلو میں بیٹھے درد یاں پیدا ہُوا

مرگیا عاشق تمہارا ہو گیا قصہ تمام — آرزوئے وصل کا بھی آج منہ کالا ہُوا

سوئے مہ گر ہوا ایما خنجرِ ابروئے قاتل کا — نظر آئے فلک پر بھی تماشا رقصِ بسمل کا

لگا یا اپنے سینے سے اٹھا کر اسکو قاتل نے — تڑپ کر جا پڑا قدموں پہ جب سر اُسکے بسمل کا

خدا کا شکر اب تک کمالِ حسن ہے ورنہ — کمال اک شب فقط رہتا ہے حالِ ماہِ کامل کا

کر دیتے تھے - استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ پوری پوری غزلیں اور مختلف اشعار شعرا معہ تخلص نوک زبان تھے - اپنے دیوان اور مثنوی میں بھی کئی جگہ کسی غیر معمولی حرکت یا ترکیب الفاظ کی سند میں آپ نے کئی کئی شعر حاشیے پر لکھدئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اعتراض کی گنجائش نرہے - ایک مرتبہ حضرت شاہ عالم بادشاہ کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" پر آپ نے فی البدیہہ یہ مصرع چسپاں کیا ع نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں + اور پھر حضور کی فرمائش سے اسی زمین کی غزل کے بہت سے شعر اس طرح سنادئے گویا گھر سے یاد کرکے آئے تھے - اُسی صحبت میں کسی نے "وقت سحرگاہ" کی ترکیب پر شبہہ ظاہر کیا اور لفظ گاہ کے ساتھ وقت کو فضول و زائد قرار دیا آپ نے فوراً مرزا صائب کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد	خواب در وقتِ سحرگاہ گراں می گردد

قلعہ معلیٰ کے قریباً تمام شاہزادے اور دہلی کے اکثر امیرزادے آپکی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور حضرت شاہ علم تو آپ کے حال پر خاص نظر عنایت فرماتے تھے - مجلس خاص کے وقت جس میں گنتی کے آدمیوں کو بار ملتا تھا آپ اکثر موجود ہوتے تھے - بادشاہ اِن کے اشعار بڑے شوق اور رغبت سے سُنا کرتے تھے - حضرت اکبر شاہ ثانی کے حضور میں بارہا آپکے اور شاہ نصیر کے مطارحات ہوئے اور اس پر بھی دربار شاہی میں آپ کی عزت برقرار رہی - باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے طبیعت شاعرانہ اور رنگین عطا فرمائی تھی مگر اس پر بھی آپکو زمانہ کی ہوا نہ لگنے دی اور حافظِ قرآن ہونے کا پورا پورا لحاظ رکھا - چنانچہ شاہ نصیر نے بھی ایک مرتبہ کسی بات پر بگڑکر حافظ قرآن ہونے پر اسطرح چوٹ کی تھی ؎

اے خالِ رخِ یار تجھے ٹھیک بناتا	پر چھوڑ دیا حافظِ قرآن سمجھکر

علوم متداولہ اور فنونِ نفیسہ میں کامل دستگاہ تھی اپنے زمانے کے اُستادوں میں شمار ہوتے تھے - بڑی عمر ہونے کی وجہ سے اگر ایک طرف جرأت - انشا مصحفی اور نصیر کے ہم آہنگ

کعبہ سمجھ کے توڑتے ہیں دل کو اور بھی
فتنۂ حشر کو بیدار کروں یا نہ کروں

قبر کو میری یہ ٹھکرا کے لگا کہنے وہ شوخ
سچ تو یہ ہے بتوں کو خدا کا بھی ڈر نہیں

بیکسی و نامرادی ساتھ اب چھوڑیں گی کیا
شامِ غربت میں گئی صبحِ وطن کی آرزو

صدا ہے دردناک ایسی ہمارے شورِ شیون کی
بیانِ دوست کیا بھاتی چلی جاتی ہے دشمن کی

تیغِ نگہِ ناز نے کشتہ کیا سب کو
عالم میں ہر طرف کہ نمودِ گدائی ہے نظر کی

چھوڑ کر عشقِ بتاں کو اے احسن
کعبے کو بت خانے سے کیونکر چلے

کیا بدنام مجھکو مار ا تو نے
قضا رو کر یہ کہتی ہے او اسے

جب دونوں کی خلقت ہوئی اِک کن کی صدا سے
پھر شیخ میں ہے کیا جو برہمن میں نہیں ہے

وہی فضلِ الٰہی ہے شریکِ مہرباں ہر دم
وہی بخشش وہی رحمت جو آگے تھی سو اب بھی ہے

بے خودی میں اس قدر محوِ جمالِ یار ہوں
جس طرف دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

کہتے ہیں وہ کہ میری بلا بھی نہ آئیگی
کیا وہ نہ آئیں گے تو قضا بھی نہ آئیگی

احسان - شاعر خوش کلام سخن ور عالی مقام حافظ عبدالرحمٰن خاں خلف حافظ غلام رسول خاں شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استادِ سلاطینِ زمن کے لقب سے مشہور اور شعرائے پائے تخت میں ممتاز و سر بلند تھے۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر مولف تذکرہ گلستانِ سخن پہلے انہیں کے شاگرد تھے۔ مشقِ سخن کمال کو پہنچی ہوئی تھی ستر برس کا ملکہ تھا جملہ اصنافِ سخن پر قادر اور فارسی و ریختہ دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ مگر طبیعت اُردو کی جانب زیادہ مائل تھی۔ چنانچہ اپنے ایک شاگرد کو اُردو میں غزل کہنے کا شوق دلانے کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی است"، بایں ہمہ فارسی کی زبردست استعداد رکھتے تھے۔ اساتذۂ فارس کے ہزاروں شعر آپ کو زبانی یاد تھے اور جب کوئی آپ کے شعر میں کسی لفظ یا ترکیب پر اعتراض کرتا تھا آپ تڑاق سے سند میں اُستادوں کا کلام پیش

اور اُن سے اُس زمانے کے بعض تاریخی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کا کلیات اب عنقا کا حکم رکھتا ہے بڑی تلاش و جستجو سے ایک قلمی کلیات جو ضخامت میں تیس جزو کے قریب ہے دستیاب ہُوا ہے دیوان کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا بھی بہت عمدہ لکھی ہے۔ یوں شاگرد تو سیکڑوں تھے لیکن اِن سب میں صرف مرزا ثابت اور مرزا صابر نے اُستادی کا درجہ حاصل کیا۔ ایام ضعیفی میں بھی شوقِ سخن کا یہ عالم تھا کہ کوئی مشاعرہ ناغہ نہوتا تھا۔ نواب اعتماد الدولہ سید فضل علیخاں دہلوی کی وزارت میں ایک مرتبہ لکھنؤ بھی گئے مگر وہاں انکے کمال کی جیسا چاہیے قدر دانی نہوئی آخر کار بچاشی برس کی عمر ۱۲۶۱ھ ہجری میں رحلت فرمائے عالمِ بقا ہوئے مرزا صابر نے تاریخ وصال اسطرح موزوں فرمائی ؎

عین ہنگامِ الم میں صابرِ دلگیر نے کی رقم اُس معدنِ احساں کی تاریخِ وفات	اپنے دل کو تھام کر با صد غم و با صد بکا دل گیا میرا آہ جیب عالم سے احساں اُٹھ گیا

مولوی عنایت الرحمٰن خاں مرحوم سابق ڈائرکٹر سرشتہ تعلیم حیدر آباد دکن اور مولوی احسان الرحمٰن خاں رئیس دہلی انکے پوتے ہیں۔ مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے خان بہادر غلام محمد حسین خاں دہلی میں میونسپل کمشنر ہیں اور اُنکے چھوٹے بھائی ابوالحسن خاں صاحب منصفی کے عہدے پر ممتاز ور راقم تذکرہ کے کرمفرما ہیں لال کنوئیں کے بازار میں انکی بنائی ہوئی ایک عالیشان حویلی اب تک موجود ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

ہوں شہِ ہند کا اُستاد یہ ہے فخر مجھے عرضِ غمّاز پذیرا جو ہوئی حق میں مرے حکم والا یہ ہُوا قلعے میں احسان نہو اے شہنشاہِ جہاں قدر شناسِ احساں شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو قاضی میں گنگوں کی حرمت ہے کتابوں میں	قطعہ	شہرہ میرا تو شہا تا شہرِ ایران گیا کیا گیا میرا اگر اُسکا ہی ایمان گیا سُن کے اس بات کو اک شہر کا اوسان گیا خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا لیکن ہے بڑی ذلت رشوت کا بچا جانا

تھے تو دوسری جانب ذوق - ممنون - مومن - اور غالب کے ہم عصر تھے - چنانچہ انکے کلیات میں ان سب اساتذہ مذکورہ کی ہم طرح غزلیں موجود ہیں - آپ کی اُستادی میں کچھ کلام نہیں - زبان کی صفائی - الفاظ کی شستگی اور برجستگی میں آپ نے بڑی کدوکاوش کی جہانتک بنا مغلق الفاظ پیچیدہ تراکیب وتکرار اضافت کو پاس نہ آنے دیا - ہاں رعایت لفظی ومعنوی سے منہ نہ موڑا تاہم طرز بیان نہایت صاف - سہل اور بے تکلف ہے - ابوظفر سراج الدین بادشاہ خاتم سلطنت مغلیہ نے ہمیشہ آپکی عزت وتوقیر فرمائی اور حضرت احسان کو تازیست وظیفہ شاہی کے احسان سے سبکدوش نہونے دیا جب اتفاق ایک مرتبہ وظیفہ میں کچھ دیر ہوئی تو آپ نے عین شکار ماہی کے موقع پر یہ قطعہ فی البدیہ لکھکر پیش کیا ؎

صید ماہی وصید دل شاہا	خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا	یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے	وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب
اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے	صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

اسی طرح ایک اور مرتبہ تنخواہ رُک جانے کی شکایت میں ایک طویل قطعہ موزوں فرماکر حضور شاہی میں گزرانا تھا جسکی وہی زمین ہے جو مرزا غالب کے اس مشہور قطعہ کی ہے ؎

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک	خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

اس قطعہ میں حضرت احسان نے کہاردں - بنیئے اور بنئینی کی گفتگو بڑی لطیف ومعنی خیز بیان کی ہے عجب نہیں جو مرزا غالب کو اس زمین کا خیال احسان ہی کے قطعے سے پیدا ہوا ہو +

علی ہذا ایک اور مزے دار قطعہ جسے ہمنے انتخابیہ کلام کے شروع میں ہدیۂ ناظرین کیا ہے آپ نے حضرت اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں اُس موقع پر پیش کرایا تھا کہ دشمنوں نے انکی طرف سے کان بھر کر قلعہ معلی میں آمدرفت سلام ومجرا سب بند کرادیا تھا +

آپ کے کلام میں عاشقانہ رنگ خوب ہوتا ہے اکثر قطعے بڑے لطیف اور مزیدار لکھے ہیں

ہماری جان پہ گرتی ہے برقِ غم ظالم
ہماری چھاتی پہ پھرتا ہے سانپ سا احساںؔ

تجھے تو سہل سا ہے شغل مُسکرانے کا
وہاں ہے شغل اُسے زلف کے بنانے کا

۴

سے خوشی آجا کہ بھٹیری رخصت غم آج ہے
تڑپا جو میں تو برقِ فلک ناز نے کہا
جب کہ تجھا صنم اے بت ہو میسر تنہا
مارا خیالِ زلف نے دل پر جو دام رات
دم کھنچا آتا ہے ساتھ اسکے مرا اے ہمدم

غم سے تجھے رخصت کہ لایا ابر پیغام شراب
اللہ رے مشتِ خاک وکفِ گل کا اضطراب
پھر خدا ہے کہ رہے بندے کا ایمان درست
دیکھا کیا ہوں خواب پریشاں تمام رات
آہ پہلو سے مرے ناوکِ دلدار نہ کھینچ

۶

تنخواہ ایک بوسہ ہے تس پر یہ حجتیں
پان اُسنے ہے چبایا ٹک دیکھو یہ تماشا
فکرِ شراب دل میں ذکرِ بتاں ہے لب پر

ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح
بنتا ہے یاں زمردِ ابلعلِ ناب کیونکر
میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

محکومت ٹھگرا و بس چلتے سنبھل کر دیکھکر
کوٹھے پہ چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
سرو سے قمری پھرے ہے بگڑی بگڑی باغ میں
فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
نہ چمن باغ میں مجکو نہ بہار آئے نظر
کشتۂ خنجرِ مژگاں ہوں کہ جس دم سوؤں
دوش بدوش دوش تھا مجسے بتِ کرشمہ کوش
غازہ بروسی بلب پان بدہن حنا بکف
پلِ ہیں مریض وہ کرے دم میں شفا دے مجھے
منکرِ مے تھا شیخ کل آج یہ حال ہے کہ ہے

چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھکر
پریاں نہ اُترآئیں پرستان سمجھ کر
کیا شگوفہ تو گیا سرو چراغاں چھوڑ کر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر
کیا نظر آئے کہ جب تو ہی نہ یار آئے نظر
کوئی کھینچے ہوئے سینے پہ کٹار آئے نظر
پردہ درِ خیام عقل رخنہ گرِ حریم ہوش
سلک دُرِ عدن لب طرۂ عنبرین بدوش
آہ وہ چشم مے پرست واہ وہ لعلِ بادہ نوش
جام بدست و خم بسر شیشہ ببر سبو بدوش

تجھوڑ زوجہ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص

اگرچہ پیر سے ہے پر ہے مرید با اخلاص

قطعہ
بے معنی نفس معنی اس مرد کے دلکش ہیں
مانگے اپنی دکھا جاتی پچھلی کو بجا جاتا

ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہوا یعنی
جب آتے بھی آو ہی ہم پاس تو آجاتا

چھٹ گیا قصہ دنیا سے تو مر کر منعم
کہ غم مال گیا اور غم اولاد گیا

دلِ صد چاک کی پوچھی جو خبر اُسنے دیا
گلِ صد برگ مرے سامنے لا کر توڑا

ولا دو زلف کے دل ورنہ سب کہتا ہوں
کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ابھی ہے لوٹا

قطعہ
دل مرا زندانِ الفت میں سدا قیدی رہا
پہلے اُسکی ابروئے پُرخم پہ مائل ہو گیا

جب ہوا واں سے رہا پھر زلف میں جا کر پھنسا
طوق سے چھوٹا تو پابندِ سلاسل ہو گیا

اگر ہو اتفاق آپس میں تنگی بھی گزر جائے
گزارا ایک پیراہن میں ہے بادام توام کا

یاروں سبھوں کو میرے گریباں کی فکر ہے
ناصح کے منہ کو آن کے کوئی نہ سی گیا

سخت نادانی کی احساں جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسی سے کوئی دانا دل کا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجھکو شکایتیں کیا کیا

پہونچ اے اجل کہ لب پہ اٹکا ہے کام جاں کا
حامی ہے کون تجھ بن آفت رسیدگاں کا

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا
یہ عید الضحیٰ گزرا تو چاند آیا محرّم کا

آتش جگر میں لگا ہے کہ شعلہ جاں میں دیکھا
اللہ ہمنے کیا کیا عشقِ بتاں میں دیکھا

تجھکو کبھی نہ دیکھا دیکھا جہان سارا
گرچہ تجھی کو ہمنے سارے جہاں میں دیکھا

قطعہ
شہرہ ہے لکھنؤ کا لیکن نعوذ باللہ
مومن جو واں ہیں انکو کفرِ نہاں میں دیکھا

دلی کے ہندوؤں میں ہیں اہلِ دل ہزاروں
دلی سا شہر کس نے ہندوستاں میں دیکھا

جو ہیں کھرے انہیں کو دس کھوٹیاں سنائے
ہمنے نیا سلیقہ اِس نوجواں میں دیکھا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کہوں لیک نہ کمبخت حیا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا
خونِ محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

بجھی جو شمع تو پروانوں پہ ہوا روشن
کہ بعد مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا

اہلِ دیں ہم جان کر بہرِ زیارت تھے گئے
حضرتِ احساں کو دیکھا ایک دنیا دار ہیں

عکس پرویں دیکھ کر بولا وہ یہ فن آب میں
کس نے پھینکی ہو بتوں کی میری سمرن آب میں

جو سیہ روئے ازل ہیں وہ سپید اصلا نہوں
آ اگر ہے شبہ کچھ دھو دیکھ جا من آب میں

خریدار ایک قطرہ کا ہوں میں طوفانِ الفت سے
مگر جو لوگ دریا دل ہیں دریا مول لیتے ہیں

ترے دیدار کو جو چھوڑ کر قانع ہیں جنت پر
وہ دیں کو بیچتے ہیں اور دنیا مول لیتے ہیں

خدا محفوظ رکھے اِن بتوں سے اے مسلمانو
وہ بے ایمان یہ ہیں جو کہ ایماں مول لیتے ہیں

بنائے قصرِ عمر اپنی ڈھئی جاتی ہے یاں ہر دم
قصورِ عقل سے ہم قصر و ایواں مول لیتے ہیں

ہمارے لعلِ لختِ دل نہ لیوں گاہ یا قسمت
یہ مر جانے کی باتیں ہیں وہ مرجاں مول لیتے ہیں

جگر کو دل کو مژدہ دے تو اے پیکِ اجل جا کر
کہ بہرِ سینۂ احساں وہ پیکاں مول لیتے ہیں

چھیڑ تو دیکھو سنا کر مجھے غیروں سے کہا
آج عاشق ہم کو صدقے کے لئے درکار ہیں

عشق ہی جسکو نہیں ہے اُسے ایمان نہیں
اپنے مذہب میں وہ کافر ہے مسلمان نہیں

ہتھیلی پر ہے سر اور پاؤں اُس کوچے میں ہے اپنا
خریدارِ محبت ہاتھ میں بیعانہ رکھتے ہیں

شکم پرور زیارت کو نہ بچائیں تو میں جانوں
کہ دوزخ کے لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

مسجد میں یاد آوے جو نامِ خدا وہ بت
سر ٹیکوں اس طرح سے کہ منبر کو توڑ دوں

قطعہ

زِ طا الفت سے یہ فرمایا ظفر نے احساں
"ہم تمہیں جانتے ہیں تم ہمیں کیا جانتے ہو"

عرض کی میں نے کہ میں ذرہ ہوں اور تم خورشید
فخر ذرہ ہے کہ ذرہ کو ذرا جانتے ہو

اور یہ اور عنایات گدا پر اپنے
گرچہ اُستاد ہوں شاگرد تمہا جانتے ہو

دو بھی بوسہ مجھے یک ماہ میں اے ماہ ندو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

جیوں میں کیونکہ خفا مجھ سے آہ جب تم ہو
کہ میری زیست کے اے جانِ من سبب تم ہو

اُس سے پوچھے ہے جو احسانِ وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

حالِ دلِ حزیں جگرِ خستگاں پہ رحم
میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

یاد تو حق کی تجھے یاد ہے پر یاد رہے — یار دشوار ہے وہ یاد جو ہے یاد کا حق

گو مر چکا ہوں پر دلِ مضطر کے ہاتھ سے — میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

گر ہے دنیا کی طلب زاہدِ مکار سے مل — دیں سے ہے مطلوب تو اِس طالبِ دیدار سے مل

گر وفا چاہے تو ہم سے وفادار سے مل — زر ہے درکار تو جا کر کسی زردار سے مل

ڈھونڈتے پھرتے شکم ہیں رات دن دولت کو ہم — یاں تو دوزخ کی بڑی ترسیں گے واں جنت کو ہم

قیمتِ بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آج بے قیمت ہی لینگے جنسِ بے قیمت کو ہم

ق

زاہدا واحد ہے وہ وحدت میں اسکے شک نہیں — رازِ وحدت کیا سُنائیں تجھسے بے وحدت کو ہم

شعرِ کندہ تھا اُس شیریں بیاں کی قبر پر — خوب روئے دیکھکر فرہاد کی تربت کو ہم

واہ واہ اے بادشاہِ عشق تیری منصفی — راحت اوروں کے لئے خدمت کو ہم محنت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور — اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

غم ساتھ ہوا گلی سے تیری — اِک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں جو مے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں — گر عسس منع کرے اُسکا لہو پی جاؤں

میں تڑپتا ہوں غمِ عشقِ بتاں میں احساں — حکما فضلِ الٰہی خفقاں کہتے ہیں

خفا مت ہو مجھکو ٹھکانے بہت ہیں — مرا سر ہے آستانے بہت ہیں

مجھکو مت چھیڑ کہ سرتا بپا تاثیر ہوں — برق ہوں آہِ سحر ہوں نالۂ شبگیر ہوں

سوالِ وصل پہ دیتا ہے شمع رو یہ جواب — دیا دیا نہ دیا مجھ پہ کچھ یہ دَین نہیں

قطعہ

حکم والا ہو کہ یہ دلّی بھی پھر آباد ہو — یا علیؑ تم بن کوئی اِس شہر کا والی نہیں

یا گجر ہی صبح کا فرقت کی شب بجتا نہیں — یا کوئی اس شہرِ ناپرساں میں گھڑیالی نہیں

بس ترے آتے ہی مجھکو چین سا کچھ آگیا — اب وہ بے چینی وہ بیتابی وہ بے حالی نہیں

نالۂ آتش عناں ہے برق اسکو مت سمجھ — دودِ آہِ عاشقاں ہے یہ گھٹا کالی نہیں

دو ہی دن کے عشق میں احساں یہ صورت بگڑ گئی — مُنہ پہ وہ رونق نہیں چہرہ پہ وہ لالی نہیں

مجنوں کو اپنی لیلیٰ کا محمل عزیز ہے — دل میں ہمارے تو ہے جس میں دل عزیز ہے

(احسان) منشی احسان علیخاں احسان ولد منشی اکرام الدین علیخاں - سرکار رامپور کے قدیم متوسل اور وہاں کے سخن سنجوں میں ممتاز ہیں - ابتدائی عمر میں مولوی حسین شاہ بغدادی سے استفادہ کیا - عربی فارسی کی اچھی دستگاہ بہم پہنچائی - آغازِ شباب سے طبیعت شعرگوئی پر مائل ہوئی - باوجودیکہ آپ خود ایک کہنہ مشق شاعر ہیں مگر پھر بھی حضرت داغ دہلوی کی قادر الکلامی اور سحر گفتاری کے قائل اور انکی شاگردی کا دم بھرتے ہیں - حضرت داغ کے قیام رامپور کے زمانہ میں اسقدر فیض اٹھایا کہ فی زمانہ وہاں کے سخنوروں میں رتبۂ یگانگی حاصل ہے اپنے بلند نام استاد کی دلفریب اور دلگداز طرز کو پورا پورا اپنا ہا اور نباہ رہے ہیں - زبان کی صفائی اور کلام کی دلبستگی کے لحاظ سے آپ نامی معاصرین پر فوق رکھتے ہیں اسوقت میں سن شریف ساٹھ برس کے قریب ہے - مشق سخن کمال کو پہنچی ہوئی ہے - آپکی ہمت عالی کچھ غزل ہی تک محدود نہیں بلکہ اکثر اصناف سخن پر قادر ہیں - خیال کی رسائی اور معاملہ کی بندش سخن فہموں کو اپنی طرف کھینچتی ہے امیر مرحوم اپنے تذکرۂ انتخاب یادگار میں انکے حالات اسطرح تحریر فرماتے ہیں کہ "ان کو مجالس عزا میں سوزخوانی کا شوق ہے نوحہ اور سلام کہنے کا ذوق ہے - فکر اچھی ہے طبیعت ذکی ہے - نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں - اکثر انہیں کی صحبت میں رہتے ہیں" بہرحال اسوقت حضرت داغ دہلوی کے نامی تلامذہ میں آپ کا دم غنیمت ہے ۵

شاد کیوں ہوتے ہو سنکر غل مری فریاد کا — شور ماتم کیا ترانہ ہے مبارکباد کا

جلوۂ ہوش ربا یار کا اچھا دیکھا — ہو گئے آپ تماشہ یہ تماشا دیکھا

ہم رہے آپ میں جبتک نہ وہ جلوہ دیکھا — ہوئے بیخود تو خدائی کا تماشا دیکھا

اُف رے بالیدگی قطرۂ اشکِ حسرت — آنکھ سے گرتے ہی جھٹ نے اسے دریا دیکھا

ذبح برسوں میں کیا کند چھری سے مجھکو — گھڑیوں بھر میرے تڑپنے کا تماشا دیکھا

بن گیا آئینہ میرے لئے سارا عالم — اُٹھ گئی آنکھ جدھر یار کا جلوہ دیکھا

جنت میں مجھکو اُسکی گلی سے ہیں لے چلے
کیا جانئے کہ مجھسے ہُوا آہ کیا گناہ

آگ اِس دل لگی کو لگ جائے
دل لگی آگ بھڑکانے لگی

مہرِ تعبیری سے ہے تری تفتہ جگری روزِ حشر
دامنِ صحرائے محشر اُسکا اک رومال ہے

سرمۂ چشمِ بتاں کی کہوں کیا بیت ہے کھل
گھر کے گھر کھو دئے اور آنکھوں میں گھر کرتا ہے

دکھایا زلف کا عالم تو بس یہ میرا عالم ہے
اساس صبر برہم ہے بنائے عقل درہم ہے

نہیں ہے خرمی زیرِ نگینِ تاجداراں بھی
اگر شاہ جہاں یاں ہے برائے نام خرم ہے [۵۱]

بوسہ لیا تو ہو کے خفا دلربا چلے
ہے ہے مزے کی بات سے تم بیمزا چلے

پیرِ مغاں کی یہ ہے کرامات ساقیا
یوں میکدے میں ساغرِ بیدست و پا چلے

مرنے کے بعد آن کے کوئے میں پڑ رہیں
لو آج اپنے کشتے کی منت بڑھا چلے

ذرا تو دم لے دمِ تیشۂ غمِ شیریں
کہ سانس لینے کی طاقت تو کوہکن میں رہے

مجکو مسجد سے نکالا تو بس اب لے یہ ثواب
زاہدا تو ہی بتا خانۂ خمار مجھے

نشہ تھی داغِ دل خمِ الفت میں مل گئی
دولت لکھی تھی جو مری قسمت میں مل گئی

دلدادہ تیرے سایۂ طوبیٰ میں ہیں پیا گھرے
قامت کی تیری داد قیامت میں مل گئی

قطعہ

اگر جنگل میں لٹ جائے تو کوئی کیا تعجب ہے
مگر تحقیق ہو تو چور کی مشکل رہائی ہے

مری تنخواہ لوٹی اِن لٹیروں نے حویلی میں [۵۲]
بہادر شاہ غازی کی دہائی ہے دہائی ہے

چین تجکو بھی نہ ہو میرے ستانے والے
تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانیوالے

بس خاکِ قدم دیجئے تکرار ہے بت کی
مٹی مری اِس خاک نے ہی خوار بہت کی

احسان

احسان) اِن کا نام نہیں معلوم - لکھنو کے رہنے والے اور مرثیہ گوئی میں مشہور تھے - نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا - انکا ایک شعر دستیاب ہوا وہی لکھا جاتا ہے ۵

[۵۱] اسمیں لطف یہ ہے کہ شاہجہاں کا ایام شاہزادگی خرم نام تھا ۱۲

[۵۲] قلعہ معلی دہلی کو عوام لال حویلی بھی کہتے تھے ۱۲

یہ اثر تیرا ہم اسے دور قمر دیکھتے ہیں
سب بے ہنر عیش ہیں میں اہل ہنر دیکھتے ہیں

قطعہ

پڑ گیا ہے ہمیں غم کھانے کا لپکا اب
رنج ہوتا ہے مسرت کو اگر دیکھتے ہیں

راہ وہ چلتے ہیں ہم لگتی ہے جس میں ٹھوکر
کام وہ کرتے ہیں ہم جس میں ضرر دیکھتے ہیں

قطعہ

عشقِ بتاں میں سود ہے اے دل زیاں نہیں
سر دے کے بھی ملے تو یہ سودا گراں نہیں

میں ہوں وہ جان جس کو نہیں احتیاجِ جسم
وہ جسم ہوں میں کچھ جسے پروائے جاں نہیں

میں وہ زیاں ہوں سود کا جس میں نہیں پتہ
وہ سود ہوں میں نام کو جس میں زیاں نہیں

ہوں وہ خزاں بہار کی جس کو نہیں امید
میں وہ بہار ہوں جسے خوفِ خزاں نہیں

وہ درد ہوں کہ جس کی میسر نہیں دوا
وہ حال ہوں جو قابلِ شرح و بیاں نہیں

کرتا تھا پہلے نفع بھی اکثر ہمیں ضرر
اب تو یہ حال ہے کہ زیاں بھی زیاں نہیں

یہ جھوٹ ہے خدا کو یہ بت جانتے نہیں
یہ خوب جانتے ہیں مگر مانتے نہیں

اچھا ہے آپ ہم کو اگر جانتے نہیں
خوش رہیے ہم بھی آپ کو پہچانتے نہیں

تیری ضرور مانیں گے احسان ہیچ بھی
یہ بت خدا رسول کی تو مانتے نہیں

آسماں ٹوٹ پڑے سر پہ مصیبت آ جائے
پر کسی بت پہ الٰہی نہ طبیعت آئے

کیونکر اُسکی خبر ملے جب تک
آدمی بے خبر نہ ہو جائے

کھا تو لیں ہجر میں مگر ڈر ہے
زہر قاتل شکر نہ ہو جائے

قطعہ

کیوں نہ آئینہ سے ہو مجھکو تنفر احساں
عیب یکتائی انساں میں لگا دیتا ہے

اِس سے بڑھکر نہیں آفاق میں مشرک کوئی
ایک کے دو یہی کمبخت بنا دیتا ہے

مجھ پہ یہ دیتے ہیں غیر کو ترجیح
اِس ستم کو ملاحظہ کیجیے

میں یہ کہتا ہوں نہ نکلے غمِ جاناں دل سے
دل یہ کہتا ہے کہ مشکل مری آساں ہو جائے

اُف رے بالیدگی اے دردِ محبت تیری
گر لگے پھانس کلیجے میں تو پیکاں ہو جائے

اُس کو یقیں ہے آکے میں زندہ نہ پاؤنگا
مڑ مڑ کے دیکھتا ہے مرا نامہ بر مجھے

قطعہ

لائی تاثیرِ محبت اُنہیں میت پہ مری
کھول کر بندِ کفن کے مرا چہرا دیکھا

مُنہ پہ مُنہ رکھ کے بصد درد یہ رو کر بولے
پیار اخلاص وہ سب آپکا جھوٹا دیکھا

بے ملے چل دیئے افسوس بڑی جلدی کی
میرے آنے کا بھی احسان نہ رستہ دیکھا

کیا ہی آرام سے نیند آئے اگر ایسا ہو
ہاتھ تکیہ کی جگہ ہو تہِ گردن اُن کا

سر جھکا لینے کا انداز بھی ہے قاتلِ خلق
تیغ و خنجر سے سوا ہے خمِ گردن اُن کا

عید سے بڑھکے خوشی آج ہی ہے دن بھر
صبح دیکھا تھا جو اُٹھکر رخِ روشن اُن کا

جو نہ تھا ہمکو گوارا وہ گوارا ہو گیا
اِس محبت کا بُرا ہو ظلم پیارا ہو گیا

غافل اُس بت سے کسی حال میں احسان نہ ہوا
مرتے مرتے بھی تو کمبخت مسلماں نہ ہوا

گھر میں اللہ کے واعظ سے نہ بولو رندو
لے چلو اسکو اٹھا کر سرِ منبر باہر

بسم اللہ اُٹھیے کسئے کمر امتحان پر
آیا ہوں میں بھی کھیل کے آج اپنی جان پر

بازار میں بکیں تو ڈریں محتسب سے ہم
جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اپنے مکان پر

ضبطِ فغاں نہ کرتے اگر ہم شبِ فراق
ہوتا فلک زمیں پہ زمیں آسمان پر

اچھی کہی یہ شیخ نے دنیا کو چھوڑ دو
کیا اسکو ترک کرکے رہیں آسمان پر

کس کس مزے سے کھاتے ہیں ہم ہجرِ یار میں
وہ زہر جس کو کوئی نہ رکھے زبان پر

پینے گئے تھے یا اُسے سمجھانے شیخ جی
دیکھا تھا مے فروش کی مینے دوکان پر

تمہیں چاہا ہے بیشک ہوں اسی تعزیر کے قابل
جگر ہے تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل

روکے ہوئے ہے چار طرف راہِ بیخودی
ہوش و حواس کہتے ہیں آئیں کدھر سے ہم

سمجھو تو کیا سمجھتے ہیں ہم تمکو جانِ جاں
دیکھو تو دیکھتے ہیں تمہیں کس نظر سے ہم

دل کو بوسے کے عوض دینے لگا میں تو کہا
دام کھوٹے نہ دو ہم مال کھرا دیتے ہیں

نہ پوچھیں آپ مجھسے مبتلا ہو کس پہ سچ کہہ دو
بتا دوں جس پہ مرتا ہوں دکھا دوں جسپہ مائل ہوں

پی کے ہم بادۂ عرفاں کو اگر دیکھتے ہیں
جلوہ اپنا نظر آتا ہے جدھر دیکھتے ہیں

تصنیف تھا آپ اسوقت حضرتِ جلال لکھنوی کے شاگردوں میں اختصاص کا درجہ رکھتے اور شعرائے روہیلکھنڈ میں مستند مانے جاتے ہیں۔ نواح بریلی و شاہجہانپور کے نومشق شعرا اکثر آپ ہی سے مشورہ لیتے ہیں۔ آپکی بدولت اُس علاقہ میں حضرت جلال کا نام خوب چمک رہا ہے۔ عربی کی لیاقت بقدر ضرورت اور فارسی کی استعداد زبردست ہے۔ آپکے اشعار عیوب و اسقام سے مبرّا اور پاک ہوتے ہیں۔ بلندیٔ مضمون و شیرینیٔ زبان کلام میں دلچسپی پیدا کرتی ہیں طبیعت غزل گوئی کی طرف زیادہ مائل ہے گو چند قصیدے بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں اپنے اُستاد کے حکم سے نواب صاحب بہادر منگرول کی تعریف میں ایک قصیدہ مشتمل بر مناظرہ حسن و عشق نہایت نفیس و پُر مضمون لکھا جسکے صلہ میں چار سو روپیہ انعام پایا۔ آخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں منگرول ہی تشریف لے گئے کئی برس ہوئے آپ دکن جا کر حضرت داغ مرحوم کے بھی شاگرد ہوئے تھے مین ہنگام اشاعت تذکرہ کلام و حالات موصول ہوئے۔ چنانچہ باختصار حال ضبط تحریر میں آیا اب دیوان مطبوعہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اس کو نہ سوچیے کہ ستم یا کرم ہوا
خنجر اُٹھائیے سرِ تسلیم خم ہوا

دل کیا ہے جان بھی ہم صدقے کرینگے تیرے
جو کچھ دیا ہے تو نے وہ سب ہے مال تیرا

تم سلامت رہو مٹجانے دو امیدوں کو
بات کیا تھی کہ جو افسوسِ تمنا ہوتا

کوئے جاناں سے نکلوائے گئے
وحشیوں کو خاک اُڑا کر کیا ملا

چھاتی سے لگی رہتی ہے تصویر ہمیشہ
جی سے تری صورت کو اُترنا نہیں آتا

سو جلوے ہر نگاہ میں ہیں وقت انتظار
آنکھوں کو پتلیوں نے تماشا دکھا دیا

روز آتے ہیں وہ دیکھنے کو میرا اضطراب
دردِ جگر نے مجھکو تماشہ دکھا دیا

آنکھ ملتے ہی دلِ درد آشنا جاتا رہا
کیا کہیں کیا مل گیا آج اور کیا جاتا رہا

برسوں خرامِ ناز کی کھائی ہیں ٹھوکریں
مجھکو مٹائے گا ستمِ روزگار کیا

پیار وہ آئینہ میں عکس کو اپنے کر کے
مجھسے کہتے ہیں بُرا ہوتا ہے آندل کا

کچھ عجب حال ہے جب سے اُسے دیکھا کیا ہے	ہم نہیں آپ میں احساں یہ تماشا کیا ہے

احسان

(احسان) حاجی احسان اللہ صاحب سوداگر ڈیرہ دون - اپنے آپ کو مرزا غالب مرحوم کا شاگرد بتاتے ہیں اشعار ذیل سے اُستاد شاگرد کے کلام کا موازنہ ہو سکتا ہے ؎

مینے کہا کہ غیر کے کوچے میں کیوں گئے	کہتے ہیں کس ڈھٹائی سے پھر تمکو کیا غرض
ٹوٹے گا رنگ تار کے زُنّار کی طرح	کھینچا اگر خیال میں تصویر یار کو
نہ آنا ہو سکا احباب سے افسوس اے احساں	کبھی جا کر ہمارے حال کی انکو خبر کرتے

احسان

(احسان) ابو الاعجاز منشی احسان علیخان خلف منشی قاسم علی شاہجہاں پوری - حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ سید جلال الدین بخاری کی نسل میں سے ہیں ۱۲۷۰ھ ہجری میں بمقام اونلا ضلع بریلی پیدا ہوئے - پھر انکے والدین شاہجہانپور چلے آئے اور یہیں مستقلاً سکونت اختیار کی - چنانچہ انکی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی - سولہ برس کی عمر میں شعر و سخن کیطرف طبیعت مائل ہوئی حافظ نثار احمد خاں تائب سے اصلاح لینی شروع کی - جب کچھ مشق بڑھی تو کسی سخنور کامل کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ حکیم میر ضامن علی صاحب جلال سے جو اس زمانہ میں سرکار نواب کلب علیخاں مرحوم والی رامپور میں ملازم تھے استفادہ شروع کیا یہ ۱۸۸۱ء کا ذکر ہے - ۱۸۸۵ء میں بہ تلاشِ معاش گورکھپور پہونچے اور محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کر کے ۶ برس تک گرداوری - منصری اور ٹھیکاری کی خدمات انجام دیتے رہے - بالآخر ۱۸۹۱ء میں سند مختاری حاصل کر کے وطن آکر عدالت فوجداری و کلکٹری میں مختاری شروع کر دی - اب یہی وجہ معاش ہے ۱۸۹۶ء میں گلدستہ ارمغاں جاری کیا جو کئی سال تک جاری رہ کر بند ہو گیا - برسوں سے آپ کا کلام مشہور گلدستوں کی زینت کا موجب خیال کیا جاتا ہے - دیوان اول موسوم بہ خمکدۂ خیال ۱۸۹۳ء میں شایع ہو چکا ہے دوسرا دیوان بھی تیار ہے جس سے آپ کی پُرگوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے - فی الحال اپنے وطن شاہجہاں پور کی تاریخ لکھ رہے ہیں فن تشبیہ میں ایک رسالہ موسوم بہ شبیہ یار ارمغاں کے ہمراہ شائع ہوا کرتا تھا - وہ بھی آپ ہی کی

مہمان تو ہونے دو مرے گھر میں اُنہیں آج
یہ دیکھنا ہے مجھکو وہ کل جاتے ہیں کیونکر

آنکھوں نے مری دل کو زخود رفتہ بنایا
او شوخ یہ جادو ترے چل جاتے ہیں کیونکر

وہ کافر ہے مگر جو یار کو سوگندِ قرآں پر
سکھاتی ہے کبھی قائم نہ رہنا عہد و پیماں پر

مُنہ دکھانے کو کہا میں نے تو یہ بولا وہ بت
آپ کیا ایمان لائے ہیں خدا کو دیکھکر

تیز ناقے کو لئے جاتا ہے کیوں اے ساربان
خاک مجنوں کو ذرا آنے دے محمل کے پاس

کوچۂ یار میں مٹنا ہے تو پھر دیر ہے کیا
تجکو سمجھائیں گے ہم اے دلِ شیدا کب تک

دو گھڑی بیٹھ کے کہتے ہیں وہ وقتِ رخصت
گھر کو ہم جاتے ہیں اب درد اُٹھے گا کب تک

خاک اُڑائیں بھی تو دیں گوشۂ دامن میں جگہ
کبھی برباد نہو وہ جسے برباد کریں

رہی برسوں دلِ حسرت نشاں میں
محبت بھی عجب شے ہے جہاں میں

مجھے شرمِ گنہ زاہد کو نخوت
وہ دوزخ میں رہے گا میں جناں میں

گھر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں رنجوالے
قتل ہونے کے لئے کوچۂ قاتل میں ہیں

بُرا سننے میں بھی ملتی ہے لذت
مزہ ہے خوبرویوں کی زباں میں

قائل ہیں ہم تو اے نگہِ منتظر ترے
جالیتی تار بچکے کسی کی نقاب میں

لڑتی ہیں اک زمانے کی تجھ ہی سے آنکھیں
بھر دیئے تو نے مئے عشق سے ساغر لاکھوں

مجھے کہتا ہے وہ ظالم کہ بچائے رکھنا
دل کو میں آنکھ ملاتے ہی اُڑا لیتا ہوں

بتا دیں کہ ہم تم سے کیا چاہتے ہیں
تلافیٔ جور و جفا چاہتے ہیں

آئے جگر و دل ترے تلوؤں کے تلے کیوں
پامال ہوئے جاتے ہیں نازوں کے پلے کیوں

گھر سے آئے تھے فقط عرضِ تمنا کیلئے
آپ کیوں مجھسے خفا ہوتے ہیں لو جاتے ہیں

دلِ غیر کے حوصلے ہمکو دے دو
وہاں سے تو آخر نکالے ہوئے ہیں

تری اُٹھتی جوانی نے دئیے ہیں داغ لاکھوں کو
ہزاروں نقش اس اُبھرے ہوئے جوبن کے بیٹھے ہیں

کہتے ہیں وہ کہ دل کی تڑپ کا یقیں نہیں
جب تک نہ اپنی آنکھ سے تڑپا کے دیکھ لوں

روزِ جزا کہے گا ہماری ہی کس طرح
زیبِ مہر و وفا اب بھی مرنیوالوں سے
کھُل گیا اک بات میں قفلِ دہن
انتہا بدنام ہونے کی یہ ہے
چتون سے اشارہ ہے یہی چینِ جبیں کا
چل گئی ناوکِ نگہ کس پر
آہِ سوزاں سے پھُنک گیا عالم

وہ دل کہ جو بتوں کا طرفدار ہی رہا
وہی تو دل ہے ترا جو کسی پہ آ نہ سکا
یار کو مُنہ چوم کے گویا کیا
ہم نے رسوائی کو بھی رسوا کیا
یوں چھین لو دلکو ہے عاشق نہ کہیں کا
کسکو آنکھیں اُٹھا کے دیکھ لیا
تم نے ہمکو جلا کے دیکھ لیا

وہ نیند کا وصل میں بہانہ وہ نیچی نظروں سے دیکھنا پھر
جو حسرتیں ہیں دل میں اُنہیں تم نکال دو

یہ کہتی ہے چشمِ نیم بستہ ابھی ہے باقی حجاب آدھا
رہنے دو اک نشان محبت کے داغ کا

مکتوب نہ آیا کوئی پیغام نہ آیا
مجھے پہلے تم اک نظر دیکھ لینا
تمہاری گرکے ندیسے گھڑے ہیں
اُسکا بھی ہے رحم کہ ہمکو ستائے گا
تنہا نجانے پاؤ گے تم بزمِ غیر میں
اے رشک تو نے یہ بھی جتا دی ہمیں
نجائے گی دل سے تمہاری محبت
پھر کیا مضطرب کسی نے ہمیں
ہاتھ رکھ کر ہمارے دل پر وہ

لکھا میری تقدیر کا کچھ کام نہ آیا
جدھر چاہنا پھر اُدھر دیکھ لینا
جوانی کا صدقہ ادھر دیکھ لینا
اُسکی یہی ہے صلح کہ آنکھیں لڑائے گا
ٹھہرے رہو کہ دل بھی مرا ساتھ جائیگا
سُنتے زبانِ غیر سے ماجرائے دوست
کہ ہے جان سے بڑھکے پیاری محبت
پھر نئی ہو گئی پُرانی چوٹ
کہتے ہیں ہو گئی اب اچھی چوٹ

خانۂ دل میں وہ کب رہتے ہیں مہماں کی طرح
لپٹا تو لے بڑھکر اُنہیں اے جوشِ تمنا
ہمکو یہ لطف بھی حاصل نہیں اُو تیر افگن

آ کے ناوک کی طرح بیٹھے تو پیکاں کی طرح
تنتے ہیں بہت کچھ وہ برابر سے نکل کر
زخم ہنستا لبِ سوفار کا بوسہ لے کر

فتنہ سازی نگہ ہوش رُبا رہنے دے / آنکھ کے سامنے بیہوش پڑا رہنے دے

خدا کی شان کریمی کو پوچھے ہمسے کوئی / گنا ہگار بھی ٹھیرے تو بے گناہ رہے

ابھی نہیں ہے وصل کی شب یہ نہیں نہیں / کہنا مرا خدا کے لئے مان جائیے

بے وجہ کب ہیں آج تصدق ہوں آپ پر / وہ کل کا ناز کل کی ادا جان جائیے +

کہتے ہو کیا ہماری گلی میں ہے کون دفن / ٹھوکر لگا کے پوچھ لو کسکا مزار ہے +

دلِ مضطر میں میرے پھانس بن بنکر کھٹکتی ہیں / تری پلکیں ہیں اے سفاک یا نوکیں ہیں نشتر کی

نہ پوچھو وصل کیا شے ہے کہ جسپر دم نکلتا ہے / یہ وہ آیا ہوا ارمان ہے جو کم نکلتا ہے +

اُسکے آگے ہوش تو رہتا نہیں / کیا کہے جا کر پیامی دیکھئے

کیوں اب گلی میں خاک اُڑاتا نہیں کوئی / وہ تیرے گیسوؤں کے پریشان کیا ہوئے

مِلا میں خاک میں تمنے مِلا یا + / ہوا نام وفا مجھسے کہ تم سے

احسا

(احسان) منشی شیخ احسان الٰہی خلف منشی محمود تاجر رونق - پنجاب ان کا اصلی وطن ہے فی الحال دہلی کے خوش باش لوگوں میں ہیں تجارت کا شغل ہے - پچاس سال کے قریب عمر ہے زندہ دل آدمی ہیں - اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے اب کچھ عرصہ سے شعرگوئی کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے ہ

تھا طوفِ حرم میں بھی ترے گھر کا تصور / کعبہ مری نظروں میں صنم خانۂ چیں تھا

خاکسترِ رقیب پہ روتے ہیں وہ کھڑے / جل جائیں کاش آپ ہی اپنی فغاں سے ہم

محو بیگانہ وحشی جان گئے ہیں شاید / آشنایانہ جواب مجھسے ملا کرتے ہیں

محتسب اور تو کچھ دینے کو یاں خاک نہیں / ہاں جو مرضی ہو تو اک جام پلا دیتے ہیں

جبر داد ستم داد ندے اور کسی کی / گر داد یہ بھی وہ بت بیداد گر آئے

قابلیت بھی شرط ہے ورنہ / قطرہ قطرہ گہر ہو جائے

رندوں کا بھی حل خوش کیا قاضی کو بھی راضی / مے پی کے گئے مدرسہ اور توبہ کر آئے

خدا نے حشر میں پوچھا ہمیں کو کہ اے شیخ
اُٹھائے ہاتھ جو مستوں نے ابر گھر آیا

یوں تو تنہائی میں باتیں ہیں ہزار
اب سامنے نہیں چھوڑتے ہشیار بیٹھے ہیں

اُس بت کی محبت میں سبھی ہو گئے کافر
بادہ خوارانِ محبت کا خدا ہے ساقی

جی میں کیا سوچ رہے ہو سرِ تربت آکر
اچھا ہے اِک زمانہ بتوں پر نثار ہو

دو نو جگر و دل سے چلنے کو ہیں لیا
حال پر غیر کے جس لطف سے پیار آتا ہے

یہ ہوا حضرتِ واعظ کی نصیحت کا اثر
شیخ جی جھوٹ نہ بولو کہ خدا سُنتا ہے

پارسائی مری اِک دن سے زیادہ نہ رہی
تم اپنے چل کے سائل کے مُنہ میں رکھ دو نبات

کتا ہے سُن کے بخیری کا گلہ وہ بت
میری الفت مدعی کا عشق دونو دیکھکر

ایک ہی بار اسے فلک دیدے
گنبیں ہیں عرش تک آہیں نیاز مندو نکی

ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عمر
مزہ گناہ میں آیا کہ بے گناہی میں

کمی ہوئی نہ کبھی رحمتِ الٰہی میں
اُنکے مُنہ پر کچھ کہا جاتا نہیں

وہ میرے بر اجعتِ محشر میں کھڑے ہیں
گننے کے لئے ایک مسلمان ہمیں ہیں

خلد سے ساغرِ صہبائے طہورا تے ہیں
جس طرح چاہو مری خاک کو برباد کرو

انکو کسی کے مرنے کا تو اعتبار ہو
پوچھوں نگہِ یار سے لیجائیگی کس کو

تم دکھا دو وہی اندازِ ترحم مجھکو
توبہ کرنے سے بھی ہر رات نے کر لی توبہ

آپ کے سامنے مجھ رند نے کب کی توبہ
جب کبھی صبح کو کی شام کو توڑی توبہ

اگر یہ چاہتے ہو لا جواب ہو جائے
تم کسکو یاد رکھتے جو فراموش ہو گئے

فیصلہ کر دیجئے جھگڑا حق و باطل کا ہے
جتنے صدمے ہیں مری قسمت کے

تو سُنی نہ تمہیں نے خدا کے بندو نکی
اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ کے

معشوق سے ملے رہے ہم سے خفا رہے
شاد ہیں عیش خدا داد سے قسمت والے

مطلب یہی کہ یہ حضرتِ دل آج شاد ہے
بے نصیبوں کی تمنا ہے تمنا کوئی

شکوہ یہ جور کے یہ کیا اُس کا کیا گلہ
یہ اپنی اپنی رسم ہے یہ اپنی اپنی راہ

پیغامِ غیر بن کے چلا آؤں کیا کروں
آنے کی آپ تک کوئی ملتی نہیں ہے راہ

واں تو یہ شوق ہے کہ ہر اک سے ہو چھیڑ چھاڑ
ایسوں سے حشر تک کبھی ہوتی نہیں ہے نباہ

اپنے تو آپ غیر سے برتاؤ دیکھئے
الزام مجھکو دیتے ہو پھر واہ واہ

منہ سے تو غیر آپ کو بدنام کر دیا
اور دشمنوں نے خوب کیا نیکنام واہ

افسوس ہم تو کیا اُسے اپنی نہیں خبر
الفت میں جس کی حال یہ اپنا ہوا تباہ

شکووں سے اپنے آپ مجھے انفعال ہے
میری تو اُس کے سامنے ہوتی نہیں نگاہ

احسان اور ہی سے لگانا تھا دل تجھے
کمبخت کی وفا بھی تو آپ تجھ سے واہ واہ

احسان

(احسان) محمد عبدالرحیم خاں دہلوی - نومشق شاعروں میں ہیں - آغا شاعر دہلوی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جائیے جائیے دل آپ ٹھہر جائے گا
میرے دل پر جو گزرتا ہے گزر جائے گا

نادان نہ پھنس دانہ کے لالچ میں خبردار
بلبل تجھے کیا دام دکھائی نہیں دیتا

سخت جاں ہوں کوئی آسان نہیں قتل مرا
پہلے وہ اپنے کلیجے کو تو فولاد کریں

مریضِ عشق مرتا ہے مسیحا
کوئی چارہ کوئی تدبیر ہوتی

آپڑے گیسو جو رخ پر تیرے بل کھاتے ہوئے
چاند پر دو سانپ دیکھے ہم نے لہراتے ہوئے

احسان

(احسان) میر احسان علی نام - مولانا حبیب الرحمٰن خاں بیدل کے شاگرد ہیں - حیدرآباد دکن میں قیام ہے - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ اُنکا کلام ہے ؎

جس جگہ عشق نہ ہو حسن کی قیمت کیا ہو
کوئی یوسف کا فرشتوں میں خریدار نہ تھا

کسی گلرو کے پھندے میں پھنسا دل
بڑی مشکل سے اب ہوگا رہا دل

منزلِ عشق میں جو رکھے قدم
چھوڑ دے ننگ و عار کی باتیں

ذرا بچ کے احسان رہنا بتوں سے
کہ الفت نہیں انکی قہرِ خدا ہے

احسان

(احسان) شاعر باکمال سخنورِ شیریں مقال صاحبزادہ محمد احسان اللہ خاں صاحب حقیقی ہمشیرزادہ و داماد عالیجناب نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر **خلیل** - والی حال ریاست ٹونک نواب احمد سعید خاں صاحب **عاشق** تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی کے شاگردوں میں ناموری ہیں - مذاقِ سخن بہت اچھا ہے - عاشقانہ شعر خوب کہتے ہیں جدت کے ساتھ طبیعت میں شوخی بھی ہے کلام بہت پُرلطف و مزیدار ہے اثنائے ترتیب تذکرہ میں آپ نے جو کلام ارسال فرمایا اُس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

سمائے ہیں نگاہوں میں خدا جانے وہ کیا بنکر
کہ اُنکے شکوے تک بھی لب پہ آئے التجا بنکر

یہ آنکھیں کیوں نہیں ملتیں نگاہیں کیوں نہیں ملتیں
یہ کس کی آرزو پھرتی ہے آنکھوں میں حیا بنکر

مجھے تم چھوڑ بیٹھے غیر کو امید اب کیا ہو
کچھ اپنا ہی کیا نقصان تمنے بے وفا بنکر

وہ کہتے ہیں وفائیں لاکھ میرے حسن پر قرباں
ضرورت کیا مجھے میں کیا کروں گا باوفا بنکر

دکھائے گا تماشا دیکھنا کیا کیا تمہیں اک دن
جفاؤں پر ہمارا صبر تاثیر دعا بنکر

ظلم کرتے ہیں تو کچھ ظلم میں ایجاد کریں
کہہ سکیں جس کو نہ بیداد وہ بیداد کریں

قتل کر ڈالنا غصہ کو فرو ہونے دو
کہیں ایسا نہو پھر آپ مجھے یاد کریں

شکوۂ جور یہ کہتے ہیں کہ فریاد کرو
ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

ہمیں منظور ہے گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا
کیا رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

سُن کے شکوہ کو کہا وہ بھی ہوئے اب قابل
کوئی منہ بھی نہ لگاتا تھا وہ دن یاد کریں

بارِ خاطر ہوں تو کیوں جائیں کسی محفل میں
خود بھی ناشاد ہوں اوروں کو بھی ناشاد کریں

تجربہ ہوتا تو احسان نہوتا شکوہ
اُسے ناشاد ہی سمجھو وہ جسے شاد کریں

پُرسش کے جب مزے ہیں کہو دل کو دل سے راہ
اوروں تو پوچھ لیتے ہیں غیروں کو گاہ گاہ

الفت کے لطف لطف میں پنہاں ہے زہرِ غم
اسکی خرابیوں پہ کسیکی نہیں نگاہ

دل پھٹ گیا ہے جب سے یہ مینے سُنا کہ وہ
غیروں کے پیچھے چھوڑتے ہیں مجھسے رسم و راہ

جل گیا ہوں حنا کے ہاتھوں سے		آگ سی میرے دلکو لگتی ہے

احسن

(احسن) مرزا احسن علی۔ انکے نام میں ذرا اختلاف ہے۔ قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن علی لکھا ہے۔ مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس تھے پہلے میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لیا کرتے تھے پھر مرزا رفیع السودا کو اُستاد بنایا لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ کی سرکار میں بزمرۂ شعرا داخل ہوئے مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر کے اشعار ظرافت آمیز ہوتے تھے اور یہ شخص پہلے خواجہ محمد یونس خاں کی خدمت میں رہا بعد ازاں نواب آصف الدولہ مرحوم کے ہاں چلا آیا ۱۲۱۵ھ میں کئی برس سے سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں کی رفاقت میں ایام زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے فن نظم میں اور فنوں سے زیادہ نام پیدا کیا۔ بہرحال حضرت احسن صاحب دیوان شاعر تھے۔ اِنکے کلام میں لطافت وفصاحت دونو مزے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو

حُسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا	گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا
ٹکڑے اڑجائینگے سینہ میں جگر کے احسن	تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا
یا رو وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا	رام اُسکا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
کہا ہومینے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا	بگڑ کے بولا کہ چل بے اِدہر نظر نہ لگا
رہی جو تن میں مری جانُ تک رمق باقی	لگا کے زخم کہا حیف کارگر نہ لگا +
اسی لئے تو میں تجھسے خفا ہوں اے احسن	گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر نہ لگا
اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند	یہ رکھے سنگ سے نسبت و جگر سے پیوند
یہ راہ ہے کٹنے کہ ترے گھر تلک آتے	ہر گام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر + +
جو دل گیا وہاں سو وہ مٹی میں مل گیا	تیری گلی میں خاک کروں جستجوئے دل
سجدہ گہ ہے خاک احسن اب تو ساری خلق کی	جان دی تھی اُسنے کسکے حسرت پابوس میں
کل جو اُس ترک ستمگر نے دکھائیں آنکھیں	برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں

احسان

(احسان) مولوی محمد احسان حسن صاحب باشندہ چھپرا یہ - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ خلاصہ کلام ہے ؎

ہنستا ہی رہا بسملِ مضطر تہِ خنجر
اُف تک نہیں لایا وہ زباں پر تہِ خنجر

کیوں کر نہ لیا تیز اسے پہلے سے ظالم
تڑپا کیا جو بسملِ مضطر تہِ خنجر

کچھ اپنی ادا اور بھی لے میرے لئے کام
آنے کی نہیں موت ستمگر تہِ خنجر

احسان

(احسان) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ رسول پور ضلع مظفر پور بہار کا - کلام سے طبیعت کی رنگینی اور زباں کی صفائی کے ساتھ روزمرہ کا لطف آشکار ہے ؎

ستم سہیں گے جفا سہینگے ہزار ذلت اُٹھائینگے ہم
سر اپنا دیدینگے تیرے در پر یہاں سے لیکن نہ جائینگے ہم

یہ چارہ گر تجھ سے آرزو ہے لگا نہ زخموں میں میرے مرہم
کبھی وہ سفاک جو ملے گا تو زخم اپنے دکھائینگے ہم

عدو جو بیٹھے ہیں گرد اُنکے ہیں سب پُرانے اُٹھائی گیرے
جو وقت آئیگا امتحاں کا تو انکی چالیں دکھائینگے ہم

ہے رات برسات کی یہ ساقی لگا دے منہ سے جو کچھ ہو باقی
خبر ہے کیا وقت پھر مرنے کا یہ پائینگے یا نہ پائینگے ہم

ہیں صرف قاصد کی باتیں احسان یقیں ایسا کہاں ہے ہمکو
وہ دن بھی ہوگا کہ وصل کی شب گلے سے انکو لگائینگے ہم

احسن

(احسن) - محمد احسن یا احسن اللہ نام تھا - طبقہ اول کے شعرا میں آبرو وغیرہ کے ہمعصر تھے - انکی طبیعت میں ایہام پسندی بہت تھی - اپنے زمانے کی زبان کے موافق بندش کی چستی اور مضامین کی جدت بھی خاصی تھی - ان کا مرتب دیوان نظر سے نہیں گزرا مگر پروفیسر آزاد نے جو ایک غزل اور چند شعر لکھے ہیں وہی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں - ۱۱۵۵ھ ہجری تک یہ زندہ و سلامت تھے

نازک کمر یہ اپنی کرتے ہو تم جو غمزہ
موسیٰ کمر نے تمکو فرعون سا بنایا

صبا کہیو اگر جاوے ہے تو اُس شوخ دلبر سوں
کہ کر کر قول برسوں کا گیا برسوں ہوئے برسوں

غزل اس طرح سے کتنے بھی احسن تجھ سوں بن آوے
جواب اب آبرو کب کہہ سکے مضمون بہتر سوں

لام نستعلیق کا ہے اُس بتِ خوشخط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے سنوں اس لام کے

یہی مضمونِ خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ ماہرویاں عارضی ہے

یاد ہے گلعذار کی صورت
گُل ہے نظروں میں خار کی صورت

فرقت میں اُسکی یارب کھینچیں ہم آہ کب تک
آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک
گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ
در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک
دن رات میں ہزاروں کرتے ہو بد خلافی
احسن تمہارا پیارے بخشے گناہ کب تک

بوسے میں اسکے لوں گا کہا کر نہیں نہیں
مانوں گا میں نہیں تو بڑا کر نہیں نہیں
ساقی قسم ہے تجکو کہ دینے میں جام کے
سب پر نہیں ہوا کرے ہم پر نہیں نہیں
پروا کچھ نہیں ہے ہمیں گھر کی دوستو
کوچہ سلامت اُس کا ہے گھر نہیں نہیں
احسن کو دیکھ اسکے چھپتا ہے کس طرح
کیسی نہیں نہیں نہیں کیونکر نہیں نہیں

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو
لیکن آنسو تو ٹک بہانے دو
زندگانی نہوگی بن دیکھے
مجکو کوچے میں اُسکے جانے دو
اے رقیبو خدا سے ڈر کے ذرا
یار کو میرے پاس آنے دو
ہاتھ ست پکڑو کوئی قاتل کا
اُس کو تلوار تم لگانے دو
منع مت کیجو میرے اشکوں کو
گھر رقیبوں کے سب ڈوبانے دو
اپنے معشوق سے ملو احسن
بُرے لوگوں کو غل مچانے دو

مجسے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاہئے
اے مصور صورتِ دلگیر کھینچا چاہئے
سب یہ کہتے ہیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں
مست ہاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاہئے
اُس کماں ابرو سے میٹھا ملکے گوشہ میں رقیب
آہ پہلو سے مرے یہ تیر کھینچا چاہئے

جب گذر جی میں یار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے
تیغِ ابرو سے وہ مرا قاتل
ایک عالم کو مار جاتا ہے
یاد میں تیری زلف و رخ کے سدا
مجکو لیل و نہار جاتا ہے

(احسن) حسین علی خاں خواجہ مخاطب بہ احسن الدولہ - شاگرد محمد رضا برق - لکھنؤ کے

دل گئے خاک میں ہم پھر بھی تو اس ظالم نے
دو دن دل کو سکو نہیں ہمیں کسی کی تقصیر
شوخ چشمی پہ گھمنڈ اپنے نکیو نرگس
بزم میں اُسکی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی ٭

نہ ملائیں نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں
آفتیں دل پہ مرے ہیں یہی لائیں آنکھیں
آنکھیں کھُل جائینگی جب اُسنے دکھائیں آنکھیں
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہو ٭

گیا دل جو کوچہ میں چین جبیں کے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر
نہ کھینچ آسماں پہ سر اپنا تو احسن ٭
تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے

نہ پھر واں سے نکلا عجب سرزمیں ہے
کہا مان میرا - یہ گھر دل نشیں ہے
سمجھ آخرش سب کا مدفن زمیں ہے
بات یہ بھی ہے کوئی آپکے زمانے کی

احسن

(احسن) احسن خاں نام - قوم سے افغان اور شاہجہاں آباد کے روڑے تھے علمی فضیلت اور خداداد استعداد سے کامل بہرہ رکھتے تھے - تذکرہ قدرت اللہ شوق کی ترتیب کے وقت تک جوان اور زندہ موجود تھے اُنکے دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

بتاں کی سرد مہری کی بیاں کیا کیجئے صورت
سیاہ دردوں کے چہرے ہیں داخل دفتر دلمیں

ہمارے اشک بھی افسردگی سے مثل ژالہ ہیں
نظر کر عشق کی دولت کیا صاحب رسالہ ہیں

احسن

(احسن) صاحب عالم و عالمیاں شاہزادہ مرزا احسن بخت خلف الرشید شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی - آپ سلطنت کی برہمی کے بعد مخالفتِ روزگار و نامساعدتِ زمانۂ ناہنجار سے قلعۂ دہلی کی سکونت ترک کر اول چند روز بارادۂ ملک گیری از راہ اُلوالعزمی راجپوتانہ و چتوڑ میں گشت لگاتے رہے پھر بدیں امید عازم کابل ہوئے کہ شاہ تیمور کی اعانت سے موروثی ملک کو فتح کریں - مگر شومئی طالع سے کوئی کام حسب مراد نہ بنا - بڑے عالی حوصلہ سیر چشم - باذل - اور نہایت شجاع و جری تھے - فنون شمشیر زنی و سپہ گری میں کامل مہارت رکھتے تھے - موزونی طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی فکر سخن بھی فرماتے تھے - نومشقی کا کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا ہی تبرکاً درج تذکرہ ہوتا ہے - صاحب زبان تھے عاشقانہ مضامین کی جان تھے ؎

ہائے کب تک میں کروں پاسِ دماغِ نازک
ضبط کی قید میں کب تک مری فریاد رہے

اتنا تو میرے عشق نے آخر اثر کیا
مضطر ہوں میں یہاں وہ وہاں بیقرار رہے

مے پی ہے رات محفلِ اغیار میں ضرور
اب تک تمہاری آنکھوں سے ظاہر خمار ہے

آنکھیں اُٹھا کے دیکھ للہ اک نظر
بندہ بھی چشمِ لطف کا امیدوار ہے

احسن

(احسن) حکیم محمد احسن خاں احسن دہلوی خلف حکیم محمد محسن خاں صاحب مغفور - دہلی کے نامور اطبا میں سے تھے - اور میرزا قربان علی بیگ سالک مرحوم کے شاگردوں میں درجۂ اختصاص رکھتے تھے - عین جوانی بلکہ عنفوانِ شباب میں ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا - ہنگام ترتیبِ تذکرہ کچھ کلام اُنکے ایک عزیز نے عنایت کیا درج تذکرہ کیا جاتا ہے ~

بے سبب آہ نے آتش سے کیا عرش پہ فرش
خانۂ غیر جلاتی تو یہ تھا عرش پہ فرش

مجھ پہ مت ظلم روا رکھ کہ بچے گا پھر کون
چادرِ اشک سے گر میرے ہوا عرش پہ فرش

لامکاں تک ہے رسائیِ خیالات مری
کہ بچھاتا ہوں میں ہر روز نیا عرش پہ فرش

قدم یار ہے یہ جائے ادب اے احسن
کہ مناسب نہیں جز نورِ خدا عرش پہ فرش

سوجھتا کچھ نہیں جز عارضِ جاناں مجکو
اُسکے جلوے نے کیا اور بھی حیراں مجکو

کیا خبر لیوے ہماری کہ وہ ماہِ کنعاں
خود نظر آتے ہے محبوسِ زنخداں ہمکو

لے کے ہر ذرہ سے خورشید جہاتاب تلک
وہی اک جلوہ ہے ہر جائی نمایاں ہمکو

جان پر کھیل چکے ہم تو کبھی کے لیکن
عشق کہتا ہے ابھی طفلِ دبستاں ہمکو

اُن سے پوچھا کہ ہمیں داغ دئے کیوں اتنے
تو کہا چاہئے اک تازہ گلستاں ہمکو

ناتوانی سے یہ عالم ہے کہ ہیں اور نہیں
دیکھیں اب روکے گا کیونکر ترا درباں ہمکو

ظلم کر اور کہ ہو وجہ تسلی کچھ تو
لذتِ ظلم کا ہے شوق فراواں ہمکو

اُس پری وش سے عجب عیش اُڑاتے احسن
بھر چند سے ہی خدا کردے سلیماں ہمکو

احسن

(احسن) مولوی محمد احسن خلف محمد احمد - بزرگوں کا وطن بلگرام تھا مگر آپ صفی پور ۱۲۴۳ھ میں

رہنے والے اور سرکار واجد علی شاہ کے متوسل تھے - ایک دفعہ کلکتے میں بھی گئے تھے - مولوی عبد الغفور خاں نساخ نے انکو وہیں دیکھا - اُنکا قول ہے کہ مولف تذکرۂ سراپا سخن نے ان کا تخلص حسینؔ لکھا ہے - یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

صنم کی آنکھوں کے ڈوروں کی خلق بسمل ہے	ہر شش میں رکھتی ہے تلوار کا اثر رگِ سنگ
صنم کو دیکھ کے پتھرا گئیں مری آنکھیں	عجب نہیں ہے جو ہو رشتۂ نظر رگِ سنگ
بتوں کے ہجر میں وہ سخت جاں ہوں عالم میں	بجا ہے رشتۂ جاں کو کہوں اگر رگِ سنگ

احسن

(احسن) حکیم سلطان حسن خاں ولد حکیم محمد مجتبیٰ خاں باشندۂ رام پور - خطِ نستعلیق میں کامل اور ہفت قلم ہیں - فنِ سخن میں منشی مظفر علی اسیر سے استفادہ کیا ہے ابتدائے شوق میں مرزا غالب کو بھی چند غزلیں دکھائی تھیں - صاحبِ دیوان ہیں - طب میں قرابادین مختصر تحریر فرمائی اور عروض سیفی کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے - ۱۸۸۶ء میں ایک رسالہ موسوم بہ خورشیدِ آفاق بھی جاری کیا تھا - تذکرۂ انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی مرحوم کی ترتیب کے وقت انکی عمر چھبیس برس کی تھی - کلام حاضر ہے ؎

یارب ہوئی ہے عمر اسی شغل میں بسر	کوثر پہ اہتمام ہو مجھ بادہ خوار کا
خدا کے واسطے گیسو ہٹا دے اپنے چہرے سے	ارے ظالم نکر رتبہ برابر کفر و ایماں کا
نامہربانیوں پہ تو مرتا ہے اک جہاں	کہئے کہ کیا غضب ہوں اگر مہرباں بھی آپ
بات کرنے میں تو شرماتے ہو	ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ
کبھی زندہ کبھی مردہ ہیں جب سے تیری فرقت ہے	قیامت ایک سنتے تھے یہاں ہر دم قیامت ہے
ایک ہیں غیر کہ رہتے ہیں وفا پر ناخوش	ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی ترے شاد رہے
ہر دم ہے جانکنی ترے عاشق کے واسطے	کہتے ہیں جس کو مرگ غمِ انتظار ہے
پیشِ نگاہ چہرۂ پُر نورِ یار ہے	موسیٰ ہیں ہم یہ جلوۂ پروردگار ہے

ل بصاد مہملہ - محکم و استوار نیز یعنی قید خانہ ۱۲

کی سیاحت فرما چکے ہیں اور اکثر بڑے بڑے شہروں کی مجالس شعر و سخن میں شریک ہوئے ہیں۔ مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں آپ نے مہارت بہم پہنچائی ہے۔ جس سے اہل مجلس بہت کچھ متاثر ہوتے ہیں۔ شاعری اور معاملہ بندی آپ کا خاندانی جوہر ہے لکھنؤ کے اکثر خاندانی اساتذہ سے آپ کو قرابت حاصل ہے۔ عرصے سے حضرت انیس کی سوانح عمری لکھنے کا بھی ارادہ کر رہے ہیں اس زمانے میں آپ کی قدر اچھے اچھے اُستادوں سے بڑھ کر ہو رہی ہے یہاں بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

لذتِ درد کی مشتاق رہی جانِ حزیں
دل کا دشمن تھا وہ ناوک جو دل آزار نہ تھا

کہاں تک روئے گا اے مرنے والے جینے والوں کو
کچھ اپنی فکر کر تجکو پرائے غم سے کیا مطلب

ملے جو خاک میں اُن پر نثار ہوتے ہیں
زمیں کے دل میں بھی کیا کیا غبار ہوتے ہیں

دامنِ دشتِ ہو غربت میں کفن بعد فنا
ہر بگولا مری میت کو اُٹھانے آئے

خوش بہا فرہاد کا خسرو کی گردن پر رہا
جانِ شیریں تو فقط اجرت تھی جوئے شیر کی

ہے یہ حسرت کہ وہ دریافت کریں در میں کیوں
اے مرے پوچھنے والے مرا حال اچھا ہے

زینتِ دامنِ قاتل ہیں لہو کے آنسو
دلِ خوں گشتۂ عاشق کا مآل اچھا ہے

پروانوں نے سکھائی طرزِ وفا جہاں کو
انجام عشق یہ ہے مرجائے کوئی جل کے

راحت پسند منعم راحت رساں نہیں ہے
اوروں کا رہنما ہو پہلے چراغ جل کے

شمع کو دیکھ میرے دل کے جلانے والے
آپ ہی جل بجھے غیروں کے جلانے والے

حسرت اے قاتل لہو مجھ میں نہیں
خون کی پیاسی تری تلوار ہے

لو اُلٹتے ہیں وہ چہرے سے نقاب
امتحانِ طالبِ دیدار ہے

تم ملے ساری خدائی مل گئی
جس کے تم ہو اسکو کیا درکار ہے

اِن جفاؤں پہ وفا کوئی کرے مشکل ہے
یہ ہمارا ہی کلیجہ یہ ہمارا دل ہے

راہ چلنی ترے کوچے میں بہت مشکل ہے
کیا رکھوں پاؤں کہ ایک ایک قدم پر دل ہے

پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - اٹھارہ برس کی عمر میں تکمیل علوم کے لئے لکھنؤ گئے - مولوی احسان اللہ ممتاز اور مولوی گل محمد خاں ناطق کلانی کے شاگرد رشید اور خود نظم و نثر فارسی میں یگانۂ عصر ہیں - ۱۲۹۴ھ تک حیدر آباد میں نواب سر سالار جنگ کی سرکار میں متوسل رہے پھر حسب الطلب نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپال آکر اُنکے صاحبزادوں کی اتالیقی کے منصب پر مامور ہوئے - صاحب تصانیف کثیرہ ہیں - کارنامۂ فرہنگ - آئینۂ حسن صحیفۂ شاہجہانی - لغت شاہجہانی - تحفۂ صدیقیہ و مصطلحات شاہجہانی وغیرہ بہت سے رسالے آپکی تصنیف سے ہیں - فارسی میں اکثر اور ریختہ میں گاہے گاہے فکر سخن کا اتفاق ہوتا ہے ؎

اثر دیکھو شہیدانِ محبت کی تواضع کا	نکلتا ہے مرے سینہ سے تیر اسکا کماں ہوکر
تن کا یہ نقشہ کہ بل سکتا نہیں جوں نقش پا	دل کی وہ حالت کہ سو سو بار نکلا جائے ہے
گمانِ ذوق کرم تو نکر خدا کے لئے	وفا میں کرتا ہوں ظالم تری جفا کے لئے
وہاں بھی ناز سے تم میرا خوں بہا دینا	کروں میں حشر میں دعویٰ جو خوں بہا کے لئے
دیر تک ٹھیرے وہ بس کشتن	بدگمانی کا مجھ پہ احساں ہے

احسن

(احسن) سخنور باکمال سید مہدی حسن لکھنوی نبیرۂ حکیم نواب مرزا شوق صاحب مثنوی بہار عشق و زہر عشق آپکے نانا حکیم آغا حسن صاحب آزل بھی ایک مشہور شاعر تھے ایک عالی دماغ سخن گو ہیں جنھوں نے زمانے کی ضرورت پر نظر فرماکر ڈراما نویسی پر توجہ فرمائی - اور اس رنگ میں بڑی کامیابی و شہرت حاصل کی - ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی (نیو الفریڈ بمبئی) آپ کی معقول قدر کرتی ہے - طبیعت ایسی رسا ہے کہ زبان کی صفائی و محاورے کی پابندی کے ساتھ موسیقی کی خوش آیندہ و خاطر فریب دُھنوں میں بڑی خوبی سے ہر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرتے ہیں - اس فن میں ترقی کرنے کے علاوہ آپ نے غزل گوئی میں بھی عاشقانہ راز و نیاز کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں کو خوبی سے نباہا ہے - اشعار ولولہ انگیز و دل نشین و معنی خیز ہوتے ہیں - آپکی تصنیف سے متعدد ناٹک مشتہر و مقبول ہو چکے ہیں کمپنی کے تعلق کیوجہ سے آپ اکثر اقطاع و جوانب ہندوستان

اِس وقت میاں احسن فرصت پاکر حضرت داغ کی خدمت میں حیدرآباد میں تعلق ہوجانے کی امید پر حاضر ہوئے وہاں رہ کر داغ مرحوم کی سوانح عمری موسوم بہ **جلوۂ داغ** شائع کی اور ترغیب دلاکر ایک کتاب **فصیح اللغات** محاوراتِ داغ کے متعلق اپنے نام سے لکھنی شروع کی۔ نواب فصیح الملک داغ آپ پر بہت مہربان تھے ۱۹۰۳ء میں میاں احسن وہاں سے چلے آئے اور حضرتِ داغ کا انتقال ہوگیا۔ تلاشِ معاش کی فکر میں لاہور پہنچے اور راقم تذکرہ کے پاس تیس روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے۔ تین چار مہینے کے بعد قطع تعلق کرکے مطبع مفیدِ عام میں نوکر ہوگئے۔ پھر اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرکے وطن چلے گئے ٭

قیامِ لاہور کے زمانہ میں **فصیح الملک** کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور انکا آخری نامکمل دیوان یادگارِ داغ شائع کیا۔ کلام دستیاب شدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ۵

ظالم کچھ تو ہی رحم کھاکر مظلوم کے واسطے دعا کر
اُدھر ظرفِ وضو ہے اور زاہد اِدھر جام و سبو ہے اور میں ہوں
وہ کہتے ہیں کہاں جاتا ہے احسن ٹھہر جا آج تو ہے اور میں ہوں

اِک آگ سی لگجاتی ہے دل اور جگر میں کیا قوتِ برقی ہے محبت کی نظر میں
تھمتا ہی نہیں آنسوؤں کا جوش کسی دم کیا بند سمندر ہے مرے دیدۂ تر میں
کیوں اور کسی چیز سے کرتا ہے اُسے بند میں آنکھ ہی رکھ دوں تا ترے روزن در میں
باقی ہیں بعد مرگ بھی آثار ضعف کے اُڑنے کی بھی سکت نہیں میرے غبار میں
نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شبِ وصل کیا مزا ہو جو کسیکو نہ جگائے کوئی
پھرا وہ بُت تو ہمکو لگ گئی کوا پنے خالق سے بنی رہبر رہِ تسلیم میں یہ بے رخی اُسکی
لے پی چکا شراب سرور آگیا تجھے ہاں شیخ حال حور کا اب تو سُنا مجھے
نچوڑا ہے زاہد خشک اُسکی رحمت کا ادھر ہوگا مری تردامنی بہتر ہے تیری پارسائی سے
ہمارے پھول سے دلکو وہ ملتے ہیں مسلتے ہیں کبھی دستِ حنائی سے کبھی پائے حنائی سے

بے ترے یہ چمن ہے مجھے اندوہ فزا
خندۂ گل میں بھی آوازِ شکستِ دل ہے

اثرِ عشق نہ تجھ پر ہو یہ ممکن ہی نہیں
گو ترے بس میں ہے پھر بھی یہ ہلا دل ہے

ہے شبِ ہجر مرے گھر میں عجب سناٹا
کہ سرِ شام سے خاموش چراغِ دل ہے

پیش ہے دعوئ خوں گرم ہے ہنگامۂ حشر
اک تماشہ ہے ادھر ہم ہیں ادھر قاتل ہے

وہ گلے ملکے چلے ختم ہوئی وصل کی رات
شمع خاموش ہے بجھنے کو چراغِ دل ہے

دم تو لینے دے کہاں تک ستم پے در پے
کوئی پتھر نہیں ظالم یہ بشر کا دل ہے

زندگی اپنی سمجھتے ہیں جو مرتا عاشق
آبِ شمشیر میں کیا آبِ بقا شامل ہے

لذتِ درد کو ہم سے کوئی پوچھے احسن
اللہ اللہ کہ ہر عضوِ بدن اک دل ہے

رشک سے داغ کو جو جاہیں کہیں لوگ احسن
ورنہ سب دل میں سمجھتے ہیں کہ کیا دل ہے

احسن

احسن) مولوی محمد احسن ولد مولوی حسن بخش باشندہ کاکوری مقیم قصبہ مین پوری ان کا زیادہ حال معلوم نہیں ہے

تجھسے دشمن کو دوست سمجھا
دل نے مرے ساتھ دشمنی کی

خالِ ابرو نے مار ڈالا
کعبے والوں نے رہزنی کی

جی بھی نکلا تو وائے حسرت
نکلی حسرت نہ اپنے جی کی

احسن کیوں چپ ہو کسکی ہے یاد
کچھ ہم سے کہو تو اپنے جی کی

احسن

احسن) سید علی احسن خلفِ حاجی سید مجتبیٰ متخلص بہ حسن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے پیرزادوں میں ایک طبیعت دار آدمی ہیں فارسی اچھی جانتے ہیں اور عربی بقدر ضرورت شوال ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے صغرسنی سے شعرگوئی کا شوق ہو گیا ۱۸۹۶ء میں ایک گلدستہ موسوم بہ ریاضِ سخن جاری کیا تھا جو نواب ابراہیم علیخاں صاحب خلیل والی ریاست ٹونک کے حضور تک کسی وسیلے سے پہنچا۔ جس پر ایک ہزار روپیہ نقد اور آیندہ امداد کا وعدہ ہوا چنانچہ اسی وجہ سے ریاضِ سخن کا نام ریاضِ خلیل رکھا گیا مگر وہ امداد ان تک نہ پہنچی جسکے باعث رسالہ بند کرنا پڑا۔

آسمان لے کے اسے سر پہ رکھے جائے ہلال — پھینک دے تو جو ترشوا کے زمیں پر ناخن

ق

شرق پر غرب کو تفوق ہے — دہلوی سر ہیں لکھنوی پا ہیں
قولِ فیصل یہ سن لو احسن سے — گو کہ سب کچھ ہیں لکھنوی کیا ہیں

احسن

(احسن) مرزا احسن بخت گورگانی۔ مرزا صابر کے شاگرد اور مقیم بنارس ہیں۔ یہ انکا کلام ہے ؎

یہ ضعف وقتِ شہادت ہے جسمِ لاغر پر — کہ خون چڑھ نہیں سکتا سرِ ستمگر پر
وہ سمجھا اپنی ہی تازِ نگاہ کا پرتو — نظر پڑی جو کسی کی تمہارے ساغر پر
غریب جان کے بلبل پہ ظلم کرتے ہیں — گلوں کو ناز ہے گلشن میں کس قدر زر پر

احسن

(احسن) میر باقر حسن دہلوی۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ دستیاب شدہ کلام حاضر ہے ؎

ایسا نہو کہ آہ خبر لے رقیب کی — ہاں دل جلا کے رہتے تو ہیں بے خبر سے آپ
شرم و حیا سے آپ کی نیچی نہیں نظر — جاتے ہیں کوئے غیر میں پائے نظر سے آپ
ہے لاگ برقِ آہ کو گھر سے رقیب کے — رہیئے گا دور دور ذرا اُسکے گھر سے آپ
ہم بھی چلیں گے خرمنِ جاں پھونکتے ہوئے — برقِ ستم گراتے چلیں گے جدھر سے آپ
شبِ وصال میں دشمن کی گفتگو کیا ہے — لیا ہے دل تو یہ پوچھو کہ آرزو کیا ہے
نہ خوں ہو دل ہی میں جس کا وہ آرزو کیا ہے — کٹے نہ تیغ سے خنجر سے وہ گلو کیا ہے
ذرا تو چاہیے پاسِ ادب بھی عاشق کا — زباں کو روکو یہ کہتے ہو کیا کہ تو کیا ہے
ہزار بار یہ دن بھر میں زاہدا تو نے — ہماری توبہ کے آگے ترا وضو کیا ہے

احسن

(احسن) مولوی نظیر الحسن باشندہ دیوبند اِن کے والد وحشی تخلص کرتے ہیں۔ انہیں سے مشورۂ سخن کرتے ہیں ؎

بتوں نے دل کے جلانے میں کچھ حذر نکیا — خدا کے گھر میں بھی رہ کر خدا کا ڈر نکیا
وہ مری لاش پہ آئے تو یوں لگے کہنے — اجل نے رحم کچھ اِس نوجوان پر نکیا
بتوں کے ظلم سے روتے ہو کسلئے احسن — کیا تھا عشق تو پتھر کا کیوں جگر نکیا

ہمارا نام احسن ہے یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
تمہارا ذکر احسن اور ہم کرتے برائی سے

حسرتوں کا خون میرے دل کی قربانی ہوئی
تب کہیں جا کر غم جاناں کی مہمانی ہوئی

سینکڑوں مانگنے والے ہیں یہ تنہا دل ہے
کس کو دوں کس کو نہ دوں اسنے بڑی مشکل ہے

غیر کے باب میں کیا آپ سے تکرار کریں
نہ کوئی اسکا نتیجہ ہے نہ کچھ حاصل ہے

دکھا کر ہر گھڑی تلوار تم دیتے ہو کیا دھمکی
اُڑا دو سر۔ جو ایسی ہی خوشی ہے میرے ماتم کی

قیامت ہے بھڑکنا آتش الفت کا سینہ میں
یہ چنگاری نہیں بجھتی اگر بجھی تو پھر چمکی

نہ پھریے بے نقاب اسطرح ڈر ہے چشم بد بیں سے
کہ للچائی ہوئی پڑتی ہیں نظریں ایک عالم کی

کبھی دیکھا نہیں خوش تجکو رندوں کی طرح ناصح
ارے کمبخت پیدائش ہے کیا تیری محرم کی

بلا کا ہے یہ نظارہ دل اسمیں پھنس ہی جاتے ہیں
کھڑا ہونا کھُلے سر پھر ادائیں زلف پُرخم کی

جب اُن سے اور آئینہ سے برملا ہوئی
جتنی خودی سمائی تھی سر میں ہوا ہوئی

کیا ہی ستم ظریف ہے وہ شوخ چشم بھی
یہ پوچھتا ہے ہجر میں تکلیف کیا ہوئی

ملنے کا لطف یہ ہے کہ وہ بولتے بھی کچھ
جب بات ہی نہ کی تو ملاقات کیا ہوئی

احسن

(احسن) منشی حافظ آغا جان دہلوی۔ خلف مرزا انور اللہ بیگ مرحوم کابلی دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی ہے کلام میں کوئی خاص دلچسپی نہیں پائی جاتی مگر گو ضرور ہیں ۴۵ برس کی عمر ہے کلام بھی ملاحظہ ہو

کہیں خندہ کہیں گریہ کہیں رحمت کہیں زحمت
تماشا گاہ ہستی اک تماشہ ہے مداری کا

جوہر عقل نہ ہوتا تو نہ ہوتی کوئی فکر
ایک رہبر سے ہوئے سینکڑوں رہزن پیدا

گرہ ہے آٹھ پہر ہائے عدو ایک نہ ایک
کسطرح ربط کرے یار سے احسن پیدا

ربط سے چاہئے اے شیخ کہ جنت میں شراب
دفعتہً تم جو پیو گے تمہیں اچھو ہوگا

رہائی میں اسیری کا مزہ ہم یاد کرتے ہیں
وہ بلبل ہیں تلاش خانۂ صیاد کرتے ہیں

ایسے ساقی کی نگہ پڑتی ہے مجھ پر احسن
جسکی ہیں غیرت صد ساغر صہبا آنکھیں

تھے - تذکرۂ شوق کی تیاری سے قبل انتقال کر چکے تھے - یہ دو شعر اُن کے نتایج افکار سے ہیں ؎

مت چھیڑ باغباں جو کوئی آگئی ہوا وقت روا روی ہے اُٹھے قافلے کے لوگ	ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خانوس چلے ساقی چلے پیالہ جہانتک کہ بس چلے

احقر

(احقر) منشی سید غلام نبی دہلوی - عربی فارسی کے زبردست عالم اور ضروریات فن سے بخوبی ماہر تھے - فارسی شعرگوئی کی طرف توجہ زیادہ مائل تھی - احباب کے اصرار سے کبھی کبھی اُردو میں بھی کہنے کا اتفاق ہوجاتا تھا - ۱۲۷۱ھ ہجری میں حیات تھے انکے بیٹے سید آل نبی لائق تخلص کرتے تھے - انتخاب کلام موجود ہے ملاحظہ ہو ؎

نقاش نے قاتل کی جو تصویر کو کھینچا جس وقت فاتحہ کو اُٹھے دلربا کے ہاتھ زد بازار جنوں سے یہ جھٹنے ہوحال کیا	ابرو کی جگہ پر دم شمشیر کو کھینچا ماتم سے شل ہوئے مرے اہلِ عزا کے ہاتھ کردیا شہری غزالوں نے بیابانی مجھے

احقر

(احقر) عالی جناب معلیٰ القاب راجہ مرلی پرشاد بہادر سررشتہ دار افواج سرکار نظام حیدرآباد دکن - مشہور رؤسائے دکن میں تھے - راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ راجہ بنسی بہادر کالستھ سکسینہ محبوب نواز ونت بہادر باقی مرحوم کے حقیقی برادر زادے اور لالہ خوب چند کے خلف اور خود بھی راجہ کے خطاب سے مفتخر تھے - منشی کھنو لال تائب لکھنوی کے شاگرد تھے - بعد وفات اپنے عم نامدار کے اُنکے علاقے کے مہتمم اور اپنے چچا زاد بھائی کے سرپرست مقرر ہوئے - چند سال کا عرصہ ہوا کہ ۵۲ سال کی عمر میں بمقام مدراس انتقال فرمایا - اُنکا کلام بطور یادگار درج تذکرہ ہوتا ہے ؎

اِنہیں نے لوٹ لیا دل مرا دکھا کے جھلک ہم تو تم پر جان دیں اور تم کرو غیروں کو پیار	اِدھر سے روز جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں بندہ پرور یہ ہماری خوبی تقدیر ہے
کہیں لائے نہ خونِ بگینہ رنگ	ہو تو پونچھ ڈالو آستیں سے

ہو جو منظور کہ اب ہوش میں آئے کوئی	لخلخۂ گیسوئے مشکیں کا سنگھائے کوئی
خوگر ہجر ہوا ہے دل بیتاب مرا	اب تو پروا نہیں آئے کہ نہ آئے کوئی

احسن

(**احسن**) میر گوہر علی احسن موسوی شاگرد حضرت داغ - حیدرآباد دکن کے رہنے والے ۲۱-۲۲ برس کے نوجوان ہیں - ابھی مشق سخن کی ابتدا ہے - انتخاباً چند شعر درج ہیں ۔

حالت وہ مری دیکھ کے کہتا ہے ہنسی سے	یہ شخص مقدر رہا دیوانہ کسیکا ۔
یہی ہے آرزو دل کی ہمارے	کہ زیر خنجر قاتل گلو ہو
زبان پر نام ہو تیرا مری جاں	دل پر آرزو میں تو ہی تو ہو

احقر

(**احقر**) مرزا جواد علی قزلباش - اِنکے آبا و اجداد کا اصلی وطن خراسان تھا - احقر میر حسن دہلوی کے موقر شاگردوں میں تھے - ابتدائے عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ کربلائے معلیٰ و نجف اشرف وغیرہ کی زیارتوں سے بھی مشرف ہوئے تھے - ۱۷۹۳ء میں کہ نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا بائیس برس کی عمر تھی اور لکھنؤ میں رہتے تھے - جوان حلیم الطبع و سلیم المزاج تھے چند بہم رسیدہ شعر لکھے جاتے ہیں جنسے طبیعت کی جودت کا حال ظاہر ہے ۔

بزم میں اسکی جو شب چاند کا مذکور چلا	اٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت مغرور چلا
ہو وے نصیب جلد کہیں وصل یار کا	احوال بے طرح ہے دل بیقرار کا
آنسو کی جگہ چشم میں لخت جگر آیا	دل کا مجھے احوال برا کچھ نظر آیا
بندہ ہوں ترا اے اثر آہ جگر سوز	صدقے سے ترے نالہ مرا کام کر آیا
مرے حق میں یہ بہتر ہے مجھے آرام ہو ویگا	ولے تو قتل کرنے سے مرے بدنام ہو ویگا
احقر وہ بد معاملہ ہے بن لکھے پڑھے	تو نے جو دل دیا اسے ناداں غلط کیا
کبھی دیدار بھی دکھائیے گا	یا یونہیں در بدر پھرائیے گا

احقر

(**احقر**) منشی محمد ملوک - عبد الجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکن پوری کے دوستوں میں

مشورۂ سخن کرتے ہیں ابھی نومشقی کا عالم ہے ؂

شکل پیاری ہے نگہ پیاری اشارے پیارے
تیرے جوبن ترے انداز ہیں سارے پیارے

جان جانے کو ہے آجاؤ خدارا اب بھی
دل میں ارمان رہے جاتے ہیں سارے پیارے

قتل غیروں کو کیا ہائے ہمارے ہوتے
مر گئے ہم فقط اس شرم کے مارے پیارے

(احقر) مولوی حافظ شاہ رحمت اللہ - مظفر پور بہار کے باشندے اور مدرسہ جامع العلوم کے بانی اور مہتمم ہیں - بچپن سے شاعری کا شوق رہا - چند غزلیں جناب تیر بنارسی کو دکھائیں - پھر حضرت داغ دہلوی سے رجوع لائے - مگر چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنکا انتقال ہو گیا اب کسی سے مشورہ نہیں کرتے طبیعت میں شوخی ہے خیال معاملہ گوئی کیطرف دوڑتا ہے زبان بھی اچھی ہے نیچرل شاعری کی طرف طبیعت کا رجحان ہے - اب تقریباً ۲۶ برس کی عمر ہے کلام ملاحظہ ہو

کہتے ہیں کیا رو رہے ہو دل گیا
ہم جو تم سے مل گئے سب مل گیا

اب لڑی بس اب لڑی اُن سے نظر
اب گیا بس ہاتھ سے اب دل گیا

آپ اور مجھ پر کرم شانِ خدا
آپ اور پوچھیں غریبوں کا مزاج

اے بتو اس چار دن کے حُسن پر
یہ مزاج - اتنا مزاج - ایسا مزاج

بھلا ہو بیخودیٔ شوق تیرے صدقے میں
ہمیں نہ اپنی خبر ہے نہ اب کسی کی خبر

زندگی میری محبت ہے تری
تجھ پہ مرتا ہوں تو جیتا ہوں میں

تیرے ملنے سے خدا ملتا ہے
سو کی اک بات یہ کہتا ہوں میں

یہاں وہ نہیں یاد ہاں وہ نہیں
حرم بتکدہ میں کہاں وہ نہیں

باغ میں تم آئے کلیاں کھل گئیں
عندلیبوں کی مرادیں مل گئیں

تم شبِ وعدہ نہ آئے جاؤ بھی
حسرتیں مٹی میں ساری مل گئیں

جب شبِ غم میں تڑپ کر آہ کی
آسماں کانپے زمینیں ہل گئیں

فرقتِ دلدار میں موت آگئی
نامرادوں کی مرادیں مل گئیں

زاہد سے بگڑ رہے ہوں واعظ و رند سے برہم بیٹھے ہیں عشق میں ہوں

کر چکے تم قتل ہمکو ہوگیا اسکا یقیں	آپ تھرا تے ہو سر کاٹو گے کیا شمشیر سے
خونِ عاشق کرنے سے جنکو نہ در دآئے ذرا	اے دل اُمیدِ وصال اور اُس بیدرد پیر سے

احقر

(احقر) منشی احمد جان دہلوی تلمیذ مولانا عبد الرحمن راسخ دہلوی طبیعت شوخ پائی ہے اپنے اُستاد کی روش پر چلتے ہیں ۔ یہ کلام کا انتخاب ہے ؎

سنگدل تم ہو تو میں بھی سخت جاں ہوں دیکھنا	مُنہ نہ پھر جائے تمہارے خنجرِ فولاد کا

کہتے ہیں یہ بھی ہماری آن ہے
آن میں خوش ہیں خفا ہیں آن میں

میری آنکھوں سے دیکھ لے مجنوں
پردے اُٹھے ہوئے ہیں محمل کے

نہ سہی بوسہ گالیاں ہی سہی ✤
دام دلوایئے مرے دل کے

کسکی نظروں سے چاک ہے سینہ
کتنے ٹکڑے اُڑائے ہیں دل کے

احقر

(احقر) سید محمد حسن باشندہ شمس آباد صوبہ اودھ ۔ شاگرد حضرت داغ دہلوی مرحوم بسبیلِ روزگار ریاست کوٹہ میں آجکل مقیم ہیں ؎

سلامت رہے گا نہ اب سر کسی کا
کہ ہوتا ہے پھر تیز خنجر کسی کا

اشاروں سے وہ مانگنا میرا بوسہ
وہ مُنہ پھیر نا ہائے ہنسکر کسی کا

ذرا دیکھ کر ناز سے ہو خراماں
نہ پس جائے دل او ستمگر کسی کا

غیر تیر نظر کا لطف اُٹھائیں
ہم سے پھر جائے چشم یار افسوس

نگہِ لطف سے مردوں کو جلایا تم نے
تم بازی کا اثر تیر نظر رکھتے ہیں

احقر

قطعہ

ہٹاؤ وصل میں رخسارِ انور سے دوپٹے کو
دلِ مشتاق دیتا ہوں میں تمکو رونمائی میں ✤

چلو چلکر اُنہیں ہم لائیں ہاتھوں ہاتھ اے رندو
سُنا ہے شیخ کعبہ چھوڑ کے میخانے آتے ہیں

کہا اُس سے یہ مینے اپنے دل کو ہاتھ میں لیکر
بھلا بوجھو تو ہم اِک چیز مٹھی میں چھپاتے ہیں

جواب اِس بات کا فوراً دیا اُس شوخ نے ہنسکر
تمہارے ہاتھ میں دل ہے کہو کیسا بتاتے ہیں

احقر

(احقر) نواب غوث محی الدین بہادر رئیس حیدرآباد دکن ۔ مولانا حبیب الرحمان بیدل سے

اپنے پہ آپ ہو گئے کچھ مبتلا سے ہم
اب مدعی بنے ہو مرے مدعا سے تم

ہر آن دلستاں ہے ہر اک بات دلربا
گویا ادا تمہیں سے ہے اور ہو ادا سے تم

سمجھو عزیز ہمکو اگر حسن ہے عزیز
یوں ہیں بنے رہو گے ہماری دعا سے تم

مایوس زیست سے ہے تمہاری مسیح بھی
بیمار ہو کے آتے ہو دار الشفا سے تم

سمجھے تھے اُسکے کوچے کو احقر دوا مگر
لے آئے اُلٹی اور مرض اس دوا سے تم

قطعہ

سینے کہا کہ دیکھ لو اک بار اور پھر
آئے ہیں اتفاق سے ہم پھر ادھر کہاں

نیچی نگہ سے کہدیا مجھکو کہ جایئے
بس وہ بھی ایک بات تھی آنکھوں پہ رہ گیاں

یہی گر ضعف کی حالت رہیگی تو جی کی رہی جی میں
نکلنے کی بھی اب حالت نہیں ہے میرے ارماں میں

نہیں کھینچا لگا کر تیر کچھ پیکان سے تجھ پر
نہیں ہے دل جو پہلو میں تو ہوگا تیرے پیکاں میں

بہا جاتا ہے عالم ایک جوشِ گریہ سے میرے
سما جانا ترا ہی کام تھا اس چشمِ گریاں میں

نہیں کر دو جوابِ وصل میں تا جاں نکل جائے
جئیں کب تک تمہاری روز کی ہوں میں ہاں میں

احقر

(احقر) سید یعقوب علی دہلوی - [illegible] میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہیں ؎

نہ توڑا اے بت آئینہ دل کو میرے
کہ پھر جوڑنا اسکا آساں نہیں ہے

یہ ارماں ہے اک دن کہوں یہ بھی یارب
مرے دل میں اب کوئی ارماں نہیں ہے

قدم راہِ الفت میں رکھنا ہے مشکل
خضر یہ رہِ آبِ حیواں نہیں ہے

احمد

(احمد) اِن کا نام تحقیق نہیں ہُوا غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے - گجرات کے رہنے والے تھے - مرزا علی ابراہیم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت احمد ولی دکنی کے ہم عہد اور ہم وطن تھے - زبان سنسکرت اور برج بھاکا سے بخوبی واقف تھے - کبھی کبھی اُس زمانے کی زبان کے موافق ریختہ میں بھی فکرِ سخن کیا کرتے تھے - اُنکے تین شعر مسٹر الیف فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں جنہیں حرف ردیف ہندی سے ہے ایک شعر وہاں سے اور دو تذکرۂ شوق سے منتخب ہو کر درج کئے جاتے ہیں ؎

وقتِ آخر بھی نہ کچھ نکلی ہماری آرزو — دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہوئی ساری آرزو
رہ گئے منہ دیکھ کر جب حشر میں اُن سے کہا — ہم ہوں شرمندہ یہی ہے کیا تمھاری آرزو

قیامت ہے کسی کم سن کا کہنا میری تربت پر — چلو اُٹھو ملو کیوں مجھ سے حق ناحق خفا تم ہو
کیا ہو شکوۂ جور و جفا جس نے وہ کافر ہو — کسی کے جھوٹ سچ کہنے پہ کیوں مجھ سے خفا تم ہو

وہ سر ہے جس میں سودا ترا — وہ دل ہے تری جس میں ہو یاد کچھ
محبت میں احقر کو سمجھائیں خاک — سمجھتا بھی ہو خانہ برباد کچھ

وہ کہتے ہیں تم سے پڑے ہیں ہزاروں — پڑے اک تمھیں ہو وفا کرنے والے
جفا کو وفا کہنے والے ہمیں ہیں — تمھیں ہو وفا پر جفا کرنے والے

اِس گھڑی تم جاؤ کوئی بات ہے — مینہ برستا ہے اندھیری رات ہے

ایک وہ لاکھ چاہنے والے — جان آفت میں پڑ گئی اُن کی

چتوں یہ کہہ رہی ہے کسی خورد سال کی — اچھا شباب آنے دو پھر دیکھنا مجھے

ساتھ میرے رہ کے لکھتے ہو بُرائی تم مری — کچھ مروت بھی کراماً کاتبیں آنکھوں میں ہے

نہ پڑے وقت کسی پر یارب — مجھ پہ تقدیر مری ہنستی ہے

احقر

(احقر) مرزا امیر الملک عرف مرزا بُلاقی گورگانی دہلوی خلف مرزا الٰہی بخش آپ کا سلسلۂ نسب جہاندار شاہ بادشاہ تک پہنچتا ہے۔ سرکار انگلشیہ سے پانچ روپیہ ماہوار اور سرکار نظام سے سو روپیہ ماہوار منصب پاتے ہیں خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت کے باعث آپ کو سرکار سے کرسی نشینی کا اعزاز حاصل ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ بہت ہیں۔ فکرِ سخن کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اکثر فارسی غزلوں پر مصرعے لگاتے ہیں کبھی کبھی غزل گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے اگر طبیعت پر زور دیں تو اچھا کہنے لگیں۔ تلمذ کسی سے نہیں ہے۔ خلیق و ملنسار بزرگ ہیں مجالسِ سوز و سماع میں اکثر شامل ہوتے ہیں۔ اب ۵۶ برس کے قریب عمر اور دہلی میں رہائش ہے انتخابِ کلام ملاحظہ ہو

اور دلّی کے باشندے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے تک موجود تھے۔ یہ اُنہیں کے اشعار ہیں ؎

تن کو جلائے یا کہ تو آنسو بہائے شمع	بنتی نہیں یہاں تجھے بن سر کٹائے شمع
فراقِ گلرخاں میں کھا کے داغ آہستہ آہستہ	کیا سینے کو اپنے نے باغ آہستہ آہستہ

احمد

(احمد) مرزا احمد شاہ گورگانی دہلوی۔ مرزا جمعیت شاہ ماہر کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اور غالباً فنِ سخن میں اُنہیں سے مستفید تھے۔ مروت اور دوست نوازی میں فرد تھے۔ اشعار ذیل اُنکی طبع زاد ہیں ؎

بہائے بلبلِ بیدل کا جب لہو صیاد	تو کیوں نہ سامنے گل کے ہو سرخرو صیاد
کہو کہ کیونکہ ہو اُس سے نباہ کی صورت	کہ بدمزاج ہیں ہم اور تند خو صیاد
بچائے جان کدھر عندلیبِ زار اے گل	پھریں تلاش میں جب اُنکی چار سو صیاد

احمد

(احمد) مرزا احمد بیگ یہ مرزا افضل بیگ دہلوی کے چچازاد بھائی تھے۔ علم تسخیر و عملیات میں اچھے عامل مانے جاتے تھے۔ کبھی کبھی موزونی طبع کی اعانت سے فکرِ سخن بھی کرتے تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے دورانِ حکومت میں نشو و نما پایا تھا اشعار ذیل اُنکی یادگار ہیں ؎

اپنی اپنی گور سے سب دیکھتے ہیں سر اُٹھا	اُس خرامِ ناز سے کیا فتنۂ محشر اُٹھا
پاؤں پھیلاتا ہے ہر محفل میں کیسا بے دھڑک	طفلِ اشک اے اہلِ اُلفت بیطرح ابتر اُٹھا
کسکی مژگاں کا الٰہی ہے مرے دلمیں خیال	کہ کھٹکتا ہے مرے سینہ میں اک خار نیا
ہوئے جو خاک اُس کوچے میں تو یہ آبرو پائی	لگے سو بار قدموں سے لگے سو بار دامن سے
ہنگامِ نزع میں بھی ہمیں انتظار تھا	آتا ہے یا نہیں وہ ستمگار دیکھئے

احمد

(احمد) احمد بیگ قزلباش۔ دہلی کے رہنے والے اور سپاہ گری کے فن سے خوب ماہر تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے زمانِ ولیعہدی میں رسالۂ خاص کے افسر اور گلشنِ بیخار کی ترتیب کے وقت جوان وجیہ و خوشرو تھے۔ یہ تین شعر اُنکے ہیں ؎

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کیں پکڑی	نہ اُٹھ سکا ترے بسمل نے یہ زمیں پکڑی

گر بیضۂ زاغے کسے در زیر سیمرغے نہد	انا اصل خود نا ید بروں آخر نکلیا ہوئے پر[1]
ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے	نہ پائی راہ دانش ہیں خردشاں بیخبر نکلے
رہے نادر خیالاں ہیں رہے شوریدہ حالاں ہیں	ہوئے صاحب کمالاں ہیں کدھر سے آکدھر نکلے

احمد

(احمد) مولوی احمد خاں شاہجہاں پوری عالم متبحر اور خوش تقریر بزرگ تھے۔ مدتوں نواب حافظ رحمت خاں مغفور کی رفاقت میں رہے۔ فارسی دیوان مرتب ہو گیا تھا مگر وہ مسودہ تباہ ہو گیا۔ ریختہ میں بھی گاہے گاہے فکر کیا کرتے تھے۔ تذکرۂ شوق میں اُتنا ذکر نظر سے گزرا۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

کیوں نہ ہووے دل مرا نخچیرِ زلف	عاشقاں کی قید ہے زنجیر زلف
مار ڈوالے جان نے والوں کو وہ ✤ تا	دیکھی ہم نے کچھ عجب تاثیر زلف
مصحفِ خوبی کا کرتی ہے بیاں	حسن معنی کی لکھے تفسیر زلف
کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج ✤	میں بجا نوں کس نے کی تقریر زلف
دشتِ مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق	دل یہ میرے ہے مگر تا تیر زلف

احمد

(احمد) احمد خاں ولد بہادر خاں۔ ساکن رام پور۔ قوم سے کمال زئی تھے۔ رودہ واقع کوہستان تیراہ کے بڑے عالی خاندان صاحب نوبت و نشان اور پشتو زبان کے صاحب دیوان تھے۔ فن تاریخ میں اچھی معلومات تھی کبھی کبھی اُردو شعر بھی کہتے تھے۔ حضرت امیر مینائی کا قول ہے کہ قدرت اسد شوق اور میر غلام علی عشرت کے شاگردوں میں تھے۔ مگر شوق کے تذکرہ میں ان کا حال نظر سے نہیں گزرا۔ ۸۔ شعبان سنہ ۱۲۲۱ ہجری کو عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ یہ دو شعر انہیں کے طبعزاد ہیں ؎

مر گئے تو بھی نہ دیکھا ب مجھے جانی تو نے	جاں فشانی کی مری قدر بجانی تو نے
خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے اب تک	مجھکو بھیجا نہیں پیغام زبانی تو نے

احمد

(احمد) منشی صمصام الدین خلف انعام اللہ خاں یقین شاعر قدیم۔ شاگرد مرزا مظہر سپاہی پیشہ

[1] ہوئے پر کا مفہوم آخر ہو کر رہے سمجھنا چاہئے ۱۲

جہاں وہ جو تھے شیر صحرائے جنگ | چلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
ملے دونوں لشکر بہم اسطرح | کہ ساون سے بھادوں ملے جسطرح
کسی سمت تھے گرز آتش فشاں | کہیں پار سینوں کے نوک زباں
کوئی نیم جاں تھا کوئی خستہ تن | میسر کسیکو نہ آیا کفن +
پڑی لاش پر لاش تھی اس قدر | کہ کشتوں کے پشتے ہوئے سربسر

احمد

(احمد) منشی سید احمد حسین خلف سید ابن حسین شاگرد میر حامد حسین نکہت سنہ ۱۸۷۸ء تک بمقام پٹنہ عظیم آباد موجود تھے - اشعار ذیل اُن کی طبیعت کا نمونہ ہیں ؎

آنکھیں تو ملا کر کہو انصاف یہی ہے | ہم تم پہ مریں اور تم اغیار کو چاہو
رہتی ہے دعا یہ سحر و شام ہماری | سب ہم سے بگڑ جائیں مگر تم نہ خفا ہو
باہر یہ قدم جادۂ الفت سے ہوں گے | سر کاٹ کے رکھدے ابھی احمد جو رضا ہو
سر مقتل بھی ہم کو زیر خنجر غش پہ غش آئے | نہ دیکھی مرتے دم بھی ہمنے صورت ہائے قاتل کی

احمد

(احمد) منشی سید ابو احمد - ولد سید ابو محمد متوطن امروہہ ضلع مراد آباد ۱۲۹۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے بہ سبب ملازمت ریاست بھوپال میں اقامت گزیں ہیں - اور خان محمد خاں شہیر سے تلمذ ہے - یہ ان کا کلام منتخب ہے ؎

ہزاروں غنچے کھلے ہوئے ہیں تمام گلشن مہک رہا ہے | شجر شجر پر چمن میں بلبل ہوائے گل میں چہک رہا ہے
ڈھلا ہے سانچے میں نخلِ قامت کرشمہ پیدا ہے قیامت | بہار پر ہے گلِ جوانی بلا کا جوبن ٹپک رہا ہے
مزاج میں ہے ابھی لڑکپن ہے طبع جور و جفا پہ مائل | عوض میں مرہم کے زخم دل پر نمک ستمگر چھڑک رہا ہے
یہ دم ہے اب کوئی دم کا مہماں شتاب آکر مسیح دوراں | لگا دے زخمِ جگر پہ مرہم کہ تیر اُٹکتہ سسک رہا ہے

احمد

(احمد) منشی علی الدین احمد آتاچی - ضلع ورنگل علاقہ نظام حیدر آباد دکن میں تحصیلدار ہیں - انکے دادا حاجی محمد ابراہیم سرکار نظام میں بعہدِ افضل الدولہ بہادر منیر سبارک کے خانساماں تھے اور زمانہ حال میں پنشن یاب تھے اُنہوں نے سنہ ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا - جناب احمد امیر مینائی کے شاگرد

دل نہیں وہ شے کہ ہو کافر بنے اور ٹوٹ جائے		ہم نمانیں گے خدا کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے



احمد

(**احمد**) سید احمد علی عرف میاں جان رام پوری ولد محمود شاہ ۱۲۹۰ ہجری میں ریاست رام پور میں ملازم تھے بعد کا حال معلوم نہیں - اُس وقت انکی ۲۲ برس کی عمر تھی - امیر مینائی کے شاگرد ہیں - اُنکے تین شعر درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

اپنی مژگاں کو لہو میں نے ڈبایا نہ دیا		سرخرو تجھسے تو اے نشترِ فصاد رہا
وہ خاکسارِ ازل ہوں کہ نقشِ پا کیطرح		مدام خاک بسر کوچۂ بتاں میں رہا
روزِ فرقت میں جو یہ حال ہے بیتابی کا		دیکھوں کیا کرتے ہیں یہ دل یہ جگر وصل کی شب

احمد

(**احمد**) حافظ میر احمد علی نام - مسٹر ایف فیلن صاحب کی تحریر کے مطابق ۱۸۸۰ء میں ان کی ۲۵ برس کی عمر تھی - طبیعت موزوں پائی تھی مگر فکرِ سخن کا کم اتفاق ہوتا تھا نسلّخ انہیں میر عزت اللہ عشق کا شاگرد بتاتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے ؎

آکے ناحق ہمیں ستایا کیوں		پھر نئے سر کے دل جلایا کیوں
ایسی تقصیر کیا ہوئی ہم سے		وہ خفا ہم سے ہے خدایا کیوں
کیا غضب ہے کہ تو نے **احمد** کو		اس قدر دل سے ہے بھلایا کیوں
آہ کچھ پہلے ہی دن اُسنے دکھا کر آنکھیں		دل مرا چھین لیا کچھ نہ بن آئی مجھکو

احمد

(**احمد**) سید معین الدین احمد ولد سید معین الدین احمد - رام پور میں رہتے تھے - انکا نسبی سلسلہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے ۱۲۴۵ ہجری میں پیدا ہوئے - احمد حسین راحت سے مشورہ رہا - ۱۲ - ربیع الاول ۱۲۸۲ ہجری میں ۳۷ برس زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہوئے امیر مینائی نے اپنے تذکرہ میں انکے مصنفہ اُردو سکندر نامے کے چند شعر منتخب کئے ہیں وہی یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

ہوا جب کہ تابندہ مہر منیر		صف آرا ہوا شاہ گردوں سریر

دادا منشی حاجی محمد خاں عرصہ دراز تک راجپوتانہ رزیڈنسی کے میرمنشی رہے آخر میں گورنمنٹ کی منظوری سے جودھ پور کی ریاست کے مدارالمہام ہوئے اسی ملازمت میں بمقام پشکر کسی ظالم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ نہایت سخی شخص گزرے ہیں اُنکا اصل وطن کابل تھا۔ سر جان لارنس صاحب بہادر کے ہمراہ آکر سرکاری ملازم ہوئے تھے۔ اِنکے والد جد حضرت داغ مرحوم کے سربرآوردہ تلامذہ میں تھے۔ اُنھوں نے بھی جناب داغ مرحوم کو اپنا کلام دکھایا تھا مگر اوائل مشق ہی میں تین سال ہوئے نوجوان انتقال فرمایا کلام حاضر ہے ؎

انکی چتوں یہ کہتی ہے دل سے	جان اب تو بچے گی مشکل سے
زہر الفت کی ہے عجب تاثیر	اسمیں تلخی بھی ہے مزا بھی ہے
اے لب یار تیرے پاس آخر	درد مندوں کی کچھ دوا بھی ہے

۱۸۱ (احمد) منشی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ کا تخلص۔ آپ حافظ مولوی سید عبدالرحمٰن کے خلف اکبر باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی سید ہیں +

منشی صاحب ۸۔ جنوری ۱۸۴۶ء کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ منشی صاحب نے سرکاری مدارس اور نارمل اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ لیکن سب سے زیادہ وقت اور عمر کا بڑا حصہ فرہنگ آصفیہ کی تدوین میں صرف ہوا جسمیں بیس پچیس برس تک برابر منہمک رہے۔ فرہنگ آصفیہ کی تالیف پر گورنمنٹ نظام سے سارہے پانچ ہزار کا انعام اور پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ عطا ہوا اور چار سو جلدوں کی خریداری بھی کی گئی اور اب تک اس کتاب کی ایک نہ ایک پہلو سے دستگیری ہو رہی ہے۔ اِسکے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تعلیم مستورات کے متعلق اِن کی تصنیف سے ہیں مثلاً انشائی ہادی النسا۔ قصۂ راحت زمانی۔ اخلاق النسا۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ۔ طبی تعلیم۔ لڑکیوں کا قاعدہ بطرز جدید مع طریقہ تعلیم۔ علم اللسان وغیرہ جو شایع ہو چکے ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے عورتوں کی خاص زبان میں اخبار النساء انہیں کی کوشش سے جاری ہوا جو کئی برس تک دھوم دھام سے جاری رہکر بند ہو گیا۔ کنز الفوائد اور وقائع درانیہ

تھے - انتخابِ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ؎

کھلائیں ٹھوکریں در در کیا رسوا زمانہ میں
ارادہ کیا خدا جانے ابھی ہے اُس دل کا

ہمدم بھی اپنے دشمنِ جانی نظر پڑے
آنکھ اُس کی کیا پھری کہ زمانہ بدل گیا

حالِ دلِ مضطر میں سناؤں نہ سناؤں
ڈرتا ہوں وہ سنتے ہی نہ ہو جائیں خفا اور

پڑی دخترِ رز تھی جو قاضی کے گھر میں
یہ رندوں سے کیوں پارسا مل رہی ہے

احمد

(احمد) منشی احمد علی - باشندۂ کسمنڈہ مقیم دکن - یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

پہلے پانی تھا ہوا پھر خون اب خوں بھی نہیں
جائے اشک ارغوانی اک غبار آنکھوں میں ہے

تیرے میکش حشر میں اُٹھے ہیں کیا انداز سے
سرگراں ہے پاؤں میں لغزش خمار آنکھوں میں ہے

کیا بیاضِ صبح بعد وحشِ سوادِ شام ہے
انقلابِ گردشِ لیل و نہار آنکھوں میں ہے

کیا پلایا مغبچے نے ساغرِ صہبائے شوق
مدتیں گزریں مگر اب تک خمار آنکھوں میں ہے

احمد

(احمد) مولوی شیخ محمد احمد خاں بہادر رئیس و تعلقدار ملیح آباد ضلع لکھنؤ - رسالدار فقیر محمد خاں گویا شاگرد خواجہ وزیر کے نبیرہ اور جانشین ہیں - حکامِ وقت کیطرف سے آنریری اسسٹنٹ کمشنری کے عہدے پر ممتاز ہیں - گاہ گاہ فکرِ سخن بھی کرتے ہیں ؎

مجھے بھی وحشتِ دل سوئے نجد پہنچا دے
کہ راہ تکتا ہے قیس برہنہ پا میری

شفا پذیر نہ ہوں گا کبھی طبیبوں سے
مرے مسیح ترے پاس ہے دوا میری

مرے مسیح کو دیکھا جو میری بالیں پر
تو اُلٹے پاؤں وہیں پھر گئی قضا میری

احمد

(احمد) منشی شیخ احمد علی صاحب احمد رئیس آنریری مجسٹریٹ بہار - کلام کا نمونہ حاضر ہے ؎

اب بڑھا کر دوستی ہم کیا کریں
وہ کریں ترکِ وفا ہم کیا کریں

اے امیدِ کامیابی دے جواب
کہتی ہے کوشش مری ہم کیا کریں

تم چھڑک دو دل کے زخموں پر نمک
لے کے جراحوں سے مرہم کیا کریں

احمد

(احمد) مرزا احمد اللہ خاں - خلف الرشید نواب عبداللہ خاں مطلب مرحوم رئیس اجمیر انکے

وقت وضو جو ہوتا ہے ہاتھوں کو بار بار
زاہد خدا کے پیچھے پڑا ہاتھ دھو کے تو

رہو گے دل میں آنکھوں سے نہاں ہو
بھلا بچکر رہو جاتے کہاں ہو

غنیمت جاں لو صحبت کو داسکی
خدا جانے یہ سید پھر کہاں ہو

جب آئے لطف تجکو محبت کا ناصحا
تو بھی کبھی جلے کبھی بھنکر کباب ہو

اپنی غشی تو جائے جب ہی جب یہ بات ہو
عارض کا تیرے گل ہو عرق کا گلاب ہو

آج بیڈھب ہے ہمارے دل میں کچھ آئی ہوئی
جام مے بھی سبز ہے اور ہے گھٹا چھائی ہوئی

تا بکے دوں صبر دل کو کب تلک چپکا رہوں
یاد بھی آوے کہیں تم کو قسم کھائی ہوئی

جی بھی اُٹھو کر یار آتا ہے
دم یہ خاصا دیا مسیحا نے

نفرت شراب سے ہے نہ رغبت کباب سے
کوسوں ہیں دور ہم غم زہد و ثواب سے

جب دُور تم ہوئے مری چشم پُر آب سے
لاکھوں برس گزر گئے اپنے حساب سے

نہ روکو مجکو یہ کہکر کہ ہاں سنو تو سہی
وصال میں ہے ستم یہ ادا سنو تو سہی

کسی کا جرم کسی کی خطا کسی کا قصور
ہمیں ہمیشہ ملے کیوں سزا سنو تو سہی

چلو بس حضرت عیسیٰ تم اپنا کام کرو
مریض عشق کو ہو گی شفا سنو تو سہی

نہ چونکا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم
یہ کس کے پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی

رہا کئے بیٹھے ہو دھونی جو اُنکے در پر تم
ہُوا ہے کیا تمہیں سید بھلا سنو تو سہی

احمد

(احمد) منشی احمد حسین خاں بی اے تاریخ ولادت ۲۱ - جولائی سنہ ۱۸۷۲ء ہے - انکے دادا یعقوب خاں فوج میں صوبہ دار تھے ذات کے یوسف زئی پٹھان ہیں انکے والد بزرگوار خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں سابق پروفیسر میڈیکل کالج حال رئیس و آنریری مجسٹریٹ شہر لاہور ہیں - احمد حسین خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی اور سنہ ۱۸۹۵ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی سنہ ۱۸۸۳ء میں شعر گوئی کا شوق ہوا مرزا ارشد دہلوی کو کلام دکھایا اِن دنوں میں انجمن پنجاب کا مشاعرہ بہت زور شور سے ہوتا تھا مولانا آزاد اور مولوی فیض الحسن جیسے بزرگوار شریک ہوا کرتے تھے احمد حسین خاں

کی تالیف کے صلہ میں آپ گورنمنٹ سے انعام بھی پا چکے ہیں - منشی صاحب کو تصنیف و تالیف کا ابتدا سے زمانہ سے شوق تھا - موزونی طبع کے باعث کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے - زمانہ طفولیت میں حافظ قطب الدین مشیر کو اپنی چند غزلیں دکھائیں اسکے بعد کبھی مولوی سید محمد زکریا خاں صاحب زکی سے کبھی خواجہ حالی سے مشورہ لیا - مولوی صاحب مشہور ڈاکٹر فیلن کے ترتیب انگریزی اردو لغات میں عرصہ دراز تک مددگار رہے اور اس سلسلے سے کئی برس داناپور میں قیام رہا - تکمیل ڈکشنری کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور دہلی اور شملے کے مدرسوں میں مدرسی کرتے رہے - اب پنشن یاب ہیں مگر فی الحال ٹکسٹ بک کمیٹی میں نظر ثانی کتب کے کام پر مامور اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں - راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور وقتاً فوقتاً ضروری مشوروں سے امداد بھی کرتے رہے ہیں کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب ملاحظہ ہو

ایسی ہم سے ہوئی خطا کیا رب | جسکے باعث یہ کچھ عذاب ملا
مے کے بدلے ملا جو خونِ دل | تو ملا کر جگر کباب ملا

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا | اُس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا
گر تُو نے اپنی ہٹ کو نبھایا نہ جائے گا | مچلا ہُوا یہ دل بھی سنبھالا نہ جائیگا
ہے قیدِ تعلق سے چھٹا کون یہاں پر | کعبہ ہے کسی کا تو ہے بت خانہ کسی کا

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم | حق کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم
لاکھ کلفت کو دیکھتے ہیں ہم | دُگنی الفت کو دیکھتے ہیں ہم
تیری کاکل سے رکھتا ہے یہ بل | دل کی شامت کو دیکھتے ہیں ہم
تم بھی واعظ پھسل پڑو جس پر | ایسی صورت کو دیکھتے ہیں ہم
اب بھی تربت پہ نرگس اُگتی ہے | اپنی حسرت کو دیکھتے ہیں ہم
جان لب پر ہمیشہ رہتی ہے | اس سکونت کو دیکھتے ہیں ہم

زاہد تجھے قسم ہے خدا کی ادھر تو آ | کیا نور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں

اے شمع تجھ میں شان رخ دلربا کی ہے
پروانوں تم میں آگ دل مبتلا کی ہے

اے تشنگانِ دشتِ محبت نگاہِ یار
برچھی نہیں سبیل یہ آبِ بقا کی ہے

یہ سچ ہے دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں تالیاں
تم کو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے

مشعل ہے بتکدے میں تو کعبے میں ہے چراغ
لَو ہے ہمارے یار کی گھر گھر لگی ہوئی

میں سزاوارِ ستم تھا بچ گیا تقدیر سے
جو سزا دیکھی وہ کم نکلی مری تقصیر سے

ضبط کا یارا نہ تھا حیرت نے رکھ لی آبرو
کب گرا کرتے ہیں آنسو دیدۂ تصویر سے

تا کجا پردہ میں رہتا اتحادِ حسن و عشق
میری حیرانی نمایاں ہے تری تصویر سے

دشمنِ ذوقِ شہادت بیقراری ہے مری
اس وفا پر تم کشیدہ ہو نہ اپنے تیر سے

احمد

(**احمد**) حاجی سید احمد صاحب مدراسی برادر سید علی بہار صاحب قادری - منشی جلیل حسن کو اپنا کلام دکھاتے ہیں ؎

دام سبزا - دانہ شبنم - باغباں صیاد ہے
باغ میں بلبل بنا اپنا نشیمن دیکھ کر

جانتا ہوں حادثاتِ دہر کو ناپایدار
رنج غم کا مجکو شادی کی خوشی ہوتی نہیں

الم افزا ہے دنیا میں وفورِ دولتِ دنیا
کہ سینے میں صدف کے گوہر نایاب چھالے ہیں

مٹی میں مل گئے تو اُٹھے بنکے گرد باد
حالت وہی ہے مٹ کے بھی اپنے غرور کی

نوشِ طرب کے ساتھ ہی نیشِ تعب بھی ہے
لاتی ہیں دن خمار کے راتیں سرور کی

اب جو آئے گی اجل خاک ملے گا اُس کو
جا چکی جان یہاں موت کے ڈر سے پہلے

لازم اندیشۂ عقبیٰ ہے ہمیں دنیا میں
چاہئے زادِ سفر وقتِ سفر سے پہلے

احمدی

(**احمدی**) خواجہ احمد علی مرحوم دہلوی - آخر عمر میں لکھنؤ جا رہے تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے - قدرت اللہ شوق کے تذکرہ میں انکا کلام نظر سے گزرا اُسمیں سے چند شعر انتخاب ہوکر درج کئے جاتے ہیں - کلام سے سوز دلی فکر اور خوشی اسلوب طرز بیان آشکارا ہے ؎

محکوم عشق ہوکے میں آرام سے گیا
سونپا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا

بھی اپنی غزلیں پڑھا کرتے تھے ۱۸۹۶ء میں رنگ زمانہ دیکھکر غزل گوئی کو ترک کیا اور نیچرل طرز کو پسند کیا دو مجموعے خیابان اخلاق و گلستان اخلاق اس طرز میں چھپ چکے ہیں ۱۸۹۹ء میں لٹریری سوسائٹی پنجاب کی بنیاد رکھی جسکا پہلا جلسہ بصدارت آنریبل مسٹر مدن گوپال ایم اے رائے بہادر بیرسٹر ایٹ لا والد ماجد راقم تذکرہ کے بڑی آب و تاب سے ہوا خاں صاحب مشہور ناولسٹ ہیں سو سے زیادہ ناول اور سوانح عمریاں لکھ چکے ہیں جو پنجاب کے عوام میں شوق کی نگاہ سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ نے عمدہ تصانیف کے صلہ میں انعام دیا ۱۹۰۳ء میں مسٹر بل صاحب بہادر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی کے لئے گورنمنٹ سے انکی سفارش کی ۱۹۰۵ء میں آپ ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال منتخب ہوئے ۱۹۰۶ء میں اکسٹرا اسسٹنٹی کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۹ء میں سر ہنری ٹرولین وڈ کی تحریک پر آپ فیلو سوسائٹی آف آرٹس لندن منتخب کئے گئے پنجاب کے شعرا میں آپ کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے اور واقعی عاشقانہ و طرز جدید دونوں میں حق خوش گوئی ادا کرتے ہیں۔ انکا ایک وصف خاص تعریف کے قابل ہے وہ یہ کہ از حد جفاکش و مطالعہ پسند ہیں۔ اور ہر وقت کسی نہ کسی مشغلہ علمی میں منہمک رہتے ہیں فی الحال جہلم میں ڈویژنل کورٹ کے مسلخواں ہیں ؎

تم ہو دمساز تو دم دیتا ہے جوہر اپنا ہم بھی پھرتے ہیں ہتھیلی پہ لئے سر اپنا
کون کہتا ہے کہ مقتل میں قیامت آئی خود بدولت ہی نہوں بھیس بدلکر اپنا
جذبِ دل نے نام زندہ کردیا بہزاد کا + آنکھ کے پردے میں فوٹو لے لیا صیاد کا
خوب نوچے طائرِ ہوش و خرد کے بال و پر یہ جنوں میرے لئے اوتار ہے صیاد کا
طائرِ رنگِ حنا میں تاب اُڑنے کی نہیں پنجۂ نازک یقیناً ہے قفس صیاد کا +
قرآں سے لئے کوئی فردِ عمل گیا محشر میں میں شبیہ صنم در بغل گیا
دشتِ وحشت میں اسے کانٹوں نے ناحق چھیڑا ہائے چھالا مری قسمت کی طرح پھوٹ گیا
نہیں سیر کی مجھ پروا ہمیں صدقے تصور کے کہ آنکھیں بند کیں اور جھٹ ترے کوچہ میں جا نکلے

طبیعت موزوں پائی تھی شعر خوب کہتے تھے - تذکرۂ شوق سے کلام منتخب ہوا ہے

کیا خودی سے مرے دل کو تو نے خالی عشق
تفضلات ترا اے جناب عالی عشق

اس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم

کہتا ہے بگولا یہ سرِ تربتِ مجنوں
تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم

محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادھر زلف اُدھر ہو گئے برہم

مردم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اٹھا کے پنجۂ مژگاں دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

عالم کی تیری چشم نے حالت تباہ کی
دورِ فلک سے کم نہیں گردش نگاہ کی

حیراں کرے گی آئنہ رویوں کی دوستی
صورت کوئی نظر نہیں آتی پناہ کی

احمدی

(**احمدی**) تخلص ہے کسی خوش کلام سخنور کا - ایک غزل ایک قدیمی بیاض میں (جو حضرت ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں تھی) نظر سے گزری اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے ہر شعر سے صفائی زبان اور شوخی مضمون ہویدا ہے

کیا ترے حسن کی تصویر ہے اللہ اللہ
سورۂ نور کی تفسیر ہے اللہ اللہ

ایک طرف تیر و کماں ایک طرف تیغِ نگاہ
کیا مرے قتل کی تدبیر ہے اللہ اللہ

زلف کو دیکھ کے کیونکر نہ گرفتار ہو دل
کس قیامت کی یہ زنجیر ہے اللہ اللہ

دل دیا جان دیا دولت ایمان دیا
پھر دیکھو ہم سے یہ تقریر ہے اللہ اللہ

احمدی زور پری رو یہ جو دیوانہ ہوا
حسن جسکا ہے جہانگیر ہے اللہ اللہ

(**احمدی**) عالیجناب نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی مرحوم ممبر کونسل آف ریجنسی ریاست گوالیار۔ آپ کنج پورہ کرنال کے مشہور خاندان نوابی کے رکن اور سرکار انگریزی میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہکر انجام کار زمانہ صغر سنی مہاراجہ سیندھیہ والی حال میں کونسل ریاست کے ممبر مقرر ہوئے تھے صاحب خصائلِ پسندیدہ اور بڑے بامروت اور نیک طینت بزرگ تھے۔ آپکے دو صاحبزادے مسٹر سلطان احمد خاں اور مسٹر آفتاب احمد خاں مشہور بیرسٹر ہیں

ساقی تری نگاہ نے ایسا چھکا دیا — غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا
حیراں کھڑے ہیں پشت بدیوار سینکڑوں — مکھڑا دکھا کے کوئی لب بام سے گیا

اپنے عاشق کے پاس جانے کی — روز فرصت نہو تو گاہے جا
مجکو جو وہ برا کہے تو کہے — پر دلا اوسکو تو سراہے جا

تری چشم نے پہلے ہمیں مار ڈالا — پھر اُس زلف کافر نے بس مار ڈالا

آپکے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار — کچھ اجارہ یاں نہیں رستہ ہے یہ بازار کا

اگرچہ دل میں باتیں یاد کر کر کے میں آتا ہوں — پر اُسکے دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں
مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا — ذرا آنے دو اسکو چٹکیوں میں کیا اُڑاتا ہوں
اُسے پروا نہیں کچھ سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں — جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں
جو اُس در سے چلوں ہوں احمدی ہوتی ہے یہ حالت — بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

جاتے ہی بزم میں اُسنے یہ دکھائیں آنکھیں — جب تلک بیٹھے ہم اور نہ اٹھائیں آنکھیں
دیکھے دیکھے سے پریرووں کے کیا کیا طوفان — تسپہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں

بس گیا گلعذار آنکھوں میں — کیا ہے پھول بہار آنکھوں میں

ان مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے — جو رمزیں ہوگئیں نظروں میں کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے
مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا ہمکو لے راہ اپنی — تو لادے گا اُسکو ہمدم ہم خوب یہ تیرا دم سمجھے

جو وہ یہاں آکے ز راہ کرم ذرا پھر جائے — تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے
ہے اُس سے گرمی صحبت نہ کھینچ تو دم سرد — مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے
گھر اپنے آئے وہاں سے خدا خدا کرکر — گلی میں اُس بت قاتل کی کوئی کیا پھر جائے

احمدی

(**احمدی**) انکا شیخ احمد نام اور زمانیہ متصل غازی پور مولد تھا قاضی شمس الدین ہردی کے قرابت داروں میں تھے ۔ شوق کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میرزا رفیع السودا سے اصلاح لیتے تھے ۔ سنہ ۱۱۹۶ ہجری میں بعہد فضل علی خاں نواب غازی پور زمانیہ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز تھے

ہے زمین و آسماں کا فرق قول و فعل میں
احمدی جو مُنہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہیے

اختر

(**اختر**) میر اکبر علی سرہندی ولد عبداللہ ابن حضرت ایشاں پیرزادہ نواب قمرالدین خاں وزیر اعظم - دہلی چھوڑکر آصف الدولہ کے وقت میں لکھنؤ جا بسے تھے - جب مرزا جانی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے تو مصحفی بھی رہیں تھے - جوان قابل ہنرمند و ظریف الطبع تھے کچھ دنوں مصحفی سے مشورۂ سخن رہا اور آخر کو قلندربخش جرأت کے شاگردوں میں مشہور ہوئے - مصحفی نے اپنے تذکرے میں اِنکے کلام فصیح اور طرزِ دل پسند کی تعریف کی ہے - بعض غزلیات میں انجم تخلص بھی کیا ہے حضرت شیفتہ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہیں صنعتِ آتشبازی میں بھی دخل تھا اور اکثر اس شغل کو بھی نباہے جاتے تھے ۱۱۹۳ھ میں بیس برس کے تھے تذکرہ شوق اور دیگر قدیم تذکروں سے کلام انتخاب کرکے حاضر کیا جاتا ہے ؎

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا
عجب یہ نخل ہے جسمیں بشکل گل ثمر نکلا +

خوابِ راحت میں دلا اُس کو نہ تو ہاتھ لگا
چونک اُٹھے گا ابھی وہ جو کبھو ہاتھ لگا +

اور کیا خاک کوئی ہو تجھے ستمگر عاشق
روتے پھرتے ہیں ترے اگلے ہی گھر گھر عاشق

اللہ اللہ رے تری جلوہ گری کا عالم
نہ لگے گرد کو بھی جس کے پری کا عالم

کیا کہوں کل تری رفتار کی اٹھکیل دیکھ
کچھ عجب حال سے تھا کبک دری کا عالم

پھروں میں آپ میں آتا نہیں ہمدم اُس بن
مجھسے مت پوچھ مری بیخبری کا عالم

لے کے دل جان سے مارا مجھے اختر اُن نے
کیا کہوں اُسکی میں بیدادگری کا عالم

بزم میں کسکی رات جاگے تھے
ہے جواب تک خمار آنکھوں میں

کوئی جتا دے یہ اُس شوخ بے وفا کے تئیں
کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تئیں

یارب وہ ملے مجھے تا لوگ کہیں مجھکو
ساحر اسے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں

اختر میں اُسے چاہا یاں تک کہ وہ میرا بھی
قائل ہے کہاں سچ ہے مائل اسے کہتے ہیں

سدا آواز کبھی ہم تو سُننے کو ترستے ہیں
خوشا حال اُنکا ہے جو آپکے ہمسایہ بستے ہیں

اخلاقی مضامین اور تصوف کیطرف زیادہ میلان خاطر تھا عشقیہ اشعار بہت کم کہتے تھے تبرکاً انتخاب کلام پیشکش ہے

تو آقا ہم ہیں چاکر تو ہے مولا ہم ترے بندے
کرم شیوہ ترا یاں ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

برا ہوں یا بھلا تیرا ہوں تیرے در پہ حاضر ہوں
نہ کچھ رندی سے مطلب ہے نہ دعویٰ پارسائی کا

جو خود مٹ جائے وہ کیا ہو سکے درد کا مرہم
کرے محتاج کیونکر حوصلہ حاجت روائی کا

تری ہی دھن میں ناقوس برہمن گرم نالہ ہے
تری ہی یاد میں ہے مسجدوں میں غل اذانوں کا

سہارے پر تری امداد کے ہم سب توانا ہیں
گرنہ سانس لینا ہو گراں ہم ناتوانوں کا

ارم کہتے ہیں جسکو ظرف ہے اک اسکی قدرت کا
درخشاں مہر اک شعلہ ہے اسکے طاق ایواں کا

نہاں ہے وہ مگر افعال قدرت میں عیاں اسکے
جہاں دیکھو رواں سکہ ہے شاہنشاہ پنہاں کا

کمی بیشی شکست و پست ہے سب اسکے قبضے میں
بناتا ہے مٹاتا ہے یہی ہے کام یزداں کا

نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب بے نشاں ہو کر
عیاں کیا کچھ کیا ہے تو نے اے خلاق نہاں ہو کر

ترا جوش کرم رفعت اگر دے اہل پستی کو
مہ و خور پر زمیں سایہ فگن ہو آسماں ہو کر

تمنا ہے سراپا محو ذکر ذات باری ہوں
میرا ہر موئے تن سرگرم مدحت ہو زباں ہو کر

جنہیں طفلی میں صرف بازئ چوگاں و گو پایا
وہی محو خود آرائی نظر آئے جواں ہو کر

زباں کو میری گویا کر الٰہی اپنی مدحت میں
کروں مردہ دلوں کو زندہ دل معجز بیاں ہو کر

جہاں بھولوں بتا جس جا بہک جاؤں ہدایت کے
جو ہو لغزش تو مجکو تھام میرا مہرباں ہو کر

بھروسہ پر تری امداد کے بیڑا اٹھایا ہے
فلک کے بوجھ اٹھانے پر تلا ہوں ناتواں ہو کر

ترے در پر جبین احمدی سرگرم سجدہ ہے
تمنا ہے یہیں مٹ جائے خاک آستاں ہو کر

دلوں کو پاک کر یارب خیالات پریشاں سے
بہت چھائی ہے تاریکی قلوب اہل دنیا پر

اسکے آستانہ پر ہمیں لازم ہے سر رکھیں
کھلا ہے اسکا باب رحم ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر

الٰہی تشنہ لب ہم ہیں ہمارا خضر رہ ہو کر
کرم سے تو ہی پہنچا دے ہمیں رحمت کے دریا پر

گدایان در دولت کی یہ اونچی نگاہیں ہیں
لگائیں ٹھوکریں گر پیش پا ہو ٹھاٹھ شاہانہ

اندمال زخم ناکامان بیکس کے لئے
مرہم کافور ہمدردی کا پھاہا چاہئے

منعموں سے کہتے ہو حاضر ہیں خدمت میں ہم
بیکسوں سے بھی کبھی پوچھا کرو کیا چاہئے

ہیں مگر چند غزلوں خصوصاً اِس غزل نے جسے ہم منتخب کلام کے شروع میں نقل کرتے ہیں آوازۂ شہرت سے بقائے دوام کی سند حاصل کر لی ہے۔ نواب غازی الدین حیدر کی نظرِ عنایت نے فکرِ معاش سے فارغ البال کر کے عمائدین کے درجے تک پہنچا دیا تھا مگر وضع مولویانہ رہی طالب علموں کا ساتھ نہ چھوٹا۔ اگرچہ مرزا قتیل کی شاگردی کی وجہ سے حضرت غالب سے کسیقدر کھچے ہوئے رہے مگر اِن دونوں کے جھگڑوں میں انصاف کو حق اُستادی پر بالا رکھا اور حضرت غالب کی بلند پروازی و زورِ طبع کے قائل رہے۔

قطعہ

جب پردہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا
جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہو آفتاب کا

کل بن کے شیخ مجتہدِ عصر ساقیا
دکھلا کے باغ سبز عذاب و ثواب کا

کہنے لگا زراہ تبختر مجھے بطنز
معلوم ہو گا حشر میں پینا شراب کا

ہنس کے کہا کہ یہ تو ہیں ہم خوب جانتے
پر کیا کریں کہ ہے ابھی عالم شباب کا

گستاخی ہو معاف تو ایک عرض میں کروں
کیجیے جو آپ مجکو نہ مورد عتاب کا

تقوے ہمارے آگے ہو جب آپ کا درست
اور ہو یقین آپ کے اِس اجتناب کا

مے ہووے کُنجِ باغ ہو ساقی ہو ماہ وش
اور واں مُخل نہ کوئی باعثِ حجاب کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ شوخِ بے حیا
دے ذائقہ زباں کو دہن کے لعاب کا

کھینچے ہنسی سے اپنا ملا کر وہ مُنہ سے مُنہ
یہ ریش جس پہ جلوہ ہے رنگِ خضاب کا

منت سے یوں کہے کہ ہمارا لہو پئے
گر پی بجائے جلد یہ پیالہ شراب کا

اُس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو
گر کچھ بھی خوف کیجیے روزِ حساب کا

اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام
قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

اگر ہے نام کی خواہش تو عنقا کی طرح رہیے
کہ ڈھونڈے لاکھ کوئی پر نہ ظاہر ہو نشاں اپنا

شرمسار اسقدر رہیے جہاں میں بارِ ہستی سے
کہ دوشِ بوئے گُل پر بھی نہ ہووے تن گراں اپنا

تمہاری چین ابرو ہی کا مارا ہے وہ اے پیارے — گر انجم کے ناحق قتل پر اب آپ کستے ہیں

صاف دل سے بھی جو اُسکو اپنے ہم گھر لیگئے — تو بھی سب دلمیں گماں کچھ اور ہم پر لے گئے

بولے گھبرا کر ہمیں چپٹے جو یہ حرکت کرے — سامنے اُسکے گلے تک ہم جو خنجر لے گئے

کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو چرچا سب اجی — کون تھا وہ جسکو تم شب گھر کے اندر لے گئے

کچھ ستارہ شاید انجم کا چمکا ہے ان دنوں — تم جو پاس اپنے اُسے ہر وقت بلوانے لگے

اختر

(اختر) ملک الشعرا قاضی مولوی محمد صادق خاں صاحب ولد قاضی محمد اجمل ہوگلی بنگالہ کے قاضی زادوں میں تھے مگر وطن چھوڑ کر لکھنؤ آرہے تھے۔ مرزا قتیل کے شاگرد رشید اور تحصیلداری کے عہدے پر مامور تھے۔ جامع الکمالات شخص اور لکھنؤ کے مشاہیر شعراء وقت میں شمار کئے جاتے تھے۔ ایک تذکرہ موسوم بہ آفتاب عالمتاب جس میں پانچ ہزار فارسی شعرا کا حال اور کلام فراہم کیا تھا ترتیب فرمایا اُسی تذکرہ کی بدولت بھوپال سے متعدد تذکرے شائع ہوئے وہ تذکرہ اب عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ طبیعت کی شوخی۔ کلام کی بلندی۔ اور حُسن تشبیہ آپ ہی کا حصہ ہے غازی الدین حیدر والی لکھنؤ نے ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا۔ چونکہ ان کی عمر کا بہت بڑا حصہ لکھنؤ میں گزرا اس وجہ سے شعرائے لکھنؤ انہیں بکمال فخر اپنا ہم صفیر و ہم وطن بیان کرتے ہیں اور درحقیقت وہ اپنی قیام گاہ کے واسطے مایۂ افتخار و نازش تھے۔ انہیں اکثر فنون میں خصوصاً شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا۔ تبحر علمی کے علاوہ فن سخن و دقائق شعر میں نظیر نہ رکھتے تھے بندش مضمون۔ نازک خیالی۔ قادر الکلامی۔ اور خوش گوئی میں لاجواب تھے۔ مصحفی۔ انشا اور جرأت کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ آتش۔ ناسخ۔ وزیر اور صبا کے زمانہ تک زندہ رہے۔ صبح صادق۔ نورالانشا۔ محامد حیدریہ۔ دیوان فارسی۔ دیوان ریختہ۔ اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب ان کی یادگار ہیں۔ بعد غدر ۱۸۵۸ء لکھنؤ میں وفات پائی۔ ان کا کلام عنقا کا حکم رکھتا ہے بہر حال جسقدر مختلف تذکروں میں نظر سے گزرا اُسی کا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی طبعزاد کتابیں حصار مطبع کی زیر حفاظت نہ آنے پائیں۔ اس سے کمیاب بلکہ نایاب

ملنا تو ایک بار نہ موقوف ہم سے کر + تا رفتہ رفتہ ہم ترے ہجراں سے خو کریں

ڈرتے ہے بیگانے نہ میرے بعد اُسکے یار ہوں ورنہ جی دے بیٹھنا کچھ عشق میں مشکل نہیں

کشورِ عشق میں بیکار ہے اعجازِ مسیح لوگ یاں مرگ سے امیدِ شفا رکھتے ہیں

جان دی ہم نے ہوئی تب غمِ ہجراں سے نجات عقلا اس لئے کچھ چیز لگا رکھتے ہیں

لوگ جب سنتے ہیں قصے ترے دیوانوں کے قیس و فرہاد کے افسانہ اُٹھا رکھتے ہیں

دیا بوسہ دہن کا اُسنے ہمت اسکو کہتے ہیں یہ تنگی اور یہ بخشش سخاوت اسکو کہتے ہیں

خرامِ ناز سے آسودگانِ خواب اُٹھ بیٹھے یہ چلنا کیا ہے آشوبِ قیامت اسکو کہتے ہیں

جگر سینہ و دل ٹھکانے بہت ہیں
ترے تیر کے یاں نشانے بہت ہیں
پس از قتل باقی ہے تشہیر ہونا
ترے جور ہمکو اُٹھانے بہت ہیں
کسی نے کہا تم پہ مرتا ہے اختر
کہا اس نے ایسے دیوانے بہت ہیں

عمر جو گزری سو گزری فکرِ باقی کیجیے
ہے یہ آتش یادگارِ کاروانِ سوختہ

سیر کیا یاں خاک ہے گل کی پریشانی کو دیکھ بیٹھ کر ہم بھی کوئی دم مثلِ شبنم رہ گئے

کیا تأسف سے تڑپتے ہیں اسیرانِ چمن کچھ جو اُڑتی سی سُنی ہے کہ بہار آئی ہے +

روز عاشق کو ترے بادیہ پیمائی ہے شب کو بیچینی ہے بیخوابی ہے تنہائی ہے

ہاتھ سے دل لیگئے جی سے قرار آنکھوں سے خواب چشمِ جادو بھی تری کیا صاحبِ تسخیر ہے

کیوں نہ سوجھا حیف یہ نمرود اور فرعون کو اُسکے بندے ہوکے عالم میں خدائی کیجیے

ہوں نالہ کش اُن سرمگیں آنکھوں کا جو اختر دود نفس سوختہ سینے میں فغاں ہے

دور اب وہ ہے کہ آخر جاے مے جس بزم میں ہے شراب دشمنی سے پُر ایاغِ دوستی

عجب ڈھب کی یہ تعمیرِ خراب آباد ہستی ہے کہ پستی یاں بلندی ہے بلندی یاں کی پستی ہے

حصولِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں ہماری سعی باطل دیکھکر تقدیر ہنستی ہے

جگر ہے مائلِ سوز آنکھ بھی رونے ہی پر تلتی ہے الٰہی کیا کروں میں سخت کافر آب و آتش ہے

سوزِ دل دیواں کا اپنے باعثِ تعظیم تھا

دل مجھ کو ہائے بیکس و بیچارہ کر گیا

لخت دل پیہم جو آتے ہیں چلے اشکوں کے ساتھ

دھیان ہے اسکی طرف اپنی نگاہِ ناز کا

خمیازہ کش ہنو لبِ جاناں شراب کا

بن تیرے مرا لب کبھی گویا نہیں ہوتا

مر کر فراقِ یار میں دل نام کر گیا

نظر میں جلوہ گر عارض ہے کس خورشید تاباں کا

اے مے تو سرخرو رہے اس بزم میں مدام

لطفِ بیحد سے ترے سب دشمنِ جاں ہو گئے

نیند بیمار کو ہرگز نہیں آتی ہے مگر

مستی و ہوش کسی نے کہیں یکجا دیکھا

حبابِ آبجو میں عکسِ گل ہے یا مجھے [illegible]

نکیا دل کو ترے ناوکِ مژگاں سے عزیز

جگر آتشیں دل آتش دیدۂ تر شعلۂ آتش

ہماری خاک کو پہنچائے یار کے در تک

کبھی بھولے سے ادھر اُس نے نہ کی راہ غلط

جس گل کو آبِ چشم سے پالا ہو سکے اب

کوچہ میں پریزادوں کے جاتا ہے تو اختر

جام مے بہا کے الفت سے مجھے رکھئے معاف

سبزۂ بیگانہ ہوں میں گرچہ طرف باغ میں

صفحۂ رنگیں خیالی باغِ ابراہیم تھا

اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا

اشک کا ہر تار اک تسبیحِ مرجاں ہو گیا

شور ہے صیدِ حرم تک جس شکار انداز کا

محتاج کب ہے آبِ بقا آفتاب کا

بے موسمِ گل غنچہ کبھی وا نہیں ہوتا

ناکام گو جہاں سے گیا کام کر گیا

کہ ہے تارِ شعاعِ مہر ہر مو اپنی مژگاں کا

تو نے اٹھایا یار سے پردہ حجاب کا

ابرِ رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

مردمِ چشم ترے رکھتے ہیں بیماری و خواب

ہاں تری آنکھوں میں ہم پاتے ہیں ہشیاری و خواب

بلوری جام میں دی ہے شرابِ ارغوانی بھر

آگے ہمت کے مرے کچھ نہیں مشکل سے عزیز

ہوا ہوں سوزِ الفت سے سراسر شعلۂ آتش

اجل کے بعد ہے اتنی ہمیں صبا سے غرض

جذبۂ دل ہے دروغ اور اثرِ آہ غلط

آنکھوں میں ہم کھٹکنے لگے مثلِ خارِ حیف

اس راہ میں ہم سنتے ہیں اکثر مضطرِ دل

میں ازل سے کیفِ چشمِ بتانِ سادہ ہوں

لیکن اے بادِ صبا تیری ہی میں آوردہ ہوں

و روش کا باغ بنوایا۔ اُسے عمارات وایوان دلکشا۔ بارہ دری نہر و پل سنگ مر مر۔ و تصاویر سنگی سے مزین کیا دو کرور روپیہ اس عمارت پر صرف ہوا ہر ایک برسات میں وہاں میلے ہونے لگے۔ ہر میلے میں بادشاہ اور ندیمان بارگاہ اُس میلہ کی مناسبت سے خاص خاص ایک ہی رنگ کے لباس زیب بدن فرماتے تھے۔ اور تمام جلوس بھی اُسی رنگ کا ہوتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت بیس برس کی عمر تھی۔ عین عالم شباب تھا۔ شروع میں چند روز انتظام امور خسروی کا شوق رہا۔ فوج۔ عدالت و رعایا پروری کا ذوق رہا مگر ندیمان کوتہ اندیش و مقربان بدخواہ نے رفتہ رفتہ عیش و عشرت کی طرف لا ڈالا بیشتر رقص و سرود کی طرف توجہ رہی۔ نماز صبح کے بعد سے شام تک شغل اسلام و فکر شعر میں اوقات عالی صرف فرماتے۔ شام کو اکثر سوار ہو کر نصف شب تک سیر و گلگشت کیا کرتے تھے۔ مغرور المزاجی کے باعث اکثر مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف رہا۔ مثنوی غزالہ وماہ پیکر کی تصنیف سے جلسہ رہس کی بنیاد پڑی۔ صدہا طوائف حسین و جمیل و خوش گلو اس رہس میں ملازم ہوئیں۔ ہر ایک کو لباس فاخرہ و زیور مرصع عطا ہوا۔ پردے و دیگر سامان بھی اسی شاہانہ پیمانہ پر طیار و مرتب ہوا ہزاروں بندگان خدا اسی بہانے سے برسر روزگار ہوئے۔ نئے نئے فسانے تیار ہوئے الغرض جملہ شوق اسیطرح بے غل و غش پورے کئے ۲۰ شعبان ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۸ء نواب علی نقی خاں دستور معظم کی بیٹی صاحبزادی نواب رونق آرا بیگم سے سلطان عالم کا عقد نکاح شاہانہ دھوم دھام سے عمل میں آیا۔ ملکۂ دوراں اختر محل اُنکا خطاب ہوا۔ اور بھی باعث ازدیاد قرب و اعتبار ہوا۔ چند روز بعد مرتبت خسروانہ حضور عالم کا خطاب عنایت ہوا۔

۱۷۔ اکتوبر ۱۸۴۸ء کو کیوان قدر۔ مرزا حامد علی بہادر ولی عہد کی شادی نواب سرفراز الدولہ کی صاحبزادی سے جو بادشاہ کی حقیقی ہمشیرزادی تھیں بہ تجمل شاہانہ عمل میں آئی۔ سلطان عالم کی جود و سخا کا بیاں کما حقہ کرنے کیلئے ایک علیحدہ دفتر درکار ہے مختصر یہ کہ محلات معلی و اقربائے شاہی و مصاحبین کو زیور۔ جواہر املاک و معافیات مالیت کئی کرور روپیہ عطا کیا۔ انیس الدولہ گویا ندیم خاص تھا املاک آبائی واقعہ شاہجہاں آباد جسکی قیمت کسیطرح پچاس لاکھ سے کم نہ تھی اُسے بخش دی۔ اسیطرح حکیم شفاء الدولہ

قلق ہے درد ہے کاہش ہے غم ہے ناتوانی ہے
فراق یار ہے یا یہ بلائے آسمانی ہے
ادہر قاصد گیا ہے اور اُدہر جاتا ہے جی اپنا
جواب نامہ تک کسکو امید زندگانی ہے
جلد آ پیارے کہ تیرے دیکھنے کے واسطے
اشک حسرت اور دل اندوہگیں آنکھوں میں ہے
بن تیرے گلگشت گلشن میں ہیں لے رشک گل
شکل خنجر برگ برگ یاسمیں آنکھوں میں ہے

اختر

(اختر) صاحبعالم مرزا وجیہ الدین گورگانی۔ مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی کے پوتے اور مرزا بلاقی بدر کے بھتیجے تھے۔ غدر سے پیشتر قلعہ معلی دہلی میں انکے دیوان خانہ میں اکثر محفل شاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔ اُس زمانہ میں انکی عمر مشکل ۸ و ۹ برس کی تھی مگر تیزی طبع اور رسائی ذہن کا یہ عالم تھا کہ اکثر شریک مشاعرہ ہوتے یہ اُسی زمانے کا کلام ہے ؎

یہ عمر اور عشق کا آزار دیکھنا
اور دل پہ پھر یہ صدمہ شب انتظار کا
واں اُسنے بُلایا ہے کہ تو رات کو آنا
یاں دن کو نکلنا بھی میسر نہیں ہوتا

اختر

(اختر) سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ بہادر جنت آرامگاہ خاتم خاندان سلاطین اودھ۔ جنت مکان حضرت امجد علیشاہ چہارمیں بادشاہ اودھ کے خلف اکبر نواب ملکہ کشور تاج آرا بیگم صاحبہ کے بطن سے تھے۔ ۲۶۔ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق فروری ۱۸۴۷ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ "مبارک مبارک ہو شاہانہ تاج" تاریخ جلوس ہوئی۔ رفیقان قدیم ذوالفقار الدولہ۔ قطب الدولہ رضی الدولہ۔ مصاحب الدولہ۔ انیس الدولہ۔ وغیرہ کو خطاب و مناصب سے ممتاز فرمایا۔ چند ماہ کے بعد نواب امین الدولہ وزیر جنت مکان کو برطرف کرکے اُنکی بجائے نواب مدار الدولہ علی نقی خاں رشتہ دار نسبتی بادشاہ عمو نے ملکہ مخدرۂ عظمےٰ نواب خاص محل صاحبہ کو ۵۔ اگست ۱۸۴۷ء کو خلعت ۹ پارچہ اور خطاب امیر الامرا مدار المہام منتظم الملک سہراب جنگ سے مفتخر فرماکر وزیر کیا اور مہاراجہ بالکرشن کو خلعت دیوانی عنایت کیا۔ بادشاہ نے نواب کو اپنا خیرخواہ و عزیز سمجھکر معتمد علیہ بنایا اور سیاہ و سفید کا مالک کردیا۔ تخت نشین ہوتے ہی تعمیر قیصر باغ مدنظر ہوئی نئی طرز

میں جو مولوی مسیح الدین خاں سفیر شاہی نے پہلے سے بکرایہ تجویز رکھی تھی رونق افروز ہوئے۔ ادہر چیف کمشنر نے جایزہ جملہ کارخانجات سلطانی اور ملازمینِ شاہی لیا۔ فوج پیادہ و رسالہ ملاکر مجموع ۸۰ ہزار ملازم ہر فرقہ و پیشہ بموجب فردِ دفتر شاہی برآمد ہوئے۔ سب کو حکمِ برطرفی سنادیا۔ سات ہزار چوپایہ۔ دو سو ہاتھی۔ دو ہزار گھوڑے۔ ۸۰۰ شیر دو لاکھ کبوتر اور بیشمار اسباب سرکار شاہی میں موجود پایا۔ جنکا کوٹھی دلآرام میں دو ماہ تک نیلام ہوتا رہا۔ اسیطرح اور اسباب کیا ب کوڑیوں پر نیلام ہوا۔ کروڑوں روپیہ کا سامان جو سو برس سے اوپر زمانِ وزارت و شاہی میں مہیا ہوا تھا چشم زدن میں برباد ہوگیا۔ دیکھتے دیکھتے سب کارخانۂ شاہی درہم برہم ہوگیا ؎

	مگر جب زوال آگیا گھر لٹا	بہت عہد اقبال میں زر لٹا	

بعد ورودِ کلکتہ سلطان عالم نے کچھ مشاہدۂ صعوبت سفر اور کچھ مصلحت وقت سے اپنا ارادہ روانگی ولایت فسخ فرمایا اور یہ ٹھیری کہ بجائے خود مادر مقدسہ جناب عالیہ ملکہ کشور صاحبہ کو مختار جزو کل بناکر واسطے درستیٔ امور شاہی روانہ کیا جائے۔ چنانچہ جنابعالیہ مع فرزند دومی جنرل مرزا سکندر حشمت و مرزا حامد علیخاں ولیعہد بہادر ۱۸۔ جون ۱۸۵۶ء کو بوقت شب سوار ہوکر راہیٔ منزل مقصود ہوئیں اس قافلۂ شاہی غریب الدیار میں ۱۱۰ زن و مرد تھے۔ بادشاہ نے تحائف گراں بہا و نایاب برائے نذر حضرت ملکہ معظمہ اور دو برس کا زاد راہ دیکر رخصت کیا۔ انہیں پریشانیوں میں ایک برس مشکل سے گزرا تھا خبر آئی کہ میرٹھ اور دہلی میں فوج برگشتہ ہوگئی۔ اور فوج باغی نے لکھنؤ میں مرزا برجیس قدر کو مسندِ حکومت پر بٹھادیا۔ ایسی تشویش ناک حالت میں گورنر جنرل نے بلحاظ مصلحت وقت حکم دیا کہ سلطان عالم فورٹ ولیم میں قیام فرمائیں چنانچہ صاحب سکرٹر اعظم یہ پیغام لیکر حاضر حضورِ شاہی ہوئے اور اُسیوقت اپنے ہمراہ فورٹ ولیم لے گئے۔ نواب مجاہد الدولہ پھوپھا مرزا فتح الدولہ برق۔ مصلح السلطان نواب عنایت الدولہ وغیرہ۔ ہمرکاب رہے چنانچہ وہیں ۲۸ صفر ۱۲۷۴ھ کو فتح الدولہ برق نے بحالت تپ انتقال کیا۔ بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اُستاد بلکہ جاں نثار تھے ابھی رہائی نہیں ہوئی تھی کہ جنابعالیہ ملکہ کشور والدہ کے انتقال کی خبر پیرس سے

کو جونپور کی جاگیر جسکا محاصل کثیر تھا عنایت کی الغرض یہ نفسِ نفیس ہمیشہ رعایا پروری۔ دادگستری ملحوظ خاطرِ اقدس رہی مگر وزیراور دیگر مقربان بارگاہ شاہی کی ناقابلیت اور غفلت سے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اور باوجودیکہ حکام انگلیشیہ نے بار بار فہمایش کی کوئی اثر مترتب نہوا۔ انجام کار سرکار انگلیشیہ نے ملک کی بدنظمی۔ محاصل کی کمی۔ اسراف کی زیادتی اور تعلقہ داران کی سرکشی دیکھ کر ۲۱۔ جنوری ۱۸۵۶ء کو انتزاع سلطنت کا فتوی سنایا۔ اور ۷۔ فروری ۱۸۵۶ء میں ملک اودھ پر جسکی آمدنی دو کروڑ سالانہ سے کم نہ تھی قابض و متصرف ہو کر صرف پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ سلطانعالم کے اخراجات کے لئے مقرر کیا اس نازک حالت میں بھی سلطانعالم نے صبر و استقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر حالت میں رضا جوئے دولت برطانیہ رہے اور خود احکام و فرامین جاری فرما کر تمام ممالک محروسہ کا دخل اہالیانِ سرکار کے تفویض فرما دیا۔ بصلاح و صوابدیدِ اعزا و اقربا یہ تجویز ٹھہری کہ بہ نفسِ نفیس ولایت انگلستان تشریف لے جاکر جناب علیہ ملکہ معظمہ کے حضور میں مواہید و اقرار نامجات سابقہ کو پیش کر کے استردادِ سلطنت کی درخواست کریں۔ چنانچہ ۵۔ رجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۳۔ مارچ ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بہرات گئے اپنے پھوپھا نواب حسام الدولہ بہادر کو لکھنؤ میں اپنا مختار مقرر فرما کر راہی کانپور ہوئے اُس وقت جو حالت اقربا و متوسلین شاہی کی ہوئی اُسکے تصور سے کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ جناب عالیہ ملکہ کشور۔ نواب خاص محل صاحبہ معشوق محل۔ جنرل مرزا اسکندر حشمت برادر حقیقی۔ مرزا ولیعہد اور جنرل فریدوں قدر اور نواب منور الدولہ بہادر وزیر زمانِ امجد علی شاہ ہمراہ رکاب رہے۔ انکے علاوہ کم و بیش تین سو متوسلان بارگاہ نے بھی رفاقت کر کے حق نمک ادا کیا۔ سامان سفر درست کرنے کے بعد بادشاہ ۷۔ اپریل کو کانپور سے روانہ ہو کر ۱۶۔ اپریل کو بنارس پہونچے اِن ایام میں گرمی کی بڑی شدت تھی۔ چنانچہ سفر میں از حد تکالیفِ شاقہ اُٹھائیں۔ البتہ بنارس میں ہر طرح کا آرام ملا۔ مہاراجہ ایشری پرشاد نراین سنگھ نے مراسم مہمانی اس شان و شوکت اور فراخدلی سے ادا کئے کہ خود سلطانعالم باوجود آلام روحانی اُنکے حسن خدمات سے خوش و سپاس گزار ہوئے دس روز وہاں قیام کر کے راہی کلکتہ ہوئے اور ۱۳۔ مئی ۱۸۵۶ء میٹیا برج مہاراجہ بردوان کی کوٹھی

غالباً اسی دُھن نے امورِ سلطنت کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ خود اس فن میں ایسا دخل رکھتے تھے کہ جواب نہ تھا خیر اب اس قصّہ کو یہیں چھوڑ کر ہم انکی نفسِ شاعری کے متعلق اپنی راے ظاہر کرتے ہیں۔ انکے متعدد دیوان۔ مثنویاں۔ ضخیم مرثیے۔ سلام اور مختلف اور بے شمار نظمیں دیکھکر ہر شخص یہ راے قائم کرسکتا ہے کہ سلطانِ عالم ہر وقت اور ہر لحظہ اسی فکر میں رہتے ہونگے۔ ہر رنگ اور ہر طرز میں لکھا ہے مگر اساتذۂ لکھنؤ کی خشک کلامی کے زبردست اثر پر حاوی نہو سکے چنانچہ کلام میں سوز و گداز کم ہے۔ اور زیادہ تر رعایت لفظی ہی کی تکرار ہے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ سلام۔ قطعہ الغرض کوئی صفتِ شاعری انکی تکرار سے نہیں چھوٹی بلکہ اپنی حیرت انگیز پرگوئی کی بدولت جو کچھ لکھا جی بھر کر لکھا مگر افسوس ہے کہ جملہ تصانیف میں صرف مثنویوں نے قبولیت کا درجہ حاصل کیا۔ وزیر السلطان نواب امیر علیخاں صاحب نے وزیر نامے میں آپ کی تصانیف کی فہرست لکھی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے

۶ دیوان۔ شیوعِ فیض۔ قمرِ مضموں۔ سخنِ اشرف۔ گلدستۂ عاشقاں۔ اخترِ ملک۔ نظمِ ناموَر۔ متعدد مثنویاں۔ حزنِ اختری۔ بنی۔ ناجو۔ دولہن۔ در فنِ موسیقی۔ قصائد فارسی و اردو۔ مباحثہ بین النفس والعقل۔ نصائح اختری۔ عشق نامہ۔ رسالۂ ایمان در بیان مصائب اہلبیت۔ دفترِ پریشان۔ مقتلِ معتبر۔ دستورِ واجدی در سیاستِ مدن۔ صوت المبارک۔ ہیبتِ حیدری۔ قصائد المبارک۔ جوہرِ عروض۔ ارشادِ خاقانی در عروض۔ اور خدا جانے کیا کچھ لکھا ہے۔ جملہ تصانیف کی تعداد چالیس جلدوں سے کم نہیں ہے۔ انکے زمانے میں کیا بلکہ ان سے پہلے ہی لکھنؤ کے شعرا رعایت لفظی اور استعارہ بندی کا ایسا رواج دے گئے تھے کہ وہاں والے اب تک اس طرز پر مٹے ہوئے ہیں۔ غزلوں میں حضرت اختر کی روش بھی وہی تھی۔ پس ہم نہایت آزادی سے اس رعایت لفظی کی پابندیوں کو مدِنظر رکھکر ان کی غزلوں پر راے دیتے ہیں کہ انکے کلام میں اکثر جگہ موزونیِ طبع اور فراہمیِ الفاظ کے سوا کوئی خاص زبان یا بیان کا لطف نہیں پایا جاتا۔ مثنویوں میں البتہ اکثر جگہ روزمرہ اور بیان کی صفائی کا خیال رکھا ہے۔ انکی اکثر تصانیف سلطانی مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جو اب کمیاب ہیں۔ راقم تذکرہ نے بہت کوشش۔ تلاش کے بعد انکی تصانیف کا کافی سرمایہ

آئی - چند ہی روز بعد برادر عزیز جنرل سکندر حشمت کی خبر رحلت ملی - ان صدمات پیہم سے ازحد رنج و ملال ہوا - آخرکار خدا خدا کرکے بعد فروہشگا کامل ۲۶ ماہ کی کڑیاں جھیلکر حکم رہائی ملا۔ چنانچہ ۹ - جولائی روز شنبہ ۱۸۵۹ء حضرت سلطان عالم مع رفقائے خاص قلعے سے داخل مٹیا برج ہوئے - اُسدن جملہ محلات معلی میں شکرانۂ سلامتی ادا ہوا - ۲۹ ستمبر ۱۸۵۹ء کو مرزا ولی عہد بہادر بھی سفر ولایت سے واپس آ گئے - کم و بیش دو کروڑ روپیہ کی زیرباری اس سفر میں ہوئی اور نتیجہ جو کچھ نکلا ظاہر ہے +

اگرچہ شاہ اودھ کی ظاہری حالت اور انتزاع سلطنت کو دیکھ کر عبرت پسندوں کا خیال تھا کہ اب وہ طمطراق و شاہانہ عیش و نشاط اس مٹیا برج میں کہاں مگر نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور حقیقت حال سے آگاہ اشخاص بخوبی جانتے ہیں کہ اس فلاکت اور گئی گزری حالت میں بھی اس باوضع بادشاہ نے تادم مرگ اپنی کسی عادت اور کسی شاہانہ عیش پرستی و شغل میں فرق نہ آنے دیا - اور اس شعر کا مصداق بنا رہا ؎

تند باد قہر نے کشتی کو توڑا پر میاں		زمزمہ لب پر وہی ہے ہرچہ بادا باد کا

اس غریب الوطنی میں بھی بیس ہزار قدیم متوسلین حضرت کے ہمرکاب رہے اور سب کے ساتھ حتی الوسع وہی سلوک وہی برتاؤ قائم رکھا جو زمانہ سلطنت میں برتا جاتا تھا - جس نے مٹیا برج کی اُس زمانے میں سیر کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اس مٹی ہوئی حالت میں بھی اُسے باغ ارم بنا کر راجہ اندر کا اکھاڑا کر رکھا تھا - اسپر محلات و ایوان دلکشا کی وہی شان - سامان و اسباب آرایش کی وہی افراط جو ہر شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے غرض وہ کون سی شوکت و شان تھی جو وہاں نمایاں نہ تھی - ہر قسم کے جانوروں کا دلی شوق تھا - چنانچہ آپ کا چڑیا خانہ ایسا نادر اور بے مثل تھا کہ اکثر یورپ کے سیاح اُسے دیکھنے آتے تھے اور آپکے مذاق اور تلاش کو سراہتے تھے اس مقام پر یہ کہنا بیجا نہیں کہ دنیا کا وہ کون شوق تھا جو سلطان عالم کو نہ ہوا اور خدا کے فضل و کرم سے سب ہی شوق پورے ہوتے تھے - ہر ایک شوق سے بڑھکر فن موسیقی کے رسیلے تھے - اور

انتخاب از دیوان سوم معروف بہ قمر مضمون

اِس عشق نے رسوا کیا
آہ دلِ ناشاد نے
میں کیا بتاؤں کیا کیا
اور آسماں پیدا کیا

آتشِ ہجراں کا دنیا میں فسانہ ہو گیا
آگے فردوسِ بریں تھا اب ہے مالک کا گھر
اے پریزادو تمہاری آگ نے پھونکا یہ گھر
جب سے بنگالے میں رہنے کی اقامت دیکھنا
دیکھا کئے جنازہ رونے کا تھا اجازہ
ہاتھوں سے دل نکلکر بانسوں اُچھل پڑا ہے
تم پوچھ لینا ہر جاسب جانتی ہے دنیا

موچی کھولا جل کے کالا جیلخانہ ہو گیا[۵۱]
رشکِ قصرِ ہشتیں سلطانخانہ ہو گیا[۵۲]
قاف سے تاقاف شہرہ اور فسانہ ہو گیا
ناوکِ سوزاں کا ہر بنگلا نشانہ ہو گیا
اِتنا مگر نہ پوچھا عاشق خفا ہے میرا
ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
مظلوم و مضطر اختر بے بر تبہ ہے میرا

فاختہ ہوں میں گل سی صورت کا
چال سے انکی حشر برپا ہے
شفق سُرخ چرخ کے اوپر
سروِ آزاد ہوں محبت کا
قد بھی مضمون ہے قیامت کا
خون ہے جامۂ شہادت کا

کمر دھوکا دہن عقدہ غزال آنکھیں پری چہرا
برائے سیر مجبار ند میخانے میں گر آئے
ہی تشویشِ شب و روز ہے بنگالے میں
سلطنت چھوڑ دی درد لیشونکی صحبت کیلئے
جسکی جو بات ہے تا مرگ رہی اُسکے ساتھ

شکم ہیرا بدن خوشبو جبیں دریا زباں عیسیٰ
گرے ساغر لنڈھے شیشہ ہنسے ساقی بہے دریا
لکھنؤ پھر بھی دکھائیگا مقدر میرا
صنعتِ عشق میں ہے کوئی بھی ہمسر اپنا
ایک پیوند بھی اِس جامے میں جوڑا نہ گیا

[۵۱] کلکتہ میں جس محلہ میں شاہ اودھ مقیم تھے اُسکا نام ہے ۱۲
[۵۲] اُس شاہی محل کا نام ہے جسمیں خود بادشاہ بنفسِ نفیس رہتے تھے ۱۲

ہم پہنچایا - دیوانوں اور مثنویوں کے علاوہ انکے مکتوبات وغیرہ دیکھکر ایک عجیب اور قابل قدر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ اختر ہی ایک ایسے بے دھڑک اور سچے شاعر تھے جنہوں نے اپنے تمام خفیہ رازوں دلی بھیدوں اور خانگی باتوں کو اصلاح صاف صاف الفاظ میں نہ صرف اپنی خاص مجلس اور چند محرم راز لوگوں میں بیان کیا بلکہ اُن خیالات کو زیور طبع پہنا کر ملک کے سامنے بھی پیش کر دیا - انکی یہ اخلاقی جرأت واقعی اس خاص روش میں تمام شعرائے ماضی وحال سے بڑھ گئی ہے ایامِ ولی عہدی سے کلکتے کے جانے کے وقت تک منشی منظفر علی اسیر اور فتح الدولہ برق آپکے ہم صحبت و ہم مشورہ رہے - شعرا کی بڑی قدر فرماتے تھے چنانچہ خواجہ اسد قلق - زکی - درخشاں - قبول - میر علیجان شغق - بجود - ہنر - عطارد - ہلال - وغیرہ صدہا شعرا آپکے دامن دولت سے وابستہ تھے - افسوس ہے کہ آپکی اولاد امجاد میں سے مرزا ولیعہد - جنرل فریدوں قدر - مرزا خوش بخت وغیرہ لائق اور قابل شاہزادے آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اخیر زمانہ میں صاحب عالم مرزا جہاں قدر بہادر خلف ارشد جنرل مرزا سکندر حشمت کو اکثر سعادتِ ملازمت نصیب ہوتی تھی اُن سے مہر و محبت بھی ایسی تھی کہ بعینہٖ فرزندانہ برتاؤ اُن سے ہوتا تھا جس سے خود اُنکے اور لوگوں کے دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہوتی تھیں - انجام کار رئیس سرزمین ہند کا آخری خود مختار بادشاہ ۲۱ - ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق سوم محرم ۱۳۰۵ھ کو ایک خفیف علالت کے بعد سلطانخانہ مبارک میں راہی عالم بقا ہوا اور تیسرے روز اپنے تیار کردہ امام باڑہ سبطین آباد میں پیوند زمین ہوا - راقم تذکرہ بارہا مٹیا برج و مدفن سلطانعالم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے *

شاہزادگان والاتبار میں پرنس افسر الملوک مرزا اکرم حسین بہادر جو بلحاظ عمر اپنے بھائیوں سے بہت چھوٹے مگر بلحاظ علم و فضل و لیاقت ذاتی ہر طرح افضل و فائق ہیں - خاص طور پر قابل ذکر ہیں - راقم تذکرہ کو آپ کی خدمت میں عرصہ سے شرف نیاز حاصل ہے - از بس نوازش فرماتے ہیں *

اب ناظرین کی دلچسپی کے لئے مطبوعہ دیوانوں کا انتخاب پیش کش کیا جاتا ہے *

اختر ہوں میں ہوزند مرے کوکبِ[۵۱] جبیں[۵۲]
کیوں سلسل کیا چھوڑ دے مجھے آئی ہے ہما

روشن ہے مہ و مہر سا گھر بھر کا تخلص
اب تو دارفتۂ گیسوئے علم جلد ہوں میں

اڑیں جیبو پہ جب جا کر تو نظر سے ہٹ نہیں سکتیں
سخاوت کیا کروں گا داغہائے جسم عریاں سے
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہے فرقت میں
وہ معشوقِ حقیقی ہے جو بے غم ہے زمانے میں
یہی منظور ہے دم بھر نہوں وہ دور آنکھوں سے
قید ہونے سے کہیں لوٹنے ریاست جائیگی
نقشِ حُب تک کھو گیا جب سے ریاست مٹ گئی

سمندر میں بھی ٹکر کھا کے موجیں ہٹ نہیں سکتیں
خزانے میں وہ مہریں جمع ہیں جو بٹ نہیں سکتیں
وہ راتیں ہجر کی ہیں اے خدا جو کٹ نہیں سکتیں
مجھے دو چار دل اس طرح کے لادو جو بے غم ہوں
مری آنکھوں کی پتلی کی طرح وہ پاس ہر دم ہوں
لاکھ گردش آسماں کو ہو زمیں ہوتا نہیں
اب مسخر بھی کوئی زہرہ جبیں ہوتا نہیں

دکھاتے ہیں جو یہ صنم دیکھتے ہیں
زن و خویش و فرزند دولت سے چھوٹے
اے شہِ حسن عشق نے لوٹا

خدا کی خدائی کو ہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
عدل کر عدل بیداد ہے تو

یہی تکلف بخشش ہے بے غرض ہو نہال
لبالب کر دے اے ساقی ہے خالی میرا پیمانہ
مجھے مشرک نہ سمجھو میں موحد ہوں زمانے میں

جو چاہوں میں وہ مجھے بے سوال دیدالو
سلامت دورِ گردوں تک یہ شیشہ اور میخانہ
تصاویرِ خیال سے بھرا ہے میرا بتخانہ

[۵۱] مرزا حامد علی ولیعہد کا تخلص ہے۔ بعالم شباب کلکتے میں سفر آخرت اختیار کیا ۱۲

[۵۲] سلطان عالم کے خلعت چہارمیں مرزا برجیس قدر کا تخلص ہے۔

آشوب غدر میں ان کی والدہ حضرت محل نے انہیں مسندِ حکومت پر بٹھا دیا تھا۔ اُس زمانے میں انکی عمر دس سال کی تھی بعد فتح لکھنؤ اپنی والدہ کے ہمراہ نیپال چلے گئے اور ایک عرصہ دراز تک وہیں رہے۔ مہاراجہ سر جنگ بہادر نے معقول وظیفہ اخراجات خاصہ کے نام سے مقرر کر دیا تھا۔ بعد وفات سلطان عالم وراثت پدری کے دعویدار ہو کر کلکتے آئے تھے کہ ناگہاں پیام اجل آگیا ۱۲

وفا گبر و نصارا میں کہاں سے کیا گئے ہم گوں — اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو بے ایماں مجھے لکھنا
نہیں چاہیئے قصرِ فردوس زاہد — مجھے ہے فقط کوئے جاناں سے مطلب
میرے دم سے ہوئی دنیا میں بنائے غربت — ہے وطن خواب بنی منزلِ وجائے غربت
ملک و مال وزن و فرزند و ریاست سے چھٹا — مجھے مظلوم بھی کہتے ہیں ورائے غربت
مرضِ ہجرِ وطن کی نہوئی کچھ تدبیر — خضرِ عشق بتائے گا دوائے غربت
زلفِ تہمت سے پھنسی آن کے کلکتے میں — مجھ نے زنداں[۱] کو بھی دیکھا ہے سوائے غربت
لوگ کہتے تھے سفر[۲] خوب ہے لاکن ہیہات — رنج سے بڑھ کر کہیں ہے بلائے فضائے غربت
شہ کہیں کا ہے وطن کسکا مرا نام یہ ہے — بندۂ درگہِ اللہ گدائے غربت
یہ تمنا ہے زیست میں اے بارِ خدا — پھر مجھے لکھنؤ دنیا میں دکھائے غربت
ظلمِ ظالم سے نہ مفلس کوئی بے گھر ہوئے — کسی مظلوم کو یارب نہ ستائے غربت
ہاں وطن دیکھوں تو شاداں ہو دلِ زار مرا — یہ بھی ممکن ہے کہ روتے کو ہنسائے غربت
وسعتِ خلد سے بڑھکر ہے کہیں حبِ وطن — تنگیٔ گور سے بدتر ہے فضائے غربت
یوں تو شاہِ ازن ہماں پہ ہے پڑا وقت مگر — ختم ہے اخترِ بیکس پہ جفائے غربت

نفیسِ اپنی بھی گذری تھی بنائے گا — شہ کرم سے نے سرِ تخت گر سنوارا تاج
غرور و مے پرستی خوئے بد رنج — یہ انساں کے لئے ہیں چار دوزخ

کس کی نگاہِ تیز کا مائل ہے دیکھنا — دل سینے میں جو ہے تپے نوکِ سناں لوداس

۱؎ ہنگام غدر ۵۷ء میں سرکار انگریزی نے بنظر مزید احتیاط سلطان عالم کو فورٹ ولیم کلکتہ میں ۲۶ ماہ تک نظر بند رکھا تھا اسکی طرف اشارہ ہے ۱۲

۲؎ بوقت انتزاع سلطنت رفقاء و ندماء کے مشورہ سے اپیل کرنے کیلئے ولایت جانے کا ارادہ تھا چنانچہ کلکتے تک آئے تھے کہ طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور بجائے خود اپنی والدہ ملکہ کشور اور حقیقی بھائی جنرل سکندر حشمت اور مرزا حامد علی اپنے ولیعہد کو انگلستان بھیج دیا۔ اور خود کلکتے میں معاودت کے منتظر رہے۔ لیکن پھر لکھنؤ جانے کی اجازت نہ ملی ۱۲

کلکتے کے آنسو ہیں رواں بھاگارتی میں
غربت کو تاسف ہے مری بیوطنی سے

میں قدرداں تمہارا ہوں تم میرے قدرداں
پروا نہیں ہے شاعرو تم کو جہاں کی

اب نشانِ عشق کلکتے میں گاڑا چاہئے
حُسن شہر لکھنؤ ہر دم اوجاڑا چاہئے

تری یاد کا دل میں وہ جوش ہے
غمِ دین و دنیا فراموش ہے

دیس اپنا چھُٹ گیا پردیس میں رہتے ہیں ہم
تجکو اے قوال مضمونِ خیالی چاہئے

خواہشِ وصل دونی ہے
طپشِ قلبِ زار دونی ہے

نہ ساتھ والو کرو بہانہ میں پوچھتا ہوں یہ دوستانہ
کدھر کو ہے قافلہ روانہ بتاؤ آئے ہو سب کہاں سے

کہاں جاتے ہو صاحب سو رہو اب رات بھی کم ہے
کیسے ٹھنڈا کروگے تم جلا کر ہم کو اے جانی

بقا جس کو ہے وہ راہ عدم ہے اے مسافر سُن
بناتا ہے کہاں پر قصر یہ تو دار ہے فانی

لگا ٹھوکر نہ پائے ناز سے تو
کبھی تاجِ سرِ ہندوستاں تھے

ظاہر میں ضعیفی ہے تو ہو پیر نہیں ہوں
جائیگی نہ تا حشر جوانی مرے دل کی

کلکتے نے نابود کیا خوابِ خوشی کو
پل بھر مجھے اس شہر میں غفلت نہیں آتی

انتخاب از دیوان گلدستۂ عاشقاں

کیوں پھڑکتا ہے تن میں طائرِ روح
مژدہ آزادی کا قریب آیا

دل تلک چھین لیا وصل میں اے خانہ خراب
خارِ فرقت کے سوا اب نہیں گھر میں تنکا

پھیلا ہے عبث داغ سینہ ناخنِ غم سے
اختر جو تمہارا مہ تاباں تھا تو یہ تھا

الفت ہے پری کی اُسے دیوانہ ہے اُسکا
دل مشق تصور سے پری خانہ ہے اُسکا

بے عاشقِ دلسوختہ معشوق نہ ہوگا
وہ شمع ہے جس جا ہیں پروانہ ہے اُسکا

ہم نمازوں میں جو بے باک کھڑے رہتے ہیں
سامنے یہ بتِ سفاک کھڑے رہتے ہیں

گو لے کے خط گئی ہے صبا یار کی طرف
نامے کے پرزے لیکے پھرے گی جواب میں

ضعیفی میں بھی لپٹی ہے بلائے شاعری ہمسے
نہ چھوٹے گی کبھی اختر قلم سے مشقِ طفلانہ

بدوں سے چین نہیں مثل بعد مردن بھی
کفن چرا کے جگے سنگِ مزار لوٹیں گے

چاند کو داغ لگایا رخِ جاناں تو نے
دامنِ دل کو کیا چاک گریباں تو نے

مرے داغ دل کا لگے داغ اُسکو
رخِ ماہ پر ہو نشانی ہماری

ریاست یاد کرنا ہے زر و سلطان عالم کی
یہاں مثلِ گدایاں جام لیکر جو آجائے

مصیبت گر پڑی راحت سے تم تبدیل کر دینا
خوشی سے دور کرنا جلد اُسکو غم جو آجائے

فوجِ حُسن آج چڑھی آئی ہے اے شاہِ ادا
عشق نے لوٹ لیا ہمکو دہائی تیری +

درگاہِ حق تعالیٰ کا کیا بند و بست ہے
درکار ہے وکیل نہ حاجت سفیر کی +

کیونکر سمجھاؤں اپنے دل ناصبور کو
اُٹھتی جوانی اُن کی ہے اُٹھتی اُمنگ ہے

گو تا ہوں بحرِ نغمہ کا میں بادشاہ ہوں
اے بھیرویں ادب سے یہ شہر تنگ ہے

نگر ظلم اتنا تو اے شاہ خوبی
محبت نے لوٹا دہائی ہے تیری

رکھائی کھجاوٹ رکاوٹ عیاں ہے
طبیعت بتا کس پہ آئی ہے تیری

زہرہ سہیل شمس خور بدر سہا تو کون ہے
ہوش رُبا ستم گر اماہ لقا تو کون ہے

روک نہ اِس خیال میں بول نہ ایسے حال میں
ٹوکتا ہے وصال میں مجھکو بھلا تو کون ہے

راگ خیال گاتا ہے رقص خوشی دکھاتا ہے
دور سے کیوں رجھاتا ہے پاس تو آ تو کون ہے

بجالاؤں گا سجدے شکر کے اُن کی جفاؤں پر
رضائے یار پر راضی ہوں میں حاضر مرا سر ہے

طلعتِ حُسنِ صاف جب دیکھے
آئینے پر غبار آجائے

دیکھ کرشمہ چشم میگوں کا
بے پیئے مے خمار آجائے

ردِ سوال کیا ضرور بوسہ بھی دیجئے حضور
عاشقوں کا تو کام ہے آپ کا اسمیں نام ہے

اختر پسند آگیا مصرع ہلالؔ[1] کا
دو لہ کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[1] ہلال تخلص ہے منشی امیر علیخاں لکھنوی کا جو میر علی اوسط رشک کے شاگرد اور حضرت سلطان العلم کے مٹیا برج کلکتے میں مصاحب تھے۔ حضرت جلال لکھنوی انہیں کے شاگرد ہیں ۱۲

اے دل یہ نصیحت کسی ناصح کی ہے سن لے
مری زبان سے پوچھو مزا محبت کا

بھولے جو تجھے اُسکو بھی تو یاد نکرنا
یہ خوب جانتی ہے ذائقہ محبت کا

مجھسے کیا پوچھتے ہو جاؤں نہ جاؤں آختر
نہ ٹوٹیں شیشہ و ساغر صراحی چور نہو
فقیری فخر شاہاں ہے یہ قول حمد کا ہے اے دل
نرہے گا نرہے گا بلد غربت میں

نہ کہے گا کوئی مجنوں اری لیلا اُٹھ حجاب
الٰہی خیر ہو وہ مست بے حجاب آیا
بڑا ہے تخت سلطاں سے کہیں پایہ توکل کا
اختر زار کو اب اپنا وطن یاد آیا

مجھی کو واعظا پند و نصیحت
اللہ نے وہ دولت صورت اُسے دی ہے
رند نہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں
جسنے نہیں دیکھا ہو وہ دیکھے آختر

کبھی اُسکو بھی سمجھایا تو ہوتا
دنیا میں ہے محتاج سخی اُسکے کرم کا
پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا
اپنا علم عشق رخ صمد پہ جھکا

کیا ہوا گر عشق میں تیرے لٹا ملک اودھ
رند مشرب کا گزر ہوتا ہے جب جائیں سب
شعر گوئی میں مزا ایسا ملا ہے اختر
عجب کوچہ ہے اپنے جی کا کہ پاؤں کٹتا نہیں خوشی کا
تیر ابھی دکھائی نہ دیا اے آختر
کس بلبل کے دلکو جلایا کونسی بیکل کلی ہوئی

اک گدا ادنیٰ سا ابراہیم ادہم ہوگیا
دین پوشیدہ کریں گبر و مسلماں اپنا
مرتے مرتے نہ کبھی شوق غزل جائے گا
پتہ نہیں اسکی دل لگی کا یہ دل بھی معشوق ہے کسی کا
کنج قاروں کا بھی ہرگز نہ کبھی مال کھلا
اتنی دیر رہے گلشن میں بولو کیا کیا کام کیا

میں بندہ بنا اور سے ہو نہ الفت
اک مرض جاتا رہا تو دوسرا پیدا ہوا
گاڑوں ڈھیر یہ کوئی کوئی نبیت
بہت زخم جراح تونے بھرے ہیں
اقلیم معانی میں عمل ہوگیا میرا

یہ قیمت ہے پہلے چکا لیجئے گا
قلب کے جلنے کا مجھکو عارضہ پیدا ہوا
خواب میں بھی یہی خیال رہا
مرے داغ کا کوئی مرہم نہ نکلا
دنیا میں بھروسا تھا کسے تاج و نگیں کا

جنت ہے کوئے یار ضعیفو تکی جا نہیں — گو شیخ اپنی ریش کو رنگے خضاب میں

اے طبیبو مرضِ عشق کی کرتے ہو دوا — خوں سینہ میں مرا غم سے جگر ہو کے نہو

نکالوں کس طرح دل سے ترے مژگاں کے تیروں کو — مٹا سکتا نہیں انسان ہاتھوں کی لکیروں کو

تنہا جو چاہے زاہدا میرے بغیر تو — اک آہِ آتشیں سے جلادوں بہشت کو

رشکِ زہرہ غیرتِ مہ جبیں ہے — میں سلیماں ہوں تو وہ بلقیس ہے

منتخب از کلیات سلامہا موسوم بہ ایمان سنہ ۱۲۸۸ھ

رباعی

بائے بسم اللہ بھی بہبودئ بیمار ہے — سین ہے اُس کا سفینہ بحرِ غم سے پار ہے

میم سے مال و منال و ملک خوش ملتا ہے روز — ہے الف وحدت یہ دال اب اپنا اسیار ہے

رباعی

مطبوعِ طبائع ہے کلامِ اختر — پریوں میں ہے قاف تک بھی نامِ اختر

یہ ملکِ نفس مال نہیں جو چھن جائے — اِس مال کا حافظ ہے امامِ اختر

رباعی

میں لکھنؤ میں جیسی عزا کرتا تھا — اور گریۂ اندوہ و بُکا کرتا تھا

ویسا ہی مرا حال ہے کلکتے میں — پر یاد نہیں کہ عیش کیا کرتا تھا

رباعی

میں مستِ خراباتِ جہاں تو خالق — بخشش تجھ ہی سے ہے ذات تیری فائق

مٹنے تو کئے جو مجھ سے چھپتے تھے گناہ — تو کر وہی ہے خدا جو تیرے لائق

انتخاب کلیات موسوم بہ نظمِ نامور - دفتر سوم دیوان مبارک سنہ ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء

سراغِ میکشاں اے محتسب ہوگا تجھے حاصل — کبھی باندھا گیا ہے ہاتھ بھی دزدِ حنائی کا

دشت گلزار ہوا جاتے ہیں عرض کرو
کفِ سیاح کو دیں خار بیاباں مہلت

کل قیصر و خاقان و شاہنشاہِ جہاں سے تھے
ڈھونڈ نظر آتا نہیں تربت کا نشاں آج

ہر سو صدائے عیش و طرب منتشر ہوئی
اختر ترے مزے سے ہیں دیوار و در لذیذ

ہم بھی شریک جشن اپنائے دہر سے تھے
ٹھوکر نہ مار قبر پہ اے خوش خرام عیش

چلتا ہے تو بھی کوئے پری میں برائے دید
اختر ہے مہجبینوں سے لبریز بزم عیش

دل جلا جس سے اُسی سے ہے بیاں الفت
کہہ نہیں سکتا ہے ہر ایک سے انسان غرض

پلکیں ہیں جو تیرے تو ہے سینہ کماں بھوں
سہرے ہیں اگر وار تو موتی کی لڑی تیغ +

پوچھتا ہے جو کوئی مجھکو کہ ہمراہ ہے کون
شہرت سے کہتے ہیں وہ ہے یہ بڑا عاشق

چشم تمنا تری دید سے ہے پُر آبال
اب تو ہے دل پہ بھی شوخی رنگ وصال

سایہ پری کا ہو جن کا نہ ہوئے گزر
کھولا نہ کر کوٹھے پہ جھٹپٹے وقت اپنے بال

ہوتا ہے بادشاہ دا اُردوئے بازار خاص
اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبانِ بنگال

تو نے مجھے کیوں چھوڑا مری جاں
میں تو تیرا ہوں تابع فرماں

بلایا ہے شبِ فرقت کسی دن ہو تو میں آؤں
تمہارا مصحفِ رخسار ضامن ہو تو میں آؤں

کیا کرے مفلس تونگروں کو
رُخ داغِ فرقت سے زرد ہم ہیں

خدایا طولِ عمر خضر دے شہزادہ یار کو
صدف میں حفظ و عافیت گو ہو ہمیشہ در کو

لگایا داغ رخساروں کی ضو نے ماہِ تاباں کو
ہما کو بدر کو تاجِ سر کو مہرِ درخشاں کو

مری آہِ فقیرانہ نے دنیا سے اُٹھایا ہے
علم کو طبل کو تاج و نگیں کو جشن و ساماں کو

زباں پھیر دے ساقی لبوں پہ عاشق کے
سسکتا رہا ہے بڑی دیر سے جو ایمانی

نہ چشم تر رہی ویسی نہ خشکی لب سے
مریضِ عشق کو کلکتے کا لگا پانی +

جو بے برہنہ ہے جو مرد ہے وہ ننگا ہے[لہ]
+ ہوس شہر کی آنکھوں کا ڈھل گیا پانی

لہ بنگال بالعموم صرف دھوتی پہنتے ہیں ۱۱

دیکھ ڈالے ایک نظارے میں دو رخسار یار
عجب کیا زاہدا تیری عبادت ہو پسندِ حق
دھوئیں سے آہ دل کی محمل لیلی نظر آئی
اندھیر ہوگا ہوئے گا بے نور سارا شہر

ختم جینے وضعِ قرآن پڑھ قرآں کیا
تو پڑھ مثل کلام اللہ اک بار مرے دل کا
بنایا چاک دل مجنوں نے پردا اسکی محمل کا
اختر اگر تو اپنے وطن سے نکل گیا

مژہ و ابرو انداز و نگہ دیکھوں گا
فوجِ اندوہ مرے ساتھ ہے اور لشکرِ غم
جو اُسکا چشم دل سے طلبگار ہو گیا
ترک محبت مے معشوق ہو چکی

ناوکِ تیر و تبر دشنہ و خنجر لوں گا
آج میں کوچۂ دلدار کو چلکر لوں گا
بیشک خدا اُسی کا مددگار ہو گیا
اختر بھی اب تو عشق سے بیزار ہو گیا

کافرانِ شہر نگار سے ہم پہلو ہوں پر
میرے شعر ترکی لذت اُسکو خود ملجائے گی
اُس سے جو الگ ہوں تو سبھی دوست ہیں میرے
لذتِ دلِ صد چاک کی زقت میں غذا ہے
سُن رکھو اے دل کا لگانا نہیں اچھا
اے قاتلِ جاں روک ذرا تیغِ نگہ کو
چھانے ہیں پائے محبت سے بیاباں کیا کیا
تختِ غربت سے کہیں بہتر ہے کاسہ فقر کا
کیوں بسا دہر میں دل اسکا ٹھکانا کیا تھا

شکرِ حق ہے میرے دل میں نور ایماں رہگیا
قدرداں ہوگا جو کوئی مرتبہ داں رہگیا
اُس سے جو ملا میں تو زمانہ نہیں ملتا
محزوں کو بجز غم کوئی کھانا نہیں ملتا
دنیا یہ بُری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا
آہیں ہیں بُری دل کا دکھانا نہیں اچھا
پا ر تلووں سے ہوئے خارِ مغیلاں کیا کیا
بھیک مانگیں گے اگر اپنا وطن ملجائے گا
بے بسی میں مجھے اس دل کا لگانا کیا تھا

جس نے تجھے پیدا کیا
بر لائے کفر بھی نہیں
بے نفس کشی یادِ خدا ہو نہیں سکتی
اختر گنہگار ہے حاضر ہے بزم میں

اُسنے مجھے شیدا کیا
ناحق فلک گرجا کیا
بے روئے مجگ ملتا ہے پیاں کب
نوکِ خو سے سینے پہ برچھی لگائیں آپ

سہے غم پئے رفتگاں کیسے کیسے	مرے کھو گئے کارواں کیسے کیسے
ملیں غیر ہم پاس سے دور ہوں	ابھی اپنی یہ تقدیر ہے
ہمیں جانئیں بڑا اعتبار اُسکا ہے	وہ جیسا چاہے کرے اختیار اُسکا ہے
وحشت دل ہو سلیماں کی طرح پھروائے	لکھنؤ میرا ابھی رشک پرستاں ہو جائے
یاد میں اپنے یار جانی کے	سب ہمنے مرمرکے زندگانی کی

اختر) صاحب عالم مرزا احمد اختر خلف صاحبعالم مرزا دارا بخت میراں شاہ بہادر ولی عہد اول بہادر شاہ ثانی چشتیہ صوفیہ خاندان میں بیعت ہے اور پیر حاجی جزاں کے معتقد ہیں۔ قصبہ کرنا میں طبابت کرتے ہیں۔ غدر کے بعد پچیس تیس برس تک خوف دار و گیر سے گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ سرکار سے معمولی وظیفے کے بھی خواستگار ہوئے۔ بعد ازاں چند احباب خیر سگال کی کوشش اور ان کی مصنفہ مولفہ کتب طب و تصوف کی سفارش سے صاحب کمشنر بہادر دہلی نے رحم کھاکر دس روپیہ ماہوار کی پنشن مقرر کردی۔ جس کے باعث کسی قدر گزر اوقات کی صورت ہوگئی ہے۔ زمانہ گمنامی میں آپ شمال ہند کے اقطاع و جوانب کی سیاحت کر چکے ہیں۔ کچھ دنوں بھوپال میں بھی رہے ہیں۔ آپ کی ذات مستجمع الصفات شرافت۔ اخلاق۔ ہمدردی خلائق کا مجموعہ ہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل اور اسباب آسائش سے متنفر ہے۔ شاہزادگی کے اظہار سے گھبراتے ہیں۔ تصوف کی بعض قدیم نادر الوجود کتابیں آپ نے بہم پہنچا کر چھپوائی ہیں سوانح دہلی وغیرہ کے کئی رسالے آپ کی تالیف سے شایع ہو چکے ہیں۔
عمر ساٹھ برس سے گزر چکی ہے۔ مولف تذکرہ کو دہلی میں حصول نیاز کا اتفاق ہوا۔ جہاں آپ اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں۔ شعر گوئی کا شوق پہلے کے برابر نہیں رہا۔ اب اگر کچھ کہتے بھی ہیں تو وہ اکثر بزرگان دین کی تعریف میں ہوتا ہے۔ دیوان کبھی ترتیب نہیں دیا۔ اسیوجہ سے ہم آپکے سابقہ کلام سے کچھ انتخاب درج کرتے ہیں ؎

پایا اُس وقت بس نشاں ہمنے	جبکہ اپنے کو بے نشاں دیکھا

سلہ قافلۂ شاہی کی تباہی کی جانب اشارہ ہے جو براے استرداد سلطنت ولایت گیا تھا۔ وہیں کوشش بے سود میں والد اور بھائی کام آئے

بیمار عشق دیکھے سے اچھا ہے اے مسیح
درکار ہے طبیب نہ حاجت دوا کی ہے

پرورش آگ میں کرتا ہے سمندر کو تو
کیا بجا پالے ہے مرے دل کو ستمگاروں سے

بے وفا تو نے ہماری پاسداری چھوڑ دی
کیا خطا دیکھی یکایک ہم سے یاری چھوڑ دی

نالہ و افغاں سے قائم ہے جہاں اے جانِ ناز
حشر برپا ہونے کا گر آہ و زاری چھوڑ دی

حُسن کے آگے ترپ اختر کے دل کی تھم گئی
دیکھ کر سیماب صورت بیقراری چھوڑ دی

بوئے مے رخ سے جو شرمائی ہوئی آتی ہے
نکہتِ زلف بھی بل کھائی ہوئی آتی ہے

انتخاب دیوان چہارم

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا
بُرا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

عارضِ صاف ترا رشکِ قمر دیکھ لیا
جان سی آ گئی جب ایک نظر دیکھ لیا

بوسے تو مصحفِ عارض کا اشارہ یہ ہے
جس کا جی چاہے پڑھے وقف ہے قرآں اپنا

دل و جاں سے فدا تھا جو تجھ پہ صنم گیا عشق ہی میں وہ سوئے ملکِ عدم
بھلا اور کا شکوہ تو کیا کریں ہم مرے مر گیا تجھ کو بھی غم نہ ہوا

ہمارے سامنے جب شوخِ مہ لقا آیا
گلے لگا لیں یہی دل میں بار بار آیا

مرہم کوئی لگائے جو وہ جا بہ داغ ہوں
اختر کا تن تو سر سے پا تک جلا ہوا

تعشق میں پڑ کر یہ عالم نہ نکلا+
جو سمجھو تو مجنوں سے کم نہ نکلا+

مجھ سے دل لیکے بے وفائی کی
میرے دلدار نے مجھے مارا

ایک مانا نہ کہا تم نے مگر اختر نے
لاکھ رسوا ہوا پر تم سے کنارہ نہ کیا

ہوش میں لے آ ذرا انکو نگاہِ مست سے
جام زر خ سے ہو چکے سب طالبِ دیدار مست

چھوڑ جائیں گے زمانے میں کہے رکھتے ہیں ہم
یہ کہانی یہ فسانہ اور یہ قصہ یادگار

نام روشن ماہِ کامل سے اگرچہ ہو سوا
[illegible] دنیا سے [illegible] سیاہی کا داغ

اس دوستی میں ہو گئے اس سے عدو تمام
[illegible] ہو گئے ہم جہاں تمام

نہ تو غم کھاؤ نہ چپ بیٹھو نہ رو دو نہ کڑھو
اختر اس جور سے تم یاد کروں یا نہ کروں

گھر پر کلام مجید و چند کتب فارسی اور اسکول میں ابتدائی انگریزی سے زیادہ نہوئی تھی۔ مگر قدرتی جودتِ طبع و تیزیٔ ذہن کی مدد سے چند سال میں ہی اتنی لیاقت بڑھالی کہ تحریر و تقریر میں کسی سے بند نہوتے تھے فکرِ صائب و رائے سلیم سے ہر معاملے میں ایسے باریک پہلو نکالتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کئی برس تک لاہور میں میونسپل کمشنر بھی رہے اور اپنی نیک طینتی اور خوش خلقی سے عوام و خواص میں ہر دلعزیز رہے۔ ذوقِ شعر بھی بچپن سے تھا جس میں مشاغل تعیش سے اور ترقی ہوگئی۔ اشعار میں مشورہ لینے کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی۔ غزلوں میں شوخی و چستگی خوب نمودار ہے جس آب و ہوا میں آپ زندگی بسر کرتے تھے وہ شعر کی نشو و نما کے لیے بہت مفید تھی اس لیے آپ کی تھوڑی سی غزلیں بھی جلد مشہور و مقبول ہوگئیں۔ افسوس ہے کہ تیرہ چودہ سال تک دادِ عیش و نشاط دیکر ۸ ستمبر ۱۹۰۲ء کو اس خلق مجسم نے ۲۲ برس کے سن میں رختِ سفر جانبِ ملکِ عدم باندھا ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ٭ آپکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ۵

للچائے شیخ کیونکہ نہ دل بادہ خوار کا
گھر گھر کے آتا دیکھ تو ابرِ بہار کا

آخر شراب چھوڑ دی ہمکو یقیں نہیں
کیا اعتبار رند کے قول و قرار کا

دشمنِ جاں ہے اُبھرنا ہوا جوبن اُن کا
رنگ لائے گا جوانی میں لڑکپن اُن کا

دامِ صیاد سے چھوٹے ہیں جو فصلِ گل میں
برق نے پھونک دیا ہائے نشیمن اُن کا

ہاں میں ہاں اُنکے ملا دی تو وہ ہے اچھا
اور پتہ کی جو کہے منہ پہ وہ دشمن اُن کا

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں
بس دیا اُکھڑے سنتے ہیں شیون اُن کا

داورِ حشر سے کہہ دوں گا کہ قاتل ہے یہی
حشر میں تھام کے بیساختہ دامن اُن کا

تم اپنے وعظ کا اے بندگو پھر کھولنا دفتر
ذرا جلوہ تو دیکھو چل کے اُسکے روئے تاباں کا

دل ہی تو ہے بس آنکھ لڑی اور نکل گیا
آتا ہے چیز ہاتھ کہیں جب مچل گیا

مجنوں سے بڑھ کے شہرہ ہے اپنا جہان میں
چرچے ہوا کئے میں جدھر سے نکل گیا

عاشق ہو کوئی عشق کے کاہو اُنکو کیا
کیسی یہ پیچھے پڑ گئی خلقت کو کیا ہوا

بسا جاتا ہے نظروں میں گُھبا جاتا ہے آنکھوں میں ۔۔۔ نظر لگ جائے گی دیکھو سنبھالو اپنے جوبن کو

ہر اک سے داستاں اپنا کسے تھا میں کسے روکیں ۔۔۔ تمہارے اُبھرے جوبن کو تمہاری بانکی چتوں کو

قطعہ

ہمیں ہیں اے فلک جنکا سلامی ایک عالم تھا ۔۔۔ ہمیں ہیں کفش برداری تھی جنکی فخر جوبن کو

یہی ہم ہیں کہ شکل خار اُفتادہ ہیں صحرا میں ۔۔۔ یہی ہم ہیں کہ مثل گل تھی زینت جیسے گلشن کو

ہمارا ایک دل آختر کسے بخشیں کسے سونپیں ۔۔۔ کسی کی چشم فتاں کو کسی کی بانکی چتوں کو

تم ذرا چشم فسوں گر سے اشارہ کردو ۔۔۔ ابھی ہو جاتی ہے بیمار کی حالت اچھی

کرکے اِک آہ وہیں رہ گئے احمد اختر ۔۔۔ جلتی پھرتی جو نظر آگئی صورت اچھی

کوئی پوچھے سکندر سے کہاں وہ قصر عالی ہے ۔۔۔ بتا تربت میں اب حافظ کوئی عالی موالی ہے

اختر

(**اختر**) خواجہ عبدالغفار خلف خواجہ عبدالغفور۔ جہانگیر نگر ڈھاکہ کے مشہور کشمیری نوابوں کے خاندان اور حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگردوں میں سے تھے فارسی میں بیشتر اور اُردو میں کمتر فکر سخن فرماتے تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت تک زندہ تھے۔ کلام حاضر ہے ؎

حیرت ہے اُسکے آنے پہ کیا پیشکش کروں ۔۔۔ سینے میں دل رہا ہے نہ جاں اپنے تن میں ہے

پھولا ہوا خوشی سے ہر اک گل ہے اے نسیم ۔۔۔ کس نوبہار حسن کی آمد چمن میں ہے

شمع روشن نہ سیہ خانۂ عاشق میں ہوئی ۔۔۔ جلوہ گر وہ نہ ہوا کلبۂ احزاں میں کبھی

اختر

(**اختر**) شیخ محمد رفیع صاحب اختر دہلوی رئیس لاہور۔ شیخ رحیم بخش صاحب مرحوم سوداگر۔ رئیس و آنریری مجسٹریٹ لاہور کے خلف اکبر تھے۔ جنہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حسن ظاہری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا اور تسخیر قلوب کا خاص مادہ دیا تھا۔ ۱۸۹۱ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اُن کی کثیر املاک و جائداد کے وارث ہوئے۔ ازل سے رنگینی۔ نکتہ رسی۔ حسن پرستی۔ اور عالی حوصلگی کا مادہ آپکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ تواضع۔ مروت۔ اور اخلاق کا سب سے بڑا حصہ ملا تھا۔ چنانچہ خود مختار ہوتے ہی اوصاف بالا نمایاں ہونے لگے۔ بلکہ اسباب سرور و انبساط کی قدردانی کے متعلق آپ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کی تعلیم اگرچہ

اچھا ہے - ۲۵-۲۶ برس کی عمر شباب کا عالم تازہ تازہ ذوق ہے - مشق سے امید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے ؎

دل لئے حاضر تمہارا عاشق دلگیر ہے	کیسے تیر انداز ہو کیسا تمہارا نشر ہے
بن کے پتلی مری آنکھوں میں سمائے کوئی	درد کی طرح مرے دل میں در آئے کوئی
وعدۂ وصل سے انکار یہ چپکے چپکے	آنکھ سے میری ذرا آنکھ ملائے کوئی
آنکھیں روتی ہیں کیسی صفت ابر بہار	بجلیاں ہنس کے کسی پر نہ گرائے کوئی

اختر

(اختر) منشی لطیف احمد اختر مینائی - خلف چہارم حضرت امیر مینائی لکھنوی - ۱۲۸۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے - رام پور میں اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی - وجیہ اور خوبصورت نوجوان ہیں - اس وقت اپنے والد نامدار کی شہرت کو اپنے تخلص کی طرح آسمان سخن پر خوب چمکا رہے ہیں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ اساتذہ گرامی قدر کی اولاد میں کوئی آبائی رتبہ کو پہنچا ہو مگر اختر کی چمک دمک امیر مرحوم کے عقیدت مندوں کو بہت کچھ امید دلا رہی ہے - گو اپنے والد ماجد کے فیض صحبت سے آپ بعض تلامیذ باختصاص کی برابر مستفید نہیں ہونے پائے لیکن کلام کی شوخی و برجستگی ارباب مذاق کے دلوں پر قبضہ کرنے لگی ہے آپ نے علمی استعداد اچھی پیدا کی ہے - اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا ہے - منشی صاحب مغفور کی ہمت افزائی سے بچپن ہی سے مشاعروں میں غزلیں پڑھا کرتے تھے مگر آپ کی پوری پوری توجہ اس فن لطیف پر ۱۸۹۵ء سے مبذول ہوئی جب اپنے اہتمام سے رسالہ دامن گلچیں از سر نو جاری کیا - اُسوقت سے اب تک آپ کی مشق زور شور سے جاری ہے - آپ ۱۹۰۰ء میں منشی صاحب مرحوم کے ہمراہ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے جناب موصوف کے انتقال کے بعد سے مع جناب جلیل عالی جناب یمین السلطنت سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد مدار المہام ریاست حیدرآباد دکن کی دستگیری سے اب تک وہیں قیام پذیر ہیں الحاصل حیدرآباد کے اکثر مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں - اور وہاں کے ارباب ذوق استفادہ حاصل کرنیکے علاوہ آپ کی قدر بھی کرتے ہیں - مدار المہام صاحب کے ظاہری وسیلہ کے

خدا کے سامنے جاتے ہوئے اب شرم آتی ہے
حیا اُس دن کہاں تھی مجھ پہ جب خنجر چلایا تھا

چغلیاں کھاتا ہے بگڑا ہوا جوبن کیا کیا
مُنہ تو دیکھو ذرا آئینہ منگا کر اپنا

اُن کو دل دے کے ہمیں فکرِ زیاں سوجھی ہے
سچ ہے کچھ سیکھتا ہے آدمی کھو کر اپنا

پیارے صیاد ہمیں اب تو چمن دکھلا دے
دم نکل جائے قفس میں نہ پھڑک کر اپنا

حور و غلماں کے عوض تم کو حوالہ کر دے
کرے انصاف اگر داورِ محشر اپنا

ان کا پہلو شبِ مہتاب چھلکتا ساغر
اب دکھائے نہ خدا ہم کو سحر کی صورت

بیڈھب پھنسایا جاں کو دلبر کے پیچ میں
جکڑا گیا ہوں زلفِ معنبر کے پیچ میں

آتا ہے رحم مجھ کو جوانی پہ شیخ کی +
بیڈھب پھنسا ہے جنت و کوثر کے پیچ میں

دنیا میں جو ملا تھا وہ سب کچھ وہیں رہا +
باقی بس اِک گناہوں کا دفتر بغل میں ہے

بول اُٹھا دل کہ چراغِ تہِ داماں ہے یہی
رُخ پہ ڈالے ہوئے اختر جو وہ آنچل آئے

کہاں ہے یارب وہ چشمِ میگوں نظر ہماری بھٹک رہی ہے
کسی کی نوکِ مژہ ابھی تک ہمارے دل میں کھٹک رہی ہے

یہ فقرے چلتے ہوئے ہیں ہم سے پسینہ پوچھو ذرا جبیں سے
نہیں تم آئے اگر کہیں سے تو کیوں یہ انگیا مسک رہی ہے

وہ غریب خانہ میں آ چکے ہیں گھر میں اپنے بُلا چکے
وہ نگاہیں ہم سے ملا چکے وہ جمال اپنا دکھا چکے

نہ صبا تو اتنی اکڑ کے چل وہ ہوا گیا ہے باغ میں اب آچکل
وہ جو گل تھے غنچوں سے ہم بغل وہ بہار اپنی دکھا چکے

نہ کر اختر اتنا قلق تو اب تجھے چین آئے گا اور کب
تھی ہمیشہ جن کی تجھے طلب مزے خوب اُن سے اُڑا چکے

محبت محبت کیا کرتے تھے
نظر اب حسینوں سے آتے نہیں
محبت کی اب تو خبر ہو گئی
خدا جانے کس کی نظر ہو گئی

آگ الفت نے پھر لگائی ہے
حسن طبیعت پہ ناز تھا اختر
میرے اللہ تری دُہائی ہے
اب وہ اپنی نہیں پرائی ہے

اختر

(**اختر**) عالی جناب سوائی راجہ چمن پرتاب سنگھ خلف الرشید و لیعہد ہز ہائنس مہاراجہ رگھوبیر سنگھ بہادر کے سی ایس آئی والی اجے گڑھ ـ نواب شمشیر بہادر اخگر کے شاگرد رشید ہیں ہندی کا علم

تمکو کسی سے عشق جو ہوتا تو جانتے
اب کیا کہوں اذیت دردِ جگر کو میں

لعل و گہر کا فرش بچھا دوں زمین پر
ٹپکوں ذرا جو دامن مژگانِ تر کو میں

اب مُنہ چھپائیں آپ کہ آنکھیں گڑی ہیں پر
مشکل ہے یہ کہ پھیر دوں اودھر سے نظر کو میں

دیکھوں ترے جمال کو ہے میری کیا مجال
ہاں حکم ہو تو دیکھ لوں اپنی نظر کو میں

فرقت کی شب پہاڑ سی ہیں زار و ناتواں
اللہ ہی دکھائے تو دیکھوں سحر کو میں

حسیں ہیں شمس و قمر آسمان والوں میں
تم آفتاب ہو دنیا کے مہ جمالوں میں

تسکین ہو کیا خاک جہاں رشک ہو لیا
وہ ہاتھ دھریں دل پہ لگے آگ جگر میں

زاہد ہے ہمیں وہی شبِ قدر
جس شب وہ رہیں ہمارے گھر میں

ہاں مانگ جو مانگنا ہو اختر
کیا چیز نہیں خدا کے گھر میں

ہمارا ضعف ہی باعث ہے زندگانی کا
کہ اب تو تو تِ پرواز مرغِ جاں میں نہیں

یہ کسنے باغ میں رکھا قدم خدا جانے
گلوں کو ہوش نہیں جان باغباں میں نہیں

وہ خاک اڑانے لگے جس کو کہہ دو دیوانہ
سوا تمہارے یہ بات اور کی زباں میں نہیں

زمانہ روتا ہے بلبل کی کم نصیبی پر
کہ گل تو گل کوئی کانٹا بھی آشیاں میں نہیں

دل لگا تو بچکے بتوں سے ہم
شرم اپنی ہے اب خدا کے ہاتھ

سبکدوشی نہوگی دیکھے سر بھی
تمہاری زلف کا سودا گراں ہے

نقاب اُسنے اُلٹ دی ہے سرِ راہ
وہیں کا ہو رہا اب جو جہاں ہے

اُو زلفِ سیہ بنانے والے
یہ کیا سرِ شام ہو رہا ہے

جائیگی دل سے اب کہاں اے یاس
دل ترا ہو گیا ہے تو دل کی

اور کیا ہے جو نذرِ یار کروں
ایک دل ایک آرزو دل کی

اُس بت کے سوا ہمارے دل میں
اللہ گواہ کچھ نہیں ہے

غصّے سے یہ حال ہو گیا ہے
وہ برق جمال ہو گیا ہے

سو ابھی تک ریاست سے کوئی مضبوط اور مستقل سلسلہ نہیں ہوا ہے۔ غزلوں میں آپکی معاملہ بندی دلوں پر قبضہ کرتی ہے۔ درحقیقت یہ رنگینی و مضمون آفرینی لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہوتی ہے۔ حضرت امیر کے انتقال کے بعد سے جو کچھ کہتے ہیں اُسمیں منشی جلیل حسن صاحب جلیل سے کہ منشی صاحب کے جانشین ہیں مشورہ کرلیتے ہیں انتخاب کلام ملاحظہ ہو

بچھڑ کے یار سے ملنا عجیب ملنا تھا
کہ آنکھیں روتی تھیں دل میں کوئی ملال نہ تھا

کچھ میرا قتل مد نظر تھا نہ یار کو
ایسی نہیں ادا کوئی جس میں جفا نہو

تلوار لی تھی ہاتھ میں اک وار کر دیا
دشمن جو اپنا آپ ہو تمکو بتائے دوست

نقاب ابر منہ پر اس ادا سے ڈال دیتا ہے
وہ کہتے ہیں کہ اپنا مال چوری جا نہیں سکتا
وہ بن ٹھن کر جو آتے ہیں شب مہتاب میں اختر
جب اسیروں نے سُنا گلشن میں آئی ہے بہار
ہائے کیا دن تھے وہ جب بیدار تھے اپنے نصیب
رنگ بدلا دہر نے دیکھا دیکھی ایک کی
میں بھی ہوں اُس شعلۂ رُخ سے یہ کہتی ہے نقاب
اشارہ کرکے پھر آنکھیں چُرانا ہائے کیا کہنے
یہ کیا ایسی ہے شے جسکو حسینوں سے چھپائیں ہم
اُٹھائیں وہ نقاب رُخ انھیں ہے کیا پڑی ایسی
نگاہیں تیر ابرو اُن کے خنجر ہوتے جاتے ہیں
سحر ہوتے ہی کیا مژدہ صبا گلشن میں لائی ہے

کسی معشوق کا ہوتا ہے دھوکا ماہ کامل پر
ہمارا نام کا طغرا ہے کندہ ایک اک دل پر
نظر اپنی کبھی اُن پر کبھی ہے ماہ کامل پر
مر گئے سب چاک قفس سے سوئے گلشن دیکھکر
روز اُٹھتے تھے کسی کا روئے روشن دیکھکر
ہوگئی ترچھی نظر بھی بانکی چتون دیکھکر
آگ بھڑکا دے چراغ زیر دامن دیکھکر
یہ سمجھے ہم گلے پر رک گیا خنجر رواں ہوکر
جسے لینا ہو دل لیجائے لیکن مہرباں ہوکر
وہ کیوں سارے جہاں کی جان ہیں جان جہاں ہوکر
الٰہی خیر کرنا وہ ستمگر ہوتے جاتے ہیں
کہ غنچے پھول کر جامے سے باہر ہوتے جاتے ہیں

گھر چھوڑے ہوئے مدت گزری
ہم قفس میں ہیں چمن سے اچھے
وہ سامنے ہوں اور نہ دیکھوں ادھر کو میں

اب تو صورت بھی ہمیں یاد نہیں
خوف گلچیں غم صیاد نہیں
نکلے تڑپ کے جاں جو رکوں جگر کو میں

کھنچ کے پہونچے مصر یوسف دل زلیخا کا پھنسا
وہ کشش ہے حسن کی یہ عشق کا اعجاز ہے

یہ کیا بتاؤں کہ دنیا میں کیا کیا سہنے
نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے

کوئی پری ادا ہے کوئی مہ جمال ہے
یہ حال ہے کہ دل کا بچانا محال ہے

تم آفتابِ حسن ہو تم برقِ حسن ہو
تم سے نظر ملائے یہ کس کی مجال ہے

کشتوں کے ساتھ بھی ہے وہی چال آپ کی
تربت ادھر بنی کہ اُدھر پائمال ہے

عشاق کو جب لوٹتے دیکھا تو وہ بولے
یہ جلوہ گہِ ناز ہے میخانہ نہیں ہے

رہیں چوکے جو ان سے ذکر کر بیٹھے قیامت کا
وہ چل کر دو قدم بولے قیامت ایسی ہوتی ہے

وائے کیا تاثیر رکھتی ہے حسینوں کی ادا
لطف کا کیا ذکر دیتی ہے مزا بیداد بھی

تمہیں بتانے کا کیا کوئی حضرت ناصح
خدا کے فضل سے تم ہو بنے بنائے ہوئے

فلک زدوں کو وہ جب دیکھتے ہیں کہتے ہیں
فلک کا نام ہے میرے ہیں سب ستائے ہوئے

پھر گئے اسنے یوں لٹ کر سفر سے
نہ نکلے تھے سمجھ کر ہم یہ گھر سے

ہوا ناوک کو نکلے اک زمانہ
کھٹک ابتک نہیں نکلی جگر سے

پئے توبہ ملا تھا شیخ سے میں
وہ خود پینے لگا میرے اثر سے

جس کا سر ہے دار پر سردار ہے
عشق کی سرکار کیا سرکار ہے

جو نگہ ہے تیر ہے تلوار ہے
کوئی دل میں کوئی دل کے پار ہے

میکدے پر آ کے پیروں جھومنا
یہ گھٹا کیا ہے کوئی میخوار ہے

نوکِ مژگاں دلمیں رکھ لینے کی تھی
کیا قیامت ہے کہ دل کے پار ہے

سزا تو ہے مرا حصہ کہ میں ہوں مجرمِ الفت
مرے ہوتے ہوئے ظالم رقیبوں پر جفا کیوں ہے

وہ کہتے ہیں کہ اے اختر جو مجھ سے آشنا تو ہے
تو ہم بیدرد ہیں پھر دل ترا اوروں آشنا کیوں ہے

زندگی بھر حسن والوں کا خیال آیا کیا
مرے گھر میں رات دن پریوں کی سمائی ہوئی

اے مژگاں کی چلمن ڈال کر آنکھوں ہی میں رکھنا
خدا رکھے حیا ان کی بڑی نازوں کی پالی ہے

(اختر) منشی سید محمد اختر ۔ ولد سید محمد میر المتخلص بہ مضطر ۔ قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے رئیس ہیں ۔ ۲۵-۲۶ برس کا

اختر

ناقدر کے ہاتھ میں دل آکر
چھانداب کسکو دیکھنے نکلا
تم سلامت یہ غم ہو کیوں مجھکو
چاہتے ہیں کہ جان دیدوں میں
موت ہی ہے علاج عاشق کا
کیا سحر کیا دکھا کے دیدار

کیا مفت کا مال ہو گیا ہے
چڑھ کے کوٹھے پہ وہ اُتر بھی گئے
سب ترے ہیں مرا نہیں کوئی
کہتے ہیں باوفا نہیں کوئی
اس سے اچھی نہیں دوا کوئی
اب نالہ و آہ کچھ نہیں ہے

جو مانگنا ہے مانگ لے غافل کریم سے
کھلتے نہ ایسے گل جو یہ کرتے نہ گریاں
نقشے زمانہ بھر کے ہیں چشم سیاہ میں

تاثیر منتظر تری مُنہ سے دعا کی ہے
پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے
اس کالی کوٹھری میں جگہ ہر بلا کی ہے

اُسکے مُنہ میں پھر زباں گویا نہ تھی
ہائے دنیا تھی کہ اک تصویر تھی
زندگی تھی وہ اُداسی کی بہار

جو ہُوا واقف ہمارے راز سے
مٹ گئی تصویر حیرت رہ گئی
ہو کے گل جب شمع تربت رہ گئی

شدتِ دردِ دل و دردِ جگر کیا میں کہوں
میں فنا ہو چکا دم ٹوٹ چکا غش کو لے
جو مٹے ایسے کہیں جنکا نشاں تک نہ رہا
تم خدا کے لئے چھوڑو نہ ادائیں اپنی
پھر نہیں دیکھتے پھر کر صفتِ نکہتِ گل
سخت جانی کا بُرا خنجرِ قاتل کا بھلا
کس سے پوچھوں کہ جو کر جاتی ہے عاشق کو حلال
غیر ممکن ہے مٹے جوہرِ ذاتی اخترؔ
عاشق و معشوق دو نو پردہ دارِ عشق ہیں

چٹکی لیتے ہو تو تسکین ذرا ہوتی ہے
دیر کس واسطے اے آہ رسا ہوتی ہے
ہمسری ایسوں سے نقشِ کفِ پا ہوتی ہے
ہونے دو صدقے اگر خلق خدا ہوتی ہے
قفسِ تن سے جہاں روح رہا ہوتی ہے
جان چھٹتی ہے نہ گردن ہی جدا ہوتی ہے
تیغ ہوتی ہے کہ قاتل کی ادا ہوتی ہے
آبداری کہیں موتی سے جدا ہوتی ہے
کیا مزے کی بات ہے ایک ایک کا ہمراز ہے

دل بچے کیونکر نگاہ ناز سے ✚ الاماں اس تیر بے آواز سے

یہ مانا اب بھی کچھ کچھ مہرباں ہو	مگر پہلی عنایت وہ نہیں ہے
اب ایسے جینے سے تو مرجانا بھلا	زندگانی اِک مصیبت ہوگئی

(اختر) سید امراؤ علی بلگرامی - آپ حمد بلگرامی کے شاگرد ہیں - ضلع سیتاپور کی عدالت میں نقل نویسی کرتے ہیں ۳۰ - ۳۲ برس کی عمر ہے - طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصا کہتے ہیں کلام ذیل ملاحظہ ہو

سمجھو نہ یہ تم ہم سے گماں ہو نہیں سکتا	یہ خون ہے عاشق کا نہاں ہو نہیں سکتا
رکھا ہے قدم کوچۂ الفت میں بصد شوق	اللہ نگہبان ہے اس جانِ حزیں کا
خبردار آہ و زاری اے دلِ ناشاد یہ کیسی	خدا سے اُس بتِ بے مہر کی فریاد یہ کیسی
نہیں باز آتے اپنے ہتھکنڈوں سے اے اختر	حرم میں بیٹھ کر کیوں جی بتوں کی یاد یہ کیسی
تمہیں ناز اسپہ ہے منہ سے تمہارے پھول جھڑتے ہیں	ہماری اے حسینو چشم گوہر بار کیسی ہے
اگر مجرم نہیں تو پھر خدا کے آگے محشر میں	یہ گھبراہٹ تجھے قاتل دمِ اظہار کیسی ہے
دیکھتے ہی آئنہ سکتا ہوا	دیر تک حیرت سے وہ دیکھا کیے

(اختر) منشی محمد نذیر علی - حیدرآباد دکن میں کسی محکمہ میں ملازم ہیں یہ اُنکے کلام کا خلاصہ ہے

روز غیروں پہ تو ہوتی ہے عنایت کی نظر	میں ترے جور و ستم کے بھی سزاوار نہ تھا
ہو رہا ہے دلِ بیچین میں ساماں اب تک	آنے والا نہیں آیا کوئی مہماں اب تک
ہوں شبِ ہجر یار کی باتیں	زہر ہیں غمگسار کی باتیں
چشم اغیار میں کچھ بھی ہو حقیقت لیکن	بخدا تم ہو مری آنکھوں کے تارے پیارے
سب حسینانِ جہاں بزم میں تیرے آئے یوں	ماہ کے گرد ہوں جس طرح ستارے پیارے

(اختر) منشی رمضان علی - باشندہ سہارنپور - ایک زندہ دل - عاشق مزاج - شوخ طبع نوجوان ہیں - ابتدائے عمر سے شعر و سخن کے دلدادہ ہیں اوائل عمر میں مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے جب کلام پر کسی قدر رنگ چڑھا تو اچھے اُستاد کی تلاش ہوئی - اور حضرت نظیر دہلوی کے دامنِ کمال

کی عمر ہے نواب فصیح الملک داغ کے شاگردوں میں ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر حالات معلوم ہوئے انہیں کی قلم سے خلاصۃً لکھے جاتے ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ "مجھے زمانۂ طالب علمی میں بمقابلۂ نثر نظم سے زیادہ لگاؤ تھا اپنی نثر کے سبق کا ایک آدھ مصرع یا پورا شعر موزوں کر لیا کرتا تھا - اسیطرح ہوتے ہوتے مینے ایک دفعہ مجھ پاسات شعر کی غزل کہی اور رسوا تخلص قرار دیا - میں نے یہ غزل ۱۹۰۵ء میں کہی تھی اسوقت میری عمر کا چودھواں یا پندرھواں سال تھا - بعض دوستوں کے کہنے سننے سے غزل مذکور نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی کی خدمت میں بغرض اصلاح حیدرآباد دکن بھیجدی خوبی قسمت سے جناب مغفور نے غزل درست فرمادی اور تخلص بھی بجائے رسوا کے اختر تجویز فرمایا - چنانچہ اُسی دن سے شوق بڑھتا گیا اور افتخار تلمذ حاصل ہوا ۱۹۱۰ء میں چند غزلوں کا مجموعہ نظم دل افروز کے نام سے طبع کرایا - میرے اجداد محمد واجد علی شاہ مرحوم فرمانروائے اودھ کے دربار میں تا زیست باعزاز و ممتاز رہے" +

اگرچہ بلحاظ عمر اِن کی شاعری کا ابتدائی زمانہ ہے مگر اپنی جودت طبع سے خاصا کہنے لگے ہیں اشعار کی بندش چست - خیال ستھرا - زبان صاف ہوتی ہے جیسا اُنکے کلام سے خود ظاہر ہے ہ

چٹکی سے کلیجہ کبھی ملتے نہیں دیکھا
اتنا سا بھی ارمان نکلتے نہیں دیکھا

پھر مانگ لو دل مجسے اسیطرح مچل کر
ہمنے تمہیں مدت سے مچلتے نہیں دیکھا

میں تو قائل ہوں اِس صفائی کا
دل لیا تم نے اک خدائی کا

ہر وقت چھیڑ چھیڑ کے اپدل یہ کیا کیا
اُس شعلہ رو کو اور بھی شعلہ بنا دیا

کیسی شرارتیں ہیں کیسی ہیں شوخیاں
لیتے ہیں چٹکیاں وہ دل بیقرار میں

زاہد شراب ناب سے اسدرجہ اجتناب
کمبخت پی تو دیکھ یہ کچھ بدمزا نہیں

سنتے سنتے ذکرِ دشمن دل ہمارا پک گیا
چھوڑئے اِس ذکر کو اب اور کچھ ارشاد ہو

تجسے جو کہتے ہیں تو اُن پہ فدا ہوتا ہے
ہوش میں آ دل بیتاب یہ کیا ہوتا ہے

وصل کی شب کبھی وعدہ جو وفا ہوتا ہے
شرم کہتی ہے کہ شرماؤ یہ کیا ہوتا ہے

دل چرایا میرا ایسے بھورنے
وا رے جسکی نہ کچھ فریاد ہے

نہ پہلی سی عادت نہ پہلی سی خصلت
کہاں اُڑگئی آدمیت تمہاری

صبر کر واعظِ ناداں ابھی جلدی کیا ہے +
کعبے بھی جائیں گے اُٹھیں گے جو میخانے سے

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے ہم عشق سے واقف	یہ دل دردآشنا کم تھا طبیعت مبتلا کم تھی
بل نہیں نکلا ترا سو سو طرح تدبیر کی	ہے ترے دل میں گرہ ظالم مری تقدیر کی
دل نہ دینے تک اُسے تھی التجا دل دیکھے اب	منتیں کرنی پڑیں ہمکو بتِ بے پیر کی

(**اختر**) منشی محمود اختر صاحب صدیقی معروف بہ اختر ریحانی رئیس میرٹھ - خلف الرشید مولوی عبدالکریم صاحب آنریری ڈپٹی کلکٹر و ممبر مجلس شوری ریاست بھوپال - آپکا خاندانی سلسلہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے - اسوقت نوجوان شعرائے میرٹھ میں درجہ امتیاز رکھتے ہیں - مذاق سخن خاندانی ہے اگرچہ مشق سخن کو عرصہ نہیں ہوا مگر کلام میں پختگی اور سنجیدگی ایسی ہے کہ اچھے مشاق معلوم ہوتے ہیں - فارسی میں فارغ التحصیل اور عربی بقدر ضرورت جانتے ہیں - انگریزی میں ایف اے تک تعلیم پائی ہے فی الحال مراد آباد کے پولیس ٹریننگ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں - آپ کے اشعار میں جو دلنشینی و خاطر فریبی کی شان نکلتی ہے وہ استعداد علمی پر مبنی ہونے کے بجائے زیادہ تر رنگینی طبع پر دال ہے آپ نے اوائل مشق میں حضرت غالب کے شاگرد رشید محمد ذکریا خاں ذکی سے فیض اُٹھایا - اُنکے انتقال کے بعد سے حضرت تازؔ سلیمانی بدایونی سے مشورہ ہے غزلگوئی کے علاوہ آپ کو ڈرامانویسی میں بھی کامل مہارت ہے چنانچہ آپ کا ایک ناٹک موسوم بہ طلسمی راز مقبول خلائق ہے - اشعار خود شاہد ہیں - اُن میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں - سلاست زبان فصاحتِ بیان نشستِ الفاظ قابل تعریف ہے - ناول کرشمۂ عشق آپ ہی کی تصنیف ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

جینے کا لطف اُنکی عنایت کے ساتھ تھا	وہ جب خفا ہوئے مرا دم بھی خفا ہوا
وسعتِ وحشتِ دل کو ہے بیاباں تھوڑا	کاش مل جائے ہمیں اور بھی میداں تھوڑا
کسطرح عالمِ کثرت سے عیاں ہو وحدت	اس کی وسعت ہے بہت اور ہے میداں تھوڑا
المدد اے تیرہ بختی دن ہو رات	یار نے وعدہ کیا ہے شام کا
چشمِ ساقی نے کیا مست الست	نشہ ہے اختر مجھے اس جام کا

سے وابستہ ہوئے - حضرت ممدوح نے بھی اپنی فطری شفقت سے اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب انکے اشعار دل فریب دلپسند اغلاق و رکاکت سے پاک ہوتے ہیں - بہت دنوں سے اجمیر شریف میں مقیم اور نواب شمس الدین خاں صاحب عاشق رئیس اجمیر کی مصاحبت سے ممتاز ہیں - وہاں کے مشاعروں میں شوق سے شامل ہوتے اور داد خوش گوئی لیتے ہیں - آپکی غزلیں سلاست زبان و بلندئ خیال کا اچھا نمونہ ہوتی ہیں - ان کی عمر اس وقت تینتیس ۳۳ برس کے قریب ہے - وجیہ و خوش رو جوان ہیں - گو صاحب دیوان ہیں مگر ابھی تک ان کا دیوان شایع نہیں ہوا چند بہم رسیدہ غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

بیٹھے ہو کس کے سوگ میں پوچھا تو یہ کہا
جادو نہ کوئی کردے خدا کے لئے کہیں

ہیں آج مرنے والے غریب الوطن کے پھول
نکلا کرو نہ گھر سے مری جاں چمن کے پھول

جوبن تو سنبھلتا نہیں نازک بدنی میں
کیا نوک کی لیتے ہو مری دلشکنی میں

بے وجہ کوئی صبر بھی لیتا ہے کسی کا
کچھ تو تمہیں ملتا ہے مری دلشکنی میں

ہچکی کوئی آتی ہے نہ آتا ہے کوئی خط
یاران وطن بھول گئے بے وطنی میں

یوں کہئے بلاتے ہیں مجھے جامِ مئے وصل
کمبخت بڑا لطف ہے توبہ شکنی میں

یہ تم نے بیوفا کہنے پہ کیوں اتنا برا مانا
چلو یوں ہی سہی میں بے وفا ہوں باوفا تم ہو

تماشہ ہے مجھے آواز دے کر خود وہ کہتے ہیں
میاں میں اور کو سمجھا تھا ہیں مرد خدا تم ہو

محشر میں بپا اور ہوا اک فتنۂ محشر
گر آئے قیامت تری رفتار کے آگے

تم سے وفا ہوئی ہے نہ ہوگی وفا کبھی
سچ ہے بروں سے کام نہ ڈالے خدا کبھی

بھولے تو ہو تم اپنی جفاؤں پہ دیکھنا
یاد آئے گی تمہیں بھی ہماری وفا کبھی

ایسا تو کیا کہ یاد نہ کل کی بات ہے
اقرار کچھ کیا تھا کسی بات کا کبھی

کچھ دل پہ اختیار ہو کچھ تم پہ اختیار
کرنی پڑے نہ غیر کی پھر التجا کبھی

مجھے رشک اپنی قسمت پر ہے دشمن سے شکایت کیا
عنایت مجھ پہ کیا کم تھی محبت مجھ سے کیا کم تھی

اختر

(اختر) منشی محمد عبدالغفور صاحب خلف حکیم محمد عبدالکریم مرحوم ۔ بزرگوں کا وطن ملتان ہے مگر آپ کی ولادت حیدرآباد دکن میں ہوئی اور وہیں مستقلاً بود و باش ہے اپنے عم مولوی قاضی محمد علی سے اکتساب علم کیا اور بڑے بھائی منشی عبدالرحیم مظہر سے نکات شاعری حاصل کئے ۳۰ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ پہلے مضطر تخلص تھا بارہ سال ہوئے مولوی سید کاظم حسین شیفتہ سے تلمذ اختیار کیا ۔ اُس وقت سے اختر تخلص فرماتے ہیں ۔ فی الحال مدارالمہام سرکار نظام کے ہوم سکریٹری کے محکمہ میں مترجم انگریزی کے مددگار ہیں ۔ دیوان اُردو قریب ہو گیا ہے اپنے اُستاد کی طرز کو خاص نباہتے ہیں ۔ زبان کی نسبت مضمون کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ ہنگام ترتیب تذکرہ کلام موصول ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

مکان دل میں جلوہ ہے ترے رخسار و گیسو کا — یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بتخانہ ہے ہندو کا
شرف ہو ہوش پر اس بیخودی کو کیوں نہ اے اختر — ملا ہے غش میں سر تکیہ اُس صنم کے زانو کا

کھیل ہے اُس کی کبریائی کا — دعوے کرتے ہیں بت خدائی کا

اے معاذ اللہ دست عشق کیا بیباک تھا — دامن پاک مہ کنعاں بھی جس سے چاک تھا
دھو دیا رو رو کے ہم نے ہجر میں دل کا غبار — بہ گیا ہمراہ سیل اشک جو خاشاک تھا

کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو — دل مضطر کی یہی آرزو ہو
زہی قسمت جو ابرو کا ہے گھائل — یہ دل [illegible] کے سوزن سے رفو ہو
خبر اپنی ہی جب ہمکو نہیں ہے — تو پھر کیا خاک دل کی جستجو ہو

اپنے بسمل کی تڑپ دیکھ کے قاتل نے کہا — رقص اچھا ہے یہ دو چار پہر ہونے دو
گر ہمیشہ کے لئے آنے میں انکو عذر ہے — وہ رہیں مہماں الٰہی رات بھر اتنا تو ہو
کچھ نہ سینہ پہ رکھو ہاتھ اے رشک مسیح — تھم ہی جائے یہ مرا درد جگر اتنا تو ہو
دیکھے گر وہ غیرت خورشید [illegible] — آب عکس رخ سے ہو جائے منور آئینہ
تیرے روئے صاف سے بہتر ہو کیونکر آئینہ — نور کا پیکر ہے تیرا اور پیکر آئینہ

بتانِ شوخ سے کیوں بدگماں ہوئے اختر
نہیں تو ساری خدائی پر اعتبار رہا

اے ملالِ عشق تک تو ہی مرے حصہ میں ہے
اے غمِ جاوید اک میں ہی تری قسمت میں ہوں

آنکھیں کھُلیں تو وقت پری بنکے اُڑ گیا
ہستی کی شوخیوں پہ کسے اعتبار ہو

زمانہ تنگ ہو پر آج کل ہے حضرتِ اختر
برنگِ بوئے گل مجموعۂ خاطر پریشاں ہے

قدم رکھے نکلے وہ حسرت ہماری
بنے راہِ جاناں میں تربت ہماری

مجھے داغِ دل دے کے بولا وہ ظالم
حفاظت سے رکھنا امانت ہماری

سبب ظلمِ بیجا کا پوچھا جو اُن سے
تو کہنے لگے ہے یہ عادت ہماری

مسیحائی دکھلا رہا ہے کوئی
مریضِ محبت سنبھلنے لگے

شورِ ہنگامۂ قیامت ہے
کیا خراماں وہ سرو قامت ہے

(**اختر**) مولوی ظہور احمد اختر مختار بدایوں - انکے والد منشی امیر احمد بدایوں کے ایک قدیم اور اچھے خاندان کے رکن تھے انکے خاندان میں اکثر لوگ وکالت پیشہ ہیں چنانچہ انکے دونو بھائی مولوی عزیز احمد و مولوی وزیر احمد مختار ہیں - اوائل مشق میں اپنے بھائی مولوی وزیر احمد ضمیر کو چند غزلیں دکھائیں پھر اُنہیں کی وساطت سے حافظ عبدالرحمن راسخ دہلوی سے استفادہ شروع کیا - اب ۲۹ برس کی عمر ہے - یہ کلام کا خلاصہ ہے ؎

اختر

بحمد اللہ دل سے عشقِ زلفِ پرشکن چھوٹا
گئی وحشت ہوئے ہم آدمی دیوانہ پن چھوٹا

اُن کی محفل میں دلِ بے مدعا جاتا رہا
مال ہی کیا تھا چلو اچھا ہوا جاتا رہا

دو روز میں برسوں کی رفاقت مری چھوڑ دی
کیا جانتے کیا سمجھے سمجھا یہ مرے دل کو

دانہ پانی تو ہو گیا بند
جیتے ہیں غمِ فراق کھا کے

نہیں جو مجھ سے محبت نہو ملال تو ہے
میں خوش اسی میں ہوں تمکو مرا خیال تو ہے

مٹ جائیں گے سب خودی کے دعوے
آج آئینہ اُن کے روبرو ہے

کیا کہوں کچھ ایسی لذت خنجرِ قاتل میں ہے
قتل ہو کر قتل پھر ہونے کی حسرت دل میں ہے

کرلیا پریوں کو تسخیر تو کیا کام کیا	بات جب ہے کہ انہیں راہ پہ لائے کوئی
بوسہ لیا ذقن کا تو بوسے گڑے کے دہ	باز آئے ایسے پیار سے ہم ایسی چاہ سے

(اختر) منشی عبدالغفار خاں بی اے باشندۂ الہ آباد۔ آپ کے آبا و اجداد ضلع رہتک کے رہنے والے اور اکثر سپاہی پیشہ رہے آپ الہ آباد میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے بہ وشعور سے تحصیل علم کا شوق رہا۔ ۲۰ برس کی عمر میں علیگڈہ کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ انگریزی کا شوق آپ کو شروع سے رہا اور حالانکہ انکے والد مانع رہے چھپکر انگریزی پڑھنی شروع کی مڈل سے بی اے تک برابر انعام و وظائف پاتے رہے اپنے کلام میں قاضی غیاث الدین صاحب خورشید سے مشورہ فرماتے ہیں۔ نثر میں مضامین بھی خوب لکھتے ہیں طبیعت میں ذہانت اور تیزی خداداد ہے۔ فی الحال سکندرآباد میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکرٹری ہیں ۵

زندگی بھر نہ بھرا زخم دلِ زار کبھی	حیلۂ موت تھا دل کا مرے ناسور نہ تھا
ہائے رونا وہ کسیکا مجھے یہ کہہ کہہ کر	مرنے والے کبھی میں دل سے ترے دور نہ تھا
سہرے نالوں نے کہاں ہار دی ہمت اختر	دو قدم بڑھ نہ سکے عرش بریں دور نہ تھا
بیمار اس جوش پر اور چارہ گر مصروف درماں ہیں	یہاں ہیں اور تدبیریں جنوں ہے اور ساماں میں
اثر ہے خود نمائی کا ترے خونِ شہیداں میں	نہ کیونکر رنگ گل بنکر نمایاں ہو گلستاں میں
جب اُن کا ذکر آیا بیخودی میں چونک چونک اٹھا	کسیکا نام بجلی کی طرح دوڑا رگ جاں میں
یقیں تھا کسکو اس تکرار پر وعدے کے ایفا کا	مگر اک لطف تو حاصل ہوا اسکی نہیں ہاں میں
دلِ تنگ اور خیالِ یار اے نیرنگیٔ قسمت	پھنسایا شوق بے پایاں نے کس یوسف کو زنداں میں
مچلنا صورت زیبا پہ جسکا کھیل ہے اختر	وہی دل لے کے آج آپ آئے ہیں بزم حسیناں میں

یوں تو ستائے دل کسی دامن گراں نہیں	سودا ہو جب کہ تم بھی کہو منہ سے ہاں نہیں
ضد کچھ نہیں ہے مجھسے وہ عادت کو کیا کریں	اُلجھ غیر پر بھی خیر سے وہ مہرباں نہیں
اسکے بیمار کی جیسے جو دوا کرتے ہیں	یہ کچھ اچھا نہیں کرتے ہیں برا کرتے ہیں

شوق آرائش ہے اُس رشکِ پری کو اسقدر
دور نظروں سے نہیں ہوتا ہے دم بھر آئینہ

جو قسمت بعد مدت راہ پر آئی تو کیا آئی
اِدھر وہ آئے ملنے کو اُدھر میری قضا آئی

مریضِ عشق کی اچھی خبر لی ہے مسیحا نے
ہوا کیا فائدہ حاصل پسِ مردن دوا آئی

مئے گلرنگ پینے کا مزا ہے ایسے موسم میں
چلو رندو چمن میں جھوم کر کالی گھٹا آئی

شبِ وصال میں وہ بیخودی کا عالم تھا
یہ کیا بتائیں کہ بوسے کہاں کہاں کے لئے

طپش کا گر دلِ مضطر کی ہم اظہار کرتے
ستم سیماب پر کرتے جفا ہم برق پر کرتے

(اختر) نواب مولوی عبدالقادر خاں متوطن مدراس - مدراس میں بفراغ بالی بسر کرتے ہیں - مشق سخن کی بھی ابتدا ہے - حضور نظام کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے ہیں - اب کلام ملاحظہ ہو

اے بیکسی اللہ کو سونپا تجھے ہم نے
ہم مر چلے تو دیکھنے جاتی ہے کدھر آج

لو یہ بھی تو اب کرنے لگے ہیں تیماری
ہنس ہنس کے رُلاتا ہے مجھے دیدۂ تر آج

دل میں جو حسرت تھی وہ صرفِ محبت ہو چکی
ناتواں تیرے کسی کا ناز اُٹھا سکتے نہیں

کیسے ہو تم دمِ آخر یہ سوال اچھا ہے
جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

پائے نازک سے تو ملتا ہے مرے دلکو کوئی
ہائے مجھسے اسی ناشاد کا حال اچھا ہے

مرغِ دل ہوتے ہیں لاکھوں کے اسیرِ گیسو
میرے صیاد کے کندھے پہ یہ جال اچھا ہے

(اختر) منشی موسیٰ حسین صاحب باشندۂ جلال آباد - علاقہ ریاست ریواں میں ملازم اور فنِ سخن میں حضرت جلال لکھنوی کے ماننے والوں میں ہیں کلام ملاحظہ ہو

خدا ملتا نہیں یا وہ بُت اچھا ہو نہیں سکتا
جو انساں کرنے پر آئے تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

مغبچوں کے کہنے سے پی جاؤ لگکر یا غفور
لیتا لیتا شیخ جی بس ایک ساغر رہ گیا

کی اِدھر دل نے کشش کھینچا اُدھر جلاد نے
ٹوٹ کر آخر مرے سینے میں خنجر رہ گیا

کھول کر زلفِ مسلسل بام پر آتے ہو کیوں
دل اگر لیتا ہے لو جال پھیلاتے ہو کیوں

جمالِ یار کو دیکھیں گے خواب میں کیا خاک
ہمیں تو نیند بھی شب بھر ذرا نہیں آتی

ابھی سے ہوگیا انکار - ابھی بادہ نوشی ہے
ذرا سی اور پی لو کچھ تو آنکھوں میں خمار آئے

مقدر کا لکھا - ہم تو - ہے کنج اسیری میں
ہمیں کیا اب گلستاں میں خزاں آئے بہار آئے

وہی احباب جو ہمکو بٹھاتے تھے سر آنکھوں پر
تعجب ہے کہ مرقد میں نہیں کیونکر اتار آئے

انھیں عادت ہوئی ہے غیر سے ٹھکرا کے چلنے کی
مزا آجائے رستے میں جو دشمن کا مزار آئے

اختر

(اختر) منشی علی اختر - شاہجہانپوری - نواب مرزا خاں داغ مرحوم کے شاگرد ہیں - مختلف گلدستوں میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے - چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

جاری ہوئے ہیں اشک مرے تیری یاد میں
موتی پرو رہا ہوں میں شبہائے تار میں

جوبن ٹپک رہا ہے تمہارے شباب کا
ڈوبا ہوا ہے حسن کا عالم بہار میں

صیاد نے بھی تاک کے مارا ہے کیسے تیر
بلبل کو گل کے پاس جو دیکھا بہار میں

نہیں ہے یہاں بن گئی جان پر
تمھاری تو بس اک ادا ہو گئی

انگر

(انگر) دیوان ٹیک چند دہلوی شاہزادہ مرزا خرم بخت بہادر مرحوم ابن صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ گورگانی ولیعہد شاہ عالم ثانی مقیم بنارس کی سرکار میں دیوان تھے تبرکاً کلام درج ہے ؎

کون کہتا ہے کہ ہمنے مے پرستی چھوڑ دی
رات دن پیتے ہیں مے پر مے پرستی چھوڑ دی

دو جہاں دینے میں منظور تھا ہمیں دیدار یار
ایسی شے نایاب بھی ہے مفت سستی چھوڑ دی

اخگر

(اخگر) فتح یاب خاں نام ہے - مظفر خاں المتخلص بہ کرم کے بیٹے مقیم رامپور میں نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی مرحوم کی شاگردی کا فخر حاصل ہے - تذکرہ یادگار انتخاب کی ترتیب کے زمانے میں ۳۰ برس کی عمر تھی - کلام ملاحظہ ہو ؎

قابو نہ تھا جو دل پہ تو اخگر بتائیے
جانا ہی اسکے پاس نہیں کیا ضرور تھا

دل ناکام کو پھر اُن نگاہوں کی تمنا ہے
جگر میں ڈوب جانا پھر وہ یاد آتا ہے نشتر کا

قاتل تھا تو تو گرچہ نہ تھا بندہ کشتنی
ظالم کیا نہ پاس کچھ اپنے بھی نام کا

جاؤ کوئے غیر میں اے نالہ ہائے نارسا
اپنے ہی سر پہ تھے تم محشر اٹھانے کے لئے

لاکھوں مرتے ہیں مری موت کا کیا غم ان کو
عادت نہیں دنیا کی مگر ہے عدد کے ساتھ

ایسی خبر ہیں تو وہ ہر روز سنا کرتے ہیں
پہلو یہ خوب ہے کہ اُدھر ہو ادھر نہو

شوق جلوہ جو نقاب رخ جاناں اُلٹے
اُلٹی تدبیر ہوئی ہو گئے ساماں اُلٹے

طور سینا سے پھریں موسیٰ عمراں اُلٹے
میرے قاصد بنے جاسوس رقیباں اُلٹے

مظہر قدرت حق جان کے چاہا تھا تمہیں
بن گئے تم تو مگر دشمن ایماں اُلٹے

کرتے ہیں یار کے پیکاں کو کیوں دل سے جدا
چارہ گر کرتے ہیں کیوں درد کے درماں اُلٹے

شاں سوال جنہیں دیکھ کے میں جیتا ہوں
میں وہی ہائے مری جان کے خواہاں اُلٹے

گھٹا سینے میں غم جس دن جگر ہو جائیگا ٹکڑے
ہماری سخت جانی تو تب آہ و فغاں تک ہے

خدا جانے کہاں تک بات بڑھتی کس پہ کیا بنتی
جو میری آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو جاتی

ہمارے قتل پر بھی تو عدو کو رشک آتا ہے
نیا ایجاد کیجے اب طریق امتحاں کوئی

اختر (منشی سید ذاکر حسین - موزوں طبع سخنور ہیں اور شاید حضرت آغا شاعر دہلوی سے سلسلہ تلمذ رکھتے ہیں طبیعت شوخ زبان پاکیزہ - اور بندش نہایت چست ہے - امید ہے کہ کثرت مشق سے اور بھی ترقی کریں گے - جو کلام نظر سے گزرا یہ اُسکا خلاصہ ہے ؂

چلی باد بہاری پھر گیا پانی گلستاں پر
ہوئیں گلکاریاں کیا کیا کتاب شان یزداں پر

کب تک لگائے کوئی شوق وصال سے
آخر بہل گیا دل مضطر ملال سے

بوسہ نہو نصیب مجھے چشم مست کا
کالی گھٹا میں جھوم کر آئیں شمال سے

بارش یہ کہہ رہی ہے کہ عزت نہ جائیگی
آج آستان پیر مغاں پر سوال سے

پینا مجھے سنبھالنا میں ہوش میں نہیں
ساقی کی چشم مست سے ساغر کی چال سے

مری امید بر آئے مرے دل کو قرار آئے
نہیں تو موت ہی مجھکو مرے پروردگار آئے

گھٹا اُٹھی - وہ میخانہ کھلا - وہ بادہ خوار آئے
مرے ساقی بھلا اب کس بات کی جو دیر دار آئے

وہی محفل ہے وہ یوں جھومتے مستانہ وار آئے
چمن میں جسطرح اٹھکھیلیاں کرتی بہار آئے

ہو گی۔ بہم رسیدہ کلام تحفۃً حاضر ہے

اگر تم آب خنجر تک پلا دو گے تو پی لوں گا	کہ دے گا لطف پیارے پیارے ان ہاتھوں سے زہر کا
تمہاری تیغ کا میں تڑپ کر لے لیا بوسہ	تمہیں بھی چاہیے منہ چوم لو بسمل کی ہمت کا
مری جاں زلف کو عارض پہ لٹکانے سے کیا مطلب	کتاب انتخاب کا فر سے پڑھوانے سے کیا مطلب
عطا ہوتے ہیں خلعت عشق کی سرکار سے انکو	جو اُٹھ کے چاہنے والے ہیں وہ کفنائے جاتے ہیں
تصدق ہوتی ہے خود زندگی اُن خوش نصیبوں پر	پس مردن ترے کوچے میں جو دفنائے جاتے ہیں

اخگر

(**اخگر**) نواب شمشیر بہادر جنرل فوج و رئیس اعظم ریاست اجے گڑھ واقع بندیل کھنڈ۔ ابتدا میں مشق سخن میں مولوی حسین علی **شورش** لکھنوی کو چند غزلیں دکھائیں۔ ان کی وفات کے بعد کئی برس تک میرزا اکر حسین **یاس** لکھنوی و جناب آسی شاہجہانپوری سے اصلاح لیتے رہے۔ اب جو کچھ کہتے ہیں حضرت جلال لکھنوی کو دکھا لیتے ہیں۔ علوم مروجہ سے بخوبی ماہر ہیں۔ اور اپنے آبائی فن سپاہگری یعنی شہسواری۔ بانک۔ پٹا۔ پھکیتی وغیرہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ فوٹوگرافی کا بھی بہت شوق ہے۔ صاحب **فسانۂ اخگر** و دیوان **شعلۂ عشق** ہیں۔ راقم تذکرہ کے معزز احباب میں ہیں۔ آپ کی عمر تقریباً ۳۰ سال ہے۔ شعر بہت اچھا کہتے ہیں۔ اکثر ادبی گلدستوں میں غزلیں چھپتی رہتی ہیں۔ کلام زینت انجام حاضر ہے

بے سوز جگر جوشش فغاں ہو نہیں سکتا	جب تک نہ جلے آگ دھواں ہو نہیں سکتا
ہمارا خون پیو گر کمی خلش میں کرو	یہ ہر قدم پہ ہے کانٹوں سے قول چھالوں کا
روک لیتا دل کا آنا یار پر	کس کی طاقت کس کا یہ مقدور تھا
شمع محفل تو اگر ہے میں ہوں پروانہ ترا	بزم کی رونق ہے تجھسے مجھسے شانِ اہلِ درد
کبھی جاتے تھے نالے آسماں تک	نہیں آتے ہیں اب دل سے زباں تک
یہ شورِ قلقلِ مینا ہو ساقی	سنائی دے نہ زاہد کی اذاں تک
کیا ہے ضبط سوز دل کو ایسا	نہیں اس آگ سے اٹھتا دھواں تک
لگی ہے دل جگر میں آگ اخگر	بجھائیں گے اسے آنسو کہاں تک
اترائیے نہ آپ زیادہ چمن کے پھول	کیا ہو گئے دل کے داغوں سے بڑھکر چمن کے پھول
کچھ اس انداز سے ابرو کو وہ خم دیتے ہیں	سینکڑوں اپنا گلا کاٹ کے دم دیتے ہیں

اخگر

(اخگر) صاحبزادہ بادی یار خاں رام پوری - نواب علی محمد خاں خلد مکاں والی رام پور کی اولاد میں ہیں - امیر مینائی تذکرۂ انتخاب یادگار میں اِن کا حال اس طرح لکھتے ہیں - ابھی شوق کی ابتدا ہے چند روز ہوئے کہ شعر کہنا شروع کیا ہے پہلے آغا علی نقی متخلص بہ غنی ابن آغا غنیم لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اب کبھی کبھی اس ہیچمداں (امیر مینائی) کو کلام دکھا لیتے ہیں - یہ دو شعر اُن کے ہیں ؎

نے خواب مجھکو تھی جو زمینِ کوے جاناں	نہ میں شورِ حشر سے بھی کبھی ہوشیار ہوتا
پہلو سے وہ اُٹھتے ہیں اُدھر صبحِ شبِ وصل	تعظیم کو اُٹھتا ہے ادھر دردِ جگر کا

اخگر

(اخگر) افسر الاطبا حکیم اصغر حسین صاحب فرخ آبادی ولد منشی غلام غوث وکیل ملازم و طبیب حضوری دار الاقبال بھوپال - آپ کی ولادت ۱۲ - محرم ۱۲۳۵ھ ہجری میں ہوئی - فارسی اور عربی کی تحصیل عالمانہ تھی اور علمِ طب میں یدِطولےٰ رکھتے تھے - فارسی اشعار مولوی عبداللہ خاں صاحب علوی کو دکھاتے تھے - اور حق یہ ہے کہ اچھا کہتے تھے اُردو کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی آپ کا فارسی کلام تذکرۂ شمع انجمن میں موجود ہے - آپ اپنے وقت کے اطبّاے مشاہیر سے تھے - آپکی حذاقت و تشخیص کی دُور دُور شہرت تھی - ریاست بھوپال میں بزمانۂ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ مدتوں محکمۂ شفا کے افسر رہے - اور تین سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۸۸۱ء میں عمدۃ الاخبار نامی ایک پرچہ بھی وہاں سے جاری کیا تھا جسمیں ایک حصّہ طبی مضامین کے لئے وقف تھا - مضمون نگاری میں اچھا دخل تھا - مدرسۂ طبیّہ دہلی کے اکثر ممتحن ہوا کرتے تھے - آٹھ نو برس ہوئے انتقال فرمایا صرف ایک شعر دستیاب ہوا جو ہدیۂ ناظرین کیا گیا ؎

نہ پڑھا اُس نے کبھی خطِ سر نوشت پیشانی	نامۂ شوق کو تحریر بمقدر جانا

اخگر

(اخگر) منشی امداد حسین صاحب باشندۂ مراد آباد - ملازم گورنمنٹ پریس شملہ - شبیر علی خاں تنہا کے شاگرد ہیں - طبیعت موزوں پائی ہے - شعر بُرا نہیں کہتے - اکثر شعر و سخن کا مشغلہ در صحبت رہتی ہے - کبھی کبھی شملے پر مشاعرہ بھی کیا کرتے ہیں - آجکل نیچرل شاعری کی طرف مائل ہیں عمر تقریباً ۲۴ سال

والد بھی ریاست کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے انکی پیدائش ۱۸۸۰ء میں بمقام جے پور ہوئی اور یہیں تعلیم پائی - شروع میں چند غزلیں مولوی اشتیاق حسین صاحب ناطق شاگرد امیر مینائی کو دکھائیں انکے انتقال کے بعد سے حضرت سید محمد رضا آگاہ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں - جو کلام اُنکے اُستاد نے بھیجا اُسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے ؎

ہستی عدم فسانے ہیں گر غور کیجئے	معدوم عین عین میں عالمِ وجود تھا
برقِ نگاہِ یار نے پھونکا دل و جگر	اک آگ تھی کہ جس میں شرر تھا نہ دود تھا
مرے اللہ کیا کتنا ہے تیری کبریائی کا	بتوں کو بھی جہاں میں آج دعویٰ ہے خدائی کا
انداز کے قرباں تصدق ہوں ادا پر	پھر کہہ دو اسی ناز سے چل دور ہے ہٹ
خالی نہیں زیں ہاتھ کہ زنجیرِ در رہائیں	دل تھامے پھر رہے ہیں ترے در کے آس پاس
دل بھی اگر ہی سے زباں جو اگر ہی ہے	کیونکر کریگے شکوہ تمہارا خدا سے ہم
جگر میں درد دل میں درد سر میں درد کا سودا	مرض کیا ایک ہوتا ہے محبت کرنے والے میں
دیکھتے دل کو ہیں اور کہتے ہیں درکار نہیں	یہ بھی اک حسنِ طلب ہے کہ طلبگار نہیں
قاتل نے ہاتھ روک کے ارماں کا خوں کیا	کیا کیا نہ رہ گئی دلِ امیدوار میں
ہائے کتنا وہ کہیگا کہ خدارا خاموش	دیکھ بدنام نہ کر دے تری فریاد مجھے
پھونک ڈالا آتشِ الفت نے جسکا جان و تن	اُسکی مشتِ خاک سے شرمندہ ہے اکسیر بھی

(**انگر**) منشی محمد عبدالقادر انگر باشندہ گیا - اپنے چچا حضرت سعید سے مشورہ کرتے ہیں ایک انجمن مشاعرہ بھی قائم کر رکھی ہے - تجارت کا مشغلہ ہے کلام کا خلاصہ یہ ہے ؎

شبِ وصل وہ روٹھ جانا کسیکا	لگا کر گلے وہ منانا کسیکا
مری داد خواہی پہ روزِ قیامت	ندامت سے گردن جھکانا کسیکا
جلاتا ہے اُلٹی جو مری امیر سے داغ	نگہ پھیر کر مسکرانا کسیکا
سرِ بزم نیچی نگاہوں سے انگر	عیاں ہو گیا دل چرانا کسیکا

رازِ افشا نہو جس وقت یہ آتا ہے خیال
آنکھوں تک آکے پلٹ جاتے مرے آنسو ہیں

شیخ صاحب پی کے یوں جامے سے باہر ہوں آپ
کچھ خیالِ حرمتِ مے قبلۂ عالم رہے

مزا ہو جائے میخانہ میں اخگر
جو دن بیٹھیں اور آجائیں ہم سے

بتوں نے کس سے وفا کی ہے جو دل دوں
خدا اس طرح تو تہمت ارے بڑھا ان کی

زلفیں بکھراتے ہو کیوں چاند سے رخ پر شبِ وصل
کہیں گھبرا اُٹھے نہ قمر رات کے بڑھ جانے سے

اخگر

(**اخگر**) عبدالمجید خاں نام ہے۔ حضرت داغ کے شاگردوں میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں۔ شاید نواب رام پور کے خاندان سے ہیں۔ کلام ہدیۂ ناظرین ہے ہ

خون کرنا بھی تو ان کا ہے سراسر احساں
خوں بہا جائے گر خون بہا دیتے ہیں

لڑ گئی آنکھ تو منہ پھیر کے زمانے سے لگے
صلح کُل وہ ہیں جو لڑتوں کو بچا دیتے ہیں

شرم آنکھوں میں ہے اور آنکھ کا پردہ ہے نقاب
وہ حیا کو بھی حجابوں میں چھپا دیتے ہیں

میرے مطلب کی جو ہو جائے کوئی بات ضرور
آپ تو رات کو قصوں میں اڑا دیتے ہیں

اشک تر آنکھ سے ہم اپنے بہا کر اخگر
آگ بھڑکی ہوئی سینہ میں بجھا دیتے ہیں

نہیں اچھا چھیڑ کر چلنا
کوئی دیوانہ سر نہ ہو جائے

اخگر

(**اخگر**) محمد شہاب الدین اخگر دہلوی ۱۸۸۸ء میں حیات اور دہلی کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد کا حال معلوم نہیں ہ

میں ہوا قیس ہوا وامق و فرہاد ہوا
دشتِ الفت میں جو آیا وہی برباد ہوا

غیر کے واسطے تو موم ہے اور پانی ہے
اور مرے واسطے پتھر ہوا فولاد ہوا

حسرت کہ بعد مرگ تو لی آپ نے خبر
لاشہ چلا ادھر سے اور آئے ادھر سے آپ

اخگر تمہارے نقشہ کا کھنچنا محال ہے
کچھ لاغری میں کم نہیں انگلی کمر سے آپ

اخگر

(**اخگر**) مولوی سید حمید حسین پوری ولد حافظ عبدالعزیز مرحوم اصلی وطن فرخ آباد ہے مگر یہ خود بوجہ ملازمت ایک عرصہ سے جے پور میں سکونت گزیں اور محکمہ صدر سائرات میں ملازم ہیں۔ انکے

اے چارہ گر بتا دے دوا میرے درد کی
انجان بن کے پوچھ نہ ہر بار کیا ہوا

ساقی ہو جام چلتے ہوں ابر بہار ہو
تب دور میکشو کہے دلوں کا غبار ہو

سچ سچ بتاؤ تمکو ستاتی ہے کس کی یاد
اخلاص کسکے واسطے تم بیقرار ہو

ہزاروں بے گنہ ہو جائینگے قتل
نہ نکلیں بن سنور کر آپ گھر سے

حضرت موسیٰ اسی پردہ کے طالب تھے آپ
آتش شوق ایک ہی نظارے میں پانی ہوئی

کسی کی چال نے محشر میں اک ہل چل مچا ڈالی ہے
قیامت ہے قیامت پر قیامت آنیوالی ہے

پھرے ہیں گرد کعبہ کے رہے ہیں دیر میں برسوں
کسیکی جستجو میں ہمنے دنیا چھان ڈالی ہے

(اخلاص) شیخ نور الحسن خلف شیخ کریم حسین ۱۲۸۲ ہجری میں پیدا ہوئے ریاست بھوپال میں ملازم ہیں کلام درج ذیل ہے ؎

باغ عالم میں نہیں اسکا پتہ اخلاص ہائے
ہوں ازل سے شیفتہ جس گل کی میں تصویر کا

حسیں ہے مہ جبیں ہے اور پھر سیرت بھی اچھی ہے
ہوں کیونکر میں بندہ ایسے خوش رو اور خوشخو کا

اخلاص چند روزہ ہیں دنیا کے عیش و رنج
کب ہے قیام گردش لیل و نہار کو

(اخلاق) سید اخلاق حسین دہلوی - یہ ایک شریف اور معزز خاندان کے رکن ہیں - عربی میں معمولی فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں - عرصہ دراز سے بعلیہ معاش کلکتے میں سکونت اختیار کرلی ہے - اور وہیں مشق سخن کو پختہ کیا ہے - ابتدائی چند غزلیں حضرت مجروح دہلوی کو دکھائی تھیں مگر زیادہ تر نادر شاہ خاں **شوخی** رام پوری مقیم کلکتہ سے مشورہ رہا - انکے اشعار پر لطف اور برجستہ ہوتے ہیں - مگر اُستاد کے اثر سے کہیں کہیں دقت پسندی کی جھلک نظر آجاتی ہے - عمر چالیس سال کے قریب ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

نکل آنے کا حیلہ وصل کا بھی
کہیں ہاں تو کہے ظالم نہیں ہے

خطائیں اُسکی بخشو یا سزا دو یہ چھپتے کیا ہو
ہمیں کیا کام ہے دل بیکا ہے آپ ہی دل کے

ہنگام عزت بند زبان سوال ہے
بیچین دل میں آرزوئے عرض حال ہے

اڑا لے چل صبا کوے بتاں میں
گر اتنا رحم تو مجھ ناتواں پر

اخگر

(**اخگر**) قاضی شمس الضحے اخگر بی اے - قاضی پور کے باشندے ہیں ہر شعر سے نفاست مضمون اور نازک خیالی ٹپکتی ہے - کیوں نہو آخر تعلیم یافتہ دل و دماغ رکھتے ہیں - موجودہ رسائل میں اکثر آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے ؏

عجب دھج میں ترے وحشی کو دیکھا کل بیاباں میں
چھپے ہیں خار تلووں میں بھرے ہیں پھول داماں میں

دہانِ زخمِ دل میں فرطِ لذت سے ابھی قاتل
چھڑک دے اور اک چٹکی جو برکت ہو نمکداں میں

مرے ہوش و خرد کو بندگی تسلیم تقوے کو
نگاہِ مست ساقی آج ہے پھر اور ساماں میں

راحت کی ہیں تدبیریں کیا عقل ہے دیوانی
زندانیٔ دنیا کو امیدِ تن آسانی

دل ہے نہ جگر باقی حسرت ہے نہ ہے ارماں
کیا نہ کیا تو نے اے سوزشِ پنہانی

بدنامِ عبث گردوں ایام عبث رسوا
ہر ظلم کے تم موجد ہر جور کے تم بانی

ہم داورِ محشر سے گر کہتے تو کیا کہتے +
تھا وقت بہت تھوڑا اور قصہ تھا طولانی

کچھ سوچ سمجھ کر ہم صحرا سے پلٹ آئے
تنہائی میں گھبراتی گھر میں مری ویرانی

اپنا جسے ہم سمجھے تھا غیر سے وہ بدتر
اور دوست جسے جانا دشمن تھا وہی جانی

بارِ اخگر کو زندگانی ہے
ناتوانی سی ناتوانی ہے

دل ہے اک داستانِ عبرت خیز
عشق پُر درد اک کہانی ہے

عشقِ خوباں خلاصۂ صد غم
زندگی مرگِ ناگہانی ہے

عیش دنیا حباب ہے اخگر
ایک غم ہے کہ جاودانی ہے

(**اخلاص**) منشی حافظ عبدالشکور - مدرس مدرسہ صدیقیہ بھوپال - شاگرد امیر مینائی مرحوم - گلشن سخن نامی ایک رسالہ انکے اہتمام سے نکلتا تھا - انکے والد شیخ عبدالرحمن نواب قدسیہ بیگم کے زمانے میں سرونج سے بھوپال آکر ملازم ہوئے یہ خود فن تاریخ میں منشی فاضل فارغ اور شاعری میں امیر مینائی سے مستفیض ہوئے - یہ انکے کلام کا انتخاب حاضر ہے ؏

تڑپا دیا مجھے اور مرے دل پہ رکھ کے ہاتھ	تسکین خوب آپ یہ فرمائے جاتے ہیں
باتیں بنا چکا ہے جو ہم سے ہزار بار	پھر ہائے اُسکی باتوں میں ہم آئے جاتے ہیں
اب وہ آنکھوں میں زمانے کی پھرا کرتا ہے	شرماتی تھی جسے اپنی نظر سے پہلے
تیرے آواز اسی کا نام ہے سمجھے رہو	اسے بتوڑتے نہیں ہو تم مری فریاد سے
شکوۂ بیداد پر دیتا ہے ظالم یہ جواب	آپ کس دن باز آئے نالہ و فریاد سے
جس کو دل دیتے وہ کیوں جان کا گاہک ہوتا	ہم نے تقدیر ہی ایسی جو نہ پائی ہوتی
غم نہ تھا ہوتا بُرا مجھ سے زمانہ ہوتا	تم سے بھلے ہوتے تو کوئی نہ بُرائی ہوتی

اخی

(اخی) ان کا نام تحقیق نہیں ہوا۔ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے اور شیخ قلندر بخش جرات کے ہمعصر تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں فارسی کا زیادہ رواج تھا اس سبب سے اکثر زبان فارسی میں اور کمتر ریختہ میں فکر فرماتے تھے۔ ایک قطعہ اور اُس خمسے کا ایک بند ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو انہوں نے سید محمد عسکری بلگرامی کی فارسی غزل پر فرمایا تھا؛

قطعہ

کل جو میں دیکھنے بازار میں یہ میں نے کہا	سیر کر کے مونا کہیں بدنام ذرا
مسکرا کر کے یہ فرمانے لگے شرم سے آپ	آج تھا میرے تئیں چوک تک کام ذرا

صدقے تری قامت کے کیا خوب تجا ہے قد	الله رے ترا مکھڑا الله رے یہ خال و خد
ہو کیوں نہ ز خود رفتہ دل دیکھ تری آمد	ہر کس کہ ز دیدارت بے ہوش نمی گردد

دانم کہ ز چشمِ او زائل شدہ بینائی

ادب

(ادب) سید حیدر مرزا لکھنوی۔ خلف اکبر و شاگرد سید حسین مرزا **عشق**۔ بڑے نامور اُستاد کے بیٹے اور خود بھی صاحب کمال سخن سنج تھے۔ تعلیم اچھی پائی تھی۔ اور لڑکپن سے اہل کمال کی صحبت اُٹھائی تھی۔ چودہ پندرہ برس کے سن میں فکر سخن کرنے لگے۔ رنگینی خیال و رسائی ذہن بزرگوں سے ورثے میں آئی تھی اس سبب سے جو کچھ کہا خوب کہا تھوڑی ہی مشق میں اچھا نام

تھی اضطرابِ دل سے شمشیر چین بستر — کاٹی شبِ جدائی کروٹ بدل بدل کے

اِن لوگوں کے مشرب ہیں زمانے سے نرالے — دنیا میں ہیں دنیا سے الگ میکدے والے

وہ یادِ وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی — کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے

ہے جان کے ہمراہ خلش خارِ مژہ کے — وہ پھانس نہیں ہے یہ کوئی جسکو نکالے

کیوں شام سے ہے فکرِ صبوحی مرے ساقی — تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچا لے

ہنسنے سے زیادہ مرے رونے میں مزا ہے — دل جب سے پڑا ہے کسی بیدرد کے پالے

جتنو دمیں ترے جلوۂ دیدار سے دونوں — دل کو کوئی روکے کہ طبیعت کو سنبھالے

آغاز سے بدتر ہُوا انجامِ محبت — ہم دل ہی کو روتے تھے پڑے جان کے لالے

رندوں کو ہے یارب تری رحمت کا بھروسہ — واعظ تو کئے دیتا ہے دوزخ کے حوالے

شانے سے کوئی پیچ جو اُس زلف کا نکلا — اُس کو بھی کیا میرے مقدر کے حوالے

کہتے ہیں وہ اخلاق گلہ رشک کا سنکر — کیا ایک ہو دنیا میں تمہیں چاہنے والے

اخلاق

(**اخلاق**) منشی سید نذیر احمد۔ تحصیلخانۂ اعظم گڑھ میں نائب داروغہ ہیں۔ فنِ سخن میں حضرت جلاؔل لکھنوی سے استفادہ کرتے ہیں۔ ابھی نو مشق ہیں مشق کرنے پر اچھا کہنے لگیں گے ؎

ہوش کیا میرے ہی کھوئے چشمِ افسوں ساز نے — سامری بھی سحر بھولا اُن کی چتون دیکھ کر

ہماری لاش کو ٹھکرا کے ناز سے بولے — پڑے ہیں آج تو خوب آپ دم چرائے ہوئے

کل تو مسجد سے چلے آتے تھے آج اے اخلاق — رہن میخانے میں دستار و قبا رکھی ہے

پائی ہے تم نے ماہ لقا شکل حور کی — روشن ضیائے رُخ سے تجلی ہے طور کی

ایک ٹھوکر کبھی تربت پہ لگائی ہوتی — میری سوئی ہوئی تقدیر جگائی ہوتی

دل لگانے کا ذرا لطف اٹھاتے تم بھی — دل و دلبر میں کسی روز لڑائی ہوتی

اخلاق

(**اخلاق**) منشی ہاشم علیخاں باشندہ بنارس۔ بڑے بھائی منشی غلام حسین خاں آفاؔق کی طرح منشی جلیل حسین صاحب جلیؔل سے تلمذ ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

میں انکے علم و فضل اور مہارت انشا و دستگاہ نظم و نثر کی بڑی تعریف لکھتے ہیں۔ الغرض مرد قابل و ہنرور خوش مذاق اور بڑے خوش فکر تھے۔ فن سخن میں اپنے والد سے فیض پایا تھا فضل و کمال کے علاوہ تیر اندازی۔ بانک۔ پٹہ وغیرہ میں بھی اچھی مشق حاصل تھی۔ زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اُسمیں سے متروک ہو گئے ہیں مگر معاملہ بندی اور صفائی بیان قابل داد ہے ؎

نکلی نہ کسی بات میں ہاں تیرے دہن سے ‌ ‌ ہے یاد یہ کافر تجھے اک لفظ نہیں کا

آتے ہیں غم و درد و تب مرے دل میں ‌ ‌ ڈرتے ہیں مکاں ہے یکسی عمدہ مکیں کا

نازاں ہے جرس ہرزہ درائی پہ تو اپنے ‌ ‌ رنگ ہو جو سنے نالہ تو دلہائے حزیں کا

ممکن نہیں کہ دست جنوں ترک خو کریں ‌ ‌ اس جیب ہی سے گذرے کہا تک رفو کریں

برہم کریں طلسم یہ اسلام و کفر کا ‌ ‌ زاہد جو شوق دل سے ہم اک بار ہو کریں

خالی ہیں دشت و کوہ دیوانوں سے اوچکا ‌ ‌ چل اب فراغ دل سے وہاں ہاؤ ہو کریں

کون ہے وہ کہ تجھ سے جس سے ہمارا ہی نہیں ‌ ‌ ہاں مگر ہم ہیں کہ کچھ فکر ہمارا ہی نہیں

چشمہ کو یار کی مستی میں یہ ہشیاری ہے ‌ ‌ بھولے بھٹکے بھی ادھر اس کو اشارہ ہی نہیں

غنچہ ساں سو ہیں زباں مُنہ میں ولے ہر حوال ‌ ‌ کھولنا لب کا کسی ڈھب سے گوارا ہی نہیں

جو کہ چاہا سو کہا تو نے جو چاہو سو کہو ‌ ‌ دم کبھی ہم نے ترے سامنے مارا ہی نہیں

تشنہ لب ہی رہے بھر عمر یہ غیرت سے صدف ‌ ‌ سوئے نیساں کبھی مُنہ ہم نے پسارا ہی نہیں

منزل خوبی باطن تو پرے ہے ادہم ‌ ‌ ظاہر اپنے کو تو ناداں تیں سنوارا ہی نہیں

(بمعنی تو نے)

اکیلا کیا متاب ہے کسیکے گھر میاں جاؤ ‌ ‌ یہ جاں حاضر ہے لو ہمراہ پھر جا ہو جہاں جاؤ

بہم پہنچا نہ دنیا میں کوئی فریادرس اپنا ‌ ‌ بھلا اک عرش کی ہی سمت لے آہ و فغاں جاؤ

کسے ہے تاب و طاقت رنجش بیجا اُٹھانیکی ‌ ‌ ادا و ناز اپنا تہ کرو اے دلستاں جاؤ

حلاوت اُس جہاں کی تمکو گر درکار ہے ادہم ‌ ‌ تو دنیا سے بہ تلخی او بچشم خونفشاں جاؤ

عارض کو اپنے دست نگ سے بھی تو بچا ‌ ‌ بے آب دم میں ہو گہر انگشت کے تلے

پیدا کرلیا- ارباب زمانہ کے میلان اور اپنی خاندانی رسم کے موافق مرثیہ گوئی پر توجہ کی اور معقول دستگاہ بہم پہنچائی- لیکن اس ولوی میں اپنے والد گرامی قدر کے درجے کو نہ پہنچ سکے- مرثیہ پڑھنے کا انداز بھی نرالا تھا- جس میں آپ کا خاندان ایک خاص شہرت رکھتا ہے- لوگ آپ کی سادہ مزاجی کی بہت سی نقلیں بیان کرتے ہیں- بہرحال غزلوں میں مضموں کی بلندی کے ساتھ زبان کی شستگی کو خوب نباہا گو دیوان شایع نہیں ہوا مگر اکثر غزلیں لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں جن کا انتخاب ہدیہ الوالالباب کیا جاتا ہے آپکی تاریخ وفات ۱۰ محرم ۱۳۱۳ھ ہے-

سیر ہوتی تہ و بالا جو زمانہ ہوتا جبہ سائی کا دیا حکم نہ اپنے در پر	آپ نے سر سے ناوکو اُٹھانے نہ دیا میرے تقدیر کے لکھے کو مٹانے نہ دیا
عجب محفل ہے یہ دنیا جہاں ہر ایک بسمل ہے وہاں اغیار خوش ہیں سُنکے میرے قتل کا چرچا کُل بازی کو بیہم کس لیئے تم چھینک دیتے ہو گئی شام جوانی سُو چکے اب صبح پیری ہے آتی نہیں اب موت بھی یہ طرفہ بلا ہے	گر طرفہ ہے یہ پھر دیکھئے ہر ایک مائل ہے یہاں مجکو ملال زحمت بازوئے قاتل ہے مگر سمجھے ہوئے ہو عاشق ناشاد کا دل ہے ادب اُٹھو بہت کم وقت ہے اور دور منزل ہے مشتاق شہادت سے وہ قاتل جو خفا ہے

ادب

(ادب) نواب غیاض الملک بہادر- مہتمم سبز خانۂ نظام حیدرآباد دکن- زیادہ حال معلوم نہیں- موزوں طبع شاعر ہیں- انکے کلام میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں- چند دستیاب شدہ اشعار درج ذیل ہیں ؎

ایک تو رخسار گلگوں دوسرے گلگوں کا دور آتی ہے نظر گلشن جاناں کی فضا اور مسی کی دھڑی اُس پہ غضب پان کا لاکھا بوسہ کی طلب پر تو قیامت ہوئی برپا	اس مئے دو آتشہ سے نشہ بالا ہو گیا اس باغ میں شاید کوئی گل تازہ کھلا اور دل خون کئے دیتا ہے پھر رنگ حنا اور کیسا غضب آتا جو کوئی ہوتی خطا اور

ادہم

(ادہم) شیخ الاسلام ادہم خلف خانافظ بڑہا- متوطن قصبہ تھانہ- قدرت اللہ شوق اپنے تذکرہ

چار آنکھیں جس سے ہوگئیں مخمور ہو گیا
ساقی کی چشم مست میں عالم ہے نور کا

دیکھ کر جب سے اُسے آیا ہے
اِک تماشہ ہے تماشائی کا

حرف رخصت کا تو سنتے ہی ہوا دل بیتاب
چین جانے سے تمہارے مجھے کیونکر ہوگا

کور باطن کو نظر کیا پڑے جلوہ اُن کا
دیکھتا ہے اُنہیں ہر شے میں شناسا اُن کا

کیا کہوں دنیا میں آکر کیا کیا
کھیل قدرت کے ترے دیکھا کیا

ہم کو بھی اُسنے بنایا خاک سے
جس نے تم کو نور کا پتلا کیا

آئینے کو ہے دیکھ کر حیرت
دی ہے خالق نے تمکو صورت کیا

دل کسی طرح بھی نہیں بھرتا
تیرے غم کھانے میں ہے لذت کیا

سچ اکبر ہے دل کا خوش کرنا
کعبہ جانے کی ہے ضرورت کیا

اُس بت کافر نے لیکر دل کیا پامال حیف
خوب ہی کی خانۂ کعبہ کی حرمت دیکھنا

ہم پریزادوں کے عاشق حوروں پر مرتے ہیں آپ
شیخ صاحب ہمکو کرتے ہیں نصیحت دیکھنا

رحم کرتے تو ہزاروں ہی دعائیں ملتیں
ہم غریبوں کے ستانے سے بھلا کیا پایا

کیا ہو بہار جو مئے گلگوں سے سرخ ہو
ریش سفید زاہد شب زندہ دار آج

اُس کے سر عشق کا سہرا ہے جو سر کو پھوڑے
سُن رہے ہیں یہ صدا تیشۂ فرہاد سے ہم

کب شب تڑپ تڑپ کے سحر ہونے کی نہیں
کس روز رات آنکھوں میں اپنے کٹی نہیں

زاہد ہے مردہ دل مئے جاں بخش پی نہیں
کچھ لطف زیست کیفیت زندگی نہیں

یارب ترے سوا کوئی گلزار دہر میں
پرسان حال بلبل بے بال و پر نہیں

سیر ہوتے نہیں ہیں پھر بھی ہم
غم زمانے کا گو کہ کھاتے ہیں

نہیں معلوم کہ کب پیک اجل آجائے
چاہئے موت کا ہر دم رہے کھٹکا دل میں

اُس ستمگر کے ستم کرنے سے دل شاد نہیں
اے ادیب اُس کو ذرا لذت بیداد نہیں

اُس کا اے دل جو تصور ہے تو سب کچھ ہے بہم
وہ اگر یاد نہیں تجھکو تو کچھ یاد نہیں

ادیب

(ادیب) منشی سید تفضل حسین نام اور حضرت اسیر مرحوم کے شاگردوں میں ہیں - کلام میں شوخی ہے مذاق اچھا ہے - زیادہ حال معلوم نہیں ہوا ؎

دم نزع آنکھوں میں رندوں کا جو نشہ اُترا	بادۂ عمر چھلکنے لگا پیمانوں میں ✤
قید مذہب ہے نہ پابندیٔ ارکانِ نماز	غم غلط ہوتا ہے کس لطف سے میخانوں میں
نہ دیا دل تو کیا ضد سے تقاضا اُس نے	جب کہا مینے کرے لوتو کہا رہنے دے
باعثِ ذلت و خواری ہے ولادتِ سوال	ہاتھ پھیلانے سے کب رہتی ہے عزت باقی
اس کو بھی کیجئے پامال چلے آپ کہاں	ابھی کچھ کچھ ہے نشانِ سرِ تربت باقی

ادیب

(ادیب) مولوی رستم علیخاں فرخ آبادی ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے - انکے بزرگوں نے لخت جگر (۱۲۵۳ھ) تاریخ ولادت نکالی چھوٹی سی عمر میں اپنی خداداد ذہانت سے فارسی زبان میں خاصی دستگاہ بہم پہونچائی - پھر تکمیل علم کی غرض سے لکھنؤ جاکر مولوی مکرم خاں سے عربی پڑھی - تعلیم ختم کرنے کے بعد شعر و سخن کا شوق ہوا - اساتذہ لکھنؤ کے مقلد اور پُرگو شاعر ہیں - رعایت لفظی کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے طبیعت تشبیہ پسند واقع ہوئی ہے - اسوقت اپنے شہر فرخ آباد میں ایک قابل اور کہنہ مشق شاعر تصور کئے جاتے ہیں - اور اکثر مقامی شعرا اُن سے فیض اُٹھاتے ہیں - گاہے گاہے فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں - ۱۳۰۹ھ میں اپنا دیوان بھی شایع کر چکے ہیں - اب انکے کلام کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو ؎

زاہدو پھیر نہ یہ تسبیح مصلےٰ ہوگا	سب کو بھولو گے اگر دھیان ادھر کا ہوگا
جب کہا ہجر میں سفینۂ دل شیدا ہوگا	بولے جھنجلا کے وہ چھوٹے کا کلیجا ہوگا
زندگانی کے مزے خضر بھلا کیا جانیں	زیست کا لطف انہیں ہے جنہیں مرنا ہوگا
دل میں ہے یاد بتاں نام خدا ہے لب پر	واعظو یہ کہیں قرآں میں آیا ہوگا
تمام ہوگئی جل کر گھڑی گھڑی سر بزم	زبانِ شمع سے کچھ سوزِ دل بیاں نہ ہوا
صیاد نے کرم میں بھی شامل ستم کیا	بلبل کو پر کتر کے قفس سے رہا کیا

ایک نامی گرامی خاندان کے چشم و چراغ تھے دو سو برس سے زیادہ گزرے شیخ الاجل شاہ عبدالحق نے علم و عمل رشد و ارشاد کے شوق میں وطن قدیم بخارا کو خیرباد کہکر دہلی میں طرح اقامت ڈالی۔ اور علم حدیث کی اشاعت سے اپنے مذہب اور قوم کو مستفید کیا۔ شاہ صاحب کا مزار سرزمین مہرولی معروف بہ قطب صاحب میں کنار حوض شمسی واقع ہے +

مشہور ہے کہ عموماً اس خاندان کے بچے جاہل نہیں ہوتے چنانچہ محدث علیہ الرحمۃ کے ڈھائی سو برس بعد سیف الحق ۱۲۷۸ھ میں بمقام دہلی محلہ مفتی صاحب پیدا ہوئے۔ خاندانی تربیت تو تھی ہی مگر باعث صد حیرت اور استعجاب یہ امر ہے کہ مکتب اور سرکاری مدرسے میں صرف معمولی عربی فارسی اور برائے نام انگریزی تعلیم پانے کے جسکی معراج مڈل کے درجے تک تھی ادیب کی اچھوتی اور ہونہار طبیعت نے وہ قابلیت و استعداد فراہم کر لی کہ اچھے اچھوں کی ٹکر جھیلنے لگے اور لڑکپن ہی میں قابل امتثال لیاقت حاصل کر لی شعر و سخن کا شوق بچپن سے رفیق تھا۔ خود بھی شکیل و وضعدار تھے اور حسن پرستی کا مادہ ازل سے انکے خمیر میں ودیعت ہوا تھا۔ شروع میں مرزا یوسف علیخاں عزیز شاگرد مرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا اور کئی برس تک اُنکی روش پر کہتے رہے ایک دفعہ کسی مشاعرے میں غزل پڑھی جسکا مطلع یہ ہے ؎

لیجاؤ میرے سینے سے ناوک نکال کے	پر دل نکل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

سُنا ہے کہ مرزا غالب بھی موجود تھے۔ پاس بُلاکر پیار کیا اور فرمایا کہ "میاں سیفو ہمارے پاس آیا کرو آج سے ہم تمھیں بتائیں گے" مرزا غالب کی توجہ سے اور ہی رنگ پیدا ہو گیا۔ جب روزگار کی ضرورت پڑی تو کچھ دن عدالت منصفی میں نائب ناظر رہے لیکن انشا پردازی کی خداداد قابلیت نے سرکاری ملازمت کی قیود کا پابند رہنا گوارا نہ کیا۔ اسلئے اخباری دنیا میں قدم رکھا۔ سیو گزٹ نامی ایک پرچہ نکالا جو کچھ دنوں بڑی دھوم سے چلا اسمیں اکثر اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مضامیں اور غزلیات شائع کرتے رہے۔ پھر جب یہ پرچہ بند ہو گیا تو مختلف اخباروں کو اپنے مضامیں نظم و نثر سے معقول امداد دیتے رہے۔ اسی اثنا میں انجمن قصور کے سکرٹری ہوکر وہاں چلے گئے اور انجمن مذکور کا رسالہ بڑی کامیابی

ہم نے تو کسی کے در کرم میں بھی نہ پایا — جو لطف ملا ہم کو ترے جور و جفا میں

اُن کو کہتا ہے ہر اک زندہ جاوید میاں — پہلے مر جانے سے جو لوگ کہ مر جاتے ہیں

مجھ تشنہ کام کا ہو دہن خشک تر کہیں — مل جائے آب خنجر بیداد گر کہیں

عجب کیا ہے جو کر دے کاہ وہ کوہِ مصیبت کو — جو اپنے حکم سے رائی بنا دیتا ہے پربت کو

وہ آئے بھی تو وقت نزع گھر میری عیادت کو — ملا کب شربت دیدار بیمار محبت کو

یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اسکا — بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو

کیا تیغ و غم و رنج سے مجھ مست کو ڈر ہو — جب ہاتھ میں جام مے گلگوں کی سپر ہو

رہائی میں کیا قید قفس سے بھی ستم بڑھ کر — کیا پر کاٹ کر صیاد نے آزاد بلبل کو

بند آب و دانہ قید میں صیاد نے کیا — کیا دشمنی ہے بلبل بے بال و پر کے ساتھ

بولیں جو مجھ سے آپ تو جی جاؤں میں ابھی — ہے زندگی مری لب اعجاز نما کے ہاتھ

نہیں اسکے برابر نعمتوں میں کوئی نعمت ہے — کوئی دل سے پوچھے جو غم کھانے میں لذت ہے

میں کیا کہوں کہاں تری تیر نظر لگی — سینے کو توڑ کر مرے دل میں اتر گئی

دل نعمتوں سے سارے زمانہ کے بھر گیا — غم کھانے میں مزا ہے کچھ ایسا مزا مجھے

غیب سے گھر بیٹھے پہنچاتا ہے رازق اسکو رزق — آسمیا آسا نہیں پھرتا جو دانے کے لئے

پیش قاتل ہے سر تسلیم خم — جان لے یا بخش دے مختار ہے

نقاب روئے روشن وہ اُٹھا دیتے ہیں جب جیسے — جلاتا شمع کا محفل میں جب منظور ہوتا ہے

کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب — الفت عزیز میں ہے نہ مہر آشنا میں ہے

تھا پہلے اجتناب مگر اب یہ شوق ہے — زاہد جو کھولتا ہے تو روزہ شراب سے

در دلبر پہ اے دل چل کے کر تو ناصیہ سائی — یہی تدبیر ہے تقدیر کا لکھا مٹانے کی

ادیب

(ادیب) مولوی سیف الحق مرحوم ادیب دہلوی ابن مولوی محمد احسان الحق مغفور خلف الصدق مفتی محمد اکرام الدین خاں بہادر صدر امین (سب جج) دہلی - شاہ عبدالحق محدث کی اولاد اہل اسلام کے

صحت لفظی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ طبیعت میں تحقیقات کا مرض اُسپر ابھی مادری ٹکسالی اُردو میں اختراعوں کا شوق جسکی مناسبت اور دلفریبی زبان اور قلم سے نکلتے ہی قبولیت عامہ کا مرتبہ حاصل کر لیتی تھی۔ مختلف جلسوں اور قومی کانفرنسوں میں وقتاً فوقتاً لکچر بھی دیا کرتے تھے جنکی وجہ سے چھوٹی سی عمر میں اپنی لیاقت اور ذکاوت سے ہندوستان میں اچھا نام پیدا کر لیا تھا۔ آخر اسی شہرت کی بدولت سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن میں بمشاہرہ چار سو پچاس روپیہ گورنمنٹ رپورٹر کے معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ دکن میں ، دو ہی برس کی ملازمت میں ایسا رسوخ پیدا کر لیا کہ صدہا کے رشک وحسد کا باعث تھا۔ حضرت داغ مرحوم جب پہلی مرتبہ دکن تشریف لے گئے تو آپ ہی کے مکان پر عرصہ تک فروکش رہے۔ پھر جب دہلی واپس چلے آئے تو دوبارہ آپ ہی کی تحریک سے عازم دکن ہوئے تھے۔ اور اُنکے تقرر میں بھی بہت کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا دخل تھا۔ نوک جھوک کی عادت ایسی تھی کہ کسی سے چوکتے نہ تھے۔ امیر۔ ارشد دہلوی۔ مرزا داغ۔ راسخ مولانا شوکت۔ احسن سے مزیدار چوٹیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے مولوی عبدالرحمن راسخ ساکن نبت نے غالب کی طرز میں غزل لکھی جسکے مقطع میں غالب مرحوم پرشنہ آ گئے ؎

کہیں چھپ چھپ کے مے پیتے ہیں شاید حضرت راسخ		ترے اشعار بھی غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

پھر کیا تھا ادیب نے میاں ملنگ سبزی فروش سے اُسی زمین میں غزل پڑھوائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

عجب گم گم کا مضموں ہے کہیں لیں اپنے دعوی کیا		نبت والے بھی اب غالب کی ٹکر ہوتے جاتے ہیں

مختصر یہ کہ ادیب مرحوم خوبرو۔ خوش وضع۔ رنگین طبع۔ نازک خیال خوش تقریر۔ خوش تحریر آدمی تھے۔ خوشنویسی میں بھی اچھا ملکہ تھا۔ مزاج میں لاپروائی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپکے دریائے معیشت میں اکثر جزر ومد کا عالم رہتا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو دق کا مرض جسمیں انکا انتقال ہوا زیادتی فکر سخن کی بدولت ہوا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ شراب کی زیادتی اس مرض مہلک کا باعث ہوئی۔ آخرکار یہ علوم ایشیائی کا زبردست ادیب و ماہر فن عروض میں بھی ید طولےٰ رکھتا تھا ۲۸ برس

سے چلاتے رہے۔ جب وہاں سے جی اچاٹ ہوا تو لاہور آگر کچھ دن سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے
پھر کچھ عرصہ کوہ نور کے اڈیٹر رہے۔ اکثر اخبارات میں علمی مباحثوں میں حصہ لیکر اُس زمانہ کے نامی
فاضلوں۔ شعرا اور لیڈروں سے اُلجھ پڑے۔ نازک مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ رفیق ہند
کے بعض مضامین سے ناراض ہوکر اُسکے جواب میں شفیق ہند نامی پرچہ لاہور سے جاری کیا جسکے
ساتھ نسیم صبح۔ شام وصال کے نام سے دو ضمیمے بھی نکلتے تھے۔ اِن پرچوں کا ایک ایک فقرہ
شوخی سے بھرا ہوا اور مذاق میں ڈوبا ہوتا تھا۔ الغرض پنجاب میں آپنے اچھی شہرت حاصل
کرلی اور نامور لیڈر آپکی قابلیت کا لوہا مان گئے آپ کی طبیعت میں غضب کا استحضار تھا وقت
پر سوجھتی تھی اور خوب سوجھتی تھی۔ غالب کے تلمذ نے آپکے کلام میں ایک عجیب شان پیدا کردی
وہ یہ کہ مومن اور غالب کے رنگ کلام کو سموکر جدت بندی سے ایک ایسا دلچسپ اور پسندیدہ
رنگ اختیار کیا جسمیں فصاحت و بلاغت شوکت لفظی۔ مناسبتِ شعری اور نازک خیالی سب
اپنی اپنی جگہ جداگانہ شان دکھاتی تھیں۔ اُردو فارسی دونو زبانوں کا کلام نہایت آبدار و بلند پایہ
ہے مگر انکی فطرتی استغنا سے بہت سا حصہ تلف ہوگیا۔ اور جو کچھ بچ رہا وہ بھی نایاب ہے اور
چھپنے کی توقع نہیں بڑی مشکل سے تھوڑا سا کلام ہمارے ہاتھ لگا ہے نثر کا بھی کافی ذخیرہ آپ
سے یادگار ہے۔ تاریخ گوئی میں اپنا نظیر ہی نہ رکھتے تھے۔ بات بات میں مادہ تاریخ نکالتے تھے
اکثر تاریخی فقرے بولتے تھے۔ ہزاروں قطعات۔ بیسیوں عرضیاں۔ اور خطوط تاریخی جنکے ہر
دل آویز فقرہ سے سن وسال نکلتا تھا لکھ ڈالیں چنانچہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے ولی عہد کی پیدائش
پر ان کے تاریخی نام اور قصیدے قطعے اس کثرت اور عمدگی سے لکھے کہ دھوم مچ گئی۔ عجیب ترین
قصہ انکی برجستہ تاریخ گوئی کا یہ ہے کہ ۱۳۰۲ میں انکے بھائی مولوی محمد انوار الحق میر منشی راجستان
نے اپنی بیٹی کی شادی کی وقت وداع سامان جہیز کی فہرست لکھنے کی خدمت انکے سپرد ہوئی
چنانچہ فہرست جو بڑی لمبی تھی مع عنوان تمہید نام جنس نام بکمال تاریخی ہے ہر شے کے ساتھ ایسے
موزوں اور مناسب الفاظ ملائے ہیں کہ ہر جملہ میں تاریخ موجود ہے۔ فصیح اللسانی کے ساتھ ساتھ

باز آتا نہیں الفت سے کسی طرح ادیب
شوق ہے آپ اُسے اپنی گرفتاری کا

تقدیر کا لکھا مری صورت سے ہے عیاں
کیوں غیب نام ہے سخنِ آشکار کا

اے کاش وہ بھی ہو کوئی دم غیر سے جدا
احوال تا کھلے مرے صبر و قرار کا

کب فکرِ ظلم تازہ سے آسودہ وہ ہوا
کہنا اُسے خطا ہے تغافل شعار کا

موت آگئی مجھے شامِ فراق ہی
دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا

یاں رستخیز کیا ہو سبب اضطرار کا
ہنگامہ دیکھے بیٹھے ہیں رفتارِ یار کا

ہو جان پر جو ایک مصیبت تو روئیے
دل بھی ملا ہمیں تو ترے اختیار کا

راہِ وفا پہ گر نہیں آتے ہیں وہ نہ آئیں
دل ہی کہیں ہو کاش مرے اختیار کا

تا صبح ہر نفس رہا خواہانِ مرگ میں
کیا پوچھتے ہو حال شبِ ہجر یار کا

گر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب
لپکا بُرا پڑا ہے تجھے انتظار کا

لذتِ جور نے دی رشک سے مجھ کو تسکین
غیر بھی جرعہ کشِ حسرتِ بیداد ہوا

کیسا کہا ہے غیر جو دوچار ہو گیا
میرا دم اُس کو خنجرِ خونخوار ہو گیا

ممنوں کیا نہ ضعف نے امکانِ رشک
جب آنکھ بند ہو گئی دیدار ہو گیا

ایسے آتے پتے دئے صورت نے یار کی
مجھ سا ہی نامہ بر کو بھی آزار ہو گیا

ہے اک گزیدنی سی اُسی کی لگی ہوئی
اپنے لئے میں خود مژۂ یار ہو گیا

جاں نے بھی الوداع کہا دل کے ساتھ ہی
میں رہسپارِ منزلِ دشوار ہو گیا

بوسوں کے نیل سے ہے عیاں رنگِ وصلِ غیر
سوسن تمہارا لالۂ رخسار ہو گیا

رکھے عدو نے پھول سرِ تربتِ ادیب
کیا شمع زیست کر کے وہ گل خار ہو گیا

جس کو مارا وہ اُف نہیں کرتا
ہاتھ بانکا ہے میرے قاتل کا

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم
حرماں و یاس لے کے چلے ہیں جہاں سے ہم

پوشیدگی ہے غیر سے مدِ نظر ہمیں
آگاہ کیوں کریں تمہیں رازِ نہاں سے ہم

کی عمر میں جوان ۱۸۹۱ء میں بمقام دہلی فوت ہوگیا اور قطب صاحب میں اپنے مورث اعلیٰ کے مزار کے قرب میں دفن ہوا - دم نکلتے نکلتے بھی ہوش وحواس درست تھے نویں محرم کو انتقال سے چند گھنٹے پیشتر جسوقت تعزیہ گشت کر رہا تھا بیرم خاں میں آپکے مکان کے متصل ہو پہنچے تو ماتمی تاشے کی آواز سے چونک کر آپ نے ایک عزیز کو اپنے پاس بلایا اور یہ رباعی لکھوا کر فرمایا کہ اسے تعزیے سے لٹکا آؤ - وہ رباعی جسے اس طوطی شکرستان سخن کی آخری نغمہ سنجی کہنا ناموزوں نہیں ہے ؁

رباعی

بیمار ہوں ناتواں ہوں زار ہوں میں — وقفِ غم و درد و رنج و آزار ہوں میں
اے سبطِ رسول راکبِ دوشِ نبی — کچھ عقدہ کشائی کیجئے ناچار ہوں میں

آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی انعام الحق بی اے ہونہار اور لائق نوجوان ہیں اور فی الحال فارس میں کانسل برطانیہ کے دفتر میں ایک معزز عہدے پر ممتاز ہیں - انتخاب کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

یوں ہوا حال ستم سے ترے سودائی کا — آپ ہی شوق سے گویا تجھے رسوائی کا
ساتھ واں بھی نہ تری یادِ ستم نے چھوڑا — قبر سمجھے تھے ہم اک زاویۂ تنہائی کا
شامِ وعدہ ہی سے توفیقِ دفا عمر نے کی — منہ دکھایا نہ خدا نے شبِ تنہائی کا
سوئے آئینہ ہے منظور تری ایک نظر — اور ہی دیکھنا دعوے تری یکتائی کا
جادہ ملنے کی تمنا ہے اگر مل جائے — ورنہ اک شغل سہی بادیہ پیمائی کا
چشمِ آئینہ سے بچنا کہ نہ مجھے نجبو — آج کل شوق تو ہے تمکو خودآرائی کا
موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں — کاش ہو نام قضا تیری مسیحائی کا
شکوۂ ظلم ادیب اُن سے نہ کرنا کوئی — مجکو شرمندہ کریگی مری دانائی کا
خود فراموشِ تمنا ہوں ولی پیدا ہے — رنگ دیوانگیِ شوق میں ہشیاری کا
اس کو اس درجہ ہے اندازِ جفا پر نازش — جسقدر ناز نہیں مجھکو وفاداری کا
یاں شکایت ہی تو ہے اپنے ہی دل کی ظالم — تجھسے کچھ شکوہ نہیں ہے تری غمخواری کا

روز رہتی ہے یہ پامالئ تربت کیسی
خاک میں مل گئے جب ہم تو کدورت کیسی

کہہ دیا اُس نے کہ اب یہ بھی نہ دیکھو گے کبھی
جب کہا میں نے کہ مُنہ دیکھنے کی عادت کیسی

ایک تو ذکرِ عدو اُس پہ بگڑنا کہ سنو
ٹوٹتی ہے یہ قیامت یہ قیامت کیسی

غیر سے جا گھر ہی کو بھی جدا ہو تو کہوں
کہ گزرتی ہے کسی کی شبِ فرقت کیسی

مُنہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا
مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی

آج دو ٹوک کئے لیتے ہیں اُن سے ناچار
بن گئی اپنے ہی دم پر تو مروّت کیسی

یہ تو احسان ہے کچھ زور نہیں ظلم نہیں
بوسہ دینا نہیں منظور تو حجّت کیسی

مجھ سا صوفی منش اور شائقِ جام
مے میں کیا جانے ہے لذت کیسی

جان جائیں گے یہ سب آپ مرے بعد ادیب
علم کیا چیز ہے ہوتی ہے لیاقت کیسی

قیامت بھی مشتاق ٹھہری ہوئی ہے
وہ کب دیکھئے خوشخرامی کریں گے

مبارک ہو ملتے ہو گر دشمنوں سے
تمہاری بھی نیک نامی کریں گے

یہ عشقِ عدو ہے تو وہ بن کے یوسف
زلیخا کی قائم مقامی کریں گے

نزاکت لبِ یار کی کہہ رہی ہے
کسی سے نہ ہم ہم کلامی کریں گے

اگر آبِ خنجر نے بھی خشک ٹالا
تجھے لے کے کیا تشنہ کامی کریں گے

پشیماں ہوں یوسف انھیں کہہ کے ناحق
وہ کہتے ہیں کیا ہم غلامی کریں گے

رہا گر یہی بت پرستی کا عالم
تخلص ادیب اپنا رامی کریں گے

گویا مرا قصور تھا ایسا خجل ہوا
اب کیا عوض میں آپ کے لو گے کسی کی جان

جب شکوۂ جفا پہ وہ بولی خفا ہوئی
بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

جھگڑے شبِ وصال وہ باہم گر پڑے
لیٹے رہے الگ وہ اُدھر ہم اِدھر پڑے

خط دے کے میرا اُن کو الجھیو نہ نامہ بر
ایسا نہو کہ تیری بلا تیرے سر پڑے

لیجا مرے سینے سے ناوک نکال کے
پر دل سے کل نہ آئے کہیں دیکھ بھال کے

دل میں ہے عزم ترکِ وفائے جفا صلہ
کب تک عتاب ایک کرم کی نگاہ بھی

خالی خیالِ یار سے دل ایک دم نہیں
سب کچھ ادیبؔ عشق نے ہی سے بھلا دیا

کیوں جئیں ہجر میں جب موت کو سنتے ہیں وصال
حسرتِ دیدۂ ترخوں کے سے گھونٹ پیے

خودپسندی نے مجھے اور نہیں ایک کیا
موجِ دریا کی حقیقت بھی کھلی ہارے ادیبؔ

بحرِ موّاج میں قطرے کا تماشہ دیکھو
دولت اشک نظر آتا ہے قلزم مجکو

نگہِ ناز سے جب دیکھتے ہو تم مجکو
خوگرِ جور ہوں الطاف ومحبت معلوم

دل میں خاموشی کو اک خضرِ تعلق جانا
ہے مری طرح سے الطاف کی اُس پر بھی نظر

دل میں برداشت نہیں رشک عدو کی اب تو
دیکھیے کیونکر کھلے عقدۂ مالا ینحل

آبرو رکھ لے خدا حضرت عیسیٰ کی کہیں
کام بگڑے نظر آتے ہیں جبھی تک کہ خدا

کس کس غم و الم کا نہ میں میزباں ہوا
عمرِ ابد سے کم نہیں مجبورن ہے ہجر کا

غیر تک پوچھتے ہیں ہوگئی حالت کیسی

کچھ آج اپنے حال پہ ہیں مہرباں سے ہم
تنگ آگئے ہیں اب ستمِ آسماں سے ہم

رہتے ہیں اپنے گھر میں بھی اک میہماں سے ہم
جانا کہاں ہے اور چلے آئے کہاں سے ہم

کہتا اے حضرتِ عیسےٰ نہ کہیں تم مجھکو
اک ستم تھا وہ ترا ضبطِ تبسم مجھکو

کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر تم مجھکو
جوشِ گریہ نے دکھایا جو تلاطم مجھکو

ناخدا چھوڑ چلا ہے سرِ قلزم مجھکو
جستجو خاک کی ہے بہرِ تیمم مجھکو

ستمِ تازہ کا ہوتا ہے توہم مجھکو
میں نہیں غیر کہ ہو لطف و ترحّم مجھکو

نہ بن آئی کوئی جب حرزِ تکلم مجھکو
حال پر غیر کے آتا ہے ترحم مجکو

آپ کا لطف گوارا نہ ترحّم مجکو
ذوقِ خاموشی اُنہیں شوقِ تکلم مجکو

آج لاشہ پہ کہیں گے وہ مرے قم مجکو
گوشِ دل دے اُسے یار اے تکلم مجکو

تم رات کو جو غیر کے گھر میہماں رہے
اب ہم اجل سے منفعل جاوداں رہے

ڈال دی آپ نے ہم پر یہ مصیبت کیسی

بڑے بھائی منشی اعجاز نبی صاحب گورداسپور میں ڈسٹرکٹ جج بھی رہے تھے۔ شیخ صاحب ایک زندہ دل۔ ظریف الطبع۔ موسیقی پسند نوجوان ہیں۔ فن شعر میں مجدد الوقت مولانا شوکت سے ارادت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے مولانا ممدوح نے دیوان غالب کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی تصنیف سے دو ناول حامد و دل بہار۔ اور عدل عباسی شائع ہو چکے ہیں۔ گو آپ کا کلام پرانے مذاق کا ہے مگر اسمیں اخلاقی مضامین کی بھی جھلک پائی جاتی ہے۔ ہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام آپ نے ارسال فرمایا اسکا انتخاب ناظرین کے ملاحظہ کے لئے درج کیا جاتا ہے ۵

کون سنتا ہے چمن میں داستانِ عندلیب ۔۔۔ گل اُڑا دیتا ہے کانوں سے نشانِ عندلیب
یہ بچھوڑے باغ کتنا ہی ستائے باغبان ۔۔۔ قید ہے ہر غنچہ و گل میں روانِ عندلیب
جو دل میں ہے ہمارے وہی ہے زباں پر ۔۔۔ رہتے ہیں یار لوگ سدا مکر و فن سے دور
دیکھو جسے وہی ہے اسیرِ غم و الم ۔۔۔ دارِ محن میں کون ہے رنج و محن سے دور

رباعی

حاسد کے لئے ہے دوزخ اسکا سینہ ۔۔۔ جلتی ہے جہاں آتشِ بغض و کینہ
دل صاف ہو حاسد کا؟ ہے مشکل ارشاد ۔۔۔ کب صاف دھوئیں میں ہے رہا آئینہ

کریگا کسطرح قاصد وہاں حالت بیاں میری ۔۔۔ نہ رکھتا ہے تو دل میرا نہ رکھتا ہے زباں میری
نہ ڈر اس سے کہ محشر میں کرینگے دعویٰ ہم تجھ پر ۔۔۔ ترے شکوہ میں ظالم کام کب دیگی زباں میری
جہاں میں جسقدر اسباب تھے تخریبِ عاشق کے ۔۔۔ وہ بنکر فتنۂ دوراں تری رفتار میں آئے
خدا کی یاد بھولے مسجد و کعبہ سے منہ پھیرا ۔۔۔ بتوں سے دل لگا کر رشتۂ زنار میں آئے
ہوا ارشاد ہم سے چرخ کج رفتار اب سیدا ۔۔۔ مری قسمت کے بل سب گیسوے دلدار میں آئے

رباعی

آتی ہے ہر اک پھول سے نکہت تیری ۔۔۔ سوسن کی زباں پر ہے مدحت تیری
بتلاتا پتہ تیرا ہے پتا پتا ۔۔۔ غنچے کے بھی دل میں ہے محبت تیری

رباعی

کیا فائدہ گر ریش بڑھائی تو نے ۔۔۔ پیشانی پہ محراب بنائی تو نے
تسبیح و مصلے سے بھلا کیا حاصل ۔۔۔ جب کچھ بھی نہ کی دل کی صفائی تو نے

انتخاب از مثنوی سحاب رحمت

تھے طمانچوں سے لو کے چہرے لال
آندہیوں سے جدا تھا پتلا حال

تھا نہ گرمی کا کوئی اندازہ
سردی کا کھینچتے تھے خمیازہ

دل کے دل بادلوں کے آنے لگے
صبر ہاتھوں سے دل کے جانے لگے

پڑ گئی جان کاشتکاروں میں
آگئے ہوش بادہ خواروں میں

گھر کے آتے ہی دل کے دل بادل
سارے جنگل میں ہوگیا منگل

سب کے جی سے اتر گئے دریا
حوض شمسی کا اوج موج بڑھا

ادیب

(ادیب) منشی محمد اکرم احمد خاں ولد محمد یار ساکن قصبہ تارہ ضلع الہ آباد۔ انکے والد عرصہ تک محکمہ پولیس اودہ میں سب انسپکٹر رہے۔ ادیب خود نوجوان ہیں طبیعت موزوں پائی ہے شعر خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ اور اُسمیں منشی محمد نوح نوح شاگرد حضرت داغ دہلوی سے اصلاح لیتے ہیں۔ تیس بتیس برس کی عمر ہے ؎

تیر نگہ ناز ہے کیا تیر قضا کا
مارا اُسے جس کو بت بے رحم نے تا کا

لڑتی ہے ہواہی سے غضب ہے یہ خدا کا
کس کل کوئی دیکھے تو ذرا زلف رسا کا

مسجد میں نکر ہو بتاں بیٹھ کے زاہد
کمبخت ذرا ڈر تو کہ گھر ہے یہ خدا کا

تاثیر سے ملے گی فلک پر یہ کس طرح
ملتا نہیں ہے حرف جب آپس میں آہ کا

(ارشاد) شیخ ارشاد نبی نام ہے اور ابوالمختار کنیت۔ قوم کے شیخ قریشی شہر میرٹھ کے قدیم باشندے ہیں مگر چونکہ انکے والد بزرگوار خان بہادر منشی غلام نبی پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ اور جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنری کے عہدوں پر ممتاز رہنے کے بعد بحصول پنشن ریاست بہاولپور میں فنانشل منسٹر کے عہدہ پر فائز ہوے تھے اسوجہ سے آپ نے بھی وہیں ملازمت اختیار کی۔ چنانچہ اب کئی برس سے آپ ریاست کی جانب سے پٹیالہ میں وکیل ہیں۔ آپکے

وہیں درسی کتابیں ختم کیں۔ جب معاش کی فکر ہوئی تو سررشتۂ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں قیام رہا۔ مگر زیادہ حصہ ملازمت فیروز پور میں جہاں آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے بسر ہوا۔ شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو گئی تھی۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم آپ کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے انہیں علاوہ زبردست استعداد عربی و فارسی علم عروض پر ایسا عبور تھا کہ اس فن میں مستند سمجھے جاتے تھے اور فن شعر میں تو اُستاد مسلم الثبوت تھے۔ صابر مرحوم کے بڑے صاحبزادے مرزا اعظم سلطان معروف بہ مرزا قیصر بخت فروغ بنارس میں شادی ہو جانے کے باعث وہاں جا رہے تھے اگرچہ مرزا صابر بھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر دہلی میں قیام رہتا تھا۔ مرزا سے انہیں خاص اُنس تھا انکی ذکاوت تیزی اور رسائی فکر کو دیکھ کر جان گئے کہ خدا نے اسے غیر معمولی دماغ دیا ہے۔ اور قابل تربیت مادہ پا کر انکی تربیت اور اصلاح میں بدل کوشاں و ساعی ہوئے۔ چنانچہ علم عروض نہایت توجہ سے پڑھایا اور شعر کہنے کا شوق دلایا۔ پھر کیا تھا ابتدا سے فکر ہی میں ایسے شعر نکلنے لگے کہ اُستاد پھڑک گئے۔ اسی ہونہاری و طبیعت داری سے روز بروز شفقت اُستاد بڑھتی چلی گئی۔ اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ ایک ایک غزل سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعری کہتے تھے اور ہر قافیہ کو بیس بیس طرح باندھتے تھے اور ہر شعر میں کوئی نہ کوئی نزاکت یا لطافت معنی کا پہلو ضرور ہوتا تھا۔ بعض اوقات اُستاد متعجب ہو کر کہتے "خدا نظر بد سے محفوظ رکھے۔ یہ اُستاد کا نام روشن کرے گا" ابتدائی غزل کا ایک شعر بطور تمثیل زود طبع لکھا جاتا ہے

کیا ہے قید تو لٹکا قفس کو گلشن میں	۔۔	لئے پھرے گا مجھے تو کہاں کہاں صیاد

یہ طالب علمی کے زمانے کی کیفیت ہے۔ مدرسہ میں جس سبق کو اور لڑکے گھنٹوں رٹتے یہ چند منٹ کی توجہ میں اُسے حاصل کر لیتے اور ہمیشہ جماعت میں اعلیٰ رہتے۔ افسوس کہ انگریزی زبان کی طرف کبھی توجہ مبذول نہ کی ورنہ اُسے حاصل کر لینا انکے ذہن رسا کے آگے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اسی اثنا میں مرزا صابر بنارس تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر صرف چند ہی روز اصلاح کا سلسلہ جاری رکھ کر مرزا صابر نے لکھ بھیجا کہ اب تم بجائے خود اُستاد ہو تمہیں اصلاح کی کوئی احتیاج

(ارشاد) محمد قاسم علی نام ہے - مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد بہادر پیشکار و مدار المہام سرکار آصفیہ المتخلص بہ شاد کی شاگردی سے نامور ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - انکا کلام حاضر ہے ؎

غم نہیں مجکو جنازہ پہ میرے دفن تک
پیش جب تک رہی حجاب تجھے دی

حسرت یار تو بھی ساتھ اگر یار نہ تھا
بھید کھلتا نہیں خدائی کا

قلزم عشق کے مدت سے رہے ہم تیراک
غیر سب بزم شہ حسن میں ہو دے تجے لیکن

یہ وہ دریا ہے کہ پیدا کہیں ساحل نہوا
ہائے ارشاد رہی اک داخل محفل نہوا

پہلو میں دل نہیں تو دہن میں زباں نہیں
دینے میں آپکو ہے پس و پیش کسلئے

یعنی لائق عشق میں رسم فغاں نہیں
اک بوسے کے عوض تو گراں نہیں

پی رہے ہیں ہم لہو کے گھونٹ اور ان تد
طالب وصل کو زمانا ہے وہ رشک قمر

ساتھ ہیں غیروں کے دور جام اٹھتے بیٹھتے
ہاتھ آتے ہیں کہاں عرش کے تارے پیارے

(ارشاد) چودہری سید ارشاد حسین تعلقدار زرولی اودھ - حضرت امیر لکھنوی کے چھوٹے صاحبزادے سید افضل علی خاں افضل سے مشورہ سخن کرتے ہیں - تازہ تازہ شوق ہے - یہ انکا کلام ہے ؎

ایسا دلسوز مرا کوئی زمانہ میں کہاں
دھیان نہ ہو تجھے لازم ہے صمد کا ہوم

ساتھ جلتا ہے چراغ سر مدفن کیسا
محو ہے یاد صنم میں یہ برہمن کیسا

(ارشد) صاحب عالم مرزا عبد الغنی گورگانی دہلوی خلف مرزا علی بہادر ابن شاہزادہ دلاور شاہ خلف الرشید حضرت احمد شاہ بادشاہ جسب کا سلسلہ یہ ہے کہ آپ نواب کاشفہ سلطان بیگم صاحبہ کے حقیقی نواسے تھے جو حضرت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی سب سے بڑی شاہزادی تھیں - اور اسیوجہ سے موقر و ممتاز بیٹیوں میں تھیں - آپکی پیدائش قلعہ معلیٰ دہلی میں ہوئی مگر ابھی چھ سات برس سے زیادہ عمر نہونے پائی تھی کہ بلوۂ غدر نے خاندان شاہی کو اُنکے آبائی محل سے نکالکر پراگندہ و منتشر کر دیا چنانچہ مرزا ارشد ایام طفولیت میں کئی برس تک قطب صاحب میں رہے اور

تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ لکھ ڈالتے حاضرین کو تعجب ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا حافظہ سے لکھ رہے ہیں۔ اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل میں سفر کرتے کرتے لکھ ڈالتے تھے۔ اسیوجہ سے نظر ثانی سے بیشتر حصہ کلام محروم رہا۔ مرثیہ گوئی کیطرف آخر زمانۂ عمر میں زیادہ توجہ مبذول ہوئی تھی چنانچہ چند مرثیہ بڑی دھوم دھام کے لکھے۔ کیا عجب کہ اگر چند برس اور زندہ رہتے تو اس فن میں بھی قابل نظیر قابلیت پیدا کر لیتے۔ ایک اور قابل حیرت بات یہ ہے کہ جسطرح طرز قدیم مذاقِ ایشیائی کے ماہر تھے اُسی طرح موجودہ زمانہ کی نیچرل شاعری میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ اکثر اس طرز میں بھی گوہر افشانی فرما کر اُسے پرانی بندشوں۔ اور نفیس استعاروں اور تشبیہوں سے ایسا مرصع کرتے تھے کہ خاص و عام محو ہو جاتے تھے سخن سنجی کے ساتھ ساتھ غضب کی ہنس مکھ ظرافت اور لطیفہ گوئی کی گویا تصویر تھے۔ دوستوں میں ہمیشہ خوش رہتے اور انہیں خوش رکھتے۔ مزاج میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ اکثر بہاولپور مالیرکوٹلہ۔ رامپور وغیرہ جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد دکن بھی چند دن کے لئے گئے تھے۔ سرکار بہاولپور سے بصلہ مدح گستری دو سو روپیہ سالانہ وظیفہ بھی آپ کو ملا کرتا تھا۔ انجمن اسلامیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہو کر سامعین کو اپنے حلاوتِ کلام سے محظوظ کرتے رہے آپ کی یہ نظمیں کیا رنگینیٔ طرز تحریر کیا سوز و گداز اور کیا مناسبتِ محل کے اعتبار سے بے نظیر ہوتی تھیں۔ الغرض کیا باعتبار فضل و کمال اور کیا بحیثیت شاعری مرزا صاحب کا پایہ مشاہیر شعرائے وقت میں اعلیٰ تھا اور آپ اُن معدودے چند نامی گرامی شعرا میں شمار ہوتے تھے جو اصناف سخن کے اسوقت کامل جاننے والے مانے جاتے ہیں۔ جن بزرگوں کی کوشش سے پنجاب میں اُردو نے قبولیت عام کا درجہ حاصل کیا انکے زمرہ میں آپ درجۂ اختصاص رکھتے ہیں۔ خداداد ذہانت اور ذکاوت کی بدولت آپکی نثر کا رتبہ بھی کسیطرح نظم سے گرا ہوا نہیں ہے۔ صاحب تالیف و تصنیف تھے۔ مدت العمر میں بہت کچھ لکھا مگر مزاج کی بے پروائی اور خلقی استغنا سب پر غالب رہا اور کبھی کلام کے تدوین کی نوبت نہ آئی۔ چنانچہ آپکے خاندان کیطرح کلام بھی پریشان ہے۔

نہیں۔ مرزا صابر مرحوم ہمیشہ ان پر ناز فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری عمر کی کمائی دو شاگرد ہیں اوّل یہ اور دوسرے مرزا فروغ صاحبزادہ کلاں۔ مرزا صابر کی تشریف بری کے بعد تکمیل فارسی کے لئے چند سبق مولوی احسان الرحمٰن خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ معروف بہ منجھلے آکا سے لئے پھر اُنہیں کی تحریک سے امراؤ مرزا انور کی خدمت میں حاضر ہوئے - مینا بازار خرید کر پڑھنے بیٹھے۔ کتاب مشکل تھی جیسا جی چاہتا تھا نہ پڑھ سکے تو انور مرحوم نے فرمایا کہ میں تمہارا کلام سُنکر یہ جانتا تھا کہ تمہاری استعداد اچھی ہے۔ اُنکا یہ کہنا طبیعت کو سخت ناگوار گزرا اور یہ کہہ کر اُستاد کل سے پڑھوں گا گھر چلے آئے۔ رات کو خوب غور سے مطالعہ کیا دوسرے دن پھر اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو انور مرحوم متحیر ہو کر کہنے لگے "مرزا صاحب کل آپ کیا میرا امتحان لیتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ واقعی بات یہ ہے کہ اب میں مطالعہ کر کے آیا ہوں اور کل اسیوقت بازار سے کتاب خرید کر حاضر ہو گیا تھا۔ الغرض تکمیل فارسی کے بعد پہلا قصیدہ عرفی کے قصیدہ پر لکھا (دہانِ علم زبانِ علم) اور خواجہ حالی کے ہمراہ نواب ضیاءالدین خان صاحب نیر رخشاں کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے شُکرہت دادی جبتک دہلی میں رہے سیف الحق ادیب۔ مرزا حسین علی خاں شاداق خلف غالب مرحوم۔ مرزا انور۔ مرزا فروغ۔ مرزا داغ کے ساتھ مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے اور لطف یہ کہ کسی سے دب کر نہیں رہے۔ دماغ ایسا صحیح اور طبیعت ایسی موزوں پائی تھی کہ جس علمی بات کی طرف توجہ کرتے اسمیں تھوڑی بہت دسترس بہم پہونچا لیتے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ جیسا اچھا کہتے تھے ویسا ہی پڑھتے بھی خوب تھے۔ خاصکر مرثیہ اور سلام پڑھنے میں تو کمال حاصل تھا اہل مجلس کو محو حیرت کر دیتے تھے۔ الفاظ کے ذریعے سے آنکھوں کے سامنے سماں باندھ دیتے تھے۔ فن موسیقی سے بھی باخبر تھے جلسۂ احباب میں کبھی کبھی اپنا کلام گا کر بھی سُنایا کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی بہت بڑا ملکہ حاصل تھا۔ جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے کے باوصف ایک کمال اور تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ کوئی خاص وقت فکرِ سخن کے لئے معین یا ضروری نہ تھا۔ جسوقت چاہتے اور جس مضمون پر لکھنا ہوتا قلم برداشتہ

شعر و سخن کی دنیا کو صدمۂ عظیم پہونچا۔ میرزا داغ کے مرنے کے بعد غالباً شعرائے دہلی میں آپ سے بڑھکر کوئی نہ تھا۔ آپکے تلامذہ تو بکثرت تھے مگر ہم چند ہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں (۱) نواب سراج الدین احمد خاں بہادر سائل (۲) نواب ممتاز الدین خاں نائل۔ (۳) منشی احمد حسین خاں احمد (۴) محمد اقبال حسنؔ اقبال نے بھی آپکو اپنا ابتدائی کلام دکھایا ہے (۵) بسمل (۶) بزمی گورگانی اب ہم میرزا مرحوم کی بہم شدہ غزلیات کا انتخاب درج کرکے ناظرین کو اُنکے جرار کلام کی لذت سے بہرہ ور کرتے ہیں ۵

پہونچا ہے آسماں پہ دھواں دل کی آہ کا　　رتبہ بڑھے گا اخترِ بختِ سیاہ کا

نیند آ ہی گئی اڑے مرے اوسان کیطرح　　افسانہ گر سنو مرے حالِ تباہ کا

ثمرہ بُرا سہی مگر اے شیخ غور کر　　کتنا لطیف طبع تھا موجد گناہ کا

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے　　اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

مر کر یہ غم ہوا کہ وہ غیروں کے ہو گئے　　سمجھے تھے ہم تو قبر کو گوشہ پناہ کا

دن کو سمجھ کے رات وہ آئے ہمارے گھر　　ممنون ہوں میں اپنے بھی روزِ سیاہ کا

کیا شکل ان تونکی بنائی ہے واہ واہ　　سو جان سے نثار ہوں دستِ الٰہ کا

کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات　　گر اٹھ سکے تو پیش ہو دفتر گناہ کا

غصہ چڑھا تو کانپتے ہیں آپ اسقدر　　کیا ہو گا خوں چڑھے گا جو تجھ بیگناہ کا

اس جا نے خضرِ رہ کوئی دیوانہ چاہیے　　رستہ ہی کچھ جدا ہے محبت کی راہ کا

تم سے ہوئی نہ حضرتِ صابر کی پیروی　　ارشد ہے شغل اتنا تمہیں اشک آہ کا

اضطرابِ بیخودی شب کسکے گھر پر لے چلا　　میں جہاں جاتا ہر کوئے کر تجکو ہمرہ لے چلا

مے پرستو دیکھنا میرا دلِ نازک نہو　　آج زاہد توڑنے کو جام پتھر لے چلا

عالمِ اسفل پہ لایا عشقِ کوثر شیخ کو　　عالمِ بالا پہ مجھکو ساغرِ مے لے چلا

کسقدر تھے سوزِ ہجر انکے مضامیں گرم گرم　　گر پڑا خود جل کے جب نامہ کبوتر لے چلا

دل لگی کا ہو بُرا کیا کیا اُٹھائیں ذلتیں　　غیر کے گھر ساتھ مجھکو وہ ستمگر لے چلا

فرہنگ آصفیہ کے آخر میں جو متعدد اُردو فارسی تقریظیں اور تاریخیں لکھیں ہیں اُن سے آپ کی ہمہ دانی اور قادر الکلامی ظاہر ہے۔ مرزا صاحب میں ایک قابل ذکر تعریف یہ تھی کہ آپ کی ذات تعصب قومی و مذہبی سے بالکل مبرا تھی۔ اہل ہنود میں بکثرت آپکے احباب تھے آپکی روشن خیالی اور نیک طینتی کا سب سے بڑھکر ثبوت آپکی وہ نظمیں ہیں جو آپ نے گرو تیغ بہادر صاحب کی اولاد پر جو مظالم ہوئے اُنکی سرگذشت کے طور پر ارقام فرمائی تھیں۔ تصانیف میں سے شہنشاہ نامہ یعنی سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ۔ عشرہ کاملہ۔ تضمین ارشد۔ نائیتیم۔ مرقع حکمت۔ جوہر تیغ۔ تحفہ وغیرہ چھپ چکی ہیں انکے علاوہ منشآت ارشد۔ مرقع عبرت دیوان اُردو اور مجموعہ نظم و نثر کے مسودے یونہیں پڑے ہیں۔ خدا اُنکی اولاد کو اپنے مرحوم باپ کی تصانیف مرتب کرنے کی توفیق عطا کرے۔ مرزا صاحب راقم تذکرہ کے ملاقاتیوں میں تھے اور اُن احباب میں تھے جو سچے دل سے مشاغل علمی کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تذکرہ کے حالات سُن سُن کر خوش ہوا کرتے تھے اور راقم کی محنت اور تلاش کی داد دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب سال بھر سے زیادہ سے علیل رہنے لگے تھے چنانچہ رخصت لیکر دہلی گئے۔ پنشن لینے میں ابھی ایک برس کا وقفہ تھا ڈاکٹر صاحب سے عرض کرکے دہلی کی تبدیلی کرالی کہ اب وطن میں رہکر علاج میں سہولیت ہو مگر تھوڑے ہی روز بعد پھر فیروزپور چلا پڑا آخر اپنے بڑے بیٹے مرزا بلند اختر رشید کے پاس جولستان میں ریل کے دفتر میں نقشہ نویس ہیں چلے گئے اور وہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۱۲- فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو اچانک اس دار فانی سے ملک جاودانی کو سدھارے اور وہیں پیوند زمین ہوئے۔ انتقال سے چند منٹ پیشتر یہ شعر کہا ؎

از کشاکش ضعف تنگم سلد سوان از تن	این کہ من خود میرم ہم ز ناتوانی ماست

گویا اسوقت کی اپنی حالت کی تصویر کھینچدی ہے۔ آپکے منجھلے صاحبزادے مرزا ظہور الدین آجکل ستکرگڈھ میں منصف ہیں۔ آخر میں ہم نہایت شوق و خلوص سے صاحبعالم مرزا محمد جمال الدین بہادر شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو مرزا ارشد کے رشتہ میں ماموں ہیں مگر ہمسن اور ہم مشق ہونے کی وجہ سے اُن سے ارتباط دوستانہ رکھتے تھے۔ مرزا کے حالات اور کلام مہیا کرنے میں ہم سراسر اُنکے ممنون ہیں ع کہدو تاہی یہ زار ارشد ہوئے جنت گئے۔ آپکی کہی ہوئی تاریخ وفات ہے۔ آپکی وفات سے

سامنے غیروں کے بے پردہ نجانا دیکھنا
نرخ ہلکا کر نہ دینا حسن کے بازار کا

ہاتھ مستِ ناز نے دوشِ عدو پر رکھ دیا
نشہ بھی ہشیار ہے کتنا مرے مے خوار کا

منہ سے اتنا ہی فقط کہدو یہ ہے میری کمر
تم نہ بن جاؤ نمونہ میرے جسمِ زار کا

دشتِ وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا
کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا

انقلابِ گلشنِ ہستی سے ہے ارشد یقیں
خار میں عالم ہو گل کا گل میں عالم خار کا

میکدے کو چھوڑ کعبے کون جائے واعظا
وہ بھی اک فرضِ ضروری ہے ادا ہو جائیگا

تم بنے سنورے ہو اور میں تنگ ہوں تنگیِ مزاج
خوف ہے آئینہ صورت آشنا ہو جائیگا

میں تو کہدوں صاف اسکے حسن کی کیا شان ہے
پر خداوندِ دو عالم تو خفا ہو جائیگا

نازنین تو بڑھتے بڑھتے کیا سے کیا ہو جائیگا
ہے ابھی تو بت کسی دن کو خدا ہو جائیگا

دل اس پری لقا سے چھپایا نجائیگا
دل کے لئے دل اس کا گرایا نجائیگا

کم کم ملاپ اُسکا مرے حق میں خوب ہے
گر شوق بڑھ گیا تو گھٹایا نجائیگا

صاحب ہماری جان بھی صدقے ہے دل تو کیا
بندہ کچھ ان بتوں سے ہٹایا نجائیگا

بوسے تری ہی اور جلن زخمِ جگر کی
یہ کسکو خبر تھی کہ ترا لب نمکیں تھا

بتوں کا ستم رہنما ہو گیا
کہ رُخ اپنا سوئے خدا ہو گیا

غمِ ہجر اور اُس پہ رشکِ رقیب
مرض میں مرض دوسرا ہو گیا

ابھی شیخ جی زر سے ہے میکشی
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

ہم بھی بستانِ جہاں میں طائرِ تصویر ہیں
طاقتِ پرواز زائل اور ارادہ دور کا

آسماں پر ہے مزاج اُسکا کبھی مل جائے گا
داخلِ حکمت ہے مرنا عاشقِ مہجور کا

غیر کی باتوں پہ چلتا ہے وہ اب تو رات دن
کب زمیں پر پاؤں پڑتا ہے مرے مغرور کا

اک نگاہِ گرم میں یوں اوڑ گیا رنگِ شباب
تیری شمعِ حسن میں کچھ میل تھا کافور کا

چکرا کے تیری گردشِ رفتار ناز سے
جو فتنہ تھک کے بیٹھ گیا تھا اُٹھا ہوا

ظالم کو ظلم میں بھی جو انداز کرنا تھا
خنجر بھی اسنے ہاتھ میں رکھا اُٹھا ہوا

میری گمنامی کی تاثیروں سے عنقا بن گیا
ضبطِ غم سے بند اشکِ دیدۂ تر ہو گیا
ترکِ الفت سنکے دل بیتاب و مضطر ہو گیا
دل کے آنے کی خبر واللہ مجھکو بھی نہ تھی
سخت جانی نے دکھائی خوب لذت ذبح کی
تجھکو کیا کہہ کے کوسوں نزع میں اے بیخودی
کیا سنور جانے میں تو دشمن کی قسمت بن گیا

یار کی جانب مرا خط جب کبوتر لے چلا
سخت حیرانی ہے پانی کیونکہ پتھر ہو گیا
اپنا آئینہ صفائی سے مکدر ہو گیا
ہم تو حیراں ہیں انہیں معلوم کیونکر ہو گیا
آ کے گردن پر مری کُند اُن کا خنجر ہو گیا
لوگ کہتے ہیں جنازے پردہ دلبر ہو گیا
کیا بگڑ جانے میں تو میرا مقدر ہو گیا

میں محوِ تماشائے رخِ زہرہ جبیں تھا
پیمانہ مے ہاتھ میں ساقی کے نہیں تھا
ہر چند پسِ پردہ تھا پر تابشِ رخ سے
دیوانہ ہوا دیکھ کے میں خواب میں اسکو
بیتابیِ زلیخا پیچھے پڑی ہے بیڈھب

اک وصل کا سا لطف دمِ بازپسیں تھا
خورشید کو پنجہ میں لئے ماہ جبیں تھا
بے پردہ مرے سامنے وہ پردہ نشیں تھا
ہر ایک سے کہتا ہوں ابھی تو وہ یہیں تھا
اللہ ہے نگہباں یوسف کے پیرہن کا

ضعف سے یہ حال ہے اب مجھ نحیف و زار کا
ناصحا کیا دل لگی ہے ترکِ الفت بعد جور
مے کے پینے کی خوشی میں ایسے بہکے مے پرست
درد اُٹھتے ہیں دلوں میں اور دل ہیں بیٹھتے
وصل میں بھی ہاتھا پائی رات بھر ہوتی رہی
غیر سُن کر خاک ہے معشوق سُن کر آگ ہے
ضعف سے رونا نہ رونے کے برابر ہو گیا
گریۂ پیہم مرا بھی عرض کر دو ہمدمو
کب ہوں پابندِ تعلق جو ہیں وارفتہ مزاج

رشکِ دشمن کیا - نہ اُٹھانا دیکھی اُس یار کا
پھیر لینا دے کے دل سودا نہیں بازار کا
کعبے پہنچے تھا ارادہ خانۂ خمار کا
ہے ستر خوبی نیا عالم ترے دربار کا
صلح میں بھی اُس نے برتا قاعدہ تکرار کا
نالۂ ذوقِ مرا نغمہ ہے موسیقار کا
ٹوٹنا مشکل ہوا ہے آنسوؤں کے تار کا
ہے انہیں منظور لینا موتیوں کے ہار کا
رہنا ممکن ہی نہیں زنجیر میں جھنکار کا

دی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر — ہوتی ہے سدا قدرِ ہنر گھر سے نکل کر

کیا آہ اثر دے دلِ مضطر سے نکل کر — چنگاریاں بجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر

مے کش ہوں وہ گر دور میں بوے مجھے ساقی — آ پڑتی ہے مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

اُڑتی ہے شراب آپ کی محفل میں تو خوش ہوں — خود آئے گی مُنہ میں مرے ساغر سے نکل کر

عالم کو نگاہوں کی طرح دیکھ سراسر — جا ایک قدم بھی نہ کہیں گھر سے نکل کر

صورتِ سایہ رہے ہم درِ دلدار کے پاس — کبھی دروازہ کے آگے کبھی دیوار کے پاس

دیکھنا شوقِ اسیری کہ عجب حسرت سے — آپ سے جاتا ہوں صیادِ جفاکار کے پاس

اللہ اللہ دُرِ اشک کی یہ طغیانی — ہے مژگانِ گہر چشمِ گہربار کے پاس +

ہاں اثر جذبِ محبت کہ چلے شوق میں ہم + — حالِ دل اپنا سُنانے بتِ عیار کے پاس

ایک دم ہے وہ تری تیغ کے کام آئے گا — اور کیا رکھا ہے اس عاشقِ بیمار کے پاس

دل کھچا جاتا ہے اُس رشکِ زلیخا کی طرف — واہ یہ جنس چلی آپ خریدار کے پاس

قتلِ عشاق کو اک تیغِ ادا کافی ہے + — نہیں تلوار نہ ہو اُس بتِ خونخوار کے پاس

ایک اک سانس میں اڑتے ہیں شرارے لاکھوں — خوف سے کب اجل آئی ترے بیمار کے پاس

گرمیٔ حسن سے ہر آئینہ ٹکڑے ہو جائے — آئینہ آئے اگر آئینہ رخسار کے پاس

اللہ اللہ یہ نفرت ہے یہ بیزاری ہے — بیٹھنے بھی نہیں دیتا ہمیں دیوار کے پاس

کیوں لئے پھرتے ہیں وہ حضرتِ عیسیٰ کی بیاض — آج آ بیٹھنگے کہیں اپنے وہ بیمار کے پاس

اک مصیبت ہے کہ موجود ہے بیماری میں — کون آتا ہے ترے عاشقِ بیمار کے پاس

آج ارشد کو عجب حال سے دیکھا ہم نے — رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

عریانی میں بھی خوب مرے کام آئے داغ — ہے پیرہن کی جاے بدن پر قبا داغ

خورشیدِ حشر کی وہیں آنکھیں جھپک گئیں — سینہ کے ایک بار جو میں نے دکھائے داغ

گر تم جلا سے خوش ہو تو اچھا یونہی سہی — ہے دل جلا ہے زخم مرا تن جلائے داغ

جاتا ہوں کوئے یار میں پر زرطِ رشک سے
سایہ سے اپنے جاتا ہوں کوسوں بچا ہوا

نظارہ کا بھی لطف نہیں وصل اک طرف
تصویر کو بھی یار کے پایا کھنچا ہوا

وابستہ دم سے تھی جو مری مدعا وصل
ہجراں میں دم کا بھی تو نکلنا کٹھن ہوا

دو پٹہ آبِ رواں کا پڑا ہے سینے پہ
بھلا کسی نے بھی دیکھے حباب درتۂ آب

غمِ رقیب میں اتنا نہ رو تو اے کافر
ڈبو نہ مصحفِ رخ کی کتاب درتۂ آب

جا پہنچا ہے بھولے سے کہیں غیر کے گھر آج
ملتا ہی نہیں میری دعاوں کا اثر آج

فریب دے کے مجھے دام میں پھنسائیگا
ہوا ہے پھر نئے سر سے جو مہرباں صیاد

جو مے پر دلاتا ہماری نیاز
تو دینا کوئی پارسا دیکھ کر

الٰہی جان دی ہے جینے کسکے روئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر

یہ دل مائل ہوا اسکا مری طرزِ طپیدن پر
سمجھ کر دل لگی وہ مستعد ہے قتل دشمن پر

زہے تقدیر جذبِ دل نے کی تاثیر دشمن پر
پسِ مردن وہ آیا فاتحہ کو میرے مدفن پر

ہزاروں جسم بیجاں ہو گئے ہیں تیرے جوبن پر
ہزاروں سینے بیدل ہو گئے بیساختہ پن پر

اُگا ہے پنجۂ مرجاں جو اپنی خاکِ مدفن پر
تو وقت فاتحہ ہے بدگماں کا ہاتھ دامن پر

لبِ زخم جگر کی جا ہے تیرے منہ کو ہی دیتا
شبِ ہجراں نہیں ہے پاس تا صبح میرے سوزن پر

تعجب کیا خمیدہ ہو اگر تلوار قاتل کی
چڑھا ہے خون کس کس بیگناہ کا اُسکی گردن پر

قیامت ہے قیامت میں نہ ہم محروم رہ جائیں
ادب سے ہاتھ پڑ سکتا نہیں قاتل کے دامن پر

وہ بے انصاف اور ایسی وفا کی داد یا قسمت
گمانِ دوستی ہے سادگی سے ہمکو دشمن پر

نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
کہ کچھ رک رک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر

عجب اس جلوۂ یکتا میں نیرنگِ تماشا ہے
نئی صورت سے جھکا خاطرِ شیخ و برہمن پر

میں رہوں مرہونِ منت صلح کل کا جب سے اے ارشد
یقینِ دوستی ہونے لگا ہے مجھ کو دشمن پر

اے عشق بچانا دلِ مضطر سے نکل کر
پھر اور کوئی گھر نہیں اس گھر سے نکل کر

ہمکو یاں اپنے عمل پر ہے نظر کچھ بھی نہیں
گو کہ سر پر ہے مگر زادِ سفر کچھ بھی نہیں

زاہدا ساری خدائی کا نمونہ ہے یہیں
آپ کہتے ہیں کہ بنیادِ بشر کچھ بھی نہیں

اے شوخ یہ دیکھنے جو تری آگئیں آنکھیں
کیا دل کے دکھانے کا مزا پا گئیں آنکھیں

دیکھا دمِ کشتن رخِ قاتل کا نظارہ
کیا آج میرے وقت پہ کام آگئیں آنکھیں

ہاں تم میری الفت سے مکر جاؤ مکر جاؤ
کیا ہوگا اگر شرم سے شرما گئیں آنکھیں

کیوں باغ میں نرگس کے تلے مر گئے ارشد
معلوم نہیں کس کی پسند آگئیں آنکھیں

عشق و وحشت کی جو تیز ہو تجھکو مجنوں
گھر میں جو بات نکلتی ہے بیاباں میں نہیں

بانیٔ اردو میں نئے رنگ سے عزت ارشد
لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی ایراں میں نہیں

مانا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
دھبا لگایا تو نے قیامت کے نام کو

وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو

رندو چلو سلام تو کر آؤ آخری
سنتے ہیں شیخ جاتے ہیں دارالسلام کو

یاد آجاتا ہے احباب کا جلسہ ارشد
جب فلک پر نظر آجاتے ہیں انجم مجھکو

جانور اور بڑے عشق میں جل جانے کو
شمع کی لو نہ لگی ہو کہیں پروانے کو

سفرِ ملکِ عدم میں ہے بڑا اپنا مقام
پہلی منزل وہ ہمیں آئے ہیں پہنچانے کو

مہر اور قہر نے مارا ہے کسلئے ارشد
گنگنا جاتا ہے پانی مرے نہلانے کو

زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو پڑ گئی
جھٹ پی گئے وہ معنی لفظِ حرام کو

آج جی میں ہے کہ میں اعدا کے سر ہو جاؤں کا
بچھ رہے دیکھونگا تمیں کیا ضد ہے مرے سر کے ساتھ

غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اسکا نکھر جائے
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے

ہٹ ہٹ کے اندھیرا نکرو آنکھوں کے آگے
واں تک تو نظر آؤ جہاں تک کہ نظر جائے

ہے مہر و غضب دونوں میں اک لطف تمہارے
روکو نہ طبیعت کو جدھر جائے اُدھر جائے

رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُن کی
وہ میرے لئے ہے جو تم حد سے گذر جائے

بے درد و داغ لطف نہیں کچھ فراق میں
روشن ہوئے ہیں خانۂ اللہ میں چراغ
آیا ہے داغ روئے جمالِ سخن پہ ہائے
شرما کے چھپ گیا رخِ روشن نقاب میں
خط آ کے دوگنی تاب ہوئی رُخ کی تاب میں
رکھو تم اپنا چہرۂ روشن نقاب میں
ہم دل کو مانگتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کیا
واں نازکی غضب کی یہاں ضعف قہر کا
حسن اُنکا تاب سوز نگہ اپنی ناتواں
اللہ رے سوزِ ہجر کہ آنسو بھی سوکھ کر
ظالم ہزار روئے پر انکو خبر نہو
بارش عکسِ ماہ صیام اور بیخودی
جو شاعر کمر جھوٹ پر باندھتے ہیں
مرے قتل پر وہ کمر باندھتے ہیں
لگے چوٹ دل پر تو کیا ہو مداوا
دکھاتے ہیں دشمن کو مشقِ نشانہ

دوں نقدِ جاں بجا ہے اگر میں بہائے داغ
دلمیں ہوئے ہیں نا تو مرے جانے جائے داغ
ارشد جہاں میں پھیلی ہوئی ہے ضیائے داغ
گھر کر گیا یہ مہرِ دلِ ماہتاب میں
سورت پڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں
جھگڑا پڑا ہوا ہے سرو آفتاب میں
شرمندہ ہوں سوال سے بڑھ کر جواب میں
وہ آئیں گے نہ جائینگے ہم انکے خواب میں
وہ بے حجاب ہوں یہ بھی ہیں سو حجاب میں
لنگر سے بنگئے مری چشمِ پُرآب میں
آنسو ہوں میرے غیر کی چشمِ پُرآب میں
ارشد ڈبو کے کھا گئے روزہ شراب میں
رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں
تماشہ ہے عنقا کا پر باندھتے ہیں
جو ہو درد سر میں تو سر باندھتے ہیں
تو پہلے ہمارا جگر باندھتے ہیں

غبار آلودہ آنسو ہیں ہماری چشمِ گریاں میں
تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے
ذرا سی بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
یہی گر تیرہ بختی ہے تو اپنے کام آؤں گا +
ہوئے ہو سوختہ کر کا نا غمِ الفت میں اے ارشد

ہمیشہ سبحۂ خاکِ شفا ہے دستِ مژگاں میں
مگر میں معنئ لفظِ وفا ہوں ذہنِ جاناں میں
مرے دل کی نزاکت آ گئی ہے تیرے پیماں میں
سما جاؤں گا بنکر خواب میں چشمِ نگہباں میں
چلو حضرت لپٹ رہنا کسی رہرو کے داماں میں

نتیجہ تم کو اے ارشد بتا دیں ہم ستمگر کا
غریب آزار پر اللہ اور بندوں کی لعنت ہے

چمن کر وہ جو افشاں رُخِ تابندہ پر آئے
اتنا تو مری آہ میں یارب اثر آئے

عشاق مگن بیٹھے ہیں سب دھیان میں اُنکے
نازک ہے نہ کھچواؤں گا تصویر میں اُنکی

کھینچا جو سرِ بام تصور میں وہ نقشہ
کیا فیصلۂ قتل مرا اُن سے کر آئے

بے پردہ مری گور پہ آیا جو وہ مہوش
نظّارہ کا لپکا نہ گیا زخم بھی کھا کر

ممکن ہی نہیں وصل یہاں عجز وہاں اوج
ظالم کی عنایت میں بھی ہے رنگ جفا کا

انداز شوخیوں کے وہ تم میں کہاں ہے
کس کس بلائے چرخ کا رُخ ہے مری طرف

دلمیں ہمارے کوئی ہو تیری طرف سے ہو
خُو ہے مجھے بتاں کی ارشد دعا یہ ہے

زلفِ سیہ کی عارضِ پُرنور سے
خلد میں تصویر کسکی لے چلا

کُنجِ تنہائی میں راحت ہے بڑی
آرزوئے وصل نازک ہے بہت

اُن کی میری حشر کے میدان میں
حسن کی آشفتگی ہے وہ ستم

واللہ کہ دن کو مجھے تارے نظر آئے
گر وہ نہ سہی مرگِ عدو کی خبر آئے

حیرت ہے کہ اک شب میں وہ کس کس کے گھر آئے
چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے

اللہ رے نزاکت کہ وہ نیچے اُتر آئے
ہنستے ہوئے کیوں واں سے مرے نامہ بر آئے

مدہوش فلک پر سے فرشتے اُتر آئے
کٹ کٹ کے مری آنکھوں میں لختِ جگر آئے

کس طرح سے خورشید زمیں پر اُتر آئے
دشمن کو لئے ساتھ مری لاش پر آئے

تم شوخ ہو کہ غیر کے دلمیں نہاں رہے
ممکن نہیں کہ آج شبِ غم میں جاں رہے

غم یہاں رہے کہ الم یہاں رہے
معشوق وہ ملے جو ہمیشہ جواں رہے

دن نکل آیا شبِ دیجور سے
اپنے دل میں میں چھپا کر حور سے

یہ صدا آئی دہانِ گور سے
کیونکہ نکلے گی دلِ رنجور سے

ہو گئی صاحب سلامت دور سے
رنگ اُڑا دے روئے شمع طور سے

رسائی رب کے خدا تک تو ہوگئی ارشد
پہ جیتے جی نہ ہوئی یار تک رسائی ہائے

وہ رحم کے بھی نام سے چڑتے ہیں اسطرح
جیسے کسی کو کوئی ستاتا ہے کسی سے

آنکھ پڑجاتی ہے رحمت پہ گناہ سے پہلے
درد اُٹھنے نہیں پاتا کہ دوا آتی ہے

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر
ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

نہ میں آپ میں ہوں نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

یہ بیخود ہوا ہوں تجسس میں تیرے
مجھے اپنا ملنا بھی آساں نہیں ہے

آج کیا ہے دمبدم کیوں درد میرے دل میں ہے
وہ مرا آرام جاں شاید کسی محفل میں ہے

ہر قدم پر خود بخود شوق شہادت دل میں ہے
رہنما تھم جا کہ اب تو کوچۂ قاتل میں ہے

صاف باطن ہو کے میری جان کس مشکل میں ہے
کھل گیا سب اُس پہ جو جو بھید میرے دل میں ہے

ڈال کر دشمن کے دل میں دل بنالیں ہم تو دوست
پر ستم یہ ہے کہ ظالم تو ہمارے دل میں ہے

ہر کوئی مو سے صفت محو جمالِ یار ہے
وادیٔ ایمن کا نقشہ یار کی محفل میں ہے

خضر میں تجکو بتاتا ہوں نشاں کوئے دوست
واں نیا فتنہ نئی آفت ہر اک منزل میں ہے

پاؤں ناقہ کا بھی مستانہ پڑتا راہ میں
کون مست ناز بیٹھا پردۂ محمل میں ہے

میں مقام بیخودی میں کالے کوسوں سے دور ہوں
عقل بھی اک راہ گم کردہ مری منزل میں ہے

شمع سوزاں غیر شاداں میں ہراساں تو خجل
اپنی حالت سے الگ ہے جو تری محفل میں ہے

مانع سحر نوردی ناتوانی ہوگئی
اک قدم مجکو سرکنا داخل اک منزل میں ہے

آؤ میخانے چلو ارشد عبادت ہو چکی
اب بھی سمجھو کیا دھرا اس سعیٔ بیحاصل میں ہے

قطعہ

خدا نے نیک دل پیدا کیا ہے جسکے سینہ میں
کسی حالت میں ہو عاجز نیازی اسکی طینت ہے

نہیں ہے کاٹتی ریشم کو کوئی تیغ برّندہ
ادھر تیزی ہے جتنی اُس طرف اتنی لجاجت ہے

ہوا جھکڑ کی چلتی ہے زمانے میں تو چلنے دو
جو سبزہ سرفگندہ ہے تو کب اسکو اذیت ہے

تناور جو شجر ہیں زد کے آئے گی اکڑ اُن کی
کبھی گُدّے پر آفت ہے کبھی جڑ پر مصیبت ہے

دل لگا دوں چیر کر سینے سے یہ کہتا ہے رشک
تاکتی ہیں تجھکو آنکھیں روزنِ دیوار کی

بوسہ کی لذت تو کیا دشنام بھی ہیں دلنشیں
ہے مرے دل کی وہی جو ہے دہانِ یار کی

بعدِ مردن یوں کرو میخوار کی مٹی عزیز
میکشو بھٹی بنا لو خانۂ خمار کی

جا رہی ہے کیوں قیامت مجھسے رستہ کاٹکر
چال اڑائی اس نے کسکی شوخیٔ رفتار کی

تیرہ بختی دیکھنا سایہ پرے کو ہٹ گیا
دھوپ میں لی آڑ میں نے جب کسی دیوار کی

میرا حال زار کیا دیکھے وہ چشمِ سرمگیں
لی نہیں جاتی خبر بیمار سے بیمار کی

ایک دو ساغر میں گر پڑتے ہیں میکش سر کے بل
سجدہ گہ ہے یا زمیں ہے خانۂ خمار کی +

ڈالا کیا حکمت کا پردہ اسکی چشمِ شوخ نے
نبض عیسےٰ کو نہیں ملتی ہے مجھ بیمار کی

واعظِ بے شرم محفل میں نہ لینا اسکا نام
دخترِ رز پردہ نشیں ہے خانۂ خمار کی +

کعبے میں بھی دیکھ لو ارشد کو بتخانہ میں بھی
پوچھتے ہو کیا حقیقت اس خدائی خوار کی

اڈریس در تہنیت عطائے اعزاز ممبری کونسل آنریبل رائے بہادر لالہ مدن[1] گوپال ایم اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی و لاہور و آنریبل نواب فتح علی خان قزلباش

ہو مبارک تجھکو اے لاہور یہ عز و وقار
ہو نوید اے شہر دہلی اے مرے اجڑے دیار

تیری معدن سے جو نکلے بعض ہوتی آبدار
بن گئے ہیں وہ ضیائے سلطنت سے شاہوار

ان کی جھل مل یوں اشارے کر رہی ہے دور سے
اوج پایا ہم نے شاہِ قیصرہ کے نور سے

بل بے اے برٹش حکومت تیرے انعامِ عام
قدرداں ہے تو شریفوں کی شرافت کی مدام

[1] والد ماجد مولفِ تذکرہ

ہوش میں رہیے ذرا مبرہو شیخ
کیا کہا استغفراللہ زاہدو
کر دیا کس نگہِ مست نے بدنام مجھے
کسکا مکھڑا نظر آیا ہے سرِ شام مجھے
لیچلا اسکی گلی میں دلِ ناکام مجھے
کسی صورت لبِ شیریں کی تو لذت چکھیوں
اُنپہ کیا حشر میں دعوے ہو کہیں شوخ بیاں
دیکھکر انکو قیامت میں ہوا میں بیہوش
نامہ بر نامہ تو لایا ہے مگر ضدی سے ہے
پھیری صیادِ ستمگر نے چھری گردن پر
دل کو اُلجھا کے کیا قطعِ تعلق تو نے
ہائے اسکا یہ شبِ وصل میں کہکر اُٹھنا

کچھ سنو گے کیا کسی مخمور سے
توبہ اور وہ بھی مئے انگور سے
بے پیئے کہتے ہیں سب رندِ مے آشام مجھے
کر سحر تک نہ ملا درد سے آرام مجھے
اُٹھ کے اے رشکِ علے وا تو ذرا تھام مجھے
غیر پہ رکھ کے دئے جائیں وہ دشنام مجھے
ڈر ہے دے جائیں نہ اُلٹا کوئی الزام مجھے
ہائے اس چال کے صدقے کر لیا تمام مجھے
یہی کہتا ہے کہ جاں دیجئے انعام مجھے
دی پھڑکنے کی بھی مہلت نہ تہِ دام مجھے
کیا پھڑکتا ہوا چھوڑا ہے تہِ دام مجھے
کیسے بے درد سے ہے آ کے پڑا کام مجھے

آتشِ فرقت بھری ہے مجھ میں کیجئے گا نہ قتل
الفتِ دشمن کا ہے اندازہ میرا حالِ دل
رشک سے بھر لینگے رو رو کر ہم اپنا جامِ عمر
پیش داور دفترِ دل کھولنا اچھا نہیں
آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے
فتنہ زا کہئے نہ اپنی چال کو بے امتحاں
آڑ لی غمزہ نے تیغِ ابروئے خمدار کی
ہر جگہ چبھ چبھ کے نوکیں رہ گئیں سوفار کی
تو نے ہر حالت میں رحمت اے مرے غفار کی

بہہ نہ جائے پانی پانی ہو کے خنجر دیکھئے
دیکھئے پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھئے
دے نہ دیجئے گا کہیں دشمن کو ساغر دیکھئے
پہلے چلکر وسعتِ دامانِ محشر دیکھئے
پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے
میرے مردے کو لگا کر ایک ٹھوکر دیکھئے
بے خبر سوتا ہے فتنہ چھاؤں میں تلوار کی
گود پھولوں سے بھری ہے زخمِ دامن دار کی
جس خطا سے ہمنے توبہ کی وہی سو بار کی

چولی دامن کے ہیں ساتھی یہ تو دونو ایک ہیں
بد نہ ہوں ان میں تو پھر یہ دونو قومیں نیک ہیں

ہے خوشی اور رنج میں دونو کا ہردم اشتمال
جب تلک اس ہندوستان کے ساتھ ہے جاہ و جلال

آج سے کیا مدتوں سے ربط ہے انمیں کمال
ہند کی اقوام کا تب تک رہیگا ایک حال

میل اسکا دائمی ہے اور لڑائی چار دن
کیا ہوا اگر ہے خفا بھائی سے بھائی چار دن

میرے دعوے کا نہیں ہے گر کسی کو اعتبار
اک طرف فتح علیخاں صاحب دل تیار

دیکھ لے وہ آنکھ سے یہ ہے دلیل آشکار
اک طرف بیٹھے مدن گوپال صاحب ذی وقار

آنریبل یہ بھی ہیں اور آنریبل وہ بھی ہیں
ملک کی یہ روح ہیں تو قوم کا دل وہ بھی ہیں

یہ ہوئے کونسل کے ممبر تو ہوئی سب کو خوشی
خوب ہے جلسے ہوئے باہم ہوئی اک دل لگی

دونو کو کل ملک نے مل کر مبارک باد دی
ہم بھی آئے نظم پڑھنے دیکھنے کو پارٹی

یا خدا انجام اس ساری خوشی کا نیک ہو
آج جیسے ایک ہیں یہ دل بھی انکا ایک ہو

اے مرے نواب صاحب اے مرے والا جناب
آپ جن اعلےٰ مراتب پر ہوئے ہیں کامیاب

اے مرے راجہ بہادر اے مرے عالی خطاب
ہو مبارک آپ دونو کو یہ عزت بیحساب

آپ کیا ممبر ہوئے پنجاب ممبر ہو گیا
غل مبارک باد کا ہر ایک کے گھر ہو گیا

آپ کو سرکار نے کونسل کا جو ممبر کیا
آپ کو برتر کیا گویا ہمیں برتر کیا

خیر خواہی نے ہمارے دل کے اندر گھر کیا
آپ پر کیسا حقیقت میں کرم ہم پر کیا

اور بھی ہم میں سے اک دن یونہی عزت پائینگے

پایہ برتر تجھ سے علم و فضل کا ہے لاکلام　　قابلِ مدحت سرائی ہے ترا ہر ایک کام

عزتیں پھیلی ہیں تجھ سے ملکِ ہندوستان میں
دے ترقی خالقِ ذی شان تیری شان میں

تیرے عہدِ معدلت نے جو رعایا سے کیا +　　وہ کسی عہدِ حکومت سے نہ ہرگز ہو سکا
ہم نے یہ ہی قاعدہ ہر اک حکومت کا سُنا　　ہر کسی والی نے چاہا اپنے اپنوں کا بھلا

پاک ہے برٹش حکومت تو ہی اِس الزام سے
ایک ہیں برتاؤ تیرے خاص سے اور عام سے

خیر خواہوں پر ہمیشہ تو ہی ہے مہرباں　　اہلِ علم و فضل کی ہر دم ہوئی ہے قدرداں
قابلیت کے مطابق دیتی ہے تو عزّ و شاں　　فرقِ قوم و مذہب و ملت نہیں ہے تیرے ہاں

تو تو خوش ہوتی رعیت کے ہے اچھے کام سے
جیسی تو اللہ سے ہے ویسی ہی ہے رام سے

تیری نظروں میں برابر ہیں کلیسا ہو کہ دیر　　ایک سی ہے تیرے آگے مسجد اور مندر کی سیر
کوئی ہندو ہو مسلماں ہو نہیں ہے تیرا غیر　　تیری منشا کے مخالف ہے جو ہو قوموں میں بیر

تو وہ سورج ہے کہ ہر گھر میں اُجالا کر دیا
دوست دشمن کا برابر بول بالا کر دیا

گو کہیں مُنھ سے مسلماں ہم سے ہیں ہندو الگ　　کیا ہُوا اگر ہے بچھڑیں ہندو اگر ہر سو الگ
ہو نہیں سکتے ہیں چہرے سے کبھی ابرو الگ　　ہو الگ تو بھی نہیں ہے پھول سے خوشبو الگ

آئینے میں دو ہیں لیکن عکس و صورت ایک ہیں
جو بظاہر مختلف ہیں فی الحقیقت ایک ہیں

ہے انھیں دونو سے عزت ملکِ ہندوستان کی　　ہیں بہاریں اور فضائیں یہ ہی اِس بستان کی
ہم تو اے ارشدؔ کہے دیتے ہیں سیدھی باتیں یاں کی　　اختلاف ان میں یہ رائے ہے کسی نادان کی

ارشد

(ارشد) منشی غلام حسین لاہوری آپ منشی ناظر حسین خان ناظم کے شاگرد ہیں ۵

حشر تک ہوتا نہ چھٹکارا فلک کے جور سے
شکر پیوندِ زمین کوئے قاتل ہو گیا

دل سے جو ملتے ہیں باہم دو بھی ہوں تو ایک ہیں
دل کے حرفِ دال جیسے لام سے دل ہو گیا

شکوۂ جورِ بتاں حشر میں کرتے تو سہی
حالِ دل اپنا مگر قابلِ اظہار نہ تھا

قاتل ہماری قبر پہ آکر نہ دیکھیو
بیچین ہوگی روح ہماری مزار میں

نہیں سبب تمسے گلہ کچھ یہ ہے خطا میری
سکھا رہی ہے جفا میں تمہیں وفا میری

ارم

(ارم) مرزا مرتضیٰ حسین عرف چھجو صاحب لکھنوی شاگرد ناشاد بلگرامی۔ کلام سے طبیعت درد آشنا معلوم ہوتی ہے۔ مذاق سلیم رکھتے ہیں۔ زبان بھی پاکیزہ ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ۵

پہونچے جو تھک کے سایۂ دیوارِ یار تک
یوں بیٹھے ناتواں کہ نہ اُٹھا غبار تک

کیا آئیں بہرِ فاتحہ میری لحد پہ دوست
دشمن مٹا چکے ہیں نشانِ مزار تک

تعجیلِ موت باعثِ الزام ہو گئی
کہتے ہیں وہ کیا نہ مرا انتظار تک

یادش بخیر اب نہیں ملتا سراغِ دل
آیا تھا ساتھ ساتھ مرے کوئے یار تک

تم بھی کرو ستم مگر اُتنے جو اُٹھ سکیں
ہم بھی کریں کے جبر مگر اختیار تک

تم مجھ سے فیصلہ یہیں کر لو تو خوب ہو
آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

سرمایۂ بقا ہے ارم لطفِ انتظار
زندہ ہوں وعدۂ بتِ غفلت شعار تک

عجیب یاس سے بلبل قفس میں کہتی ہے
کہ ہمکو کیا ہے چمن میں بہار ہو کہ نہو

پھرائے جائیے گردن پہ میں کہوں کب تک
بلا سے آپ کے خنجر میں دھار ہو کہ نہو

واں عندلیب قید کے رنج و محن میں ہے
یاں غم سے سینہ چاک ہر اک گل چمن میں ہے

جاتے ہیں دن بہار کے آنکھوں سے خزاں
اک حشر بلبلوں کی فغاں سے چمن میں ہے

ارمان

(ارمان) شاہ علی ارمان۔ بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاتی بھائی اور جرأت کے شاگرد تھے۔ اور بقول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے۔ تذکرہ قدرت اللہ شوق میں کچھ کلام

خیر خواہی کے شجر پھل لائینگے پھر لائیں گے

آپ کی خدمت میں کچھ کرتا ہے ارشد التجا — گر اجازت دیجئے تو منہ پہ لاؤں برملا
کیجئے کاؤنسلری کے بعد اسکا حق ادا — ملک پر اور قوم پر رکھنا عنایت دائما

آنریبل ہو کے آنر کیجئے گا آور کی +
مختصر سی عرض ہے یہ پر ہے حاجت غور کی

ملک کے حق میں ہو خدمت آپ کی ایسی مفید — فرطِ شادی سے رہے ہراک کے گھر میں روز عید
منحصر ہے آپ ہی پر کل رعایا کی امید — آپ ہوں ملکی فدائی آپ ہوں قومی شہید

قوم کی خدمت جو کرتا ہو وہ ہے سردار قوم
قوم کے سردار سے بنتے ہیں سارے کار قوم

شکر ہے تیرا خداوند زمین و آسماں — خطۂ پنجاب کے ہیں لاٹ صاحب مہرباں
لائق عزت کو دیتے ہیں ہمیشہ عز و شاں — جوہر قابل جو ہو ہردم ہیں اُسکے قدرداں

ینگ + مینوں کو نہ دیں کیوں ینگ صاحب ممبری
قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

یا الٰہی تا رہے دنیا میں ربطِ موجِ آب — تا الگ ہو اور گھل مل جائے دریا میں حباب
تا رہیں دو ہو کے اک صورت میں نورِ آفتاب — تا نگاہیں مختلف ہو ہو کے ملجائیں شتاب

ملک ہندوستان کی ہر قوم میں ملت رہے
گو بظاہر ہوں جدا پر اصل میں الفت رہے

بانیانِ پارٹی کے دل سدا مسرور ہوں — باہمی الفت سے سینے ہرگھڑی معمور ہوں
آئیں خوشیاں رات دن اور رنج و غم سب دور ہوں — اتحاد و ربط پر یہ سب کے سب مجبور ہوں

جو یہاں حاضر ہیں دل ان میں ہراک کا شاد ہو
ہر کسی کو میری جانب سے مبارکباد ہو

+ یعنی جوان آدمیوں کو۔ سر میکورتھ اسوقت میں لفٹننٹ گورنر پنجاب تھے ۱۲

ارمان

(ارمان) منشی عبدالعزیز خان ارمان - انکے والد میسور میں تحصیلدار ہیں آپکو حضرت داغ مرحوم سے تلمذ حاصل ہے یہ کلام ہے ؎

وہ آئے سامنے آنکھوں میں میری نور آیا
وہ بیٹھے پاس تو دل کو میرے سرور آیا

پھرنا اچھا نہیں آنکھوں میں تری پاردکا
اس سے بہتر تھا مرے حلق پہ خنجر پھرنا

جب شوق فزوں ہو تو مزا حد سے سوا ہو
وہ ظلم ہو پہم جو کسی پہ نہوا ہو

مرجائے جو بیمارِ محبت تو شفا ہو
جب حد سے سوا درد ہو خود درد دوا ہو

ارمان

(ارمان) منشی سید باقر حسین ارمان باشندہ شکارپور ضلع بلندشہر ریاست چھتاری میں علمی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے شوق کو بھی نباہے جاتے ہیں ؎

لطفِ نظارہ ہمیں کیا دمِ بسمل ہوتا
کند کچھ اور اگر خنجرِ قاتل ہوتا

اے تیغ تو بھی رُک کے دکھاتی ہی بانکپن
چلنا ترا بھی یار کے غمزے سے کم نہیں ہے

قاتل نے میرے زندہ جاوید کردیا
آبِ بقا سے آبِ دمِ تیغ کم نہیں ہے

کیا رہروانِ ملک عدم کا ملے سراغ
بانگِ جرس نہیں ہے نشانِ قدم نہیں

ارمان

(ارمان) مولوی سید محمد حسن ارمان شاگرد محفوظ حیدرآبادی - زمانہ حال کے شاعر ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

ہمکو رکھا اُسی کے کوچے میں
ہے یہ احساں شکستہ پائی کا

مرقد کو ٹھوکروں سے وہ پامال کرتے ہیں
بعد فنا بھی مجھپہ ستم ہائے کم نہیں

وہ کرکے قتل ہمسے پوچھتے ہیں
کہو اے دل کی جو کچھ آرزو ہو

ہیں قیامت تری آنکھوں کے اشارے پیارے
چھید پاس جلتی ہیں کلیجہ پہ ہمارے پیارے

حوصلہ ظلم و ستم کا کوئی باقی ہے ابھی
کیوں مٹاتا ہے تو مدفن کو ہمارے پیارے

ارمان

(ارمان) پنڈت راج نراین ارمان دہلوی - بزرگوں کا وطن کشمیر جنت نظیر تھا مگر انکے دادا پنڈت آفتاب رائے مقصود نقلِ وطن کرکے دہلی آبسے ۱۸۶۹ء سال ولادت ہے ۱۸۹۵ء

نظر سے گزرا - زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکش اور پُر لطف ہے - افسوس ہے کہ انکے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے - مختلف تذکروں سے اِن کے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کون کہتا ہے اجی تمسے نہ گھبرجاؤ تم
پر کوئی بات تسلّی کی تو کرجاؤ تم

دل لیکے کیوں نہ ظاہر اُسکی رُکھائیاں ہوں
ظاہر ہے بیوفا سے پھر بے وفائیاں ہوں

گر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے
جس نے کہ ہمکو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں

قاصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کچھ کہا پہ ڈر ہے
ایسا نہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں

پابوس اُسکا ہووے کیونکر ہمیں میسر
نقش قدم پہ جسکے نت جبہ سائیاں ہوں

کیوں آج کل نہ بیکل میں ہوں کہ مجکو یارو
کل آئے جب نظر وے آیئں کلائیاں ہوں

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا بُرا ہو

تا سرِ بالیں اُسے آنا قیامت شاق ہے
یہ دل بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

ولا تو بسترِ غم پر جو یوں کراہے ہے
بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے

ارمان

(**ارمان**) راجہ جنم جی متر - کلکتہ کے ایک مشہور امیر خاندان کے رکن اور باوجودیکہ اُردو اور فارسی اِن کی مادری زبان نہ تھی مگر اِس پر بھی دونو زبانوں کے قابل انشا پرداز اور بالخصوص شعرو سخن کے دلدادہ تھے - شعرائے ریختہ کا ایک مختصر تذکرہ جسکا نام نسخۂ دلکشا ہے ان سے یادگار ہے - حافظ اکرام احمد صاحب ضیغم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر راجہ راجندر لال متر ہندوستان کے مشہور ترین محقق آثار قدیمہ اور بڑے زبردست فاضل و ادیب تھے ہندوستان میں آرکیالوجی (فن تحقیق آثار قدیمہ) کا اتنا بڑا محقق گذشتہ صدی میں ایسا کوئی نہیں گذرا - تبرکاً چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے میری جاں نکلا
تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارماں نکلا

رات بھر نالے کیا کرتا ہوں گریہ دن کو
پوچھتے کیا ہیں حقیقت مرے اوقات کی آپ

نوکِ مژہ پہ گرتا ہے ہر قطرۂ سرشک	کانٹے میں آج تول رہا ہوں گہر کو میں
دل کی تسلیوں میں شبِ غم ہے ایک ہاتھ	اک ہاتھ سے سنبھال رہا ہوں جگر کو میں
کل بھی نہ تجھسے ہوگا وفا وعدۂ وصال	لو آج ہی سناتا ہوں کل کی خبر کو میں
شوخیٔ مضموں کا حصہ آتش سے مجکو ملا	شاعری مفضل سے ہے میراث میں پائی ہوئی

ارمان

(ارمان) میر سرفراز حسین خاں نائب تحصیلدار۔ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں ۵

کنجِ مرقد ہی سہی آئے تو آرام مجھے	چین لینے دے کہیں گردشِ ایام مجھے
مست ہوں نشۂ الفت میں گرا جاتا ہوں	بیخودی دو ذرا روک تھمے۔ تھام مجھے
بیوفا کہتے یہ میرے وہ بگڑے بولے	اچھا اب کرنے لگے آپ بھی بدنام مجھے
کافرِ عشق ہوں ارمان میرا کیا مذہب	لوگ یوں سمجھا کریں داخلِ اسلام مجھے

ازل

(ازل) حکیم میرزا آغا حسن خلف میرزا عباس باشندہ لکھنؤ۔ نواب مرزا شوق صاحب بہار عشق کے داماد اور میر وزیر علی صبا کے شاگرد تھے۔ تبرکاً ایک دو غزلیں خواجہ آتش کی نظر سے بھی گزرانی تھیں۔ نتائج افکار میں حتی الامکان استادوں کا اتباع کرتے تھے۔ ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ درسیہ کتب پڑھکر شاعری اور طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ طالب علمی اور شباب کا عالم لکھنؤ میں گزرا۔ اچھے ۵۰ برس کی عمر میں بہ تلاش روزگار عظیم آباد چلے گئے۔ اور مستقلاً وہیں سکونت اختیار کی مگر ۱۳۱۳ھ میں بیمار ہوکر لکھنؤ چلے آتے اور وہیں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ خوش رو۔ وضعدار۔ ہردلعزیز وسیع المشرب طرز قدیم لکھنؤ کے دلدادہ۔ منکسر المزاج اور حد درجہ خلیق تھے۔ اصل امامیہ مذہب تھے مگر کسی وجہ سے قیام بہار کے زمانہ میں تبدیل مذہب کرکے سنی ہو گئے تھے مگر مرض الموت میں مذہب امامیہ کا اعلان کر کے انتقال کیا۔ آپ کا دیوان ضیائے تناعرف ہر کالا آتش بہار میں شایع ہوگیا ہے۔ اور ایک مثنوی بھی سحر عشق نام انکے نواسے سید حسن احسن کے اہتمام سے لکھنؤ میں چھپی تھی۔ کلام کا بہترین حصہ اپنی لاپرواہی اور شاگردوں کی بدنیتی سے تلف ہوگیا۔ اسوجہ سے مطبوعہ کلام کچھ اعلیٰ پایہ کا نہیں۔ معمولی کلام نے اس میں جگہ پائی۔ غزلیں فروخت کیا کرتے تھے

تک مدارس میں تعلیم پاتے رہے اور اسی عرصہ میں ۱۸۹۴ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ ۹۶ء میں سہارنپور جاکر اخبار ظریف اور رسالہ تصویر سخن کی اڈیٹری کی پھر ۹۷ سے ۱۹۰۱ء تک پٹیالہ میں قیام رہا اور وہاں پٹیالہ اخبار کی اڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۰۲ء میں لاہور آنے کا اتفاق ہوا یہاں اخبار پنجاب سماچار اور راجپوت گزٹ کچھ عرصہ تک انکے زیراہتمام رہے۔ اب ھنکاری کے اڈیٹر ہیں۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۵۹ کتب و رسائل تصنیف وتالیف کر چکے ہیں جنمیں اکثر ناول وتاریخی رسالے ہیں۔ دیوان بھی تقریباً تیار ہے ۱۹۰۳ء تک برابر اُستاد کو کلام دکھاتے رہے اور سن مذکور میں اُستاد نے اصلاحی غزل کے ہمراہ یہ ریمارک لکھکر خاص عزت بخشی " بجائے میرے پاس بھیجنے کے اپنے کلام پر تم خود ہی نظرثانی کرلیا کرو۔ میرے خیال میں اب تمہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے " ۱۹۰۵ء میں حضور نظام کے جشن جوبلی کے موقعہ پر حیدرآباد بھی گئے تھے۔ جہاں ڈیڑہ ماہ قیام رہا۔ گمٹ بک کمیٹی لاہور اور تاریخی ہوسائٹی علیگڈہ کے متعلق بھی کچھ خدمات کی ہیں۔ اور اب آجکل زیادہ تر پولیٹکل وتاریخی مضامین کیطرف توجہ مبذول رہتی ہے کا ہے گاہے تفریحاً بھی فکر سخن کرتے ہیں۔ مہنگام نظرثانی تذکرہ چند غزلیں موصول ہوئیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔ ۵

تجھسے شب غم حال مرا تر نہیں ہوتا	یہ کام بھی اب دم خنجر نہیں ہوتا
کب سیدھی ہی تری نظر نگہ نہیں ہوتی	کب تیر مرے واسطے خنجر نہیں ہوتا
اُٹھتے ہوئے پیہوں کی محبت نہیں جاتی	سینے سے مرے دور یہ پتھر نہیں ہوتا
انکار رہا حشر کے وعدے پہ بھی تم کو	ملنے کا کوئی روز مقرر نہیں ہوتا
کیا لکھوں ماجرائے غم اُس فتنہ گر کو میں	دل میں ہے خط میں چیر کے رکھدوں جگر کو میں
خود ہی پہنچ گیا ہوں وہاں جھڑ کے لیجا	طرز بیاں بتاتا ہوا نامہ بر کو میں
تیر نگاہ یار کے دونوں شہید ہیں	اب دل کی لوں خبر کہ سنبھالوں جگر کو میں
دلمیں ہزاروں آرزوں کے لگے ہیں ڈھیر	حسرت یہ کہہ رہی ہے کہ دیکھوں کدھر کو میں

قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے
آج گلشن میں کہہ رہے ہیں ازل
پیر ہوں میں نہ دستگیر ہوں میں ✣
حالِ گلشن نہ پوچھ اے بلبل ✣
یوں تو رہتی تھی در یار پہ بھیڑ ✣
قبر سے آتی صدائے لبیک ✣
یہ ہمیں ہیں کہ نہیں کچھ کہتے

[illegible] نظر [illegible] ✣ اللہ [illegible]

پیشوا وہ تھا رہنما ہیں ہم
تیرے شاگرد اے صبا ہیں ہم
خانہ بردوش اک فقیر ہوں میں
ایک مدت ہوئی اسیر ہوں میں
آج سنتے ہیں کہ رستہ ہی نہیں
تم نے تربت پہ پکارا ہی نہیں
دل کسی اور کا توڑ دو تو سہی

آئیگی وصل کی [illegible] شام ✣ [illegible] کہہ رہا ہوں آج

مطلب نہ حور سے نہ غرض کچھ پری سے ہے
خود آؤ یا بلاؤ ہمیں اپنی بزم میں ✣ ✣
الفت خدا گواہ ہے اُوبت تجھی سے ہے
مطلب تو دو گھڑی کی ہمیں دل لگی سے ہے

ازل

(ازل) مولوی حکیم شیخ حسن مہدی خلف آباد عظیم آبادی - حال ساکن گزیں کانپور حضرت جلال کے شاگرد اور خوشگو شاعر ہیں ؎

امید رکھیں کیا دلِ ناآشنا سے ہم
کیا آہ بے اثر سے پشیمانیاں ہوئیں
پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں
امیدِ لطف اور حسینوں سے قہر ہے
قاتل نہ سر جھکا نا خدا کے لئے کہیں
سر د آنسو اپنی دل کی لگی کیا بجھا سکیں
محشر میں آنکھیں ملتے ہی کچھ اور ہو گئے

کیا آرزو وفا کی کریں بے وفا سے ہم
کیا کیا خجل ہوئے ہیں غبِ غم دعا سے ہم
آنکھوں کو مل رہے ہیں کسی نقش پا سے ہم
کیوں طالبِ کرم ہیں ان اہل جفا سے ہم
شرمندہ ہوں گے حشر میں تیری خطا سے ہم
اب جل بجھیں گے آپ ہی سوزِ وفا سے ہم
بس کر چکے جفاؤں کا شکوہ خدا سے ہم

ازل

(ازل) منشی نعمت علیخاں ولد منشی محمد عمر بخش - قصبہ گنا چور نواح جالندھر کے رہنے والے اور آجکل ریلوے ٹکنیکل سکول لاہور میں مدرس ہیں - علم ریاضی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - شاہزادہ سکول دہلی میں بھی مدرس رہ چکے ہیں ؎

اشعار میں شوکتِ لفظی کے بجائے بیساختہ پن - سادگی اور صفائی زبان کا زیادہ خیال رکھتے تھے - جس سے اُنکی سلیم المذاقی کا ثبوت ملتا ہے - ۱۳۱۲ھ میں انتقال کیا - شاگرد تو کثرت سے تھے مگر سب سے زیادہ مولانا شاہ نذر الرحمٰن حفیظ نے نام پایا ۵

میں تو جاؤں کوچۂ دلدار میں آنکھوں کے بل
دل دیا ہے آپ نے اِک بت کو سنتے ہیں ازل

آئینہ لے کے ذرا چاند سی صورت دیکھو
لپٹے تھے جنکی دامنِ دولت سے سینکڑوں دل

کیا موت آئے گی مرے بیمار ہجر کی
پونچا ہے کس کی ذات سے اے خوش جمال رنج

تربت پہ ہماری جو کبھی آتے ہیں معشوق
سچ پوچھیئے تو حُسن کچھ ایسا نہیں ہوتا

قاصد کی ضرورت ہے نہ پیغام کی حاجت
اک تم ہو کہ دو دن بھی محبت نہیں نبھتی

اب کیا کہوں کس واسطے ڈرتا ہوں میں ان سے
بعد از فنا یہی ہے ہماری صدائے دل

اللہ رے جلن کسی پہلو نہیں قرار
باغِ جہاں کا رنگ بہت بے ثبات ہے

اے موت جلد آکہ یہ جھگڑا کہیں چُکے
کاہے کو پھر کسی کو بُرا کہیئے اے ازل

ضعف کہتا ہے کہ مجھ سے بھی نہ جایا جائے گا
یہ تو کہیئے ناز بھی اُس کا اُٹھایا جائے گا

ایسی آنکھوں میں تو اندھیر ہے سُرما دینا
تنہا پڑے ہوئے ہیں وہ زیرِ مزار آج

حوریں دکھائی دیتی ہیں کیوں بار بار آج
ہوتا ہے ترے چہرہ سے ظاہر کمال رنج

پھولوں کے عوض تیوری چڑھا جاتے ہیں معشوق
عاشق کی محبت سے جھُک جاتے ہیں معشوق

تقدیر جو سیدھی ہو تو خود آتے ہیں معشوق
وہ بھی تو نہیں جو بات پہ مٹ جاتے ہیں معشوق

سنتا ہوں کہ دل لے کے مکر جاتے ہیں معشوق
ان گلرخوں سے کوئی نہ ہرگز لگائے دل

شعلہ ہے اپنے پہلو میں شاید بجائے دل
بلبل سے کہہ دو گل سے نہ ہرگز لگائے دل

کب تک شبِ فراق کے صدمے اٹھائے دل
دشمن نہیں ہے کوئی ہمارا سوائے دل

طالبِ جامِ ساقیا ہیں ہم
نزع کے وقت دیکھنے آئے

پر چھپا کر کہ پارسا ہیں ہم
جائیے آپ سے خفا ہیں ہم

رہتے ہیں۔ ایک رسالہ موسوم بہ ہدیۂ اسحاق شائع کر چکے ہیں۔ طبیعت سخن گوئی کی طرف مائل ہے مگر غیر زباں ہونے کے باعث کامیاب نہیں ہوتے۔ بہ نظر انتخاب کلام دیکھا تو بمشکل یہ چند اشعار ہاتھ آئے ؎

یہاں اپنا جلوہ نہ دکھلائیے گا ۔۔۔ تو محشر میں کہیئے کہاں جائیے گا
نہ جب کام آئے مری زندگی میں ۔۔۔ تو کیا بعد مرنے کے کام آئیے گا
جلانا ترا کام جلنا مری خو ۔۔۔ ہوں پروانہ میں بھی جو تو شمع رو ہے
نہ بھائی میں رہی الفت نہ یاروں میں رہی ملت ۔۔۔ جو الفت ہے تو زندے سے ہی سب پیار ہے
خدا بخشے اسے الفت تھی مجھ سے ۔۔۔ وہ کہتے ہیں مری تربت پہ آکے

اسد

(اسد) میر امانی مرحوم دہلوی رفیق نواب افضل علیخاں برادر نواب نجیب الدولہ وزیر۔ مرزا رفیع السودا کے شاگرد تھے۔ تباہیٔ سلطنت کے بعد دہلی سے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے گئے تھے وہاں سے واپسی پر اثنائے سفر لکھنؤ میں پچاس برس کی عمر میں بمقام سرائے بانگرمؤ چوروں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ مرد ظریف۔ شیریں زبان اور خوش فکر تھے۔ دیوان اور مثنوی ان کی یادگار ہے ؎

کھانے کو غم ہے پینے کو خوں دیکھنے کو داغ ۔۔۔ سب عشق کا وہ ہمکو سرانجام دے گیا
جوں توں اسد کہلائے تھے اسکی گلی سے ہم ۔۔۔ خانہ خراب راہ میں آکر پھسل گیا
ٹک تو نے ہی گرم کی بغل رات ۔۔۔ ہم سرد ہوئے تھے ورنہ کل رات
اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں ۔۔۔ بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں
بزم بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس ۔۔۔ کافر ہوں گر وہاں بھی خدا کا میں ذکر کروں
جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے ۔۔۔ ملنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی
زلفیں ہی دیکھ کر کے تجمل رات ہو گئی ۔۔۔ مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی
اسد اس جفا پرتیوں سے وفا کی ۔۔۔ مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

یہ بلا غمزہ کہ ارماں مل گئے سب خاک میں	تخم بویا دل میں کیوں مینے تمہاری یاد کا
مرغ دل طاق حرم میں صید گیسو ہو گیا	ہے غلط واں زور چل سکتا نہیں صیاد کا
لا یا جو ئے شیر بس اتنی ہی تھی اسکی بساط	الفت شیریں میں بچپن دیکھئے فرہاد کا
کیا ہے کشتہ صنم نے مجھ کو لگا کے آنکھوں میں اپنے سرمہ	بروز محشر جناب موسیٰ ہم آپ سے انتقام لینگے

ازہر

(ازہر) منشی سید علی احمد شاہ باشندہ بریلی - جناب زہیر بریلوی سے تلمذ ہے اور مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم سے بھی مشورہ کیا ہے ؎

اپنا بیگانہ سمجھ کر دوست دشمن دیکھ کر	وار تو کرنا مگر اسے چشم پرفن دیکھکر
کوئی بھی غیر کو اپنا سمجھتا ہے زمانہ میں	مگر اک آپ ہی ایسے زمانے سے نرالے ہیں
دیکھو ذرا آئینہ اٹھا کر	کیا ہو گئی شکل رات بھر میں
شعلے اٹھے دلسے دل میں بھڑکے	ہے اک ہی آگ سارے گھر میں
شوق سے ٹکڑے کرو دل میں نکال کر	دیکھ لو اس کو ذرا میری نظر سے پہلے
ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں میں کسی کی رخصت	کاش ہو جائے سفر میرا سحر سے پہلے

اسحاق

(اسحاق) اسحاق علی خاں لکھنوی ولد فدا علی خاں شاگرد نواب عاشور علی خاں بہادر - نواب سالار جنگ کی اولاد میں صاحب دیوان بیان کئے جاتے ہیں - تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے - اشعار ذیل انکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

باریک میں کو آئے گی کیوں کر نظر کمر	تا زندگی ہے اوبت تارک کمر کمر
آب رواں کے پلکے نے طوفاں اٹھا دیا	اے بحر حسن آگئی کیا موج پر کمر
مشتاق قتل سمجھے اسے چاند عید کا	تیغ ہلال سی جو ہوئی جلوہ گر کمر
نہ کوئی گل ہے نہ بلبل نہ باغباں نہ صبا	خزاں کے ہاتھ سے برباد ہے چمن کی بہار

اسحاق

(اسحاق) منشی محمد اسحاق اسحاق - خلف منشی نبی بخش مختار مظفر پور - موضع مہیش پٹی نواح دربھنگہ کے باشندے ہیں مگر اکثر اپنے ماموں مولوی سراج الدین مختار کے پاس کلکتہ میں

منشی حبیب اللہ ضبط - عبدالرحیم خاں صاحب شرف وغیرہ صاحب دیوان ہیں - اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا

کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

ہر طرف اک شورِ ہاؤ ہوئے مستانہ رہا
خوب ہی اب کے برس زور پہ میخانہ رہا

ممکن نہیں شفا مرضِ عشق سے اسد
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

کمینے سے کبھی بوئے شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخِ نخلِ حنظل میں ہویدا لطف صندل کا

کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی نہ ہونگے
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

مجکو وقفہ تہِ شمشیرِ اجل نے نہ دیا
وہ گھڑی دل مرے قاتل کا بھینے نہ دیا

ہمکو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہلِ نفاق
ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا

دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسیکا خدا ہے کسیکا

حجابِ دوئی کو جو دل سے اٹھا دیں
تو پھر ہم ہیں اور سامنا ہے کسیکا

یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمانِ شباب

سر یہ حاضر ہے تیغ اٹھائیں آپ
دیکھتے کیا ہیں دہنے بائیں آپ

سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ
اور ہے جھوٹ بھی تمہارا سچ

اے اسد سچ ہے یہ مثلِ کاذب جھوٹ
جھوٹ بھی جانتا ہے سچا سچ

ہوئے دل سے جو عاشق زار تیرے سمجھے انھیں کو مرے تو بیٹھے
جو مریضِ محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلہ رو شمشاد قامت سیم تن
رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن

سوز میں بھی رکھتی ہے اک سازِ سخن قامتِ شمع
شمع کا پروانہ عاشق عاشقِ پروانہ شمع

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع مانے ہے کوئی وہ بتِ گمراہ کسو کی	یا رب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسد

(**اسد**) نواب سلیمان خاں اسد لکھنوی - نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور - نواب حافظ رحمت الملک مرحوم والی روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں - آپ کا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا - مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں - چنانچہ خواجہ آتش - رند - صبا - وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے - ابتدا میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو بوجہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں - بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کر کے چلے آئے - دورانِ قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے لئے کوئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا - ۱۸۷۰ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا - خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہو گئے - چند سال بعد وظیفہ مسدود ہو گیا مگر بوجہ تعلقات آمد و رفت قائم رہی - حتیٰ کہ ۱۳۰۷ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیر سخن مقرر فرمایا - اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے - خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے - طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے - ستر برس کے قریب عمر ہے - آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت و استعداد ظاہر ہے - آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں - ٹونک کی مجالسِ مشاعرہ کی رونق اب آپکے دم سے ہے - دیوان اول موسوم بہ انتخاب اسد ۱۸۷۰ء میں منشی نول کشور نے شایع کیا تھا - دوسرا دیوان موسوم بہ مطلع خورشید ۱۸۹۶ء میں شایع ہوا - اب آپ پنشن پاتے ہیں - آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی اصغر علی برق

منشی حبیب اللہ ضبط۔ عبدالرحیم خاں صاحب شرف وغیرہ صاحب دیوان ہیں۔ اب دیوان کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

اچھا ہوا شباب کا عالم گزر گیا
کیا کیا نہ ذلتیں ہوئیں اس عشق میں نصیب

ہر طرف اک شور ہاؤ ہوئے مستانہ رہا
ممکن نہیں شفا مرضِ عشق سے اسد

کمینے سے کبھی ہو شرافت نہیں سکتی
کچھ بھی نہ تھے سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی نہ ہوں گے

مجھکو قبضۂ شمشیر اجل نے نہ دیا
ہمکو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا

دوئی سمجھے ہوئے ہیں اہلِ نفاق
دلِ گبر و مومن میں تیری جگہ ہے

حجابِ دوئی کو جو دل سے اٹھا دیں
یہی ہیں عیش کی راتیں یہی مراد کے دن

سر یہ حاضر ہے تیغ اٹھائیں آپ
سچ بھی گر ہم کہیں تو وہ سب جھوٹ

اے اسد سچ ہے بیشک کذب جھوٹ

اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا
عزت گئی وقار گیا مال و زر گیا

خوب ہی اسکے برس زہد و نہ میخانہ رہا
جائے گا جان لے کے یہ آزار دیکھنا

نہ شاخِ نخلِ حنظل میں ہو پیدا لطف صندل کا
آغاز وہ ہے اور یہ انجام ہمارا

وہ گھڑی دل مرے قاتل بیٹھنے نہ دیا
دل ہی بس میں نہیں کریں ہم کیا

ورنہ ہیں یار سے جدا ہم کیا
صنم ہے کسیکا خدا ہے کسیکا

تو جیسے ہم ہیں ویسا بنا ہے کسیکا
تمام عمر کا حاصل ہے یہ زمانِ شباب

دیکھتے کیا ہیں دیجئے باتیں آپ
اور سب جھوٹ بھی تمہارا سچ

جھوٹ بھی جانتا ہے تیرا سچ

ہوئے دل سے جو عاشق زار ترے سمجھے انھیں کہ ہے تو میرا
جو مریضِ محبت و عشق ہوئے نہیں انکو دوا و شفا سے غرض

عنبریں مو شعلہ رو شمشاد قامت سیم تن
رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن

سوز میں بھی رکھتی ہے اک سازِ سخن فہمانہ شمع
شمع کا پروانہ عاشق عاشقِ پروانہ شمع

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع مانے ہے کوئی وہ بتِ گمراہ کسو کی	یارب نہ شبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی گو آپ سفارش کرے اللہ کسو کی

اسد

(اسد) نواب سلیمان خاں آسد لکھنوی۔ نبیرۂ نواب محبت خاں مغفور۔ نواب حافظ رحمت الملک مرحوم والیٔ روہیلکھنڈ کی اولاد اور نواب احمد حسن خاں جوش مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کا زمانۂ طالب علمی و شباب لکھنؤ میں گذرا۔ مشہور اساتذہ لکھنؤ کے ہم صحبت و ہم مشق رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ آتش۔ رند۔ صبا۔ وغیرہم کے مشاعروں میں شریک رہے۔ ابتدا میں چند غزلیں نواب عاشور علیخاں کو دکھائیں اُنکے انتقال کے بعد مدبر الدولہ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں جب صاحبزادہ محمد خاں شمشیر جنگ بطریق سیر لکھنؤ آئے تو بوجہ قرابتداری آپکی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد ازاں اُنکے اصرار سے ٹونک تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام کر کے چلے آئے۔ دوران قیام میں نواب صاحب نے بہت چاہا کہ آپ کے لئے کوئی سلسلہ وہیں ہو جائے مگر اُسوقت آپنے وطن کو خیرباد کہنا مناسب نہ سمجھا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب فیروز جنگ نائب ریاست لکھنؤ تشریف لائے اور بتاکید ٹونک طلب فرمایا۔ خود بھی زمرۂ تلامذہ میں داخل ہونے اور بھی اکثر صاحبزادے شاگرد ہو گئے۔ چند سال بعد وظیفہ مسدود ہو گیا مگر بوجہ تعلقات آمد و رفت قائم رہی۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں نواب صاحب خود شاگرد ہوئے اور آپ کو مشیر سخن مقرر فرمایا۔ اب عرصہ سے وہیں بود و باش ہے۔ خاندانی وجاہت اور ذاتی لیاقت نے آپ کو ٹونک میں ہر دل عزیز بنا رکھا ہے۔ طبیعت تعصب اور غلو سے پاک اور آپکی ذات جملہ صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ ستر برس کے قریب عمر ہے۔ آپ کا کلام لطیف اور معنی خیز ہوتا ہے شوکتِ الفاظ سے آپکی قابلیت و استعداد ظاہر ہے۔ آپ ایک دیرینہ مشق اور پُرگو شاعر ہیں۔ ٹونک کی مجالسِ مشاعرہ کی رونق اب آپکے دم سے ہے۔ دیوان اول موسوم بہ انتخاب اسد سنہ ۱۸۷۰ء میں منشی نول کشور نے شایع کیا تھا دوسرا دیوان موسوم بہ مطلع خورشید سنہ ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا۔ اب آپ پنشن پاتے ہیں۔ آپکے شاگرد بکثرت ہیں جنمیں سے منشی اصغر علی بل

تم اچھے ہو ہم بُرے سے چلو خیر
اب تو نہیں کوئی بات شر کی

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش شراب خم سے ٹپک رہی ہے
شگوفے پھولے ہیں گُل کھلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ابرو رہا جو اکثر تو چلتے خنجر رہے جگر پر
یہ کسکی مژگاں کا ہے تصور کہ پھانس دل میں کھٹک رہی ہے

بلا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے
وہی صنم وہی بندہ وہی خدا بھی ہے

ز راہِ طنز وہ بولے مرے منانے پر
یہ منتیں ہیں عبث یاں کوئی خفا بھی ہے

سوال بوسۂ ابرو پہ وہ یہ کہتے ہیں
جواب اسکا فقط تیغ کی زبان پہ ہے

برسوں سجدے کئے کعبے میں تمہاری خاطر
مدتوں دیر میں جا جا کے جبیں سائی کی

بگڑے گا جا کے بزمِ خرابات میں اگر
تو رند محتسب کو مقرر بنائیں گے

ہو گئے ہیں یہ ہم سانس کے دم دعا گو تیرے
جانفس میں کوئی دم میں کچھو نوالے

پُر آب چشمے ہیں جنگل میں لہلہاتے ہوئے
چہار سمت ہیں بادل سیاہ چھائے ہوئے

نہ تربت سے جواب اصلا دیا یارانِ رفتہ نے
ہزاروں مرتبہ جا جا کے ہم انکو پکار آئے

کرے اُلٹی چھری سے ذبح جب قاتل مرا مجکو
کہو بچیں یہ قاتل کے نہ پھر کسطرح پیار آئے

عمر سب اِک بتِ کافر کی محبت میں کٹی
ہم تو جانے مسلمان رہے یا نہ رہے

لطف ہستی کا اٹھا عہد جوانی میں اُٹھا
یہ زمانہ رہے نادان رہے یا نہ رہے

ہاتھ اُٹھاؤنگا نہ الفت سے بتوں کی بخدا
اسمیں جا سے میرا ایمان رہے یا نہ رہے

شبِ وصلت اذاں کیونکر چھری پھیری ہے گردن پر
ہوئے ہم ذبح اے زاہد تری اللہ اکبر سے

بادۂ دولت کا ہے کیا نشہ تیز
ہوش کھو دیتا ہے یہ ہشیار کے

گلے ملی یہ محبت سے تیغ قاتل کی
کہ دم میں دم مرے جبتک رہے جدا نہ ہوئی

شاعروں نے عجب اندھیر مچا رکھا ہے
نام کاکل کا تری دام بلا رکھا ہے

نہ غنچۂ دل ہوا شگفتہ نہ پھل جوانی کا خاک چکھا
زباں پر حضرتِ دل چاشنیٔ مرگ آئے گی
دہن کا بھید تو باتوں سے کھل گیا لیکن
عدم کی جانب تمہارے عاشق جہاں سے اب سدھارتے ہیں
زباں پہ ہم لاتے ہیں ادب سے بتوں کا بھی نام ڈرتے ڈرتے
عدو کے نعروں میں ایسے آئے جو ہم سے وعدے تھے سب بھلائے
دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں
دل اپنا تم کو دے کے مفت بھی ہم بن گئے بندے
اُنکے خرام سے تہ و بالا ہے اک جہاں
نمودِ صبحِ پیری ہے گئیں راتیں جوانی کی
یہ معشوقانِ بے پروا جہاں میں کس کے ہوتے ہیں

بُرا ہو کمبخت عاشق کا خزاں میں فصلِ بہار میں ہوں
لبِ شیریں کے بوسے کیا کوئی منہ کے نوالے ہیں
کمر کا آپ کی اب تک کہیں پتہ ہی نہیں
لباسِ ہستی ہوا ہے میلا اُسے بدن سے اُتارتے ہیں
ہیں زاہد اللہ اکبر ایسے خدا کو جو یوں پکارتے ہیں
وہ شرم سے اب ہیں سر جھکائے تماشہ خود نقشِ پا رہے ہیں
یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں
کہو جو کچھ تو آئے تمہارے دین و ایماں میں
زندے بہ تنگ جی سے ہیں مُردے عذاب میں
خیالاتِ جہاں خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں
انہیں دل دے کے عاشق آپ اپنی جان کھوتے ہیں

خبرِ مرگ میری سُن کے کہا
ملتی نہیں قفس سے رہائی ہزار حیف

ایسے ہی جاں نثار ہوتے ہیں
اور وہ موسمِ بہار کے دن ہائے جاتے ہیں

ہر بُنِ کعبہ قائل ہیں تری یکتائی کے وہ بھی
قیمتِ نیم نگاہی بھی گراں ہے جو نہیں
سسکتا چھوڑ کر جاتا ہے وہ مجھ نیم بسمل کو
کیا اک وار ہی میں اُسنے دو ٹکڑے مرے دل کو
نہ الفت سے اسد اُس ابروئے خمدار کو دیکھو
کچھ سمجھ کر مری میت پہ کھڑے ہیں خاموش
وہ آئے ہیں پئے تعظیم درد اُٹھنے نہیں دیتا
نظرِ یاس سوئے خنجرِ قاتل ہے وہی

بُتوں کو سجدے کرتے ہیں صنم زاہد نمازوں میں
دل یہ کہتا ہے میں اور اس سے بھی ارزاں ہوں تو
خدارا بڑھ کے لے شوقِ شہادت لے کے اُسکو
جزائے خیر دے اللہ تیغِ نازِ قاتل کو
گلے پہ پھیرتے ہو آپ تم تلوار کو دیکھو
حشر ہو جائے بپا گر وہ کہیں تم مجھکو
تو ہی اب اُٹھ کے دردِ دل کسی صورت اُٹھا مجھکو
ذوقِ شوقِ نگہ دیدۂ بسمل ہے وہی

لب جاں بخش کا اُس بت کے جو دیکھا اعجاز	رہ گئے اپنا سا منہ حضرت عیسیٰ لے کر
آج سے کچھ نہیں عشقِ ازل سے ہے مجھ کو	ساتھ ہم لے کے یہاں آئے ہیں سودا لے کر
ہے کسی کی نگہِ مست کا آنکھوں میں سرور	ساقیا کیا میں کروں ساغرِ صہبا لے کر

اسرار

(اسرار) مرزا سپہر شکوہ گورگانی دہلوی ولد مرزا مہتاب شکوہ ابن مرزا سلیمان شکوہ خلف شاہ عالم ثانی مقیم لکھنؤ آپ صاحب کمال اور عالم آدمیوں کے بڑے قدردان تھے - مرزا قادر بخش صاحب صابر کے خسر اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے - دریائے جمن کے کنارے شاہ بڑے صاحب کے تکیے میں آسودہ ہیں - ۱۳۰۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا - تمام عمر اہلِ کمال کی صحبت میں بسر کی - انکا کلام ہدیۂ پیش نظر ہے ٥

وہ جب ہنستے ہیں میں کہتا ہوں یارب	یہ بجلی دیکھیے گرتی کہاں ہے
پھر محوِ خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے	پھر شیشۂ دل اپنا پریخانہ ہوا ہے

اسرار

(اسرار) بابو نادر مرزا صاحب شاگرد جلال لکھنوی - انکے والد نواب مرزا محکمہ پولیس ضلع بنارس میں اسب انسپکٹر ہیں - ہم رسیدہ کلام حاضر ہے ٥

بُرا ہو اس محبت کا کہ راحت بھی مصیبت ہے	ستاتا ہے مرے دل کو کوئی آرام جاں ہو کر
بڑھایا غیر سے بھی ربط جب ملنے لگے مجھ سے	جفا کرنے لگے وہ اور ہم پر مہرباں ہو کر
نہ پھینک انکو گلے سے اُتار کر گلرو	ارے یہ پھول ہیں میرے مزار کے قابل
اگر دیکھ لیتے وہ حالت ہماری	اثر اُن پہ کرتی محبت ہماری

اسرار

(اسرار) منشی فدا علی لکھنوی شاگرد منشی وزیر علی وزیر لکھنوی - اکثر بمبئی میں رہتے ہیں کلام حاضر ہے ٥

وہ تو آئے نہیں شب وعدہ	منتظر ہوں قضا کے آنے کا
خوشی سے شیخ پئے بیعت سبو آئے	شرابِ ناب سے کر کے مگر وضو آئے
گئے تھے کھوئے ہوئے شد لکو ڈھونڈنے لیکن	گنوا کے کوچۂ جاناں میں آبرو آئے

میاں کعبہ خود ہوتی ہے جب توقیر پتھر کی　　پرستش کیوں ہوئی پھر باعثِ تکفیر پتھر کی

صنم خانے کو تم دیکھو اگر شانِ حقیقت سے　　تو واں بھی زاہدو شانِ خدا کا کارخانا ہے

بتوں نے آنکھوں میں پھر پھر کے پتلیوں کی طرح　　ہمارے ہوش تماشے دکھا دکھا کے لیے

یہ کون کہتا ہے تم نے لبھا لبھا کے لیے　　جلا جلا کے جگر دل دُکھا دُکھا کے لیے

خدا ہی جانے یہ بھید کیا ہے کسکو اصلا خبر نہیں ہے　　دہن کا اثبات بات سے ہے مگر ثبوت کمر نہیں ہے

ہزار افسوس جذبِ الفت کہ تجھ پہ کچھ بھی اثر نہیں ہے　　تڑپ رہا ہوں میں جسکی خاطر اُسے ذرا بھی خبر نہیں ہے

کہو کرے کیا وہاں یہ انساں نہ عقل ہو کس طرح سے حیراں　　تموں ایسا ہے طبع میں واں کہ شام کو واں سحر نہیں ہے

چلی جو تیغ نگاہِ قاتل کریگی وہ اک نہ اک کو بسمل　　جو بچ گیا اُسکے وار سے دل تو جان لینا جگر نہیں ہے

نہ مُنہ کو یوں پھیر مجھ سے توڑو بندھی ہوئی آس کو نہ توڑو　　مریضِ الفت کا حال بھی تو کچھ ایسا نوعِ دگر نہیں ہے

یہ قدردانی خلیل کی ہے شعر و سخن بنایا　　اسد سراپا ہوں عیب مجھ میں کوئی بھی علم و ہنر نہیں ہے

حسیں سمجھ کے بتوں کو لوگ کرلیے سجدے　　مرے خیال میں صنعت مگر خدا کی رہی

مٹا جہاں ہوا شور حشر بھی برپا +　　چلت پھرت وہی اُس چشم فتنہ زا کی رہی

نہ بیٹھنے روز جزا جان پوچھ کر انجان　　خبر تو آپ کو صاحب ذرا ذرا کی رہی

اسد

(**اسد**) عالیجناب نواب اسد یار الدولہ بہادر حیدرآبادی - حیدرآباد کے موزوں طبع رؤسا میں ہیں زیادہ حال معلوم نہیں ہے

اے دل دغا شعار ہے وہ تو یہ جان رکھ　　نادان چار باتوں میں اُس کی بہل گیا

کسی صوفی کے جو آنیکی خبر سن لی ہے
مثل تصویر کے چھا جاتی ہے حیرت سب پر
وجد کرتا ہوا محفل میں ہو آتا ہے
جبکہ محفل میں ملا آئینہ رو آتا ہے

اسد

(**اسد**) منشی سید شبیر علی باشندۂ پٹنہ موزوں طبع آدمی ہیں حضرت شہرت کے تلمذ سے فیضیاب ہیں ۱۸۹۱ء میں حیات تھے - زیادہ حال معلوم نہیں ہے

پھونک کر کس نے کیا طور کو سرمہ ایسا　　آگ آپ آئے تھے کیا حضرت موسیٰ لیکر

نکلا وہ بے نقاب تو عالم وہ کیا کہوں
گردوں بھی نور کا تھا زمیں بھی تھی نور کی

سنتے ہی عمر گزری ہے زاہد خدا گواہ
تو نے دکھائی بھی کبھی شکل حور کی

کاٹ کر سر پوچھتے ہیں ناز سے
دل میں باقی کوئی حسرت اور ہے

یونہیں انکو دیکھ ڈرتے ہوئے
وہ ڈرتے ہیں خنجر اٹھاتے ہوئے

ہیچ ہے کونسی قاتل وہ ادا ہوتی ہے
جب سو جان سے قربان قضا ہوتی ہے

ڈالتے پردہ شوق نے بسمل کے منہ
قاتل کو دیکھتے ہیں وہ قاتل کے سامنے

اسیر

(اسیر) منشی مظفر علی خلف سید امیر علی - بزرگوں کا وطن قصبہ زیدپور متصل لکھنؤ تھا مگر بسبب روزگار اکثر میرٹھ میں رہے - حضرت مصحفی اور نواب حسین علیخان اثر سے اپنے کلام میں مشورہ لیا کرتے تھے - فارسی میں اسیری اور اردو میں اسیر تخلص تھا - یہ انکا کلام ہے ؎

ہر شب سوچا اڑاتے ہیں شرر سے ہاتھ پاؤں
چپ کنجل آتشیں ہیں اب ہمارے ہاتھ پاؤں

کوہ مقصود تک نہ پہنچا دست نا
بحر الفت میں ڈبو کھوئے ہیں ہارے ہاتھ پاؤں

اسیر

(اسیر) تخلص - تو مرگ خدا - شاہ نصیر دہلوی کے تلامذہ میں تھے بیگم سمرو صاحبہ فرانسیسی کے بیٹے ظفریاب خان صاحب کے رفقا میں تھے - نہایت پر زور - تنومند - اور قوی و شجاع آدمی تھے شعر بھی اچھا کہتے تھے ملاحظہ ہو ؎

شمع فانوس میں در پردہ تجلی ہے دیکھو
شعلۂ آہ نکالے ہے جگر سے باہر

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کیا کرتے ہیں
کرتے کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اسیر

(اسیر) سید علی نبی برادر خورد و شاگرد سید آل نبی ثاقب باشندہ شاہجہان آباد - بہادر شاہ کے زمانے میں نشو و نما پایا تھا - انکے والد مولوی غلام علی آشفتہ تھے - قدرت سے طبیعت میں شوخی فکر میں رسائی پائی جاتی ہے ملاحظہ ہو ؎

نہ ملے گا جو کوئی ڈھونڈھے گا
بے وفا تم سا باوفا ہم سا

ہچکیاں سب وقت آتی ہیں اسیر
وقت مردن میں کسے یاد آ گیا

یہیں سے جاؤں گا میں بزم وعظ میں سیدھا	پلا شراب وہ ساقی جسمیں بو آئے

اسلم

(**اسلم**) حافظ محمد اسلم صاحب باشندۂ جے راج پور ضلع اعظم گڑھ - حکیم معشوق علی صاحب جوہر کے تلامذہ میں ذی لیاقت و خوش فکر ہیں عرصۂ دراز تک اُستاد کا فیض صحبت اُٹھایا ہے - آپکی استعداد عربی و فارسی میں بہت معقول ہے رنگ زمانہ اور مذاق عام کے خیال سے غزل گوئی چھوڑ کر اخلاقی نظموں کی طرف مائل ہیں - جو اخبار وں میں شایع ہوتی رہتی ہیں - چند روز سے پیسا اخبار کے دفتر میں عربی سے اُردو ترجمہ کرنے پر مامور ہیں - غزلوں کے اشعار چست اور مزے دار ہیں - اخلاقی نظمیں بھی مفید اور موثر ہوتی ہیں - نمونۂ کلام یہ ہے ؎

گردشِ قسمت سے ہے اُلٹا اثر تدبیر کا	وہ بھی اب ملتا نہیں جو ہے مری تقدیر کا
وہ آئیں یا قضا آئے شبِ غم	کوئی غمخوار ہو جانِ حزیں کا
اِل دیکھو شبِ وصل بھی آنکھیں نہ لڑاؤ	لگجائے نہ دھبا کہیں دامانِ حیا میں
کیا لذتِ بیداد ہے کرتا ہوں دعا میں	اللہ کرے اور ترقی ہو جفا میں
تن تن کے کہتا ہے تراخنجر بیداد	آجائے مزا ہو جسے آبِ بقا میں
شبِ فرقت کی ظلمت اک بلا ہے	نہیں آتی قضا بھی جسکے ڈر سے

اسلم

(**اسلم**) منشی سلامت اللہ کانپوری - اخبار ملک و ملت حیدرآباد دکن کے منیجر تھے جو اب بند ہے - فی الحال ہنیکار صاحب مدار المہام حیدرآباد کی سرکار میں ملازم ہیں - ۳۲ - ۳۳ برس کی عمر ہے - موزوں طبع شاعر ہیں - جناب جلیل مانکپوری جانشین امیر مینائی سے مشورہ سخن کرتے ہیں - پہلے نوبت رائے نظر ایڈیٹر خدنگ نظر سے اصلاح لیتے تھے - کلام درج ذیل ہے ؎

کیا اُسنے پامال تربت کو آکر	کفِ پا کے بوسے دئے ہیں مٹاکر
کھڑے ہیں جو مشتاقِ دیدار کر	دکھا دو انہیں جلوہ چلمن اُٹھاکر
ذرا مل تو لوں میں کہ ہے وقتِ آخر	گلے سے نہ خنجر کو قاتل جدا کر
بس اب طاقِ ابروئے بن سجدہ کرینگے	الگ ایک عالم سے کعبہ بناکر

لاکھوں ہیں زخم پر لب ہر زخم ہے خموش	اتنے دہن پہ بے سخنی ہو تو سیر ہے

(**اسیر**) تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی سید مظفر علیخاں بہادر جنگ قصبہ امیٹھی نواح کے رہنے والے
تھے والد کا نام سید مدد علی تھا جو محمد صالح کروڑی کی اولاد میں تھے۔ بارہ برس کی عمر میں اپنی ننھیال
شیخ زادگانِ لکھنؤ میں شادی ہوئی۔ عربی اور جملہ علوم و فنون کی کتابیں علمائے فرنگی محل سے
پڑھیں۔ شعر گوئی میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد ہوئے۔ مگر شیخ صاحب دو تین برس بعد ہی
فوت ہو گئے۔ منشی صاحب ممدوح نے اپنی ذہانت اور طبع رسائی سے وہ کمال پیدا کیا کہ لاجواب
ہوئے اور فخرِ استاد کہلائے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانے میں سرکار شاہی میں متوسل ہوئے
حضرت امجد علی شاہ کے وقت میں جوہی سلطانی کے سررشتہ دار اور داروغۂ زندان رہے
پھر ۹ برس سلطان عالم واجد علی شاہ کی مصاحبت میں رہے۔ بادشاہ کاہے کاہے اپنے
کلام میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ خطابات مذکورہ آپ ہی نے عطا فرمائے تھے
سلطان عالم جب انتزاع سلطنت کے بعد کلکتہ تشریف لے گئے تو آپ نے رفاقت منظور نہ فرمائی۔
چنانچہ بادشاہ سخت آزردہ خاطر ہوئے جس کا انہوں نے جا بجا اپنی تصانیف میں اظہار کیا ہے۔ بعد غدر
نواب یوسف علیخاں ناظم والی رامپور نے قدردانی فرما کر رامپور طلب کر لیا۔ وہ اپنے کلام میں مشورہ
بھی فرماتے رہے۔ پھر مدة العمر اسی ریاست کے دعا گو رہے۔ آپکی تصانیف میں سے چار
اردو کے دیوان اور ایک فارسی کا دیوان اور مثنوی درۃ التاج اور رسالہ عروض چھپ چکی ہیں۔
منشی امیر مینائی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ اردو کے چھ دیوان تھے۔ مرثیے اور قصائد بھی بہت
سے لکھے ہیں۔ بڑے پرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ اپنے زمانہ کی روش کے موافق رعایت لفظی
کے اسیر اور اہل لکھنؤ میں اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ انکے جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے میں کسیکو
کلام نہیں۔ قابل حیرت پرگوئی کے ساتھ نہایت اچھا کہتے تھے۔ طبیعت کا زور ضخیم دیوانوں میں نہیں
سماتا جس سے ظاہر ہے کہ شبانہ روز اسی مشغلہ میں گزارتے ہونگے۔ اسیر موصوف شاعری کے
علاوہ دیگر علوم متعارفہ میں بھی کمال رکھتے تھے چنانچہ عروض میں یگانۂ عصر خیال کئے جاتے تھے

جوابِ نامہ نہ لکھنے سے یہ ہوا ثابت | ارادہ رکھتے ہیں شاید وہ آپ آنے کا
خون ان ہاتھوں سے کتنوں کا ہوا میرے بعد | رنگ لائی ترے ہاتھوں کی حنا میرے بعد

روز کے وعدوں میں مر جائیں گے ہم | یونہی گذری تو گذر جائیں گے ہم
خطِ غیر کا اس شوخ کو آیا میرے آگے | آیا میری تقدیر کا لکھا میرے آگے
قاصد وزنہ ہے ۔ نکتے خط و | ایسا ہو وہ جواب دیدے
بہتر نہیں کسی سے یہ ہر دم کی چھیڑ چھاڑ | کہتے نہ تھے اسیر وہ آخر بگڑ گئے

(اسیر) میر گلزار علی۔ خلف ولی محمد نظیر اکبرآبادی۔ خلیفہ کے لقب سے ملقب تھے۔ تاج گنج آگرے کے مدرسہ میں مدت تک مدرس رہے۔ اگرچہ اپنے والد کی ہمہ گیر اور پسندیدۂ عام طبیعت نہیں پائی تھی مگر انکے خلف کہلانے کے ضرور مستحق تھے۔ صاحب دیوان ہیں [illegible] میں پیدا ہوئے ۷۰ برس کی عمر پائی۔ دیوان کے سوا ایک مثنوی سوزِ عشق بھی انکی یادگار ہے۔ انکا کلام یہ ہے

مکتب سے اٹھے قیس ہی لیلی تب سے | انکو بھی سکھا دے تو بتا نہ کوئی ایسا
بزم میں سوز و گداز اپنے سے فرصت نہ ملی | شمع کو روتے نہ پروانے کو جلتے دیکھا
گلشن میں جو ہے آمد آمد بہار کی | بیتاب ہیں مرغانِ گرفتار قفس میں
ہم رہے گئے وہ ہڈیوں کے ڈھیر بعد میں | کر ان زمیں بھی نہ ہوئے سیر بعد میں
خط کبوتر کو دے کے انکو طرح کے ہیں خیال | خاطر ہر دوسہ پرواز کا دیوانہ ہوں
بے دل کے جلے سوز جگر میں نہیں ہوتا | خوشبو کے لئے آگ پہ رکھتے ہیں اگر کو
جھولی بھر دولت نے دنیا سے بھر لی | کوئی بھر لاکھ بھرا لے ولیکن دل کیا تم سے
بخت تو ظاہر ہے بزم کی بندش ہوئی | یہ دل میں دھن ہے کوئے صنم کی بندہی ہوئی

خدا کو یاد کرا و جام بھر کے لا ساقی | غم زدہ نہ فراموش ہو تو اچھا ہے
لڑو سے ہوئے نہیں ہی تیریں دینوں کے ہزار | انکو تلخی شکر آمیز خدا نے دی ہے
ہو تن سے جدا منزلِ مقصود کو پہنچے | بے منت پا منزلِ مقصود کو پہنچے

نشیمن طائرِ روح کا ہے تیغِ جاناں پر
ازل سے عشق ہے دل کو ترے روئے کتابی سے

خضر رہبر آبِ حیواں سے سکندر بے نصیب
اُنکو منظورِ نظر ہے اور کچھ ہوتا ہے کچھ

دلِ مجروح کو کیا دیکھنے آنے ہو بے پردہ
آئے وہ یاں کھوئے ہوئے بہرِ فاتحہ

کرتا ہے منع ہمکو تو واعظ شراب سے
کاٹ کر بے جرم سر میرا بتِ بتخانے کا

درباں بتاتے ہیں ہزاروں کو بے خبر
بے مانگے رزق دیتا ہے ہر روز وہ کریم

دو دن چشمِ یار نے یہ مست عالم کو کیا
دل میں اپنے ہے جگہ اس بتِ کافر کی اسیر

ضد سے جتنا ہے یہاں کافر و دیندار میں فرق
جلتے ہیں غم سے جان و دل و سینہ و جگر

زنجیرِ تعلق مرے پاؤں سے تو نکلے
آیا ہے ہمکو ہاتھ یہ مضموں چراغ سے

دے جنوں ہمکو جنوں کو دیں مبارکباد ہم
اپنی بربادی سے کرتے ہیں جہاں کو شاد ہم

ضربِ شمشیرِ قضا سے کوئی بچنے کا نہیں
تنگ ہیں قیدِ مکاں سے اب یہ [illegible]

جمعہ اگر نہیں تو دو شنبہ کو آئیے

ہزاروں بلبلیں بیٹھی ہیں دیوارِ گلستاں پر
اگر باور نہ ہو کہہ دوں میں رکھ کر ہاتھ قرآں پر

کامیابی دہر میں موقوف ہے تقدیر پر
ہنستی ہے تقدیر کیا کیا صاحبِ تدبیر پر

چھپا تو مہ وہ دیکھو چاندنی پڑتی ہے بسمل پر
نازل نئی بلا ہوئی اہلِ قبور پر

دیتا ہے آپ جان شرابِ طہور پر
رحم آتا ہے مجھے نادانیٔ جلاد پر

مُردوں کو جا کے کرتے ہیں زندے سلام دُور
کب تک تلاش ہو تو ہوتا کجا ہوں میں

ڈھونڈتے پھرتے ہیں زاہد ہی دوکانِ مغ میں
نالۂ دل ہے کہ ناقوسِ صنم خانۂ عشق

زاہد اتنا تو نہیں سبحہ و زنار میں فرق
ہجراں وہ آگ ہے کہ بجھاؤں کہاں تلک

ہے فاصلہ دو گام کا ہستی سے عدم تک
روشن اسی کا نام ہے جو جلائے دل

قید ہو کر سب بلاؤں سے ہوئے آزاد ہم
باغِ عالم میں ہیں شبنم صفت برباد ہم +

فائدہ کیا کیوں بنائیں قلعۂ فولاد ہم
جا بجا [illegible] کو کریں برباد ہم +

شنبہ گذشت ہے آج یکشنبہ نہ [illegible]

ایک اور امر قابلِ ذکر یہ ہے کہ آپ ہمیشہ دہلی اور لکھنؤ کے مباحثات فوقیتِ زبان سے محترز رہے اور اکثر موقعوں پر شعراے دہلی کے دلفریب اور پرتاثیر کلام کی داد دے کر آپ نے اپنی سلیم المذاقی بے تعصبی اور بلند نظری کا ثبوت دیا۔ لکھنؤ میں آپکے بیسیوں شاگرد تھے جن میں سے حضرت امیر مینائی مرحوم۔ منشی احمد علی شوق۔ میر افضل رسول خاں واسطی۔ اسد اور آپکے دونوں صاحبزادے جناب حکیم اور افضل درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ شعراے لکھنؤ میں وزیر۔ رند۔ صبا کے بعد آپ کا دم بہت غنیمت تھا۔ آخرکار ۸۰ برس کی عمر میں بمقام رامپور ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپکے دونوں صاحبزادے عمائدین لکھنؤ میں شمار ہوتے ہیں اور شعر و شاعری میں ہمارے مذاق کے۔ کلام کا انتخاب پیش کش ہے ؎

انتخابِ دیوانِ اول موسوم بہ گلستانِ سخن

شیشہ رہے بغل میں جامِ شراب لب پر
ساقی یہی مزا ہے دو دن کی زندگی کا

ہم دامِ غم سے چھوٹے مدت کے بعد مر کر
روتے ہیں کیوں احبا موقع ہے یہ خوشی کا

چھوٹتے ہیں اقربا جاتے ہیں ہم سوئے عدم
بیکسی کا وقت ہے چھایا ہے عالم یاس کا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سر و سامانی کا
ناخدا خود ہے خدا کشتیِ طوفانی کا

ضعف سے پیوند میں ہر جا زمیں کا ہو گیا
مثلِ نقشِ پا جہاں بیٹھا وہیں کا ہو گیا

امیروں کی سفارش ہو مبارک اہلِ دنیا کو
خدا سے سلسلہ ہے مجھ گدا نے بے توسل کا

باغباں اڑ کر کہاں گلشن سے جائے عندلیب
بوئے گل کی موج ہے زنجیرِ پائے عندلیب

ہو عیاں کچھ بھی جو تاثیرِ فغانِ عندلیب
باغباں پھولوں سے چھائے آشیانِ عندلیب

زاہدانِ خشک کے تقوے کا میں قائل نہیں
آشکارا رند پیتے ہیں تو یہ پنہاں شراب

ہجوِ شراب پیشۂ زاہد ہے ساقیا
یہ شپرہ ہے منکرِ تنویرِ آفتاب

کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست
مشکل کے وقت ایک ہے پروردگار دوست

کس سے کہوں تلوّنِ ابنائے روزگار
دشمن یہ لاکھ بار ہوئے لاکھ بار دوست

ربط ہے معشوق سے عاشق کو پیغام اجل ۔ جب پٹپٹاتا ہے جلا دیتا ہے شعلہ خار کو

زمانہ رنج دیتا ہے بقدر جان انساں کو ۔ گدا کو فکر ناں اندیشۂ عالم ہے سلطاں کو

نہ اٹھا اس رخ روشن سے پردہ ہو چکا محشر ۔ وہی شوق تماشا رہ گیا اہل تماشا کو

اب کیا کبھی ہوئی نہیں معشوق سے وفا ۔ غیروں نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ ٭

ایک کیا ایسے جو سو عالم خدا پیدا کرے ۔ غیر ممکن ہے کہ تجھ سا دوسرا پیدا کرے

صبر کی لذت اگر طبع گدا پیدا کرے ۔ خشک روٹی نان نعمت کا مزا پیدا کرے

نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی ۔ آنکھ کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی ٭

ساقیا کم ظرفیاں تیری پسند آتی نہیں ۔ ایک ساغر کیا کرے پی کر جو دریا نوش ہے

وہ کون ہیں جو دوست سے کرتے ہیں دشمنی ۔ تجھ کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے

خال ہمارے سامنے لایا ہے خوف سے ۔ ساقی کی طبع کتنی نزاکت پسند ہے

بوسے کے مانگنے سے خفا اس قدر نہ ہو ۔ ایک بات ہے کہ منہ سے ہمارے نکل گئی

قاتل کی تیغ تیز عجب کام کر گئی ۔ بن کر ہوا ہمارے گلے سے اتر گئی

جاں بخشی زمانہ ترے لب کا کام ہے ۔ یہ نائب مسیح علیہ السلام ہے

دل مائل زیارت بیت الحرام ہے ۔ اے ساکنان دیر ہمارا سلام ہے

مسجد کو کس کا قصد پئے قتل عام ہے ۔ پیچھے صفوں سے خوف کے مارے امام ہے

کس کام کی نماز ہو جس میں نہ تیری یاد ۔ سجدہ جو تیرے در کے سوا ہے حرام ہے

کاغذ تمام ۔ کلک تمام اور ہم تمام ۔ پر داستان شوق ابھی ناتمام ہے

زاہد تجھے ہے وقت عبادت بتاں کی فکر ۔ ایسی نماز کو تو ہمارا سلام ہے

ناقبول خلق تھا ایسا بنا کافر جو میں ٭ جتنے ہندو تھے مری ضد سے مسلماں ہو گئے

گلوں کی سیر کو گلشن میں ہم گئے تھے اسیر ۔ لپٹ لپٹ گئے کانٹے ہمارے داماں سے

کھینچ لایا ہے قفس تک ہمیں دانا پانی ٭ دیکھئے دانہ فلک بند کرے یا پانی ٭

اُسی کا ذکر ہے جلوہ اُسی کا نور کعبہ میں
نزاعیں اس قدر ہیں کس لئے گبر و مسلماں میں

ساقی اسی سے رکتے ہیں شمشیر غم کے وار
جام شراب سے کوئی بڑھکر سپر نہیں

خونِ ناحق کا ہمارے داغ مٹنے کا نہیں
تیغ میں ہوگا اگر قاتل کے داماں پر نہیں

کعبہ ہے ایک بتکدہ زاہد گلی گلی +
بت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں

اندیشہ مجھکو سختیِ ایام سے نہیں +
رزاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

بیان کرتی ہے مستی میں راز بادہ پرست
شراب شرع میں اسواسطے حلال نہیں

ٹھہرے آگے ترے یہ حوصلہ حور نہیں
حور کیا اُسکے فرشتے کا بھی مقدور نہیں

فارغ جہاں میں رنج سے اہلِ قلم نہیں
ہرگز بغیر زخم زبانِ قلم نہیں

غربت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کچھ احتیاج بارشِ ابرِ کرم نہیں

ہو رد کسی کا نہ ہو دنیا میں تجھکو رنج
رہزن بھی لوٹتے ہیں تو تنہا کو راہ میں

امیروں سے فقیروں میں زیادہ سوزِ الفت ہے
دوشالے میں کہاں وہ جسقدر گرمی ہے کمبل میں

ہو گیا وحشت سے ایسا سب رگوں کا خون خشک
ایک بھی دھبا لہو کا تیغ قاتل پر نہیں

معجز لب سے جلایا تمنے مردہ غیر کا
کیا ہماری لاش قابل ایک ٹھوکر کے نہیں

ہو اگر قاتل بھی سر پر ترکِ حق گوئی نہ کر
موت تیری جز خدا قبضے میں خنجر کے نہیں

بسر کی ابتدا و انتہائے عمر ماتم میں
محشر میں ہوئے پیدا قضا آئی محرم میں

زردار تم سا کوئی نہیں کائنات میں
دینار داغ ہمکو دئے ہیں زکات میں

حور ہر ایک خوبرو کو کیجیے رنگ و بو
باغ جناں ہے لکھنؤ جو ہے یہاں کہیں نہیں

خاک ہے سب بود ہند شاہ و گدا سے کم نہیں
طبل نہیں علم نہیں تاج نہیں نگیں نہیں

اُٹھ گئی ساری کچہری ہو چکا سب کا حساب
ڈھونڈتے ہی رہ گئے محشر میں ہم جلاد کو

اے طبیبو موت نے کھویا ہر اک آزار کو
کم نہیں دار الشفا سے گور مجھ بیمار کو

مدتوں کھائی ہیں ہمنے مسجدوں میں ٹھوکریں
ڈھونڈکر آخر نکالا خانۂ خمار کو

جو مال کے طالب ہیں کوئی ان سے یہ کہدے
آخر ہوئی قاروں کیلئے زر کی محبت

عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد
اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر

میخانۂ جہاں میں تھا بادۂ نشاط
بچائے تو یہ تیرے گنہگار توڑ کر

غریب خانے میں آئے تو سرفراز کیا
خوشا نصیب قدم آپکے مرے سر پر

پھر وہی ہو گئے قفس میں ترے نالے بلبل
چھاؤنی چار دن اس باغ میں چھالے بلبل

کیا قیامت ہیں تری او بتِ عیار آنکھیں
دونو عالم سے گیا جس سے ہوئیں چار آنکھیں

بری گناہ سے کیونکر جہاں میں ہو انساں
یہاں تو آکے فرشتے گناہ کرتے ہیں

خدا کا سجدہ جو رکھا ہے سنگ پر جائز
یہ اہلِ شرع بتوں سے بھی راہ کرتے ہیں

مفلس کو اس نے آکے مرقد بنا دیا
بیکار جسم رہ گئے جانیں نکل گئیں +

جب تک میں لوٹتا ہوں ہوش تمنا نہیں ترا
جب تک رہے زبان تری گفتگو کریں

بدگماں عاشقِ مضطر سے اگر ہو پسِ مرگ
لاکے بھاری سا لحد پر کوئی پتھر رکھ دو

بنایا پری نے دیوانہ ہمکو
وہ طالع تمہارے یہ قسمت ہماری

زیست کہتے ہیں جسے ہے خراب
موت کہتے ہیں جسے آرام ہے

تم سے ہم ہوں یہ غیر ممکن ہے
ہم سے ہو جاؤ تو خدا نہ کرے

دلکو پکڑے ہوئے ہم سامنے آئے سو بار
تمنے اتنا نہ کہا حال تمہارا کیا ہے

مسیحا کو دیکھا دوا ہو گئی
اشاروں میں مجکو شفا ہو گئی

انتخاب از دیوان سوم و چہارم

گرمی کا شکر چاہیئے ہے اشتیاق پر
سوتے میں اسنے منہ سے دوپٹہ الٹ دیا

خاکساری سے نہیں جتنے بنا غم منعمی
گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہو گیا

دے خدا نے جوش یک بات کی بس
گریہ بانٹ سکے زر صاحب خزانہ ہوا

عبرت کا ہے مقام زمانے کا انقلاب
چشمِ مردم سے یہاں چھپ کے جو کرتے ہیں گناہ
خاصیتِ سیماب ہے عاشق میں تمہارے
بجا ہے ترکِ عبادت کرے جو صاحبِ زر
پھنسایا مفت دل نے کر کے الفت بیوفاؤں سے
لالے کے پھول اُگتے ہیں فصلِ بہا میں
اہلِ ریا کا ظاہر و باطن کہاں ہے ایک
تخت کے نیچے ہیں پاؤں اُسکا آستانہ دور ہے
بے تاج مسند نشیں اہلِ ہنر در در خراب
نہ دوزخ کو سمجھتے ہیں نہ جنت کو ہمارے واعظ

تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی
جانتے کیا نہیں اتنا کہ خدا ناظر ہے
کشتہ ہو جب تک اسے آرام کہاں ہے
پڑھے نماز وہ کیا نشۂ شراب میں ہے
معاذ اللہ کچھ تو آدمی اچھا برا سمجھے
ہر سال زندہ ہوگا جو اُسکا شہید ہے
دل میں صنم بغل میں کلام مجید ہے
دن ہے کم منزل کڑی ہے اور جانا دور ہے
عقلِ انساں سے خدا کا کارخانہ دور ہے
فراقِ یار دوزخ ہے وصالِ یار جنت ہے

انتخاب دیوان دوم معروف بہ ریاض مصنف

کیا خوب ہو موت آئے جو سب سے مجھے پہلے
بے مشقت نہیں ہوتی کوئی راحت حاصل
چاہیے اور بھی او ترکِ کرم تھوڑا سا
لاغری نے مجھے ہستی سے کیا ہے معدوم

نازک ہے سب یہ دل داغِ عزیزاں نہ اٹھیگا
غرقِ دریا ہو جو غواص تو گوہر پایا
تیرے زخمی میں ہے باقی ابھی دم تھوڑا سا
اے اجل ڈھونڈتی پھرتی ہے کسے ہوش میں آ

حشر میں دشمنوں سے دوست ملے
داغِ دل اپنا چھپانے سے عیاں دونا ہوا
دل چاک چاک ابروئے خونخوار نے کیا
دستِ رنگیں سے خوں بہا میرا
دل جلا کر رخِ محبوب کا جلوہ دیکھا

رگِ انبوہ جشنِ عام ہوا
شمع خاموش جو کی ہم نے دھواں اور ہوا
کعبے کو کربلا تری تلوار نے کیا
یہی کافی ہے خوں بہا میرا
ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

اس لئے دامن سے میرے اشک پونچھے یار نے　　تا تمنا میں اسی لذت کی یہ رویا کرے

جسکو کہتا ہے جہاں آگے ندا کا نام ہے　　اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے

باقی ابھی ہے ترکِ تمنا کی آرزو　　کیوں کر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

اے تیغِ جفا کمی نہ کرنا　　سوگند تجھے مرے لہو کی

سارے علاج آگے اجل نے بُھلا دئے　　حکمت وہ کیا ہوئی کوئی پوچھے حکیم سے

کچھ تو الفت کی ترے کوچہ سے بو آتی ہے　　گرد اُٹھ کر مرے دامن سے لپٹ جاتی ہے

آگیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر　　ہوگئی ختم قیامت مرے اُٹھتے اُٹھتے

اسیر

(اسیر) مولوی علی احمد خاں - گو انکا اصلی وطن بریلی ہے مگر بدایوں میں رہتے ہیں - اور حضرت مذاق کے شاگردوں میں سے ہیں - کلام منتخب ہے ہ

دیکھ کر خنجر جھکایا خود سرِ خنجر نیاز　　رحم اس پر بھی نہ آیا قاتلِ خونخوار کو

ادائیں نہ کیوں چشم کی ہوں پسند　　اُٹھاتے ہیں سب ناز بیمار کے

یہ دو دن کا ہے رنگ بو باغباں　　نہ تو پھول سمجھو یہ گلزار کے

اسیر

(اسیر) منشی محمد سمیع اللہ اسیر باشندہ میرٹھ شاگرد مولانا احمد حسین شوکت دور موجودہ کے شعرا میں ہیں ہ

کیا تیرِ نگہ نے صید جاں کو　　کماں کش ہاتھ سے رکھدے کماں کو

تری طرزِ جفا تھی امتحاں ورنہ　　اُٹھاتا کون جورِ آسماں کو

مزا آتا ہے دردِ دل کو سنکر　　وہ کہتے ہیں کہو پھر داستاں کو

پھنسے دامِ بلا میں تم اسیر آہ　　نہ چھوڑیں گے وہ گیسو مرغِ جاں کو

اسیر

(اسیر) منشی سید سجاد میرزا مرحوم خلف الرشید فخر الشعرا مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر مدظلہ العالی - ایسے باکمال باپ کے فرزند ارجمند ہونے کے علاوہ خود ہر طرح ذی لیاقت اور صاحب ہنر تھے - علوم متعارفہ میں اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی - شعر گوئی کی طرف کم توجہی

تابِ نظارۂ معشوق کہاں عاشق کو
غش نے موسیٰ کو سرِ طور سنبھلنے نہ دیا

جو تھی خوب تھی کچھ فکر زمانے کی نہ تھی
ہوش جاتے رہے جس دن سے ہمیں ہوش ہوا

جو عاقل ہے اُٹھا دل سے تعلق دہرِ فانی کا
دم آیا یا نہ آیا کیا بھروسہ زندگانی کا

مستی میں ترنگ آگئی جب مست کو تیرے
زاہد کا عمامہ سرِ بازار اُتارا

بت کدہ کی میں سیر کر آیا
واں خدا ہی خدا نظر آیا

ہوا وہ بسمل کہ ہوں میں عاشق درد
دل بھر آیا جو زخم بھر آیا

طلبِ دل بے طلب ہو جائیگا
جب خدا چاہے گا سب ہو جائیگا

مارا مرے سر صبحِ شبِ وصل گزر کر
مرجھائے ہوئے پھولوں کا جب ہار اُتارا

نجات دنیا کے مخمصوں سے نہیں ہے کوئی دینے والا
دراز عمر حسامِ قاتل جو آسرا ہے تو اُس کے دم کا

پیری میں تیز رنگِ ریاضِ سخن ہوا
آئی خزاں تو اور شگفتہ چمن ہوا

جاتے ہی کہہ دوں گا میں مجرم ہوں تو رب کریم
سوچ رکھا ہے سوالِ روزِ محشر کا جواب

تھمنا انہیں منظور ہے پہلو سے ہمارے
حیلہ ہے کہ دیکھی نہیں جاتی تپشِ دل

کم ہو نہ ذرا بھی خدایا تپشِ دل
ایسا نہ ہو ہاتھ اپنا وہ سینے سے اُٹھا لیں

دھوم محشر میں ہوئی جب تری آمرزش کی
بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں

نظر آتا ہے ترا چہرۂ زیبا کس کو
حسن بے پردہ ہے پر تابِ تماشا کس کو

زیست ہے مرگ محبت میں مجھے مرگ ہے زیست
ملک الموت کہوں کسکو مسیحا کس کو

اب کہاں وہ لکھنؤ وہ ساکنانِ لکھنؤ
رہ گئی باقی زبان پر داستانِ لکھنؤ

ساغر ہمارے ہاتھ لبِ آب جو پیو
تنہا جو مے پیو تو ہمارا لہو پیو

کوئے قاتل کو جو چلتا ہوں تو سایہ ڈر کر
پوچھتا ہے لئے جاتے ہو کہاں تم مجھکو

پہلو میں وہ جسے ہے اجل سر پہ کھڑی ہے
کیا جان دمِ نزع کشاکش میں پڑی ہے

کچھ حالِ شبِ وصل و شبِ ہجر نہ پوچھو
جتنی کہ یہ چھوٹی ہے وہ اتنی ہی بڑی ہے

یہ وہ عالم فاضل بزرگ تھے جنھوں نے اپنی سمجھ اور قابلیت کا سکہ تمام علما کے دلوں پر جما دیا تھا چنانچہ انکے تفصیلی حالات اکثر کتابوں میں مندرج ہیں۔ شاہ صاحب کی ولادت آخر زمانہ اورنگ زیب ۱۱۱۴ھ میں واقع ہوئی شاہ آبرو اور خان آرزو کا زمانہ دیکھا۔ ۱۱۷۶ھ بعہد عالمگیر ثانی انتقال فرمایا۔ بیرون ترکمان دروازہ دہلی مہندیوں میں دفن ہوئے اب تک ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ - ۱۲۳۹) صاحب تحفہ اثنا عشریہ اسی نامور باپ کے بیٹے تھے۔ کبھی کبھی تفننا ریختہ میں شعر بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ چند شعر تبرکاً درج کئے جاتے ہیں ؎

خیال دل کو ہے اس کی سمت اشتیاق کا — نہیں خیال کہ ہے دعوے جاں رسائی کا
کہیں وہ کثرت عشاق سے گھمنڈ میں آ — ڈروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا
جہاں میں دل نہ لگانے کا لیوے پھر کوئی نام — بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی — غرور ہے جنھیں در کی ترے گدائی کا
جفائے یار سے مت اشتیاق پھیر کے منہ — خیال کچھ نہیں اور جبہ سائی کا
لڑکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اسکے چوٹ — ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ
بتاں جو جبر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ ان کا ڈر نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگی — نہیں مہندی یہ تری تلووں سے جو آگ لگی

اشرف

(**اشرف**) حافظ غلام اشرف نام تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ علم موسیقی میں کامل مہارت اور فن شعر میں عمدہ قابلیت رکھتے تھے۔ جنتر اور بین بجانے میں دستگاہ تمام اور خیال و دھرپد گانے میں قدرت والا کلام حاصل تھی۔ نواب محمد میر خان بن شاہ نظام الدین عرف شاہ جی جو ظاہر میں دنیا دار اور باطن میں فقیر تھے ہمیشہ انکی صحبت کو غنیمت جانتے تھے فن شعر میں قدرت اسعد خان **قاسم** کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا ۱۲۱۲ہجری تک زندہ تھے کلام نمونہ یہ ہے ؎

لیکن جب احباب کے اصرار سے کبھی خیال آجاتا تو براقی ذہن اور تیزیٔ فکر سے ایسے ایسے دلنشیں مضامین نکالتے اور اسطرح فی البدیہ اشعار کہتے کہ لوگ انہیں انکے عم نامدار سید زداؤ مرزا انور مرحوم کی زندہ مثال سمجھتے تھے۔ الغرض بڑے طباع اور ہونہار نوجوان تھے آپ ریاست جے پور میں تھانہ دار تھے۔ بوجہ تبدیلی مقام گھنڈیلہ میں متعین ہوئے وہاں پہونچتے ہی چند دشمنوں کی شرارت سے ایسا قضیۂ نامرضیہ پیش آیا جس نے آپ کو ۲۴ سال کے سن میں شربت شہادت پلاکر عزیزو اقارب خصوصاً انکے ضعیف العمر باپ حضرت ظہیر کو صدمۂ عظیم پہنچایا۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ سانحہ ہوشربا ۱۸۹۹ء میں واقع ہوا۔ کچھ کلام آپکے والد بزرگوار نے ارسال فرمایا وہ بطور یادگار درج تذکرہ کیا جاتا ہے چند متفرق غزلیں اور ایک مثنوی آپکی یادگار ہے ؎

گر نہ با تواں ہیں عدو کے آیئے ... آپ اور یوں بزم سے اٹھوائیے
کیا کبھی منت کش ساقی نہ تھے ... وقت میں یہ تو ذرا فرمائیے
گر نہیں ہے آہ عاشق میں اثر ... بیقراری کا سبب بتلائیے
بے تکلف لے چلیگا جذب شوق ... سختی منزل سے کیوں گھبرائیے
جان لیجے یہ عنایت کیجئے ... قتل کیجے یہ کرم فرمائیے
سن رہی ہیں لن ترانی طور کی ... جلوۂ حیرت ذرا دکھلائیے
ہے غماری سے وحشی عیاں ... آپ ہی دل میں ذرا شرمائیے
قتل کیجے زندگی ہاں موت سے ... کچھ مسیحائی بھی تو دکھلائیے
کہہ رہے ہیں منع ربط غیر پر ... اپنے دل کو بھی ذرا سمجھائیے
اپنی باتوں سے ہوا پامال ہے ... پس ان نادان کو کیا سمجھائیے

اشتیاق

(**اشتیاق**) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اصل وطن مرشد آباد ... دولت ثانی کی نسل سے تھے۔ دہلی کے قریب فیروز شاہ کے کوٹلے میں سکونت پذیر اور توکل پیشہ بزرگ تھے

پیری بلکہ مرتے دم تک قائم رہا۔ جس سے جس قسم کی ملاقات تھی اُس سے ہمیشہ وہی برتاؤ رہا۔ جس کام کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا اُسمیں کبھی فرق نہ آیا۔ اشرف نے تمام عمر شادی نہیں کی اور نہایت نیک نامی اور اتقا کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ نواب اصغر علیخاں صاحب نسیم دہلوی کے قدیم اور رشید شاگردوں میں تھے۔ ناسخ۔ آتش۔ خلیل۔ وزیر۔ صبا۔ رند۔ کی محفلوں میں شریک رہے مگر اپنے طرز کلام میں اساتذہ دہلی بالخصوص اپنے اُستاد کا تتبع کرتے رہے اور باوجود کششِ ہموطنی و تعلقات کے روزمرہ طرز لکھنؤ کے اثر کو غالب نہ آنے دیا۔ اچھے اچھے مضامین پاک اور لطیف زبان میں بڑے سلیقے سے ادا کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آپ کا کلام گو سارا ایک ہی رتبہ کا نہیں ہے لیکن اکثر مشاہیر کے کلام سے لگا کھاتا ہے۔ اپنے اُستاد مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے تھے کہ فدائی کا رتبہ حاصل تھا۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم کے گہرے دوستوں میں تھے ساٹھ برس تک ہم مشق و ہم صحبت رہے۔ الغرض اساتذہ قدیم کی ایک قابل قدر یادگار تھے۔ غزل کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا چنانچہ مطبع نولکشور یا دیگر کتب مطبوعہ لکھنؤ میں عموماً آپکی تاریخ ہوتی تھی۔ ان کے دو اُردو دیوان مکمل موجود ہیں۔ ۸۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۱۰ء میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا۔

جینا غمِ فراق نے دشوار کر دیا ۔۔۔ پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا

جوشِ کرم سے بڑھ گئی امیدِ مغفرت ۔۔۔ رحمت نے تیری مجھکو گنہگار کر دیا

اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج ۔۔۔ دامن سخن کا دامنِ گلزار کر دیا

فسونِ بے اثر سے خاک ہو تسکیں بلبل کی ۔۔۔ قفس پر دم کیا صیاد نے فقرہ گلستاں کا

اے فلک شیوہ نہ بدلے اُس ستم ایجاد کا ۔۔۔ ہے ہمارے دل میں جبتک حوصلہ فریاد کا

ایک جا ممکن نہیں نازک مزاجی سے قرار ۔۔۔ میں ہوں پردہ کفن نکہت برباد کا

نعشِ عاشق شامیانے کی نہیں محتاج ہے ۔۔۔ میری میت پہ ہے سایہ دامنِ فریاد کا

آسماں سے شکوۂ وابستگی بے کار ہے ۔۔۔ بڑھ گیا اُس سے تعلق خاطرِ آزاد کا

بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دستِ وحشت نے ۔۔۔ تبرک کی طرح گھر گھر بٹا ٹکڑا گریباں کا

غیب نے شان میں تجھے دیکھا | روز ہر آن میں تجھے دیکھا
تو نے تغییر تری ہی حافظ پر | اُسکی صورت کا بیاں ہو نہ سکا
حقیقت میں تجھکو جو ہم دیکھتے ہیں | تو ذات و صفت کو ہم دیکھتے ہیں
ایک تجلی نے تو روشن عالم کو دی | آگے اب اندھیر ہے جلوہ گری اور بھی
مطلب لامکاں سے نہ کچھ کائنات سے | مجکو تو مدعا ہے فقط تیری ذات سے

قطعہ

اُس نسن کے وہ رات میری زاری | بولا یاں کون رو رہا ہے
جو شام سے لے کے آج اب تک | سونے میں مرے خلل پڑا ہے
جلدی اب اسے اُٹھا دو یاں سے | یہ گھر ہے نہ کارواں سرا ہے

[illegible]

خویشاں دوستاں و عزیزاں و ہمنشیں | پرسش انہیں سے زندگی مستعار کی
میں نے کل اُس جناب ہو سے یہ کہا | آہ جب نے دو لڑائی ہو چکی
صاف میرے مُنہ پہ کہہ چھپا کر اب | دل سے نفرے ہوا آشنائی ہو چکی
اک روز محفل اُس کی میں چرچا ہیں یہ کیا | سب کی بنی رہی بنی نہ یاں اک ذرا بنی
سنتے ہی اُسکے کہنے لگا کیوں رے بے ادب | کیا کہ رہا ہے چپکے ہی چپکے بنا بنی
آہ کب جاویں جو ہم اُس کو اکیلا پاویں | رات دن رہتے ہیں اُن لوگوں سے دالان بھرے
کیوں نہ ہم گھر کو پھریں حسرت و ارماں بھرے | اُسکے دروازے پہ جب یوں رہیں دربان بھرے
ہم اسیروں کی خبر ہووے بھلا کیونکہ اُسے | ایک ہی سیر میں جسنے کئی زندان بھرے

اشرف

(اشرف) شیخ اشرف علی نام - خلف شیخ مظہر علی ساکن مصطفےٰ آباد عرف رسمنڈی جو مضافات لکھنو سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جناب اشرف کی عمر کا زیادہ حصہ بلکہ ساری عمر لکھنو میں گزری اگرچہ اِن کا دائرۂ علم زیادہ وسیع نہ تھا مگر ضروریات شعری کے لئے کافی تھا - نہایت اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے - کامل ۴۰ برس تک انکو منشی نولکشور کے مطبع سے تعلق رہا - نہایت خلیق اور باوضع آدمی تھے - کیا لباس و کیا طریق رہائش جملہ امور میں جیسا جوانی میں رنگ تھا ویسا ہی عہد

کس کام کے ہو نہ ہو محبت اگر نہیں — مانا سپہر حسن کے تم آفتاب ہو

کیا مریضِ رنجِ الفت کا کوئی چارہ نہیں — اے مسیحا دم ہے کیوں پرہیز مجھ رنجور سے

مرے سر کی قسم کھاتے ہو لوگوں کو حسد ہوگا — مرے گا رشک سے دشمن قسم سے سر نکلتا ہے

کیا چاہئے ہے عاشقِ ناشاد کیلئے — پیدا ہوا ہے سینہ نالہ و فریاد کے لئے

عالم ہے یار ہر جگہ ہیں مرے دوست چپ ہے — ہوں عندلیب گلشن ایجاد کے لئے

برگشتہ بخت وہ ہوں کہ پاؤں قضا — آئی نہیں قضا بھی مری امداد کے لئے

قاتل اٹھائیں خوب مزہ قتل لذتیں — ہوتے کو دے خنجر فولاد کے لئے

مضموں نیا زمیں نئی طرز بھی نیا — اشرف یہ ہے غزل مرے استاد کیلئے

(اشرف) عالیجناب نواب غضنفر جنگ تلمیذ نواب مرزا خاں داغ حیدرآباد کے عمائد میں ہیں موزوں طبع ہے اختصار سے کہیں کہیں شعر و سخن کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں یہ کلام کا خلاصہ ہے

کہتے نہ تھے ہم شکوہ بیداد گر نہ — سنتے نہ دل مضطر وہ ہے تجھ سے خفا و

سو تو نہیں پھر بھی تو کرتا ہوں تو میں — منت سے قرآں ہوا مجھ کو کیک بلا لو

کیا الٰہی مجھ سے بت کا فرکی الفی — کہتا ہے اسے کوئی تو ہوتا ہے خفا و

شوخی پانے حنائی یہ سے لگے دیتی ہے — روندھ کر لاشِ مقتول کو لیتا ہے

(اشک) حاجی مولوی ہادی علی اشک لکھنوی۔ خلف شیخ حسین علی لکھنوی شاگرد رشید فتح الدولہ برق لکھنوی۔ فارسی کے بھی شاعر تھے آپ اپنے اُستاد کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے غدر کے بعد مطبع محمدی میں بطور مصحح کام کرتے رہے۔ صنعت تاریخ گوئی میں بھی مہارت تھی آپ کا خط نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے منشی نولکشور کے مطبع میں انکے ہاتھ کا قرآن مجید چھپا تھا جو نہایت خوشخط اور صحیح مانا جاتا ہے۔ اکثر فارسی درسیہ کتابوں پر جو اس مطبع میں چھپیں حاشیہ اور شرح بھی آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ آپ کا اردو دیوان شایع ہوچکا ہے ۱۲۹۰ھ میں انتقال فرمایا

ہمد موں کشتہ ہوں جب تیغِ نگاہِ یار کا — غسل میت کے لئے پانی ملے تلوار کا

سر گوشیاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
پہلو کچھ اور آج تری گفتگو میں تھا

ہاتھ اُسکے ٹوٹیں توڑے ہیں جسنے ظروفِ مے
سرمایہ میری زیست کا ظرفِ سبو میں تھا

سنتے ہی میرا حال اُنہیں رحم آگیا
حرفِ فسوں کوئی سخنِ آرزو میں تھا

او بے وفا نہ حال شبِ انتظار پوچھ
مشتاقِ دید آنکھ تھی۔ دل جستجو میں تھا

سر شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغِ زیست جفائے عدو میں تھا

اشرف کرو جلائے وطن اختیار اب
جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنو میں تھا

کیوں نہ اشرف ہوا خواہِ نسیمِ دہلوی
ایک ہی شاعر نظر آیا ہمیں سودا کے بعد

ہوں گوارا نہ ستم جنکو وہ فریاد کریں
ہم فنا دوست ہیں کیوں شکوۂ بیداد کریں

مجھ تک آجائیں جو دعوئ مسیحائی ہے
کہہ دے کوئی کہ علاجِ دلِ ناشاد کریں

عمر گزری ہے قفس میں ہمیں کیا آئی بہار
کیوں رہائی کے لئے منتِ صیاد کریں

جواب تک بھی نہیں یارِ مہرباں منہ میں
یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زباں منہ میں

ادب سے شکوۂ قاتل زباں پہ لا نہ سکے
لبوں پہ زمزمۂ شکر الاماں منہ میں

رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں
کہے بجا ہے جو آئے مہرباں منہ میں

نہ نکلی حسرتِ دل۔ طولِ عرضِ مطلب سے
تمام رات رہا دامنِ بیاں منہ میں

کچھ ایسی آپ کو بھاتی ہے لذتِ انکار
نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں

بسانِ آسیا گردش سے بخت کو ہر دم
پہنچنے دے گا نہ دانہ بھی آسماں منہ میں

بعد مردن بھی نہ تاثیرِ سیہ بختی گئی
تیرگی ہے کس قیامت کی سوادِ گور میں

دل کھنچا جاتا ہے از خود دیکھ لطفِ ماہتاب
ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجابِ نور میں

دامنِ شب کو جلایا ہیں بے آہِ آتشیں
آگیا جوشِ حرارت صبح کے کافور میں

وقتِ فکرِ شعر رکھ اشرف ذرا اسکا خیال
آنہ جائے فرق طرزِ مومنِ مغفور میں

اتنا ستائیے نہ محبت عذاب ہو
بگڑے کسی سے آپ کے مجھ پر عتاب ہو

کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہوکر درجۂ اختصاص حاصل کیا۔ سالہا سال سفر و حضر میں اُنکے ساتھ رہے۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء ہجری میں جب حضرت داغ مرحوم کلکتے گئے تو یہ بھی ہمرکاب تھے اسکا اشارہ مثنوی فریاد داغ میں جناب داغ نے کیا ہے ؎

میرے ہمراہ میر قطب الدیں	اشک ریزاں بحالت غمگیں

حیدر آباد دکن میں بھی کچھ دنوں اُستاد کی خدمت میں رہے۔ اپنے استاد کے فیض صحبت کے اثر سے اِن کی شعرگوئی کا یہ عالم تھا کہ طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ادھر کسی نے فرمایش کی اُدھر غزل تیار۔ اب بوجہ تقاضاے سن و تردوات زمانہ شعروسخن کا شغل بہت ہی کم رہ گیا ہے اسوقت ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب ہے۔ نہایت پسندیدہ اطوار مرنجان ومرنج حاضر جواب لطیفہ سنج۔ طباع اور زندہ دل بزرگ ہیں۔ اشعار میں مضمون کی شوخی۔ زبان کی صفائی قابل داد ہے۔ حضرت داغ کے فیض صحبت نے آپکے کلام میں اپنا رنگ خوب چڑھا دیا ہے۔ اُستاد بھی آپ کی طبیعت اور کلام کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے اور تعریف کیا کرتے تھے ؎

تمھیں اور ہیں کون بہلانے والے	یہی آنے والے یہی جانے والے

حقیقت میں یہ مطلع کیا بلحاظ زبان کیا بحیثیت بندش کیا بخیال مضمون نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اگرچہ اس کہنہ مشق شاعر کے کلام کا سرمایہ دیوان سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر انکی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے کبھی اُسکے شایع کرنے کا موقع نہ آنے دیا ورنہ اردو نظم کے ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہوتا۔ آپکو حضرت داغ کے تلامذہ میں درجۂ امتیاز حاصل ہے انتخاب کلام یہ ہے ملاحظہ ہو ؎

دشنام ہی ملا ہے عوض بوسے کے ملے	ہو کچھ تو تاشتگے مجھے بدلا سوال کا
فرقت سے یہ کھلا کہ ہوا غیرتِ ہلال	شاید زمانہ وصل میرا نے کمال کا
گھر کر یہ گاہ نارکہ اضطرابِ دل	کیا پوچھتے ہو حال تم اس خستہ حال کا

پاؤں نے دامنِ صحرا کی اڑائیں دھجیاں — پرزے نالوں نے کیا دامن ہر اک کہسار کا

جیب و دامن نام کو باقی نہیں دستِ جنوں — اڑ گیا ہر تار میرے زخمِ دامن دار کا

ہجر کے صدمے سے کل جان نکل ہی جاتی — گر خیالِ لبِ جاں بخش نہ ہوتا دل میں

اشک آنکھوں میں کبھی آہ کبھی ہے لب پر — درد ہر وقت نئی طرح کا پایا دل میں

جنبشِ لب سے ترے کشتہ نے جب جان پائی — دم بخود رہ گئے شرما کے مسیحا دل میں

ذبح کیجئے نہ چھوڑے یوں بسمل مجھکو — ہے یہ برہمیٔ صیاد سے کھٹکا دل میں

چوم لیتے دہنِ زخم سے شمشیرِ دو دم — مرتے دم تک رہی قاتل یہ تمنا دل میں

اشک

اشک: - مولوی محمود رضا ابن مولوی احمد رضا رئیس بدایوں ۱۸۸۵ء سے عدالت بدایوں میں وکالت کرتے ہیں۔ تیز طبع اور ذہین آدمی ہیں۔ حضرت **مذاق** بدایونی مرحوم سے مشورہ سخن لیتے تھے۔ کلام حاضر ہے

لب سوفار کو خو ہے زبانِ تیغ کو جو ہے — تمنا ہے یہ ہینکی تقاضا ہے یہ گردن کا

جنوں سر پر بڑا احسان ہے عریانیٔ تن کا — نہ کاوش ہے گریباں کی نہ کچھ کھٹکا ہے داماں کا

وہ جو کہتا ہوں مزا نہوا — لطف کیا جب معاملہ نہوا

جانِ من تم رہو کلیجے میں — دل کا ہونا ہے کیا ہوا نہوا

ہنسے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب — محتسب ہوش کی لے تیری حقیقت کیا ہے

اشک

اشک: میر قطب الدین خلف سید علیم الدین عرف میاں مستا۔ ان کا خاندانی سلسلہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ چند پشت سے انکے بزرگ قصبہ جلیسر ضلع ایٹہ میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر جناب اشک کے والد ماجد نے دہلی کی بود و باش اختیار کر لی تھی چنانچہ میر اشک یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ابتدائے عمر میں لکھنؤ جا کر اپنے ماموں میر عباس سے اوائل مشق سخن میں اصلاح لی۔ پھر دہلی آکر خاقانی ہند ذوق کے ارشد تلامذہ اور ظہیر سلمہ اللہ تعالے کے بھائی امراؤ مرزا انور مرحوم سے **فیض سخن** پایا۔ ان کی وفات

غضب ہے اختصار عرض مطلب
اگر ہو حکم تو آگے بڑھوں میں

الٰہی غیر پر افشا نہو راز
تجھے ظاہر ہے جو کچھ ہوں سو ہوں میں

جگر میں تیر کو خنجر کو میرے دل میں رہنے دو
مسافر کو ملے آرام جس منزل میں رہنے دو

تھکائے ڈالتے ہو سخت جانوں کیوں سر مقتل
خدا کے واسطے کچھ بار دوش قاتل میں رہنے دو

بھرے جاتے ہو ناحق شوق و ارماں تم زبردستی
جگہ کچھ خدنگ کو بھی سینۂ بسمل میں رہنے دو

بنا ہے جاؤ اے ضبط فغاں و آہ روز غم
یہ طوفان دونوں آنکھوں میں یہ دریا دل میں رہنے دو

ملے گا وہ تو قسمت سے مگر ہے دل لگی دل کی
اسے ڈھونڈھا ہوا اس سعی بے حاصل میں رہنے دو

نکالو حسرت و امید و ارماں جتنے ہوں دل میں
فقط بغض و عداوت غیر کی اس دل میں رہنے دو

جو ادا گر کند ہو خنجر تو آؤ تا بہ زور تراں ہو
کچھ آسانی کی بھی صورت مری مشکل میں رہنے دو

عدو کو اور تجھکو عشق میں تم ایک گنتے ہو
مرے جاں فرق کچھ تو ناقص و کامل میں رہنے دو

جو خوں آلودہ پیکاں ہے نکالو میرے سینے سے
جو خوں آلودہ حسرت ہو وہ میرے دل میں رہنے دو

محیط عشق کے دیکھے سے میری جان جاتی ہے
مجھے تم آشنائے دامن ساحل میں رہنے دو

ہوا کھالیں کوئی دم اور بھی دنیا میں جنت کی
ہماری نعش دم بھر کوچۂ قاتل میں رہنے دو

دم عرض تمنا اُن کا کہنا ہے ہنس ہنس کر
قیامت تک اسے تم اشک اپنے دل میں رہنے دو

[illegible]

ساتھ اُن کے نکل کر مری حسرت نہیں جاتی
وہ جاتے ہیں پھر یہ کسی صورت نہیں جاتی

بیتاب نہ کر اے خلش خار محبت
کم بخت میری چھیڑ کی عادت نہیں جاتی

گھبراتے ہو کیوں بادہ کشی سے کہ جواں ہو
زاہد ابھی کچھ ہاتھ سے جنت نہیں جاتی

مانوس ہے وہ میرے سیہ خانہ سے ایسی
میں لاکھ نکالوں شب فرقت نہیں جاتی +

اُس کی محفل کی دیکھنا تہذیب
بات کا انتظام ہوتا ہے

دل کو نہ لگایا بت پرفن سے کسی نے
کچھ کی نہ وفا جان کے دشمن سے کسی نے

سینہ میں دل مردہ کو میں خاک پکاروں
آواز بھی دی ہے کہیں مدفن سے کسی نے

کچھ میرے دل میں دردِ محبت جو کم ہوا
دل نے وہیں دہائی دی یہ کیا ستم ہوا

روزِ فراق مجھ میں عدو میں یہ فرق ہے
جینا مجھے محال اُسے مرنا ستم ہوا

ہائے وہ مڑ مڑ کر اُنکا دیکھنا وقتِ وداع
اور میرا یاس و حسرت کی نظر سے دیکھنا

موت آئی اجل کو بھی شبِ ہجر
کوئی آتا نظر نہیں آتا

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُن کا
دو دغابازوں کے قبضے میں ہے جوبن اُن کا

خوفِ رنجش نہ کچھ اندیشۂ بیداد آیا
لکھ دیا خط میں اُنہیں وقت یہ جو یاد آیا

اے مؤذن وصل کی شب میں تو میں چپ ہو رہا
حشر تو دوں گا ترے اللہ اکبر کا جواب

سرد ہوتا ہے ہماری چشمِ تر سے آفتاب
کانپتا ہے آہِ سوزاں کے اثر سے آفتاب

سیکھتا کیا ہے مرے داغِ جگر سے آفتاب
کچھ حیا ہو تو نہ نکلے اپنے گھر سے آفتاب

کیا چھپے گر چھپ کے بیٹھے بھی کہیں وہ مہوش
ہو نمایاں رخنۂ دیوار و در سے آفتاب

تفتہ گانِ سوزِ الفت کوچۂ جاناں میں ہیں
دور بچ بچ کر چلے اُس رہگذر سے آفتاب

جس نے دیکھا شب کو وہ چہرہ یکایک یہ کہا
یا الٰہی یہ نکل آیا کہاں سے آفتاب

فیض تھا اُس روئے روشن کا کہ ہر ذرہ میں
شمع سے گل کیا جھڑے گویا کہ برسے آفتاب

ہاتھ میں ساغر لئے بیٹھا ہے وہ خورشید رو
کیا عجب ہے آسماں سے آج برسے آفتاب

گو قصیدے کی زمیں تھی اشک پر یہ بھی غزل
ہو گئی ہے داغ کے فیضِ نظر سے آفتاب

کہتے ہیں مجھے حضرت یہ جو تو مول لیں
دل ہے پسند دل کی نہیں آرزو پسند

خاکساری جو سکھلانے سے لگا دے مجھ کو
تو رہوں چین سے خاکِ درِ جاناں ہو کر

ادا کہتی ہے میں لوں ناز کہتا ہے کہ میں لوں
ابھی سودا نہیں دل کا خریداروں کی باتیں ہیں

وہ کریں مجھ سے ناز کی باتیں
ہیں یہ اُس بے نیاز کی باتیں

ملے وہ اس خوشی کو کیا کہوں میں
الٰہی او ابھی جیتا رہوں میں

سوا میرے نہ ملنا دوسرے سے
مجھے تم جانتے ہو ایک ہوں میں

چین سے واں رقیب رہتا ہے	آہ کچھ اپنی با اثر نہوئی
سب نے پائی مراد خاطر خواہ	اک دعا میری با اثر نہوئی
بولے وہ مسکرا کے وصل کی رات	آفت جاں ہوئی سحر نہوئی
خاکساری تو کی بہت اُس نے	آبرو اشک کی مگر نہوئی

اشک

(**اشک**) ابوالخیر شیخ ضیاء الدین احمد خلف حاجی محمد برہان الدین احمد باشندہ بلند شہر - آپ ۲۰ جون ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے - سولہ برس کی عمر سے شاعری کا شوق ہوا - حضرت داغ مرحوم سے استفادہ کیا - اب تحریر ل - اخلاقی مضامین کیطرف زیادہ توجہ ہے دیوان مرتب ہوگیا ہے ؎

آنکھیں اگر نہوتیں دنیا میں کچھ نہوتا	قرباں جائیں اُسکے جسنے بنائیں آنکھیں
دنیا کی لالٹینیں بجھ جائیں دم کے دم میں	روشن رہیں ہمیشہ ایسی لگائیں آنکھیں
شیشے کی جب بنائیں تب کی بھی بنائیں	انسان سے بنائی لیکن نہ آئیں آنکھیں
بگڑی کو کیا بنانا کمال کیا خدا تھا	جب روشنی نہ آئی تو کیا بنائیں آنکھیں
وہ بھی تو آدمی ہیں جو ہیں ہمیں نہیں ہے	تسخیر کر لیا دل جس سے ملائیں آنکھیں
قدرت کی صنعتوں کو دیکھو خدا کے بندو	اک جھونا اُسنے دود ہ دُنبہ پہ لگائیں آنکھیں
اے اشک کیا سبب ہے کیا بھید ہے بتا دے	جس وقت دل بھر آیا فور ابھر آئیں آنکھیں

اشک

(**اشک**) مولوی محمد صادق اشک شاگرد حضرت امیر مینائی - دور موجودہ کے شاعر ہیں - یہ ان کا کلام ہے ؎

اُن سے جب بیداد کا شکوہ کیا	بولے جا - جو کچھ کیا - اچھا کیا
کیوں خفا ہوتے ہو میں کہتا تو ہوں	تم نے جو وعدہ کیا پورا کیا
کھینچ کر نقشہ ترا نقاش دہر	خود بھی حیرت سے تجھے دیکھا کیا
مار ڈالیں گی ہمیں کچھ چھویں	قتل پردہ تو نے بھی ایک کیا

اشکی

(**اشکی**) مرزا غلام محی الدین عرف مرزا محسن خلف مرزا غلام حیدر نواسہ حضرت شاہ عالم -

بربادمری خاک کبھی یوں تو نہ ہوتی
نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
طرفداری رقیبوں سے مرے ہر بار کیسی ہے
ازل سے ہوتی آئی ہے ابد تک ہوتی جائیگی
پڑا شمشیرِ قاتل پر جو عکس ابروے قاتل کا
جو صورت ہمنے دیکھی ہے بتائیں کیا تمہیں ہمدم
لگا رکھا تھا کیا ہمنے اسی دن کے لئے تجکو
ہمارے خونِ دل میں ڈوب کر اُبھرا تو کیا اُبھرا
وہاں تک لے گیا مجکو اُن کو تو یہاں لایا
کھُلی تجکو جنابِ اشکؔ آصف جاہ کی شاہی

جھٹکا ہے مگر راہ میں دامن سے کسی نے
تجھے اے کافرِ ترسا فقط ترسانا آتا ہے
یہ جھوٹی جتنیں بے فائدہ تکرار کیسی ہے
یہ حسن و عشق کی تکرار بھی تکرار کیسی ہے
وہ خود حیراں ہوا تلوار میں تلوار کیسی ہے
بتائیں کیا تجلیٔ رخِ دلدار کیسی ہے
دغا یہ وقت پر اے بختِ ناہنجار کیسی ہے
نئی شوخی یہ تمسے ناوکِ دلدار کیسی ہے
بتا اے آسماں یہ گردشِ بیکار کیسی ہے
ہوا معلوم عالیجاہ یہ سرکار کیسی ہے

اشک
(**اشک**) منشی ضیاءالدین نبیرۂ مولوی کریم الدین مولف کریم اللغات وغیرہ باشندۂ پانی پت سنہ ۱۸۹۳ء میں ۲۲-۲۳ برس کی عمر میں بمقام لاہور انتقال کیا - بی - اے تک گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی تھی - طبیعت کی موزونی سے ایام طالب علمی ہی میں فکرِ سخن بھی کیا کرتے تھے یہ اُنکے اشعار ہیں ؎

غیر کا سکّہ دل پہ بیٹھ گیا
ہم ہیں زنداں میں اور گلشن میں

اُٹھ گیا میرا اعتبار افسوس
آگیا موسمِ بہار افسوس

بہار آئی چمن میں شاید کلی جو گُل کی چٹک رہی ہے
چھپا کے زلفوں میں اپنا چہرہ یہ دلربا جیسے ہنس کے بولا

زمینِ بستاں گلوں کی خوشبو کے جانفزا سے مہک رہی ہے
گھٹا یہ چھائی ہے کالی کالی اور اسمیں بجلی چمک رہی ہے

اشک
(**اشک**) مولوی سید علی عرف سید صاحب لکھنوی - مولوی سید اصطفےٰ خورشید لکھنوی مرحوم مالک گلدستۂ انتخاب کے شاگرد ہیں - اس سے زیادہ حال معلوم نہیں موزوں طبع شاعر ہیں - کلام یہ ہے ؎

ہے - اور اسمیں شوخی و رنگینی کی نسبت سادگی اور بے تکلفی زیادہ پائی جاتی ہے - عاشقانہ غزلیں آپ نے بہت کم کہی ہیں آپکا طرز انشا پردازی نہایت مرغوب و موثر ہے - آپکے مضامین نہایت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۱۲۹۸ھ میں آپنے دبیر الملک نامی اخبار بھوپال سے جاری کیا تھا - نواب سکندر بیگم کے عہد میں آپ اس ریاست کے متوسل ہوئے - اور نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں آپکے مدارج میں برابر ترقی ہوتی رہی عہدہ ہائے نائب مرافعہ و منشی گری وغیرہ پر مامور رہے الغرض ۲۲ سال وہاں نہایت اطمینان سے بسر کیے - ۱۳۰۲ھ میں بزمانہ وزارت سرآسماں جاہ آپ حیدرآباد تشریف لے گئے - قطعہ کے صلہ میں پانچسو روپیہ انعام پایا - پھر دوسری مرتبہ نواب وقار الامرا کے زمانہ میں جانے کا اتفاق ہوا - بوعدۂ ملازمت ۵۰۰ عنایت ہوئے مگر چند ہی روز بعد اُس وزارت کا خاتمہ ہوگیا - آپ مذاق قدیم و جدید دونو قسم کی نظم لکھنے پر قادر ہیں - آپکی تصانیف میں کتب ذیل قابل ذکر ہیں - حدیقۂ شاہجہانی - گلدستۂ سلطانی - ترانۂ معرفت - ایشیائی شاعری - گلدستۂ اُردو - وہیم خسروی لغات النواتین - مرقع تاجپوشی - حیات نور جہاں - تاریخ اُردو - آپکی طباعی اور ذہانت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا - باوجود ضعف طبیعت ہر وقت حاضر رہتی ہے ۱۹۰۳ء میں آپ لاہور میں دفتر پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے پھر وطن تشریف لے گئے - اکثر مشہور اخباروں اور رسالوں میں آپکے مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں - راقم تذکرہ کے ملاقاتی ہیں - ہم عاشقانہ مضامین کے وہ چند اشعار بھی جو قدیم کلام سے مولانا نے مرحمت کیے ہیں پیش کرتے ہیں - بھوپال کے متعلق ایک مسدس لکھا تھا اُسکے بھی چند بند زیب تذکرہ کیے جاتے ہیں - تاکہ ہمارے شایقین واعظانہ اور عاشقانہ دونو قسم کے کلام کی لذت سے فیضیاب ہوں -

منتخب از مسدس در توصیفِ بھوپال

وہ قصرِ معلّے وہ اُسکی سجاوٹ	بنت کی وہ کونجیں سُطلا جھمکھٹ

میر نظام الدین ممنون اور مفتی صدر الدین خان آزردہ کے شاگرد تھے - پسندیدہ اطوار اور خوش مذاق بزرگ تھے سنہ ہجری میں چالیس سال کی عمر تھی - غالباً غدر میں انتقال کیا آپکے کلام میں ایک خاص لطف ہوتا تھا ملاحظہ ہو

کب دل سے چھپے عشق تری زلفِ دوتا کا — دام ازلی وہ یہ گرفتار سدا کا
کیا پاس کسیکا ہے کہ مرتا ہوں ولیکن — شکوہ نہیں کرتا شبِ ہجراں کی جفا کا
قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اُس دم — جس وقت مرے سر پہ تقاضا ہے قضا کا
آئے تو نہ دشمن کے خطرے مرے گھر میں — اور مفت میں بدنام کیا نام حنا کا
سجدے میں گرے دیکھ کے تصویر بت اثکل — معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا
قبر میں بھی سوزِ غم تیرا لگا کرتے گئے — داغ ہر سینہ کا سینے میں چھپا کرتے گئے
صبر تھا طاقت تھی دل تھا کیا ہمارے پاس تھا — ہوش باقی تھا سو کل وہ بھی تم آ کر لے گئے
حشر کو کیجے گا کیا گو اب دمِ بسمل بیاں — دامن اپنا میرے خوں سے تم بچا کرلے گئے
گو رقیبوں سے حیا ہے پر ہمارا مدعا — وہ نگاہوں کا نگاہوں میں چرا کر لے گئے

(**اشہری**) آپ کا سید احمد علی نام اور مولانا اشہری کے لقب سے مشہور ہیں - آپ کے والد ماجد میر احمد علیخاں صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے آپ کا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے - آپکے مورث اعلیٰ جہانگیر کے وقت میں خطۂ ترمز واقع ایران سے وارد ہندوستان ہوئے - آپ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے - عربی فارسی کی تعلیم پرانے طریقہ پر پائی ہے - فی زمانہ مولانا صاحب علوم مشرقی کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں - مضمون آفرینی اور نکتہ سنجی کا مادّہ شروع سے آپکی طبیعت میں تھا چنانچہ آغاز شباب ہی میں اُسکا ظہور بصورت نظم و نثر مختلف مضامین کی صورت میں ہونے لگا رسالہ زمانہ اور تیرہویں صدی - آگرہ اخبار میں سید احمد خاں بہادر سے اکثر مناظرے رہے اور اُنمیں خوب خوب زورِ طبع دکھایا - آپکی نظم اکثر نصائح - اخلاق - اور علمی معلومات پر مبنی ہوتی

سنا فرہاد کو رکھ آئے سب گور غریباں میں
چلو پڑھ آئیں اشجد فاتحہ بیکس کے مدفن پر

کھنچا مرقع کونین آنکھ کے تل پر
مگر اُسی کی نہ صورت اُتر سکی دل پر

کہیں رقیبوں سے سوز مجھکو کہیں حسینوں سے ساز میں ہوں
ذرا سے چھیڑے سے بولتا ہوں میں اپنی دانست میں ہوں

نہ ہوں میں ظاہر نہ ہوں میں مظہر نہ شیخ ہوں میں نہ شباب میں ہوں
وہ دیکھیے محفل میں جب پلٹ کر تو جام انکی جناب میں ہوں

ہر اک کی خاطر ہوں دل میں جلتا ہے سب کی راحت سے کام مجھکو
کباب کا سامنا ہے مجھ میں سرور جام شراب میں ہوں

جفا کریں تو کریں پر وفا وہ کرتے ہیں +
جفا سے کوئی مرے ہم وفا سے مرتے ہیں

زبانی حال کچھ کہنا نہ میرا نامہ بر چلیے
مری جانب سے انکی پوچھ لینا تو خبر چلیے

وہی میں ہوں وہی تم ہو وہی ... وہی آئین
مگر پاتا نہیں جو تھی عنایت کی نظر چلیے

غزل برطرح مشاعرہ [illegible]

حسد اس طرح سے ہم آگے ہر گدا کے چلے
نشان بن کے ہے آگے بادشاہ کے چلے

نہ خود جلے نہ جلایا برنگ اخگر لعل
یہ روشنی ہی جدا تھی جسے دکھا کے چلے

تپ دروں میں رہے رہ نورد ظل اللہ
چلے جو دھوپ میں تو سایہ میں خدا کے چلے

نہ کچھ گناہ کیا اور نہ زہد کا دعوے
نہ جھک کے بوجھ سے بیٹھے نہ سر اُٹھا کے چلے

ہماری ہستی ہے دمساز راز وحدت کی
کوئی ستانے کو آیا تھا ہم جگا کے چلے

حرم میں دیر کو بھولے نہ اشہری دم بھر
بتوں کو چھیڑتے ہم سامنے خدا کے چلے

زلف آنکھوں پہ نہیں ساقی کی بل کھائی ہوئی
ہے گھٹا مستوں کے سر پر جو ہے چھائی ہوئی

جب کہا میں نے قسم تم بھی تو کھاؤ تو کہا
ہیں نہ جھوٹی کھائینگے اپنی قسم کھائی ہوئی

اشہری کہتے تھے ہم بھی کچھ مگر اب کیا کریں
وہ طبیعت ہی نہیں جو تھی کبھی آئی ہوئی

حمد

کلید گنج حکمت راز عرفان الٰہی ہے
گدا کو اسکے کوچے کے نوید بادشاہی ہے

ہر اک ذرہ کو اسکے رتبۂ خورشید جاہی ہے
جہاں میں اسکو شایاں منصب عالم پناہی ہے

یہ ہے منشور شاہی قل ہو اللہ احد اسکا

وہ پنچھین منقش وہ گھڑیوں کی کھٹ کھٹ　　وہ پردوں کا ہلنا وہ اُنکی سجاوٹ
وہ لندن کے باجے وہ گوگیں سُریلی　　وہ جرمن کی گھڑیاں روپہلی سُنہری
وہ تالاب پر ماہ زریوں کا جمگھٹ　　وہ توڑے وہ جوڑے وہ بجھیے وہ انوٹ
وہ ہندو مسلمانوں کا غول غٹ پٹ　　وہ پانی کی موجیں وہ نگین نگھٹ
وہ بالوں کی لہریں وہ اُنکی ادائیں　　کہ جسطرح پانی میں کالے گھٹائیں
وہ موجوں میں بالوں کا اُنکے بکھرنا　　وہ پانی میں غوطے لگا کر اُبھرنا
وہ جعدِ مسلسل میں کنگھی کا کرنا　　کسیکا بگڑنا کسیکا سنورنا
نکل کر وہ پانی سے صورت دکھانا　　سوا نیزے پر جیسے سورج کا آنا

رباعی

وا حسرتے بس جمع کا طلبگار ہوا　　جو سرِ عظیم تھا وہ اسرار ہوا
اک نور تھا اُسمیں جب ہوئی جمع صفت　　بڑھتے بڑھتے وہ نور انوار ہوا

ہندوستان

پشمینہ سوت ریشم مشہور تھے یہاں کا　　اب اُنکے بدلے باقی ہے تاجیاں ہمارا
کمخواب سے یہاں کی سونا تھا جو بِکتا　　سستا بکے کے لیئے سوداگراں ہمارا
کشمیر کے دوشالے دنیا میں فرد تھے　　تھا صنعتوں کا شائق پہلے جہاں ہمارا
تجھ اُن صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ　　ملتا کہیں کہیں ہے[۱] پچھلا نشاں ہمارا
ہے زعفراں ہماری پھولوں سے بڑھکے اچھا　　نفس بہار دیکھے رنگِ خزاں ہمارا
کیا چیز ہے جہاں کی پیدا نہیں جو یاں بھی　　دنیا کا ہے خلاصہ ہندوستاں ہمارا
دریا یہاں ہیں جتنے ہم خشک لب ہیں رہتے　　ریگ رواں ہے ہمکو آبِ رواں ہمارا
گر صنعتیں یہاں کی پھر زندہ ہوں تو دیکھو　　بن جائے پھر جہاں میں نیمجاں ہمارا
کشتہ ہوئے تو کیا ہے پھر تم جلا لو ہمکو　　مرنے سے بھی ہے آساں جینا یہاں ہمارا
اے اشہری جہانمیں ہم خاک ہو چکے ہیں　　اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

۱؎ دیکھو ایلورا۔ ایجنٹا اور الیفنٹا کے غار اور معابد

شاگرد خواجہ آتش لکھنوی و داماد ظہیر الدولہ نواب غلام منجھے خاں وزیر محمد علی شاہ بادشاہ لکھنو۔ صاحب سخن الشعرا کا بیان ہے کہ نواب موصوف الصدر بہادر شاہ کے وزیر تھے۔ جس کی صداقت حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے ایک قطعہ سے ہوتی ہے۔ عرصہ تک کلکتہ اور لکھنؤ میں مقیم رہے۔ اردو۔ فارسی دونوں زبانوں میں شعر اچھا کہتے تھے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔ مولوی عبدالغفور خاں نساخ انکے دوست نے "دو شنبہ ذیقعدہ ہے ہے" تاریخ انتقال کہی جس سے ۱۲۶۰ھ نکلتے ہیں۔ یہ انکا کلام ہے

پتا نہ کوچۂ گیسو میں ہے نہ پہلو میں	تم ہی بتاؤ مجھے پھر کہاں ہے دل میرا
وہ رند ہوں مجھے دست سبو سے بیعت ہے	مرید حضرت پیر مغاں ہے دل میرا
خدا کو مان نصیحت سے باز آ ناصح	ابھی تو نام خدا نوجواں ہے دل میرا
ہوئے ہیں خوں کے پیاسے جو آشنا میرے	ان ہی شفیقوں میں اک مہرباں ہے دل میرا
نہیں دیر و حرم سے کام ہم الفت کے بندے ہیں	وہی کعبہ ہے اپنا آرزو دل کی جہاں نکلے
جنوں انگیز پھر فصل بہار عاشقی آئی	دل سودا زدہ پھر رنگ لایا وائے رسوائی
یہ کس پردہ نشین نے جھانک کر شکل اپنی دکھلائی	بنی ہے روزن دیوار جو چشم تماشائی
نہ کھینچا ہاتھ ترک چشم نے قتل غریباں سے	ہزاروں بار کھانے کو پردے میں حیا آئی
دہان چشم نے کسکے کیا خاموش و نابینا	نہ غنچے میں ہے گویائی نہ نرگس میں ہے بینائی
سجا ہے اضطراب نزع وقت نزع اے اصغر	کیا ہے یاد حاکم نے بلانے کو قضا آئی

اصغر

(اصغر) میر اصغر علی اصغر لکھنوی۔ مقیم کلکتہ شاگرد گلشن الدولہ بہار مصاحب واجد علیشاہ مرحوم۔ شعر گوئی کا بہت شوق تھا۔ مٹیا برج کلکتہ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے کلام حاضر ہے

ستائی جسنے مے چشم گلگوں	کھڑا جھوما کیا سر شار تیرا
شرم آتی ہے کہ خالی ہاتھ کیا جاؤں وہاں	تحفۂ داغ محبت دل پہ اصغر لے چلا

چلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُس کا

زمانے سے سنا میں نے زمیں تیری زماں تیرا
فلک تیرے ملک تیرے بشر تیرے جہاں تیرا

سمٰوٰت تا سماء صانع کون و مکاں تیرا
سریر عرش تیرا فرش تیرا لامکاں تیرا

ابد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدایا سارے عالم میں احد تو ہے صمد تو ہے

رباعی

اللہ کا فضل ہے جو لکھوتا ہے
لاشے کو وہ شے سے بڑھکے دکھلاتا ہے
گو نقطہ ہوں آشہری مگر وقت رقم
جس بندسے سے ملوں وہ بڑھ جاتا ہے

رباعی

ہے آگ کو پانی میں بنایا ہمنے
پانی کو ہوا میں ہے چھپایا ہمنے
پانی میں ہوا ہوا میں پانی دیکھو
یہ معجزہ دنیا کو دکھایا ہمنے

اصغر

(**اصغر**) صاحبزادہ اصغر علیخاں ولد محمد عبداللہ خاں ظریف رئیس رامپور صاحبزادہ مذکور بصد حکیم مومن خاں دہلوی کے شاگرد رشید۔ عاشقانہ مضامین کے دلدادہ تھے غدر سے پیشتر کئی برس تک دہلی میں مقیم رہے سنہ ۱۲۰۳ ہجری میں ترتالیس برس کی عمر پاکر بمقام میرٹھ انتقال فرمایا اُنکے جنازہ کو دہلی لیجا کر عزیزوں نے درگاہ خواجہ باقی باللہ میں دفن کیا آپ کا منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
دشمن امیدوار ہے اُن کے عتاب کا

اس نازکی پہ اس سے تو ہر گز نہ ٹوٹتا
اصغر وفا کا عہد ہی ناپائدار تھا

وہ وہ دعائیں رشک میں کی ہیں کہ اے خدا
توبہ ہے گر قبول کا دروازہ باز ہو

وہ کہیں گے کہ ستم اُٹھ نہ سکا
بعد مردن یہ مصیبت ہوگی

کیوں نہ گھبرا کر اُٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
سچ ہے کب دیکھا کسیکو اُسنے مرجاتے ہوئے

درد و غم کے سوا بھی اے اصغر
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہے

اصغر

(**اصغر**) ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الامرا علی اصغر خاں بہادر ناصر جنگ تخلص مولوی علی اکبر

میں نہ کہتا تھا کہ باز آ سخت جاں کے قتل سے
سخت جانی کی بدولت کیا پشیمانی ہوئی

بے نقاب ایک نظر بھی جو وہ چہرا دیکھا
اُٹھ گئے آنکھوں سے پردے وہ تماشا دیکھا

جب کہا مرتے ہیں بولے یہ نئی بات نہیں
بارہا مر گئے تم ہم نے جنازہ دیکھا

صورت کو تیری دیکھ کے کہتا ہے آئینہ
میری نگاہ میں تو کوئی نازنیں نہیں

مرنے کو میرے سن کے کہا بدگمان نے
کوئی کہا کرے مجھے ہرگز یقیں نہیں

آئینۂ زانو سے نظر کیوں وہ اٹھائیں
تصویر ہے اِک پیش نظر دیکھ رہے ہیں

سُرمیلی آنکھ کہتی ہے عاشق پہ رحم ہو
اور ناز کہہ رہا ہے کہ کچھ بھی خبر نہ ہو

مثل موسے کے ہوں سب دیکھنے والے بیہوش
جلوہ اپنا جو سر بزم دکھائے کوئی

اس درجہ حیا عالم رویا میں بھی شب کو
آتے ہیں تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے

نفرت ہے یہ مجھ سے کہ وہ کہتے ہیں عدو سے
ذکر اسکا بدی سے بھی نہ آئے مرے آگے

ہائے ہنسنے جان دی جسکے لئے
سوگ میں بیٹھے نہ دو دن کے لئے

ہائے وہ روندیں ہماری خاک کو
خاک میں ہم مل گئے جن کے لئے

لے رہے ہیں بیساختہ انگڑائیاں
ساقیا لا جام مے ان کے لئے

کسی زلف کا دل میں آیا خیال
کہ شیشے میں کوئی پری آگئی +

کیوں نہ قرباں ہوں میں دل و جاں سے
جان پیاری نہیں ہے جاناں سے

ہاں کہے جا یہ حال اے قاصد
جان آتی ہے ذکر جاناں سے

حسن کے رعب نے تو ہائے ستم
بات کرنے ہی دی نہ جاناں سے

کیا ہی دلچسپ ہے عدم آباد
جو گیا پھر نہ وہ پھرا واں سے

پھینک کر خنجر مرے سینے سے قاتل اُٹھ گیا
سخت جانی کی بدولت کیا پشیمانی ہوئی

رازِ الفت دل سے بھی کہکر پشیمانی ہوئی
بات اپنے مُنہ سے نکلی اور بیگانی ہوئی

ان کو سکتا اسطرف آئینہ ششدر اُسطرف
ایک پیاری شکل پر دونو کو حیرانی ہوئی

برسوں اسے سینے سے لگائے ہوئے رکھا
کھینچا نہ کلیجے سے ترا تیر کسی وقت

بزم میں مجمع حسینوں کا ہے یوں قاتل کے پاس
جس طرح تاروں کا جھرمٹ ہو مہ کامل کے پاس

بے یار گر پیوں تو میں اپنا لہو پیوں
ساقی اُٹھا کے پھینک دے جام شراب کو

ہم بھی تو دیکھ لیں کہ پری ہو کہ حور ہو
للہ اپنے مُنہ سے اُلٹ دو نقاب کو

اصغر

(**اصغر**) حافظ شیخ محمد اصغر علی اصغر۔ ان کے والد کنڈا اودہ تحصیل قیصر گنج کے تعلقہ دار ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ۵

رگڑے اے حور ترے خنجر کے
گھونٹ ہیں مجھکو آب کوثر کے

سنگدل ہوں تو کیا عجب اُسکا
بُت بنے ہیں تمام پتھر کے

سنگ مرمر ہو قبر کا تعویذ
جاں دی ہے بتوں پہ مر مر کے

ناز سے جب چلے ہو چار قدم
فتنے برپا ہوئے ہیں محشر کے

اصغر

(**اصغر**) منشی اصغر علیخاں عرف تسکین شاہ گیسو دراز۔ ابن محمد اسمٰعیل خاں مرحوم افغانوں کی قوم وندال سے ہیں۔ انکے پردادا اخوان آزاد نور خاں۔ نواب فیض اللہ خاں مرحوم کے زمانے میں ملک سوات سے ریاست رامپور رُہیل کھنڈ میں آئے تھے۔ فن سخن میں امیر مینائی سے تلمذ ہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ تصوف کا شوق ہوا تو حضرت شاہ خلیل الرحمن چشتی ہانسوی کے مرید ہو کر اُن سے سند خلافت حاصل کی اور تسکین شاہ کا لقب پایا۔ اس لقب کے لحاظ سے کبھی کبھی اپنے کلام میں بجائے اصغر تسکین بھی لکھتے ہیں۔ رام پور ٹونک وغیرہ میں بہت لوگ آپ سے فیض یاب اور بیعت ہیں۔ جب سے اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا بامر مرشد تارک الدنیا ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ مجلس حال و قال اور سماع کے بہت شایق ہیں۔ اُردو۔ فارسی دونو زبانوں میں فکر سخن فرماتے ہیں۔ تبرکاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ۵

کیوں پشیماں ہو بلا سے خوں میرا ہو گیا
تم ہنسو بولو جی جو کچھ تھا ہونا ہو گیا

سیکھ لی نرگس نے حیرانی مری
لے گئی سنبل پریشانی مری

میری حیرانی سے خود حیران ہے وہ
کھینچتا تصویر کیا مانی مری

ہمسے وہ صبحِ شبِ وصل جدا ہوتا ہے
وقت سے پہلے ہی آج حشر بپا ہوتا ہے

ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں یہ باتیں اصغرؔ
کیا خبر ان کو کہ کیا عہدِ وفا ہوتا ہے

(اطہر) سید احمد علی نام۔ ۲۶-۲۸ برس کے نوجوان ہیں۔ کانپور میں رہتے ہیں۔ انعام مرحوم ملقب بہ محقق کانپوری کے شاگرد ہیں۔ شعر و سخن سے بے حد اُنس ہے۔ اور دوسرے شہروں کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔ کثرتِ شوق سے اپنے شہر میں ابھی سے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ شعر بھی خاصا کہتے ہیں۔ استعداد علمی بھی ہے الفاظ کی تلاش اچھی ہے۔ بہرحال اگر مشقِ سخن اسی طرح جاری رہے تو اچھا کہنے لگیں گے۔ انتخاب اشعار ملاحظہ ہو

کی اک نگاہ یاس جو مژگانِ یار پر
سو برچھیاں لگیں دلِ امیدوار پر

تیری ہوائے شوق میں پھر بھی نہ آئیگی
پہرا کرے ہزار اگر سو ہزار پر

کھڑا چنوا دیا در میں اُسے سازش کے شبہے میں
مرا سر جب کہ دیکھا اُس پری نے پائے درباں پر

دکھاؤں داغِ دل تو گالیاں دیں کیوں نہ وہ مجھکو
جری انعام پایا کرتے ہیں کارِ نمایاں پر

ملک سے ہیں کہیں اعلیٰ فلک پر گو نہیں رہتے
پری سے بڑھ کے ہیں رکھتے نہیں ہر چند انساں پر

آزاد ہوں نہ حلقۂ زلفِ دوتا سے ہم
محفوظ اس حصار میں ہیں ہر بلا سے ہم

ہیں کامران زبان و لبِ دلربا سے ہم
مُنہ مانگی پا رہے ہیں مرادیں خدا سے ہم

ہر بات پر خدا سے کہو کہتے تھے تو
روزِ جزا ہے اب کہو کہدیں خدا سے ہم

جھگڑا چکا دیا طلبِ بار بار کا
ساقی نے میرے زہر ملا کر شراب میں

اے صنم دل میں بھی لازم ہے برائی نہ رہے
تجھکو خالق نے عطا کی ہے جو صورت اچھی

(اطہر) منشی غلام مصطفےٰ خاں خلف منشی اعتبار خاں۔ جلگاؤں ضلع خاندیس کے رہنے والے

جان ہی دیدی بتوں پر تونے اصغر کیا کیا
سوچ تو مرد خدا یہ کیسی نادانی ہوئی

اصغر

(**اصغر**) منشی اصغر حسین اصغر مقیم گونڈہ - نوجوان نومشق شاعر ہیں - رسالہ فتنہ میں کچھ کلام نظر سے گزرا - چند اشعار منتخب ہوکر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

ابر اٹھا ہے ترشح ہے گھٹا چھائی ہے
ہجو مے کرتا ہے زاہد کوئی سودائی ہے

آپکے چاہنے والے تو مرے جاتے ہیں
اُسپہ پھر آپ کو دعوائے مسیحائی ہے

باغ ہے نہر ہے حوریں ہیں مے کوثر ہے
واعظو مان گئے کیا سخن آرائی ہے

عہد توڑے دل عشاق بھی توڑے اُسنے
اس نزاکت پہ بھی اس درجہ توانائی ہے

اصغر

(**اصغر**) کنور سید محمد اصغر علیخان - بنداول ضلع بلند شہر کے مشہور و نامور خاندان کے ایک رکن اور ایک موزوں طبع نوجوان سخنور ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

جو لڑکپن ہی میں سو حشر بپا کرتے ہیں
دیکھنا یہ ہے جواں ہوکے وہ کیا کرتے ہیں

کوئی بیخود نظر آتا ہے تو کوئی بدمست
جس طرف وہ نگہ ہوش رُبا کرتے ہیں

آپ اور قتل کریں غیر کو ممکن ہی نہیں
کرنیوالے بھی کہیں منہ سے کہا کرتے ہیں

چھوڑئیے ظلم و ستم دیکھئے میں مرتا ہوں
جان بلب پر کہیں بیداد کیا کرتے ہیں

آپ کیا کہتے ہیں دل مجھپہ تصدق کیجئے
دل تو کیا چیز ہے ہم جاں فدا کرتے ہیں

اصغر

(**اصغر**) منشی محمد فیاض احمد فاروقی باشندہ جھنجانہ ضلع مظفر نگر - حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں - انکے والد بھی شاعر ہیں اور اسحاق تخلص کرتے ہیں - کلام سے جو درج ذیل ہے آپکی خوش فکری ظاہر ہے ؎

قیامت میں دھرا کیا ہے قیامت کسکو کہتے ہیں
ترے کوچے میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا

وہ پارسا ہیں مرے میکدے میں اے زاہد
نکال دیتے ہیں اُسکو جو بے وضو آئے

وہ مست ہیں کہ جو مسجد میں آئے بہر نماز
تو اُسکے ہاتھوں میں ہم ساغر و سبو آئے

وہ کہتے ہیں کہ چلا آئے بزم میں اصغر
مگر نہ ساتھ کوئی لے کے آرزو آئے

اب دو تین سال سے بریلی میں سکونت پذیر ہیں انتخاب کلام یہ ہے ؎

سب کچھ مجھے منظور ہے اے حضرت واعظ ۔ ہاں ترک مگر عشق بتاں ہو نہیں سکتا

لگی ہے لو کسیکی اب تو ہر دم
ہچکیاں آکے مرنجائے عدو
آج وعدہ ہے کس سے ملنے کا
یہ رگ رگ کے جلنا دم ذبح کیسا

خیال تم ہو وسے اوپر سیاہ ہوں
یاد کیوں بار بار کرتے ہو
کس لئے یہ سنگار کرتے ہو
یہ اسے تیغ جلاد کیا ہو رہا ہے

اے شیخ میکدہ سے سواری بڑھائیے
زاہد شراب پی بھی لے آیا ہے گھر کے ابر
نام لکھ لکھ کے مٹانے سے میرا کیا حاصل

جھگڑے نکالئے نہ حرام و حلال کے
دریا میں جوشش زن کی ہے دو اچھال کے
میری تقدیر کے لکھے کو مٹانے کوئی

(اطہر) سید اعظم الدین رئیس و جاگیردار ریاست حیدرآباد دکن مولانا بیدل سے تلمذ ہے ؎

محبت میں ہوا برباد آخر ۔ مرا کہنا نہ کچھ تو نے سنا دل

آج کرم مجھ پہ ہے کل ہے کرم غیر پر
تو یہ میری دیکھئے بنتی ہے کس وقت تک
برے وقت کا کوئی کب آشنا ہے
قتل کرنے کو مرے تلوار کی حاجت نہیں

روز نیا انقلاب دیکھئے کب تک رہے
ترک شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے
زمانہ ادھر ہے جدھر کی ہوا ہے
تیغ سے کچھ کم نہیں ہے جو ادا تیری ہے

(اظفری) مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت اظفری گورگانی عرف مرزا کلاں ن مدراس اور کلکتہ میں بھی کچھ دنوں رہے تھے پھر دہلی واپس آگئے ۱۲۳۳ھ میں حیات تھے زوال سلطنت شاہ عالم ثانی سے اپنے وقت تک کے حالات واقعات اظفری نامی سوانح عمری میں درج کئے تھے صاحب دیوان ریختہ گزرے ہیں واقعات اظفری اور دیوان اظفری کے قلمی نسخے سر ہنری الیٹ مرحوم مورخ ہندوستان و سابق افسر ہند کے کتب خانہ میں تھے یا اب ولایت کے شاہی میوزیم میں موجود ہیں یہ انکا کلام ہے ؎

سنہ ۱۸۸۶ء سال ولادت ہے۔ اوائل شباب ہی میں فارسی کی درسیہ کتب ختم کرکے شاعری کی طرف توجہ کی کئی برس تک بطور خود کہتے رہے اور نعتیہ کلام رسالوں میں بھی شائع کراتے رہے - اب سنہ ۱۹۰۵ء سے مرزا سید محمد باقر صاحب حمید برادر حضرت نخشب مرحوم سے اصلاح لیتے ہیں - کثرت مشق کا یہ عالم ہے کہ چند ہی سال میں خاصہ ذخیرہ کلام فراہم کر لیا ہے مگر ابھی کلام میں پختگی نہیں آئی ہے سلام بھی اکثر کہتے ہیں - جو کلام ارسال کیا اُسکا یہ لب لباب ہے

اک پیالہ بادۂ گلفام کا
ساقیا دے دے خدا کے نام کا

پھنس کے مرغ دل نکل سکتا نہیں
حلقۂ گیسو ہے حلقہ دام کا

کھڑے ہیں طالب دیدار آکر
خدارا دیکھ لو پردہ اٹھا کر

دل بیتاب عاشق کو وہ آکر
تسلی دے گئے باتیں بنا کر

ہاتھ ملنا اُس بت کافر کا مسلسل ہے
تقدیر ہی میں جب نہ ہو پھر کیا کرے کوئی

جو سیر باغ کو وہ رشک آفتاب چلے
نسیم صبح وہیں تھام کر رکاب چلے

شراب پینے کو پیمانے کی طرف ساقی
بجا کے آنکھ زمانے کی شیخ و شاب چلے

قاتل نہیں ہے تہمت ناروا ہی ہے کس کا گلہ
باعث ہماری قتل کا تیری ادا ہوئی

شب وصل وہ ایسے روٹھے کہ بس
کٹی رات ساری منانے ہوئے

(اطہر) سید معشوق حسین - قصبہ بڑو ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں عربی فارسی میں خاصی استعداد رکھتے ہیں شعر کا مذاق سن طفولیت ہی سے تھا - چودہ پندرہ برس کی عمر میں طبع موزوں کی مدد سے شعر کہنے لگے - شوق طبع نوجوان ہیں - کئی سال تک جناب ناظر سے مشورہ لیتے رہے بعد میں جب خیال کی بلند پروازی بڑھی تو حضرت جلال کو اپنی استادی کے لئے انتخاب کیا - اور تھوڑے ہی عرصے کی مشق میں اچھی دستگاہ بہم پہونچالی - آپکے اشعار میں معاملہ بندی کا لطف خوب ہے - اور آپکی لہک کر پڑھنے کی طرز اس تاثیر کو دوبالا کردیتی ہے - کچھ دنوں بسلسلۂ معلمی آپ کو میرٹھ میں رہنے اور وہاں کی مجالس مشاعرہ میں حصہ لینے کا اتفاق ہوا ہے

پھر اسیر لکھنوی سے کی اخیر میں امیر مینائی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اب کہتے کہتے مشاقی ہو گئی ہے خط نستعلیق میں منشی کالکا پرشاد موجد سے اصلاح لی ہے۔ ۱۸۹۵ء میں ریاست بھوپال میں تعلق پیدا کیا۔ فارسی میں مولانا عباس رفعت کے شاگرد ہیں۔ ۱۲ برس بھوپال میں ملازمت کرکے گوالیار چلے آئے ۱۲ سال وہاں رہے اب چند سال سے بمقام بھوپال نواب یٰسین محمد خان کی سرکار میں ملازم ہیں۔ تاریخ عمدہ اور بہت جلد کہتے ہیں۔ خوشنویسی میں بھی ید طولےٰ حاصل ہے یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

کچھ ایسا رنگ پاں اگلا لب جاں بخش جاناں پر
ہزاروں حرف بدرنگی کھچے لعل بدخشاں پر

نگاہیں برسر کاوش ادائیں درپئے ایذا
جفائیں ہو رہی ہیں بے طرح جان یاراں پر

رواں ہے چشم گوہر سے لہو پر یہ تماشا ہے
ہنسی تلوار کو آتی ہے میرے زخم خنداں پر

بلا آئی وبال آئے غضب آئے اجل آئے
خدا نے پر نہ آنے دل کسی انساں کا انساں پر

لہو چھپکا نہیں پڑتا شہیدان محبت کا
کہ رنگ خون بلبل آج تک ہے گل کے داماں پر

ہوائے قتل ہے سر میں یونہی صورت اٹھی پھر لی تیغ
لگا لائی کہاں سے یار کی شمشیر براں پر

کیا ہے بیخودی نے نیک و بد سے بے خبر ایسا
کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جا جا کے دشمن سے

کہاں تھا اس بلا کا سم قاتل کالے ناگوں میں
اُڑا آیا ہے یہ بس اُڑتی ہوئی زلفوں کی ناگن سے

نظر بازی کا لپکا عمر بھر باقی رہا دل کو
بتوں کے عشق کا رکھتے تھے ہم چسکا لڑکپن سے

جگر مجروح ہے تیغ نگاہ ناز جاناں کا
مرے زخموں کے ٹانکے چاہئیں خار گل کے سوزن سے

اعجاز

(اعجاز) منشی الٰہی بخش اعجاز لکھنوی زمانہ حال کے شعرا میں ہیں مگر اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کو حضرت امیر کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم مرحوم سے تلمذ تھا۔ انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

حسن و الفت کا ازل سے ہے بہم سوز و گداز
شمع و پروانہ کو اک ساتھ ہی جلتے دیکھا

بتوں کے عشق میں فرصت مجھے ملی نہ ملی
میں کعبے بھیج دوں ایمان ارمغاں کیلئے

گئے دن ہیں کہ یار نے مجھ سے	ربط بار دگر کیا پیدا
شکر اللہ آہ نے میری	اظفری کچھ اثر کیا پیدا
تیرے حسن وصفا کو جو دیکھا	آرسی اس میں لاجواب ہوئی

اظہر

(**اظہر**) مولوی کرامت علی اظہر ولد شیخ امانت علی باشندۂ شیخ پور نواح فرخ آباد مقیم لکھنؤ شاگرد رشید شاہ نصیر دہلوی مرحوم - تاریخ گوئی میں بے نظیر تھے مرزا محتشم بخت کی تہنیت ولادت میں جو قصیدۂ فارسی لکھا تھا اُس میں عجیب عجیب صنعتیں رکھی تھیں یعنی ہر مصرع سے متعدد تاریخیں نکلتی تھیں - اُردو کا کلام حاضر ہے ؏

دکھا کے دستِ حنائی نہ خوں بہا دل کا	کہ اور رنگ سے لوں گا میں خوں بہا دل کا
بہار تجکو دکھائیں گے ہم بھی اے گلرو	کسی روش سے جو غنچہ کبھی کھلا دل کا
بہشت پہنچے ہے کب زاہد اُسکی وسعت کو	عجب روش کا ہے یہ باغ دل کشا دل کا
تاثیر حاضرات رکھے ہے چراغ دل	اپنا یہ از نگین سلیماں ہے داغ دل
اے حور آکے دیکھ گلِ داغ کی بہار	دلچسپ ہے یہ باغ ارم سے بھی باغ دل
تیری بلا سے مرے یا جیئے کوئی بیدرد	تو تجکو درد ہو جانے پرائے تو دل کی

اظہر

(**اظہر**) مولوی میر اظہر علی مودودی - سہسوان ضلع مراد آباد کے قدیم باشندے اور اب ایک عرصہ سے ریاست بڑودہ میں سکونت پذیر ہیں - فن سخن میں حضرت امیر مینائی سے فیض پایا ہے اُنکے والد میر مظہر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں - اب انکی عمر ۳۲ برس کی ہے یہ کلام ہے ؏

عشاق ہیں خم ابروئے خمدار کے آگے	رہتی ہیں جھکی گردنیں تلوار کے آگے
پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ	ہجو مئے ناب اظہر میخوار کے آگے

اعجاز

(**اعجاز**) شیخ منشی محمد عبد العزیز معروف بہ اعجاز فرزند ابن محمد صالح ساکن سہسوان ضلع بدایوں ان کا تاریخی نام آغا میر ہے جس سے ۱۲۵۵ھ نکلتے ہیں - ایام طفولیت میں اپنے والدین کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - فن سخن کی تحصیل اول مولوی الٰہی بخش ناظر سے اور

منتخب ہوکر درج کئے جاتے ہیں ؎

رنگ گل کا دہن سے غنچہ کا	آنکھ نرگس کی قد صنوبر کا
نزول ابر رحمت حشر تک ہو	الٰہی مرقد پیر مغاں پر
کشتۂ ناز کو ٹھوکر وہ لگائیں کیونکر	مارنا ہے جسے اُسکو وہ جلائیں کیونکر
لب جاں بخش کا اعجاز کو اعجاز دکھلادُو	جلادو اسکو تم کہکر جو تم رشک مسیحا ہو
پند ناصح طنز زاہد سے ابھی ہوتا ہے کیا	اچھی صورت پر تو لاکھوں میں طبیعت آگئی
داغ دل داغ جگر میں جو چمک ہوتی ہے	مہ و خورشید میں کب ایسی جھلک ہوتی ہے

اعجاز

(**اعجاز**) مرزا اعجاز حسین صاحب بی اے دہلوی - خلف ارشد مرزا سرفراز حسین صاحب آپکے بزرگوں کا وطن دہلی ہے مگر آپکے والد ماجد نے غدر میں وطن کو خیرباد کہا اور بسلسلۂ ملازمت پنجاب کے مختلف اضلاع میں سکونت گزیں رہے - دہلی کے نامور اساتذہ کے روشناس اور بعض معرکۃ الآرا مشاعروں میں شریک رہ چکے ہیں - مرزا صاحب کو مذاق سخن بطور ورثہ ان سے ملا ہے - آپنے ۱۹ برس کی عمر میں ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی - شروع ۱۸۹۹ء تک چیف کورٹ پنجاب میں مترجم رہے - سونٹن صاحب کی تاریخ عالم اور لیڈ صاحب کی سائیکولوجی کا اُردو میں ترجمہ کیا جس پر پنجاب یونیورسٹی سے انعام پایا - شروع ۱۸۹۹ء سے اب تک انبالہ میں وکالت کرتے ہیں - اوائل مشق سخن میں اپنے والد ماجد سے اصلاح لیتے رہے جب کچھ مشق بڑھی تو فخر الاساتذہ میر مہدی مجروح دہلوی سے فخر تلمذ حاصل کیا میر صاحب ممدوح آپ پر صد درجہ عنایت فرماتے تھے - راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں - طرز قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں - اور کامیاب بھی ہوتے ہیں - آپ کا کلام مخزن میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے انشا پردازی میں بھی آپ کو اچھی مہارت حاصل ہے - کلام کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے

اے زلیخا سوچ تو لینا تھا کچھ انجام کا	پھاڑنا تھا حضرت یوسف کا داماں دیکھکر

امید تجھسے ہے اے شرمِ معصیت مجھکو
بنادے رحمتِ پروردگار کے قابل

ہو محویت یہ عشق بتِ خوش جمال میں
باقی نہ امتیاز ہو ہجر و وصال میں

اپنا ہی یہ جگر ہے کہ دل تمکو دے دیا
پھر اُسپہ ضبط یہ کہ ستم کا گلہ نہیں

لہو کا میرے اخفا اور پھر روزِ قیامت ہو
جو تو نگرے تری تلوار انگشتِ شہادت ہو

ہم ایسی دل لگی سے باز آئے
کہ دم بھر ہنس کے رونا عمر بھر ہو

گریہ ہوس ہے وعدے کو ایفا کرے کوئی
عمرِ خضر کی پہلے تمنا کرے کوئی

دل میں سماگئی ہے ہمارے ادائے حسن
کچھ غم نہیں کہ آنکھ سے پردہ کرے کوئی

خوں گشتہ دل کا راز چھپایا بہت مگر
آنسو ٹپک پڑیں تو اسے کیا کرے کوئی

یہ چشم حق نگر کیا جانے کس جلوہ کی ہے خواہاں
میں بتخانہ میں ہوں لیکن خدا جانے کہاں دل ہے

اے جنوں آبلۂ پا کو بچالے کہ کبھی +
پیاس کانٹوں کی بجھے گی اسی پیمانے سے

جو فنا فی العشق ہے کیسی ہے اُسکو مرگ و زیست
زندگی پر کیوں خوشی ہو موت کا کیوں غم ہے

اعجاز

(اعجاز) منشی عبدالحئی خلف منشی محمد وارث ڈپٹی کلکٹر جبل پور ملک متوسط کے رئیسوں میں ہیں کلام سے شوخ طبع اور ذہین معلوم ہوتے ہیں۔ معاملہ گوئی کی طرف توجہ ہے۔ زبان اور تلاش بھی اچھی ہے۔ گلدستوں میں اکثر کلام شایع کراتے رہتے ہیں یہ آپکا طبع زاد کلام ہے

جو تیر ادا کا ترے بسمل نہیں ہوتا
کچھ لطف اُسے زیست کا حاصل نہیں ہوتا

کرو اعجاز دل اپنا تصدق
اشارہ ہے یہ چشم سرگیں کا

بوسہ کے دینے میں جو ہے انکار آپکو
دل بھی ہمارے پاس پھر اے نازنیں نہیں

جاتے ہوئے رقیب کے گھر وہ یہ کہہ گئے
بیٹھے رہو تم اپنا مقدر لئے ہوئے

واعظ تمکو مبارک ہو تمہاری جنت
بڑھ کے فردوس سے ہے کوچۂ دلدار مجھے

اعجاز

(اعجاز) منشی عبدالقادر اعجاز چشتی صابری باشندۂ بہرائچ شاگرد حسان الہند نواب رضوان علیخاں مراد آبادی۔ نعتیہ کلام کیطرف زیادہ رغبت ہے۔ غزلوں کے چند اشعار

ناز سے گورِ غریباں پہ ہے آنیوالا
وہ مزاروں پہ قیامت ہے اُٹھانیوالا

دیکھکر خنجرِ پُرآب ترا دل بولا
کہ یہی میری لگی کا ہے بجھانیوالا

جھک کے ساقی یہ دعا دیتا ہے پینے والے
یاالٰہی رہے آباد پلانے والا

دیکھے مٹی مجھے بولے کہ ملا خاک میں کے
دل کے پردے میں مرا راز چھپانیوالا

تونے دیکھی نہیں اے چرخ مری چاند سی شکل
وہ تری چاند کو ہے داغ لگانیوالا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمہاری قبا کے بند
اللہ رے جوشِ حسن تمہارے شباب کا

جانے گل تیوری چڑھا جاتے ہیں تربت پہ مری
آ نکلتے ہیں جو وہ گورِ غریباں کی طرف

ضعف سے ہے زنجیرِ پا وحشت میں چھالے پاؤں کے
دیکھتے ہیں یاس سے خارِ مغیلاں کی طرف

تھا سینکڑوں میں ایک مرا جاں نثار دل
ایسا کبھی نہ پاؤ گے لاکھ ہزار دل

کہتا ہوں اُنکے عارض و گیسو کو دیکھ کر
اس پر فدا ہو جان تو اُس پر نثار دل

ذکرِ جمالِ حور نکر ہم سے بار بار
رکھتے ہیں ہم بھی زاہدِ پرہیزگار دل

بڑی ہے لذتِ دولت سے فقر کی لذت
فقیر کب طمعِ مال و جاہ کرتے ہیں

ہمارے زخمِ دل کو سی رہے ہیں آپ ہنس ہنس کر
یہ مطلب ہے کہ اب باہر نہ دل سے کوئی حسرت ہو

تمنا ہے کہ وقتِ ذبح قاتل
تہِ پا سر تو سوے رُخ نظر ہو

جو تم سینے پہ رکھدو پیار سے ہاتھ
تو پھر اے جاں کیوں دردِ جگر ہو

لئے وے آئے منی آ رہے ہو کے مدفن سے
پڑی ہے گرد کیسی جھاڑ ڈالو اپنے دامن سے

کچھ ایسی بیکسی چھائی تھی لیکر پھول جب آیا
تو رویا ہے لپٹکر کوئی پہروں میرے مدفن سے

چمن میں یہ اثر ہے جوشِ الفت کا ہمارا تک
جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے

چشمانِ مستِ یار وہ کیفی بلا کے ہیں
ذی ہوش اُنکے دور میں بیہوش ہو گئے

مسجد میں جا کے بگڑے اعزاز پارسا
پہنچے جو میکدے میں تو مے نوش ہو گئے

اچھا نہ میرے سامنے آیا کرے کوئی
چشمِ خیال سے بھی تو پردہ کرے کوئی

لکھنؤ اور لکھنؤ والوں کی ساری خوبیاں
ہو سخن کو ناز جتنا اپنی خوبی پر بجا

عشق نے حسن کا پھیلایا یہ جال اچھا ہے
ناز و انداز و ادا حسن کے سب چیلے ہیں

راحتِ یاس تو ملتی ہی اگر وصل نہیں
دردِ نہاں انہیں کس طرح دکھاوے اعجاز

اپنا دکھڑا ہر جگہ ہر جا نہ رونا چاہیے

شش جہت میں سیکڑوں جلوے کھڑے ہیں منتظر
جیسے وہ آئینگے سب ظاہر ہے پردے انتظار

جلوۂ دیدار لطفِ ہم کلامی ذوقِ وصل
پھر چلے اُس بزم میں اے حضرتِ دل خیر ہے

کچھ ہنسی ٹھٹھا نہیں اعجاز یہ تو عشق ہے
انساں کے قول و فعل میں اس درجے اختلاف

متاعِ کوششِ بے مدعا کی کیا خبر تجھ کو
یہ اپنی اپنی ہمت ہے تعرض کیا خصوصیت کیوں

ترے خاکی نہ کیوں برباد ہو جاں کے نکلنے سے
مرے دل سے کوئی پوچھے کوئی میرا جگر دیکھے

آگئیں یاد رہیں حامد علیخاں[۱] دیکھکر
وہ سخن فہم و سخن سنج و سخنداں دیکھکر

دل پھنسا لینے میں ظالم کو کمال اچھا ہے
اُس کی ہر آن بھلی جسکا جمال اچھا ہے

عشق کو کہتے بُرا کیوں جو مآل اچھا ہے
مُنہ سے کہتے ہی بنتی ہے کہ حال اچھا ہے

حالِ دل کہنے کو اے ناداں سلیقہ چاہیے
ہاں در آئینۂ دل ہر طرف روا چاہیے

کچھ نہ کچھ تو اپنے جینے کا سہارا چاہیے
اس دلِ بے صبر ظالم کو بھی کیا کیا چاہیے

شرحِ رمزِ خلد آدم کیا دوبارہ چاہیے
اس کو دل لوہے کا پتھر کا کلیجہ چاہیے

منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے

تری حدِ نظر اے بوالہوس سود و زیاں تک ہے
کسیکی دوڑ مسجد تک کسی کی کوے بتاں تک ہے

سرا کی ساری آبادی قیام کارواں تک ہے
خلش اس کم نگاہی کی کہاں تک ہے کہاں تک ہے

اعزاز

(اعزاز) ٹھاکر امیر بخش سنگھ صاحب تعلقہ دار سیما پہری ضلع سیتاپور اودھ ۔ معاملہ خوب باندھتے ہیں ۔ زبان صاف ستھری اور بندش اچھی ہے غالباً حضرت وسیم سے مشورہ سخن کرتے ہیں ۔ سن شریف چالیس برس کے قریب ہے ۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو

۱ مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ رئیس امروہہ ۔ راقم تذکرہ کے دل عنایت فرما اور بڑے قابل نکتہ سنج سخن فہم ہیں

زندگی بھر نہ یم دیدۂ گریاں ٹھیرا
کشتیِ عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھیرا

زخم کاری لگا تو چوم لیا
قبضہ خنجر کا ہاتھ قاتل کا

کوئی کر سکا دل نہ اپنا لہو
مرا ساتھ برگِ حنا نے دیا

تھا مقدر میں یہ کہ قاتل کا
ہم بگڑتے تو بانکپن بنتا

خنجر کا نہ بسمل ہوں نہ شمشیرِ جفا کا
انداز کا مقتول ہوں کشتہ ہوں ادا کا

ساقی نے دیا جام مئے بے خبری کا
اب ہوش ہے شیشہ کا نہ شیشہ کی پری کا

ہر ظلم رسیدہ ہے ترے جور سے راضی
شکوہ نہیں کرتا کوئی بیدادگری کا

خیالِ جاناں میں جان دینا کمال جس نے کیا ہے جینا
انھیں سے رغبت انھیں سے الفت نہیں ہے مرنا انھیں سے جینا

تمہاری صورت کے دیکھنے سے ہماری ہوتی ہے زندگانی
ہمارا لکھا ہوا ہے گویا تمہاری لوحِ جبیں میں جینا

بغیر اُن کے جو خضر اگر آئے زلالِ حیات دینے
کبھی گوارا نہیں یہ کرتا فراقِ محمل نشیں میں جینا

نصیب ہے یہ ہلاک کرنیکو کہہ رہے ہیں مدام تہمت
ہماری پوچھو تو ہے تمہاری ہاں میں مرنا نہیں میں جینا

گدا کی مرگ و حیات ہے دوری میں دنیا کے و [illegible]
نہ فکر طبل و علم میں مرنا نہ شوقِ تاج و نگیں میں جینا

برق کیوں چمکی سبب کیا سیل کی بنیاد کا
گھر بنا بھی تو نہیں مجھ خانماں برباد کا

بوالہوس وہ ہیں جنھیں ہے حوصلہ فریاد کا
ہم تو شکوہ بھی نہیں لاتے تری بیداد کا

لیلیٰ کو کھولنے دو ذرا گیسوے دراز
مجنوں کے بند بند میں زنجیر دیکھنا

آنکھوں کی آرزو ہے ذرا کیجئے نگاہ
یہ چاہتی ہیں آپ کی تصویر دیکھنا

کس طرح اپنے یگانوں کو یگانہ سمجھوں
کام اپنے کے نہ آوے تو وہ کیسا اپنا

اُس کو بھی کیا آپ کی رفتار نے پامال
ٹھوکر سے بھی ہنگامۂ محشر نہیں اُٹھتا

کس قدر تاثیر تھی میری زبانِ عجز میں
یاں دعا کی واں درِ عرشِ معلّا کھل گیا

جس نے تقدیر سے دیکھا رخِ زیبا تیرا
زندگی بھر وہ رہا محوِ تماشا تیرا

فارغ البال کیا بے سر و سامانی نے
مال دنیا نہ رہا چور کا کھٹکا نہ رہا

عشاق کو نہ جلوہ دکھائے مزہ ہو جب	محشر کے دن بھی وعدۂ فردا کرے کوئی
کوئی ادا سے تیر لگا کر چلا گیا	لوٹا کرے کہ خاک پہ تڑپا کرے کوئی
ملو کسی کے دیدہ و دل خون سے نہیں	لبریز مے سے ساغر و مینا کرے کوئی
رہا دل گیسوئے جاناں میں جا کے	پھنسا خود ہمکو آفت میں پھنسا کے
کسی گل کے ہیں یہ داغ محبت	نہ کیوں رکھوں انہیں دل سے لگا کے
بوسہ دے کر غیر کو مجھ سے کہا	آپ کہئے آپ کو کیا چاہئے
دل کی قیمت ایک بوسہ ہے گراں	اور کیا اس سے بھی سستا چاہئے

اعظم

(**اعظم**) اعظم خاں نام۔ دہلی کے رہنے والے اور حضرت شاہ نصیر کے شاگردوں میں تھے۔ کچھ دنوں مشق کر کے طبیعت اس فن سے اچٹ گئی اور کسب علوم کیطرف متوجہ ہوئے۔ عرصہ ہوا انتقال کیا ہے

اسی مضمون سے معلوم اُسکی سرد مہری ہے	جو اسنے مجھ کو نامہ کاغذ کشمیر پر لکھا
سوز دل از بس طبیعت سے نہاں۔ رکھتے ہیں ہم	شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم
کیا یہ عکس دام کم ہے جوشن فولاد سے	ہے اسیری میں لڑائی صید کو صیاد سے

اعظم

(**اعظم**) شیخ اعظم حسین اعظم۔ آتش و ناسخ کے ہمعصر تھے زیادہ حال معلوم نہیں ہے

جب کہا میں نے کہ مرتا ہوں میں تو	کہئے کب وصل کی ٹھہرائیے گا
ہنس کے بولے کہ ندامت آ جائے	کیا کہا پھر ذرا فرمائیے گا

اعظم

(**اعظم**) منشی مرزا اعظم علی اعظم بن محمد رضا مرحوم باشندۂ الہ آباد خواجہ آتش سے تلمذ تھا عدالت آگرہ میں عرصہ تک ملازم رہے بعد پنشن یاب ہو کر الہ آباد اپنے قدیم وطن میں خانہ نشین ہو گئے۔ مشاق و باکمال شاعر تھے طبیعت مضمون خیز و جدت پسند تھی۔ صاحب دیوان گذرے ہیں سنہ ۱۲۷۱ھ میں انکا دیوان آگرہ کے مطبع میں چھپا تھا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئے تھے عرصہ ہوا انتقال کیا۔ انتخاب کلام درج تذکرہ کیا جاتا ہے

حوصلہ دنیا کا زر کے ساتھ ہے — طاقت پرواز پر کے ساتھ ہے

اچھی ہے وہ دولت جو تری راہ میں اُٹھے — وہ پاک کمائی ہے جو اس راہ میں اُٹھے

واں جھڑکیاں ہیں قاصدِ ناکام کے لئے — یاں نقدِ جاں ہے ہاتھ میں انعام کے لئے

غرض ہندوں کی الفت کا عبث تم کو بھروسہ ہے — وہ کیونکر آشنا ٹھہرے جو مطلب آشنا ٹھہرے

(**اعظم**) مولوی عبدالصمد عرف محبوب جان۔ برادر خورد مولوی وجیہ اللہ خاں بہادر متخلص بہ داغ و خلف مولوی محمد وجیہہ مدرس اول مدرسہ کلکتہ۔ کلکتہ کے رہنے والے اور حضرت نساخ صاحب تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد تھے سنہ ۱۸۶۱ء میں زندہ و سلامت موجود تھے۔ یہ اِن کا کلام ہے ؎

بانیٔ ارض و فلک تک تجھ پہ شیدا ہو گیا — جس نے دیکھا تجھ کو وہ محوِ تماشا ہو گیا

شکوہ کس کس کی عداوت کا اے اعظم کروں — ایک عالم اُس جہاں آرا کا شیدا ہو گیا

لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ — دل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھ کر آئینہ

روئے آتش رنگ کی دیکھے جھلک گر آئینہ — صورتِ سیماب ہو بیتاب و مضطر آئینہ

ہے دلِ نالاں کو میرے عشق روئے صاف سے — کھل گئی قلعی فدا ہے آئینہ پر آئینہ

(**افروز**) مولوی عبدالرزاق عظیم آبادی۔ آپ کو غالباً خان بہادر مولانا علی محمد صاحب شاد سے تلمذ حاصل ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام حاضر ہیں ؎

سرمۂ دیدۂ مقصود نہیں گے سٹ گر — کیا کریں خاک جو ہونگی ہوس ہم نہ کریں

عالم افروز جہاں جلوے ہیں اُسکے افروز — دیدۂ دل کا کہیں او بھی عالم نہ کریں

لوحِ تربت یہ کہ عبرت کا اک آئینہ ہے — دیکھ کر صورت کے آثار جھلک جاتے ہیں

چشمِ میگوں ہے تری ہوش ربائے ساقی — مست کیا دیکھ کے ہشیار بہک جاتے ہیں

نکالیں تمنا کریں ظلم آئیں — کہاں ہیں کدھر ہیں جفا کرنے والے

شوخیٔ چشمِ یار کیا کہنا — نہ رہی کچھ جگہ حیا کے لیے

آپ کے خنجرِ مژگاں کا اشارہ گر ہو
سرِ جان باز ہتھیلی پہ دھرا آئے نظر

ہمیں کو اُن کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں
دگرنہ واں کوئی پردا نہیں حجاب نہیں

کوئی محمل میں نہیں ہے پسِ پردہ ہم ہیں
برملا قیس کو دعویٰ ہے کہ لیلیٰ ہم ہیں

اس لیے چپ ہیں کہ کوئی نہیں سننے والا
ورنہ کہنے کو سراپا لبِ گویا ہم ہیں

سہاگ لاتے ہیں نئے رنگ بدلتے ہیں نئے
یہ طلسمی ہے جہاں اس میں تماشا ہم ہیں

خوشی دیکھتے ہیں محن دیکھتے ہیں
تماشائے چرخِ کہن دیکھتے ہیں

اُن کی ہمیں اٹھکھیلیوں کی چال نے مارا
دھرتے ہیں کدھر پاؤں کدھر دیکھ رہے ہیں

لڑکپن میں تھا کچھ امتیازِ ذائقہ ورنہ
حلاوت نعمت دنیا کی ملتی شیرِ مادر میں

واہ رے رزاقیِ رزاق وشانِ پرورش
طفل پیدا ہوا تو پیدا شیرِ مادر ساتھ ہو

عیش وراحت کا بھی اسباب مہیا ہوگا
سر کو بارِ غمِ ایام تو ٹل جانے دو

روک لیوے گا اُسے روکنے والا پیچھے
ناوکِ غمزۂ خوں ریز بھی چل جانے دو

خیر جانے کو جو کہتے ہو تو جاؤ لیکن
آرزوئے دلِ بیتاب نکل جانے دو

کعبہ کو نہ چھوڑیں گے نہ ہم دیر کے در کو
اک روز ادھر جائیں گے اک روز اُدھر کو

کیا اُن کا بھروسہ اُنہیں جانباز نہ کہیے
جو آپ کی نظروں سے بچاتے ہیں جگر کو

سُن لیجیو کہ تیغ نگہ کام کر گئی
دل میں جگر میں سینہ میں ہر میں جاں لگی

سر بیچ کے اعظم نے خریدا ہے غمِ عشق
دل دیکھیے مری جان یہ آزار لیا ہے

تو وہ بت ہے کہ تری جلوہ نمائی کے لئے
آرزو خانہ کعبہ میں مسلماں کرتے

خوب آہِ دلِ بیتاب رسا ہوتی ہے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے

لو کیے دیتے ہیں سینہ میں جو مخفی سا نہ ہے
دل ہمارا کشتۂ تیغ نگاہ ناز ہے

چاہو تو بدل سکتے ہو تقدیر ہماری
ہر طرح سے کر سکتے ہو تدبیر ہماری

طوفِ مزارِ کشتۂ دیدار کے لئے
جانا تو پھول نرگسِ بیمار کے لئے

سیماب کی طرح سے بے تاب اک جہاں ہے	تنہا نہ اک میں ہی ہوں بے قرار تجھ بن

افسر

(**افسر**) شیخ غلام اشرف آفسر - انکے والد شیخ غلام رسول شاہی گاؤخانہ کے چودھری تھے - یہ خود اکثر مرثیہ و سلام کہا کرتے تھے اور اُس میں اشرف تخلص کرتے تھے - غزلیات میں آفسر تخلص اور حضرت مصحفی سے تلمذ تھا - کلام سے موزونی ظاہر ہے ٥

جب دیکھے ہے یہ داغ سیاہی جبیں پر	آتا ہے اُسے رشک ترے روے حسیں پر
معلوم نہیں کیا ہے تہ خاک تماشا	نرگس کی جو رہتی ہے جھکی آنکھ زمیں پر
چپ رہ پہ ماہ کے نہ کیا کر خیال تو	آئینہ لے کے دیکھ ٹک اپنا جمال تو
گویا شفق میں پنجۂ خورشید غرق ہے	جس وقت ہاتھ مہندی سے کرتا ہے لال تو
ٹک نزاکت دیکھیو پہنے ہے جب گجرا وہ شوخ	شاخ گل سا ہاتھ لچکے ہے گلوں کے بار سے

افسر

(**افسر**) صاحب عالم مرزا محمد سلطان افسر گورگانی مرحوم عرف مرزا ٹوپے خلف الرشید صاحب عالم و عالمیان میرزا خضر سلطان بہادر خضر - فرزند ارجمند حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی - مرزا قادر بخش صاحب صابر مرحوم سے تلمذ تھا کوشش بلیغ سے چند غزلیں بہم پہونچیں اُن میں سے چند اشعار منتخب ہوکر درج تذکرہ ہوتے ہیں بعد از غدر اپنی پھوپھی صاحبہ زوجۂ مرزا الٰہی بخش کی ظل حمایت میں اوقات بسر کرتے رہے نہایت منکسر مزاج آزادہ رو مستغنی - غیور اور ملنسار ہنس مکھ آدمی تھے - تقریباً سنہ ۱۳۰۹ھ میں بعمر چہل سال بمقام دہلی انتقال فرمایا ٥

جانے دیا ہمیں نہ وہاں دل کے خوف نے	درباں نہ تھا رقیب نہ تھا پاسباں نہ تھا
عزیز اُن سے کریں جان نثار ہو نسکا	طلب کی دیر تھی پھر انتظار ہو نسکا
ہماری اُن کی بھی رسم و راہ یہیں نبھے جاتی	عدو کا شیوہ مگر اختیار ہو نسکا
گلہ بجا ہے یہ اُن کا گزر ہی جاتی رات	مجھی سے حیف پھر انتظار ہو نسکا
بتوں کے عشق سے پرہیز جیتے جی مجھسے	یہی کہوں گا کہ پروردگار ہو نسکا

افسر

(افسر) نواب احمد یار خاں خلف الرشید نواب محمد یار خاں امیر - جنکا ذکر اسی ردیف میں آگے آئے گا - رؤسائے رام پور رہیلکھنڈ میں صاحب اقتدار بالخصوص شعرا کے بڑے مربی و قدردان گزرے ہیں - شعر و سخن کا ابتدائے سن تمیز ہی سے عشق تھا - قائم چاندپوری سے مشورۂ سخن فرماتے تھے - نہایت باذل - بامروت - سیر چشم - خلیق - اور اپنے ہمعصروں میں ذاتی شجاعت - دلیری اور کمالات سپہگری کے سبب ممتاز تھے - قائم چاندپوری کے بعد حافظ شبراتی صاحب طالب سے بھی اصلاح لی - پچانوے برس کی عمر پاکر سنہ ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا - انتخاب کلام ملاحظہ ہو

برقع جو رات منہ سے ترے دور ہو گیا
خجلت سے ماہ چرخ پہ بے نور ہو گیا

جوں گل یہ حسن ہووے ہے اک آن میں ہوا
وہ چیز کیا ہے جس پہ تو مغرور ہو گیا

نسبت شیشے سے دل کی کونسی نازک ہے اور چیز
اک ٹھیس سے نگاہ کی جو چور ہو گیا

قدرت پہ یاں کی بھول نہ افسر کہ بیشتر
کیا کیا جہاں میں خلق کو مقدور ہو گیا

کس لیے آنسوؤں نے فلک سے گزر کیا
جس دم کہ وقف گریہ میں خون جگر گیا

مستی کی اس نگاہ کی کچھ کیفیت نہ پوچھ
گردش نے جسکی ایک جہاں بے خبر کیا

اڑ جاوے مثل حباب اس جہاں کا
کہ یہ زندگی کوئی دم ہے غنیمت

سامنے ہو جو نشانہ اس ابرو کے افسر نہ ہو
اک اشارے میں وہ دو کرتا ہے تلوار کیطرح

دیکھا ہے جسنے حسن کا تیرے شکوہ و شاں
حیران ہی نت رہا ہے وہ تصویر کیطرح

کسکو ہے پیشکار کی رغبت کہ اک جہاں
تڑپے ہے خاک و خوں میں نخچیر کیطرح

اے شمع رو نہ کیونکر جلسوں میں کہ مدعی
منہ میں تری زبان ہے گلگیر کیطرح

افسر کی گفتگو کا سلیقہ میں کیا کہوں
سب سے جدا کچھ اس کی ہے تقریر کیطرح

مجھ پہ نامہرباں ہوئے جو تم
ہے یہ کس مہربان کی خاطر

قاصد تو ہی بتا کون سا پیغام لکھوں
ہوں میں گمنام سرنامہ پہ کیا نام لکھوں

(افسر) راجہ پدمانند سنگہ صاحب بہادر افسر۔ فرمانروائے راج بنیلی دکھرک پور ضلع پورنیہ بھاگلپور جون ۱۸۸۳ء میں بعمر ۹ سال اپنے دادا مرحوم مہاراجہ لیلانند سنگہ کی وفات کے بعد مسند ریاست پر رونق افروز ہوئے اُردو فارسی بنگلہ انگریزی ہر چہار زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں بڑے وجیہہ شکیل ہوشیار رئیس ہیں۔ آپ کے پردادا راجہ دولار سنگہ نے جنگ نیپال میں برٹش گورنمنٹ کی فوج اور رسد سے اعانت کی جسکے صلہ میں راجہ بہادر کا خطاب پایا جو اب خاندان میں موروثی ہے۔ باوجود مشاغل کثیر گاہے گاہے تفنن طبع کے لئے شعر گوئی کیطرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔ بہار اور بنگال کے رؤسا میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل ہے کلام ملاحظہ ہو

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو
لب بہ لب سینہ بسینہ ہو لبے وصل کی رات

بلبلے شوخی کہ مجھے آپ تو پہچانہ جواب
خط نہ لکھنے کا گلا اس پہ ہے اٹھا لے شوخ

چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد
شمع جل کر ہوئی پروانہ کی صورت برباد

قدرداں ہم ہیں ہمیں آ کے سنگھاؤ صاحب
مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد

جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہو گئیں
تیغ اجل نے کاٹ دیئے دست دیا حرص

(افسر) منشی اعظم علی آفسر باشندہ سندیلہ عرصہ دراز سے بھوپال میں سکونت پذیر اور وہاں کی عدالتوں میں وکالت کرتے ہیں

جوبن اُبھرا ابھر کے جتاتا ہے یار کا
پھل پا چکا ہے عشق میں منصور دار کا

افسر ہے شرطِ عشق کہ یہ شغل رہے
لب پر ہو ذکر دل میں تصور ہو یار کا

شوخی میں ہے آفت تو قیامت ہے حیا میں
ہیں رنگ نرالے تری ہر ایک ادا میں

سرکاتے ہیں وہ زلفِ سیہ فام جو رخ سے
بجلی سی چمک جاتی ہے اِک کالی گھٹا میں

بیمارِ محبت کو ملے شربتِ دیدار
کیا خاک اثر ہوگا طبیبوں کی دوا میں

کہتے ہیں وہ خونِ دلِ عشاق کو مل کر
جو بات ہے اسمیں وہ کہاں رنگِ حنا میں

عدو کی بات نہ سمجھے وہی رنگ نے دل پر
ہزار چاہا کریں اعتبار ہو نسکا

جنازہ پہ وہ بے وفا ہو گیا
مرے حق میں مرنا بھلا ہو گیا

کیوں سر پہ خون لیتے ہو اُس بیگناہ کا
دیکھو یہ بوجھ تم سے اُٹھایا نجائے گا

ہوگا عدو کو بھی یہی دن ایک دن نصیب
یوں دل میں شاد ہیں ستم ناروا سے ہم

ننگ ہے گر وفا جفا کیجے
کچھ تو پاس اپنے نام کا کیجے

اب جفا کا بھی اُن کو مرفہ ہے
پھر کس امید پر وفا کیجے

ہمیں کو اُنس سنتے ہیں مکاں سے
نہیں تو ربط دل سے اور نہ جاں سے

تری الفت میں یہ حاصل ہوا ہے
عداوت ہو گئی سارے جہاں سے

اہلِ وفا کی اتنی تو توقیر چاہیے
یعنی ہماری نعش کی تشہیر چاہیے

پورے ہوا اپنی ضد کے تو لو میں گزر گیا
اب تم کو مجھ سے ملنے کی تدبیر چاہیے

میں بدگماں حد سے سوا آپ کی یہ ڈھنگ
کھنچے رہی ہے کون سی صورت نباہ کی

لو جان و دل پہ بن گئی کیوں اب تو خوش ہوئے
برسوں سے افسر آپ کو حسرت تھی چاہ کی

مرا دل شمع ساں جلتا ہے ہر شب
خدا جانے لگی ہے لو کہاں کی

رہائی ہو گئی بدتر قفس سے
گئی جو چھوٹ عادت آشیاں کی

(افسر) نواب غلام ربانی صاحب افسر ۱۸۸۹ء تک کلکتہ میں باعزاز و آبرو بسر کرتے تھے۔ آپ کو غالباً سلطان ٹیپو کے خاندان سے قرابت تھی۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ مذاق سخن اچھا تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

اے نگاہِ واپسیں قرباں تری تاثیر کے
لوٹتے قاتل کو دیکھا خاک پر بسمل کے پاس

اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں
بھاگے فرشتے پھینک کے فردِ حساب کو

تم کیا پھرے کہ سارا جہاں ہم سے پھر گیا
کہئے خدا کا قہر تمہارے عتاب کو

اُس مست نے نظر بھی نہ کی میری سمت کو
کہتے ہیں دور کرنا ہے نشہ حجاب کو

کس زباں سے ہو بیاں صبحِ شبِ وصل کا حال
ہے نئی طرزِ جفا کہتے ہیں مجھ سے ہر دم
اے ماہ رو جھلکتے ہیں عارض نقاب میں
ضد ہر اک بات میں اچھی نہیں ہوتی دیکھو
اُٹھتا ہے درد اس لئے تعظیم کے لئے
دل دے گیا باتوں میں اُڑ کر کوئی افسرؔ
جگر یہ ہاتھ دھرے پھرتے آپ بھی ناصح

جب کہا ناز سے اُس شوخ نے لو جاتے ہیں
منتظر ہوگا ہمارا کوئی لو جاتے ہیں
کہتا ہے حُسن میں نہ رہوں گا حجاب میں
اپنے عاشق کا کما ان لیا کرتے ہیں
آمد کسی کی ہے دلِ خانہ خراب میں
ہے دھیان کہاں آپ کدھر دیکھ رہے ہیں
جو آپ کو کسی دلبر کی آرزو ہوتی

(افسرؔ) منشی بشیر الدین چشتی اورنگ آبادی - ولد مولوی رحیم الدین انصاری ۱۲۸۹ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے تعلیم سے فراغت پاکر سررشتۂ مال گزاری میں ملازم ہوئے اور ۳۰ برس تک مختلف خدمات پر مامور رہے - فی الحال خدمت صدر مددگاری اورنگ آباد پر فائز ہیں - طبیعت میں شوخی اور زبان میں تیکھا پن ہے - ابتدائے شباب سے شعرگوئی کا شوق ہے - اوائل عمر میں بالکل عاشقانہ رنگ تھا اب زیادہ تر نعتیہ اشعار کہتے ہیں - جب پہلی دفعہ حضرت داغ دہلوی حیدر آباد تشریف لے گئے تو اسی زمانے میں آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا - پہلے **مطلع سخن** کے نام سے ایک ماہواری رسالہ بھی نکالا تھا جو بعد میں بند ہو گیا - ان کا ایک مختصر دیوان اور ایک مرثیہ چھپ گیا ہے ترتیب تذکرہ کے وقت نظر سے گزرا - آپ فن سخن کے علاوہ طب میں بھی مہارت رکھتے ہیں - یہ فن شریف حکیم عبد الباسط صاحب اورنگ آبادی سے حاصل کیا تھا - کلام زیبِ تذکرہ ہے ؎

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا
تری بندہ نوازی نے کیا ہے اتنا مستغنی
الٰہی دردِ الفت کی شکایت لکھنے میں شاعر

کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا
کھوں کیوں کر عجب میرا ہے تم میرا دکن میرا
میں کہتا ہوں تو چھوٹے دل سے یہ دردِ کہن میرا

مرے رونے پہ وہ کہتے ہیں ہنس کر		یہ ساون کی گھٹا کچھ دن تو برسے

افسر

(افسر) منشی سید احمد افسر حیدرآبادی ۱۳۰۳ھ میں ۴۲ برس کی عمر تھی اور نواب میر عباس حسین خاں تشنہ شدر کو کلام دکھاتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ۵

ہے شوق کی افزائش الفت میں فنا ہونا	جاں سکتی ہے دل سے قربان ادا ہونا
محشر میں نقاب رخ زیبا نہ اُلٹنا	تم دیکھنے دو خلق کو دیدار خدا کا
اپنی سلامتی کا دوگانہ ادا کرے	خط دے کے نامہ بر نہ سائل جواب کا

افسر

(افسر) منشی میر معشوق حسین عرف عبدالصمد صاحب کاکوری کے رہنے والے اور اٹاوے کے مدرسہ میں مولوی ہیں یہ آپکا کلام ہے ۵

خون عاشق کا ذرا ہاتھوں میں ملکر دیکھیے	آپ ہی کھٹے گا پھر رنگ حنا کچھ بھی نہیں

جس کو عاشق وہ جان لیتے ہیں	بس اُسی کی وہ جان لیتے ہیں
کم ہیں کیا اُن کی ابرو مژگاں	کیوں وہ تیر و کمان لیتے ہیں
دلبری اب کہاں رہی افسر	جب کہ دل بر بھی جان لیتے ہیں
سوال وصل پہ ہر دم نہیں ہے	حمد آئے کبھی تو منہ سے ہاں کی
کرو دل تیر مژگاں کا نشانہ	تمھیں حاجت ہے کیا تیر و کماں کی
خیر ہے خیر ہے اے حضرت افسر یہ کیا	سامنے غیروں کے دلبر کی شکایت کیسی

افسر

(افسر) حکیم حاجی حافظ محمود حسین مولوی مقیم بڑودہ خلف سید احمد حسن تھا۔ ذاکر حسین یاس مرحوم سے تلمذ تھا۔ اصلی وطن سہسوان ہے مگر اب عرصے سے بڑودہ میں بہ سلسلۂ طبابت سکونت پذیر ہیں کچھ شعر کلام بہم رسیدہ سے انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں ۵

بند ہے آپ کی اے حضرت ناصح بے سود	ہاں تو فابو ہی میں کمبخت نہیں دل اپنا
حضرت واعظ نہ پوچھو واں کا لطف	خلد بھی صدقہ ہے کوے یار پر
مرقد عاشق بیکس پہ وہ رو جاتے ہیں	تھی جو کچھ دل میں کدورت اُسے دھو جاتے ہیں

۵ ذی استعداد۔ شوقین۔ نیز گو۔ صاحب دیوان غیر مطبوعہ ہیں۔ اب مولانا ثاقب بدایونی کے شاگرد ہیں ۱۲

حاضر ہے سے

اللہ رے غرورِ شباب اُف رے نازِ حسن
بلبل کے نارے سنگے ذرا بھی نہ مہکے پھول

ناصح اسے حرام نہ کر توبہ توبہ کر
پیمانے میں ہے ساقی پیماں شکن کے پھول

وہ اس مزے سے کہتے ہیں سنس ہنس کے تلخ بات
گویا دہن سے جھڑتے ہیں شیریں سخن کے پھول

وہ گل اگر ہمارا جنازہ اُٹھائے گا
لاشہ خوشی سے جائیگا اندر کفن کے پھول

تو جان ہے بہار کی بلبل تو ہر طرف
صدقے ہزار جی سے ہیں تجھ پر چمن کے پھول

غم کا پہاڑ صبر کے تیشے سے کاٹتا
ناحق کو ہاتھ پاؤں گئے کوہکن کے پھول

افسر صبا نے پھونک دیا گوشِ گل میں کیا
سنکر جو آگ ہوگئے مارے جلن کے پھول

عالم کا رنگ کیا کیا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے
لیکن حسین تجھ سا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

دل لینے میں ہمارے کیوں سوچ تمکو کیا ہے
لکھ دیں کہ ہمکو دینے ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

رحمت نے تیری مجھکو دی ہے امیدِ بخشش
خوفِ جزائے فردا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

دل سے ہمیں شکایت تھی اور ہے بھی اور ہوگی
اوروں سے کوئی شکوہ ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

کیوں تمکو اُس سے افسر امید ہے وفا کی
وہ بیوفا کسیکا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

اُدھر کیا دیکھتا جاتا ہے مُنہ پھیرے ہوئے ہم سے
ادھر آنکھیں ملاؤ او بے مروت دیکھنے والے

زندہ ہوں یا مردہ حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے
اب تو کچھ دل سے خیال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

عمر بھر مجھ سے نہ بولیں ہنس پڑیں اک بات پر
آپکا مجھسے ملال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

آتشِ دوزخ بجھا دے جا بجا دامن تر کرے
میرا اشکِ انفعال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

کیا ہوں شاکی تنگدستی سے فراغت سے ہوں خوش
دیکھتا ہوں سب کا حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

رہبرِ انساں ہیں دو نوکرتے ہیں گمراہ بھی
کفر و ایماں کا تو حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

قید رکھے عمر محروم بھر نہ رہنے دے اسیر
آپکی زلفوں کا حال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

بڑھنا جب تو بدر ہونا۔ گھٹتا تو ہوتا ہلال
ماہ کو حاصل کمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

خاک ہوکر سر پہ نچاتے ہیں ہم
سنا ہے کہ طرزِ عمل انکی بدلی
تب ہجر کو ہنسنے کھیلتے نہ دیکھا
دیا ایک بوسہ جو تم نے ہوا کیا

جب تو آنکھوں میں جگہ پاتے ہیں ہم
عوض گالیوں کے دعا دے رہے ہیں
جو بڑھتے ہیں حد سے وہ گھٹتے رہے ہیں
بڑا دل ہے انکا جو دل دے رہے ہیں

دل کی طپش سے لکھوں اُنہیں دل کا حال کیا
کردوں نہ میں نکال کے دل نامہ بر کے ساتھ

اُسے طلب ہے نئی دل کی دل لگی کے لئے
کہاں سے روز نیا دل بنے کسی کے لئے

یہ سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد
حسیں یہاں بھی تو ہو کوئی دل لگی کیلئے

سنو دردِ دل تم زبانی ہماری
بہت دل کو سمجھایا الفت میں ہمنے
وہ آخر اُڑا لے گئے دل کو افسر

مزا دے گی تمکو کہانی ہماری
مگر ایک اسنے نہ مانی ہماری
نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

اگر ناوک کماں اُن کی نظر کو کیا ہوا بیجا
وہی کہدیں بھلا پھر یہ جگر کے پار کیسی ہے

تجھ سا جب ساقی ہو مجھ سا جب کوئی میخوار ہو
چاہیئے دو دو منٹ پر جام اُٹھتے بیٹھتے

افسر

(افسر) مولوی سید عزیز الدین حیدر صاحب خلف مولوی امین الدین حیدر ۱۲۸۲ھ آپکا سال ولادت ہے - آپ الہ آباد کے قدیم رئیس اور مشہور اُستاد مولوی وحید کے لائق تلامذ میں سے ہیں - خان بہادر مولانا اکبر حسین صاحب اکبر کے برادر خواجہ تاش اور قدیم ہم مشق ہیں - فارسی عربی کی استعداد عالمانہ ہے - کئی سال ہوئے حضرت داغ کے دوران قیام دکن میں آپ حیدر آباد بھی تشریف لے گئے تھے - آپ کا کلام ایک خاص طرز کا ہوتا ہے اور اُسمیں آپ اپنی جدت طبع سے عجیب عجیب اختراعیں فرماتے ہیں - عرصہ سے آپ ضعف بصارت میں مبتلا ہیں مگر شوق علم برابر جاری ہے - مشکل زمینوں میں اپنی ذکاوت طبع سے اچھے اچھے مضامین نظم فرماکر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیتے ہیں - معمولی زمینوں میں کم طبع آزمائی کرتے ہیں - اب آپ کی عمر ساٹھ برس کے قریب ہے - کلام کا انتخاب

مریضِ عشق کا ہوتے تمہارا حال ایسا ہو
اسے اچھا نہیں کرتے ہو تم کیسے مسیحا ہو

جفائے یار کا شکوہ عبث ہے اے دلِ ناداں
خطا کیا اُس کی گر تقدیر میں تیری یہ لکھا ہو

سچ تو یہ ہے کہ خطاوار ہمارا دل ہے
دیجئے اِس کو سزا ہاں یہ اسی قابل ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں بس میں نہیں آپکا دل
ہاں یہ کہئے کہ زمانہ سے نرالا دل ہے

ہمارے واسطے ہی کیا تری اک اک بُرائی ہے
ہمیں سے بیوفائی ہے ہمیں سے کج ادائی ہے

یہ گر کر خاک پر کیا اُٹھ سکے اے دیدۂ گریاں
کہ تو نے آبرو آنسو کی مٹی میں ملائی ہے

خیالِ حور دل میں اور توبہ لب پہ اے زاہد
ابھی بس دیکھ لی جیسی تمہاری پارسائی ہے

قفس ہی میں مرے بال و پر سب نوچ ڈالے ہیں
نہ کچھ پرواز کا ارماں نہ اب شوقِ رہائی ہے

ہوائے یاس شمعِ آرزو کو کیا بجھائے گی
کہ ہمنے یا خدا تیرے کرم سے لو لگائی ہے

ترس آیا ہے گر ہم پر کبھی بے رحم قاتل کو
لگی دل کی ہمارے آبِ پیکاں نے بجھائی ہے

سنیں کیا لن ترانی طور پر ہم جا کے اے موسیٰ
یہاں پیشِ نظر ہر دم کسیکی خود نمائی ہے

چلا ہے آج تو اُس بزم میں کیا سوچ کر افسر
سنیں ہم بھی تو آخر کیا ترے دل میں سمائی ہے

مایوس جیسے ہم ہیں محبت میں یا خدا
ٹوٹے نہ آس یوں کسی امیدوار کی

کچھ رہ گئی ہے مشقِ جفا کیا ستم شعار
کیوں ہے تلاش میرے نشانِ مزار کی

قبلے سے اُٹھ کے چھائی ہے میخانے پر گھٹا
رحمت ہے میکشوں پہ یہ پروردگار کی

افسر تو چار دن بھی رہے گا نہ بے پیے
توبہ کا اعتبار ہے کیا بادہ خوار کی

افسر

(افسر) منشی احمد حسین خاں رامپوری تلمیذ منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی۔ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے

اب یہ عالم ہے کہ اک بوند بھی آنسو کی نہیں
ہمنے جن آنکھوں سے بہتے ہوئے دریا دیکھا

بیرخی تیری خلشِ غیر کی گردوں کے ستم
ہمکو تقدیر نے جو کچھ کہ دکھایا دیکھا

عشقِ غارتگرِ ناموس کے ہاتھوں سے ندیم
افسرِ خستہ کو بازار میں رسوا دیکھا

وہ چرا کرلے گئے دل یا ہمیں گم ہو گیا
کیا بتاؤں احتمال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

نفی و اثباتِ کمر تو فکر کا اسکے ہے کام
افسر تازہ کہ خیال ایسا بھی ہے ویسا بھی ہے

جو مرتے ہیں تم پر وہی جیتے ہیں ہمیشہ
یہ طرفہ ہے عاشق کی قضا ہے بھی نہیں بھی

ناکام زباں اپنی ہے مانگے ہے سخی سے
مقبول ہو ایسی یہ دعا ہے بھی نہیں بھی

میں آپ کی کس بات کو سچ جانوں کسے جھوٹ
الفت کو جو پوچھا تو کہا ہے بھی نہیں بھی

جیسے کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو
ویسے ہی ہر اک شے میں خدا ہے بھی نہیں بھی

مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے
اس سے یہ سزا و جزا ہے بھی نہیں بھی

جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت ہے وہ افسر
کیا ٹھیک ہے دورانِ بقا ہے بھی نہیں بھی

(**افسر**) منشی سید عزادار حسین - نگینہ ضلع بجنور کے شریف زادے ہیں - نواب عابد علیخاں مغفور آپکے مورث اعلیٰ تھے - ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر ہے - مبتدی ہیں مگر کلام ہموار رہے - زبان بھی پاکیزہ ہے اور خیال بھی ستھرا - آپ کو نواب مرزا خاں داغ مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا - اگر کہتے رہے تو یقین ہے ضرور ترقی کریں گے - کلام دستیاب شدہ کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو ؎

مسیحا فکر کیوں کرتے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا
مریضِ غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا

چرایا ہے ہمارے دل کو ایسے چور نے آکر
خدا کے سامنے بھی جس پہ دعویٰ ہو نہیں سکتا

قطعہ

وہ رسمِ محبت سے ناواقفیت
وہ پہلے پہل دل لگانا کسیکا

وہ امید بھی دل میں اور یاس بھی کچھ
وہ ہر وقت آنسو بہانا کسیکا

کبھی جانبِ غیر سے بدگمانی
کبھی رشک کے داغ کھانا کسیکا

کبھی کوچۂ یار میں بیٹھ جانا
کبھی اُس کی محفل میں جانا کسیکا

تڑپنا بہت دل کا مایوس ہو کر
جدائی کے صدمے اُٹھانا کسیکا

تڑپتے تڑپتے جدائی میں آخر
غرض جان اپنی گنوانا کسیکا

افسوس

(افسوس) میر شیر علی بن میر مظفر خاں داروغہ توپ خانہ عالیجاہ نواب میر قاسم ناظم صوبۂ بنگالہ۔ انکا نسبی سلسلہ امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے میر مظفر خاں کا اصلی وطن نارنول صوبہ آگرہ تھا مگر چونکہ وہ خود اور اُنکے بھائی سید غلام علیخاں نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم کی رفاقت میں اوقات بسر کرتے رہے اس لئے دہلی میں توطن اختیار کر لیا تھا چنانچہ میر شیر علی دہلی ہی میں پیدا ہوئے۔ سید غلام علیخاں صاحب اقتدار تھے چنانچہ عارضی طور پر عمدۃ الملک کی وفات کے بعد الہ آباد کے صوبہ بھی رہے۔ بھائی کی وفات کے بعد سید مظفر خاں ترک ملازمت کر کے ۱۴ برس خانہ نشین رہے انجام کار نواب خاں عالم نواب بقاء اللہ خاں نے اُنہیں بلا کر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں تین سو روپیہ کا ملازم کر دیا۔ اُس زمانہ میں میر شیر علی کی ۱۱ برس کی عمر تھی اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہنچے۔ وہاں کی صحبتوں نے بچپنے ہی میں شعر کا شوق پیدا کر دیا۔ میر حیدر علی حیراں دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے علی ابراہیم خاں اپنے تذکرہ میں انہیں میر حسن کا شاگرد بتاتے ہیں اور بعض تذکرہ نویسوں کا قول ہے کہ جناب میر سوز سے بھی اصلاح لی تھی۔ الغرض مشاہیر اہل سخن سے تھے۔ عربی اور علم حکمت کی تحصیل علما سے کی تھی۔

ان کے والد لکھنؤ پہنچنے کے بعد کئی برس بعد حسب الطلب نواب میر محمد جعفر خاں مرشد آباد جا کر توپ خانے کی داروغگی کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے چنانچہ جب شجاع الدولہ اور میر قاسم سرکار انگلیشیہ کے مقابل صف آرا ہوئے تو یہ بھی اُنکے ہمرکاب تھے۔ میر جعفر کی وفات کے بعد ملازمت ترک کر کے دکن چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ میر افسوس خود ابتدا میں نواب سالار جنگ اور اُنکے لڑکے مرزا نوازش علیخاں کے پاس گیارہ برس تک رہے پھر مرزا جوان بخت ولیعہد نے جو اُن ایام میں لکھنؤ میں رونق افروز تھے کلام سنکر از راہ قدر دانی طلب فرما کر اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ جب صاحب عالم کچھ عرصہ بعد دہلی جانے لگے تو یہ ہمراہ نہ جا سکے اور نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائب آصف الدولہ کے پاس چلے آئے

زاہد کا آج کھل گیا تقویٰ جہاں پر	شیشہ بغل سے بر سرِ بازار گر پڑا

افسردہ

(افسردہ) قاضی فضل حسین خاں خلف قاضی علی جان مرحوم رئیس دہلی۔ زبان کے اعتبار سے روزمرہ صحیح۔ بول چال درست ہے۔ انکا کلام ہر چند تلاش کیا مگر کوئی غزل دستیاب نہ ہوئی۔ فغانِ دہلی میں جو ایک مسدس شہر آشوب چھپا تھا اُسی کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

انتخاب مسدس تباہی دہلی

رات دن کا ہوگیا رونا ہنسی موت کو سمجھا ہوں اب مطلب رسی	ہر طرف سے ہے برستی بیکسی ہے ہجوم درد و غم اور بے بسی
درد بیدرماں مارا چارۂ	اے کہ از وضع تو چرخ اگاۂ
چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی فوج کیا آئی قیامت آگئی	ہائے کیا دہلی پہ آفت آگئی سر پہ عالم کے مصیبت آگئی
لطف کن بر دردمندان سقیم فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں ہاتھ دنیا سے اُٹھائے بیٹھے ہیں	وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم داغ سینہ پہ کھائے بیٹھے ہیں تھا جو سرمایا لٹائے بیٹھے ہیں
آہ از دل بر لب آمد ہر نفس	رحم کن بر بیکساں اے دادرس
مخبروں نے کروئے فتنے بپا جس کی جو قسمت میں لکھا تھا ہوا	پھر گیا پھرا آسمانِ پُر جفا بے گناہ اور باگناہ پکڑا گیا
آنچہ در تقدیر بود آمد برو یک بیک برباد جو ایسا ہوا اب یہ ہے ہر شخص کی ہر دم دعا	نیست شکوہ از سپہر کینہ جُو غیرتِ باغِ جناں یہ شہر تھا انتقام عیش و عشرت ہو چکا
تا کہ باشد آب و آتش را بقا	لطف کن بر اہل دہلی اے خدا

اُس بتِ بے حجاب کا دیویں ابھی اُٹھا نقاب
سچ ہیں یہ خود نمائیاں - حق ہیں یہ لن ترانیاں
تا بھرا وہ مُنہ اگر دیکھے جو اک نظر تو پھر
تو نے افسوس کیا کیا - دشمنِ جاں کو دل دیا
دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو
اپنی چھب تمھیں ہمیں دور سے دکھلاتے ہو
ہنستے ہیں شبِ وصل میں ہم اُنپہ اک دن
دیوار گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
صلاح جانے جو کچھ کہیو اُس سے اے قاصد
مُنہ تو دکھلائے ذرا گو نہ ملاقات کرے
خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید
کچھ بات تُمسے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
سوچے ہے کیا لگائے اگر سر میں درد ہے
رکھ تو اُسکے حلق پر شمشیر اپنے ہاتھ سے
سینہ و دل کو ابھی رکھدوں نشانے کے عوض
شکل اسمیں کسکی ہے سچ سچ بتا افسوس تو
کہا میرا مطلق نہیں مانتا ہے

دیکھ سکے گا پر اُسے تاب ہے اتنی طور کو
شعلۂ طور بجھ گیا دیکھ کے اُسکے نور کو
مُنہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکرِ حور کو
یہ تیری عقل جل بجھے آگ لگے شعور کو
وہی احباب جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
آؤ لگ جاؤ گلے کیوں ہمیں ترساتے ہو
اس شب کو بہت رو مینگے اور یاد کرینگے
زاہد بتا تو ہمکو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں جو اس مجھے
ہمکو سو وصل ہیں جو ہنس کے وہ اک بات کرے
جیتا پھر آکے مجھے مرا نامہ بر ملے
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے
اس خاک پا کے آگے تو صندل بھی گرد ہے
صید کو اپنے تو کر خنجر اپنے ہاتھ سے
گر لگائے وہ ستمگر تیر اپنے ہاتھ سے
کیوں نہیں رکھتا ہے تو تصویر اپنے ہاتھ سے
تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے

ناز و انداز سے یہ کون چلا آتا ہے + جسکے پاؤں کے تلے جی ہی پایا جاتا ہے

کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہو وہ آئے ناصح
عبث ہے سوچ تجھکو نامہ بر دے شوق سے مجھکو
ادا و ناز کی رسموں سے تو واقف نہیں مطلق
صورت تجھے حق نے دی پری سی

تجھ کو نہ خوش آیا یہ پر مجھ کو تو بھاتا ہے
کوئی جھڑکی کوئی گالی اگر اُسکی زبانی ہے
ارے نادان یہ تو عین اُسکی مہربانی ہے
پر آدمیت بھی دی ذری سی +

چند سال بعد نواب موصوف الصدر نے لارڈ ولزلی گورنر جنرل سے انکی سفارش کی چنانچہ حسب الارشاد گورنر جنرل کلکتے گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کے ماتحت فورٹ ولیم کے مدرسہ میں اُردو کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سررشتہ آپکے سپرد ہوا - ۲۰۰ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا - کلکتے جاتے ہوئے آپ مرشد آباد میں مرزا علی لطف صاحب تذکرہ کے پاس بھی ٹھیرے تھے - ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما سے گلستاں کا ترجمۂ اردو میں کیا آرائش محفل اور مثنوی بے نظیر موسوم بہ سحر البیان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کی تالیف ہے - الغرض کلکتہ میں اچھی عزت پائی خلیق و اہل دل مروت و انکسار میں فرد کامل تھے - طب میں بھی دستگاہ تام رکھتے تھے - سنہ ۱۸۰۹ء میں اس فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے - یہ آپکے کلام کا لب لباب ہے

تو سچ بتا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی
مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا

ملے ہے پاؤں سے اپنے وہ لالہ رو ہر دم
یہ مرتبہ تو دل داغدار کا پہنچا

ہے یاں تلک تو نزاکت گلوں کے گجرے سے
لچکنے لگتا ہے اُس گلعذار کا پہنچا

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا

بخت سیہ کو تمہیں ٹوکا ہے ہمنے بھول کر
درد دل تیری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا

نزع میں زرد تھا رخ افسوس
چمپئی رنگ نے اُسے مارا

اسکے اُٹھتے ہی جاں بہ آن بنی
دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا

شب جو دم توڑنے میرا دل بیمار لگا
سرہانے وہی عیسیٰ لب دیوار لگا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

پاؤں یہ گاڑے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اُٹھے
خاک میں مل گئے بیٹھے جو ترے در پہ ہم

اشک گرم اپنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہیں
دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں

ہو مرا کیونکہ گزر اُس کی گلی میں واں تو
طائر سدرہ کے اُڑتے ہوئے پر جلتے ہیں

بزم میں اسکے نہ ہنستے ہیں نہ سسک سکتے ہیں
چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

غیر پھر غیر ہیں غیروں سے توقع کیا ہے
وہ اور وعدہ وصل کا ہرگز یقیں نہیں
کچھ میکدہ کی راہ میں پایا ہے شیخ نے
شکوے عبث رقیب کے ہیں میرے روبرو

اگلے فقروں میں مری جان نہ آنا دیکھو
قاصد نے اپنے جی سے بنا کر کہی نہو
توبہ ہماری ٹوٹ گئے دیکھو گری نہو +
انساں ملے کسی سے تو خود سوچ کر ملے

بات بنتی نہیں بنائے سے
ہائے افسوس کیا کرے کوئی

عدو کے گھر سے کافر نے مجھے پیغام بھیجا ہے
تجھے میں وصل کی شب کس طرح سینے سے لپٹا لوں
بُرا ہو مرگ کا میت پہ وہ رو رو کے کہتے ہیں

دکھاتے کیوں نہیں تاثیر اپنے جذبۂ دل کی
کہ تو نکلی ہوئی حسرت ہے کافر غیر کے دل کی
کہاں جاتا ہے تو دل میں لئے سب حسرتیں دل کی

افسوس

(**افسوس**) آغا حیدر افسوس لکھنوی - تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں امیر مغفور کے شاگردوں میں نامور اور صاحب دیوان مطبوعہ ہیں - آپ شاہی میں نواب دہر آرا بیگم صاحبہ کی سرکار میں مختار تھے - اور مشاعرے بڑے دھوم دھام سے کیا کرتے تھے - کلام میں پختگی ہے مشاق ہونے میں شبہ نہیں زبان بھی پاک و صاف ہے - بندش چست - خیالات درست شوخیٔ طبع بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھا جاتی ہے - تلاش بھی بری نہیں شعر کا مذاق اچھا تھا - اپنی زندہ دلی اور جوش نعتی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے کلام کا نمونہ حاضر ہے ؎

جذبِ آہن کس نے سکھلایا ہے مقناطیس کو
شیخ ہو یا برہمن معبود ہے سب کا وہی
دل سے مٹی نہ یاد کبھی دامِ زلف کی
اعجاز دیکھو سیر ہوئے کتنے تشنہ لب
نازِ بیجا سے بہت تنگ ہوں میرے افسوس
ممکن نہیں ہے کاکلِ پیچاں سے چھوٹنا
غیرتِ حور و پری رشک دہِ شمس و قمر

کھینچتا کس نے بتایا کہربا کو کاہ کا +
ایک ہے دونوں کی منزل پھیر ہے کچھ راہ کا
صیاد میرے ساتھ ہوا میں جہاں گیا
پانی ذرا نہ خنجرِ قاتل میں کم ہوا
مثلِ معشوق ستاتا ہے مجھے دل میرا
دامِ بلا میں بخت نے ہم کو پھنسا دیا
خلق خالق نے کئے تو کے انساں کیا کیا

نہیں جائینگے اس مجلس سے ہم بے اُنکے بے جائے
قدم اب کب اُٹھاتے ہیں کہ ہمنے پاؤں پھیلائے

افسوس

(**افسوس**) منشی سید محمد علی ولد مولوی سید نواز احمد مرحوم انکے والد نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے متوطن تھے۔ مگر ریاست ٹونک سے تعلق پیدا کر لینے کے سبب نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کے عہد میں وہیں آن رہے حضرت افسوس وہیں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۴ برس کی عمر سے شاعری کا شوق دامنگیر ہوا۔ صاحبزادہ احمد سعید خاں **عاشق** شاگرد رشید حضرت ظہیر دہلوی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ اوائل ملازمت میں کچھ دنوں نواب معزول ٹونک کے پاس بنارس میں رہے وہاں سے ٹونک آکر پھر ملازم ریاست ہوئے اور انجام کار مستعفی ہوکر منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانۂ وزارت میں بامید ملازمت بھوپال پہنچے مگر ناکامیاب رہے آجکل ریاست جاورہ میں وکیل ہیں۔ ۴۰ برس کی عمر ہے۔ ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام ہاتھ لگا انتخاباً ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ان کی خوش گفتاری اور موزوں طبعی کلام سے ظاہر ہے ؎

یہی ہے چارہ گر حق دوستی کہ مجھے
دوا وہ دو کہ جو ہمدم بڑھائے درد جگر

ہے شام ہی سے بُرا حال صبح تک کیا ہو
ابھی سے ہے حضرت دل ابتدائے درد جگر

جو بعد مرگ بھی قائم رہے تو لطف رہے
یہ دیکھیں ساتھ کہاں تک نبھائے درد جگر

الٰہی کس گھڑی آیا ہے دل کہیں نہیں
تمام رات ہے اور ہائے ہائے درد جگر

کوئی دنیا میں دوستدار نہیں
مجھے اپنا بھی اعتبار نہیں

سیکڑوں محتسب ہوئے میخوار
اور ابھی موسم بہار نہیں

اس قدر بڑھ گئی ہے مایوسی
کہ اجل کا بھی انتظار نہیں

کس کے جلوے نے کر دیا بیہوش
کوئی محفل میں ہوشیار نہیں

گو کہ تقدیر سے افزوں ہی الم دیتے ہیں
لیکن اب بھی وہ مرے شوق سے کم دیتے ہیں

بد گمانی کی بدولت کبھی اپنے دل کو
تم نہیں دیتے وہ تکلیف جو ہم دیتے ہیں

زخمی تو ہیں مگر نہیں تن پر نشانِ زخم
بسمل ہوئے ہیں یار کی تیغِ نظر سے ہم

پرتو فگن جو ہے رُخِ ساقی شراب میں
آتا ہے آفتاب نظر آفتاب میں

غیر تو رشک سے کیا کیا نہ ہمیں کہتے تھے
بے سبب آپ بھی دینے لگے الزام ہمیں

اے طبیبو مجھے امیدِ شفا کیونکر ہو
میرے نسخے میں کہیں شربت دیدنہیں

دل ہمارا ہے شکلِ آئینہ
اپنے دشمن سے بھی غبار نہیں

منہ مونہ نکرِ بال و زر تا چند
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

ہے اس درد کا لاعلاج ہی علاج
ہم اپنے مرض کی دوا کیا کریں

بہت ہجرِ جاناں میں مانگی دعا
نہ آئی ہماری قضا کیا کریں

کہتے ہیں آکے وہ مری بالیں پہ وقتِ نزع
یہ تو بتایئے کہ ارادے کدھر کے ہیں

بند آنکھیں ہیں اب کہاں ہمدم
چھٹ گئے سب عمر بھر کے ساتھ

جان لینے مری ملک آئے
آپ لینے خبر نہیں آتے

راہ ملکِ عدم کی بند نہیں
جاتے ہیں تم اگر نہیں آتے

برنگِ آئینہ بزمِ دوئی میں رنگ وحدت ہے
بصارت ہو تو اندر اور باہر ایک صورت ہے

فراق میں جب انساں کا حال ہوتا ہے
اسی الم میں تو جینا وبال ہوتا ہے

نمک چھڑکتے ہیں مرہم کی جا وہ ہنس ہنس کر
یہ زخم دل کا مرے اندمال ہوتا ہے

تمہاری تیغ کا پانی ہے مثلِ آبِ حیات
کہاں نصیب یہ آبِ زلال ہوتا ہے

لے جاتی اگر اسکو صبا اُس کی گلی تک
یوں خاک ہماری کبھی برباد نہ ہوتی

جی چاہے جتنا ظلم کریں یہ بتانِ ہند
منصف مرا خدا ہے جہاں آفریں تو ہے

افسوس

(**افسوس**) منشی اکبر علیخاں - شاہجہاں پور کے رہنے والے ہیں مگر بہ سبب ملازمت بھوپال میں اقامت اختیار کر لی ہے - نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں۔ منتخب کلام ملاحظہ ہو ۵

اے بتو گھر یہ خدا کا ہے کہاں آتے ہو
کیوں مٹاتے ہو کہ پھر بن نہ سکے گا تم سے

طاعت گزار کون ترا مبتلا نہ تھا
تقدیر کی کمی تھی کہ ہاتھ اُسکا رُک گیا

تلخی غم فراق کی کس مُنہ سے ہو بیاں
پھر کیا سبب جو زندۂ جاوید ہیں شہید

قیس کو جلوۂ لیلےٰ کا مزا مل جاتا
کیا فیضِ سوزِ عشق ہے مرقد لگن ہوا

افسوس یہ سب ہے فیض جنابِ اسیر کا
پی کر لہو دکھائے گا کیا کیا مزے ہمیں

ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں سودا تجھکو افسوس ہو گیا
کیا کیا نمو ئے سرو خریدارِ محبت

شبِ فرقت میں یہ تھی دردِ جگر کی صورت
تھی مقدر میں نہ اے صید فگن لذتِ زخم

قاصد آیا مرے گھر یوں خطِ جاناں لیکر
سارا عالم جو شہادت کا ہو شاہد اے ترک

وہ میکشِ مدہوش ہیں ہم بزمِ جہاں میں
ہے جادۂ شمشیرِ اجل کوچۂ الفت

زلف لہراتی ہے کیسی ترے رخساروں پہ آج
جان کا کچھ غم نہیں اسدم بھی ہے اسکا خیال

مجبور ایسے ہو گئے دردِ جگر سے ہم

کعبۂ دل نہ ہوا کوئی کلیسا ٹھیرا
قصرِ دل کیا کوئی لڑکوں کا گھروندا ٹھیرا

کب سجدہ گاہِ خلق ترا نقشِ پا نہ تھا
شہ رگ سے ورنہ خنجرِ قاتل جدا نہ تھا

کب چاشنیٔ مرگ کا لب پر مزا نہ تھا
پانی جو اُن کی تیغ کا آبِ بقا نہ تھا

پردہ محمل کا ہوا سے جو ذرا ہل جاتا
پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا

مطبوعِ اہلِ فن جو ہمارا سخن ہوا
ہوتا چلا ہے تیز وہ خنجر ذرا ذرا

جس حسیں کو تو نے دیکھا اُسپہ مفتوں ہو گیا
ہے آج تک گرمیٔ بازارِ محبت

تھی نہ امید کہ دیکھوں گا سحر کی صورت
پھر گیا تیر کا رُخ تیری نظر کی صورت

جیسے جبریل امیں آئے تھے قرآں لیکر
پھر وہ باطل ہو مرے خون کا محضر کیونکر

مسجد کو چلے خانۂ خمار سمجھ کر
رکھو جو قدم کو تو خبردار سمجھ کے

ابر بھی لوٹ ہے جوبن پہ ہے وہ گلزاروں پہ آج
پھرتی ہے پیشِ نظر تصویرِ جانی وقتِ نزع

کہنے نہ پائے حال بھی کچھ نامہ بر سے ہم

کیونکر خدا کرے نہ حسینوں سے دوستی	خود عاشقِ جمال ہے خود بھی جمیل ہے

افضل

افضل) میر افضل علیخان عرف سید صاحب خلف قاسم علیخاں قاسم لکھنوی فنِ سخن میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت حیات تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ کلام حاضر ہے ۵

ہے وصفِ روئے یار نہ لو نام ماہ کا	کیا ذکر اِس مقام پہ اُس روسیاہ کا
اُسوقت اپنے بام پہ آیا وہ رشکِ ماہ	افضل جب آفتاب لبِ بام ہو گیا
اتنے خط بھیجے ہیں لکھ لکھ کر ہیں یکدست شل	نامہ بر کے پاؤں مجھ خستہ جگر کی انگلیاں
مانی نہ ایک بات نہ ٹھیرے وہ دو گھڑی	منّت کی لاکھ ہمنے خوشامد ہزار لاکھ
ہم وہ رندِ بادہ کش ہیں ساقیا تو دیکھ لے	مئے ٹپکتی ہے ہمارے زخم کے انگور سے

میری تصدیق بے زبانی کی	کرلے قاتل زبانِ خنجر سے
دل سے شکوہ زبان تک آکر	بن گیا شکر آپ کے ڈر سے

کل سے بیکل ہوں بھلا خاک مجھے کل آئے	کل کا وعدہ تھا نہ آج آئے نہ وہ کل آئے
کیا مزا ہو جو وہ دربان سے اپنے کہدیں	کوئی یاں آنے نپائے مگر افضل آئے
شوخی غضب اُس شوخ کی خلقت میں بھری ہے	بجلی ہے شرارہ ہے چھلاوہ ہے پری ہے

افضل

افضل) منشی افضل حسین آفضل خلف حاجی محمد انور۔ قصبۂ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے اور بلبل ہندوستان حضرت داغ دہلوی کے تلمذ سے فیضیاب ہیں عمر تقریبا ۲۶ و ۲۷ سال ہے چند غزلیات ارسال کی تھیں انکا انتخاب ضبط تحریر کیا ۵

دل ہی دل میں نہ یوں سماتا تھا	کبھی آنکھوں میں بھی تو آتا تھا
غیر کے ہاں جو تم کو جانا تھا	اپنا نقش قدم مٹاتا تھا
تیر کے ساتھ کیوں گیا ہے دل	حسرتوں کو نکل کے جانا تھا
میں تو جب جانتا تجھے اپنا	آج آکر کبھی نہ جاتا تھا

حوروں کے انتظار میں آتی نہیں ہے نیند
اب ہے یہ حال زاہدِ شب زندہ دار کا

اے عندلیب تا بکجا خواہشِ آشیاں
مہماں کوئی دم کا ہے موسم بہار کا

اے دل فلک کا سر پہ اٹھانا تو سہل ہے
مشکل گزارنا ہے شبِ انتظار کا

افضل

(افضل) شاہ غلام اعظم خلف ارشد شاہ ابوالمعالی سجادہ نشین دائرہ الہ آباد شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کے ممتاز شاگردوں میں تھے - دو دیوان اور ایک مثنوی ان سے یادگار ہے - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

بے گھر ہے یک عمر سے دل جائے گھر است
ہو جائے تیرے دل میں اگر کچھ بھی جائے دل

اے خوش ادا وہ پاؤں چلا تو کہ پس گیا
کیا تھی خرامِ ناز میں پنہاں سزائے دل

یہ شرارے ہیں کہ آتے ہیں نظر آنکھوں میں
ساتھ اشکوں کے نہیں لختِ جگر آنکھوں میں

پوچھتے کیا ہو جہاں چاہئے بیٹھے صاحب
آپ کی دل میں جگہ آپ کا گھر آنکھوں میں

سینے میں نہیں رہتی ہے ذرا چاہ کسی کی
آئے نہ مجھے آنچ جو آہ کسی کی

چھن جائے جگر ٹکڑے ہو چھٹ جائے نگہ
کیا تجھ کو تیرا سے بت گمرہ کسی کی

ظاہری حسن پرستی کو سمجھتے ہیں عبث
دشمنِ عشقِ مجازی ہیں حقیقت والے

افضل

(افضل) منشی حسن یار خاں بہادر مخاطب بہ اسد الدولہ خلف باقر علی خاں باشندہ لکھنؤ شاگرد خواجہ آتش - شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ بھی گئے تھے بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے اشعارِ ذیل سے نتیجۂ فکر ظاہر ہے ؎

وہ دیوانہ ہوں جس پر رشک فرزانوں کو آتا ہے
فسانہ ہے پرستاں میں مری زنجیر کے غل کا

یہ یاں کی فکر میں ہے وہ واں کے خیال میں
دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے ہی حال میں

موسیٰ کی طرح تابِ نظارہ نہ ہو سکے
غش آ گیا جمال جو دیکھا جلال میں

آخر یہ خبطِ مال وبالِ بخیل ہے
انصاف ہو تو قصۂ قاروں دلیل ہے

کرتا ہے آگے یار کے اکثر ہمارا ذکر
غماز گویا اپنی طرف سے وکیل ہے

دل دے کے تجکو جان کا دشمن بنائے کون	بیٹھے بٹھائے مفت کے صدمے اٹھائے کون
پُر فن ہے پُر فریب ہے قاتل ہے شوخ ہے	دھوکے میں تیری چشم فسونگر کے آئے کون
شیریں تری شکر سی دہنی پر ہوئی شیدا	لیلی تری دیوانی بنی نجد کے بن میں
ابرو نے تری سیکڑوں بے جرم کیے قتل	ٹھوکر سے تری مردوں کے جاں آگئی تن میں
مرے مدفن کو ٹھکرا کر وہ بولے	بہت سوئے اٹھو خواب گراں سے
اپنا یہ حال کہ امید پہ ہر دم ہے نظر	انکی یہ ضد ہے کہ جو چاہیں وہ چاہیں ہم سے
یوں جو بن ٹھن کے آج بیٹھے ہو	فکر میں کس کے ہو مٹانے کے
ہاتھ دھوتی ہے شفق چشمۂ خورشید میں روز	خون بے جرم کی لیکن ابھی لالی نہ گئی
اور امید تو کیا اک ہوئی تھی حاصل	دلمیں اک جان سی تھی سو وہ بھی نکالی گئی
وہ بولے بندۂ حق ہو تو بت سے التجا کیوں ہے	خدا رب آپ ہے پھر بتوں سے واسطا کیوں ہے
رکی کچھ دلمیں کچھ سینے میں کچھ لب پر کچھ آنکھوں میں	بڑی مشکل سے دم لے کے جان ناتواں نکلی

(**افضل**) افضل الدولہ مظفر الملک سید افضل علیخاں بہادر عرف چھوٹے بھیا آنریری مجسٹریٹ رئیس لکھنؤ۔ ساکن لکھنؤ نبیرہ ولد منشی اسیر لکھنوی۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی تینوں زبانوں میں معقول دستگاہ رکھتے ہیں۔ زبان اردو تو انکی مادری زبان ہے۔ فن شعر میں اپنے والد نامدار کے شاگرد ہیں۔ ۵۳ سال کے قریب عمر ہے خوش مزاج۔ خلیق۔ بامذاق۔ نغز گو سخن سنج ہیں۔ خیال میں بلند پروازی ہے اپنی اطراف میں فن سخن کے اچھے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ خطابات مذکورہ خورد سالی میں حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ نے آپ کو مرحمت کئے تھے۔ لکھنؤ کے موقر اور با رسوخ عمائدین میں آپکا شمار ہے نیر آصفی نام رسالہ بھی آپ نے نکالا تھا جواب بند ہوگیا۔ آپ کا دیوان تیار ہے۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو

اے انتظار یار ہے تیری مدد کا وقت	آنکھوں سے بوجھ اٹھ نہیں سکتا ہے خواب کا

داغِ الفت ترے کیا کہئے کہ کیا دیتے ہیں | درد میں دُکھ میں مصیبت میں مزا دیتے ہیں
شوق لیجائیگا اُس کوچہ میں اے حضرتِ دل | آپکے ساتھ ہم اک راہ نما دیتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ خدا حضرتِ زاہد سے بچائے | اک نہ اک روز نئی گپ یہ سُنا دیتے ہیں
آشنا ورطۂ الفت سے نکالیں مجھکو | ڈوبتے کو تو سبھی پار لگا دیتے ہیں
کُشتہ تیغ ادا اُس بتِ سفاک کا ہوں | زخم ہنس ہنس کے مرے جسکو دعا دیتے ہیں
آفریں کہہ کے ہر اک وار پہ مشتاقِ فنا | دمبدم حوصلہ قاتل کا بڑھا دیتے ہیں

دلِ عاشق کی خاطر اے حسینو
نظر آیا سوا تیرے نکوئی
یہ دزدیدہ نظر اسکے گھر میں
جہاں کو خوب جانچا ہے نظر میں

سب کی نظروں میں ہے وہ عیاں کچھ نہاں نہیں | سچ پوچھئے تو یار کا جلوہ کہاں نہیں
کیا فرض ہے کہ مان لیں زاہد کا ہم کہا | آیت نہیں حدیث نہیں کچھ قرآں نہیں
وہ اور وعدہ وصل کا اے نامہ بر مجھے | باور نہیں یقین نہیں یہ گماں نہیں

افضل

(**افضل**) منشی محمد افضل خاں باشندہ میرٹھ ۔ انکا مطبوعہ دیوان نظر سے گزرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ۔ دیوان سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ فنِ سخن میں کس سے اصلاح لی ہے کلام عیوب سے پاک اور صاف ستھرا ہے ۔ پُرگو اور مشاق معلوم ہوتے ہیں ۵

مونسِ یونس ہوا تھا بطنِ ماہی میں تو ہی | خامشی یوسف میانِ کارواں تو ہی تو تھا
گر سوز تھا دلمیں کبھی تھا دردِ جگر رات | کی یاد میں اک شوخ کے مر مر کے سحر رات
صاف ظاہر ہے حسینوں کا تو باطن ہے خراب | شعبدہ انکی محبت سے ہے تو دھوکا اخلاص
چیں بر جبیں ہے نوبتِ قاتل لبانِ تیغ | کیا کیا کھلائیں گے ابھی گل بسملانِ تیغ
یہ قطع یہ بُرید یہ شوخی یہ شانِ تیغ | یہ گھاٹ یہ تراش یہ پہلو یہ آنِ تیغ
ہمکو تو اپنے خوں کا عوض مل گیا یہیں | معمور آبلوں سے ہے قاتل زبانِ تیغ
بستر نرم کیوں تپاں سے تپ سے پہلو بدلتا ہے | بتا تو اے دلِ بیتاب ان باتوں سے کیا حاصل

حج کو چلتا ہے تو بس یوں ہی نکل چل زاہد ۔ راہ سیدھی ہے بت کعبہ کی بتخانہ سے
دیکھ لے حضرتِ زاہد کا تقدس کوئی ۔ منہ چھپائے ہوئے جاتے ہیں وہ میخانہ سے
یہ کہہ کر ہمسے اُسنے تنگ ہے برخاست محفل کی ۔ کہیں کچھ اپنے دل کی اب نہیں کچھ آپکے دل کی
وہ خود حیراں ہو کر عاشقوں سے اپنے کہتے ہیں ۔ جلا جاتا ہے اک اک سے نئی گرمی ہے محفل کی
وہ آبِ تیغ کو آبِ بقا سمجھتے تھے ۔ گلے گلے ترے بسمل نہ کیوں اُتر جاتے
ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں پہنچی شکست ۔ توبہ فریادی درِ قاضی پہ ہے آئی ہوئی

مہر کا ذرہ میں جلوا چاہئے
قطرے میں کچھ جوشِ دریا چاہئے
رہ چکے بر لانے کی کوشش وہ کریں
اُن تمناؤں کو دیکھا چاہئے
تیرے بیماروں کا مُردوں میں شمار
شرم اے رشکِ مسیحا چاہئے
پی کے سنئے زاہدِ موصوف ناز
دین کا حظ لطفِ دنیا چاہئے

افضل

(افضل) مرزا افضل حسین بیگ مددگار صیغہ دار نظامت عدالتہائے گلبرگہ حیدرآباد دکن زمانۂ حال کے نومشق شعرا میں ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

بعدِ مردن بھی مری روح کو نزہت ہوتی ۔ ہنس کے تربت پہ مری وہ جو گل افشاں ہوتا
ہے عزم سوئے مسجد و بت خانہ کسیکا ۔ اُٹھتا ہے قدم جانبِ میخانہ کسیکا

لے کے دل آپ مکر جاتے ہیں ۔ کچھ ٹھکانا ہے اس ڈھٹائی کا
پھرے پھرتا ہے ہمسے جو زمانہ ۔ کشیدہ ہے جو چرخ جنگجو ہو

افضل

(افضل) منشی عبدالرحمن باشندہ حیدرآباد دکن۔ مولانا حبیب الرحمن تبدیل سہارنپوری کے تلمذ سے بہرہ ور اور نومشق شاعر ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

دیر ویرانہ ترے وقت میں کعبہ تھا خراب ۔ عہد میں تیرے کوئی کافر و دیندار نہ تھا

نگہ تیری عجب جادو بھری ہے
ملا کر آنکھ مجھ سے لے لیا دل
پھنسایا کس لئے مجھ کو بلا میں
تری تقصیر کیا کی تھی بلا دل

آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ہم
بیدار گو ہیں پر وہی عالم ہے خواب کا

اپنے دشمن کو بھی دشمن نہیں کہہ سکتے ہم
دوست کا دوست ہوا جب تو وہ دشمن کیسا

دوست نے دوست کو کیا دشمن
دل نے مارا حبیب سے مل کر

گل ہیں نازک نہ کہیں باغ میں مرجھا جائیں
بارِ الفت کا کھوا ان پہ نہ ڈالے بلبل

گھر میں سببِ امن ہے اب کثرتِ آفات
کہتی ہے بلا کون پڑے جا کے بلا میں

یوں دل سے میں کہتا ہوں رہ صبر و رضا میں
اتنا تو وفا میں ہو وہ جتنے ہیں جفا میں

باغباں کہتے ہیں گلچیں سے یہ گلزار نہیں
جیت اُس پھول کی ہے ہو جو ترے ہار نہیں

حضرتِ خضر نے رہ کے جو تنہا کیا لطف
زندگی وہ ہے جو ہو جائے بسر یاروں میں

خوشی ہو یا ہو غم دنیا میں کلفت ہو کہ راحت ہو
بدل راضی ہوں بسم اللہ جو تیری مشیت ہو

مناسب ہے کہ رنگِ ظاہر و باطن میں وحدت ہو
بشر ہو نیک سیرت بھی اگر وہ خوبصورت ہو

ہمارے اُنکے آپس میں اگر ملنے کا دن ٹھیرے
اِدھر ہو ضعف سدِ راہ اُدھر مانع نزاکت ہو

تمہاری گر عنایت کی نظر ہو
تو مشتاقِ دعا اُلٹا اثر ہو

یہ شوقِ دید میں دل چاہتا ہے
کہ میں پہنچوں وہاں پہلے نظر سے

دکھائی دے رخِ وحدت کا جلوہ
اُٹھے پردہ دوئی کا گر نظر سے

پیچھے مسیح ہونے کا دعوے کرے کوئی
پہلے مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

کل اُسکا رنگ اور تھا آج اُسکا ڈھنگ اور
کیونکر مریضِ ہجر کو اچھا کرے کوئی

بھرا ہے دل میں بہت اسکے زعمِ یکتائی
مزہ تو جب ہے کہ آئینہ روبرو آئے

امیدوار ہزاروں ہیں لاکھ خواہش مند
ہے ایک دم ترا کس کس کے دل میں تو آئے

شباب کا بھی وہی رنگ ڈھنگ ہے افضل
نہ جیسے جا کے پھر انساں کی آبرو آئے

دلِ پُر داغ میرا رنگ و بوئے عشق رکھتا ہے
یہ گلدستہ تمہاری محفلِ رنگیں کے قابل ہے

لیا ہے جسنے دل میرا وہ کوئی اور ہی ہوگا
چرایا ہی نہیں جب چور کیوں پھر آپکا دل ہے

سجدۂ حق کرے دے بوسۂ قرآن مبین
تختۂ عجز کو جوہر کی بنائے تزئین

خطِ قسمت میں جو تحریر ہے مانے اُسکو
کرے وہ کام جو سونپا ہو خدا نے اُسکو

کام سینے کا ہے ہنگام مصیبت ہو سپر
سینے فانوس ہے شمع فن و علم و ہنر
کرے ماتم جو ملے رنج احبا کی خبر
دے کل اوصاف صداقت کو جگہ مثل جگر

[illegible]

عقل و حکمت کے لئے سینۂ سینا بن جائے
جلوۂ نور خدا کے لئے سینا بن جائے

جو بشر کرتا ہے سیتا کا لقب وردِ زباں
منہ سے نکلا ہوا [illegible]
زخم دل سیتا سے ملتا ہے ایذائے نہاں
دست ہمت [illegible]

جانکی جی کا جہاں نام زباں پر آیا
جان کی نیت ہوئی [illegible]

پاپ اِن ناموں کے رٹ لینے سے کٹ جاتا ہے
تمام افلاک و خلاکت کا اُلٹ جاتا ہے
ہاتھ سے پاپ کے رنج کا گھٹ جاتا ہے
آگے جم راج [illegible] سے پلٹ جاتا ہے

نام اِن ناموں کے رہنا ہیں بدبختی کا
نام مٹ جاتا ہے تشویش و غم سختی کا

جگمگا اُٹھا کفِ پا کی ضیا سے رنواس
طرف تھے کھیل کلیل اور عجب راس بلاس
ہوا بیکنٹھ اودھ [illegible]
دیوتا سب تھے حاضر پئے خدمت چوپاس

[illegible]

خلق کی آنکھ کے پردے تھے جو بے اُنکے
چاند سورج تھے [illegible]

رنگ بگڑا ہوا رگھبر نے جو دیکھا بھالا
آنے والی جو بلا سر پہ تھی اُس کو ٹالا
آتش [illegible]
یوں پرسرام سے بولے کہ جناب والا

[illegible]

اب دھنک ٹوٹ چکا غصہ خفا ہو کہ نہ ہو
سر تسلیم ہے خم [illegible] ہو کہ نہ ہو

دل پہ اس غمزۂ تہذیب نے جادو ڈالا
بولے یوں دیکھیے دھنک قوس قزح سے اعلیٰ
علم نے [illegible] حقیقت کا [illegible] اُجالا
یہ جو چڑھ جائے تو ہوں قائل ذات والا

۵ سیتا سے مراد [illegible] کوہ طور [illegible]

افغان

افغان (محتشم خاں افغان - قومیت کی رعایت سے تخلص افغان رکھا تھا - طبقۂ دوم کے شعرا میں گزرے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں - یہ تین شعر انکے طبعزاد ہیں ٥

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے	عشوہ و غمزہ و گفتار ادا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی ہتی نہیں ہرگز منظور	ان بتوں کا ہو میں دیکھا تو خدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغاں	یہ غلام ایسا نہیں اسمیں وفا اور ہی ہے

افق

افق (منشی دوارکا پرشاد صاحب لکھنوی - آپ منشی پورن چند کایستھ مالک مطبع تمنائی لکھنؤ کے صاحبزادے اور منشی رام سہاے تمنا کے بھائی ہیں - اُردو تو خیر آپکی مادری زبان ہے لیکن فارسی میں بھی آپ دستگاہ کامل رکھتے ہیں بچپن سے شعر گوئی کا شوق ہے منشی شنکر دیال فرحت سے اصلاح لیتے تھے سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقف ہیں چنانچہ راجستان ناٹک - رامائن وغیرہ سنسکرت اور انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ نہایت لستانہ و سادگی سے کیا ہے - ترجمہ نولی - فہیم - اور خوش فکر شاعر ہیں طبیعت موزوں اور فکر عالی پائی ہے - آج کل اخلاقی اور نیچرل مضامین پر جھکے ہوئے ہیں نیچرل طرز میں بھی مشرقی بانکپن کو ہاتھ سے نہیں دیتے - سناتن دھرم سبھا کے جلسوں میں اکثر نظمیں پڑھتے ہیں - فی زمانہ طرز جدید کے کہنے والوں میں آپکو درجۂ امتیاز حاصل ہے - مضامین نگاری میں بھی آپ کو معقول دسترس ہے - چنانچہ ایک مدت تک لکھنؤ سے نظم اخبار آپکے زیر نگرانی شائع ہوتا رہا - سنہ ١٩٠١ء میں لاہور آکر جناب سہاچار کی اڈیٹری کی کرسی کو زینت دی - اب کچھ عرصے سے مہابھارت اور رامائن نظم کر رہے ہیں جنھیں پڑھکر بعض بعض مقامات پر کلام کی صفائی و روانی اساتذۂ لکھنؤ کا رنگ یاد دلاتی ہے - اوائل سے آپکو تصنیف و تالیف کا شوق ہے - افضل التواریخ - سرویش سخن نظم - اور متعدد رسائل نظم و نثر آپکی تصنیف سے شائع ہو چکے ہیں - آپکی عمر اب ٥٠ برس کے قریب ہے ٥

کام واسطے کا ہے چوسے ورسعید کی زمیں	کبھی ہوتے نہ دسے ہرگام غضب جلوہ نہیں

اور اُسمیں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ فرماتے تھے - دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۰۳ء میں دہلی بھی حضور نظام کے ہمرکاب آئے تھے اُسی سال کے آخر میں انتقال فرمایا - کلام حاضر ہے ؎

لاکھوں کے اِک اشارے میں نخچیر دل ہوئے
کیا سحر تو نے اے نگۂ یار کر دیا

گھر مرے آیا نہ وہ مہرِ درخشاں اب تک
نہوا اخترِ طالع مرا تاباں اب تک

دیکھکر اُس لبِ بانخوردہ کی سرخی کی بہار
خون ہوتا ہے دلِ لعلِ بدخشاں اب تک

گالیاں دیتے ہیں وہ مجھکو مگر پیار کے ساتھ
اِس مروت کے بھی دنیا میں ہیں انساں اب تک

ساتھ سوئے وہ مگر پہلو میں رکھا آئینہ
مرے حق میں ہو گیا سدِ سکندر آئینہ

بوسہ جب اقبال نے مانگا تو اِک انداز سے
ہنس کے فرمانے لگے ہوگا مکرر آئینہ

کسی کی چشمِ فتاں زلفِ پیچاں ہیں مرے دلکو
پھنسا کر خود الگ ہے دیکھئے ہشیار کیسی ہے

دکھا کر تازیانہ زلفِ پیچاں کا وہ کہتے ہیں
تجھے معلوم ہے اقبال اِسکی مار کیسی ہے

اقبال (شیخ محمد اقبال ایم اے سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور - آپکی ولادت سنہ ۱۸۷۶ء میں ہوئی وطن مالوفہ سیالکوٹ ہے - لاہور کالج میں تعلیم پاکر ایم اے کی ڈگری حاصل کی ابتدائے سن تمیز سے آپکی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا نہایت سشتہ وصحیح مذاق سخن آفریں نے آپکی طبیعت میں ودیعت کیا ہے - یہ خداداد صفت آجکل کے شعرا میں کم پائی جاتی ہے - لاہور کے ایک مشاعرہ میں جو آپ نے پہلے پہل غزل پڑہی اُسکا ایک شعر سنکر مرزا ارشد گورگانی کو جو اتفاق سے شریک بزم مشاعرہ تھے نہایت حیرت ہوئی اور بے اختیار اُنکی زبان سے نکلا کہ ہیں اقبال ایسی عمر میں اور ایسا شعر اور وہ شعر یہ ہے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

یہ پہلا موقعہ تھا کہ لاہور کے بامذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی ورنہ ایام طالب علمی میں انکی طباعی اور ذکاوت کا شہرہ صرف اونکے ہم جماعت طلبا اور دوستوں تک محدود تھا - سنہ ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے

اقبال

رام نے چلّہ چڑھاتے ہی دھنک تان لیا
بشن کا روپ پرسرام نے پہچان لیا

[illegible]

خود وکھشٹ کے اشارے سے سر رام اٹھے
کر کے مرشد کو لبِ عجز سے پرنام اُٹھے

بہرِ تعظیم مہاراجہ عظام اُٹھے
دستِ محلات دعاؤں کو لبِ بام اٹھے

رام کے زور سے شہزوروں کا جی چھوٹ گیا
دستِ نازک سے اُٹھاتے ہی دھنک ٹوٹ گیا

آنکھ نیچی ہوئی راجوں کی سری رگھبر سے
راکشس سہم گئے۔ کانپ اُٹھے بھاگ گئے ڈر سے

آئیں جے جے کی صدائیں لبِ ہفت اختر سے
دُندُھبی بجنے لگی پھول فلک سے برسے

جانکی جی کی عیاں خوبیٔ اقبال ہوئی
رام کے زیبِ گلو ہاتھ کی جیمال ہوئی

افکار

(**افکار**) صاحبزادہ اصغر علیخان افکارؔ ولد صاحبزادہ احمد یار خاں افسرؔ رامپوری خلف نواب احمد یار خاں صاحب امیرؔ۔ خاندانی شاعر تھے۔ مذاقِ سخن ورثہ میں پایا تھا۔ طبیعت مضمون آفریں اور عاشقانہ مذاق تھا۔ بقول امیرؔ مینائی آپ کا بیان تھا کہ مینے اخوندزادے غفلتؔ خواجہ آتشؔ۔ ذوقؔ۔ اور علی بخش بیمارؔ۔ ان چاروں سے فیضِ سخن پایا ہے۔ ترتیب تذکرہ ہم انتخابِ یادگار (۱۸۸۰ء) کے وقت ۵۵ سال کی عمر تھی۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو ۔

ذکرِ محشر ہو چکا واعظ ذرا اب دل سنبھال
میں بیاں کرتا ہوں اپنے فتنہ گر کی چال کا

دے دیا طاق سے آئینہ اُٹھا کر اُنکو
حال مجھسے دلِ حیراں کا دکھایا نہ گیا

اس پہ مرتے ہیں وہ آئیں قبر پر
یہ بھی ہو جائے گا ہونا کچھ نہیں

میری تربت کی زیارت کے لئے جاتا ہے
جو یہ سُنتا ہے کہ وہ فاتحے کو آئیں گے

تم تو محشر میں نہ ہو کے کمدو
ورنہ اک اور قیامت ہو گی

آہ کا گریہ کا بیتابی کا کچھ عالم نہ پوچھ
ڈر ہے یہ ناصح بُرے تجھکو نہ سمجھانا مجھے

قد ہی خود قیامت تھا زلف کیوں بڑھائی ہے
اور ساتھ محشر کے ایک بلا لگائی ہے

اقبال

(**اقبال**) نواب اقبال یار جنگ بہادر کمشنر محکمۂ انعام و اتالیق ولیعہد حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ۔ معمر اور پاکیزہ صورت بزرگ تھے۔ کبھی کبھی ازرہِ شعر گوئی کی طرف بھی تفنناً مائل ہو جاتے تھے

اکثر اُنکے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپکے کلام میں ایک کمی ضرور ہے وہ یہ کہ کہیں کہیں خلاف محاورہ و روزمرۂ اہل زبان الفاظ نظم کر جاتے ہیں امید ہے کہ کثرت مشق سے یہ نقص بھی جاتا رہے گا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مذاق سلیم کے ساتھ ساتھ آپکی سرشت میں انصاف پسندی بھی ایسی ہے کہ آپ اپنے دیگر معاصروں کی برعکس واجبی نکتہ چینی سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر اتفاق سے کبھی کوئی صحیح اعتراض کرتا ہے تو اُسے بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی کو مطلق دخل نہیں دیتے۔ ناظرین کی تفریح کے لئے آپکے کلام کا تھوڑا سا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اسکی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جنکے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور جہاں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خارزار ہوگا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر میخانہ سنکے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

جو ایک تھا ایک نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

سالانہ جلسہ میں آپنے نالۂ یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم نہایت میٹھے سروں میں پڑھی یہ نظم دلگداز و موثر ہونیکی وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ بار بار پڑھنے کی فرمایش ہوئی اور یتیم خانے کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی ۔ اس نظم نے اُس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اب اطراف ہند میں پھیلی ہوئی ہے ۔ آپکی حالت میں انگریزی دانی اور علوم مغربی کی تحصیل کا شوق زبان اُردو کیطرف متوجہ ہونے میں سدِ راہ نہیں ہوا ۔ اور کیوں ہوتا جس حالت میں کہ آپ فارسی اور عربی میں بھی قابلِ تعریف قابلیت رکھتے ہیں ۔ اور اُم الالسنہ سنسکرت سے بھی ناآشنا نہیں ہیں ۔ ابتدا میں آپ نے چند غزلیں مرزا ارشد گورگانی کو دکھائیں اور پھر بلبلِ ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا داغ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا اُس روز سے آج تک آپکا کلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے ۔ جب سے نئے رنگ میں لکھنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی ۔ کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے اور اپنے طرز خاص پر قابل امتیاز قابلیت حاصل کر لی ۔ چونکہ غور و فکر کرنے والی خداداد طبیعت پائی ہے وہ خود ہی مصلح ہو جاتی ہے ۔ نواب فصیح الملک انکی قدر کرتے اور خارق العادت ۔ لیاقت ذہانت ۔ بلیغ اور رسا طبیعت کی داد دیا کرتے تھے ۔ اگرچہ شیخ صاحب کا کلام ابھی خاص خاص باتوں میں کہنہ مشق اساتذہ کے درجہ پر نہیں پہنچا ہے مگر جو خاص بات اُسمیں ہے وہ سوائے نامور استادوں کے اور لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے ۔ آپکے کلام میں بھرتی کے شعر کم پائے جاتے ہیں ۔ کوئی شعر درد ۔ وحدت اور اخلاق کی چاشنی سے خالی نہیں ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ دور دور سے داد آتی ہے چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے ۔ آپکو تحقیق و تنقید میں خاص ملکہ حاصل ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی تعلیمی مشاغل سے روز افزوں دلبستگی ہے ۔ چنانچہ فی الحال تکمیل علوم اقتصاد و قانون کے لئے ولایت میں مقیم ہیں ۔ آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہیں ۔

نشے میں مست سمجھتا ہے مجھکو کیوں واعظ
تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ

رہی نہ زہر میں اقبال وہ پرانی بات
جاں دے کر نہیں جینے کی دعا دیتے ہیں

ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت سے سوا
علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست

تم نے تاکا دل کو لیکن اُف رے شوقِ تیرِ عشق
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ

حباب آسا سرِ موجِ نفس باندھا ہے محمل کو
وہی اک شعلہ ہے تربت بھی ہے اور شمعِ تربت بھی

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
وہ چمن نام ہے جسکا جہاں میں آزادی

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
کہتا ہے خضر دشتِ جنوں میں مجھے کہ چل

اے حباب بحر اے پردۂ دامانِ موج ؛
کھل گئی چشمِ تماشا اپنی جسدم اے کلیم

موت یہ میری نہیں میری اجل کی موت ہے
یوں تو اے صیاد آزادی میں لاکھوں ہیں مزے

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
مری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی

مدام گوش بہ دل رہ یہ ساز ہے ایسا

وہ اپنا وعظ کہے جائے ہوشیار ہوں میں
کہا جو سے کو مجھکا گر گناہگار ہوں میں

کسی کے ہجر میں جینے سے شرمسار ہوں میں
پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

خود وہ اٹھ کر مجھے محفل سے اُٹھا دیتے ہیں
وائے محرومی صدف بینِ لبِ ساحل ہوں میں

دل سے کہتا ہے جگر تو دانہ ہے، دل میں ہو لب
کسقدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

ذرا دیکھ اے شررا ذوقِ فنا مجھکو کہاں تک ہے
مزا مرنے کا کچھ پروانۂ آتش بجاں تک ہے

یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے
سُنی حضور ہے دیکھی کہیں نہیں مینے

یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں کہیں مینے
آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹے نکال کے

کچھ پتہ ملتا ہے تجھسے اپنی ہستی کا مجھے
طور ہر ذرے کے دامن میں نظر آیا مجھے

کیوں ذروں اس سے کم کر پھر نہیں مزا مجھے
دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اور ہے

خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے
جو ہوشیار ہی بستی میں امتیاز کرے

جو ہو شکستہ تو پیدا نوائے راز کرے

جوانی ہے تو ذوقِ آرزو بھی لطفِ ارماں بھی ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

عاشقِ دیدارِ محشر کا تمنائی ہوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہوا

میری بینائی بھی شاید مانعِ دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا

ہائے میری بدنصیبی وائے ناکامی مری
پانوں جب ٹوٹے تو شوقِ دشت پیمائی ہوا

میں تو اس عاشق کی ذوقِ جستجو میں مر مٹا
ماعرفنا کہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

دیکھ ناداں امتیازِ شمع پروانہ نہ کر
حسن بنکر عشق اپنا آپ سودائی ہوا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جسمیں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو دیکھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

تمام مضموں مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

شاعر

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دیدیکر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نہ دیکھا اے دیدۂ خونبار دلکو کم نگاہی سے
ترے آنسو اسی اجڑے ہوئے گلشن کے لالے ہیں

نہ پوچھو مجھسے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

بلا کشانِ محبت کی یادگار ہوں میں
رہا ہوا خطِ لوحِ سرِ مزار ہوں میں

فنا ہوئے پہ بھی گویا وفا شعار ہوں میں
جو مٹ گیا تو حسینوں کا اعتبار ہوں میں

نسیمِ صبح نہ چھیڑے مجھے کہ دامن سے
کسی کے ہاتھ کا جھاڑا ہوا غبار ہوں میں

ہمارے دل میں خنجر ناز کے کیا کیا نہ گڑتے ہیں
یہ کافر خوب رو جس وقت تن تن کر اکڑتے ہیں

یہ جتنے خوب رو سرکش ہیں انکو خوب دیکھا ہے
گئے پر سن لیے اک ایک کے یہ پاؤں پڑتے ہیں

خدا چاہے سو ہووے اب ہمارے حق میں اے اکبر
صنم سے اپنے ہم بھی آج اک بوسہ پہ اڑتے ہیں

سینے میں دل کہاں ہے تو اسکو مت ٹٹولے
پیارے بجائے دل یہاں سیکڑوں پھپھولے

اکبر

(**اکبر دہلوی**) مکرم الدولہ سید اکبر علیخاں بہادر مستقیم جنگ برادر حقیقی نواب تاج محل بیگم صاحبہ محل خاص حضرت شاہ عالم ثانی و عموی مادری مرزا جواں بخت جہاندار شاہ ولیعہد نیک سیرت خوش رو اور رنگین طبع امیر تھے - علم موسیقی میں اچھا دخل تھا - تمام عمر عیش و عشرت سے بسر کی - شعرائے ریختہ کا ایک نہایت عمدہ تذکرہ جسمیں چالیس تذکروں سے مدد لی تھی مرتب کیا تھا - ایک اردو مثنوی نغمہ من - اور ایک دیوان فارسی آپکی یادگار ہے - ریختہ گوئی کیطرف بھی متوجہ ہو جاتے تھے - مگر دیوان اب نہیں ملتا - تین شعر ملے وہی لکھے جاتے ہیں عین عالم شباب سنہ ۱۸۰۳ء میں وفات پائی ہ

کب میں کہتا ہوں تجھے آکے مسیحائی کر
ایک دم تو کبھو آ اس دل بیمار کے پاس

کچھ اپنی زندگی نظر آتی نہیں خدا
ہوں نیم جاں میں اس بت عیار کے لئے

طوفاں سے کم نہیں ہے اکبر کا دیدۂ تر
دیکھا اسکو ابر بھی یہاں پانی بھرا کرے ہے

اکبر

(**اکبر دہلوی**) نواب محمد اکبر خاں برادر خورد نواب مصطفٰے خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد (دہلی) حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے - فکر سخن بہت کم کرتے تھے مگر جو کچھ کہتے تھے اچھا ہوتا تھا - سنہ ۱۸۸۰ء میں بعمر ۶۵ سال راولپنڈی میں انتقال کیا - یہ آپکے کلام کا خلاصہ ہے ہ

سوچیے حضرت ناصح کوئی تدبیر وصال
حیف چارہ نہ کرے آپ سا دانا دل کا

دیکھ اچھی نہیں ظالم یہ ہوا داری غیر
شمع الفت کو بجھا دے نہ جلانا دل کا

خانۂ غیر میں گر لگنے لگا آپ کا جی
مجکو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا

نہ تھا سارا جہاں دشمن عبث تو نے جہاں پھونکا
جہاں کو تو نے کیوں اے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کوئی یہ پوچھے کہ واعظ کا کیا بگڑتا ہے
جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے

نہیں ہے فرق محبت میں اور غلامی میں
یہ عشق وہ ہے کہ محمود کو ایاز کرے

سخن میں سوز الٰہی کہاں سے آتا ہے
یہ چیز وہ ہے کہ پتھر کو بھی گداز کرے

اس عشق خانہ سوز کا شایان کرم یہ ہے مدام
یاں قید کفر و دیں نہیں جسکو وہ بے نیاز دے

غافل تجھے خبر نہیں لذت فراغ میں ہے کیا
دنیا ادا پہ کر فدا عقبےٰ بہائے ناز دے

بکتا نہیں جہاں میں ارزاں متاع کافری
قیمت میں اسکی خرقہ دے تسبیح دے نماز دے

تارے میں وہ قمر میں وہ بجلی میں وہ شجر میں وہ
چشم نظارہ بیں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبےٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کیلئے
بجلیاں بیتاب ہوں جنکو جلانے کیلئے

دیکھ لیتا ہوں جہاں تنکا کوئی چبھتا ہوا
میں اٹھا لیتا ہوں اپنے آشیانے کیلئے

جمع کر خرمن تو پہلے دانہ دانہ چنکے تو
آہی نکلے گی کوئی بجلی جلانے کے لئے

اس چمن میں مرغ دل گائے تنا زادی کا گیت
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے

اکبر

(اکبر) شاہ اکبر عرف مرزا بھجو۔ شعرائے قدیم میں سے تھے۔ شیخ ظہور الدین حاتم کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اکبر محمد شاہ بادشاہ کے نقیبوں میں تھے۔ خوش طبع رنگیلے اور طرار لطیفہ گو آدمی تھے۔ جب مصحفی نے شاہجہاں آباد میں مشاعرہ مقرر کیا تو اول یہ بھی اُس میں شریک ہوئے۔ مصحفی انکے کلام کو ناپسند کرتے اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ اساتذۂ مشہور کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دینے میں انہیں کچھ تامل نہ تھا۔ اُس زمانے کے عام مذاق کے موافق متوسط درجہ کا کلام ہے جسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

دل میں جو آج درد ہے اکبر کے دوستاں
کس کی نگہ کے تیر کا پیکان رہ گیا

ہے بر میں میرے یار کے کیا جامہ پھبن کا
جو پاٹ ہے جامے کا سو تختہ ہے چمن کا

پڑ گئے نور کے پردے جو اٹھا رخ سے نقاب — روئے روشن رہا ہر رنگ میں پنہاں تیرا

لطف اسکا کوئی مجھ جیسے دل سے پوچھے — لذتِ درد کی ہے بیاں نمکداں تیرا

کھل گئی آنکھ ہوئی صبح اب آتی نہیں نیند — زندگی دیکھ لیا خوابِ پریشاں تیرا

مرضِ عشق کا کرتے نہیں عشاق علاج — اے دلِ زار یہی درد ہے درماں تیرا

جان بھی تیری ہے دل بھی ترا ایماں تیرا — جو مرے پاس ہے سب کچھ ہے وہ احساں تیرا

تیرے ترکش میں تو بیشک تھا یہ تیرِ قاتل — میرے دل میں ہے تو میرا ہے یہ پیکاں تیرا

مزاج اک روز اے خورشیدِ حشر تیرا پوچھیں گے — ذرا اچھا ہو مرگ جائے ہمارے داغِ ہجراں کا

فقیرِ بینوا ہوں آسرا ہے فضلِ یزداں کا — اسی پر مجھکو بھی تکیہ ہے جو مالک ہے سلطاں کا

شکل جب بس گئی آنکھوں میں تو چھپنا کیسا — دل میں گھر کر کے مری جان ہے پردہ کیسا

کہدو دنیا سے کہ رندوں سے الگ بیٹھے رہے — کسی زاہد سے نہ اٹھوائے جنازہ اپنا

لینے دیتی نہیں آرام تری نوکِ مژہ — دل میں چبھ جاتا ہے رہ رہ کے یہ نشتر کیسا

مرے دل میں نہ کیوں اس حسن کا پرتو تو نے ڈالا — یہ کعبہ ہے چراغ اسکے شعاعوں میں جلانا تھا

رنگ اترتا ہی نہیں عشق کا جب چڑھ جائے — جسنے دنیا میں اسی رنگ کو پکا دیکھا

کان وہ جسنے کڑی بات سنی نرمی سے — آنکھ وہ جسنے بری شے کو بھی اچھا دیکھا

اغیار بھروسہ نہ کریں ملنے پہ اسکے — وہ وہ ہے جو سو بار بھی ملکر نہیں ملتا

جو لوگ ہیں دنیا کے بھروسا نکر ان پر — ہر وقت یہ رخ دیکھے رہتے ہیں ہوا کا

تکیہ انہیں اسپر ہے توکل انہیں اس پر — دولت امرا کی ہے خدا ہے فقرا کا

محو ایسا تری صورت میں ہے شیدا تیرا — دیکھتا ہے وہ ہر اک شکل میں جلوہ تیرا

قصر و املاک پہ اتنا نہ ہو منعم تجھے فخر — دینے والا تو وہی ایک ہے میرا تیرا

ابھی کھل جائیں طلسماتِ جہاں کے اسرار — اے رخِ یار اٹھا دوں جو میں پردا تیرا

ہم اسکے ہیں وہ ہو ہم سے جدا کیا — جو بندے سے جدا ہو وہ خدا کیا

اثر لیلیٰ کو کیا ہو جب تری فریاد نے مجنوں
دیا نہ رنج ستم سوز دل سے کام لیا

جنونِ عشق کا درماں نہو کسی سے کبھی
قتل کر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں

دوشِ ملک پہ دیکھ کے نعشِ شہیدِ عشق
اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا

اللہ رے سوزِ سینہ کہ دامانِ چرخ میں
ہم مر گئے اور اُسنے بجانا کہ مر گئے

واں رسمِ اختلاط سے انکار و عذر تھا
طوفانِ نوح دگریۂ اکبر میں فرق ہے

ہم تو یہیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو
جلایا پائے ناقہ کو نہ دستِ ساربان پھونکا

یہ خاک ہونے کا احساں ہے چرخ پر اپنا
کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

بارے اُسنے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں
حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرشِ بریں نہو

اُس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہو
شعلہ لپٹ گیا نفسِ آتشیں کے ساتھ

ہر زخم پر جو ملتے تھے لب آفریں کے ساتھ
یاں جان ہی نکل گئی اپنی نہیں کے ساتھ

یعنی کہ آسماں کو ڈبو یا زمیں کے ساتھ
آئی نہ تھی طلب کہ رخصت کیا چلے

اکبر

(اکبر) حاجی سید شاہ محمد اکبر ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور ابتدائی سن تمیز سے آپکو فنِ سخن کیطرف میلان رہا۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے بموجب عشقیہ مضامین ترک کرکے زیادہ تر تصوف۔ اخلاق اور معرفت کے رنگ سے کلام کو رنگتے رہے اب اچھے کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا وحید الہ آبادی سے آپکو رشتۂ تلمذ حاصل ہے۔ آپکو قدیم طرز کے علاوہ طرزِ جدید میں بھی معقول دسترس ہے چنانچہ اکثر قومی مجالس میں نیچرل مضامین پر وقتاً فوقتاً نظمیں پڑھی ہیں۔ آگرہ میں اکثر قیام کا اتفاق رہتا ہے چنانچہ وہیں سے آپکا دیوان سنہ ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا تھا۔ سن شریف اسوقت ۶۰ برس سے متجاوز ہے۔ آپکے کلام میں سوز و گداز کے علاوہ فصاحت اور بلاغت بھی موجود ہے۔ اور اس بات کو دیکھتے کہ آپکی مادری زبان اُردو نہیں ہے زباندانی بھی قابل ستایش ہے۔ دیوان مطبوعہ کا انتخاب پیش کش ناظرین ہے ملاحظہ ہو

اپنی ہستی کو ہم مٹاتے ہیں
یوں پتہ یار کا لگاتے ہیں
دل سے نقش دوئی مٹاتے ہیں
وصل کا رنگ یوں جماتے ہیں
حسن کو عشق سے ہے ربط قدیم
شمع و پروانہ ساتھ آتے ہیں

ناوک فگن ہوا و ہدف پر نظر نہیں
جاتا ہے تیر ناز کدھر کچھ خبر نہیں

تصور لیلیٰ محمل نشین کا یہ بندھا اُسکو
کہ مجنوں چیختا پھرتا ہے میں لیلیٰ کا محمل ہوں

بس کہہ چکے خاموش اب اے واعظ نما ہو
کچھ منہ سے ہمارے بھی نکل جائے تو کیا ہو

عاشق نے بھی دکھائے ہیں بلا کے نیرنگ
پاؤں میں ہیں اک بت کافر کے مسلمان کے ہاتھ

نکلا جائے تڑپ کر اسکا قیدی غیر ممکن ہے
کہ دیواریں بہت اونچی ہیں زندان محبت کی

بلا میں ڈال رکھا ہے گنہگاروں کو واعظ نے
الٰہی جلد سب کو دکھا دے شان رحمت کی

جفائیں جھیلتے ہیں ظلم سہتے ہیں مگر چپ ہیں
کسی نے چھین لی ہے کیا زباں اہل محبت کی

کریں ہم دشمنی کس سے کوئی دشمن بھی ہو اپنا
محبت نے جگہ رکھی نہیں دل میں عداوت کی

کوچۂ زلف میں آئے تو بڑے شوق سے ہم
اب نکل جانے کا ملتا نہیں رستا کوئی

جسکو دیکھا وہ ہے اپنی ہی غرض کا بندہ
سچ تو یہ ہے نہیں دنیا میں کسیکا کوئی

پینے دے موسم گل میں تو شراب اے واعظ
توبہ کرلیں گے جو توبہ کی ضرورت ہوگی

یک بیک آ ہی گئی سر پہ وہ رخصت کی گھڑی
اس سفر کا نہ کیا تھا ابھی ساماں کوئی

آنکھیں دیکھیں نہیں تمنے کسی مستانے کی
واعظو قدر ہو کیونکر تمہیں پیمانے کی

پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخ چمن
لکھنے والے نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

فنا ہوکر کسیکی ذات میں حاصل بقا کی ہے
حقیقت میں ہماری نیستی ہستی خدا کی ہے

نہیں ہے اختیاری عاشقی سے بڑھکے دنیا میں
بتوں کی بندگی کرتے ہیں ہم قدرت خدا کی ہے

کسی کے سامنے پھیلاؤں کیا میں دست سوال
یہ ہاتھ تو کبھی اٹھے نہیں دعا کے لئے

عاشق نہ پھرا تا دم مرگ اپنی وفا سے
جی چھوٹ گیا قاتل کا مشق جفا سے

جدا ہے فہم سے اور وہم سے وہ ۔ سمجھے جس کو بندہ وہ خدا کیا

کسے تو ڈھونڈھتا ہے زاہد ۔ نظر آتا نہیں تجھ کو خدا کیا

بدل جاتے جو تھوڑے رنج و غم میں وہ طبیعت کیا ۔ کیا ہو شکر جس مُنہ سے کریں اُس سے شکایت کیا

ہمراہ مرنے والے کے ہیں چند گام لوگ ۔ ساتھ اُسکا کون دے جو سفر ہے دور کا

بت بن گئے ہم چل گیا جادو یہ بتوں کا ۔ بت خانہ سے اب کعبہ کو جایا نہیں جاتا

کیا دلرُبا متاع ہے دنیا میں جنس حسن ۔ ہے لوٹ پوٹ جس کو خریدار دیکھ کر

اللہ اللہ یہ بنا ظلم ہے اُس تمام کا ۔ حکم ہوتا ہے کہ دل میں بھی ہمیں یاد نہ کر

پھولوں میں رنگ آگیا دیکھ کے تیرا رنگ حیا ۔ باغ میں آگئی بہار تیرا جلوہ دیکھ کر

لگا دے آگ اے بلبل چمن میں ۔ یونہیں یہ بے اثر فریاد کب تک

دم نکلتا ہے نہ ہوتی ہے کسی صورت سے صبح ۔ تو ہی بتلا اے شب فرقت کہ اب میں کیا کروں

صدقہ اپنے بازوؤں کا اور اک ہلکا سا ہاتھ ۔ خاک و خوں میں کب تک اے سفاک میں تڑپا کروں

زاہدا کفر کی کیا تجھ پہ حقیقت ہو عیاں ۔ ابھی معلوم تجھے معنی اسلام نہیں

کفر و اسلام کے جھگڑے سے رہائی پائی ۔ جب سے دل اک بت کافر سے لگا بیٹھے ہیں

رتبہ میں آستانۂ داں اُس سے کم نہیں ۔ وہ چیز ہے یہاں جو شایانِ حرم نہیں

اُڑ زاہد ریائی کدھر جا رہا ہے تو ۔ بتخانے کی طرف ہے یہ سمتِ حرم نہیں

موئے ہیں ہمیں جبادۂ دیدار ہیں یا نہیں ۔ ہیں حور ہیں نور ہیں نار ہیں ہیں ✦

فردوس اگر ہے تو ہمارے ہی لئے ہے ۔ دوزخ کے اگر ہیں تو سزاوار ہمیں ہیں

لیلےٰ وہ ائی نہیں رہتی اربابِ عشق میں ۔ مجنوں نہیں تو ہم ترے محمل کے ساتھ ہیں

مجلس تمام عالم تصویر بن گئی ✦ ۔ تم آ گئے کیا کہ ہوش میں کوئی رہا نہیں

جب وہ پردہ رخ روشن سے اٹھا دیتے ہیں ۔ کیا کہوں کیسا مزہ آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں

جاتا ہوں تہی دست سوئے ملکِ عدم میں ۔ ہے کوئی جو کچھ باندھ دے دامانِ کفن میں

آنکھوں میں دم ہے اپنا سید کا بڑا ہو
میخانہ سے ہم کعبۂ مقصود کو پہونچے
کھلتا نہیں کچھ حال ظلمات جہاں کا
کچھ دور نہیں ملک عدم پیش نظر ہے
زاہد کھلا یہ اسکو ترے اجتناب سے
وہی عشق میں نیک انجام ہے
ہمارے قتل کا یہ ذکر جا بجا کیا ہے
بری ہے فکر بشر سے صفات و ذات اسکی
وجود اسکا ثابت ہوا چاہتا ہے
وہ بے پردہ مجھ سے ملا چاہتا ہے
آپ تلوار اٹھائیں میں جھکا دوں گردن

اسوقت بھی کسی کے ملنے کی آرزو ہے
اکبر بنے خاک در پیر مغاں ہے
یہ لوگ کدھر جاتے ہیں آئے تھے کہاں سے
دم بھر میں پہنچ جائیں گے اُٹھے جو جہاں سے
بیشک تو نا امید ہے اُسکی جناب سے
جسے رنج میں لطف آرام ہے
جو کچھ ہوا سو ہوا اسکا تذکرہ کیا ہے
جو آئے فہم میں اپنے تو وہ خدا کیا ہے
مرا نقش ہستی مٹا چاہتا ہے
حجاب دوئی اب اٹھا چاہتا ہے
پوچھتے کیا ہو کہ انجام محبت کیا ہے

اکبر

(اکبر) عالیجناب معلی القاب فضیلت مآب کمالات انتساب خان بہادر لسان العصر سید اکبر حسین صاحب رضوی سابق جج عدالت خفیفہ و رئیس الہ آباد۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء آپکی تاریخ ولادت ہے آپکا سلسلۂ نسب امام رضاؑ سے ملتا ہے دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسوں میں تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۷ء میں امتحان وکالت درجہ ادنیٰ پاس کیا۔ اور نائب تحصیلداری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ پھر ترقی پاکر ۱۸۶۹ء میں ہائی کورٹ میں مسلخوان ہوئے ۱۸۷۰ء میں وکالت درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور منصفی کے عہدے سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج عدالت خفیفہ درجہ اول اور سشن جج مقرر ہوئے۔ اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب پایا۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی ہیں عنفوان شباب سے آپ کو فن سخن سے ایک خاص لگاؤ ہے

مٹتی نہیں تصور کی لکیر اس کو سمجھنا ۔۔۔ جو بات نکل جائے زبانِ فقرا سے
لیلی ہے کہاں اور ترا دشت کہاں ہے ۔۔۔ اے قیس تجھے عشق نہیں ہے خفقاں ہے

وہ مسیحا ہونے کا دعوے کرے ۔۔۔ ہم سے بیماروں کو جو اچھا کرے
دوست ہی جب کام دشمن کا کرے ۔۔۔ پھر کوئی دشمن کا شکوا کیا کرے
شوق اُسکے دیکھنے کا ہے اگر ۔۔۔ پہلے انساں اپنا نظارا کرے

دوئی محال ہے اہلِ وجود کے نزدیک ۔۔۔ تو جسکو کہتا ہے بندہ وہی خدا بھی ہے

مرد خوش خو نہیں تو پھر کیا ہے ۔۔۔ پھول میں بو نہیں تو پھر کیا ہے
کون بستا ہے کعبے کے اندر ۔۔۔ عالم ہُو نہیں تو پھر کیا ہے

صورت آباد ہے یہ اور وہاں ہو کا مقام ۔۔۔ شیخ کیا جانے کوئی کعبے کو بت خانے سے
جو مٹا عشق میں تا حشر رہا نام اُسکا ۔۔۔ ہمیں ثابت یہ ہوا قیس کے افسانے سے
شاعر ہے داغ اور ہے اُستادِ فن امیر ۔۔۔ اکبر وحید قبلۂ اہلِ کمال ہے
رحمت کے واسطے بھی تو کچھ نذر چاہیے ۔۔۔ اے عاصیو گناہ سے بچنا گناہ ہے
یہ حسن کی خطا ہے کہ دل تم پر آ گیا ۔۔۔ میرا گناہ ہے نہ تمہارا گناہ ہے
تری آنکھیں کہیں ہیں دل کہیں ہے ۔۔۔ تو میرے پاس ہے لیکن نہیں ہے
مرا دل وہی دلربا بھی وہی ہے ۔۔۔ جو ہے مدعی مدعا بھی وہی ہے
سنا ہے یہ اللہ والوں سے ہم نے ۔۔۔ جو سب سے جدا ہے ملا بھی وہی ہے
وجود ایک ٹھیرا تو یہ پھر کیا ہے دھوکا ۔۔۔ صنم بھی وہی ہے خدا بھی وہی ہے
کسے غیر سمجھا ہے تو غیر کیسا ۔۔۔ جو بیگانہ ہے آشنا بھی وہی ہے
تو وہ شمع بزم ہے عالم ترا پروانہ ہے ۔۔۔ تو چراغ کعبہ ہے تو رونقِ بت خانہ ہے
کسی کشتے میں یہ قوت نہ اکسیر میں ہے ۔۔۔ خاصیت جو نظرِ صاحبِ تاثیر میں ہے
ڈھونڈھ اپنے دل میں اُسکو اس میں پتہ لگے گا ۔۔۔ کعبے میں کیا دھرا ہے خالی مقام ہو ہے

شاہد بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزہ رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلےٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تجھ سے کیا کہوں
اُس نے مجھکو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

قطعہ

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا

جو اعتدال کی کہیے تو وہ ادھر نہ ادھر
زیادہ حد سے دیئے پاؤں سب نے ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دُھن ہے کہ ساقی صراحی مئے لا

ادھر ہے دفترِ تدبیر و مصلحت ناپاک
اُدھر ہے وہی ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذابست جانِ مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلا

قطعہ

رسوا وہ ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا
لپکا جو سایہ پردہ دیوانہ ہوا

انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر، اِدھر سے بیگانہ ہوا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہو گیا
وہ زنانے میں گھسے مہماں رخصت ہو گیا

مے انہوں نے پی اب اُنکے پاس کونکال لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہو گیا

رباعی

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا

غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

وفا سے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا تو اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑو دلکو تمھیں مناسب ہے دلنوازی
تو سُن کے بولا کہ سہل ہو گا دلِ شکستہ میں راہ کرنا

جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر اُنہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر دیکھئے آکے بزمِ سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

خواجہ آتش کے شاگرد منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی کے شاگرد رشید بلکہ سرمایۂ ناز اور فخر اُستاد ہیں۔ چونکہ عربی و فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی اور اُسکے علم ادب سے بھی بخوبی ماہر ہیں اسوجہ سے جہانتک ممکن ہوتا ہے مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بدرجۂ احسن کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو میں بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ ایشیائی طرز قدیم میں بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہیں۔ قوت متخیلہ و ممیزہ دونوں میں اعلیٰ درجہ کا حصہ فطرتاً آپکی طبیعت میں ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزوں اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانوں پر ہو رہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بالخصوص حد درجہ دلچسپ و دلکش ہے نغز گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنیٰ جوہر ہے مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی اور نازک خیالی سے خالی نہیں عاشقانہ رنگ کے شعر میں بات پیدا کرنی انکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے کلام میں صفائی و سادگی اپنے اپنے محل و موقعہ پر دلاویز جھلک دکھاتی ہیں الغرض جسقدر کلام ہے برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے عیوب شاعری سے مبرا و نقائص سے سراسر معرّا ہے۔ ہر رنگ میں ہر بحر میں ہر زمین میں کامل دسترس ہے۔ پولیٹیکل اور سوشل معاملات میں آپکی رائے نہایت متین و صائب ہوتی ہے۔ خیالات بھی نہایت سلجھے ہوئے اور اکثر اچھوتے ہیں۔ اپنی طرز خاص میں اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں۔ الغرض آپکی ذات والا صفات کو اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کا جامع کہنا بیجا نہیں۔ اب پنشن لیکر وطن قدیم الہ آباد میں رونق افروز ہیں۔ راقم تذکرہ پر بڑی مہربانی فرماتے ہیں حضرت کا عطیۂ کبریٰ یعنی کلام ذیل نظر افروز ناظرین کیا جاتا ہے ؎

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا	قطعہ	میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

ادائے شکر کے احترازا دل ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں اُن کی مہربانی میں

لاکھ نعمت ہے اتنی آزادی
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خودبیں
اِدھر نشاں اسکا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ حیاتی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے اتحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اُسی پہ نازاں ہے طبعِ شاہیں بال میں اپنے پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی ہوئی بلا ہے
خیال مٹیریل کا بڑھ چلا ہے ۔ خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن رکا ہے حد کا ایکشن
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گھنٹے وہاں ہے عزت بشپ کے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ سمجھے ہیں اس طرح سے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا ذکر کر رہے ہیں

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہوئے ذلت میں تر رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں تعلق خزاں کے نالوں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں اُنہیں کے دل میں جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسنِ بتِ فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش اُنہیں آئیگا دیر میں

چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

قطعہ

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں
پہونچائے گا قوت شجرِ ملک کی بن میں

تحریکِ سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط ۔ تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

؎۱ مادیات ؎۲ قومیت ؎۳ عمل ؎۴ نجات ؎۵ پادری ۱۲

وہ دورِ چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہلِ تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفلِ دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

جنابِ شیخ سے جا کر ذرا اللہ کہہ دینا
کہ گمراہی نہیں مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھاتے ہیں ہمارے مرشد
کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

نہیں بچتا یا تلاشِ پیر کی دیکر صلاح انکو
ہوئے وہ اور بھی ظالم مریدِ آسماں ہو کر

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
کوئی اُن سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

زبانیں دیکھتے ہی آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہو کر

فضائے منزلِ ہستی سے کیا تفریح ہو دل کو
مجھے زیرِ زمیں جانا ہے زیرِ آسماں ہو کر

یہ ارشاد آپکا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر

پھری قسمت ہوا کی آگئی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اُٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوڑے دامنِ مجنوں
نہیں ہے ہوش اُس کو ورنہ تو اُڑ جا دھجیاں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

نہیں مٹتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا اُبھرا جو بحرِ زندگانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں / مجھے پہلے اس کی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سُنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا / ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبرِ نوحہ گر / تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جس کا عاشقِ زار ہے

قطعہ

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے / جاں ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

مبتلائے بلا تو ہوں غافل / یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

قطعہ

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے، تو یہ ہے / نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے، تو یہ ہے

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا / ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے

پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ / زلفوں میں اُلجھ آئی ہیں آفت ہے تو یہ ہے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے / دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے

تم اپنے طریقوں سے بنو عمدہ مثالیں / سچ کہتے ہیں ہم قوم کی خدمت ہے، تو یہ ہے

اکبر کی غزل سن کے یہ فرماتے ہیں احباب / حکمت ہے تو یہ ہے ظرافت ہے تو یہ ہے

رباعی

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھی / کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے

لیموئے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے / اب کاغذی ترقی نیشن کو دیکھئے

رباعی

سُنئے حکمت جو مری گفتار میں ہے / اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے

پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا / پہلے تھا جو نور اب نار میں ہے

جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی / گلستاں نے رنگ بدلا رنگ نے باروں کی مت بدلی

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی - نہ عزیزوں میں الفت کی خو وہ رہی

نہ حبیبوں میں رنگِ وفا وہ رہا -- کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی - نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی

سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے - در دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا ہے رنگِ غلط مذہب / قلوب شیطاں کے تبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

سب ہو چکے ہیں اُس بتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

رباعی

بیدھب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں[1]
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہم پر ہیں حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اپنی ہستی جو حجابِ رخِ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پر کوئی ارماں نہ رہے

چشمِ نرگس سے کوئی حال حسین کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے

شوق کیا نظمِ سخن کا مجھے ہو اے اکبر
وہ زمانہ نہ رہا اور وہ سخن داں نہ رہے

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
اِن آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں چھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپکی نظر بھی نہ تھی

نگاہِ قہر سے دیکھا یہ ہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

گزری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
ہوتے ہیں وہ رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو بول نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

سینے سے لگا کر مجھے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے اس سب کے سوا بھی

سالک کے دمِ تیغ ہے قطعِ رہِ توحید
دو ہو گیا اک آن میں چوکا جو ذرا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

[1] اشارہ ہے لارڈ کرزن کی مشہور اسپیچ جلسہ کانووکیشن کلکتہ یونیورسٹی کیطرف جس میں ہندستانیوں پر بالطبع جھوٹ بولنے کا الزام لگایا تھا

رہ گئی اُس قدر انداز کی چتکی میں قضا	ہو نہ تیرے دل میں ترازو کوئی
گالیاں کھاتے ہیں اکبر تو کچھ ہے اسکا سبب	ورنہ طاقت ہے کسیکی جو کہے تو کوئی
آزردہ ہو کے آپ نہ اے جان جائیے	مَن جائیے خدا کے لئے مان جائیے
یا پھینک دیجئے چیر کے پہلو سے دلکو آپ	یا دل کے سب نکال کے ارمان جائیے
تقصیر تھی کسیکی کسی پر خفا ہوئے	اِس آپ کی سمجھ کے بھی قربان جائیے
میں سخت جاں ہوں کٹ نہ سکے گا مرا گلا	ناحق کو ہونگے آپ پریشان جائیے
تو کہتے کہتے گالیاں دینے لگے حضور	کیا خوب بول چال ہے قربان جائیے
دشمن سے صاف ہمسے مکدر ہے مدام	اس آپ کی صفائی کے قربان جائیے

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر نام ہے۔ منشی فیروز خاں فیروز باشندہ رامپور تلمیذ حضرت داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ موزوں طبع بھی ہیں اور مذاق بھی اچھا معلوم ہوتا ہے اپنے اُستاد کے رنگ پر چلتے ہیں۔ ۳۳ و ۳۴ برس کی عمر ہے۔ منتخب کلام درج ذیل ہے ؎

لازم ہے رحم بلبلِ شیدا کی جان پر	فصلِ بہار ہے نہ کتر باغبان پر
اب موت ہی نہ آئے تو پھر اسکا کیا علاج	سو بار ہم تو کھیل چکے اپنی جان پر
دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعوی احباب	وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا لیتے ہیں
جب قاصدِ خیال کا واں تک گزر نہو	پھر کیا شکایت اپنی رسائی اگر نہو
یوں آنکھ میں رہو کہ نہو پتلیوں کو بار	اس طرح دل میں آؤ کہ دل کو خبر نہو
ہر دم ترقیاں ہیں تمہارے جمال کو	آئینہ بار بار نہ دیکھو نظر نہو

اکبر

(اکبر) منشی محمد اکبر خان باشندہ کانپور شاگرد سالم لکھنوی۔ دور موجودہ کے شعرا میں ان کا شمار ہے نتیجہ فکر ملاحظہ ہو ؎

دُھن ہے انہیں ایجاد کوئی طرزِ جفا ہو	بیداد کا انداز نرالا ہو نیا ہو
یہ بوٹا سا قد اور یہ رفتار ستم خیز	کس طرح قیامت پہ قیامت نہ بپا ہو

خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں کچھ نہیں ہیں یہ ماہ و سالِ دنیا — بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے — ناز اتنا نہ کریں ہمکو مٹانے والے

ہوائے دنیا بدل رہی ہے سرورِ روحِ اجل نہیں ہے — علوم کے باغ گو کھلے ہیں وہ بوئے رازِ ازل نہیں ہے

نظر کو حیرت بدن کو سکتہ نہ دل میں قوت نہ روح شاداں — فروغِ زورِ عمل بہت ہے ظہورِ حسنِ عمل نہیں ہے

قطعہ

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا — ادب اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے

نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالیٰ — یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے — وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

بتانِ مغرب سے ہیں تعارف کی تمنائیں — میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

اکبر

(اکبر) خواجہ اکبر حسین صاحب اکبر۔ خواجہ خواجگان چشت خواجہ معین الدین اجمیری کی اولاد امجاد اور خواجہ ڈپٹی امام الدین صاحب آخر کے برادر ہیں۔ آپکو فنِ سخن میں بھی غالباً انہیں سے استفادہ ہے۔ چالیس برس کے قریب عمر ہے طبیعت میں شوخی اور کلام میں بلند پردازی ہے۔ زبان بھی صاف ستھری ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو[۵]

خدا سے جو انکا گلہ ہو رہا ہے — وہ کہتے ہیں ترسا یہ کیا ہو رہا ہے

مجھی کو تو آتی ہیں تیری ادائیں — مجھی پر تو عالم فدا ہو رہا ہے

فقط آپ ہی مجھ سے برہم نہیں ہیں — مرا دم بھی مجھ سے خفا ہو رہا ہے

دل اڑائے لئے جاتا ہے پریرو کوئی — چل گیا چشمِ فسوں ساز کا جادو کوئی

بزم میں غیر کے پہلو سے وہ بچ کر بیٹھے — یہ بھی اک چال ہے اسمیں بھی ہے پہلو کوئی

مرضِ دل کا بجز اسکے نہیں کوئی علاج — گلِ عارض کی سنگھا دے مجھے خوشبو کوئی

جلوۂ حسن سے معمور ہوا ہے عالم — نہ مسلماں ہے کوئی نہ ہے ہندو کوئی

دل تو دل تیری طرف میں بھی کھنچا جاتا ہوں — مجھ پہ چلتا نہیں اب میرا بھی قابو کوئی

حسرت اے ذوقِ طپیدن کہ ہے جینا دشوار — ذبح کرتا ہے دبا کر تہِ زانو کوئی

[۵] اسمیں یہ مزیدار رعایت ہے کہ ہندوستان کے مشہور محبِ وطن اور پولٹیکل لیڈر کا یہی نام ہے ۱۲

اکرام

(اکرام) حکیم اکرام اللہ خاں ولد حکیم ہدایت اللہ خاں۔ علم طب میں اپنے چچا حکیم سعادت اللہ کے شاگرد تھے۔ دہلی کی جامع مسجد کے قریب آپکا مکان تھا۔ مومن اور ذوق کے آپ ہمعصر تھے اس سے زیادہ نہ تو حال معلوم ہوا نہ کلام ملا۔ دو شعر دستیاب ہوئے جن میں سے ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے ؎

میرے رنج دل کو تم ہرگز نہ پوچھو دیکھ لو		جائے آنسو کے رواں خونِ جگر ہونے لگا
آرزو وصل کی شانی تھی		کیا ہوا گر مٹا دیا دل کو

اکرم

(اکرم) مرزا محمد اکرم۔ نواب عماد الملک غازی الدین خاں فیروز جنگ وزیر عالمگیر ثانی کے مصاحبت کی بدولت اپنے اقران و اماثل میں ممتاز تھے اور خود بھی وہ قابل صاحب استعداد زندہ دل۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں فرد تھے۔ چند اشعار تذکرہ قدرت اللہ شوق میں نظر سے گزرے درج تذکرہ کئے گئے۔ انکے بیٹے مرزا باقی بھی فکر سخن کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں حیات تھے اور شاہجہاں آباد میں سکونت تھی ؎

یہ داغِ دل کسیکو دکھایا نجائے گا +		اس آبلہ کو ہاتھ لگایا نجائے گا
دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسیکی		یا رب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک کے آتا ہے ہر اک لخت جگر ساتھ		جیسے کہ دی آتی ہو بنگاہ کسیکی +

اکرم

(اکرم) محمد اکرم متوطن سوضع سوئی۔ جوان قابل۔ صاحب طبع سلیم تھے۔ اکثر جنگ نامہ کہا کرتے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں حیات تھے۔ تذکرہ قدرت اللہ شوق میں انکا ذکر آیا ہے۔ ریختہ کیطرف توجہ کم تھی۔ چند اشعار نتائج افکار سے درج کئے جاتے ہیں ؎

امید وصل ہی میں کٹی عمر بانصیب		ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا
جب کبھی بنکے وہ بانا زوادا آتا ہے		دیکھ اُس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے
قاصدا سچ کہہ تجھے اپنے خدا کی سوگند	قطعہ	اُس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لاگا کہ میں زیادہ تو نہیں واقف لیک		غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

جس حشر کو ہم روز جزا سمجھے ہوئے ہیں
وہ بھی نہ اُسی کافر بدخو کی ادا ہو
جب آ کے مدین زہر بھی وہ ہاتھوں سے اپنے
بیمار تپ ہجر کی کیا خاک دوا ہو
دشمن کو عطا بوسۂ لب ہو کیسے ہوتے
ہونٹوں پہ تو دم کس کے ہو اور کسکی دعا ہو
شکوہ ستم یار کا مُنہ سے نہ اکبر
ہو شکر بہرحال وفا ہو کہ جفا ہو

اکبری

(**اکبری**) دیوان پنڈت امرناتھ صاحب مدن اکبری مغفور خلف اکبر امارت و ایالت پناہ خیر اندیش دولت عالیہ دیانت دار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ صاحب راجہ کلانور دیوان صاحب اوائل میں سرکار مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب اور مہاراجہ دلیپ سنگھ میں اور بعد الحاق پنجاب سرکار انگلشیہ میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ آپکے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر آپ نے لاہور میں نشو و نما پائی تھی۔ انجام کار یکم اگست ۱۸۶۷ء کو بمرض ہیضہ بعمر بیالیس سال نزگباش ہوئے دیوان صاحب مغفور نہایت باخبر مطالعہ پسند لایق۔ فقیر دوست امیر تھے سیاحی کا بڑا شوق تھا چنانچہ اکثر بلاد ہندوستان مثل بنارس۔ گیا۔ لکھنؤ۔ دہلی کی سیر کی تھی علم ہندسہ و حساب میں وحید زمانہ تھے فارسی بیشتر اور ریختہ کمتر کہتے تھے دیوان فارسی مع غزلیات اُردو پنڈت صاحب کے خلف الرشید دیوان پنڈت رام ناتھ صاحب مرحوم سابق ڈسٹرکٹ جج نے شایع کرادیا تھا۔ اُسکا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

یا دِ وحدت میں تعلق کا جو پردہ اُٹھا
صاف ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اُٹھا
انساں کو حق نے نور کا مظہر بنا دیا
اِک مشت خاک تھا جسے جوہر بنا دیا
خونِ جگر سے ہمنے کیا دل کو لالہ زار
داغِ جنوں سے دل کو مشجر بنا دیا
کون وہ ہے جو ترا طالب دیدار نہیں
کون اِس چشم سیہ مست کا بیمار نہیں
مردانِ خدا خواہش دنیا نہیں کرتے
آزاد رہ و رسم کی پرواہ نہیں کرتے
کیوں ہمکو دکھاتے نہیں تم دستِ حنائی
ہم خوں کا کچھ آپ پہ دعوے نہیں کرتے
زاہد نہ کر تو اپنی عبادت کا کچھ گھمنڈ
شیطاں کی ایکدم میں خدا سے بگڑ گئی

بت ارماں ہیں دل میں اک نظر دیکھا تو کیا دیکھا
ریا گر چھوڑ دے زاہد تو خود کعبہ ہو دل تیرا
وہ ہیں میں فخر آدم جو برائے قوم حاضر ہیں

ابھی پیاسے کی ہوتی ہے کہیں تسکین شبنم سے
وصلی بھی ہے کہیں دل کی سیاہی آب زمزم سے
قلم سے جان سے دل سے زبان سے مال و درہم سے

(اکمل) مولانا قاضی محمد ظہور الدین خان باشندہ گولکی نواح گجرات پنجاب۔ مولانا شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے ہیں مولوی فاضل کے درجے تک تعلیم پائی ہے۔ اخبارات میں بھی اکثر مضامین شایع کرتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے ؎

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع رخ سے
ہوا میں خاک پھر بھی آئینہ رو کو کدورت ہے
گاہ بجلی شعلہ زن ہے گہ ہوا بر باد کن
وہ شوخ چشم مست کو گردش بھی دے ذرا
ہے بوسے کے سوال پہ ہر دم نہیں نہیں
ہر شے میں جلوہ گر ہے مکاں ہو کہ لامکاں

ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا
ستارا خاکساری کا مری اب بھی نہیں چمکا
تختۂ مشق ستم ہے آشیان عندلیب
ہو دم کے دم میں دہر کا نقشہ الٹ پلٹ
کب تک رہے گی تیری یہ اے نازنیں نہیں
آتا نظر وہ پھر بھی کسی کو کہیں نہیں

(اکمل) منشی اکمل علی اکمل۔ کلکتہ کے ایک خوشگو موزوں طبع نوجوان ہیں طبیعت کا رنگ مفصلۂ ذیل اشعار سے آشکار ہے ؎

یہ زبانی غمگساری چھوڑ دے
اے جنوں دیوانگی ایسی بھی کیا
مدتوں میں جسکے ہاتھ آئی ہو وہ
خون اکمل اپنی گردن پر نہ لے

ہم کو حالت پر ہماری چھوڑ دے
دامن باد بہاری چھوڑ دے
آستیں کیونکر تمہاری چھوڑ دے
یہ نہ کہ امیدواری چھوڑ دے

(الحمد) مولوی الحمد نام۔ مولانا نظام الدین مجز کے شاگرد اور مولانا فخر الدین کے مرید با ارادت تھے۔ اک عرصۂ دراز تک اُنکی خدمت میں رہکر علوم باطنی حاصل کئے۔ زیادہ وقت درس تدریس میں صرف ہوتا تھا۔ فارسی کی استعداد عالمانہ تھی۔ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے احباب میں تھے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

اکرم

(اکرم) تخلص ہے کسی خوش فکر باشندہ محمد آباد ضلع اعظم گڈھ کا - زمانہ حال کے موزوں طبع شعرا میں سے ہیں - یہ خلاصۂ افکار ہے ؎

کسی پردہ کیا پان کھائے ہوئے ہیں
دھڑیں سے وہ شعلہ اُٹھائے ہوئے ہیں

نہیں پاس دل بھی کروں پیش کش کیا
مرے گھر وہ مہمان آئے ہوئے ہیں

مرکر بھی تیرے زیر قدم گھر بنائیں گے
قبر اپنی تیرے در کے برابر بنائیں گے

کہتا ہے ناز اُن سے ذرا تم جوان تو ہو
طرز ستم سکھا کے ستم گر بنائیں گے

ہنس کر وہ بولے تجھکو رُلاتے ہیں اسلئے
ہم تیرے اشکِ چشم سے گوہر بنائیں گے

دنیا کی کج ادائی سے گھبرا گیا ہے دل
دور فلک سے گھر کہیں باہر بنائیں گے

اکمل

(اکمل) محمد میرن جان نام اور الہ آباد کے رہنے والے تھے زیادہ حال معلوم نہیں کلام حاضر ہے ؎

زندگی منظور تھی میری تو آتے نزع میں ✤
قبر پر اب آکے پچتانے سے کیا حاصل ہوا

ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ
نہیں کچھ ایک ترے عشق میں خراب نہیں

زندگی کا لطف بے عشق بتاں ملتا نہیں
دل لئے پھرتے ہیں کوئی دستاں لیتا نہیں

دیدۂ حق بیں نہ تھے محتاجِ دیدارِ حبیب
کوئی ایسی جا نہیں ہے وہ جہاں ملتا نہیں

لائی ہمیں اس وادیٔ پُرخوف میں وحشت
غالب ہے قضا بھی نہ جہاں بھول کے جھانکے

کچھ نہیں گُل کو خبر بلبل کے حالِ زار کی
باغباں کیسی ہوا بدلی ہے اس گلزار کی

اس کا بنا اور بگڑنا یار کے ہاتھوں رہا ✤
خانۂ دل کو ضرورت کب ہوئی معمار کی

اکمل

(اکمل) حکیم محمد اکمل خاں ملازم دربار نیپال - مولانا شوکت میرٹھی سے ارادت رکھتے ہیں یہ آپکا کلام ہے ؎

قدم رکھنا سمجھ کر سوچ کر نفع و ضرر اپنا
فقط ایک سود سودے کا ہے بازارِ محبت میں

رضا پر تیرے راضی یا الٰہی ہیں رہوں ہر دم
تمنا ہو نہ جنت کی نہ کچھ ڈر ہو جہنم سے

مجکو رسوا کرکے رسوائی سے بچنا ہے محال　　تو بھی بدنام اے نگاہ فتنہ گر ہو جائیگی
اسکو لذت درد کی کاوش کا ہے اُسکو مزا　　زخم و ناخن کی بہت اچھی بسر ہو جائیگی
آؤ آنکھوں میں چھپا لوں میں جو ہے خوف نظر　　سات پردوں میں تمہیں کیسی نظر ہو جائیگی
کیوں نظربازوں کی نظروں سے ڈراتے ہو نظر　　کچھ نظر اسیر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی
دیکھنا ہر وقت یہ آئینہ کا اچھا نہیں ہے　　کیا کروگے میری سی حالت اگر ہو جائیگی
کیا شفا ہو ہمکو خود بیمار ہے چشم مسیح　　اچھے ہو جائینگے جب اچھی نظر ہو جائیگی
جانتا الطاف تم تھر خدا نازل ہوا　　مہربان ان حسینوں کی جدھر ہو جائیگی

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھنسایا　　بلا کو باندھ کر رکھا بلا سے
جوانی میں غضب ڈھائیں نہ کیونکر　　وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے
تیر مارے ہیں کس قرینے کے　　نہ جگر کے ہوئے نہ سینے کے
برسیں گزریں نظر نہیں آتے　　آپ ہیں چاند کس مہینے کے
چارہ گر زخم دل کے رہنے دے　　رفو کرنے کے ہیں نہ سینے کے
ہمارا کام اچھا بھی بُرا ہے　　عدو کی بات بیجا بھی بجا ہے
ترقی پر ہے ایسا سوز الفت　　کہ دل کا داغ دل سے بڑھ گیا ہے
ہر کلی باغ میں اک پھول نظر آتی ہے　　گل کھلاتی ہوئی یہ باد سحر آتی ہے

الفت (**الفت**) منشی منگل سین کایستھ عظیم آبادی شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں نامور ہوئے ہیں اُنھی زمانہ میں دہلی آئے تھے کلام دستیاب نہیں ہوا ایک شعر تبرکاً لکھا جاتا ہے
اسی ایک شعر سے انکی مضمون خیز طبیعت کی قابلیت اور شوخی کا پتہ چلتا ہے ؎

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں ہو سو وا زمیں　　کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

الفت (**الفت**) منشی آنندرام الفت - باشندۂ عظیم آباد ۱۸۵۸ء میں حیات تھے زیادہ حال معلوم نہیں ؎

دل پیش کش ہے نذر ہے یہ جان زار بھی　　مکھ ہیں مگر حضور کیسا نباہ کا

بسمل مجھے نہ چھوڑ تو اے یار دیکھنا
ایسا ستم نہ کیجیو اے یار دیکھنا

جاں بلب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں
لے خبر جلدی سے ساقی کہ مُوا جاتا ہوں

مست ہم آغوشی کو آتا مری اے سیل سرشک
اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد لطافت حسین الطاف بسنہ [illegible]ء میں جالندھر کی چھاونی میں ملازم تھے اور گاہ گاہ شعر گوئی بھی کیا کرتے تھے مذاق سخن کا نمونہ حاضر ہے ؎

کیوں جھوم جھوم آتا ہے ابر بہار روز
ہوتا ہوں اسکی یاد میں میں اشکبار روز

راتوں کی نیند اُڑ گئی کیوں مدتوں سے ائے
رہتا ہے کس کی یاد میں دل بیقرار روز

کب تک سیئے گا جیب و گریباں کو چارہ گر
دست جنوں کرے گا یونہیں تار تار روز

الطاف لطف وعدہ کو اُسکے نہ جان سچ
کیا اسے دیکھتا نہیں قول و قرار روز

الطاف

(**الطاف**) منشی محمد الطاف حسین خاں معروف بہ چندا خاں صاحب باشندہ رام پور منشی محمد احسان علیخاں احسان شاگرد رشید حضرت داغ کے عزیز و اقربا اور شاگرد ہیں اور اُنہوں نے اِنہیں متبنّیٰ بھی کر لیا ہے ۔ ریاست رامپور میں آپکا خاندان بڑا شریف اور معزز مانا جاتا ہے ۔ فکر معاش سے بدرجہ اوسط فارغ البال ہیں ۔ فارسی کی استعداد بھی ہے اور فن موسیقی کا بھی شوق ہے چنانچہ ستار اچھا بجاتے ہیں ۔ ۲۱ و ۲۲ برس کی عمر اور جوان وجیہ و خوبرو ہیں ۔ اگرچہ ابھی نومشقی کا عالم ہے مگر طبیعت کی روانی اور فکر کی رسائی آئندہ ترقی کی گواہی دیتی ہیں زبان بھی صاف ستھری پائی ہے ۔ بروقت ترتیب کچھ کلام ملا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

تفرقہ ڈال دیا دست جنوں نے ایسا
کہ گریباں کا مرے تار سے ہے تار جدا

وہ خلش دوست ہوں بھولتا ہوں پھر چھالا نہیں
جب مرے تلووں سے ہوتا ہے کوئی خار جدا

اپنے سر مفت کی عشاق بلا لیتے ہیں
دے کے دل جان کو خود روگ لگا لیتے ہیں

ایسی بھی داد ستم دیکھی ہے دنیا میں کہیں
گالیاں دیتے ہیں معشوق دعا لیتے ہیں

یہ نہ تھا معلوم اتنی مختصر ہو جائے گی
وصل کی شب بات کرنے میں سحر ہو جائیگی

میں پھروں کیوں نہ بے قرار ہوا		تجھ سے بد قول بے قرار ہوا	
مثل آئینہ محوِ حیرت ہوں		آہ کس مکھڑے سے دوچار ہوا	
اب تو اُس بت کو ہمنے رام کیا		بس خدا تجکو بھی سلام کیا	
نے دل کو قرار بے قراری کے سبب	قطعہ	نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب	
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی		جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب	
دھمکاتے ہیں بس آپ فقط مجکو اکڑ کر		بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر	
ہنگام فغاں تھا خس و پنبہ قفس و دام		تا رگِ گل نے ہے بھا ہمکو جکڑ کر	
جب نام خدا اور سے وہ جلوہ نما ہو		مر جائیں صفوں کی صفیں حیرت سے بچھڑ کر	
مندیل کا تو پیچ اُٹھا بیٹھے گا اے شیخ		چھٹ اسکے نہ کچھ پاوے گا رندوں سے جھگڑ کر	
آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یاں		کیا اس سے مزاحم ہوا اُٹھاتے بھلا لڑ کر	
کیا کہیئے الم ایک گھڑی چین نہیں		معلوم ہوا کہ جیتے جی چین نہیں	

(الم) صاحبزادہ محمد سعید خاں ابن صاحبزادہ امداد اللہ خاں تاب اوائل میں فردوس مکان نواب یوسف علیخاں ناظم والی رامپور کے شاگرد تھے پھر اُنکے انتقال کے بعد صاحبزادہ عباس علیخاں بیتاب سے اصلاح لینے لگے۔ خوش فکر و بامذاق آدمی تھے۔ نقاشی کا بھی شوق تھا۔ ۲۶ برس کی عمر میں ۱۵۔ جمادی الآخر ۱۲۸۲ھ کو انتقال فرمایا۔ کلام موجود ہے

عشق بازی کے لیئے چاہیئے پتھر کا جگر	ہمنے اس کام کو سب کاموں سے مشکل پایا
ہوا رُخ ادھر اُس کی زلفِ دوتا کا	بچائے خدا اسا سنا ہے بلا کا
ہمنے تیری زلف و رُخ کی یاد میں	روتے روتے صبح کردی شام سے
الم کو کہتے ہو شاید کسی پہ مرتا ہے	وہ مبتلا ہے تمہیں پر تمہیں خبر بھی ہے
کس دن الم نصیب ہوا تھی وفائے یار	کمبخت ہم جفا کے بھی ارماں میں رہ گئے

(الم) مولوی سید احمد شاہ الم تلمیذ خواجہ ولایت علی سرور لکھنوی پشاور کے رہنے والے

بیعت مجھے بھی مشرب پیر مغاں میں ہے
ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا

آباد یہ میکشں رہیں ساقی کا بھلا ہو
پھر قلقل مینا کی بلند آج صدا ہو

پھر زخم کہن آج مرے دل کا ہرا ہو
قاتل دم شمشیر دم باد صبا ہو

الفت

(**الفت**) منشی شیونراین الفت وطن اکبر سابق جیل پور - دور موجودہ کے شعرا میں سے ہیں - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جی سے ہم جائیں اُنہیں پروا نہیں
ہے یہ کیا گر غمزہ بیجا نہیں

خواب میں بھی رہتے ہو تم دور دور
اسقدر رکھنا تمہیں زیبا نہیں

بن بن کے تم آئینہ عبث دیکھ رہے ہو
ہم مرتے ہیں جس پردہ ادا اور ہی کچھ ہے

ڈرتے ہیں کہ تم کھینچ نہ لو ہاتھ ستم سے
کیا تم سے کہیں لطف جفا اور ہی کچھ ہے

الفتی

(**الفتی**) راجہ پیارے لال ولد رائے سکھن جی کایستھ دہلوی - فارسی انشا پردازی میں مہارت کامل حاصل تھی - چنانچہ وجاہت خاندانی و ذاتی لیاقت کے سبب کئی برس حضرت اکبر شاہ ثانی کے میر منشی رہے - پھر ترک وطن و روزگار کرکے عظیم آباد جا بسایا تھا - شعرا کے بڑے قدردان تھے - انکی ایک مثنوی نیرنگ تقدیر جامع تذکرہ کے پاس موجود ہے - پٹنہ میں ابتک آپکا خاندان باعزاز و آبرو موجود ہے آپکا کلام ضائع ہو گیا ہے تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ؎

خاکساری سے مثال نقش پا
جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہوگئے

الم

(**الم**) خواجہ صاحب میر دہلوی خلف خواجہ میر درد - سنہ ۱۱۹۳ھ میں بطریق سیر مرشد آباد بھی تشریف لے گئے تھے اور راجہ دولہ رام کی قدردانی سے چندے وہاں قیام بھی کیا پھر کچھ دن عظیم آباد بھی رہے عاشق مزاج رند مشرب شخص تھے مگر بہ لباس فقر زندگی بسر کرتے تھے - اپنے چچا خواجہ میر اثر کے بعد درگاہ آبائی کے سجادہ نشین بھی رہے - مسٹر فیلن بحوالہ مصحفی لکھتے ہیں کہ مرشد آباد میں ایک خواص دولت رام سے الفت ہو جانے کے باعث وہاں رہ پڑے تھے سنہ ۱۱۹۰ء میں آپکا عالم شباب تھا کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

شامِ وصالِ غیر ادھران کو پھیر لائے
امید تجھ سے اتنی بھی اے آسماں نہیں

میں ہی نہیں ہوں بدظن اس بزم میں سبھی ہیں
ہر اک سے آپ ایسی کیوں کرتے دل لگی ہیں

وعدہ کیا تھا تمنے آئیں گے ہم کسی دن
اُس دن سے میری آنکھیں دروازہ لگی ہیں

دیکھا نہیں ہے تمکو گزری ہے ایک مدت
دیدار کو تمہارے آنکھیں ترس رہی ہیں

چاہا الم نے اُسکو تو اسمیں کفر کیا ہے
عشق آدمی سے کرتے دنیا میں آدمی ہیں

دل ہے مشتاقِ وصال آنکھیں ہیں مشتاقِ جمال
دیکھئے حشر اب ان دونو کا کیا ہوتا ہے

اے الم جسکا توکل پہ رب ہے دارمدار
اسکا حامی و مددگار خدا ہوتا ہے

اے الم عاشقی بُری شے ہے
دیکھ جی کا ضرر نہو جائے

جب دیکھنے بلند سوئے آسماں ہیں ہاتھ
زاہد قبول بھی ہوئی تیری دعا کبھی

یہ قیامت تو مری جان نہ ڈھائی ہوتی
دل چُرا کر نہ نظر تو نے چُرائی ہوتی

تو شبِ وصل ہوئی چار پہر میں رخصت
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آئی ہوتی

انتخاب از سلام

نہیں پاس کوئی ہیں تنہا شہ دیں
ادھر دیکھتے ہیں اُدھر دیکھتے ہیں

ہوئی انتہا صبرِ اہلِ حرم کی
عزیزوں کے نیزوں پہ سر دیکھتے ہیں

الم

(الم) سید محمد زکی الم لکھنوی شاگرد جناب مونس مرحوم - اگرچہ دور موجودہ کے شعرا میں ہیں - مگر زیادہ حال معلوم نہو سکا - انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

ہاتھ اُٹھے گر کا جو قاتل کا
بڑھ گیا اضطراب بسمل کا

توڑ دئیے پھول دستِ نازک سے
بے چھری خوں ہو عنادل کا

قیس ناقے کے ساتھ ہے لیلیٰ
دیکھ پردہ اٹھا کے محمل کا

سختیاں کرنے لگے نام وفا جاتا رہا
اے بتو بالکل تمہیں خوفِ خدا جاتا رہا

لوٹنے کو دولتِ وصل آئے تھے اس بزم میں
نقدِ دل بھی ہاتھ سے اے دلربا جاتا رہا

الہام

(الہام) شیخ شرف الدین عرف شاہ ٹول لکھنوی - بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے

سنہ ۱۸۹۱ء تک کلکتہ میں مقیم تھے۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

زنخے میں ان بتوں کے میں بے طرح پھنس گیا
دن بھر ہے مجکو روز قیامت کا سامنا

تو ہی بچانے والا ہے پروردگار دل
شب بھر تمہارے ہجر میں ہے بیقرار دل

جان شیریں مفت کیوں دیتا ہے تو
دیکھتے ہی خون میرا وقتِ ذبح

اتنا سمجھا دے کوئی فرہاد کو
گر پڑا غش آگیا جلاد کو

بیطرح عشقِ دست حنائی ہے اے الم
باہیں گلے میں ڈال کے دیتا ہے جام ہے

چھوڑینگے اب یہ خاک میں ہمکو ملا کے ہاتھ
صدقہ میں اپنے اُس صنم بادہ خوار کے

الم

(الم) حکیم میر مہدی حسین رضوی متخلص بہ الم وعلم ڈاکٹر قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن خلف میر جعفر علی مرحوم جو میر حشمت علیخاں مرحوم عزیز نواب محترم الدولہ مغفور عرض بیگی کے بیٹے تھے۔ انکا سال ولادت سنہ ۱۲۸۳ھ ہے آپکے نانا نواب میر محمد حسین خاں عرف مغل صاحب نواب میر عالم صاحب دیوان دکن کے بھتیجے تھے آپنے حیدرآباد میں پرورش اور تربیت پائی۔ مدیکل کالج واقعہ بلدہ میں کئی سال پڑھکر سند طبابت حاصل کی۔ چودہ برسکی عمر سے شاعری کا شوق ہے شروع کا کلام مرزا مہدی حسین خاں جنا بریلوی کو دکھایا اُنکے انتقال کے بعد سنہ ۱۳۰۲ھ میں حضرت داغ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اُنکے زمانہ حیات تک مسلسل طور پر اپنا کلام اُنہیں دکھاتے رہے۔ فارسی میں آپ کو آقا سید علی شوستری طوبیٰ سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ علاوہ دیوان گلبن تاریخ۔ رسالہ معاشرت اور رسالہ ہادی آپکی تالیف سے ہیں۔ جنمیں سے اول الذکر چھپ گئی ہے۔ اب اکثر مرثیہ گوئی کا اتفاق ہوتا ہے ہنگام ترتیب کچھ کلام عنایت کیا اُسکا انتخاب حاضر ہے ؎

تجھ سے کافر سنگدل کو موم آخر کر دیا
کیوں اثر دیکھا ہمارے نالہ و فریاد کا

ان بتانِ سنگدل کی سختیوں کیواسطے
سینہ پتھر کا کلیجہ چاہیئے فولاد کا

اسد اسد بیکسی کی موت بھی کیا موت ہے
لے گئیں حوریں جنازہ عاشقِ ناشاد کا

حسن صورت آفریں ہوجائے تجھ پر آئینہ — دیکھ لے یوسف لقا صورت اٹھا کر آئینہ
جائے حیرت ہیں جبیں وابرو وعارض ترے — زیرِ خنجر آئینہ بالائے خنجر آئینہ
آپ سے بگڑے نہ اک دن ہے برابر کی یہ چوٹ — دیکھیے گا سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ

امامی

(امامی) سید محمد خورشید بلگرامی خلف سید افتخار علی ذرہ۔ محرم ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے امامی عرف رکھا - پہلے اپنے والد سے پھر فرخ آباد جاکر مولوی ولی کے مدرسہ میں تعلیم پائی وہاں سے فارغ التحصیل ہوکر مذاق سخن بھی ساتھ لائے۔ فارسی میں صاحبِ دیوان و مثنوی تھے اُردو میں بھی کئی مثنویاں آپ نے تصنیف فرمائی تھیں - کلام بدیۂ ناظرین ہے ؎

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا — مجھے شکوہ ہے اے ظالم تو نہی سخت جانی کا
آکے وہ داغ دے گئے دل کو — میٹھی باتوں سے لے گئے دل کو
ہے احتیاج تجکو نہیں قیدِ بند کی — پابستہ تیرے عشق کا زنجیر کیا کرے

امانت

(امانت) میر امانت علی خلف کرامت علی ناگوری۔ جوانی میں کرنل سکنر صاحب کے رسالہ میں سوار تھے بعد رسالہ جے پور جاکر ملازم ریاست ہوئے اور وہیں دارِ فنا سے عالم بقا کو سدھارے نتیجۂ فکر ملاحظہ ہو ؎

دیکھا نہ حور کو بھی امانت نے آنکھ اٹھا — مارا ہوا تھا کس کی خدنگِ نگاہ کا
اللہ رے رسائی دستِ جنوں کہ اب — دامن کی راہ لی ہے گریباں کے چاک نے
ہم مرتے ہیں تشنگی سے ساقی لب ست — ظالم لبِ جام کو بھڑا دے لب سے

امانت

(امانت) سید آغا حسن خلف میر آغا رضوی لکھنوی روضۂ مشہد مقدس کے کلید بردار سید علی رضوی کی اولاد سے تھے ان کی ولادت ۱۲۳۱ھ ہجری میں ہوئی ابتدائی مشقِ سخن میں مرثیہ گوئی کا شوق ہوا۔ میاں دلگیر سے جو اس زمانے میں لکھنو کے مرثیہ گویوں میں نامور تھے تلمذ حاصل کیا۔ چند روز بعد غزل گوئی کی طرف توجہ فرمائی چونکہ میاں دلگیر نے عذر کردیا کہ میں اب غزل نہیں کہتا - اس وجہ سے انہوں نے بھی اصلاح لینی ترک کردی

پہلے ملول تخلص تھا پھر الہام رکھ لیا - لکھنؤ کے شیخ زادوں میں تھے - اور لباس فقر میں زندگی کے دن ٹیر کرتے تھے - زود گو اس وجہ سے تھے کہ روانیٔ طبع سے دریا کی طرح بہتے تھے فارسی اکثر کہتے تھے چنانچہ دو دیوان بھی مرتب کر لئے تھے - لکھنؤ میں انکے معتقد بکثرت تھے بقول مسٹر فیلن ۱۸۹۳ء میں ستر برس سے زیادہ عمر تھی - منتخب کلام ملاحظہ ہو ؎

تری جدائی نے یاں تک ہمیں ملول کیا — کہ زندگی کے عوض موت کو قبول کیا
دیکھا نہ ہو جسنے کبھو سیماب کا عالم — آ دیکھے وہ میرے دلِ بیتاب کا عالم
اے ابرِ مژہ ناصحوں کی ضد سے تو یکبار — سب ارض و سما آوے نظر آب کا عالم
یاقوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ بچاوے — دکھلاؤں اگر چشم کے خونناب کا عالم
گل پر تو حسنِ رخِ دلدار کے آگے — پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم
مانی ترا و العدیہ الہام ہو بندا — کھینچے تو اگر دل کے تپ و تاب کا عالم

ارے بیکسی تیرے قربان ہوں — برے وقت میں ایک تو رہ گئی

قدر تو نے کچھ نہ جانی گو برے یا نیک تھے — ناز برداروں میں یہ ظالم ترے ہم ایک تھے

الٰہی

(الٰہی) الٰہی بخش - الٰہی - سوداگر ریوان شاگرد امیر مینائی - غالباً یہ وہی شخص ہیں جنکا ذکر پہلے اثر تخلص کے ضمن میں آچکا ہے - کلام حاضر ہے ؎

بدگماں کیا وہ ستم ایجاد ہے — کی دعا بھی تو کہا فریاد ہے
بلبلوں کیوں شکوۂ صیاد ہے — اور کچھ دن قید کی میعاد ہے
دے چکے بوسہ گلے سے بھی ملو — ایک نکلی ایک حسرت اور ہے
بن سنور کر آتے ہیں وہ حشر میں — اک قیامت میں قیامت اور ہے
حسنِ نمکیں شیخ حوروں میں کہاں — اِن حسینوں کی ملاحت اور ہے

الیاس

(الیاس) سید مہر علی صاحب نبیرۂ نواب جہانگیر یار جنگ بہادر رئیس حیدرآباد دکن - آپکو میر خورشید علی نفیس کے نواسے جناب عارف سے تلمذ ہے ؎

لطف اب زیست کا اے گردشِ ایام نہیں ۔۔۔ مے نہیں یار نہیں شیشہ نہیں جام نہیں

شراب محفلِ ساقی میں شیخ جی نے پی ۔۔۔ کب ایسی جا پہ حلال و حرام دیکھتے ہیں

آنسو رواں ہیں زلف سیہ کے خیال میں ۔۔۔ موتی پرو رہا ہوں ترے بال بال میں

سرمہ کا دنبالہ ہو شاطۂ چشم یار میں ۔۔۔ ہے عصا درکار دستِ مردم بیمار میں

عشق کا خنجر لگا سینہ دل پہ کاری اندنوں ۔۔۔ زخم کی صورت سے خوں آنکھوں سے جاری اندنوں

قتل کیجے نہ جو ہیں گرفتار زلف کی ۔۔۔ تلوار کو چھپا کفِ مار سیاہ میں

اندھیر ہے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں ۔۔۔ اتنے حسیں سمائے ہیں اپنی نگاہ میں

پردہ اٹھا دو در سے محرم میں تو ثواب ۔۔۔ رکھو سبیل شربتِ دیدار راہ میں

فصلِ گل میں رات دن بس ہم ہوں اور میخانہ ہو ۔۔۔ ساقی مہوش ہو مے ہو شیشہ ہو پیمانہ ہو

اے دلِ روشن فدا اس نے جبینِ جانانہ ہو ۔۔۔ ہے چراغِ چشم شمعِ طور کا پروانہ ہو

محوِ گلشن گر نگاہِ نرگسِ مستانہ ہو ۔۔۔ شیشہ ہو شمشاد شبنم مے ہو گل پیمانہ ہو

صحنِ گلشن میں جو رقصاں ساقی مستانہ ہو ۔۔۔ کبکِ سودائی ہو طاؤسِ چمن دیوانہ ہو

بزمِ عالم کے اسیروں میں عجب اندھیر ہے ۔۔۔ جان یوں پروانہ دے اور شمع کو پروا نہ ہو

خالِ زیرِ زلف پر مرغِ دلِ عاشق ہے لوٹ ۔۔۔ صید کی پھر کیا کمی جس دام میں یہ دانہ ہو

بزمِ عالم میں یہ ہر شب ہے امانت کی دعا ۔۔۔ شمع روئے یار سے روشن مرا کاشانہ ہو

جو کھائیں نعمتِ دنیا کو ہم دل سے عداوت ہو ۔۔۔ اگر نوکِ زباں پر چاشنی ترکِ لذت ہو

جلاتے ہو مجھے اغیار کا دل رکھتے ہو خدا ۔۔۔ کہیں برقِ غضب ہو اور کہیں بارانِ رحمت ہو

تصور چاہیے ہر صبح اُسکے مصحفِ رخ کا ۔۔۔ سحر کے وقت بہتر ہے جو قرآں کی تلاوت ہو

نہا دھو کر کفن پہنے لحد میں چین سے سوئے ۔۔۔ ترے بیمارِ الفت کو کہیں جلدی سے صحت ہو

کھڑے ہونے نہ پاتے تھے امانت جو کہ محفل میں ۔۔۔ برابر اب وہ بیٹھے ہیں دباتے اُسکے زانو کو

شیریں لبوں کے عشق میں ہے تلخ زندگی ۔۔۔ الفت کی چاشنی کا امانت مزہ ہے یہ

بیس برس کی عمر میں کسی عارضہ کی وجہ سے امانت کی زبان بند ہو گئی - اور مجبوراً بذریعۂ تحریر کلام کرنا اختیار کیا - اس عالم میں سنہ ۱۲۶۰ ہجری تک گنگ رہے - آخر کار پروردگار کا فضل شامل حال ہوا اور کسی علاج سے یہ مرض کچھ جاتا رہا - بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا جا کر خود بخود زبان کھل گئی تھی سو دوبارہ گویائی پانے کے بعد بھی تا دمِ مرگ زبان میں لکنت رہی - فنِ سخن میں معمے اور چیستاں کا بہت شوق تھا - ان کی تصانیف سے دیوان خزائن الفصاحت - گلدستۂ امانت - اندر سبھا - اور اکثر مرثیے شائع ہو چکے ہیں - رعایتِ لفظی و صنائع بدائع کا خیال انتہا کو پہنچا ہوا تھا چنانچہ اس وجہ سے اکثر لوگوں کے نزدیک ان کا کلام عام فہم شاعری سے گر کر محض ضلع جگت یا رعایت لفظی کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے بہرحال اپنے وقت میں لکھنؤ کے مشاہیر شعرا میں سمجھے جاتے تھے - اسیر - خواجہ برق - رشک - بحر - سحر - گویا کے ہمعصر تھے دیوان تمام کلام میں سے انکی دو تصنیفیں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہوئیں - ایک واسوخت دوسری اندر سبھا امانت - واسوخت کی شہرت محض رعایت لفظی سے (جو حقیقت میں اپنے رنگ کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے) امید سے زیادہ ہوئی - اور اندر سبھا کو ایک انوکھی اور دلچسپ کتاب ہونے کے سبب قبول عام کی سند ہوئی - انکے دونو صاحبزادے لطافت - اور فصاحت شعرائے لکھنؤ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں -

اسمیں شبہ نہیں کہ اردو کے شعرا میں ڈراما کی اشاعت کا موجد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو امانت ہے - انکی یادگار میں یہ ایجاد بہر کیف وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہے - ۲۸ - جمادی الاول سنہ ۱۲۷۵ھ میں بعارضۂ استسقا انتقال کیا اور بمقام لکھنؤ آغا باقر کے امام باڑہ میں دفن ہوئے کچھ کلام انتخاباً درج ہے

پریوں کی محبت میں یک حال ہے دونو کا	فرزانہ ہوا تو کیا دیوانہ ہوا تو کیا
میخانۂ عالم میں دونو ہیں ولا یکساں	ہشیار ہوا تو کیا مستانہ ہوا تو کیا
دیدۂ تر میں مرے پھرتی ہیں شکلیں یار کی	دیکھ لو پانی میں لہراتا ہے جوڑا سانپ کا
نرگس کو باغباں سے محل ہے حجاب کا	چوری گیا چمن سے کٹورا گلاب کا

مساوی جانو خوش طالعی و کم نصیبی کو
امانی تو ہوا تیغ تغافل ہی سے بسمل

امانی امسر و مفلوک سب کے دن گذرتے ہیں
بھلا بتلائیے کس پر کہ اب آپ ہنستے ہیں

ہم ترا زخم نمک جو رہتے جاتے ہیں
آخر ہو سنگ میں کیا - کیونکہ ان کو رام کریں

یاد آ دیں گے بہت آشنا کہے جاتے ہیں
بتوں سے دل ہونے یا رب تو آہیں کام کریں

دو ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد
زباں پہ راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا

صلاح زاہد سب ہے یہ - تو ہم سلام کریں
شستہ کس سے اٹھا یا ہے یہ شمع شبستاں کو

سینے پہلو سے گم کیا تجھ کو
اشک آوارگی سے تو نہ تھما

آہ دل - کس نے لیا تجھ کو
سینے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو

اے مسیح صنم تیری خود نمائیاں
چاہ میں کسکی دل ڈبو بیٹھے

اس حسن چند روزہ پہ تنا غرور ہے
آہ ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے

کیوں امانی گیا نہ آخر دل
خوش خواب میں ہیں مگر جواب تک

کف افسوس سب ملو بیٹھے
جاگے نہیں خفتگان عدم کے

آنکھیں نہیں بند تیں عجب ہی تپ ہے
مدت سے سرو کا غم ہجر سیتی ہے

یا رب دل حیران کو مرے کس کی طلب ہے
کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تمہارا سب ہے

بار با منع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ
سیر گلشن کو میں جاتا تھا تو صیاد نے

باز نہیں آتا - امانی بھی عجب کوئی ہے
دیکھ کر دور سے بولا کہ شکار آتا ہے

نامہ بر کیوں زبانی کہتے تجھ سے

شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روئی ہے

امجد

(امجد) مولوی علی احمد حسین امجد خلف فضل حسین متوطن بدایوں حضرت مذاق مرحوم کے ممتاز تلامذہ میں ہیں صاحب دیوان فارسی و اردو ہیں - کلام حاضر ہے

جسکو ہم سمجھے تھے اپنا وہ ہی دشمن ہو گیا
بیگانے ہوئے اپنوں کے ہم آپ سے مل کر

رہنما نے راہ الفت ہائے رہزن ہو گیا
چھوڑا نہ دے آپ نے بیگانہ پن اپنا

ہوں ناتواں چلو نہ قیامت کی چال سے
لب جاں بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ہے

ٹھوکر لگاؤ قبر کو پائے خیال سے
مریض عشق مرتا ہے مسیحا کی دوہائی ہے

مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے
خدا کی یاد کرتے ہیں بتوں سے گرم صحبت ہے

اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے
یہی مذہب یہی تقویٰ یہی اپنی عبادت ہے

فی سبیل اللہ بانی ان کو دو اے آبلو
کوچۂ قاتل تلک اے دل ہمانی کیجئے

کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبان خار کے
کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجئے

(امانی) خواجہ امانی شاہجہان آبادی خلف خواجہ آثمی شاگرد ہی میں وطن چھوڑکر مرشد آباد جا رہے تھے مرثیہ خوانی کو کسب معاش کا ذریعہ ٹھیرایا تھا چنانچہ درس سنہ ۱۱۶۶ھ میں شدت گریہ سے کسی مجلس عزا میں بیہوش ہوکر عالم بقا کی راہ لی آپکے طباع اور شوخ کلام ہونے میں شبہ نہیں شیفتہ اور لطف نے انکا تخلص آمانی لکھا ہے اور بعض دیگر تذکرہ نویسوں نے آمی لطف کے قول کے بموجب سنہ ۱۲۱۱ھ سال وفات ہے یہ آپکے کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

گھبرا رہے ہیں غم سے عجب حال ہے مرا
سینے میں جدھر رو ہو ترا پھونکدے اے آہ

اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا
تنگ دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اُسکے کوچے ستی غبار اُٹھا
عندلیبو اُٹھاؤ اب صحرا
ہچکیاں سے گلابیاں روئیں
نہیں جو قدر اشک ۔ عالم سے

کون ساواں سے خاکسار اُٹھا
باغ سے موسم بہار اُٹھا
بزم سے جب وہ میگسار اُٹھا
موتیوں کا مگر وقار اُٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل
ہو چکا ہے غم سے خوں ۔ اب جلد بیجا کہیں
وائے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ
جن سب لیلا سے تعبیر ہے ۔ بادل برستے ہیں

آنکھیں تو پتھرا گئیں ۔ پر وہ نہ آیا سنگدل
خوف ہے یارب نہ بدلے اور بھی کچھ رنگ دل
جلوہ گر ہے آفتاب ۔ اور تاب بینائی نہیں
شتاب آ ساقیا ! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں

شیخ صاحب ہے عبث آپ کو انکار اس سے	لیجئے لیجئے پی لیجئے یہ پانی ہے

امداد

(امداد) نواب ناصر جنگ امداد حسین خانصاحب بہادر خلف نواب مظفر جنگ نبیرۂ نواب احمد خان بنگش فرخ آبادی - تذکرہ شوق میں انکا حال نظر سے گزرا - تبرکاً درج تذکرہ کیا گیا ہ

او جانے والے یہ بھی ہے کوئی ادا کیطرح	جاتا ہے منہ چھپائے جو نا آشنا کیطرح

امداد

(امداد) حاجی امداد علی خان نبیرہ نواب فیض اللہ خاں والی رامپور احمد خاں عُنقا کے شاگرد تھے پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۳۰۱ھ ہجری میں انتقال کیا - یہ اُنکے شعر ہیں ہ

شب خفا بیٹھے بُغائے ہم سے دلبر ہو گیا	گھر گیا اپنا یہاں واں غیر کا گھر ہو گیا
گلرخوں سے نہ مل امداد بقولِ ناسخ +	داغ حسرت کے سوا خاک نہ حاصل ہوگا
کرو ے شب تار میری روشن	جب جانیں تجھے کہ مہ لقا ہے

امداد

(امداد) مرزا امداد علی لکھنوی مقیم مٹیا برج کلکتہ - مرزا علی جان شفق سے تلمذ تھا ۱۲۸۵ء میں کلکتہ میں زندہ و سلامت موجود تھے مندرجہ ذیل اشعار انکے طبعزاد ہیں ہ

ذاق میں لطف اُٹھا چکے ہیں کسے کہ ہم رُلا چکے ہیں	اثر یہ نالے دکھا چکے ہیں کہ دل بتوں کے ہلا چکے ہیں
سچ تو یہ ہے گر پسند خاطرِ عالی نہو	پھیر دیجئے آپ دل امداد کا امداد کو
پڑھتے ہی نامہ مرا کہنے لگا وہ رشک گل	مجکو بو آنے عاشقی آتی ہے اس تحریر سے

امداد

(امداد) منشی سید امداد علی خلف سید بہادر علی مرحوم ساکن قصبہ سولپور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی ان کا دیوان ۱۳۱۳ھ کا مطبوعہ نظر سے گزرا - نہایت جانکاہی سے یہ چند شعر اُس میں سے انتخاب کرکے درج تذکرہ کئے جاتے ہیں محض موزوں طبع ہیں کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ہ

ہو گیا ہم سے جدا ہائے وہ دلبر اپنا	اب تو قابو میں نہیں ہے دلِ مضطر اپنا
گرمئی الفت ہے کوئے یار کی +	آگ دیتے ہیں لگا گلشن میں ہم
عنایت نامہ جو انکا دیا ہے نامہ بر مجھ کو	پڑھوں اسکو میں کیونکر خود نہیں اپنی خبر مجھ کو
رازِ مخفی کی اگر ہوتی سمائی ہم کو	جلوہ کون و مکاں دیتا دکھائی ہم کو

اوروں کو مے پلانے سے حاصل ہوا ثواب — اِک گھونٹ کیا مجھی کو پلانا گناہ تھا

حال امجد کا نہایت ہے بُرا — دیکھ جاؤ آ کے اچھا ہو گا

امجد

(امجد) مولوی سجاد علی خلف مولوی ماجد علی چودھری انصاری باشندہ گنّور دور موجود کے شعرا میں ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

دہر میں پھولا پھلا ہے گلستاں توحید کا — جا کے سُن ہر مرغ گلشن سے بیاں توحید کا

ہر اک جا سُنی ہے کہانی تمہاری — حسینوں میں شہرہ ہے جانی تمہاری
غضب چلبلاہٹ ہے جب کم سنی میں — تو ہوگی قیامت جوانی تمہاری
جو اِک بوسہ مانگا ملیں گالیاں دیں — یہ کیا کم ہے کچھ مہربانی تمہاری

امجد

(امجد) شیخ امجد علی بنارسی اوائل میں منشی سرفراز علی رقعت بریلوی کو کلام دکھایا پھر اُن کے اُستاد جناب رحمت سے تلمذ اختیار کیا اور اب آخر میں حضرت داغ کے معتقد ہو گئے۔ کلام ہمرسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

جب میں کہتا ہوں وفا وعدہ مری جاں نہ ہوا — ہائے کس ناز سے کہدیتے ہیں "جی ہاں نہ ہوا"
آئے تو آئے وہ تربت پہ مری بعد فنا — زندگی میں تو یہ پورا مرا ارماں نہ ہوا
دیکھ جاتے کبھی آکر مری بیتابی کو — تم سے اتنا بھی کسی رات مری جان نہ ہوا

وصل کی اُس بت کے ساتھ سچ بتا کب آئیگی — غور سے تو ہاتھ میرا اے برہمن دیکھکر

غیر کے سر کی قسم بھی کھائیے انکار پر — خالی وعدے سے تو اب تسکیں مری ہوتی نہیں

کسی کا ہائے یہ کہنا سرِ محفل قیامت ہے — یہ ہم پر جان دیتے ہیں یہ ہم پر مرنے والے ہیں

بیٹھا ہے کرنے رندوں سے تعریف حور کی — مئے پی کے آج شیخ کو سوجھی ہے دور کی

جسکی جھلک سے ہوئے طور پہ موسیٰ بیہوش — لطف جب تھا کہ نقاب اسنے اُٹھائی ہوتی

چال ہی تو نے زمانے سے جدا رکھی ہے — اپنی رفتار قیامت سے ملا رکھی ہے
ہائے کہتا ہے کوئی ذکرِ وفا پر میرے — آپ ہی میں تو زمانے کی وفا رکھی ہے

چلے نالے مانند تیر شہاب	خود اپنے ہی شعلوں میں جلتے ہوئے
کیوں غنی ہوں نہ ہم فقیری میں	ہیں گدا تیرے آستانے کے

امراؤ علی

(**امراؤ علی**) منشی امراؤ علیخاں - کوئل کے باشندے مگر اکثر آگرہ میں رہا کرتے تھے - چرب زبان ایسے تھے کہ حریفوں کو سامنے بولنے کی مجال نہ ہوتی تھی اگرچہ امی تھے۔ مگر قوت بیانیہ، ذہن رسا اور تیزیِ حافظہ کی بدولت کاملوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے - اور کسی سے بند نہ ہوتے تھے صدہا الفاظ انگریزی - فرانسیسی اور ترکی کے ازبر تھے - ستر برس کی عمر میں قبل از غدر انتقال کیا

نزع میں دیکھ تو بولے رخصت آ ہا زادے	مرگ تک ہم سے رہیں کافر کی کھنچے بازیاں
دو پھول گر کسی نے چڑھائے اُڑا دیے	باد صبا کو گور غریباں سے لاگ ہے

امّن

(**امّن**) میر امّن دہلوی - ایک نامور اور خاندانی شخص گزرے ہیں - فن شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی - اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ ہی آپ شاعر بن گئے - بقول مسٹر فیلن - میر امّن خود فرمایا کرتے تھے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں ہے - نہ میں کسی شاعر کا بھائی ہوں میری اُردو ٹکسالی اُردو ہے کیونکہ میں دلّی شاہجہاں آباد کا روڑا اور وہیں کا پرورش یافتہ ہوں -

میر امّن - کے آباؤ اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت سے مغلیہ بادشاہوں کی خدمت میں باعزاز رہے - جب مغلیہ سلطنت کو زوال آیا اور سورج مل جاٹ کی حکومت کا ڈنکا بجا تو آپکی جاگیریں ضبط ہو گئیں - احمد شاہ درانی کے عہد میں جب انکا گھر تک لٹ گیا تو اُس وقت سے میر امّن نے اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد کی سکونت اختیار کر لی کچھ دنوں بعد بسلسلۂ روزگار کلکتہ گئے چند ہی روز گزرے ہونگے کہ سنہ ۱۸۰۱ء میں منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گلکرسٹ صاحب کے روبرو پیش کر دیا اُس روز سے بے روزگاری کی شکایت رفع ہو گئی اور کلکتہ مسکن ہو گیا چار درویش کے قصہ کا اُردو ترجمہ موسوم بہ باغ و بہار انہیں کا کیا ہوا ہے اور اسقدر مقبول ہوا ہے کہ صدہا مرتبہ مختلف مطبعوں میں چھپ چکا اور ابھی چھپے جاتا ہے - اُس زمانے کے مذاق کے موافق یہ قصہ نہایت دلچسپ اور بہت مرغوب ہے - اس کی اُردو صاف و سلیس

سامنے بوریے کے تختِ سلیماں کیا تھا ۔ کاش ملتی درِ جاناں کی گدائی ہمکو

امداد

(امداد) شیخ امداد علی خیرآبادی برادر شیخ اسید علی ۔ زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں ۔ کلام حاضر ہے ۵

واں سینے پہ یہ اُبھرے یہاں دل میں یہ اُبھرے ہیں ۔ ہمارے داغ ملنے میں تمہارے اُبھرے جوبن سے

شگفتہ مثلِ گل دل بلبل قیدی کا ہوتا ہے ۔ قفس تک نکہت گل جب صبا لاتی ہے گلشن سے

شہیدِ حسنِ جاناں ہوں کلیم اللہ سے کہہ دو ۔ جلانے کو مرے مدفن پہ لائیں شمع ایمن سے

تمنا بیٹھتی ہے مر کے حسرت خاک اُڑاتی ہے ۔ لپٹ کر رو رہی ہے بیکسی عاشق کے مدفن سے

ہوا جب سامنا تو بھی نہ لے امداد نہیں دیکھا ۔ پڑے آنکھوں پہ پردے وہ نکل آئے جو چلمن سے

یہ قدموں سے حسینوں کے لگی ہے ۔ نصیب اب تو جگ اُٹھے حنا کے

امداد

(امداد) مولوی سید عنایت حسین باشندہ عظیم آباد پٹنہ ۔ خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد کے تلامذہ میں نامور ہیں ۔ اچھا کہتے ہیں طبیعت میں درد اور کلام میں مزا ہے ۔ اشعار ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے ۵

ہزار حرص نے جانکاہیوں سے کام لیا ۔ جو تھا نصیب میں اُس سے مگر سوا نکلا

تمام عمر کوئی درد آشنا نہ ملا ۔ تلاش جسکی تھی دل کو وہ دلربا نکلا

دکھا دیا ہمیں کیا کچھ نہ چشم باطن نے ۔ یہ کس طرح سے کہوں اپنا مدعا نکلا

یہ دوست چھٹا آج تو کل وہ ہوا راہی ۔ آتی نہیں کانوں میں سوا اسکے خبر اور

وہاں گزر کہاں اس اپنے جسم خاکی کا ۔ لباس تن اسی باعث بدل کے جاتے ہیں

اب عدم جانے کی تیاری ہے ۔ مرچکا قیس مری باری ہے

تیرے دیوانے تجھے ڈھونڈھتے ہیں ۔ یہ بھی اک طرح کی ہشیاری ہے

چہچہے باغ میں کرے بلبل ۔ پھر تو قسمت میں گرفتاری ہے

بسر عمر کی عشق میں مثل شمع ۔ اُٹھے بزم ہستی سے جلتے ہوئے

دم نزع وہ آئے غیروں کے ساتھ ۔ دیا اور اک داغ جلتے ہوئے

گرمیٔ مے سے زباں پر آبلے پڑتے ہیں کیا!　　اے مغاں اسمیں مغیلاں کی کلی پڑتی جہاں ہے

امید

(امید) مرزا محمد رضا معروف بہ قزلباش خاں - انکا اصلی وطن ہمدان تھا - ایام شباب میں اصفہان آکر مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہو کر کسبِ کمال کیا اور عالمگیر بادشاہ کے آخیر زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے - بہادر شاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پایا مگر اس اعزاز پر شاکر نہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مثل بلبل کے ہوں سدا نالاں　　یہ مرا منصب ہزاری ہے

معزالدین جہاندار شاہ کے عہد میں دکن میں کسی خدمت پر مامور ہوئے - چنانچہ جب امیرالامرا حسین علیخاں نے داؤد خاں ناظر برہانپور پر فتح پائی تو یہ معرض تخفیف میں آگئے اور جب امیرالامرا ہوئے - چونکہ سلیقہ علم مجلس و مزاجدانی امرامیں ملکہ راسخہ حاصل تھا - امیرالامرا چند ہی روز میں ایسے خوش ہوئے کہ صوبہ کرناٹک کا داروغہ کر دیا - چنانچہ کاٹ جاکر کئی برس وہاں رہے بعد زوال دولتِ سادات بارہہ نواب مبارزخاں ناظم حیدرآباد کی رفاقت اختیار کی - چنانچہ ۱۱۳۷ھ میں جب نواب نظام الملک آصفجاہ نے مبارزخاں کو میدان جنگ میں شکست دی تو یہ بھی اسیر ہوئے - چند روز میں ایک عرضی منظوم اور غزل نواب کی تعریف میں لکھکر بھیجی جس پر از راہ قدردانی جاگیر قدیم بدستور بحال ہوئی - اور قلعہ داری بنی مرگ کی جہاں ہیرے کی کان تھی مزید عنایت عطا ہوئی - چنانچہ چند سال نہایت تزک و احتشام سے بسر کئے - انہیں ایام میں سعادت حج سے بھی مشرف ہوئے ۱۱۵۰ھ میں جب نواب آصفجاہ دہلی طلب ہوئے تو یہ بھی ہمرکاب حاضر دربار ہوئے - چنانچہ میر غلام آزاد اپنے تذکرہ میں بمقام بھوپال ان سے ملاقی ہونے کا ذکر کرتے ہیں - اور لکھتے ہیں کہ باوجود ولایت زائی ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت درجہ کمال حاصل تھا - اور لطیفہ گوئی میں بے مثل تھے -

جس زمانہ میں نادر شاہ نے دارالخلافہ کو لوٹا آپ وہیں موجود تھے - جب بعد مراجعت نادر شاہ آصفجاہ واپس دکن جانے لگے تو یہ دہلی کی محبت کے مارے نوکری چھوڑ کر یہیں کے ہو رہے

اور عام فہم ہونے کے علاوہ مستند و بامحاورہ ہے۔

میر آتش اچھے اور پورے شاعر تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انکی پوری غزلوں کا پتہ نہیں لگتا مجبوراً انتخاب کلام میں بطور نمونہ ان کے وہ اشعار لکھے جاتے ہیں جو انھوں نے باغ و بہار کے آخر میں بطور خاتمہ تاریخ خود درج فرمائے ہیں اس سے بھی ان کی تلاش طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ کہیں کہیں اشعار میں اپنا تخلص تلطف بھی ظاہر کیا ہے۔ مگر زیادہ تر آتش ہی مشہور ہے

مرتب ہوا جب کہ باغ و بہار — تھے سن بارہ سو ستر و دو شمار
کرو سیر اب اسکی تم رات دن — کہ ہے نام و تاریخ باغ و بہار
خزاں کا نہیں اسمیں آسیب کچھ — ہمیشہ تر و تازہ ہے یہ بہار
مرے خون دل سے یہ سیراب ہے — یہ لخت جگر کے ہیں سب برگ و بار
یہ مجھ جیوں جائینگے سب بعد مرگ — رہے گا مگر یہ سخن یادگار
اسے جو پڑھے یاد مجھکو کرے — یہی قاریوں سے ہے میرا اقرار
خطا گر کہیں ہو تو رکھیو معاف — کہ پھولوں میں پوشیدہ رہتا ہے خار
ہے انسان مرکب ز سہو و خطا — یہ چوکے گا ہر چند ہو ہوشیار
میں اسکے سوا چاہتا کچھ نہیں — یہی ہے دعا میری اے کردگار
تری یاد میں میں رہوں دم بدم — کٹے اس طرح میری لیل و نہار
نہ پرسش کی سختی ہو مجھ پہ کبھو — نہ شب گور کی اور نہ روز شمار
تو کونین میں لطف پر لطف رکھ — خدایا بحق رسول کبار

آگہی

(آگہیؔ) مرزا روشن بیگ کہیں برادر حمید الدولہ داروغہ و منصرم سرکار ابو ظفر بہادر شاہ در ایام ولی عہدی علم سے بے بہرہ اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ترتیب گلشن بیخار سے پیشتر جوان ہی میں انتقال کیا

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں — تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں
جی دھڑکتا تھا کہ سینے میں نہ آجائے لچک — ہاتھ سے چھوڑ دیا سینے ترا جان کے ہاتھ

بجز اس کے دیدار کے اور جہاں میں	کسی شے کی مجھ کو تمنا نہیں ہے
عاشق شب فراق نہ روئے تو کیا کرے	اشکوں سے اپنے منہ کو نہ دھوئے تو کیا کرے

امید

(**امید**) امید تخلص اور شاید منشی فرحت علی نام تھا۔ نواب وزیر علی کلب حسین خان بہادر کے تلامذہ میں ممتاز اور نامور ہونے کے علاوہ اپنے استاد سے بیحد الفت رکھتے تھے۔ اور اکثر انہیں کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ اُردو میں صاحب دیوان تھے چنانچہ انکا قلمی دیوان راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ جسقدر کلام نظر سے گزرا اُس سے انکی نازک خیالی اور خوش فکری ظاہر ہے۔ زبان بھی صاف ستھری ہے اور بندش بھی درست کبھی کبھی فرحت تخلص بھی کیا کرتے تھے زیادہ حال معلوم نہیں۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

بے فائدہ کرتے ہیں دوا میری اطبا	بیمار تری چشم کا اچھا نہیں ہوتا

سینہ میرا جو داغ داغ ہوا	دیکھ کر یار باغ باغ ہوا
بازوئے قاتل کو جب تکلیف ہو کیا لطف ہے	آپ بندہ کشتۂ تیغ ادا ہو جائیگا

دوش اغیار پر اُٹھوایا جنازہ پس مرگ	شیوہ چھوڑا نہ صنم تو نے دلآزاری کا
فرقت لیلیٰ میں مجنوں نے جو کھینچی آہ گرم	خاک سا بس جلکے سارا بحد کا بن ہوگیا
سینہ کو داغدار کیا تم نے کیا کیا	لالہ کو شرمسار کیا تم نے کیا کیا
سجدہ کروں بت خانہ میں کیونکر نہ صنم کا	نقشہ خم ابرو میں ہے محراب حرم کا
دست قاتل میں کل جو خنجر تھا	اک جہاں ہاتھ میں لئے سر تھا

ساربان روک ناقہ لیلے	قیس سے اب چلا نہیں جاتا
بیوفا ہیں کہ باوفا ہیں آپ	نہیں معلوم ہے کہ کیا ہیں آپ
بیوفاؤں سے آشنا ہیں آپ	آشناؤں سے بیوفا ہیں آپ
مٹی کے مول خون عاشق ہے	ہاتھوں میں ملتے کیوں حنا ہیں آپ
سر اُتر تن سے اب جدا کیجے	درد سر کی مرے دوا ہیں آپ

آخر ۱۲۹۵ھ میں سکتے کی بیماری سے انتقال کیا - فارسی میں ۸۰۰۰ بیت کا دیوان ہے
ہندی میں گاہے گاہے بطور تفریح شعر کہتے تھے ؎

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں	الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں ؎
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے	در و دیوار سے اب صحبت ہے
درد دل اُس سے جو ہم نے کہا	ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
دستِ اغیار ہے زیر سر یار	آج امید کو ذہب صحبت ہے

امید

(امید) مرزا محمد اعظم علی امید مرحوم خلف مرزا فتح علیخاں ہروی رسالدار شاہی - نواسہ میر شجاعت علی بہادر رئیس مدراس - علم عروض و فن سخن کی تحصیل مولوی محمد صادق زہبت لکھنوی اور مرزا حسن علیخاں بہادر حسن دہلوی سے کی تھی ملا محمد شریف ویرانی کے مرید تھے ۱۲۳۵ھ میں سرکار حیدر آباد میں ملازم ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۲۵۳ھ میں عہدہ جلیلہ تعلقہ داری صد تعلقہ - فرخندہ بنیاد حیدر آباد بزمانِ وزارت مہاراجہ چندولال میں سرفراز ہوئے فارسی کا ملکہ اچھا تھا اور زیادہ تر اسی زبان میں سخن طرازی کرتے تھے خمسہ اکثر کہتے تھے حافظ کی اکثر غزلوں پر مصرع لگائے ہیں ۱۲۷۰ھ میں آپکا مجموعہ نظم و نثر موسوم بہ مجموعۂ عظمیٰ امید شائع ہوا تھا وہ راقم کے پاس موجود ہے - انتخاب ملاحظہ ہو ؎

دل میں جگر میں آنکھ میں تصویر جسکی ہو	ہر چند بھولئے وہ بھلایا نجائے گا
یار اچھا ہے مگر ساتھ ہیں اغیار بہت	گل تو خوش رنگ ہے پر گرد خس و خار بہت
تیرے ہونٹوں میں شفا آنکھوں میں مرض ہے بھرا	باہر ابہر خند ابیٹھے ہیں بیمار بہت
فانوس دل سے بہتر کیونکر ہو آبگینہ	اشراف کے برابر ہرگز نہو کمینہ

اگرچہ ضبط ہر اب بیاں ہوں	تمہارا ہی دعا گو ہوں جہاں ہوں
نہیں اک خس جلانے کی بھی طاقت	اگرچہ سوزِ دل سے شعلہ ساں ہوں
یہی آئینِ دلداری ہے پیارے	جو ناحق مجھپہ تو ایسا خفا ہے ؎

جان سے اپنے گنہگار کو مارا تو نے
اپنے بیمار کی صورت نہیں پہچانتے ہو
حشر کا غل سر بازار بپا ہوتا ہے
منہ پہ ڈالے ہوئے آتا ہے نقاب اپنے وہ شوخ
کیا ہے وصل کا اُس نے اسید وار مجھے
بند آنکھیں نہیں ہوتیں جو پس مرگ مری
کیوں نہوں قانع میں قسمت پر کہ بس سکتا نہیں
ہمارے خوں بہا کی فکر میں بیوجہ قاضی ہے
تو ناحق تیغ و خنجر ہمکو دکھلاتا ہے اے قاتل

ایک بوسہ پہ کوئی ایسی سزا دیتا ہے
اے صنم یوں کوئی دل لیکے بُھلا دیتا ہے
آج قیدی ترے گیسو کا رہا ہوتا ہے
ہائے یوں وعدۂ دیدار وفا ہوتا ہے
ضرور حشر کے دن تا سے انتظار تجھے
اب تلک ہے مجھے دیدار کی حسرت باقی
لکھ چکا جو کاتب تقدیر اپنے ہاتھ سے
کہ ہم قاتل سے راضی اور قاتل ہم سے راضی ہے
ہمارے قتل کو جنبش فقط ابرو کی کافی ہے

(اسید) مولوی سید محمد جعفر اسید لکھنوی آپ لکھنؤ کے مشہور خاندان اجتہاد کے ایک رکن تھے اور نواب عاشور علیخاں صاحب مرحوم سے فن سخن میں استفادہ کیا کرتے تھے عاشقانہ مضامین کی طرف کم توجہ تھی زیادہ تر حمد و نعت کہتے تھے - اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں آپکے تلامذہ میں مولوی سید اصطفےٰ علی صاحب خورشید نامور گزرے ہیں - بارہ پندرہ برس ہوئے انتقال فرمایا ؎

ایک دن روح بھی رخصت تن خاکی سے ہوئی
روح رونے سے عزیزوں کے نہ ٹھیری دم بھر
کیا ہے لن ترانی نے تری دعویٰ بصیرت کا
بڑھے تھے جو بھی قبل و رحمت سے بھی پیچھے لگے
سے چلے قلم اُسکو کیا باغباں نے
ترا کرم بھی تو ہے حجاب اے غفار

صاحب خانہ جسے سمجھے تھے مہماں نکلا
منہ برستے ہی میں گھر سے مے مہماں نکلا
وہی بینا ہے جو قائل ہوا ہے نفی رویت کا
نہ ان پر بھی کھلا پردہ تری کنہ حقیقت کا
جس شاخ پر چمن میں ہمیں آشیاں ملا
مرے گناہ نہیں گر شمار کے قابل

شوق پہ سیر عدم کا کم نہیں
وہ چلے جاتے ہیں جنہیں دم نہیں

اُسکو میں ساتھ لئے جاؤں گا اپنے تہِ خاک
وعدۂ وصل کیا ہے تو کر اب اُسکو وفا
زنجیرِ زلف ہاتھ نہ آئی کسی طرح
بیلے وحشت واہ رے دیوانگی +
دیکھتے ہیں جب وہ مکھڑا چاند سا
بسمل مجھے کیا ہے تو اب قتل بھی کرو
باغباں ہمکو ہے اب طاقتِ پرواز کہاں
یہ خوف ہے کہ نہ ساتھ اسکے دل بھی آئے نکل

تیر سینہ پہ جو مارا ہے کماندار نہ کھینچ
دلِ اُمید کی امید کو اے یار نہ توڑ
پاؤں میں ہمنے پہنیں صنم بیڑیاں تلک
اپنے سایہ سے بھی رم کرتے ہیں ہم
سورۂ والشمس دم کرتے ہیں ہم
بسمل چلے ہو چھوڑ کے اسیری جاں کہاں
اونچی کیوں کرتا ہے تو باغ کی دیواروں کو
ہمارے سینے سے قاتل نہ کھینچ پیکاں کو

تشنگی ہے زیادہ زخمی کو
تمنے تو فراموش کیا ہم کو ولیکن
یہ آپ ہی تھے کہ یوں مفت لیگئے ہمسے
پس مردن بھی دل دیوانہ بن کی
گراں حد سے زیادہ ہے ترا ہجر
پتہ لیلیٰ کا مجنوں نے نہ پایا
قیدِ بلبل آہ بے میعاد ہے
بلبلیں شاید کہ چھوٹیں قید سے
بلبلو فصلِ بہار آئی ہے کیا
عہد میں تیرے یہ ہے اولٹی شکل

پانی خنجر کا دو ثواب کرو
ہم کرتے ہیں اے یار نہیں یاد ہمیشہ
ہر اک حسین کو دل ہم دیا نہیں کرتے
اُڑائیں دھجیاں سینے کفن کی +
مری چھاتی پہ سل ہے لاکھ من کی
بہت ہر چند چھانی خاک بن کی
کس قدر بے رحمیِ صیاد ہے
باغ میں شور مبارک باد ہے
ان دنوں زنداں بہت آباد ہے
دوست پامال اور دشمن شاد ہے

جانِ شیریں جائیگی شیریں نہ ہاتھ آئیگی پر
جلاتا برقِ تجلی سے حضرت موسے
حسیں ہیں باغِ جہاں میں کدورتوں سے بری

تیشۂ فرہاد سے آتی یہی آواز ہے
اگر نظارہ کی ہم اُس کے آرزو کرتے
کہ گل قبا کی نہیں اپنی شست و شو کرتے

حرم اور دیر کیا کم ہیں عدو کی جبہ سائی کو
لگے جبکو یہ داغ اے بت وہ تیرا آستاں کیونکر

کوئی پہلو جفا کا ہو نہ ہو آہوں میں بھی ہے مضمر
یہ آج امید پر آخر تم اتنے مہرباں کیوں ہو

برا ہونا امیدی کا کہ دل آخر لہو ہو کر
برنگ اشک حسرت گر پڑا چشم تمنا سے

بھلا دیکھوں تو کیونکر شوق وصل اس شوخ بدخو کا
نکلتا ہے مرے وحشت آباد تمنا سے

الگ بیگانہ وش وہ دیکھئے امید بیٹھا ہے
مری جاں چشم بد دور آپ کی بزم تماشا سے

آتے ہی اس فتنۂ محشر کے برپا ہو گئی
اک قیامت اور بھی اہل قیامت کیلئے

ذکر سے آج اس مئے اطہر کے واعظ فائدہ
جو اٹھا رکھی ہو فردا سے قیامت کیلئے

حسرتیں کس کی نکالیں کس پہ احساں کر چکے
کیا یہ حال اپنی قضا کا تم مری جاں کر چکے

ذوق لذت کی طلب کا دیں لب زخم اب جواب
وہ پشیماں ہیں کہ ہم حال نمکداں کر چکے

وہ ستمگر اور یا رب چارۂ درد نہاں
خود یقیں آتا نہیں آج اپنی قسمت پر مجھے

بھول جاؤں ما سوا کو ایک تیری یاد میں
او تغافل خو لگا لے اپنی عادت پر مجھے

رہیں بادۂ گلرنگ و لب پارسایاں ہے
یہاں تک جلوۂ گل پردہ سوز دین و ایماں ہے

دل بلبل ہلاک جلوۂ الفت زیب گل
لب غنچہ شکر ریز تبسم ہائے پنہاں ہے

(امید) منشی سید رشید الزماں قادری آپکے والد منشی سید ناظر حسین رودلی کے باشندے ہیں مگر آپ خود بچپنی سے اپنی ننہال اجودھیا میں اقامت گزیں ہیں آپنے انٹرنس کے درجہ تک تعلیم پائی ہے دس برس سے ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں جناب کمال سے تلمذ تھا اب منشی عباس حسین صاحب فصاحت سے استفادہ کرتے ہیں کلام بہم رسیدہ کا انتخاب درج ذیل ہے

کبھی کعبہ تو کبھی دیر کلیسا دیکھا
تجھکو ڈھونڈا نہ کہاں اور نہ کس جا دیکھا

حرم و دیر و کلیسا کی نہیں کچھ تخصیص
جس جگہ دیکھا وہاں تیرا ہی جلوہ دیکھا

جان لے لیتا ہے یہ عشق بتاں کا آزار
پیش آیا وہی جو ہمنے کہا تھا - دیکھا

مسکرا کر کوئی بولا طلب بوسہ پر
منہ بھی ہے آئنہ میں آپنے اپنا دیکھا

امید

(امید) منشی سید محمد علی امید متوطن امیٹھی نواح لکھنو - زمانۂ حال کے شعرا میں ہیں - شوکتِ الفاظ اور رعایتِ لفظی کی طرف زیادہ میلانِ طبع ہے جس سے آپکی استعداد علمی کا ثبوت ملتا ہے - کہنہ مشق اور نازکخیال سخن سنج ہیں - آپکے کلام میں فارسی کی ترکیبیں زیادہ ہوتی ہیں مگر نہ ایسی کہ غیر موزوں یا نامانوس معلوم ہوں - کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ۵

کیا قصور اے عرضِ مطلب حسرتِ پرجوش کا
چشمِ حیراں کا گلہ ہے یا لبِ خاموش کا

حیرت آبادِ تجلی میں نہیں اُس دل کا کام
صدمہ پروردہ ہو جو محنت سرائے ہوش کا

تیغِ قاتل میں ترے قرباں بڑا احساں کیا
جسم بار اک روح کا تھا سو وبال اک دوش کا

پائے نازک کو ذرا دے رخصتِ مشقِ خرام
کب سے تکتی ہے قیامت مُنہ تری پاپوش کا

ہستیِ حسن و تغافل ہمیشگی کا ہے گواہ
جاں بلب ہونا تمہارے عاشقِ مدہوش کا

کم نہوگا شورِ نوشا نوشِ صہبا واعظو
دم سلامت چاہیئے امیدِ صہبا نوش کا

یادگارِ دلِ وارفتہ ہے یہ رہنے دے
پہلوئے خستہ سے او تیر فگن تیر نہ کھینچ

شکلِ تصویر یہ اب کون ہے حیراں مانی
میں نہ کہتا تھا کہ اوس شوخ کی تصویر نہ کھینچ

جسے لے جیب و داماں ذوقِ عریانی میسر ہو
وہ کیوں منت کشِ دستِ جنونِ فتنہ پرور ہو

ارے اُو روٹھنے والے یہ کتنا جا قیامت ہے
کہ جلد آ کر شریکِ نالہ ہائے قلبِ مضطر ہو

برنگِ بوئے گل اُڑتا پھرے صحنِ گلستاں میں
غمِ گل سے تنِ بلبل بھلا اتنا تو لاغر ہو

ضیا پر اپنی نازاں آفتابِ صبحِ محشر ہے
سحر ہو جائے وہ مہوش اگر پردے سے باہر ہو

پریشاں خاطری صیاد کی لائے جو رنگ اپنا
چمن میں دفترِ اوراقِ گل یک لخت ابتر ہو

اِدھر رُخ سے نقاب اُلٹی اُدھر حیرت پکار اُٹھی
عروسِ آرزو دے دید پردے سے نہ باہر ہو

اُٹھا ہے ابر اے امید واعظ کے جلانے کو
لباسِ توبہ نذرِ آتشِ صہبائے احمر ہو

تکلم خیز ہے ہمدم مرا اندازِ خاموشی +
بیانِ دردِ دل منت کشِ تابِ بیاں کیوں ہو

تماشائے مظاہر ہے گلِ وا ناکا نظارہ +
عیاں ہو جو چمن پیرا وہ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

اٹکی ہے آج صبح سے در پر مری نگاہ
کیا جانے منتظر ہوں میں کس کے قدوم کا

کیا بوسہ جس پہ شام سے ہے اتنی ٹال بال
لیجے نہ نام صبح کو تجھ سے تو شوم کا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کون ہو مشتاق بوم کا

کہاں کی عمر کس کی زیست پہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا ایک نفس کا

کیوں سرو کی چال میں دیکھی ہے یہ چین
چلتا ہے جس ادا سے مرا خوش خرام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہوتا ہے ہوا کل کو جو ہے تن میں نفس آج

کیا جائے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سارے کے موجود ہیں بندے نہیں دس آج

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم بخت اثر جلد

پستی طلب کر آپ کو جا ہے گر بلند
جب تخم زیر خاک ہو تب ہو شجر بلند

ڈریو اے دل نہ جان کی خاطر
مرد مرتے ہیں آن کی خاطر

جی بھی دے ہے کوئی یہ ہمنے دیا
کیا کریں اُس جوان کی خاطر

داغ دل لے چلے گلی سے تری
چاہئے کچھ نشان کی خاطر

قطعہ

میں دردِ دل لکھا تھا اسے پڑھکے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط

مینے کہا امید وفا ہے مری صحیح
بولا بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

ہے فردا کا یہ وعدہ کیا قیامت
نہیں عاشق کو ترے آج ہی کل

ترے بندِ قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقدہ یہ پیش آیا ہے اجل

کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ شل آج
جائیں گے کس طرف کو ہم آئے کہاں سے ہم

ماہیت خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے ہیں بے خبر باتیں

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

آج کیوں دیتے ہو ہونٹوں میں چبا کر گالی
آپ تو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

پلاتے عدو کو ہیں مے دمبدم	مرے مانگنے پر کہا۔ ہو گئی
فقط اک ترے شربتِ دید سے	مریضوں کو تیرے شفا ہو گئی
کہاں جاتی ہے دل سے اے یادِ یار	اری بے مروت خفا ہو گئی

امیر

(امیر) نواب محمد یار خاں امیر خلف نواب علی محمد خاں برادر نواب عبداللہ خان۔ جب نواب فیض اللہ خاں ان کے بڑے بھائی کو نواب شجاع الدولہ نے رامپور کی ریاست عطا فرمائی تو پچاس ہزار روپیہ سالانہ انکے مصارف کے لئے بھی مقرر فرمائے۔ جوان مرزامنش۔ نازک طبع۔ صاحب مروت وخوش سلیقہ۔ جرأت وسخاوت میں اپنے اماثل میں ممتاز۔ عالی حوصلگی وفیض رسانی میں زبدۂ روزگار تھے۔ فن موسیقی میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ نکتہ فہم ونکتہ سنج وقدردان اہل کمال تھے۔ تھوڑی ہی مشق میں ریختہ میں بھی اچھا ملکہ حاصل کر لیا تھا۔ خوش تلاش اور مضمون آفریں تھے۔ مصوری کا بہت شوق تھا فن شعر میں مصحفیؔ اور قائمؔ سے مشورہ فرماتے تھے۔ بہت سے اہل کمال مثل قدسی لاہوری اور میر محمد نعیم ان کی سرکار میں ملازم رہے بعالم شباب ؎۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا کلام ملاحظہ ہو

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا	یارب برا ہو اس دلِ خانہ خراب کا
ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب دے	ہم دل جلوں میں آپ مزہ ہے کباب کا
کوئی گزر ترے کو میں نہ گر گیا ہوگا	جو گزرا ہوگا تو جی سے گزر گیا ہوگا
نہ جانے خور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا	کہ محراب صدف میں محو سجدہ سر ہے گوہر کا
کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی	شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا
جس سر میں ہے مثل حباب ہو	واں زیرِ کلاہ کچھ نہ نکلا
شکست وفتح میاں اتفاق ہے لیکن	مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا
یاد کرنا ہی مرا آپ کو منظور نہ تھا	گو کہ شب بھی یہ میں اتنا بھی تو کچھ دور نہ تھا
شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں	کونسا دل تھا کہ ہاتھوں سے ترے چور نہ تھا

سچ کہو امیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہمیں یار خفا سے

جاہِ دنیا پہ اعتماد ہے کیا
مہر بعد از عروج ڈھلتا ہے

آگے اُس بت کے شیخ تو کیا ہے
گر خدا آوے رام رام کرے

لے وہ مجرا اتار اگر آج امیر
تو یہ بندہ بھی تجھے سلام کرے

نہ سجدے سے خوش ہوئے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی مہرِ بتاں کی بھی خدائی ہے

اہلِ فنا کو سانس بھی لینا ہے یہاں محال
رو بیٹھے زندگی سے جو ٹک دم جدا ہے

اُس مُنہ پہ کھلے زلف تو از بہر قدم بوس
شام آوے ادھر سے تو اُدھر سے سحر آئے

امیر

(امیر) حافظ امیر الدین۔ شرفائے قصبہ بدایوں میں ممتاز اور باوصف کم گوئی نہایت شیریں کلام اور نازک خیال سخن سنج تھے۔ فارسی میں ایک مختصر دیوان آپ سے یادگار ہے بروقت ترتیب تذکرۂ شوق حیات تھے۔ استدادِ زمانہ کے باعث بعض الفاظ جو اُس زمانہ میں رائج تھے اب متروک ہو گئے ہیں۔ کلام ملاحظہ ہو ہ

پھر چمن کی سیر کو امسال آتی ہے بہار
سوتے فتنے جنوں کے کو جگاتی ہے بہار

کیوں نہ آپس میں کریں بحثِ سخن ہر صبح دم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار

نو عروسانِ چمن کی گر یہ مشاطہ نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار

باغ میں گل کے وہاں رخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی

پہنچتے ہی کر دیا اُس سنگدل کو بد دماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں یہی تاثیر تھی

دے چکا تھا اپنے در سے بار ہا تو تو اٹھا
پر وفاداری یہی اپنی ہم کو دامن گیر تھی

خانہ بدوشی سے ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار نہ در چاہئے

قطعہ

پاس میرے تک وہ آ بیٹھا امیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری

بیخودی میں پینے جامِ شوق کے
ایک بوسے کی طلب اُس سے کری

کر کے دیکھی تیوری مہرو اٹھ چلا
رکھ کمر میں خنجرِ کینہ دری

کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
جز عشق اور بھی ہے کوئی ذکر اے امیر

آتا کچھ اپنا عیب ہے کیا بندہ خانہ میں
دیکھوں ہوں جب تجھے تو اسی ہی نسانہ میں

قطعہ

کرنیکو اے شوخ میرے قتل کے
دور بیجا پاس بیٹھے ہیں امیر

پوچھ تو تو لوگ سب تجھے کیا کہیں
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
شل حباب گو کہ سبک سر ہوں پر امیر
تاب کیا آئینہ کو ہووے مقابل تیرے
جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہے سو دل جانے
نوح کے طوفان کی شدت کو عالم بھول جائے
جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
جی میں جو آوے سو کیجے پہ میں یہ پوچھوں ہوں
بس میں آیا جو تمہارے اسے چاہو سو کرو
تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب
گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام

رٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں
ہے حل عقدۂ ہر مرے دم قدم کے ساتھ
سامنے ہو کے ترے شمس و قمر دیکھیں تو
یہ دل کی بات ہے دلبر کسی بیدل سے مت کہیو
ہر بر تم اپنے تنگ اے چشم تر آ جاؤ تو
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آ جاؤ تو
کچھ تجھے ہاتھ بھی آتا ہے دل آزاری سے
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے
اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

دیکھو مت ابتدا ہمیں اے شور حشر

خوش پڑے ہیں اپنے اک آرام سے

پوچھا میں میاں دل تو نہیں زلف میں تیری
جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
پوچھا میں کبھی ہم سے بھی ملنے گا کہا خیر

بل کھا کے لگا کہنے "تم یاں لیتے ہو ہاں ہے"
اک باد کے جھونکے میں ہم ہیں نہ نشاں ہے
بولا میں جو مر جاؤں لگا کہنے بلا سے

اور قابلیتِ علمی کی بدولت آگے نکل گئے تھے - یہ بالکل سچ ہے کہ آپ خاندانِ مصحفی کے آفتابِ زخشاں تھے بچپنے میں حضرتِ ناسخ کی بلند پروازی - حضرت آتش کی آتش بیانی نے اپنا جلوہ دکھا کر انکی نوخیز طبیعت میں عاشقانہ رنگ پیدا کر دیا اور عالم شباب میں صبا - وزیر - رند خلیل کی جادو بھری نغمہ سرائیوں نے فریفتہ بنا کر محفل سخن میں لا بٹھایا میر انیس اور میرزا دبیر کی معرکہ آرائیوں اور اُس وقت کے نامی شاعروں میں شرکت بھی آپکے حق میں رہبر کامل سے کچھ کم نہوئی - ان نامی بزرگوں کی فیض صحبت سے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ ۱۲۶۹ھ ہجری میں آپکو سلطان عالم واجد علی شاہ اختر کے دربارِ دُربار میں باریابی ہوگئی اور حسب الحکم سلطانی دو کتابیں ارشاد سلطان و ہدایۃ السلطان تصنیف کیں - جن کے صلہ میں خلعت فاخرہ اور انعام عطا ہوا - اُسی وقت سے آپ کی عالمگیر شہرت کا زمانہ شروع ہوا جو بے روک ٹوک ترقی کرتا گیا اسی اثنا میں اودھ کا الحاق ہو گیا - چند روز خانہ نشین رہے - بعد ازاں ۱۲۷۵ھ ہجری میں آپ کی معجز بیانی کا شہرہ سُنکر فردوس مکان نواب محمد یوسف علیخاں بہادر ناظم نے طلب فرما لیا - اُس وقت سے آپکی مستقل سکونت بجائے لکھنؤ کے رامپور میں منتقل ہوگئی ریاست کی طرف سے عدالت دیوانی کے ایک رکن ہو گئے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب شاعری کا پھلا پھولا سدا بہار چمن سلطنت دہلی و لکھنؤ کی بساط اُلٹ جانے کی وجہ سے سرزمین رامپور پر جو اپنی قدردانی سے گلشن سخن بننے کی قابلیت پیدا کر چکی تھی پھر نئے سر سے شگوفے کھلانے کے لئے آباد ہوا - رفتہ رفتہ تمام اہل کمال نواب صاحب کی قدردانی و قدر افزائی کے سبب یہیں آکر جمع ہو گئے - جن میں سے اکثر آخر وقت تک وہیں رہے - نواب فردوس مکان کے انتقال کے بعد ۱۲۸۱ھ میں نواب خلد آشیاں کلب علیخاں بہادر کا عہد حکومت آیا - اُردو شاعری کو اور بھی فروغ ہوا شاہدانِ زبان اُردو کی قسمت کھل گئی سخن فہم و رتبہ شناس رئیس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تمام ہند کے نامی گرامی شعرا کو بلا کر اپنے دامنِ دولت کے سایۂ عاطفت میں لے لیا - پھر کیا تھا مصاحب منزل میں باکمال شعرا کا جمگھٹا ہو گیا تغزل کا شاداب تختہ گوناگوں پھولوں سے

اُسکے دامن کو پکڑ کر میں کہا مسکرا کر ناز سے کہنے لگا +		اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رنگیلے پیا عاشقی کرتے ہو یا زور آوری	
اِن دنوں کچھ بن نہیں آتا تک آئینہ و بہار باغباں لالہ پر اتنا مٹھتا ہے پھول پھول		چھین لوں مجنوں سے تعلیم بیاباں تو سہی داغ سینہ کا کروں میں بھی نمایاں تو سہی	

امیر

(امیر) مرزا امیر بیگ - دہلوی - غدر سے بیشتر ریاست گوالیار میں ملازم تھے - زیادہ حال معلوم نہیں - کلام ملاحظہ ہو ؎

آنکھ وہ کافر قتلِ عام جس کی اک ادا کب تلک رو کے کہو کوئی کہ تمکو تو امیر		لب وہ روح افزا جسے مردے جلانا بات ہے مار مرنا سہل ہے اور زہر کھانا بات ہے

امیر

(امیر) امیر الشعرا مولوی مفتی منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی - خلف اکبر مولوی کرم محمد مغفور - شاہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں ۱۹ شعبان ۱۲۴۴ھ ہجری روز دوشنبہ بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپ کا نسبی سلسلہ بہت ہی قریب حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے - جن کا مزارِ مقدس لکھنؤ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - یہی وجہ ہے کہ جناب امیر کے نام نامی کے ساتھ مینائی لکھا جاتا ہے - آپکو صرف خاندانی فضیلت ہی حاصل نہ تھی بلکہ اپنی ذات سے خود بھی صاحب زہد و تقویٰ - صوفی مشرب - خدا پرست درویش صفت - منکسر المزاج آدمی تھے - خاندان چشتیہ صابریہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ صاحب سے بیعت رکھتے تھے - اور بعد میں خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے تھے - آپ کا ابتدائی زمانہ تحصیل علوم و فنون میں بسر ہوا - آپکی تعلیم قدیم دار العلوم فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی تھی - فہم سلیم و ذہانت فطری کی امداد سے عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - اسکے علاوہ طب جفر - نجوم وغیرہ میں بھی معلومات اچھی تھیں اور شاعری کے لئے تو ایسی خداداد طبیعت پائی تھی کہ آپ کی نازک خیالی ضرب المثل اور آپکی ہمہ دانی مسلم ہے - اس فن میں آپ کو مدبر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر سے تلمذ تھا - مگر انصاف یہ ہے کہ اپنی خداداد طبیعت

انصاف پسندی کو بھی معمول سے زیادہ دخل تھا۔ چنانچہ اپنے اُستاد اور اُستاد الاستاد حضرت
مصحفی کی طرح ہمیشہ باکمالانِ دہلی کے طرز تکلم کے دلدادہ و فریفتہ رہے اور کبھی بیجا اور فضول بحثوں میں
پڑکر اپنے دامنِ کمال کو آلودہ نہ کیا۔ ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے
کہ دورِ آخر میں آپ لکھنو کے شاعروں میں اپنا نظیر آپ تھے۔ اور اساتذہ زبان اُردو کے
زمرہ میں آپکا نام ہمیشہ ایک خاص وقعت سے یادگار رہے گا۔ کیونکہ دور موجودہ میں (سوائے
نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی اُستاد حضور نظام) آپ اپنے ہمعصروں میں ہر طرح ممتاز
اور سر برآوردہ رہے۔ آپکے پُرجوش شاگردوں نے ہرچند آپ کو حضرت داغ سے بھڑانا
چاہا مگر آپ ہمیشہ ایسی کوششوں کو بے سود اور قابل احتراز سمجھتے رہے یہ وہی بات ہے
کہ پیراں نمی پرند و مریداں مے پرانند۔ اور واقعی بنظرِ انصاف اگر دیکھا جائے تو کیا بلحاظ
زبان۔ طرز بیان اور شوخیٔ مضمون آپکو حضرت داغ پر فوق دینا انصاف اور حق پسندی کی
گردن پر کند چھری پھیرنے سے کم نہیں۔ دیگر امور سے قطع نظر ایک قبولِ عام ہی کے
اعتبار سے جو بات حضرت داغ کو نصیب ہوئی وہ اُردو شاعری کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔
خود حضرتِ امیر ہمیشہ اپنے معزز اور باکمال ہمعصر کے زورِ طبع کے تحریراً و تقریراً معترف و مداح رہے۔

علاوہ تصانیف نظم تذکرہ شعرائے رامپور معروف بہ انتخابِ یادگار جو نواب کلب علیخاں
کی فرمائش سے لکھا گیا تھا عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے۔ اسکے علاوہ آپ نے ایک اور
قابلِ قدر تالیف یعنی فرہنگ زبانِ اُردو معروف بہ امیر اللغات کا سلسلہ اخیر زمانہ نواب
کلب علیخاں ہی میں شروع کیا جسکا باقاعدہ کام نواب مشتاق علیخاں کے عہد تک جاری رہا۔ اس
فرہنگ میں آپ نے اُردو زبان کے تمام لغات اختلافی و غیر اختلافی و محاورات نہایت محققانہ
اصول سے لکھنے شروع کئے تھے مگر افسوس کہ یہ تالیف ناتمام رہی اور صرف دو جلدیں جنمیں
صرف الف ممدودہ اور مقصورہ کے الفاظ ہیں شائع ہوئی تھیں کہ آپ کا جام حیات لبریز ہوگیا۔ اس
لغت کی تکمیل کے خیال سے آپکو سیاحتِ حیدرآباد دکن کا شوق دامنگیر ہوا چنانچہ اپنے

صحن چمن کی طرح مکمل گیا ہر نازک خیال سخنور جدا جدا اپنی بہار دکھانے لگا یہ وقت جناب امیر مینائی کے آفتاب اقبال و کمال کے عروج کا تھا ۔ یہانتک کہ حضرت امیر کو نواب کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا ۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مرزا داغ ۔ اسیر ۔ حیا ۔ منیر ۔ بحر ۔ ذکی ۔ فلق ۔ عروج ۔ جلال ۔ شاغل ۔ تسلیم ۔ رسا ۔ وغیرہ کا رامپور میں جمگھٹا ہے کبھی کبھی حضرت غالب بھی دہلی سے تشریف لاکر اس یادگار بزم کو اپنی صدارت سے اعزاز بخشتے تھے + آپکی تصانیف اکثر شائع ہوگئیں اور بعض مستور ہیں ازاں جملہ سُنا ہے کہ ایک اُردو دیوان موسوم بہ غیرت بہارستان جو اُس زمانے میں مکمل و مرتب ہوگیا تھا ایام غدر کی دست بُرد کی نذر ہوا وقتاً فوقتاً جو اشعار یاد آتے گئے وہ دوسرے مسودے میں درج ہوتے گئے جسکا کچھ حصہ دیوان منتخب میں مل کر شائع ہوا ۔ غدر کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ مراۃ الغیب جو دراصل پہلا دیوان سمجھا جاتا ہے نعتیہ دیوان یادر سولود شریف کے ساتھ چھپا ۔ ۱۸۹۱ء میں دوسرا عاشقانہ دیوان موسوم صنم خانۂ عشق چھپا اسمیں اکثر جگہ جہاں اُستاد نواب فصیح الملک حضرت داغ کی مقبول زمانہ طرز کا تتبع کیا ہے وہی خیالات ۔ وہی مضامین وہی سلاست وہی معاملہ بندی قریب قریب موجود ہے اسی وجہ سے یہ دیوان زیادہ مقبول ہوا کہ آپ نے اپنا پہلا رنگ بالکل بدل دیا ۔ اصناف سخن پر زبردست قدرت رکھنے کے علاوہ آپکے کلام میں اور ایک خوبی ہے یعنی اوس میں اکثر جگہ ہمواری اور موزونیت اس غضب کی ہے کہ دوسری جگہ کم دیکھنے میں آتی ہے ۔ غزل قصیدہ ۔ رباعی مسدس مخمس ۔ غرض جو کچھ بھی ہے ایک رنگ میں ڈوبا ہوا ہے معانی کی جدت ۔ الفاظ کی مناسبت ۔ خیالات کی بلندی نکات کی برجستگی اشارات کی شوخی ۔ بیان کی صفائی ۔ الغرض وہ کونسی خوبی ہے جو امیر قلمرو سخن کے کلام میں اپنے اپنے محل موقع پر نہیں پائی جاتی پھر اُسپر تصوف اور اخلاق کی چاشنی سونے پر سہاگا اور طعام میں نمک کا کام دیتی ہے ۔ حسرت و یاس اور عبرت کے مضامین آپ بالخصوص جیسے خوش اسلوب اور موثر پیرایہ میں لکھتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا ۔ حضرت امیر کی قابلیت میں شبہ نہیں اور ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپکی طبیعت میں

اپنے نامور استاد کی قابلِ فخر یادگار ہیں - منشی صاحب کثیر العیال تھے - آپکے چار صاحبزادے ہیں منشی محمد احمد محمود قمر - منشی ممتاز احمد آرزو - منشی مسعود احمد ضمیر - منشی لطیف احمد اختر حال میں حضرت امیر کے بعض خطوط بھی شایع ہوئے ہیں جنمیں اکثر مقامات پر لطف زبان کے ساتھ ساتھ طرزِ ادائے بیان نہایت دلکش اور بے ساختہ ہے - کاش منشی صاحب کے لائق صاحبزادے اپنے نامور باپ کی غیر مطبوعہ تصانیف کو مرتب کرکے جلد شائع کرادیں تاکہ ہماری زبان ایسے گراں پایہ سخنور کی آخری نغمہ سنجیوں سے محروم نہ رہے -

تاریخ وفات حضرت امیر از نتایج افکار نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی ؎

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ	جو مرا ہم فن تھا امیر اہم صغیر
مصطفےٰ آباد سے آیا دکن	یہ سفر تھا اُس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیسا کیا ہو میں بیماریاں	کیا لکھوں تفصیلِ امراض کثیر
مبتلائے حدتِ صفرا و تپ	مورد آزار اسہال و زحیر
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب	درحقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ	شاعری میں خاص تلمیذ اسیر
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی	قصرِ عالی پائے جنت میں امیر ۱۳۱۸ھ

مادۂ تاریخ از منشی جلیل حسن ؎ امیر کشور معنی امیر مینائی ہائے آپکے کلام فصاحت التیام کا انتخاب ملاحظہ ہو سب سے پہلے دو رباعیاں لکھی جاتی ہیں جو آپ نے بحالت بیماری مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی خدمت میں بھیجی تھیں ؎

ہے آپکا اخلاق جو ہمدرد مرا	رباعی	رشکِ دمِ عیسیٰ ہے دم سرد مرا
فرماتے ہیں ہر روز عیادت میری		درماں مرے حق میں ہو گیا درد مرا
مشتاق کو ملنے کی تمنا نہ ملی	رباعی	غنچہ ہی رہی اب تک طبیعت کھلی
امراض نے دم بھر کو نکلنے ندیا		گھٹ گھٹ کے رہی دل میں تمنا نہ ملی

دوست نواب فصیح الملک مرزا داغ کی تحریک اور توسل سے بنارس میں حضور نظام کی تشریف آوری کے موقع پر آپ کو باریابی کا اعزاز حاصل ہوا اور قصیدۂ تہنیت[۱] کے پیش کرنے کا بھی موقع ملا۔ پھر اگلے سال ۱۳۱۸ھ میں رامپور کو خیرباد کہکر چند روز بھوپال میں قیام فرمایا۔ معتبر ذریعے سے سنا گیا ہے کہ وہاں سے روانگی کے وقت آپ سے ایک قابل استعجاب امر سرزد ہوا یعنی آپ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے براہ راست بذریعہ تار حضور نظام کو اپنی روانگی کے ارادہ سے مطلع کیا۔ بہرحال ۱۰- جمادی الاول کو آپ وارد حیدرآباد ہوئے۔ آپکے صاحبزادے منشی لطیف احمد اختر اور جناب جلیل اس سفر میں آپکے ہمرکاب تھے۔ نواب فصیح الملک نے نہایت خلوص و محبت سے استقبال کر کے اپنا مہمان کیا۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سفر راس نہ آیا اور وہاں پہنچتے ہی ایسے علیل ہوئے کہ پھر نہ سنبھلے۔ نواب فصیح الملک اور پنڈت رتن ناتھ سرشار وغیرہ احباب شبانہ روز آپکی تیمار داری میں مصروف رہے بلکہ سنا ہے کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد پیشکار روز بھی کئی مرتبہ مزاج پرسی کے لئے آئے مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی اور روز بروز حالت بگڑتی چلی گئی۔ کم و بیش ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۱۹- جمادی آخرہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳- اکتوبر ۱۹۰۰ء کو ہزاروں آرزوئیں اور ارمان ساتھ لیکر گزرائے عالم باقی ہوئے۔ اور وہیں پیوند زمین ہوئے ؎

افسوس تجھ کو رحم نہ آیا کچھ اے اجل	مارا کہاں امیرؔ غریب الدیار کو

آپکے انتقال کی یوں تو صدہا تاریخیں کہی گئیں مگر یہاں بخوف طوالت صرف دو تاریخیں درج کیجاتی ہیں منشی صاحب شاگردوں کے معاملہ میں نہایت خوش نصیب تھے لکھنؤ اور اطراف مشرق کے اکثر خوش فکر حضرات آپکے دامن کمال سے وابستہ ہیں۔ شاگردوں کی تعداد اگرچہ حضرت داغ سے بہت کم ہے مگر پھر بھی دو تین سو سے کم نہیں۔ جنمیں سے اچھے کہنے والوں میں حضرات ذیل یعنی (۱) ریاض (۲) جلیل (۳) مضطر (۴) کوثر (۵) نواب (۶) صفدر (۷) پنڈت رتن ناتھ سرشار (۸) حفیظ (۹) آہ (۱۰) جاہ (۱۱) وسیم (۱۲) اختر (۱۳) قمر

[۱] یہ مسدس اپنی نازک خیالی اور لطافت بندش و مضمون میں بے مثل ہے ۱۲

چشمِ نرگس نے ملی دیدۂ آہو نہ ملا
تو وہ ہے ناوکِ فگن تیرا ایک جائے جو ہاتھ

حلقۂ گیسو میں پائی نقدِ دل دیکر جگہ
آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجکو دیکھکر

وادئے ایمن میں بھی برقِ تجلی بے حجاب
روزِ خلقت سے وہیں پیا باہر آسکتی نہیں

آدمی کا منہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یوں ہی دل میں آگئی

ہٹاؤ آئینہ ہمکو بھی دیکھنے دو گے
بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا

ہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا
جب نقاب اولٹی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
نہ پوچھ ناز و نیاز اسکے میرے کب سے ہے

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع

دماغِ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
وہ کہتے ہیں شبِ عدہ میں کسکے پاس آتا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا
کمال احباب سے شکوہ کیا نہ عرس ایک دن ہمارا

شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں اذن

اے حیا تجھ کو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا
آپ اُڑ کر تھام لے زنجیرِ پا نخچیر کا

دے دیا پہلے کرا یہ خانۂ زنجیر کا
منہ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

حیرتِ موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہِ طور کا
کہتے ہیں جنت جسے ہے قیدخانہ حور کا

بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا
دیکھتے چلئے تماشا اس تماشا گاہ کا

کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خودنمائی کا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہوگیا
پڑ گئے پردے وہ رُخ آنکھوں سے پنہاں ہوگیا

جب تلک دل کو سنبھالوں میں دلِ دارنہ تھا
یہ حُسن و عشق تو اب ہے اُسے زمانہ ہوا

کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا
جسنے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دہن نہ تھا کہ دہن میں مری جواب نہ تھا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب تھا
سرِ لحد بھی ہجوم ہوتا کبھی حسینانِ مہ جبیں کا

ایک رحمت اُسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب

انتخاب از مراۃ الغیب

حضرتِ عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
پہلے اسکو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا

ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا
در سے بھی اٹھا نہیں جاتا

نہ ہوگا بند جب تک نقدِ جاں باقی ہو قالب میں
سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوکِ قاتل
کہ دو پیاسوں میں ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل
دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے منہ نمکداں کا

مزا عاشق کے دل سے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں
لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

مگر اڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے
ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا

جب کہا اس سے شبِ غم کوئی غمخوار نہ تھا
درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیونکر
جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

آنے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہن مے
خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اسکی در کی خاک
چھوٹا نہ دستِ عجز سے دامن غرور کا

مرغِ عصیاں اڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہو گیا
دنگ شاہینِ ترازوے عدالت ہو گیا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے
امیدِ عفو میں میں گنہگار ہو چکا

ٹھہریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راسترو
آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل
کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا

ہلال و بدر ہیں دونوں تیری تصویر کے خاکے
یہ صورت ہے لڑکپن کی وہ نقشہ ہے جوانی کا

قدم یاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے
ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اٹھاؤں سختیاں لاکھوں کوئی بات اٹھ نہیں سکتی
میں دل رکھتا ہوں شیشہ کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

ٹھہریں اک ذرا دم لینے دو پھر اٹھ کے جھگڑ لینا
ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

سینہ ہی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص
ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص

ترکش میں تیر میاں میں شمشیر بے قرار
دیکھو تو بیقراری نخچیر کے خواص

کہتا ہے شعر سن کے کوئی واہ کوئی آہ
کچھ میرزا کے مجھ میں ہیں کچھ میر کے خواص

ہزار خواہش کوئی جتائے وہ چپ رہے بے پردہ کیا دکھائے
جو خوابِ عاشق میں بھی نہ آئے کبھی اُٹھا کر نقابِ عارض

ہوئے ہیں ہم محوِ حسن ایسے کہ علم ہے اور طاقِ نسیاں
بیاض اپنی بیاضِ گردن کتاب اپنی کتابِ عارض

کرتا ہوں میں تو روز روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا اُدھر سے خط

اُن کو غرورِ حسن ہے ہمکو غرورِ عشق
آئے کبھی اُدھر سے بجائے اِدھر سے خط

ہچھوئے کر رہا تھا منبر پر
ہم جو پہونچے تو پی گیا واعظ

آرہے باغِ جناں سے جو زمیں پر آدم
فی الحقیقت تھی وہ اک لغزشِ مستانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن تھا جس روز نہ پروانۂ عشق

جلد آجاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق
دم میں آجائیں نہ جو رونگٹے تمہارے مشتاق

ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل سے ہے مکدر
نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل

کیا دیر ہے امیر کے عفوِ گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تیری بارگاہ میں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نسوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اُس سے ہزار راہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس آن سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالبِ مقصود تو مٹ جائے دل
نفع تیرا ترے نقصاں سے ہم دیکھتے ہیں

مدح کرتا ہے جو تو غیر کی دانائی کی +
پھیر دوں مُنہ کو ترے ناداں سے ہم دیکھتے ہیں

واکرو چشمِ دل صفتِ نقشِ پا ہو نہیں
ہر رہگزر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

مطلب جو اپنے کہے عاشقوں نے سب
وہ بُت بگڑ کے بول اُٹھا کیا خدا ہوں میں

کٹتی ہے ہر پلک تری زلفِ دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے بجا نا بلا ہوں میں

رسوا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا
جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بیٹھا ہوں میں

پھینک دو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو
اُڑ کے آئے گا جو ہے میرے مقدر کا جواب

وہ کھنچا محشر میں بھی کھنچ جاتا تو بھی کس طرح
سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

عمر گزری ہے مری وادیٔ غربت میں مگر
اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت

دیکھوں اے واعظ کہ سنتے ہیں دل سے سامعیں
وصف تو فردوس کا کر میں بیاں کوئے دوست

بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤں نکل کہاں
بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیادِ محبت

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج
پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی
کل پی تھی جو شراب ہے اُسکا خمار آج

منظور کسکا قتل ہے تیغِ نگاہ سے
پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح
کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح

ایک بار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے
پھونک دے مجھکو بھی میرے آشیانے کی طرح

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شرابِ سُرخ

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہے نیند
اور بک بک سے تری ناصح اُڑی جاتی ہے نیند

حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصہ کہانی پر گھمنڈ

یہ میری طرف پاؤں محفل میں کیسے
ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر

امیر اہلِ مسجد سے اظہارِ تقوے
ابھی آئے ہو میکدے سے نکل کر

ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے دردِ الفت
مگر یہ ڈر ہے کہ اُٹھ نہ جائے دل کی تنگی سے تنگ ہو کر

نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب [illegible]
وہ دلمیں آئے اُمنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر

قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کدھر گئی ہائے نوجوانی اِن آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

خدا ہی حافظ ہے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہوا گرم خو کا پانی
کیا ہے لوگوں نے آگ اُسکو لگا لگا کر بجھا بجھا کر

اے روح کیا بدنمیں پڑی ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اِس پیرہن کو چھوڑ

شگفتگی کے ہوں ساماں ہزار غربت میں
پر ایک سی ہے خزاں و بہار غربت میں

کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
دو جام سے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں

آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی
نیرنگِ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں

اوروں سے تو بیباک سرِ بزم لڑا کیں
عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں

اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگ جو
جو اک نظر میں خونِ ہزار آرزو کریں

جب تک کہ دل ہے چاہئے ہمکو تری تلاش
جب تک چلے زبان تری گفتگو کریں

کب زاہدوں کو مسئلہ عشق کا ہے فہم
نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

ہے غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہائے ہو کریں

ظاہر میں گو فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں

گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل
آئی صدا یہیں تو مقامِ امتحاں کے ہیں

دنیا میں بھی سفر ہے عقبیٰ میں بھی سفر
ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں

دل و جگر دونو جل گئے ہیں فرا نگاہیں جہاں پڑی ہیں
تمہارے سرمہ میں اے بتو کیا ایسی ہوئی بجلیاں بھری ہیں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اسے غم ہمکو بعدِ مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کرے گا ضبط الفت کو
نہیں آتا زباں تک دل سے حرفِ آرزو برسوں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نورِ خدا کا جلوہ
واعظو حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

پوچھتے ہو کس سے جو جدا ہو کر دمنتار ہو
دل ہمارے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں

ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یونہیں خوش خوش ہم بھی کبھی وطن میں

کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچہ کی دہن میں

راتوں کو مثلِ شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

زندہ کئے ہیں مینے دلِ مردہ سیکڑوں
فیضِ سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں

میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تیری حقیقت
اک لختِ استخواں ہیں دو پڑے ہوئے ہیں

بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں
اب دخترِ رز کو چین کہاں ہے حجاب میں

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
یہاں عمر کٹ گئی ہے اِسی اضطراب میں

ملنے کا وعدہ مُنہ سے تو اُنکے نکل گیا
پوچھی جگہ جو مینے کہا ہنس کے خواب میں

منزلِ نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ
جب تک رہی حیات رہی اضطراب میں

دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
کیوں ہو حرام نشہ نہ ہو جس شراب میں

مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ اُنہیں سمجھ
عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں

واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں
کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں ممکن
نکل بھی آئی محل سے تو پھر لیلیٰ ہے محمل میں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشم میگوں ہے
چھلکایا ایک پیمانہ سے تو نے سبکو محفل میں

امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمع محفل میں

بے حجابانہ اگر وہ لبِ آب آتے ہیں
شوقِ دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
غیب سے اُنکے سوالوں کے جواب آتے ہیں

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم اُنہیں یاد
جن حسینوں کی تصور میں دم خواب آتے ہیں

رہتا ہے صبح شام گناہوں کا سامنا
فارغ جو ان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں

غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابرِ تیغ قاتل بھی
رواں ہے خوں کا سیلاب لاکھوں سر کٹے ہیں

وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں
جو تمکو پیار کرے اُسکو پیار کرتے ہیں

فرشِ استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں
بادہ کش ہیں پڑے رہیں گے سایۂ انگور میں

ہٹاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں
تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

صاف کہہ دو نہیں دیدار دکھاتا ہے اگر
کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھکو

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگ عشق
دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

رنگِ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر
ایک برگِ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

دل دردناک چاہیئے لاکھوں ہیں خوبرو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

وہ حسن کیا ہے حسن جو خاطر نشیں نہ ہو
کس کام کا وہ نام جو نقشِ نگیں نہ ہو

ساقی میں نشۂ مئے عرفاں سے مست ہوں
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو

شمع سا کبھی جلتے کبھی روتے گزری
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہمکو

آج محفل سے تم آئے ہو اُٹھانے ہمکو
ہائے وہ دن کہ اُٹھتے تھے بٹھانے ہمکو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
واہ کس پردہ میں مارا ہے ادا نے ہمکو

وصال پر جو ہے وصل امتحان کر دیکھو
امیر تو بھی سہی چند روز مر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے
ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو

عکس سے بچو نہ آئینہ میں اتنا دیکھو
جانے دو اپنی طرف اے گلِ رعنا دیکھو

اے ضبط دیکھ عشق کی اُن کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے
یاں تو شروع پرسشِ اعمال ہو گئی

ترک لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزا اس کا بھی چکھنا چاہئے

چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں
حضورِ یار مجالِ بیاں رہے نہ رہے

وہ چاٹ دوں کہ کرے نہ مذمت شراب کی
واعظ کے منہ پہ مُہر لگا دوں کباب کی

خلقت کو ہے یہ جس کے نظارہ کا اشتیاق
کھڑکی ابھی کھلی نہیں بازار بند ہے

جو چاہیئے سو مانگئے اللہ سے امیر
اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

شیخ صاحب اُٹھا کے دیکھو آنکھ
دخترِ رز سلام کرتی ہے

بے نشانی تو گزر خلد کی گلشن میں نہیں
داغ ہے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے
کم یہ تصویرِ رنگیں رنگ میں روغن میں نہیں

دل جو صد چاک ہے اُس میں ہے خیالِ رخِ دوست
شاہدِ پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں

کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی
دوست کے دل میں وہ ہے جو دلِ دشمن میں نہیں

وصلِ بت ہوتا نہیں ہے یا خدا ملتا نہیں
ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

اے امیر اوّل تو وہ نا آشنا ملتا نہیں
مل گیا جس کو کہیں اُس کا پتہ ملتا نہیں

اک مجھی سے رہ گیا سارے زمانے کا حجاب
کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

دیر میں بھی ہے اُسی کا فیض اے اہلِ حرم
برہمن کو بت بھی بے اذنِ خدا ملتا نہیں

منکرِ یکرنگیِ معشوق و عاشق تھے جو لوگ
دیکھ لیں کیا رنگ ہے کاہ و کہربا ملتا نہیں

ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا
لب سے لب وقتِ تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

خضر کیا جانیں مرگ کی لذت
اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

ہماری ہجو دی تمہید ہے تیری نمائش کی
مٹا کر نقش ہم اپنا ترا نقشہ جماتے ہیں

امیر افسردہ ہو کر غنچۂ دل سوکھ جاتا ہے
وہ میلے ہم کو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

نزاعِ کفر و دیں ہے دور مدور زلف و عارض میں
مسلمانوں سے گویا آج کل ہندو بدلتے ہیں

امیر اس باغ میں رہ کر کریں کیا دل الجھتا ہے
نہ نخوت چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خو بدلتے ہیں

وہ بت آئے گا تو بت بن جائینگے واعظ ابھی
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

بغیر جرم ہوں پامالِ شرمِ ہم جنسی
کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

بزمِ کثرت نورِ وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشمِ بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

نہیں معلوم وہ مہمان ہوتے ہیں کسکے
آج گھر گھر لئے پھرتا ہے توہّم مجھکو

خلوتِ وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا
جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھکو

میں تو میں عکس سے وہ آئینہ رو رکتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھکو

یہ کس بیدرد نے دستِ نگاریں خواب میں چوما | کہ فریادی ہے اب تک نبض اُس نازک کلائی کا

گردن تنِ بسمل سے جدا ہوگئی کب کی | گردن سے جدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

کھینچکر چادر جو چہرے تربت پہ میری ڈالدی | سچ بتا کیا تجھکو اے دزدِ کفن یاد آگیا

خواہشِ وصل تو کیونکر کہوں لیکن ناصح | دیکھ لینے کا تو حضرت کو بھی ارماں ہوگا

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب | مرے دونو پہلوؤں میں دلِ بیقرار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی | وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

ایک دل ہمدم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا | سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا

کھوگیا دل کھوگیا رہتا تو کیا ہوتا امیر | جانے دو اک بیوفا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا | مگر جو کسیکو دیا لے گیا ✤

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا | درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

قیس کی خاک اُڑانے کو ہوا آندھی تھی | پردۂ محملِ لیلیٰ کو اُٹھا یا تو گیا

تصورِ مژہ کا تری رات بھر | رگِ جاں میں نشتر چبھویا کیا

حُسن کھلتا ہے حسینوں کا جسے جتنی نگاہ | جسقدر دیکھو اُبھرتا ہے بدن تصویر کا

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے مُنہ سے کچھ نہ بول | آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

آئینہ دیکھ کے آتے ہیں مزے میں ایسے | خود وہ مُنہ چومتے ہیں اپنے تماشائی کا

تو بھی آئے تو نہ وہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے | اور ہی رنگ ہے اب تیرے تماشائی کا

سب کی نظروں پہ نہ چڑھئے اتنا | دیکھئے دل سے اُتر جائیے گا

صورت تری دکھا کے کہونگا بروزِ حشر | آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا

بیوفائی کو تیری لگتا داغ | وعدہ اچھا ہوا وفا نہ ہوا

کیوں ملائیں وہ آنکھ اب ہم سے | لے چکے دل نکل گیا مطلب

خاک میں بھی ملا چکے ہم کو | نہ ملے اب تو کب ملینگے آپ

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے
گردنِ شیخ میں زنار برہمن ڈالے

یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو
سامنے اُنکے بھی جب حضرتِ دل یاد رہے

حشر میں عذرِ جفا کیا ہے بتا تو رکھو
کہ مبادا انہیں بھولے تو مجھے یاد رہے

نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے
حجاب کس سے اب اے چشمِ یار باقی ہے

پیری میں کس مزے کو جوانی کے روئیے
سو داغ دے گئے ہیں دو دن بہار کے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ہے بجا کہئے اگر دولتِ دنیا کو پری
ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھ کو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

صلحِ کل میں ہے ابھی حرکتِ کیں تھوڑی سی
اور لے پیرِ خرابات نشیں تھوڑی سی

ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جانِ جہاں
اسی انداز سے کہدے کہ نہیں تھوڑی سی

کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں
پھر جو تسکین ہے دل کو تو یہیں تھوڑی سی

تو ہی یاں رہنے کو آیا ہے زمیں او غافل
جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

انتخاب صنم خانۂ عشق

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اسوقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا

دیر کی تحقیر کر اتنی نہ اے شیخِ حرم
آج کعبہ بن گیا کل تک یہی بتخانہ تھا

وعظ کی مجلس میں بھی آئے تو یوں مستانِ عشق
مے کی بوتل تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

نیند کے جھونکے چلے آتے تھے کیوں ہنگامِ ذبح
تیغِ قاتل کی زباں پر کون سا افسانہ تھا

مدہوشِ عشق ہو کر جا بزمِ معرفت میں
پردہ نہ بیچ میں ہو غافل شعور تیرا

ترے بندوں سے کرتے ہیں بہت دعوے خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا

خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی
خمیر ان کا بنا ہے کچھ کچھ جوہرِ بے وفائی کا

بے مانگے دیے رب نے ہو مانے کو گدا یاں
باغِ جہاں میں سیر کو آئے ساتھ ہے لیکن قسمت بد بھی

لچک ہے شاخوں میں جنبش ہوا سے پھولوں میں
کوئی پوچھے تو محتسب سے یہ کیا ہے انصاف

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سنا کرتے ہیں
کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ

جب تڑپتا ہے دل میں ڈرتا ہوں
مانندِ شمع تاج ہی سے ہے بقائے شاہ

ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
آنکھ اپنی فتنہ ہے نے قیامت پہ کیا پڑے

حقیقت عاشقوں کی مرگ کی ہم سے کوئی پوچھے
جدا ہے دخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی

ہوئے ہم قتل جب جلسہ نظر آیا حسینوں کا
شگوفہ کوئی پھوٹے گا یہ صحبت رنگ لائیگی

کلیاں یہ سرخ سرخ نہیں لالہ زار میں
شرم آتی ہے کہ یار کو میں بیوفا کہوں

مجھ سے تو ایک نے بھی نباہی نہ دوستی
کہا جو میں نے کہ رخ سے ذرا نقاب اُٹھاؤ

دُنیا ہے طرفہ میکدۂ بیخودی امیر
پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے

اللہ رے ناز دیکھ کے کہتے ہیں آئینہ

تم سا کہاں جہاں میں کوئی دوسرا کریم
ہاتھ ہے کوتہ شاخ ہے اونچی پائیں گے کیونکر کوئی ثمر ہم

بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں
وہ مجھے دل سے بھلا دے میں بھلا بھی سکوں

کچھ مزہ ملنے لگا ہے اُنہیں جلواتوں میں
اے اسیرانِ قفس میں تو گرفتاروں میں ہوں

چرخ پر جا پڑے زمیں نہ کہیں
ہے اس کلاہ پوش کی جاں اس کلاہ میں

مے پیتے ہیں تو سایۂ ابرِ سیاہ میں
جسکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں

بہت جب نیند آئی سو رہے جا کر مزاروں میں
پری ہے یکشو نہیں حور ہے پرہیزگاروں میں

ٹپا یہ خونِ ناحق چلو چلو گلعذاروں میں
امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں

مہندی لگی ہے دستِ عروسِ بہار میں
اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں

پھر آشنا کسے کسے نا آشنا کہوں
تو ہنس کے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں

سب مست ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں
گناہ گار یہ کہدے گناہ گار ہوں میں

ہم نازنیں نہیں تو کوئی نازنیں نہیں

زندہ محبت سے ہوں میں ناتواں
ہے یہ ہوا سینے میں دم کی طرح

خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو اِدھر اُدھر نہ پھرو
نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر

بوسہ ملا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے
دی جان ہم نے چشمۂ آبِ حیات پر

تہی دستوں کو کیا خوفِ بلائے آسمانی ہے
کفِ افسوس ملتے رہ گئی برق اپنی خرمن پر

کدورت کب جگہ پاتی ہے دل میں صاف طینت کے
نہ دیکھا گرد کو جمتے کبھی دریا کے دامن پر

گلا کٹوا مزے لے لے کے پھر ایسا دل کہاں یہ دن
کبھی گردن ہو خنجر پر کبھی خنجر ہو گردن پر

جب آئی گردش میں چشمِ ساقی اُڑا دیے ہوش میکشوں کے
نکل پڑے میکدے سے باہر ہزاروں میکش بہک بہک کے

جو میں نے آنکھوں سے پونچھے آنسو اُبل پڑا اور اشکِ تر میں
لہو کی دو بوندیں بھری تھیں لگا جو ہاتھ آ رہیں ڈھلک کر

کبھی کعبہ میں صرفِ سجود ہو سر کبھی دیر میں جا کے حرم سے بچھڑ
ہے دین میں کفر بھی مدِ نظر نہ صنم سے بگڑ نہ خدا سے بگڑ

گھبرا نہ قیسِ ناتواں لیلیٰ خود آئے گی یہاں
اُٹھے گا ناحق ساربان جاتا ہے کیوں محمل کے پاس

کر تو ہی رحم اب اے قضا تڑپے ہے بیکس تا کجا
قاتل خفا خنجر کھنچا کوئی نہیں بسمل کے پاس

میں نے کہا بیکس ہوں میں بولے ہیں تیرے ہمدم
حسرت ہماری ہے ابھی باقی تمہارے دل کے پاس

فردوس میکدہ ہے میکش بُلا رہے ہیں
اب بھی اگر نہ آئے دوزخ میں جائے واعظ

ہیں بیچ میں وہ جلوہ گر میں ہوں اِدھر اور غیر اُدھر
اِک بت ہے اور دو برہمن اِک اِس طرف اِک اُس طرف

تری سفاکیاں پہنچیں یہاں تک
کہ ڈرتی ہے حیاتِ جاوداں تک

کڑی ہے اس قدر منزل عدم کی
کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک

نہ جلا تجھ سے قفس میں نے چمن پھونک دیا
دیکھے ہیں گرم ترے بارے نالے بلبل

ہاتھ گلچیں کے کٹے باغ میں کانٹوں سے لگا
خوب ہی پھوٹے ترے دل کے بھی پھپھولے بلبل

دھیان صیاد کا گلچیں کا خطر خوفِ خزاں
ہو بلا ایک تو سر سے اُسے ٹالے بلبل

جانا تو اُس کے کوچے میں ہے بار بار دل
کھائے نہ چوٹ یاس کی امیدوار دل

ملا جب وہ کھلا تب یہ معمّا
کیا کرتے تھے اپنی جستجو ہم

کیا خبر تھی کہ گراں ہوگا ہمارا آنا	ہم تو گھر اپنا سمجھتے تھے تمہارے گھر کو
سخت ناداں ہے کہ ملتا ہے وہ پاؤں کے تلے	کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگا لے دل کو
ہو رہے ہم تو اے صنم تیرے	تو ہمارا خدا کی شان نہ ہو
اس ادا سے کیا شہید اس نے	خوں بہا مل گیا شہیدوں کو
کچھ اس انداز سے وہ ناز بھرے ہاتھ چلے	آ گئی نیند تہِ خنجرِ قاتل مجھ کو
نزع میں جاتے تو ہو بالیں سے مجھ بیمار کے	اک نظر آنکھوں کا صدقہ ادھر کو دیکھ لو
پردے میں آئینہ کے یہ دل ہے امیر کا	پہچان لے جو وہ تو کبھی روبرو نہ ہو
خدا نے واں یہ دکھلایا کہ وہ بت میہماں آیا	ملے تو شیخ سے کہہ سن کے دو دن کو حرم لے لو
سوا اب خاک ہونے کے نہیں حسرت کوئی باقی	کہ مٹی ہو گیا جی دیکھ کر گورِ غریباں کو
جینے پہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا	لادوا ہے جو یہ دردِ جگر ہونے دو
کہتا تھا قاتل آپ ہی مرتے تھے جاں نثار	بدنام ہائے مفت ہوئے ہم لگا کے ہاتھ
آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں	وہ شکل نہ سامنے سے سرکی
کیا تنگ ہے جلاد مری سخت جاں سے	ہر وار پہ کہتا ہے کہ ظالم کہیں سر بھی
آمد جو شبِ وصل کی سن لی مرے گھر میں	اللہ ری شد شام سے پہلے سحر آئے
اللہ رے ستم بیخودیِ شوق کے ہم پر	ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے
کوٹھے سے نزاکت تو اترنے نہیں دیتی	تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے
آئے وہ دمِ بازپسیں یوں مرے گھر میں	جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے
ہمسائے ہی کے کوٹھے پر آئے وہ شبِ ماہ	چاند اوروں کے گھر چاندنی ہی لیکے گھر آئے
موت سے وہ جھڑک کے کہتا ہے	ہٹ نہ آ پاس میرے بسمل کے
کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی	ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی
کہہ تو اے گلچیں اسیرانِ قفس کے واسطے	توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

شیخ حرم سے ملکے ہو اسخت انفعال
عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
میں کہتا ہوں تمہیں نے دل لیا میرا تو کہتے ہیں
میں کسکی دید کا طالب ہوں کسکے وصل کا خواہاں
انھیں کا مال تھا اچھا کیا دل لے لیا میرا
ملاکر خاک میں بھی ہائے شرم انکی نہیں جاتی
نہاں کر کے مجھے مرقد پہ کھڑے ہیں چپکے
پھیر دو دل جو نہیں دیتے ہو بوسہ یہ کیا
آنکھ اُس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیر
حکم ہے ضبطِ محبت کا کہ ہو راز نہ فاش
یوں تو سلجھے گا نہ اُلجھا ہوا بوسوں کا حساب
جذبِ دل اُن سے یہ کہتا ہے کہ اب کیوں آئے
الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
یہ زباں چلتی ہے ناصح کہ چھری چلتی ہے
جب پوچھتا ہوں میں کوئی تدبیرِ وصل کی
پردہ میں تم ہو اُسپہ یہ عالم ہے حسن کا
جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا دردِ عشق کی
حسن و وفا کا ساتھ تو اے دل ہوا نہو
کہتی ہے یادِ وطن مجھسے نہ رو تھ اب من جا
دم نکلتے ہی ہوئی لاش جو دو بھر ایسی

کتنے ذلیل ہم نگہِ برہمن میں ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
کہ ہاں ہاں لے لیا اچھا کیا ہم کب مکرتے ہیں
یہ کس کی حسرتیں ہیں آپ جنکا خون کرتے ہیں
کوئی چھینے نہیں لیتا ہے اُن سے کیوں مکرتے ہیں
نگہ نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں
ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں
مال پر لوٹ بھی ہو دام لگاتے بھی نہیں
اِسی کھڑکی سے اُترا آتا ہے جادو دل میں
آگے آنکھوں میں پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں
سہل سا گر میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں
تم تو کہتے تھے کہ آنا مرا ممکن ہی نہیں
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو
اب ہم ہیں خفا تم سے کہ تم ہمسے خفا ہو
ذبح کرنے مجھے آیا ہے کہ بہلانے کو
کہتے ہیں بت کہ اپنے خدا سے دعا کرو
پردہ سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو
معشوق نام اُسی کا ہے جسمیں وفا نہو
چھوڑ غربت کو پلٹ چل مرے پیارے گھر کو
کیا ہوئی ہمسے محبت تھی جو سارے گھر کو

پڑھ لے آہ رسا اب کنگرے پہ عرش کے پہنچی — بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

بتوں کو دیکھ کے ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں — خدا راضی ہے جسمیں وہ ہماری بت پرستی ہے

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں — جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

بحر الفت کے کنارے تک نہ پہنچا ایک بھی — دست و پا کتنے ہی پیراکون نے مارے گئے

شیخ جی یوں ہی جو مے پینے کی عادت ہوگی — ایک دن رہن یہ دستار فضیلت ہوگی

رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے — قربان ہونے والے کے قربان جائیے

پہچان پر بہ ناز تو پہچان جائیے — کیا تمہارے دل میں بھلا جان جائیے

آخر ہوئے نہ حضرت دل آپ دو دن ذلیل — ہاں اور دو دن رو دو دن کے مہمان جائیے

بڑائی مری سن کے غیروں سے بولے — یہ سب ہیچ مگر ہائے کیا آدمی ہے

ایک سید ہی نگاہ تیری — لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

جبیں قمر ہے ہلال ابرو تو چہرہ غصہ سے لال بھی ہے — بتوں سے ظاہر ہے شان خالق جمال بھی ہے جلال بھی ہے

لینے آئی ہے اجل کسکو عدم کو جائے کون — اتنی طاقت اب کہاں فرقت کے بیماروں میں ہے

رکا خنجر جو دست نازنیں سے — چھری جھنجلا کے لی چین جبیں سے

نہ گھبرا اے خنجر عشق دم لے — مزے کا تو وقت اسمیں ابھی ہے

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے — کہ دو دو اٹھکر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

پوچھتا کیا ہے کہاں دل جگر اے جان گئے — جاتے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لو — اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کبھی

لپٹا میں اٹھ کے غش سے تو بولے فریبیے — مطلب کے وقت کیسے بجا ہوش ہو گئے

ہے بخشنے نہ بخشنے میں اسکو اختیار — تو ہے گناہگار کہے جا خطا ہوئی

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے — سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

چودھویں سال میں ہے نام خدا دختر رز — پڑھ دے قاضی کہو دو بول یہ سال اچھا ہے

گرد اڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجھلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

گھر بیٹھے ہیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود
جب توڑ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے

باقی ہے امیر اب تو فقط جان کا جانا
ہوش و خرد و تاب و تواں جا چکے کب کے

خلش نوکِ مژہ کا گلہ اے دلِ شیدا
کیا مزے کی ہے یہ پھانس اسکو چبھا رہنے دے

واے قسمت جو سب کی سنتا ہے
وہ بھی عاشق کی التجا نہ سنے

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری
دامنِ حور کے سائے میں ہے تربت میری

دل سے بھی باتیں میں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
سن رہا ہوں ہیں کئے جاؤ شکایت میری

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنیوالے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

عجب عالم ہے اُسکا وضع سادی شکل بھولی ہے
کھبی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اُس نے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

وہ کہتے ہیں کہ ہم آنکھوں میں سب کو تاڑ لیتے ہیں
محبت ساری دنیا کی اسی کانٹے میں تولی ہے

صبا ان مُنہ بندھی کلیوں نے شب کو کس کی چوری کی
کہ تو نے صبح کو ایک ایک کی ٹینٹی ٹٹولی ہے

گھٹا کی سیر حجرے سے نکلکر دیکھ اے زاہد
زمانے کو یہ چوئی حور نے جنت میں کھولی ہے

خوشامد اے دلِ بیتاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے
پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بت بولا
جا کے لے لیجئے کعبے میں خدا رکھا ہے

دمِ آخر تو ظالم ذرا آنکھ سے ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

بڑھاپے نے ہرن سب کر دئے نشے جوانی کے
ترنگیں سینوں کی ہو چکیں اب فاقہ مستی ہے

خودی سے بیخودی میں آ جو شوقِ حق پرستی ہے
جسے تو نیستی سمجھا ہے اے غافل وہ ہستی ہے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

تری شبیہ میں کی صرف اسقدر طاقت
سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی

عجب رسائی قسمت ہے اے خدا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی

ذبح کے وقت اسکی یہ ابٹ
دیکھکر مجھکو پیار آتا ہے

دل کو اب کب قرار آتا ہے
سن لیا ہے کہ یار آتا ہے

تمکو آتا ہے پیار پر غصہ
مجکو غصے پہ پیار آتا ہے

امیر

(امیر) صاحبزادہ امیر اللہ خاں ولد صاحبزادہ حبیب اللہ خاں **فرحت** رامپوری ابتدا میں شیخ کرامت علی شہیدی اور شیخ علی بخش **بیمار** سے فیض سخن پایا۔ اخیر میں میر احمد علی **رسا کو کلام دکھایا**۔ کچھ تو طبیعت پہلے ہی رسا تھی حضرت رسا کی فیض صحبت سے اور بھی ایسا ہو گئی۔ سنہ ۱۲۹۰ھ ہجری میں صرف ۲۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ یہ تین شعر بطور یادگار درج تذکرہ ہوتے ہیں ؎

سوز غم سے داغ غم سینے میں ہے روشن چراغ
اپنے گھر میں رات دن جلتا ہے بے روغن چراغ

نکلی وہ مژہ جو یاد آئی دست وحشت میں
تو چنتا پھرا آنکھوں سے میں خار مغیلاں کو

پڑھنے کو آئے فاتحہ غیروں کے ساتھ ساتھ
شعلہ نکل گیا مرے لوح مزار سے

(امیر) نواب حسین علیخاں عرف آغا صاحب امیر خلف نواب امانت علیخاں ابن نواب جعفر علیخاں ابن نواب سعادت علیخاں مغفور صوبہ اودھ نواب احمد حسن خاں جوش کے شاگرد اور خوش کلام شاعر تھے ۱۸۵۶ء میں آپ کا شباب تھا منتخب کلام حاضر کیا جاتا ہے ؎

خود فروشی کو جو وہ یوسف ثانی آیا
راستہ بند ہوا مصر کے بازاروں کا

ہمارے نالہ تو عرش خدا ہلاتے ہیں
بتوں کے دل میں یہ کیا ہے اثر نہیں ہوتا

نالے کیے وہ ہجر میں ہم نے تمام شب
ہل ہل گیا ہے عرش معظم تمام شب

کشتہ سمجھ کے شمع رخ بے مثال کا
پروانوں نے کیا مرا ماتم تمام شب

جاگے ہو میری جاں کہاں جاکے رات کو
آنکھوں میں نیند کا ہے جو کچھ خمار آج

ماںگئے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دے کر دشنام — کیوں جواب اسکا ہے اچھا کہ سوال اچھا ہے
خانقاہوں میں جو جہ چھڑتی ہے بہکی بہکی — توبہ بھی پی گئے مگر نکلی بے سمجھانے سے

اجل آئی ہے نذر اسکی کریں کیا — ہماری جان تو تم میں پڑی ہے

ہیں قتل گہ ناز میں سب زندۂ جاوید — شمشیر قضا توڑ کے رکھدی ہے قضا نے
وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے پہ مشکل ہے — قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو اُدھر دل ہے
کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر بھی کوئی وار چل جائے — قضا ہٹ جا کہ جھنجلایا ہوا اسوقت قاتل ہے
سخی کا دل سے تمنا اگر مٹی روز قیامت میں — کہ سر پہ تیرے رحمت سایۂ دامان قاتل ہے
نہ کر معشوق کو بے پردہ آنکھیں بند کر مجنوں — کہ لیلی آنکھ کی پتلی ہے آنکھ آغوش محمل ہے +
اندھیری رات میں بجلی کو بھی ترس آیا — غریب لے کے چراغ آئی آشیاں کیلئے

پھر تبسم سے چھیڑا کہ قاتل نمک — زخم پھر ہم تبسموں سے بھر چلے
عاشق اب ایجان تپا کر کیا کریں — مرنے کو آئے تھے تو ہم مر چلے

کسیکی چاہ بھی دل میں مرے لئے نہ نکلی — [illegible] نے گھر ہو کی تباہی لی کہیں نکلی
دل مجنوں سے نکلی آہ یا بجلی کہیں چمکی — کہ محمل سے تڑپ کر لیلی محمل نشیں نکلی +
الٰہی کس تپ بیدرد نے ساتا لٹوایا — کہ ننگے پاؤں فردوس بریں سے حور عیں نکلی
نہ چوک وقت کو پا کر ہے سیر معشوق — کبھی امید نہیں جس سے جا کے آنے کی
بڑی ہو نہ قسمت لگی کسبکی — کہ ہو سوجھتی ہے بڑی سوجھتی ہے +
شیرۂ انگور کو کرتی ہے آب آتشیں — آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی
جب دوپٹہ سادہ کا اوڑھا تم نے دھانی ہو گیا — واہ کیا تاثیر رکھتی ہے ہوا برسات کی
جب چمن میں آگیا مستوں کو ساون کا خیال — ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی
ہر روش پر ہے چمن میں اک پری ساغر بکف — ایک دن یوں دیکھیں اے ساقی فضا برسات کی
ہجر میں سب بے مزا ہے وصل میں سب بامزہ — فصل گرمی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

کون سنتا ہے کہ دعویٰ بھی مرا باطل ہے	اب تو قابو میں ہے جسکے یہ اوسی کا دل ہے

امین

(امین) میر علی نام۔ قوم سے سید اور شاہجہان آباد دہلی کے رہنے والے تھے۔ اخیر میں ایران کی طرف چلے گئے۔ طبقہ اول کے شعرا میں ان کا شمار ہے۔ اور یہ چند اشعار یادگار ہیں ؎

عجب کیا ہے جو تربت میری اک مخزن ہو پیکاں کا	کہ دل پر ہے جراحت اب تلک اس تیر مژگاں کا
جلادیویں قفس اور دام۔ آتش بار آہوں سے	اگر اک دم بھی صیاد دیوے حکم افغاں کا
جب وہ دل لے کے چلے میں نے کہا آؤ گے پھر	ہنس کے یوں کہنے لگے جان دہگر باقی ہے

امین

(امین) مرزا محمد اسمعیل ابتدا میں وحشی تخلص کرتے تھے۔ طبقہ دوم کے آخر شعرا میں گنے جاتے ہیں آدمی خوش فکر نیک اخلاق اور پاکیزہ رائے تھے کلام ملاحظہ ہو ؎

گلشن میں جب اُس گل کا وا بند قبا ہوگا	کیا جانیے بلبل کی پھر جان پہ کیا ہوگا
اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم	گھر آن نظر آجائے لب بام کسی کا
نزاکت پر تک اُس دست نگاریں کے نظر کرنا	کہ بھرے سے گلوں کے ہاے جس کا مُڑ گیا پہنچا
لپٹ بادِ صبا کب طرۂ سنبل نے یہ پائی	خدا جانے کہ بوے زلف تو کس کی اُڑا لائی
کیا غضب تیری آن ہے پیارے	میری تو اُس میں جان ہے پیارے

امین

(امین) میر محمد امین نام ہے۔ مسٹر فیلن نے انہیں دکھنی لکھا ہے۔ اور مولف جلوۂ خضر نے بنارسی مگر قرین قیاس یہی ہے کہ انکا اصلی وطن دکن تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی حسان الہند کے شاگرد تھے۔ ان کی تصنیف میں سے ایک ساقی نامہ اور ایک مثنوی یوسف زلیخا زبان فارسی میں مشہور ہے۔ یوسف زلیخا کے قصہ کو دکھنی زبان میں بھی نظم کیا تھا اور ریختہ گوئی کی طرف بھی طبیعت مائل تھی۔ اگرچہ انکے اردو کلام میں سے صرف دو شعر دستیاب ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا ایک شعر قبول عام کا رتبہ حاصل کر چکا ہے اس لئے ہم نے محض اُس مشہور شعر کی خاطر انکا ذکر اپنے تذکرہ میں مناسب جانا وہ شعر یہ ہے ؎

جی سے کہو کہ آہ سرد کے ساتھ	ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

جان جاتی ہے مگر کچھ نہیں کہتے ہیں امیرؔ
ان کو اس قاتلِ عالم سے محبت کیا ہے

امیر

(امیرؔ) نواب میر حسن علی خاں حیدرآبادی - خوش باش جاگیردار ہیں - چالیس پچاس برس کے درمیان عمر ہے - آدمی نیک اور خلیق ہیں - شعر و سخن کی طرف بھی طبیعت مائل ہے ابتدائے عمر میں اصلاحِ سخن کسی اور شاعر سے لیتے تھے مگر آخیر میں نواب فصیح الملک مرحوم کو کلام دکھانے لگے تھے - داغؔ مرحوم کے خاص ہم جلیس دوستوں میں تھے - اکثر شبانہ روز اُنہیں کے مکان پر رہتے تھے حضرتِ داغؔ بھی ان سے یگانگت کا برتاؤ کرتے تھے طبیعت کا رنگ کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

آنکھوں میں رہے شوق سے دل ہو جو ناپسند
دنیا میں پھر ملے گا نہ ایسا مکاں کہیں

دل ہو گیا وا رفتہ مرا ایک نظر میں
جادو ہے غضب چشمِ بتِ شعبدہ گر میں

سب راز جلی سے خفی اس پہ ہویدا
پھر غور سے دیکھو تو نہیں کچھ بھی بشر میں

اللہ رے خم و پیچ تری زلفِ دوتا کا
بل کھا کے لپٹ جاتی ہے ناگن بھی کمر میں

اے ہم صفیر تجھکو مبارک چمن کی سیر
ہم تو اسیر ہو گئے فصلِ بہار میں

کیونکر جنوں میں دشت نوردی نہ ہو پسند
پایا ہے آبلوں نے مزا نوکِ خار میں

رجلائے آئینہ کی گرد کدورت سے نہیں ملتی
صفائی ظاہری کس کام کی ہے دل مصفا ہو

زادِ سفر کی خیر منا تو مسافر و
رہزن کھڑے ہیں گھات میں منزل کے سامنے

دم ہمارے جسم میں باقی نہیں
خون کی پیاسی تری تلوار ہے

ہو گیا ہے تارِ بستر میں شریک
اسقدر لاغر ترا بیمار ہے

سہل ہے ملنا نگاہوں کا مگر
دل سے دل ملنا بہت دشوار ہے

ہو گئی اُن کو شکایت شکوۂ بیداد کی
کیا تماشا ہے وہاں فریاد ہے فریاد کی

شوق دیدار میں ہے سارا زمانہ بیتاب
اب تو چہرہ سے نقاب اپنے اُٹھائے کوئی

سر بکف میں بھی ہوں لو تیغ بکف قاتل ہے
میری مشکل اگر آساں ہو تو کیا مشکل ہے

امین

(**امین**) خواجہ امین الدین عظیم آبادی - ملازم سرکار نواب ناظم مرشد آباد کچھ دنوں نواب مظفر جنگ سید محمد رضا خاں کے مصاحب بھی رہے تھے - علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ کے یار دیرینہ اور ۱۱۹۶ھ کے قریب تک زندہ تھے بلاد شرقیہ میں اُستاد مانے جاتے تھے - ان کی طبیعت کا رنگ کلام ذیل سے آشکار ہے ؎

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا

مانندِ نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا

پردہ سے جو وہ شہرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

گالیاں جو دیں سو دیں - بس کیجیے
سُن چکے ہم جب تلک مقدور تھا

جس کا دل آپ نے لیا ہو گا
خاک میں لے - ملا دیا ہو گا

گالیاں غیر سے سُناتے ہو
ہاں میاں! تم سے اور کیا ہو گا

جب مقصود دل ہے اور وہی منظور آنکھوں کا
سرورِ سینہ میں اُسکو کہوں - یا نور آنکھوں کا

کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا
کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا

گر ارادہ نہیں ہے آنے کا
فائدہ اسقدر رجھانے کا؟

سخت[1] کاوش میں ہوں نرنگیں
ایسی نام آوری کا منہ کالا

خورشید تیرا دیکھ کے مُنہ کانپ کے نکلا
مہ چادرِ مہتاب میں مُنہ ڈھانپ کے نکلا

ہم[1] کو کیا گر بہار آتی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کھلا ہو گا

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنے خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغ تیزِ یار پر
کھد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیالِ زلف میں بے خواب بے آرام ہے
رات ہوتی ہے امیں بھاری ہر اک بیمار پر

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

اُس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو پتنگ
بھاری ہو لئے ہیں کیا تجھے اپنے دو چار پر

[1] یہ دو نو شعر خواجہ امین الدین خان آمین کے نام سے بھی تذکروں میں درج پائے گئے۔

کیوں شعلہ رخو مجھکو جلاتے ہو کہ سینہ	رکھتا ہوں میں گل خوردہ مثال پر طاؤس

امین

(امین) خواجہ قاضی محمد امین الدین خان خلف وحید الدین خاں۔ جو نجیب الدولہ کے عہد میں دہلی کے قاضی القضاۃ تھے۔ امین مرد صلاحیت شعار اور برگزیدہ اطوار تھے اور مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں دواخانے کے داروغہ تھے۔ اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۱۹۳ ہجری تک زندہ اور مصحفی کے ہمعصر تھے چنانچہ اکثر انکے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چار اشعار بطور یادگار درج تذکرہ ہیں ؎

سخت کاوش میں ہوں برنگ نگیں	ایسی نام آوری کا منہ کالا
ہمکو کیا گر بہار آتی ہے	دل وہ غنچہ نہیں جو وا ہوگا
مل گیا ہوگا خاک میں جیوں اشک	تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
کون آتا ہے یہ کس کے پانوں کی آواز ہے	ہر صدائے پا میں جس کی سو طرح کا ناز ہے

امین

(امین) نواب امین الدولہ معین الملک بہادر عرف مرزا مینڈھو خلف الرشید وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ صوبہ اودھ۔ بعض تذکروں میں ان کا خطاب امیر الدولہ ناصر جنگ لکھا ہے آپ توپ خانۂ شاہی کے منتظم نواب آصف الدولہ بہادر والی اودھ کے بھائی اور حضرت شاہ عالم ثانی کے دلی رفیق تھے آپ کا اکثر دہلی میں قیام رہتا تھا۔ بہت خلیق صاحب ہمت اور نیک خو امیر تھے۔ غلام قادر روہیلے کے فتنہ و فساد سے پہلے دہلی میں اپنے مکان پر بڑے تزک و شان سے مشاعرہ کیا کرتے اور شعرا کے ساتھ ہر طرح سے سلوک ہوتے تھے مفصلہ ذیل اشعار سے آپکی طبیعت کی روانی کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

حاجت نہیں ہے شمع کی میرے مزار پر	ہر شب ہے سوز آہ سے روشن چراغ دل
شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا	سینے میں اب تو خاک بنا یا سراغ دل
کل جو ہم نے منبچہ کے ساتھ سیر دیر کی	اٹھ کھڑا یا تھا ہی با لیکن خدا نے خیر کی
یاس و غم و آرزو جمع یہ سب چیز ہے	جل بے سمائی تری دل بھی عجب چیز ہے

تری نگہ کے جو ہو گئے مارے نہ مانگا ہو گا اُنھوں نے پانی
دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں

نہ ایسی دیکھی ہے تیغ جس نے نہ ایسی دیکھی ہے آبداری
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
ہجر کی جب رات ایسی بیقراری میں کٹی

رباعی

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
عاشقی کی یہی نشانی ہے
کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھکو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے
جلوہ تیرے حسن کا کہاں ہے
یوں کہنے کو آفتاب یاں ہے
کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہول
پھرتے ہیں لئے عبیر بھر بھر جھولی
وعدے سے کیا کرو گے دل خوش کبتک
ہولی کا قرار تھا سو یہ بھی ہو لی

کیا بُرا وقت تھا اُس شوخ سے جب آنکھ لگی
حیاتِ جاوداں بخشے ہے تیغِ آبدار اُس کی

جب تلک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی
اگر بادِ نہ آوے جا کے کھاوے جسکا جی چاہے

چشمِ گریاں کی دیکھئے خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی
یار بھی اب گلہ لگا کرنے
یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی
صبح اور شام سب بہانہ ہے
آ ئیے آ ئیے جو آنا ہے

زاہد کبھو تو گردنہ پھر یو شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آب کے
کیا چشمِ منعماں سے رکھیں مفلسانِ دہر
دریا نے تو بھرے نہیں کاسے حباب کے
رشکِ گلزار رہا داغ سے سینہ میرا
یار کے بھاویں تماشا ہے تماشہ یہ ہے
اُس ماہ رو کے سامنے آتی ہے چاندنی
اپنے تئیں اب آپ ہنساتی ہے چاندنی
دو دن کی چاندنی ہے پھر آخر اندھیری رات
ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی
غیروں سے اختلاط ہمارا بلا کرے
گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلے
پر ہے وہی بھلا۔ جو کسیکا بھلا کرے

امین (امین) حافظ محمد امین باشندۂ کانپور تاجر کتب کلکتہ۔ شاگرد شیخ عبد اللہ مرحوم کانپوری

یار کے مژگاں سے الجھا ہے یوں تیرِ نگاہ
جس طرح تروار کوئی آ لگے تروار پر

آئی بہار ہو گئے ہر خارِ راہ سبز
لیکن ہوئے نہ آہ یہ بختِ سیاہ سبز

کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں

جی نکلتا ہے پہ لب یاد میں ہلتے ہیں ترے
مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں

فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکرِ معاش
غم کو کھاتے ہیں امیں خونِ جگر پیتے ہیں

سرو پر اتنا پھول مت قمری
ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

دل تو کیا ہے امیں جو آوے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دلِ افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو
ملاقات تیری اگر کم نہ ہو

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
بھلا تنہا بھی خلوت میں ہر دم نہ ہو

امیں کی غذا آ رہی ہے یہی
الٰہی یہ خونِ جگر کم نہ ہو +

ہوئی ہے آشنائی جب سے اُس مہ وش سے مجھ کو
جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اب ہوش ہے مجھ کو

کیا کہیں دودِ آہ کی تاثیر +
گھر کا گھر ہے سیاہ مت پوچھو

مفت مارا گیا ہزار افسوس
تھا امیں بے گناہ مت پوچھو

دل باندھئے تو یار کی کاکل سے باندھئے
بلبل کو باندھئے تو رگِ گل سے باندھئے

خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
مانگتے ہیں اب تلک اُس سے حسابِ زندگی

کیا بھلا اس میکدے میں جی کسی کا شاد ہو
مر گیا آخر کو پی جس نے شرابِ زندگی

غیر سے کیونکہ وہ چھوڑے ملنا
چھوڑتا ہے کوئی اپنی بانی

جتنے تھے محفل میں تھا سب سے تپاک اور اختلاط
ایک ہم کمبخت گویا واں گنہگار ہی تھے

بھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی
دنیا میں جو ٹھانی تھی میاں ہم نے بنا ہی

تمہاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں نپٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
پر اسقدر ہیں یہ خوں کی پیاسی کہ تیز آنکھیں ہیں یار کی کاری

میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی - اور نواب فیض اللہ خان کے صاحبزادوں کے مصاحب رہے - اُردو فارسی دونوں زبانوں میں دادِ سخنوری دیتے تھے - شوق کے تذکرہ کی ترتیب کے وقت جوان تھے [۱]

چھا گیا گلعذار آنکھوں میں
کیا ہے پھولی بہار آنکھوں میں

مثل عینک کے اٹھ گیا ہے حجاب
تو ہی ہے وار پار آنکھوں میں

گر ستاوے گی یونہی تیری جدائی مجکو
کل موا آج اگر موت نہ آئی مجکو

کھینچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک
خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجکو

اِن آنکھوں سے میں دیکھوں ترا بھی جگر خوں ہو
اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو

یہاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی +
کرنے لگی روح بھی گرانی +

شاید کہ ہوا مرا جگر خوں
آتے ہیں جو اشک ارغوانی

ایک تہمت ہر آن رکھتا ہے
مجھ پہ تو کیا گمان رکھتا ہے

مت ستا دیکھ مان لے کہنا
اور کوئی بھی جاں رکھتا ہے

مٹ چکا ہے یہ مثل نقش قدم
نام کو اک نشان رکھتا ہے

کل تو یونہی ہی بہار کا فریب
آج کچھ اور آن رکھتا ہے

ہو چکا انتظار تو ناحق
زندگی کا گمان رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغ ابرو سے نہ رنجش تیر مژگاں سے
مری خاطر پریشاں ہے تری زلف پریشاں سے

خدا سے ڈر جھٹک مت رحم کر ہم خاکساروں پر
کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے

نہیں مفتوں کسی پر انتظار اُسکی بلا جانے
کہ کیا گزرا دل نالاں پہ میرے دردِ ہجراں سے

مت اُٹھا ہاتھ مرے دل کی دوا ہونے دے
ہے یہ بیمار محبت اِس کو شفا ہونے دے

آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹتا ہے
توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے

ڈرتے ڈرتے جو کیا دردِ دل اُس سے ظاہر
ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ہونے دے

[۱] یہ شعر احمدی (صفحہ ۱۹۴) کے نام سے مشہور ہے - غالباً توارد ہوا ہو ۱۲

پہلے ثروت تخلص تھا - بعد میں امین اختیار کیا - زیادہ حال معلوم نہیں اشعار ذیل ہدیۂ ناظرین ہیں

صفائی ہاتھ کی قاتل جب ہی ہے	نہ خالی جائے کوئی وار تیرا
دوبارہ مانگا جب بوسہ تو بولے	لکھا کیا پتہ ہے غم بھر کا
حجاب یار کا کشتہ ہوں یارب	دھنواں پنہاں ہے آہ جگر کا
عالم کا بھی خوں کر کے پشیماں نہیں دیکھا	بیرحم کوئی تجھ سا میری جاں نہیں دیکھا
جان آجائے تن بیجاں میں شاید ہمدمو	لے چلو میرا جنازہ کوے جاناں کیطرف

انتخاب

(انتخاب) نام باوجود تلاش گمنامی کی حالت میں رہا - آپ ایک خوش فکر نوجوان دہلی کے رہنے والے اور خاقانی ہند ذوق کے شاگرد تھے حضرت ظہیر دہلوی کی زبانی دو شعر سُنے وہ ہی درج ذیل ہیں

اُنہیں سات پردے لگے وائے قسمت	ہوئے سامنے جب وہ آنے کے قابل
مجھے پہلے ہی مُنہ لگایا نہ ہوتا	اگر میں نہ تھا مُنہ لگانے کے قابل

انتظار

(انتظار) علی نقی خاں خلف علی اکبر خاں دہلوی - شاہ آبرو و فغاں کے ہمعصر تھے - نواب علی وردی خاں کے عہد میں مرشد آباد بھی گئے تھے سنہ ۱۱۸۲ھ میں فوت ہوئے چار شعر حاضر ہیں

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ دل میں تیرے رحم	جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم
وقف ہے خانۂ دل قصداً گر اُس کا ہے	کہدو ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اُس کا ہے
جو ہیں بہارِ گل کی قفس میں خبر گئی	بلبل یہ سُنکے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی
کنج قفس میں جاکے بناتا ہوں آشیاں	سیرِ چمن کی دل سے ہوس اسقدر گئی

انتظار

(انتظار) حکیم عطاء اللہ قریشی شاگرد قدرت اللہ بلیغ - انکے والد حکیم غلام رسول حکمت (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جیّد عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے کچھ دنوں نواب فیض اللہ خاں والئ رامپور کے یہاں بھی ملازمت کی - انجام کار دہلی میں انتقال کیا - انکے مورث محمد حسن فانی کشمیر کے شعراء مشاہیر میں گزرے ہیں - انتظار رامپور

دور سے آئے تھے ساقی سُنکے میخانے کو ہم — پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا کہیں صیاد کو — سر پٹک کہتے ہیں اپنے آب و دانہ کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر — کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

تنک تو مہلت دے کہ ہولیں رخصت اے صیاد ہم — مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم

اب یہی احساں ہے جو ہرگز نہوں آزاد ہم — پھر چمن میں جائیں کیا منہ لیکے اے صیاد ہم

منہ ترا تکتے ہیں سب اقلیم حسن و عشق کے — تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم

دل تو ہے داغِ غلامی سے ترے طاؤس دار — سامنے قمری کے گو ہیں سرو ساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا — عمر مانندِ شرر جب کر چکے برباد ہم

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام کارِ کوہکن — شکر ہے تڑپے نہ زیرِ خنجرِ جلاد ہم

کیوں بلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی — دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

کل محیطِ عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات — کشتیٔ دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی

ہر پری تمثال جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز — ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے — کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو — دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

نہ سُن تو پند واعظ کی جو اپنی خوشی میں تجا ہے — خدا حافظ ترا دوزخ بھی اک شرعی دھڑکا ہے

خاکساری پر نکر موذی کے ہرگز اعتبار — جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی رہے

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو — سوزنِ تقدیر بھی گر سو برس سیتی رہے

انجم

(**انجم**) نواب ہمایوں قدر سید محمد علی مرزا عرف امیر صاحب مرحوم - آخر نواب ناظم بنگال نواب منصور علیخاں بہادر کے خلف الرشید اور والی حال مرشد آباد کے حقیقی چچا تھے - صورت ظاہری کے علاوہ جملہ صفات حسنہ سے متصف تھے خلق و مروت اور سیر چشمی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی - بعالم شباب ۲۰ ستمبر ۱۸۸۳ء کو بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا اور مرشد آباد میں دفن ہوئے

ہم گرفتاروں کو کب خواہش آزادی ہے		در قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد

انجام

(**انجام**) عمدۃ الملک نواب امیر خاں صوبہ دار الہ آباد - خلف امیر الامرا نواب امیر خاں عالمگیری صوبہ دار کابل - اصلی وطن یزد واقع ایران تھا - انکے بزرگ ایران میں سلاطین صفویہ کے دربار میں ہمیشہ معزز و ممتاز رہے اور انکے والد عالمگیر کے عہد میں صوبہ داری کے منصب جلیلہ پر سرفراز تھے - اور یہ خود اپنے زمانے کے ممتاز اور معتمد امیروں میں گنے جاتے تھے - خلق - مروت سخاوت - اور سیر چشمی میں ضرب المثل اور نہایت بذلہ سنج شیریں کلام امیر تھے - آپ ۱۱۵۰ھ میں بخشی گری کے عہدے پر ممتاز ہوئے - محمد شاہ بادشاہ کو ان سے ایسا اُنس تھا کہ خلوت و جلوت میں کسی وقت انہیں حضوری سے علیحدہ نہ کرتے تھے - اور انہوں نے بھی اپنی حاضر جوابی اداشناسی اور نکتہ سنجی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا اور ایسا رسوخ پیدا کیا تھا کہ دیگر امرا کی نظروں میں خار کی مانند کھٹکتے تھے - انکی شوخ طبعی اور بذلہ سنجی کے اکثر لطیفے مشہور ہیں - اور فی الحقیقت آپ اُس رنگیلے دربار کی روح رواں تھے - فن سخن میں مرزا بیدل کے شاگرد تھے اُردو فارسی کے علاوہ ہندی زبان سے بھی واقفیت تھی چنانچہ پہیلیاں اور مکرنیاں اکثر کہا کرتے تھے - علم موسیقی میں آپ کو ایسا دخل تھا کہ اس فن کے اچھے اچھے اُستاد آپ کا نام سُنکر چکراتے تھے اور آپ کی خداداد ذہانت اور قابلیت کے قائل اور معترف ہوتے تھے افسوس کہ محفل خاص کی بے تکلفانہ صحبتوں میں آپ داب شاہی کا پورا پورا لحاظ نہ رکھ سکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے مخالفوں نے بادشاہ کے دل میں انکی جانب سے ایسی کدورت پیدا کر دی کہ انجام کار اُنہیں کے ایما سے ۱۱۵۹ھ میں دیوان خاص دہلی کے صحن میں ایک غلام نے بضرب کٹار ان کا کام تمام کر دیا - ہمراہیوں نے اُسیوقت اُس نابکار کو پکڑ کر کیفر کردار کو پہونچایا مگر بادشاہ نے اُس غلام کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھوایا - غم عمدہ آپ کی تاریخ وفات ہے دہلی میں روح اللہ خاں کی سرا کے قریب آپکا مزار ہے - شعرائے ریختہ گوئی ایک بیاض آپکی یادگار ہے جو راقم تذکرہ کی نظر سے بھی گزری - مختلف تذکروں میں جو کلام ملا اُسکا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے

راقم تذکرہ کے بڑے عنایت فرما ہیں - دیوان مطبوعہ سے جو اُنہیں کا عطیہ ہے کلام منتخب ہو کر زیبِ تذکرہ کیا جاتا ہے - طبیعت کی رنگینی - معاملہ بندی اور صفائی روزمرہ کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان قابل داد ہے - مذاقِ سخن آپ کو ورثتاً ملا تھا لیکن کبھی کبھی میر علی حیدر صاحب طباطبائی سے مشورہ بھی فرما لیا کرتے تھے کلام فصاحت التیام حاضر ہے ؎

یوں اُٹھتی ہے ہمارے دلِ ناتواں سے آہ — جسطرح سے چراغ دھنواں دے بجھا ہوا
بیت الصنم کو چھوڑ کے کعبے کو جائیں کیوں — زاہد تو ہی بتا ہے وہاں کیا دھرا ہوا
بکھرے ہوئے بالوں میں بھی ہیں لاکھ ادائیں — الجھے کو ابھی میرے سنورنا نہیں آتا

ایک عالم کو کر دیا بیخود — میرے مست خمار کیا کہنا
دلمیں سوچنکیاں نہ لینی تھیں — ایک نشتر چبھو دیا ہوتا
غیر سے الفت جو تھی مد نظر — پھر ہمیں کیوں آپ نے رسوا کیا
دوست اپنا نہ یار ہے اپنا — وہی پروردگار ہے اپنا
یہ بھی اپنا نصیب ہے ورنہ — درد تو لا دوا نہیں ہوتا

دفورِ الفت میں ان بتونکو بیاں کریں کیا گیا نجانا — مگر تری خیر کی خدا نے کہ ہمنے اپنا خدا نجانا
سینے کو چاک کر کے میری جان دیکھیے — مجھ سے سبب نہ پوچھ مرے اضطراب کا

کیا سیدھی نگاہوں نے تو بسمل — کرے گی دیکھئے ترچھی نظر کیا
جاتے جاتے لوٹ آئے آپ کہاں — لیجئے یاں دم میں دم پھر آگیا

تم ستاؤ کوئی اُف تک نہ نکالے مُنہ سے — مُنہ میں رکھتا ہوں زباں اور نہ بولے کیا خوب
وہ اور ستائیں گے زیادہ تمہیں انجم — گر کچھ بھی زباں سے کیا اظہار محبت
بیمار سے تیرے نہیں لیجاتی ہے کروٹ — آ آ کے صبا اوسکو بدلواتی ہے کروٹ

کام قارون کے نہ آیا مال و زر — تجھکو بیجا ہے دولت پر گھمنڈ
حال کھل جائے زمانہ میں محبت کا مری — قاتلا تجھکو مرے سر کی قسم اتنا تو کر

موزونیٔ طبع کے اقتضا سے کبھی کبھی شعر و سخن کی طرف بھی توجہ مبذول ہو جاتی تھی چنانچہ اشعار ذیل آپ کے طبعزاد ہیں ؎

کر گیا مجھکو وہ ظالم دم رخصت برباد
اب رہونگا میں یونہیں تا بقیامت برباد

اپنے مرنے کا ہمیں غم نہیں لیکن اے جان
ہم نہوں گے تو یہ ہو جائے گی صحبت برباد

جوشش گریہ سے نو تخم اثر کا نہوا
کر دی اس کثرت بارش نے زراعت برباد

ساتھ غیروں کے بجایا کرو کنسا ما نو
کوچہ گردی سے ہوا کرتی ہے عزت برباد

کبھی ہوتا نہیں کوشش سے خلاف تقدیر
ساری تدبیروں کو کرتی ہے یہ قسمت برباد

جان دی ینے وہ بولے مجھے بدنام کیا
یہ مثل وہ ہے گنہ لازم و محنت برباد

دل کو پہلو میں جگہ دی تو وہ دشمن نکلا
سچ ہے یہ خانۂ اخلاق و مروت برباد

پوری نہ سرگزشت کبھی آپنے سُنی
رہ جاتا ہے یہ قصہ مرا نا تمام روز

پردۂ محمل گرا دیتی تھی لیلی بدنصیب
جب کبھی جاتا تھا مجنوں دوڑ کر محمل کے پاس

انجم

(انجم) صاحبعالم مرزا آسمان جاہ بہادر خلف الرشید سلطان عالم واجد علیشاہ سابق تاجدار اودھ آپکی ولادت بزمانۂ سلطنت ۱۲۵۳ھ میں بمقام لکھنؤ واقع ہوئی - بحالت صغر سنی بادشاہ کے ہمراہ کلکتے گئے اور وہیں ساری عمر گزار دی باعتبار عمر شاہ مرحوم کی وفات کے موقع پر فرزند دائمی تھے چنانچہ اسی لحاظ سے اپنے اور بھائیوں کی نسبت زیادہ وظیفہ پایا - یعنی ۱۱۰۰ ماہوار پنشن مقرر ہوئی صاحبعالم مرحوم کی شادی اپنے حقیقی چچا جنرل سکندر حشمت مرحوم کی صاحبزادی سے جو پرنس سر مرزا جہانقدر مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ہوئی تھی - آپ کو علوم و فنوں متداولہ میں اچھی مہارت حاصل تھی بادشاہ انہیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے - دربار گورنر جنرل میں بھی آپ کو پرائیوٹ انٹری کا اعزاز حاصل تھا - راقم تذکرہ کلکتہ میں دو مرتبہ فیضیاب خدمت ہوا تھا کمال نوازش فرماتی تھی - افسوس بمقام مونگیر ۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء کو ۵۳ سال تک دنیا کی ہوا کھا کر عازم سیر جناں ہوئے اور بھاگلپور میں دفن کئے گئے - کثیر العیال تھے - آپکے خلف اکبر صاحبعالم مرزا محمد مقیم بہادر

ہمیں جانکنی سے مفر ہو تو جانیں
کہاں وہ یار کہاں تو کہاں وصال اُسکا
آپ کیوں مجھسے لیتے ہیں قسمیں

دِلا آج کی شب سحر ہو تو جانیں
یہ اور کیا ہے دِلا گر خیال خام نہیں
دل تو میرا ہے آپ کے بس میں

کب کہتا ہوں میں بوسہ تم دیکے چلے جاؤ
یہ خون بھرا دامن دیکھے نہ کوئی دشمن
جاتے ہو جو کعبے کو جاؤ مگر اے انجم
اسی بیساختہ پن نے تو مجھے مارا ہے

دل لیکے مرا بدلے بوسے کے چلے جاؤ
تم پاس سے اب میرے لاشے کے چلے جاؤ
یہ کس نے کہا تم سے گھر آپ چلے جاؤ
اور ایسی کوئی تلوار لگاتے جاؤ

نام قاتل اگر خدا پوچھے
در بدر ہوں تلاش میں تیری
مر کے باقی رہا نشان تو کیا
اپنے در سے اگر اُٹھانا ہے
کعبۂ دل میں گھر بنایا ہے
جو مسیح آئے بھی تو کیا ہوگا
دیکھ لو کیسی ہوتی ہے چاہت
ناصحا جی نہ جلا میرا ہوا خواہی سے
ہے غضب ظالم اُسے تو بھولجائے
عالمِ بیخودی میں جا کر ہم

کیا بتاؤں مجھے بتا دے تو
راہ سے اب مجھے لگا دے تو
اے صبا خاک تک اُڑا دے تو
دوسرا کوئی در بتا دے تو
ہوگئے بُت بھی باخدا اب تو
ہوگیا درد لا دوا اب تو
دل کسی سے ذرا لگاؤ تو
ناحق اُٹھا دی آگ کے بھڑکانے کو
مرتے دم تک جو تجھے بھولا نہ ہو
کیا کہیں دیکھ آئے کیا کیا کچھ

کھیں گئے کیوں جانِ انجم ایسی ابھی کیا دنیا دیکھی
ایک ذرا سے حشر پہ واعظ اُس کو ڈرانا اسد اسد
آنے کا آپ مجھسے وعدہ جو کر بجاتے

مرنے لگے خوبانِ جہاں پر تیری بیری دکھا دیکھی
جینے بتوں کی گلی میں برسوں رونقِ میت بپا دیکھی
کیوں ہم پڑے سسکتے مدت کے مرجاتے

یہ عشقِ بتاں غضب نہ ڈھائے

کافر نہ کہیں ہمیں بنادے

ہاتھ ٹوٹیں جو چھُوا بھی ہو ہاتھ سے
دلِ بیتاب کو تسکیں تو ہو
ہے آپ سا کوئی تو بتا دیجیے ہمیں
میں بھی نہ بولونگا اب تم سے خدا کی قسم

دُکھ گئی ان کی کلائی کیونکر
نہ دے بوسہ مگر اقرار تو کر
جائیں کہاں ہم آپ کے صاحب قدم کو چھوڑ
دیکھوں تو رہتے ہو تم مجھ سے خفا کب تک

ضرور ڈھائے گا کوئی آفت ضرور فتنہ بپا کریگا
دل تو میرا لے لیا دے کے دم
کیا خفا مجھ سے ہوئی جو آپ نے
نہیں صاحب یہ اچھا روز کا عذرِ فراموشی
ابھی سے دل کو اے انجم چکھا دی درد کی لذت
یوں تو خدا کے فضل سے کہنے کو کیا نہیں
اگر یہی ہے تلوّن اُنکا خدا ہی ہے وعدہ ہو جو پورا
کسی کے انجم ؟ نہیں سکھائے تو میں نیاز تک آج لائے
جدھر دیکھتا ہوں اُنہیں کا ہے جلوہ
اگر انصاف سے پوچھو تو انجم دو نو حق پر ہیں

یہ تیرا اٹکھیلیوں سے چلنا جھکا کے گردن اُٹھا کے آنچل
اُس پہ کہتے ہو نہیں دمساز ہم
کر دیا موقوف آنا یک قلم
کرو پھر وصل کا وعدہ گرہ دو پہلے آنچل میں
یہ کیسا قہر ڈھایا گھُن لگایا مُٹی کو پل میں
بُرے تو نہیں تو جینے کا اپنے مزا نہیں
کہا تھا کل آج وصل ہوگا وہ آج پھر کل پہ ٹالتے ہیں
کہ چُپکے بیٹھے ہیں سر جھکائے نہ بستروں پر جا لیٹتے ہیں
وہ نظروں میں ایسے سمائے ہوئے ہیں
یہ ہے بیکار کا جھگڑا پڑا گبر و مسلماں میں

نخلِ امید بارور نہوا
سینے قسمت میں آہ کیں دو چار
روانہ کہ جہاں میں ذلیل و خوار ہوئیں

پھول آئے نہ پتیاں آئیں
لوگ سمجھے کہ آندھیاں آئیں
جو ہوں سو ہوں یہ ترے در کا خاکسار تو ہیں

خدا خدا کرکے آئے بھی تو وہ مُنہ لپیٹے پڑے ہوئے ہیں
نہ کہتے ہیں کچھ نہ سنتے ہیں کچھ کسی سے جیسے لڑے ہوئے ہیں

ہاں بھلا کس طرح وہ مُنہ سے کہیں
جب کہا میں نے تم پہ مرتا ہوں
مانگا بوسہ تو بولے جھنجلا کر

اُنکے سر پہ تو ہے سوار نہیں
ہنس کے بولے کہ اعتبار نہیں
کہہ چکے ہم ہزار بار نہیں

کسیکا نام بڑا ہو کسیکی ذات بڑی
بڑائی جس کو خدا دے اُسی کی بات بڑی

ظلم سے ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہو
بے پڑھے خط کے آگیا غصہ
درد ہو تو دوا کرے کوئی
تم نہ مانو تو دل کو سمجھا لے
باوفا سے سبھی نباہتے ہیں
بُت بھی انجمؔ کہیں ہوئے ہیں خدا

جان جانے میں اب رہا کیا ہے
دیکھ تو لیجیئے لکھا کیا ہے
عشق گر ہو تو کیا کرے کوئی
دل نمانے تو کیا کرے کوئی
بے وفا سے وفا کرے کوئی
کہنے کو یوں کہا کرے کوئی

مراد تجھ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں میں
نکڑ گدا ترے در کا گدا بھی شاہ بھی ہے
جو عاشق نہ سمجھو تو اتنا تو سمجھو
تمھارے لئے کوئی رُسوا ہوا ہے

(انجم) نواب سید بہادر حسین خاں انجمؔ نیشاپوری ابن نواب سید حسین خاں رسالدار بن نواب افتخار الدولہ امتیاز الملک سید احمد علیخاں عرف نواب میر آفتاب داماد و ہمشیرۂ نواب منتظم الدولہ وزیر نصیر الدین حیدر - فن شاعری میں ان پر میر نواب صاحب مونس لکھنوی نے سات برس تک بہت ریاضت کی اور جملہ نکات شاعری بڑی دلسوزی و توجہ سے انکے ذہن نشین کیئے اُنکے انتقال کے بعد آپ نے تدبیر الدولہ حضرت آسیر سے تلمذ اختیار کیا وہ بھی نہایت توجہ سے آپ کا کلام درست فرمایا کرتے تھے - آپ ذاکر بھی ہیں اور مرثیہ بھی پڑھتے ہیں - مرثیہ گوئی میں اچھا دخل رکھتے ہیں - صورت معاش یہ ہے کہ گھر سے آسودہ ہونے کے علاوہ آپ امام باڑہ حسین آباد میں بزمرۂ ذاکران وظیفہ خوار ہیں - شبانہ روز شاعری کا مشغلہ ہے - اب ۱۳۳۵ھ میں آپ کی ۵۸ برس کی عمر ہے - عرصۂ دراز سے آپ کو فوٹوگرافی کا شوق ہے چنانچہ اس فن میں کثرت مشق سے دستگاہ کامل بہم پہنچائی ہے - دیوان جس میں غزلیات کے علاوہ چند مراثی اور سلام بھی ہیں ہنوز مرتب نہیں ہوا - ایک مثنوی موسوم بہ پرستان خواب بھی چار ہزار بیت کی آپکی تصنیف ہے مقامی مشاعروں کے ماسوا آپ بیرونجات کے مشاعروں میں بھی بڑے شوق سے

یا نام نہ رکھو مسیح اپنا
یا دردِ جگر مرا مٹا دے
خاک میں ہم کو ملا رکھا ہے
کچھ ابھی اور اُٹھا رکھا ہے

شوق سے تو پیش کر دامن کے پرزے حشر میں
ہم بھی ٹکڑے دل کے لائے ہیں دکھانے کے لئے

میری بگڑی ہوئی بنا ورنہ
کارسازی میں فرق آتا ہے
ہوئی خیمہ آیا نہ دیوانہ تیرا
قیامت میں کیا کچھ قیامت نہوتی

حقیقت میں تفاوت کچھ نہیں شیخ و برہمن میں
سنا ہے ہم نے بھرتے تیرا دم اِسکو بھی اُسکو بھی

پُرسش روز قیامت سے ڈرایا تو کہا
ہم جو چاہیں تو وہاں بھی نہ ملے داد تجھے

لے کے دل پھیرتے ہو ایں گلِ دیگر شگفت
پھینک دو چاہو جہاں لو واہ واہ اچھی کہی

سینے کہا مر جاؤں گا فرقت میں تمھاری
جھنجلا کے وہ بولے کہیں جھگڑا چکے مر بھی

کچھ کسیکا گلہ نہیں انجم
دل ہوا اب سے اپنا دشمن ہے

تو اُسکی یاد نہ دل سے بھلائیو انجم
اگر وہ بھول گیا ہے تو بھول جانے دے

یا الٰہی بھرے نہ زخم جگر
میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

بیمارِ محبت ہوں میں بیکار دوا ہے
خاکِ درِ جاناں ہی مجھے خاکِ شفا ہے

جفاؤں سے تری بھرتا نہیں دل
تڑپنے میں مزا کیا جانے کیا ہے

بہت چاہا نہ بولوں یار تجھ سے
مگر ظالم یہ دل کب مانتا ہے

روز تم بیٹھے کھلاتے ہو شگوفے ناز سے
یہ تو بتلاؤ تمہیں اور کوئی کام بھی ہے

یہ صورت اور یہ بھولی بھولی باتیں
تمہیں بتلاؤ پیار آئے نہ آئے

کسے تھی جان دوبھر ابھی ایسا کون بیدل تھا
خدا جانے جہاں میں عاشقی ایجاد کی کس نے

سچ تو کہتے ہو بھلا کیوں کر نہ جانو تم غلط
جب غلط ہو جائے دل کا غم تمہارے سامنے

یہ بھی نہ پوچھا تم نے انجم جیتا ہے یا مرتا ہے
واہ جی واہ عاشق سے کوئی ایسی غفلت کرتا ہے

نئی جوانی نئے نویلے ناداں الہڑ اور البیلے
سچ پوچھو تو تم کو صاحب دل دیتے جی ڈرتا ہے

دل جلاتے ہیں وہ ابرو تو بجھا بھی دینگے
اسکا بلبل ہوں جو خوشبو پہ بھی کرتا ہے ستم
اور اندھیر کیا قبر پہ تم نے آکر
پس گیا خاک ہوا آہ نکی واہ رے دل
مے واعظا حرام ہے پھر کیا کرے کوئی
پردہ دوئی کا دیدۂ مجنوں سے اُٹھ گیا
دیوانگانِ عشق کی بخشش عذاب ہے
سب روزِ حشر تشنۂ دیدار جسے ہیں
اللہ رے جہاں میں سب کچھ مگر نہ ہے
اللہ رے دردِ شوق کہ پھر عرض حال ہے
توفیق اپنی اپنی ہے انجم شبِ وصال
شرم کس سے آرہی ہے آپ ہی تو بانیِ بیداد ہیں
حلق تک دم آچکا ہے اشتیاقِ دید میں
یہاں سے قابضِ ارواح جائیں دشمنوں کے گھر
پسینے میں نہ کیوں لہرائیں زلفیں روئے رنگیں پر
ہمارے داغِ دل مٹتے ہیں اُٹھتی ہے نقاب اُسکی
تمھیں بھی کچھ محبت آزمائی ہے دمِ رخصت
رو رہا ہوں میں شبِ ہجر جو اے نخلِ امید
وائے میرے حال پر گھر بن رہے ویرانہ ہے
نیند وقتِ ذبحِ قاتل آہی جاتی ہے مجھے
واعظا ہم کو غمِ دنیا و عقبیٰ سے معاف

کہ جہاں آگ ہے پانی بھی ہے تلوار و نہیں
پھول بھی چھید کے گوندھے گئے ہیں ہار و نہیں
بال کیوں کھول دئے میرے عزادار و نہیں
مرحبا یارِ محبت کے اُٹھانے والے
کیونکر تلافیِ غمِ دنیا کرے کوئی
یوں ہو سکے تو الفتِ لیلےٰ کرے کوئی
پیدا کہاں بہشت میں صحرا کرے کوئی
اب تو وفائے وعدۂ فردا کرے کوئی
وہ دل کہ جسمیں تیری تمنا کرے کوئی
سو بار سن چکا ہوں کہ ''پھر کیا کرے کوئی''
ہم تو دعائیں دیتے ہیں کوسا کرے کوئی
دل کے آئینے سے آنکھیں چار رہنے دیجئے
اب چھری کا کام ہے تلوار رہنے دیجئے
وہ آ بیٹھے تو مرنے کی ہمیں اب کیا ضرورت ہے
یہ جوڑا سانپ کاٹے جائے شبنم نکلتا ہے
ستارے ڈوبتے ہیں تیرا اعظم نکلتا ہے
ہمیں بھی دیکھنا ہے آج کیونکر دم نکلتا ہے
پانی دیتا ہوں ترے پھولنے پھلنے کیلئے
ہائے اُسکا بخت جسکا تو چراغِ خانہ ہے
تیرے خنجر کی زباں پر کون سا افسانہ ہے
رند ہیں تو بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہے

شرکت فرماتے ہیں۔ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی میں فرد ہیں۔ خوش فکر اور طباع شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مفصلۂ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ؎

عبث وہ شاد ہوئے توڑ کر ہمارا دل　　کہ آئینہ تھا نہیں کی یہ خود نمائی کا

نہ ذکرِ خلد خرابات میں کر اے شیخ　　اُنہیں یقیں کہاں اِس سُنی سنائی کا

میدانِ حشر گو کہ نہایت وسیع تھا　　دیکھا تو سب تمہارے شہیدوں سے پٹ گیا

انجم فراقِ یار میں تڑپو نہ اسقدر　　مرجاؤ گے جو زخم کلیجہ کا پھٹ گیا

وہ کیوں کھڑے ہیں قیامت میں سر جھکائے ہوئے　　کہ عشق میں جو کیا وہ قصور میں نے کیا

دیکھا جب اُس صنم کو کیا کہیے حال کیا تھا　　ایمان کی تو یہ ہے اسلام کا خدا تھا

شکرِ خدا جو منہ سے نکلا قصور کیا تھا　　میری زبان کاٹو گر شکوہ جفا تھا

خود حال پوچھ کر وہ بگڑا ہے اُف رے ظالم　　یہ کیوں کہا کہ میں تھا اور رات بھر خدا تھا

کیوں نظر ہے طرفِ گنجِ شہیداں قاتل　　وہ بھی بستی کہیں ہو جائے نہ ویراں قاتل

لبِ ہر زخم پہ اب آگئی ہے جاں قاتل　　اِک چھُری اور پلٹ کر ترے قربان قاتل

زندہ نہیں جب رہے نہ بتوں کی جفا سے ہم　　پھر موت کس امید پہ مانگیں خدا سے ہم

قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دعا سے ہم　　کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرا سے ہم

واں کیا ہے خوفِ حشر جہاں یہ خیال ہے　　کچھ کم نہیں ہے فتنۂ روزِ جزا سے ہم

وہ بحرِ غم میں کشتئِ دل کیا ڈبوئیں گے　　سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں ناخدا سے ہم

آتے ہیں لاش پر وہ منانے کے فکر میں　　اب کچھ او نہیں دکھائی دئے ہیں خفا سے ہم

تری درد کا دل مبتلا تپِ غم علاج میں کیا کروں　　نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں

بال کھولے تم نے گورِ غریباں کیوں گئے　　اور بھی رو میں اندھیرے میں پریشاں ہوگئیں

یاں بھی آنکھیں پھر گئیں اب کیا غرض ہے نزع میں　　ہم بھی بیٹھے ہیں جو برگشتہ وہ مژگاں ہوگئیں

بن گئیں بدمستیاں آخر پسینہ شرم کا　　چھن گئیں جب کفر کی باتیں تو ایماں ہوگئیں

پاک گوہر آہ نواب بہشت آرام گاہ ۔ نواب صاحب بعد غدر کچھ دنوں نظر بند بھی رہے تھے
ریختہ گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی اور اُسمیں تنبیر شکوہ آبادی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ انکے
صاحبزادے نواب سید مہدی علی نے انتخاب کلام اساتذہ معروف بہ بہارستان اشعار
سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع کیا تھا۔ اُسمیں سے چند شعر منتخب ہو کر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ؎

زندگی میں مری تعریف نہ کر اے ہمدم
رند ہوتے تو ہر اک جلسہ میں ہو جاتے شریک
اب خدا جانے کہ اس بت کو اکیلا پا کر
احتیاط انکی تو اے زاہد ناحق نہ کرو
دل اُو لجھتا ہے جو ہر شب نہیں معلوم انور

ہاں مگر بعد فنا دیکھکر انجام بخیر
لطف دُنیا ہی گیا زہد کی پابندی سے
غیر کیا کیا مری جانب سے لگاتے ہونگے
ہندو کس کے ہیں بتاؤ یہ مسلماں کس کے
یاد آجاتے ہیں گیسوئے پریشاں کس کے

(انور) سلطان الشعرا سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا مرحوم دہلوی - آپ سید جلال الدین
حیدر مرصع رقم خوشنویس و اُستاد ابو ظفر بہادر شاہ ثانی کے خلف اصغر اور فخر اساتذہ مولانا ظہیر
دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے - انور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے - اوائل مشق میں
خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق سے استفادہ حاصل کیا - اُنکے انتقال کے بعد مرزا غالب سے
مشورہ لیتے رہے طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز واقع ہوئی تھی - کلام کی شوخی
خیال کی چلبلاہٹ - فکر کی رسائی - روزمرہ کے نئے نئے الوٹ ظریفانگان سخن کے دماغ
میں عجیب سرور اور عاشق مزاجوں کے دلوں میں غضب کا درد پیدا کرتے تھے - جو شعر دیکھو
پھڑکتا ہوا حسن خیال - بلندیٔ مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آیند حیرت پیدا ہوتی ہے -
اس جوان طبیعت کو خدا نے وہ مضمون آفرینی بخشی تھی کہ شعر سُنکر بوڑھوں کے ٹھٹھرے
ہوئے دلوں میں عشق کی اُمنگ پیدا ہو جاتی تھی - افسوس ہے کہ اس جوان مرگ نے عالم شباب
میں اپنے دائمی جدائی کا داغ دیا - اگر آج انور زندہ ہوتے تو ہر جگہ اُنکا ہی نور جھلکتا نظر آتا اور
اُنکے سامنے کسی کا چراغ روشن نہونے پاتا - مگر اس مرحوم کا کلام اس ناپرسی اور ناقدری کے

انجم

(انجم) شیخ ذاکر حسین انجم رئیس نازیپور - آپ کو غالباً حضرت تمشاد سے تلمذ رہا ہے - ۴۰ برس کے قریب عمر اور یہ نمونۂ کلام ہے ؎

قتل گہ میں عجب تماشا تھا ۔ وہی قاتل وہی مسیحا تھا

تو ہے گل خوش رنگ گلستان زمیں کا ۔ یا پھول ہے کوئی چمن خلد بریں کا

میخانہ کہاں اور کہاں حضرت واعظ ۔ کچھ اور ارادہ تو نہیں قبلۂ دیں کا

پوچھو نہ کہ جاتا ہے کہاں رہرو ہستی ۔ جس شہر سے آیا ہے ارادہ ہے وہیں کا

تو اپنے آشناؤں سے ناآشنا نہ ہو ۔ قطرہ سے بحر بحر سے قطرہ جدا نہیں

تلوار سے ڈرنے کے نہیں عاشق جانباز ۔ کچھ تیز نہیں ابروئے قاتل کی چھری سے

اے آب دم تیغ ذرا پیاس بجھا دے ۔ بیتاب ہے جانباز کوئی تشنہ لبی سے

انداز

(انداز) میر غلام حسین خلف میرزا ہدایت علی گورگانی - علم موسیقی و مرثیہ خوانی میں کامل تھے فن سخن میں خاقانی ہند ملک الشعرا ذوق مرحوم سے مستفید ہوئے - عرصہ ہوا کہ انتقال فرمایا انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

دیکھئے آگے آگے کیا ہووے ۔ دل لگی میں تو ہے ابھی سے رنج

جو وہ جفا کی اُسے شکایت کریں تو کیا ۔ سو شوخیاں نکلتی ہیں جسکے حجاب میں

انداز یاد عارض جاناں میں سوز شب ۔ سلگی ہے آگ سی دل خانہ خراب میں

خزاں ہوتی نہ دامن گیر گل کی ...... ۔ نہ دن برگشتہ گر بلبل کے ہوتے

نہ بہکاتے اگر اغیار اُن کو ۔ تو کیا کیا عیش پھر مل جل کے ہوتے

نیم بسمل مجھے رکھنے سے تمہیں کیا حاصل ۔ ایک ہاتھ اور بھی خنجر کا لگاتے جاتے

تیور آج اور نظر آتے ہیں اُن کے ہمدم ۔ خیر کچھ چپکے ہی چپکے ہیں بڑھاتے جاتے

انداز

(انداز) حافظ نظام احمد صاحب آنداز خلف منشی نیاز احمد صاحب مرحوم تعلقدار میرپور حسن گنج آپکے دادا منشی کرم محمد خیرآبادی سمرڈیوڈ اختر لونی رزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے -

حضرت نظیر اور انور کی متحد سعی و کوشش کا نتیجہ ہے خوشنویسی میں ید طولےٰ رکھتے تھے معظمی و محترمی شمس العلما مولانا حالی نے راقم کی تحریک سے جو تقریظ انکے دیوان پر لکھی ہے قابلِ دید ہے۔ اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو

تری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا
نظر آیا جمالِ معنیٔ حسن آفریں کیا کیا

اجل ہے سر پہ تو بھی زیست کا ساماں نہیں کیا کیا
اُمیدیں رکھتی ہیں دل کو مرے اندوہگیں کیا کیا

نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا
پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا

کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے
زباں بنکر کہے دیتا ہے چاکِ آستیں کیا کیا

ترے کوچہ میں ہر ہر نقشِ پا پر سجدہ کرتا ہوں
ملاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوقِ جبیں کیا کیا

ترے آنے کی سُنکر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا
مگر سرگرم استقبال ہے جانِ حزیں کیا کیا

دو چار اس چشم سے ہوتے ہی اک چُپ لگ گئی گویا
خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا

نہ لب پہ ہو ذکر مہر و کیں کا نہ دیکھے اک نشۂ زمیں کا
وہ ضبط ہو عاشقِ حزیں کا یہ ربط ہو چشم و آستیں کا

وہ جلوہ رخسارِ آتشیں کا وہ عکسِ بر تاب اُس جبیں کا
یہ صاعقہ رختِ کفر و دیں کا چراغ و خلوتِ یقیں کا

کہیں سرِ طور جلوہ افگن کہیں در ویران سے روشن
وہاں تو ہو جائے جائے مسکن یہاں تو ٹھکانا نہیں کہیں کا

یہ طعنہ کم ہے کہ بے دہن ہو یہ شرم کیسی کہ چپکے بیٹھو
زباں کو دشنام ہی پہ کھولو دہن تو ہو نکتہ چیں کا

نظر ہے ہاں تیرے اوجِ شاں پہ فغاں ہے برپا کیا جو محشر
کہ سر پہ کوچہ ترا اُٹھا کر بنا دیا آسماں زمیں کا

جو کیجے اظہار مطلب اُن سے تو چاہیے پہلے مدح کرکے
یہ مستِ مدہوشِ حسن کیجے کہ ہوش باقی نہ ہو کہیں کا

پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت ہے شراب
میں ترے مد سے قیامت میں گنہگار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا
یہ بھی اک بے خبری تھی کہ خبردار رہا

خدنگِ نگہ دل کُشا ہو گیا
ستم قابلِ مرحبا ہو گیا

محبت میں بھی کیا سے کیا ہو گیا
ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا

بشر رہوں نہ کھاؤں تو کیونکر جیوں
غم و غصہ میری غذا ہو گیا

زمانے میں بھی انصاف پسند طبائع کو اپنے کمال کا معترف بنائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اسقدر دقت پسند اور نازک خیال ہونے کے باوجود مشاقی اور پُرگوئی کا یہ عالم تھا کہ کیسی ہی مشکل زمین کیوں ہو تعداد اشعار میں کمی نہ آتی اور ایک ایک قافیہ کو کئی کئی طرح سے ادا کرتے۔ اکثر مشاعرے میں مصرع طرح پر سہ غزلہ اور چو غزلہ کی نوبت آجاتی۔ جس بحر اور جس قافیے میں مضمون کی گنجائش ہوتی اُسی میں کو بہتر مضمون نکال کر دکھا دیتے۔ غدر سے دس برس بعد جو دلی میں مشاعرے کا سلسلہ ہوا تھا اُس کی روح رواں انہیں کہنا چاہئے۔ حضرت داغ۔ مولانا نظمیر۔ حالی۔ مجروح۔ سالک۔ عزیز۔ آشفتہ۔ مشتاق۔ اِن مشاعروں میں شریک ہوکر داد سخن دیا کرتے تھے۔ ثقات سے سُنا گیا ہے کہ اکثر تو یہی ہوا کہ انکی غزل سب پر فوق لے گئی۔ حکیم مومن خاں صاحب مومن نے خیال گوئی کی جو ایک خاص طرز ایجاد فرمائی تھی جسکا اُنکے زمانے ہی میں شہرہ ہوگیا تھا اگر اُسکے موجد مومن خاں تھے تو پورے مقلد حضرت انور۔ اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو جیسا انکی طرز کو حضرت انور نے نباہا ہے اور کسی سے نہ بن پڑا اسیطرح مرزا غالب کی استعارہ بالکنایہ کی خوش اسلوب ترکیب کی تقلید انور مرحوم کے برابر کسی سے نہیں ہوئی۔ الغرض ذوق۔ غالب۔ و مومن کے جداگانہ طرزوں کو سمو کر مرحوم نے ایک رنگِ خاص ایسا ہر دلعزیز پیدا کیا تھا جو سب کے دلوں میں نقش ہوگیا۔ حضرت انور کو افکار زمانہ نے نہایت تکلیفیں پہنچائیں۔ دستبرد غدر سے ایسے پریشان ہوئے کہ ترک وطن کرکے جے پور چلے گئے اور وہیں ۴۸ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انکے دو مکمل دیوان تلف ہوگئے۔ جنمیں سے ایک تو خاص حمد و نعت اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا مولف تذکرہ نے بڑی محنت اور مشقت سے متفرق و پریشان مسودوں سے ایک دیوان مرتب کرکے چھپوایا ہے مگر یہ اُنکے کلام کا آٹھواں حصہ بھی نہیں ہے اور اسمیں بیشتر ایسا کلام ہے جو نظر ثانی سے محروم رہا۔ یہ بھی امر قابل ذکر ہے کہ اُستاد ذوق کے مروجہ دیوان کی اشاعت میں انور مرحوم کا نام شکریہ کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ دیوان حافظ ویران

ہائے کیا کیا نہ وہ اُس گریہ پہ نازاں ہوگا
جس کی آنکھوں پہ ترا گوشۂ داماں ہوگا

تم کبھی وعدہ سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام
ہو اگر پھرنے میں میرے حلق پر خنجر خراب

تم آج ہی چل پھر کے مٹا دو نہ یہ جھگڑا
کیوں کل پہ رکھو شورشِ غوغائے قیامت

وہ دن گئے کہ سعر کو پہنچا کوئی بخیر
تم ورنہ آفتِ رہِ صد کارواں ہو آج

کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک
نہ پوچھیں گے نہ دیکھیں گے کہاں تک

دل کے کھوئے ہیں سب یہ سیم اندام
خوب ہم آزمائے بیٹھے ہیں ٭

حسن نظارہ سوز ہے پردہ
گو وہ پردہ اُٹھائے بیٹھے ہیں

تجھ سے دل کا غبار مٹ نہ سکا
اپنے کو ہم مٹائے بیٹھے ہیں

پامال اک جہاں ہے اور نقشِ پا نہیں
کھلتے ہی کچھ یہ معنئ ناز و ادا نہیں

گو سب رہا ہوئے کوئی قیدی رہا نہیں
ہوں وہ اسیرِ شوق کہ دل چھوڑتا نہیں

اپنے خدا سے وصلِ صنم مانگتا ہوں میں
ناصح نہ مر کہ تجھ سے تو کچھ مانگتا نہیں

دوزخ یہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست
گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں

دل ہم نہ دیں گے اور کے دینے کے واسطے
یہ تو نہ ہوگا اور کبھی حاشا ہوا نہیں

تکلیفِ دست و بازوئے قاتل کا فکر ہے
قاتل سے دعوئے دیت و خوں بہا نہیں

بسم اللہ کہہ کے کود پڑوں بحرِ عشق میں
کشتئ و ناخدا نہ سہی کیا خدا نہیں

قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں
وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

جور پر جور جفا پر وہ جفا کرتے ہیں
اس پہ بھولے ہیں کہ ہم یاد کیا کرتے ہیں

موت کیا چیز ہے ہنگامِ قلق ہم دل پر
جان کو صدقے پہ نے دفع بلا کرتے ہیں

کچھ کچھ وہ چھیڑ لطف کی کم کم عتاب میں
جی ہے امید و یاس سے کس کس عذاب میں

دریائے جرم ہو تو بہا دے ہوائے عفو
تردامنی مری ہے وہاں کس حساب میں

دیکھے گا جو رہے گا زمانے کے انقلاب
مرتا ہوں اُس نگاہ کے اک انقلاب میں

شبِ غم میں کس کس کی ہوتی تمام
محبت یہاں جس قدر بڑھ گئی

جو دلِ من گیا دم خفا ہو گیا
وہ آشنا ہی نا آشنا ہو گیا

دیکھا جو بعدِ مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا
بدلے فنا کے ملکِ بقا کچھ گراں نہ تھا

کیسی حیا کہاں کی وفا پاسِ خلق کیا
ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا

کھا اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد
سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا

حسنِ جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وہ تھے
میں بے نشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا

مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیرِ یار
آرام جان تھا کوئی آزارِ جاں نہ تھا

خالی درِ اُن کا پایا تو دل وہم سے رُکا
تھا پاسباں میں آپ جو واں پاسباں نہ تھا

کوئی اک گردش تو ہو ایسی بھی ہاں اے چشمِ یار
شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمار کا

لے جلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اٹھائے میکشو
پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمار کا

جان سننے والوں کی واعظ لبوں پر آ گئی
واہ کیا کہنا ہے حضرت آپ کی گفتار کا

ملتی ہے آخر کو کچھ کیفیتِ سوز و گداز
صاعقہ حصہ ہے پہلا طالبِ دیدار کا

اللہ رے فرطِ شوق اسیری کہ شوق میں
پھروں اُٹھا اُٹھا کے سلاسل کو دیکھنا

تقلیدِ خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر
مٹ مٹ کے ہم نے سیکھا اندازِ نقشِ پا کا

ہے انا الحق سرا پہ کیوں بیداد
گر نہیں ہے رواج باطل کا

جزو ذاتِ حبیب ہے عاشق
نام دریا ہے نام ساحل کا

غرق واں ہوں جہاں لگاؤ نہیں
کشتی و بادبان و ساحل کا

کچھ تو ہو مزدِ رنجشِ بازو
کچھ تماشا تو دیکھ بسمل کا

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ
ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

مسیحا کر دم مرتے ہیں تم پر
خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا

بلائے درد کو دل پر خوشی خوشی لیجے
بڑا گناہ ہے الفت میں دل چرانے کا

دل میں بحرِ الفتِ ساقی ہے انور موج زن
بلیں گے تم سے یہ کیونکر گماں ہو
کیا مٹائیں گے ہم اُسکے دل سے نقشِ یادِ غیر
غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ جانا لکھ دیا
کاوشوں ہی کاوشوں سے سر بسر لبریز ہے
اور رجزم رہزنی پر ہو سزا انجیر کو
نام زورِ بازوئے فرہاد اُسی ہی تو ہے
پاس کیوں ہو غمِ فرقت کی وفا سے مجھ کو
میں گنہ کرکے گنہگار تمہارا ٹھہرا
جو رسہہ کے یہ خوش خوش ہوں کہ محشر میں مگر
ہے ستم تو مگر اک لطف سے دیکھے گیا ہو
بندۂ محرم و ہیا رو اسیر اُسکا ہوں
آیا ہے میرے مرنے کی سُنکر وہ بدگماں
اے جانِ زار کچھ تو رہے پاس ہمدمی
بھولے ہیں کس خیال پہ زاہد دو پارسا
تیرے ستم سے مجھکو ملا منصبِ کلیم
مے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب
لیلیٰ کا نام زندہ ہے اب تک جہاں میں
کچھ جو عزت ہے تو پھر کوچے میں اسکے ہے کہو

جانتا ہوں ایک قطرہ کو ترو تسنیم کو
گماں جس جا نہ پہونچے تم وہاں ہو
جب مٹا سکتے نہیں اپنے خطِ تقدیر کو
داد رہی سب کیا کہوں میں کاتبِ تقدیر کو
دل سے لایا ہے مگر فرہاد ہوئے شیر کو
دل مرا اُڑا کر لپٹ جاتا ہے اُسکے تیر کو
شمعِ بزمِ خود نمائی کیجئے جوئے شیر کو
اور رکھا آس ہے بندے سے ندامت مجھ کو
نسبتِ خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھ کو
بخشوائیں گے بخشا کار خدا سے مجھ کو
اُس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو
کچھ تعلق سے تعلق ہیں خدا سے مجھ کو
کوئی لپیٹ دو مجھے زندہ کفن کے ساتھ
لب تک تو آ وصالِ صنم کی دعا کے ساتھ
رشتہ نہیں ہے داورِ روزِ جزا کے ساتھ
اک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ
بندوں کے ناز بھی ہیں نرالے خدا کے ساتھ
تم بھی نبھا دو کسی اہلِ وفا کے ساتھ
دو قدم آن کے لیجاتی ہے توقیر کے ساتھ

کچھ تو مل جائے لبِ شیریں سے
دل میں یاں آکے نکلنا کیسا

زہر کھانے کی اجازت ہی سہی
اے وہ ارمانِ شہادت ہی سہی

کیا غم درازدستیٔ تارِ سعیر کا
دامن کو لیچلا ہوں بھگو کر شراب میں

ساقی نہ پوچھ داروئے افسردہ خاطری
آتش ملا دی آب کے بدلے شراب میں

خونفشانی مری داخل مرے نقصاں میں نہیں
اب تو دامن میں ہے وہ کچھ جو بدخشاں میں نہیں

مجھ سا دیوانہ وہشیار ہو امکاں میں نہیں
خاک اُڑاتا ہوں مگر کوچۂ جاناں میں نہیں

حوصلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے
کچھ سماتا نظرِ صاحبِ عرفاں میں نہیں

جو کہے سچ ہے نہ منے پی نہ کہیں دل اٹکا
گفتگو کچھ سخنِ ناصحِ ناداں میں نہیں

ہے تذبذب کہ انہیں دیکھ کے کچھ کہہ نہ اُٹھوں
گرچہ اب تک کوئی لغزش میرے ایماں میں نہیں

مگر زاہد اُڑے گا اب پری پیکر پرستاں میں
اُڑا دی آدمیت سب ہوائے باغ رضواں میں

نہیں انجم یہ رو رو کر کسی کے یادِ دنداں میں
بھرے ہیں ہم نے موتی دامنِ شب ہائے ہجراں میں

ہر اک جانب سے نقشِ عن المطلوب عکس آرا
دل اک آئینہ خانہ ہے تجلی گاہِ عرفاں میں

طریقِ راستی مجھکو ملا برگشتہ راہی سے
خدا یاد آگیا یادِ بتِ برگشتہ مژگاں میں

جُدا اک دم گریباں سے نہیں ہوتا نہیں ہوتا
جنوں نے ہاتھ میرا بھی دیا شاید گریباں میں

میرا اور اُس بتِ مخمور کا ہے ایک سا عالم
جو واں لغزش قدم میں ہے تو یاں ہے پائے ایماں میں

وہ چشم مدعا بیں سکندر پہ ہوئی پردہ
اڑائی خاک جتنی جستجوئے آبِ حیواں میں

بڑھے ہے جو شوق کے ہاتھوں وہ ناکامی سے ہٹ آئے
قدم اک کشمکش میں پڑ گئے ہیں کوئے جاناں میں

ثباتِ سرمدی ہے خاک راہِ یار میں ہونا
کیا ہے سعی کو مٹی تلاشِ آبِ حیواں میں

ہوا یاں اک نظارہ سے کلیمِ طور کا عالم
سمائی ہے تجلی کس طرح اُس روئے تاباں میں

نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی
چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزمِ رنداں میں

ٹیڑھی ترچھی کوئی پڑ جائے تو دیکھے واعظ
اور یوں کہنے کو تو برقِ نظر کچھ بھی نہیں

جب تواضع سے جھکے خجلت سے دشمن کٹ گیا
تیغ کا غم جانتے ہیں ہم خمِ تسلیم کو

دو اِدھر سے آ لگے اور چار اُدھر سے دو اچھا
بن پڑے گی کیا تمہیں روز امید و بیم کو

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہو گیا	جان الجھی ہے نفس کے تار سے
قہر ہیں مستی میں وہ انگڑائیاں	خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے
جمع اپنا خرمنِ دل جب ہوا	بجلیاں ٹوٹیں نگاہِ یار سے
خدا کی بے نیازی مانتا ہوں	ذرا پرستش نہیں نازِ بتاں کی
چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہو کر	طبیعت آگئی ایسی کہاں کی
کیا اسکی ہے خوشی کہ وہ رخ بے نقاب ہے	اک یہ ہے ساتھ چشمِ جہاں کامیاب ہے
جاں بخش ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں	پھر کہئے کہ اُن پر کوئی کس بات پہ مر جائے
یہ خوشی کم ہے کہ ہم اُس بزم میں	اک طرف بیٹھے تو ہیں ناشاد سے
اسعد محوِ تحیر ہوں کہ میں	مل گیا تم میں تمہاری یاد سے
دل میں کیوں کھٹکا رہائی کا رہے	مول لے لیجے قفس صیاد سے

(انور) حافظ حکیم سید انوار احمد صاحب انور دہلوی۔ خلف حافظ سید خیر الدین احمد۔ خلف سید محمد باقر۔ قوم سے صحیح النسب سید اور دہلی کے رہنے والے تھے شاہانِ مغلیہ انکے اسلافِ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ بہادر شاہ ثانی سید خیر الدین احمد صاحب کو اپنی طرف سے شاہ سلیمان چشتی صاحب سجادہ تونسہ شریف کی خدمت میں مع نذرانہ بھیجا کرتے تھے حکیم صاحب موصوف کے بڑے بھائی حکیم سید نیاز احمد مرحوم شاگرد رشید حکیم احسن اللہ خاں صاحب طبیب شاہی ریاست پٹیالہ میں بزمرۂ اطبا ملازم تھے حضرت انور طب میں اپنے برادر مرحوم کے شاگرد تھے۔ اور فن ڈاکٹری میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحان زبدۃ الحکما کے سند یافتہ تھے علم رمل اور نجوم میں بھی اچھا دخل تھا۔ نہایت ذکی اور خوش خلق تھے۔ تشخیص مرض کے علاوہ شافی مطلق نے ہاتھ میں شفا بھی عطا کی تھی شروع میں چند غزلیں حافظ غلام رسول ویراں کو دکھائیں پھر حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا کئی برس حیدرآباد دکن میں نواب لائق الدولہ غالب جنگ کی سرکار میں بصیغۂ طبابت ملازم رہے۔ مگر گردشِ قسمت نے کہیں زیادہ ٹکنے نہ دیا۔

تیرے کشتوں کا روزِ حشر حساب
بے طرح پڑتی ہے نظر اُن کی

غیرتِ او فتنہ گر نہیں آتی
خیر دل کی نظر نہیں آتی

برگ برگ سبزہ قدرت سے تیرے معمور ہے
جس زباں پر دیکھتا ہوں نغمۂ منصور ہے

اور کچھ دنیا سے کھنچ جا اور بڑھ جائے سوئے حق
تیر جتنا کھنچ گیا چلّہ میں اُتنا دور ہے

نیک ہوں یا بد ہوں تمھارا ہوں تمھیں کو پاس ہے
تم نے لکھا ہے مری قسمت میں جو مسطور ہے

ربط بڑھ جائے تو حسن و عشق کی ہے شان ایک
جو نفس ہے سینۂ عاشق میں شمعِ طور ہے

کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اُس پر کہ جس سے قہر کوسوں دور ہے

وہ گناہ کرتا ہوں اب جی کھول کر جو رہ گئے
جانتا ہوں خیر مجھ سے قہر تجھ سے دور ہے

جو اُٹھا پردہ نظر سے واں حجابِ رد ہوا
جتنی یاں آنکھیں کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے

ہو فنا پر منحصر دیدار جیتا رہے
واقعئ عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہے واں رنگ کیا
کیا زباں بندی تمھاری بزم کا دستور ہے

اس مقامِ لاتعین پر وصول انور کہاں
آ کے منزل پر جہاں سمجھے کہ دلی دور ہے

تیرے جلوے دمِ خلوت جو نمودار ہوئے
حیرت آگیں مرے گھر کے در و دیوار ہوئے

صلح کل مشرب و مذہب ہے تو کیا دشمن و دوست
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے

کمبخت کوئی دم تو رہے گا نظر سے دور
خوش ہوں جو اُن کے در پہ عدو پاسباں رہے

مٹی خراب ہے تیرے کوچہ میں ورنہ ہم
اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے

مرتے ہیں تڑپتے ہیں تری یاد میں ہر دم
بیکار کسی دم کو بھی جانے نہیں دیتے

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

ہیں اس برہم مزاجی کے تصدق
اُلجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

کہاں کی دل لگی کیسی محبت
مجھے اک لاگ ہے جانِ حزیں سے

ادھر لاؤ ذرا دستِ حنائی
پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

شاید اے بلبلِ شیدا یہ تری تاک میں ہے
آج گلشن سے جو ہٹتا نہیں صیاد کہیں

پاس سے دیکھا جب - وہ کہنے لگے
دل میں کیا ہے بتائیے تو سہی

(انور) منشی گل محمد انور۔ بنگلور کے رہنے والے ہیں گاہے گاہے حضرت داغ کو کلام دکھایا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کیا تھا ناز جس قاتل نے خنجر کی روانی پر
ہوا ہے آج وہ حیراں ہماری سخت جانی پر

کہاں سنتے ہیں اے ناصح تری عشق و محبت میں
وہی کرتے ہیں ہم آتا ہے جو اپنی طبیعت میں

یہ وہ منزل ہے اس میں فکر کی بھی عقل حیراں ہے
قدم رکھو سنبھل کر حضرتِ دل راہِ الفت میں

دو رنگی کا سبق مجکو پڑھایا ہے زمانہ نے
کبھی میری محبت میں کبھی میری عداوت میں

(انور) مولوی نور محمد مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی شاگرد مولانا نظامی اصلی وطن غازیپور ہے مگر یہ خود عرصہ سے بمبئی میں رہتے ہیں - ۲۵ - ۲۶ - برس کی عمر اور یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

کچھ اشارہ ابرو اور چتوں میں ہو کر رہ گیا
رہ گئی شمشیر اُٹھ کر کھنچ کے خنجر رہ گیا

ناتوانی اور وہ بھی عشق کے بیمار کی
ہے گماں مجھ پر اُبھر کے تابِ بستر رہ گیا

دل سے تھی ساری خوشی یہ بتائیے غم ہوا
عشق کا سب کارخانہ درہم و برہم ہوا

آشنا تیرا ہوا بیگانہ ساری خلق سے
تجھ سے جو محرم ہوا عالم سے نامحرم ہوا

یہ ہمارا ہی جگر ہے لے دیئے دیتے ہیں دل
اب تو راضی اب تو خوش اے گیسوئے برہم ہوا

حاصل اُس در پہ اگر ناصیہ سائی ہوتی
دُور قسمت کی مرے ساری بُرائی ہوتی

حکمتیں ترکِ محبت کی سمجھائیں ناصح
وصل کی بھی کوئی تدبیر بتائی ہوتی

(انور) منشی سید نور الحسن بلگرام ضلع ہردوئی اصلی وطن ہے۔ حضرت امیر مینائی کے شاگردوں میں ہیں - ۳۵ - ۳۶ - برس کی عمر اور بہ سلسلہ روزگار دکن میں اقامت ہے۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

پھریں آنکھیں جو وقتِ نزع میری تکنے وہ لگے
کہو اب بے وفا ہم ہیں کہ صاحب بے وفا تم ہو

ناصح بھی دم بخود ہیں ہر ایک ہمنشیں خموش
میں آپ میں نہیں کوئی سمجھائے کیا مجھے

آخر ۱۳۲۲ھ ہجری میں اپنے وطن آبائی دہلی میں انتقال فرمایا- چند اشعار انتخاباً درج ہوتے ہیں ؎

حسرتوں سے دم نکلنے میں جو دشواری ہوئی
موت میری دیکھ کر اُن کو بھی سکتا ہو گیا

دورِ آخر ہے پلا دے پھر کہاں بزمِ طرب
تیرے ہی دم سے ہے ساقی گردشِ پیمانہ آج

شیخ صاحب کل تو میرے حال پر تھے طعنہ زن
شمع رُو سے لو لگا کے خود بنے پروانہ آج

ناتواں ہوں ہیں بہت جذبۂ دلدار کھینچ
مجھ میں کیا باقی ہے اب حسرتِ دیدار کھینچ

اب تک ہے انتظار کسی کے خرام کا
اُٹھ بیٹھتے ہیں قبر میں آوازِ پا سے ہم

تمہارے کشتۂ بیداد کو مسیحا نے
ہزار بار جلایا مگر جیا ہی نہیں

مجھے کیا کام ہے دیر و حرم سے
مری آنکھوں میں ہے صورت صنم کی

انور

(انور) سید انور علی انور- نبیرۂ مولوی امجد مقیم بھوپال- حضرت داغ دہلوی سے ارادت رکھتے ہیں- اور شعر خاص کہہ لیتے ہیں- یہ کلام کا نمونہ ہے ؎

دیکھتے کسکو ہو کچھ ہوش سنبھالو اپنے
کیا سمائی ہے یہ اے حضرتِ موسیٰ دل میں

اس دل کو تیری زلف کا سودا جو نہ ہوتا
کاہے کو میں جیتا شبِ فرقت کی بلا میں

کٹتی ہے ترے ہجر میں یوں اپنی شب و روز
دن نالہ و فریاد میں شب آہ و بکا میں

اندھیری رات میں اے مہ لقا تم
یہ بن ٹھن کر کہاں جاتے ہو گھر سے

تمنا حور کی کرتے ہیں حضرت
کوئی صورت تو دیکھے شیخ جی کی

کہیں دور ہو ہجر کا غم الٰہی
کہیں جان لے دردِ فرقت ہماری

انور

(انور) منشی محمد انور لکھنوی- خوشنویس و مصلح سنگ- کلکتے کے امیر الاخبار کے مطبع میں کتابت کرتے تھے- دو تین سال ہوئے دہلی میں انتقال کیا- حضرت داغ کے شاگردوں میں تھے- کلام ہدیۂ احباب ہے ؎

شرارت سے شبِ وصلت میں وہ کہتے ہیں کیوں انور
اگر ہم آج بھی فرقت میں تڑپاتے تو کیا ہوتا

نازِ ہر گام پہ شیریں سے یہی کہتا تھا
نہ بھرے پاؤں ہیں خونِ سرِ فرہاد کہیں

التیام سے متاثر نہیں - افسوس بلکہ ہزار افسوس کہ موجودہ زمانے کے اہل قلم نے اب تک ایسے نامور اور فخر روزگار شاعر کی سوانح عمری مرتب کرنے میں کوتہ قلمی کی اور سب سے زیادہ تعجب انگیز اور افسوسناک یہ بات ہے کہ خاص میر صاحب کے لائق اور قابل اعزا بجائے اسکے کہ خود اس کام کا بیڑا اُٹھاتے دیگر محبانِ فن کو اپنی معلومات سے مستفید کرنے میں بخل فرماتے ہیں - پروفیسر آزاد نے آب حیات میں اُنکا حال لکھتے وقت ہر طرح کوشش کی مگر افسوس کہ وہ بھی کماحقہ کامیاب نہ ہوئے پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے لکھ دیا آج وہی غنیمت ہے سچ ہے جب اعزا و متوسلین ہی توجہ نہ کریں تو مورخ کیا کر سکتا ہے - ہم بھی اسی مجبوری میں گرفتار ہیں مختصراً جو حالات معلوم ہوئے یہ ہیں کہ میر انیس نے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی اور ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سے پڑھیں - شاعری تو انکی خاندانی میراث تھی جسطرح بعض بہادر ماں کے پیٹ ہی سے ولی کہلاتے ہیں اسیطرح نیچر نے انہیں شاعر بنایا تھا - اول اول غزل گوئی کی طرف مائل ہوئے چند ہی غزلیں کہی تھیں کہ باپ کو خبر ہوئی - اگرچہ دل میں انکی طباعی دیکھ کر خوش ہوئے اور شوق کو روکنا بیجا تھا مگر ایک مرتبہ غزل سُنکر فرمایا کہ میاں اس غزل کو سلام کرو اور اُس میدان میں توسنِ طبع کی جولانیاں دکھاؤ جس میں دنیا و دین دونو حاصل ہوں - چنانچہ اس فہمائش کو تازیانۂ ہدایت سمجھ کر مرثیہ گوئی کے میدان میں شبدیز فکر کی باگ موڑ دی - پھر ساری عمر اسی سرمایۂ آخرت کے جمع کرنے میں صرف کر دی اور اس ہی کو توشۂ آخرت سمجھ کر ساتھ لیگئے اپنے والد ماجد کی حیات تک جو کچھ کہا اُنہیں دکھایا - اُنکی وفات کے بعد لطبع خود کہنے لگے - انکے صفائی کلام - سلاست - حسن بیان - لطف محاورہ روزمرۂ اہل زبان - سوز و گداز محتاج بیان نہیں - جس طرح یار لوگوں کا شیوہ ہے کہ باکمالوں میں خواہ مخواہ نقیض کرا دیتے ہیں اسیطرح ابنائے زمانہ نے مرزا دبیر مرحوم میں ان کا مد مقابل پیدا کر دیا یہ معرکہ آرائیاں جنکی تشریح و تفصیل باعث طوالت ہے جب تک یہ دونو بزرگوار زندہ رہے برابر ہوتی رہیں - ان کا ایک مفید اور بدیہی اثر یہ ضرور ہوا کہ لکھنؤ کے عالی حوصلہ اور قدردان امیر انعام و اکرام کی امید

ہوتا ہے جو لکھا ہے مقدر میں نیک و بد
شکوہ ہے دوست کا نہ عدو کا گلہ مجھے

یہ کیسی تہمت ہے مجھ سے پاک دامن پر
جناب شیخ تمہارا خیال کیسا ہے

اگر خیال ہے کچھ آ کے دیکھ جاؤ خود
عبث ہو پوچھتے غیروں سے حال کیسا ہے

انور

(انورؔ) مرزا علی حسین لکھنوی مقیم کلکتہ سید علیجان تخلص مصاحب سلطان عالم کے شاگرد اور ریختہ میں اسطرح فکر کرتے تھے ؎

وعدہ تو کر دیا پہ خیالِ وفا بھی ہے
دینے کو کہتے ہیں کوئی بوسہ دیا بھی ہے

کیوں مفت اپنی جاں تمہارے لئے گنوائیں
نقصان کے سوا ہیں کچھ فائدہ بھی ہے

کیا پوچھتے ہو قیمتِ دل کا معاملہ
تم سے بھلا کبھی کوئی سودا بنا بھی ہے

انیس

(انیسؔ) امیر الدولہ نوازش خاں شاہجہاں آبادی۔ شاہ نواز خاں مختار کا حضرت شاہ عالم ثانی کے حقیقی بھانجے اور خود بھی سرکار شاہی میں خدمات شائستہ سے مشرف اور فنِ سخن میں فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ تذکرہ گلشن بیخار کی ترتیب کے وقت ان کی ضعیفی کا عالم تھا۔ شعر و سخن سے عشق تھا چنانچہ اپنے گھر پر مجلس مشاعرہ بھی منعقد کیا کرتے تھے۔ اشعار ذیل انکی طبیعت کا نتیجہ ہیں ؎

دردِ دل سوزِ جگر۔ کاہشِ تن کاوشِ جاں
حضرتِ عشق نے کیا کیا مجھے انعام کیا

پر کالۂ آفت تھا وہ رخسار انیسؔ آہ
چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا

کشتی سے اپنی چرخ نے در رہ کہ تا
رکتے سرشکِ دیدۂ طوفاں فشاں نہیں

جب تک نہ دم سرد بھروں دل کو نہ چین
کیا نیند بھلا آوے جو ٹھنڈی نہ ہوا ہو

آہ یہ کس کی یادگاری ہے
آج جو دل کو بے قراری ہے

انیس

(انیسؔ) سلطان الفصحا میر ببر علی خلف الرشید میر مستحسن خلیق خلف جناب میر حسن دہلوی صاحب مثنوی سحر البیاں۔ اردو علم ادب کا ایسا کونسا شائق ہے جو اس نامور اہل کمال استادِ فن سے واقف نہیں۔ اور وہ کونسا دل ہے جو اس ادیبِ کامل کے کلام فصاحت

انکے مصائب پر نوحہ خوانی اور مجالسِ ماتم میں گرمی پیدا کرنے کے لئے کاروانِ کربلا کے واقعات نظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس بحث پر جسقدر سرمایہ اُسوقت تک موجود تھا ناکافی معلوم ہوا۔ اسطرح ہمارے شعرا کو میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچنے کا موقع ملا تھوڑے ہی عرصہ میں چند ماہرانِ فن نے اسطرح توجہ کرکے جوہر شناسوں کے لئے لعل و جوہر کے بیش بہا انبار لگا دیئے اور اس صنفِ سخن میں وہ وہ صناعیاں اور نازک خیالیاں صرف کیں اور اپنے زورِ طبع سے شستگی زبان اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ تشبیہوں اور استعاروں کے وہ ناپیدا کنار دریا بہا دیے کہ یورپ اور ایشیا کے کل شاعروں نے ازمنۂ مظلمہ کے انتہائی کنارے سے اسوقت تک میدانِ جنگ کی پرشور و ہیبت انگیز تصویر دکھانے یا قتل و خونریزی کا قیامت خیز نمونہ پیش کرنے یا شجاعت و جوانمردی یا سفاکی و بیرحمی کا نقشہ اتارنے میں برسوں خونِ جگر کھا کر جو کچھ رطب و یابس لکھا تھا انہوں نے چند سال میں گرد باد کرکے ایک طرف فردوسی اور نظامی کا بازار سرد کر دیا اور دوسری جانب ہومر و ملٹن کو صرف اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے کے قابل رہنے دیا۔"

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مرثیہ گوئی وہ صنفِ شاعری ہے جسمیں تمام اصنافِ سخن نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے بیان ہو سکتے ہیں۔ میر انیس مرحوم نے جو اس صنفِ شاعری کو معراجِ کمال پر پہنچانے میں حصہ لیا وہ محتاجِ تشریح نہیں۔ غرضکہ فصاحت۔ بلاغت۔ شستگی زبان۔ خوش اسلوبی و مناسبت تشبیہات۔ خیالات کی متانت بیان کی سنجیدگی نفیس بندشوں اور جذبات انسانی سے کامل واقفیت اور عمدہ منظروں کی دلچسپ اور پُر اثر الفاظ میں تصویر کھینچنے کی وجہ سے میر صاحب کو نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے مشہور شعرا میں درجۂ امتیاز حاصل ہے اور کیوں نہ آخر کس سحر البیان دادا کے پوتے اور کس معجز نشان باپ کے بیٹے تھے۔ اُردو زبان انکی خانہ زاد کنیز اور فصاحت بیان ایک ادنیٰ پرستار بلکہ پرستار زادی تھی۔ اللہ اللہ کیا سحر بیانی تھی کہ جسکے سامنے فصحا و بلغاء سلف کی توصیف ایک پارینہ کہانی تھی

ولا کر دو غیاکمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے جس سے ان کا کلام روز بروز منجھتا اور جلا پاتا چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونو صاحبوں نے اپنی اپنی قادرالکلام طبیعت کے زور سے ایجادِ مضامین کے دریا بہا دیے اور ایک محدود اور محض مذہبی مضمون کو سینکڑوں نئے دلنشین رنگوں میں اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ مرثیہ گوئی کو ایک جداگانہ علم بنا دیا۔ رزم۔ بزم۔ صبح شام۔ غرض جس چیز کو لیا اسی میں اپنے انتہائے کمال کو دکھا دیا۔ مجتہد العصر جناب مفتی سید محمد عباس لکھنوی کا قول دربارہ موزانہ کلام میر انیس اور مرزا دبیر قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "کلام مرزا دبیر دقیق و نگین است و کلام میر انیس فصیح و شیریں و بوجہ اختلاف ہر دو ذائقہ و ہر دو مزہ محل ترجیح باقی نماندہ زیرا کہ بعض مردم شیرینی را پسند مے کنند و بعض نمکیں را۔" اگر شاعری کے اصلی موضوع پر نظر ڈال کر غور سے دیکھا جائے تو غالباً کسی صاحب فہم کو اس امر کے ماننے میں تامل نہ ہوگا کہ میر انیس مرحوم صرف مرثیہ گویوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اُردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست فن سخن کے مسلّم الثبوت اور قادرالکلام اُستاد۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میر انیس صرف مرثیہ گو تھے دیگر اصنافِ سخن سے آپ کو تعلق نہ تھا اور کسی کا یہ عامیانہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں ہو جاتا ہے ہمیں اس خیال سے مطلق اتفاق نہیں۔ اُنکے مرثیوں اور سلاموں کو دیکھیے۔ کیا چیز اُن میں نہیں ہے۔ رباعیوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ اُنکی عمدگی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوگا کہ صدہا ضرب المثل کیطرح زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ہمارے خیال میں تو جملہ اصنافِ سخن میں سے مرثیہ گوئی ہی ایک ایسی دقیق۔ جامع اور مشکل چیز ہے جس پر قدرت رکھنے والا تمام اصناف سخن پر قادر ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے۔

اس مبحث میں منشی امیر احمد صاحب بی اے کا قول قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں "یہ نظم اُردو کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ نہایت سرعت سے عروج و کمال کے مدارج طے کر رہی تھی۔ لکھنؤ میں ایک خودمختار حکومت قائم ہو گئی جسکے مذہبی اثر تے اظہار محبت اہلبیت کے ساتھ ساتھ

میر انیس و میر مونس کا قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر خلوت میں بیٹھتے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔۔ وضع حرکات سکنات اور بات بات کو دیکھتے تھے اور آپ ہی اُسکی موزونی و ناموزونی کو اصلاح دیتے تھے۔ بقول ذوق ؎

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر		ہنروراپنے ہی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں

میر صاحب کی ذات توکل۔ استغنا۔ خودداری اور زہد و پرہیزگاری کا ایک قابل تقلید نمونہ تھی میر صاحب اور مرزا صاحب کے تلامذہ او رمعتقدین کی باہمی تکراروں اور مناقشوں کی کیفیت باعث طول کلام سمجھ کر ہم نظرانداز کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض اصحاب تعصب و سخن پروری کے جوش میں حد اعتدال سے متجاوز ہو کر قابل شرم و افسوس حرکات کیا کرتے تھے۔ اور طرفہ تر مزا یہ ہے کہ ثقات اسطح بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ میرزا دبیر مرحوم کو میر صاحب مغفور کی ذات سے ایک خاص عقیدت و الفت تھی۔ اور ہمیشہ اُن کا حد درجہ ادب و احترام فرمایا کرتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو ان ناگوار مباحثوں سے محترز رہنے کی فہمایش کیا کرتے تھے۔ ایک اور امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باوجود حیرت انگیز قادر الکلامی و خوش گوئی کے بعید پُرگو تھے بے تعداد مرثیہ و سلام و رباعیات عجیب و غریب صنعتوں اور باریکیوں سے مملو و مرصع آپ سے یادگار ہیں۔ عاشقانہ دیوان کے علاوہ سنا گیا ہے کہ جو ضخیم جلدیں مراثی کی جو شائع ہوئی ہیں فی الحقیقت آپکی تصانیف کا عشر عشیر ہیں۔ اور بیشتر حصۂ کلام ہنوز قلمی مسودوں کی صورت میں اُنکی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ میر صاحب کی سال ولادت کا پتہ نہ چلا البتہ یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۷۴ برس کی عمر پاکر آپ نے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ اور عجب اتفاق ہے کہ جسطرح زندگی میں ساتھ رہے اُسیطرح موت میں بھی مرزا دبیر نے ان کا ساتھ دیا چنانچہ چند ہی ماہ بعد ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ کو اُنھوں نے بھی عالم قدس کی راہ لی۔ منشی محمد میرزا جان محمود نے تاریخ لکھی ؎

غم انیس میں سب ہے۔ دیا دبیر کا غم ۱۲۹۱ھ ۱۲۹۲ھ	میر صاحب نے تین صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے

مرثیہ گوئی کو ایسے معراج کمال پر پہنچا گئے کہ اُسے ایک جداگانہ علم بنا دیا رزم کے بیان سے رستم دلوں کو ہلا دیا بزم کے ذکر سے شاہی درباروں کو شرما دیا۔ فطرت نے وہ بلا کی ذہانت و ذکاوت عطا کی تھی کہ بات میں بات نکالتے تھے۔ جس محاورہ کو جا باندھ کر چار چاند لگا دیئے ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو لطف زبان کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں وہ آج تک انیس کو روتے ہیں اور ہمیشہ روتے رہیں گے۔

ایک اور امر بھی میر صاحب مرحوم کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ کہ گو میر صاحب تمام لکھنؤ میں رہے مگر اپنی خاندانی دہلوی زبان کے تحفظ کے لئے ہمیشہ غیر معمولی کاوشیں فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ لوگوں نے میر صاحب سے خاص خاص محاورات مستعملہ میر صاحب کی نسبت استفسار کیا تو آپ نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ "اہل لکھنؤ کا یہ محاورہ نہیں ہے بلکہ وہ اسطرح بولتے ہیں اور فقیر کے گھرانے میں اسطرح بولا جاتا ہے" گویا جمہور لکھنؤ سے ہمیشہ اپنے آپ کو علیحدہ تصور فرمایا کرتے تھے۔

جب تک لکھنؤ آباد رہا (یعنی سلطنت قائم رہی) اسوقت تک جب کسی اور شہر میں جانے کا ذکر ہوتا تو میر صاحب یہی کہتے کہ اس کلام کو اس شہر کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اسکی کیا قدر جانے گا۔ اور ہماری زبان کے لطف کو کیا سمجھے گا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد ۱۸۵۹ء میں میر صاحب کے قدم لکھنؤ سے اُٹھے اور اول اول نواب قاسم علیخاں کے اصرار سے عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں کی محفل عزا کی رونق بڑھائی۔ پھر ایک مرتبہ ۱۸۷۱ء میں سید شریف حسین خاں صاحب کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے اصرار سے حیدرآباد گئے۔ ان ہر دو مقامات میں آپکا نہایت خلوص و عقیدت سے خیر مقدم کیا گیا۔ سامعین اور مشتاقوں کی مجلسوں میں یہ کثرت ہوتی تھی کہ صدہا مشتاق بار نہ پاتے تھے۔ جسطرح میر صاحب کا کلام لاجواب ہے اسیطرح ان کا پڑھنا بھی بے مثل تھا۔ انکی آواز۔ قد و قامت۔ صورت کا انداز غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ انکا اور انکے بھائیوں

صبح

پھاڑا جو گریبان شب آفت کی سحر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
تابان جو رخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا
پھیلا ہوا تھا نور بھرا عرش سما میں
چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہانتاب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
وہ سرد ہوا صبح کی اور نور کا عالم +
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم
چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دمبدم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ بادِ سحر کا وہ بار بار +
واں تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
وہ گُل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں

پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
گردوں سے سفر فوجِ کواکب لگی کرنے
ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہوا تھا
معروف تھی سب خلقِ خدا یادِ خدا میں
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئے بے آب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
پروانوں سے رخصت تھی چراغِ سحری کی
اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کی وہ باہم
اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم +
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بیشمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے
پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری
بلبل نے بھی سونگھا نہ جن پھولوں کی بو کو
قطرہ کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں

(۱) میر خورشید علی صاحب نفیس - (۲) میر سلیس - (۳) میر رئیس - جنمیں سے اول الذکر بحیثیت کمال آبائی فی الحقیقت خلف ارشد کہلانے کے مستحق اور باعث فخر و نازش خاندان تھے - ہنگام قیام لکھنؤ میں مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب بیرسٹر کی معیت میں میر انیس و میر نفیس کے مسکن قدیم اور خاندانی قبرستان دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا -

اب ہم انکے ذکر خیر کو ختم کرتے اور انکے جواہر منظوم کے بحر ناپیدا کنار سے تھوڑے سے موتی اس کاغذ کی کشتی میں رکھکر ناظرین کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں ؏

راحت کا مزا عدو سے جانی نکلا	رباعی	دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیس		نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا
بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا	رباعی	ظل علم صاحب معراج ملا
ممبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم		اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا
قریب قبر ہم آئے کہاں [illegible] پھر کر		تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
کچھ خلق کی میزان میں تولا نہ گیا	رباعی	چپ ہو گئے اسطرح کہ بولا نہ گیا
عقدے [illegible] ہوئے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
سمجھتا ہوں سبب نافہ ترے آنسو نکلنے کا	قطعہ	دھنواں آنکھوں میں لگتا ہے کسیکے دل کے جلنے کا
مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا		زمیں الٹ گئی گیا منقلب زمانہ ہوا
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر		جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
مضمون انیس کا نہ چربا اترا	رباعی	اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشہ اترا
نقاش نے کسطرح کی خفت کھینچی		تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرہ اترا
یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر	[illegible]	اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا سیدا ہے توجہ کوئی دم کر		گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے		اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

ایک کشکولِ توکّل ایک نفتجاں ہے پاس		ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں
جو غنی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ		اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں
یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف		بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں
گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن		جسطرح رشتۂ گلدستہ میں گلہائے چمن
کس جسم پہ بل کروں کہ شہ زور ہوں میں	رباعی	دیکھو کہ ضعیف صورتِ مور ہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گردِ بازارِ کساد		ہوتا ہے یقیں کہ زندہ در گور ہوں میں
رونے سے جو بند ہوں گی آنکھیں	رباعی	خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ		کھل جائے گا سب جو بند ہوں گی آنکھیں
ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں	رباعی	حاسد جو بُرا کہتے ہیں چپ رہتے ہیں
جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک		جو بد ہیں وہ نیکوں کو بُرا کہتے ہیں
مشکل ہو سنگل سفر ہوگا مرا		وہ نہیں ہیں جو کسی پر بار ہوں
نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں	رباعی	دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں ہر رنگ		کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں
کس مُنہ سے کہوں لائقِ تحسیں میں ہوں	رباعی	کیا لطف جو گل کہے رنگیں میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود نما پر		کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں میں ہوں
گرداب پہ تھا شعلۂ جوالہ کا گماں	شدت گرما	انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کے زباں		تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی		ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی
قبضہ ہر ایک تیغ نے ہر تن سے سر لیا	توصیف تیغ	برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے سپر لیا
ڈھالوں سے پھول لیگئی پھولوں سے زر لیا		اپنا خراج تیغ نے ہر طرح بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ چل گئی		ایک آگ گرد بھی ہوا نیزے کی کھل گئی

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں		ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں
مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرار		الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجر خونخوار		مدّ آکے بڑھیں برچھیوں کو تولے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا		مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
تصویر لکھی اُس کی مصور تو پڑے جھوم	سرعت اسپ	سُرعت قدمِ توسنِ تصویر کو لے چوم
کوڑا اپنے تعزیر جو چاہے کرے مرقوم		اک آن میں تصویر کا سب رنگ ہو معدوم
نقاش کا دل نقش بجا مادہ ہی رہ جائے		اور ہاتھ میں اُسکے ورق سادہ ہی رہ جائے
نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں	رباعی	وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو بنیادوں کے دھوکے میں		سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں
دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں	رباعی	یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے		آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں
دل اپنا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح		جب حرف غنا سا ہو تو کھلتا ہی نہیں
گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں	رباعی	یا معدنِ کوہ و دشت و صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے		حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
یہ اشکِ تاک ہی کہتے ہیں جسکو آبِ طرب		یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب کہتے ہیں
شباب کو کہے بھی غفلت ہی ہے پیروں کو		سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب کہتے ہیں
رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں	سلام	جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے		سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے اِنکے سر		آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں		کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
زور سے اسکے لیا ہے ہمنے میدانِ سخن		اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

[illegible] زور سے باندھوں * [illegible] زور سے باندھوں

اُڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا — یہ شیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
شہبازِ اجل صید پہ پر کھول کے آیا — اُڑتا ہوا سر بیچ میں اُس غول کے آیا
حق جس کی طرف ہے وہ زبردست رہا ہے — سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کا سر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا — یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرّار کو ہٹتے نہیں دیکھے — گھوڑے کو کسی باگ پہ چھٹتے نہیں دیکھا
جب ہاتھ اٹھا جھپیوں ٹھہرتا ہے گھوڑا — تیلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

قطعہ

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم — انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

رباعی

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں — وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

رباعی

اب گرمِ خبر موت کے آنے کی ہے — ناداں تجھے فکر آب و دانہ کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا — آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

رباعی

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا اپنی آپ — جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

رباعی

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے — شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا — خاک ہو جا تُو تو حاصل ہو جلا میرے لئے
وجد ہو بلبلِ تصویر کو جس کی بُو سے — اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے — آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے

رباعی

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبی — اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبی
فرماتے ہیں میں تن ہوں علی سر میرا — اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبی

رباعی

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے — ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے

توصیف تیغ

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا　　شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا　　گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے　　ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں سر اُڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے　　آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری نسل ید اللہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خون سے وہ رن آج پڑے گا

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی　　دم بھر میں نمودار صفیں ہوئی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی　　بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر　　برچھی پہ نہ پھل تھا نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن کبھی گاہ جگر پر　　مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے گئی مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

نے خود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ　　نے ہاتھ نہ بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
نے حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ　　نے خوں نہ رگیں تن میں نہ دم چھوڑتی تھی وہ
آجاتی تھی آواز سے ضرب کی زہ سے
غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اُٹھنے کی زرہ سے

واں شامیوں میں شب تھی ادھر نور کا تڑکا　　قرنا کی وہ آواز کڑک کینوں کا کڑکا
تڑپاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا　　اک غل تھا کہ دولاکھ پہ بھاری ہے یہ لڑکا
تن جلنے میں پھر کس سے جو برق ایسی نہیں ہے
سر جسم سے اُڑ جائیں گے زن ایسی نہیں ہے

اللہ رے زباں آوری تیغ بلا نوش　　زرہیں ہمہ تن چشم تھیں ڈھالیں ہمہ تن گوش
گھاٹ ایسا کہ ڈر سے لبِ دریا بھی ہے خاموش　　باڑھ ایسی کہ ہیں مچھلیاں پانی میں زرہ پوش
کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اسی کی
دریا بھی ہے چکر میں روانی سے اسی کی

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو نہیں — مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

دل دیدیا ہے یار کو مٹھی میں بند ہے — کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منتِ خلق — وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے — کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں — اس زمیں سے ولولہ کیا آسماں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں — خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب — قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں — فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

شرم گناہ

گناہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے — خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو — کہیں جو ہو گیا پھیرا صدا سنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

ملا جنہیں انہیں افتادگی سے اوج ملا — انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں — کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ — چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

رباعی

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے — آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا — یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

رباعی

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے — یہ دلقِ مرقع امرا کو نہ ملے

بخشی ہے خدا نے ہمکو یہ دولتِ فقر — برسوں ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

رباعی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے — محجوب نہوں شاہ و گدا کے آگے

یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں — یہ ہاتھ اٹھیں جب تو خدا کے آگے

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے — رخ سب نے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

عنقا کو گرد گنج ۔ پارس ۔ اکسیر		یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے
زباں پہ مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی	سلام	گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی
کمر کس کر علی اکبر نے جب سر پر رکھا سہرا		بلائیں لے لیں اُٹھ کر ماں نے گھونگر والے بالوں کی
جوانانِ حسینؑ نے صفیں توڑیں پرے اُلٹے		نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت مرنے والوں کی
قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطے دے کے ناخن پر		نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی
جوانانِ علیؑ کو دیں تو پھر تشبیہ کس سے دیں		کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں بے مثالوں کی
معاذ اللہ رعب دلبرانِ حضرتِ زینبؑ		علیؑ کا رعب چیتوں شیر کی آنکھیں غزالوں کی
جُھکا تھا پشت پر ہر اک کے سہرا ایک بی بی کا		یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردہ والوں کی
عزادار اس طرف سب تعزیہ شہ کا اُٹھاتے ہیں		وہاں نقلیں لکھی جاتی جنت کے قبالوں کی
غمِ اصغر میں بانو کہتی تھیں مرتی ہوں اے بیٹا		نگھا و اُٹھ کے خوشبو اپنے گھونگر والے بالوں کی
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے	متفرق	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے
یوں روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پٹ گئی	در تعریف تیغ	ہاتھ منہ صدر و کمر سینہ و سر کاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بیجان لئے پھرتی تھی		ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی
کہیں صفیں صاف مگر تن کی صفائی نہ گئی		کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی		سینکڑوں خوں کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق سے اپنے جلوہ گری نکلی ہے		جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے
دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے	رباعی	پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
مابین زمیں و آسماں یوں ہم ہیں		جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے
چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ	سلام	ہم سا غربت زدہ آرام وطن کیا جانے
قیدِ زنداں کی سکینہ متحمل نہ ہوئی		ناز پروردہ غم و رنج و محن کیا جانے

بعد مرنے کے مجھے مل گئی راحت کیسی
رنج سے فکر سے غم سے ہوئی رخصت کیسی

جو تری یاد میں ہستی سے گزر جاتے ہیں
غم کونین سے پا جاتے ہیں راحت کیسی

یوں تو ظاہر میں حسینانِ جہاں بھولے ہیں
دل کے لینے کی انہیں یاد ہے حکمت کیسی

آکے آغوش میں بوسہ کا نہ دینا کیسا
آپ یہ تو فرمائیے حاضر میں یہ حجت کیسی

اوباش

(اوباش) شیخ امیر الزماں نام ہے۔ ان کے وطن میں اختلاف ہے کوئی انکو بجنور کا رہنے والا بتاتا ہے کوئی لکھنؤ کا۔ اسیطرح فیلن صاحب نے ان کو شیخ زادہ لکھا ہے اور دیگر تذکرہ نگاروں نے پیرزادہ۔ بہرحال فن سخن میں مصحفی کے شاگرد اور اپنے زمانے کے خوش گو شاعروں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ سنہ ۱۷۹۳ء میں جوان تھے یہ انکا کلام ہے ؎

دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ
اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا

یار مجھ سے وہ مہ جبیں نہ ہوا
میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا

ہو گئے پیر انتظار میں ہم
تو بھی اوباش وہ جواں نہ پھرا

خون ہو دل کاوش سے اُس کی بہ گیا
ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا

مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت
ہمرہاں آگے گئے میں رہ گیا

فقیرانہ جو کل جا نکلے ہم اُس بت کے کوچہ میں
لگایا نے تھا واں اور ہی اک تکیہ

وہ شاہِ گلرخاں آ ہمسے حسنِ خلق سے بولا
ہمارے گھر میں چل کیجیے جائے پاک پر بستر

کہا ہمنے میاں صاحب فقیروں کو برابر ہے
سریرِ عرش پہ آرام ہو یا خاک پر بستر

دل و دیدہ جو اپنے یار تھے سو دو دو غم میں کھپا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہمسے چرا گئے

اوج

(اوج) منشی عبداللہ خاں نام۔ ساکن سروضہ۔ مقیم شاہجہاں آباد۔ اگرچہ انکی استعداد علمی معقول نہ تھی مگر طبیعت میں رسائی اور فکر میں خداداد تیزی تھی۔ سنگلاخ زمینوں میں زور طبع دکھاتے۔ عارضۂ خلل دماغ میں مبتلا تھے۔ اکثر شعرائے مشاہیر مثل ذوق۔ مومن۔ غالب آزردہ۔ وغیرہ جوان کے ہم عصر تھے۔ مزاحاً انکو اُستاد کہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی اپنے آپ کو ایسا ہی

کیونکر نہ لپٹ کے تجھسے سوؤں سلے قبر
مٹنے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

رباعی

جو تشنہ ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر مانند حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

رباعی

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے[له]

رباعی

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
دندان صف بستہ ہیں زباں کے آگے

رباعی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی
لذت دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
اسوقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
دو چار گھڑی زیست بھی مشکل ہوتی

رباعی

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

رباعی

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

انیس

(انیس) منشی انیس الدین احمد باشندہ باندہ حضرت نامی کے شاگرد اور موزوں طبع شاعر ہیں یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

غم و اندوہ جدائی کا ہے زبس مجھپر
اے اجل کر تو ہی کچھ آ کے حمایت میری
آپ دیکھا کئے اور مجھکو قضا نے مارا
حشر تک تم سے رہے گی یہ شکایت میری
چاند سورج سے ترے جلوہ کو دُونا سمجھے
شکل خالق تجھے ہم حسن میں یکتا سمجھے
رات دن دیکھتی رہتی ہے قضا آنکھوں کو
وہ بھلا آپ کا کیونکر نہ اشارہ سمجھے

انیق

(انیق) منشی حافظ محمد یعقوب - ان کا اصل وطن جون پور ہے - حیدرآباد دکن میں رہتے ہیں - موجودہ زمانہ کے موزوں طبع شاعر ہیں اشعار حاضر ہیں ؎

[له] رباعی انتزاع سلطنت اودھ کے وقت کہی گئی تھی ۱۲

غیر جنس ایک جگہ رہ کے جو ہوتا ہم جنس / شعلۂ آتش کا پروبال سمندر ہوتا

ہیں مچھلیاں بھووں کی جبیں پر شکن کے اندر / الٹی ہے بہتی گنگا - مچھی بھون کے اندر

دنیائے منقلب کا اُلٹا ہے کارخانہ / ہے گھر شمع واژوں - اس انجمن کے اندر

وحشت مجھے زنجیر نباتی ہی تھی اکثر / طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا زرِ گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں / بلبل پڑی گلچھرے اُڑاتی ہی تھی اکثر

سخن اپنا نہیں یہ اوج کچھ الہام غیبی ہے / لکھی ہے کاتبِ قدرت نے موزونی مقدر میں

ہے آوج مردمک دیدہ مردمِ آبی / نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

اوج

(اوج) آغا نواب اشرف علی خان لکھنوی - شاگرد آغا جو شرف لکھنوی - ۱۲۷۰ھ ہجری میں زندہ تھے - گلدستہ شعرائے لکھنؤ میں انکا کلام اکثر چھپا کرتا تھا - اُنکے اشعار کا انتخاب یہ ہے ؎

اے ہما حسن ہے وہ یوسفِ ثانی اے دل / نقدِ جاں تک بھی ٹھہر جائے تو سستا ٹھہرا

خدا ہی جانے کہ کل کیا ہو توبہ کر لیویں / زبان کہنے میں ہے ہمکو اختیار ہے آج

تمہارے گھر میں یہ کس مہ لقا کی آمد ہے / کہو تو اوج تمہیں کس کا انتظار ہے آج

جاں بلب ہوں دیے دم توڑنا ممکن نہیں / کس قدر غالب ہے مجھ پر ناتوانی وقتِ نزع

اوج

(اوج) میرزا جعفر بیگ آوج - بلاد شرقی کے رہنے والے تھے - یہ آپکا کلام ہے ؎

راہِ انعامِ یار تصور سے ہے قریب / جب آنکھ بند کی وہیں طے راستہ ہوا

چمن میں جاکے جو میکش وہ آفتاب ہوا / پیالہ گل ہوا غنچہ خمِ شراب ہوا

نہ پایا داغِ حسرت کے سوا کچھ ہمنے قسمت میں / دل اپنا بیچ دیکھا بارہا بازارِ الفت میں

نہ کھینچا قتل گہ میں دیر تک جب ہمکو قاتل نے / گلا خود رکھدیا خنجر پہ ارمانِ شہادت میں

ترا ابرو نہیں چشمِ صنم میں پتلیاں زاہد / مسیح و خضر استادہ ہیں محرابِ عبادت میں

اوج

(اوج) مرزا محمد حسین نام - آپ کو حضرت عشق لکھنوی مرحوم سے شاگردی کا فخر حاصل تھا بسیط دیوان لکھا ہے - کلام سے خاصے مشاق اور فنِ عروض سے ماہر معلوم ہوتے ہیں -

سمجھتے تھے۔ سچ ہے۔ دیوانہ رہجو ہے بس است۔ مرزا منگو مخزوں کی سرکار میں ملازم تھے
سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں انتقال کیا۔ فکرِ مضامین اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا۔ مشاعروں
میں غزل سناتے تھے تو صفِ مجلس سے لوگ بڑھ آگے نکل جاتے تھے۔ پروفیسر مولوی
محمد حسین صاحب آزاد لکھتے ہیں کہ میں اُن دنوں میں مبتدی شوقین تھا اپنا مشتاق سمجھ کر
مجھ سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں جاتے
تو دس قدم دور سے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور جو نیا شعر کہا ہوتا اُسے وہیں سے اکڑ اکڑ کر پڑھنے
ایک دن رستے میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آج گیا تھا انہیں بھی سنا آیا میں نے کہا کیا؟
کہنے لگے کہا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب		غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسے میں مومن خاں بھی موجود تھے۔ مجھ سے سب نے شعر کی فرمائش کی
میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سنائی۔ مقطع پر بہت حیران ہوئے ع
کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوانِ ہفتمیں کا
پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں
دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب تو آٹھواں ہے۔ عام واقعات پر اکثر شعر کہا کرتے
تھے۔ مومن خاں کو کنور جیت سنگھ نے جنتری دی آپ نے کہا ؎

جنتوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے		نجومی بن کے جو جنتری کا دان لیتا ہے

دلی میں شیریں جان ایک بڑی نامی رنڈی تھی وہ حج کو چلی انہوں نے کہا ؎

بجا ہے شیریں اگرچہ رنڈی حج کو چلی		مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

اگر اوج کا یہ بیان صحیح مان لیا جائے کہ انہوں نے ریختے میں آٹھ دیوان کہہ لئے تھے تو
انکی قادرالکلامی اور پُرگوئی میں کیا کلام ہے افسوس اب انکا کوئی دیوان نہیں ملتا۔ کچھ اشعار
پروفیسر آزاد وغیرہ کے لکھے ہوئے درج کئے جاتے ہیں ؎

بہاتا ہے جوشِ عشق شیریں دہنوں میں رونا		ہے آبِ شورِ گریہ آبِ زلال اپنا

پایا ہے - مخدومی منشی امیر اللہ تسلیم لکھتے ہیں کہ آپکی استعداد علمی معقول اور معلومات فنِ شعر میں دستگاہ کامل حاصل ہے - اس وقت آپکی عمر ۴۹ - ۵۰ برس کی ہے کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو

وہ شوخ مسکرا کے جو آنکھیں چرا گیا
میری نظر سے کیا مرے مطلب کو پا گیا

مرتا ہوں میں غیوری طفلِ سرشک پر
آنکھوں سے گر گیا تو زمیں میں سما گیا

بے اختیار یوں جو سرِ بزم رو دئے
کہئے تو اوج آپ کو کیا یاد آ گیا

میں بھی نہیں محروم کہ ساقی سے طلب
جھڑکی مجھے ملتی ہے جو ساغر نہیں ملتا

اِس فرطِ لاغری سے بس اتنا خیال ہے
ایسا نہو کہ اُٹھ نہ سکے ناز یار کا

پنجرے کی تیلیاں بھی رگِ گل نظر میں ہیں
آنکھوں میں چھا رہا ہے جو عالم بہار کا

تیری ہی چشمِ شوخ کا صدقہ ہے بیخبر
یہ اضطراب میرے دلِ بیقرار کا

گنڈا بناؤں گردنِ مینا کے واسطے
ڈورا اگر ملے رگِ ابرِ بہار کا

لو اوج اب تو صورتِ مقصود دیکھ لو
پیشِ نظر ہے آئینہ رخسار کا

یار ملتا ہے نہ کچھ عرضِ تمنا کا جواب
کیا کہوں ناکامیٔ تقدیر میں ہوں لاجواب

یہ تو مانا قتلِ عالم اک تماشا ہے مگر
حشر کے دن داورِ محشر کو دو گے کیا جواب

کہہ رہی ہے اُن سے میرا مدعا میری نظر
دیکھنے دیتی ہے وہ چشمِ سخن گو کیا جواب

کچھ خبر بھی ہے تجھے چین سے سونے والے
کیا گزرتی ہے شبِ ہجر کے بیداروں پر

ایسے دمباز کے فقروں میں نہ آؤ دیکھو
اوج اتراؤ نہ اُس شوخ کے اقراروں پر

بُرا ہو ضعف کا وہ پوچھتے ہیں حال میں چپ ہوں
زباں کہنے کو ہے لیکن نہیں تقریر کے قابل

لئے بوسے عدو نے مجھ سے وہ بگڑے تماشا ہے
کسی سے ہو خطا ٹھیرے کوئی تعزیر کے قابل

اسی سے کچھ شبِ غم بہلے کٹتی تھی مگر ہمدم
کہاں ہوں ضعف سے اب نالۂ شبگیر کے قابل

صبا کیوں نکہتِ گل تو نے بکھرا دی ہر گلشن میں
کوئی پھول اُڑ کے پڑ جائے نہ بلبل کے نشیمن میں

کہوں کیا رشک ظالم ہر طرح مجھ کو ستاتا ہے
تصور میں بھی پاتا ہوں اُسے آغوشِ دشمن میں

ہمکو زیادہ غور کا موقعہ نہیں ملا۔ ایک سرسری نگاہ میں جتنے اشعار پسند آئے انتخاب کر دیے
سید صاحب کا سادا مزیدار کلام ہے ؎

خونِ بیجرم سے کیوں اب تو ہوا دل ٹھنڈا	لے تڑپ کر ہوا آخر ترا بسمل ٹھنڈا
میری بے جرمی پہ حکمِ قتل جب اُسنے دیا	شرم سے پھر پھر گیا منہ خنجرِ فولاد کا
ہمسے اے بیدرد جو تونے کیا بہتر کیا	کیا زباں پر لاتے شکوہ تری بیداد کا
گزرا نہ عشقبازی سے اور خود گزر گیا	دیکھو کہ سر گیا پہ نہ یہ دردِ سر گیا
تیرے قدم پہ دم مرا اے جان نکل گیا	صد شکر میرے ایک تو ارماں نکل گیا
فعلِ عبث ہے کیجئے کیوں عرضِ مدعا	محرم ہے خود وہ آپ ہی اس دل کے راز کا
کل کے آنے کی قسم کھاتے ہیں وہ	خیر کچھ دل کو سہارا ہو گیا
تمام خلق میں رسوا ہوئے خراب ہوئے	اب اور اے دلِ خانہ خراب کیا ہوگا
قصد حرم کا کیوں کریں دیر بتاں سے کیا غرض	اپنا تو مدعا ہے تو سارے جہان سے کیا غرض
تو گزر جاتی ہے یا جی سے گزر جاتے ہیں ہم	اے شبِ فرقت سحر تک تو نہیں باہم نہیں
صبا نکلے ادھر ہو کر تو روکیں ہم بشر کیا ہے	یہ باہم شور ہے روز انکے دربانوں میں رہتے ہیں
نفاق کفر و دیں کیا غلط کہتا ہے تو واعظ	وہ ہیں زنار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں
کب تک ترکِ عیش کے ساماں میں رہیگے	قصر آج ہے کل گورِ غریباں میں رہیگے
یوں داغ کسیکا پھر ستانا	مجبور تھے ہمنے در گزر کی

اوج

(اوج) مولوی سید محمد عابد حسین خلف الصدق سید محمد احمد علی صاحب رسا تخلص مرحوم رئیس رامپور۔ تکمیل علمی کے بعد آپ کئی سال تک الموڑے کے عربی مدرسے میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد رامپور آکر ریاست میں ملازم ہوگئے چنانچہ اب مدار المہام صاحب کے اجلاس میں اہلکار ہیں۔ شعر و سخن کا مذاق بچپن ہی سے ہے آپکی طبیعت کو اس فن سے خاص مناسبت ہے۔ فنِ سخن میں اپنے والد مرحوم سے فیض

توڑ کر غنچۂ گل کس لئے خوش ہوتے ہو　　یہ مرا دل ہے نہ یہ آپ کا پیماں کوئی
اوج اب داغ تمنا بھی نہیں ہے دل میں　　ہائے مجھ سا بھی نہو بے سر و ساماں کوئی

بغل میں اب نہ وہ دل ہے نہ دلمیں وہ تمنا ہے　　ہجوم یاس اس اجڑے ہوئے گھر میں درآیا ہے
بھلا ہو جو دئی دل کہ یہ تیرا ہی صدقا ہے　　غم امروز ہے مجکو نہ کچھ تشویش فردا ہے
مرا ابھرا ہوا داغ جگر ہے دید کے قابل　　یہ وہ ذرہ ہے جو مہر رخ جاناں سے چمکا ہے
ترے بیمار ہجراں کو اسی سے کچھ توقع ہے　　یہی درد جگر کروٹ بدلوا نیکو اٹھتا ہے
جو بھرتے ہیں مری آنکھوں میں چھپتے ہیں ہی مجھ سے　　ہو رہتے ہیں مرے دلمیں نہیں کا مجھ سے پردا ہے
کہاں جاؤں کہوں کس سے کہ یہ بیتابی خاطر　　کیسکی شوخی چشم فسوں گر کا کرشمہ ہے

میں صدقے فائدہ کیا اس حیا سے　　غضب ڈھاؤ نگاہ فتنہ زا سے
اسے ہے آپ میری فکر اے اوج　　کروں لب آشنا کیوں التجا سے

کچھ خبر بھی تجھے اے محو خود آرائی ہے　　ٹکٹکی باندھ کے آئینہ تماشائی ہے
آنکھ میں ہے کبھی دلمیں ہے کبھی پہلو میں　　کسقدر شوخ مرا شاہد ہرجائی ہے
آہ پیری میں جوانی سے سوا ہوں غافل　　نیند کیسی مجھے ہنگام سحر آئی ہے
دل کو کیا سمجھے ہو دیکھو تو کلیجا اس کا　　تم سے پرکالۂ آفت کا تمنائی ہے
اوج اس دورِ محبت میں بسر کی ہے یونہیں　　داغ کھایا ہے کبھی تیغ ادا کھائی ہے

اوج

(اوج) منشی پیر محمود جان اوج - دہلی کے قدیم متوطن اور شیریں کلام و خوش فکر شاعر تھے - بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی - ایک قلمی بیاض سے آپ کا کلام انتخاب ہوکر درج تذکرہ کیا جاتا ہے ۵

کون ہے دوست اب یہاں اپنا　　دشمن جاں ہے اک جہاں اپنا
ہزار بار گیا وہ رقیب کے گھر پر　　ہمارے پاس نہ افسوس ایکبار آیا
روانہ ہوئی جان بھی تیرے ساتھ　　ترا یاں سے جانا غضب ہوگیا

اِسے کیا جستجو ہے خنجرِ خونریزِ قاتل کی
پلانا ہے تو ساغر بھی لگا دے آپ ہی مُنہ سے
آنکھیں اگر لڑیں تو بشر ہوں خفا نہ ہو
بگڑو تو اپنے حسن سے بگڑو کہ ہے غضب
آہوں کے ساتھ مُنہ سے نکلتا ہے کیوں دھواں
آفت ہے جلے بھی کہیں دل سوزِ نہاں سے
کچھ تو دلِ بیتاب کو ہوتی ہے تسلی
قرباں ہیں تم روٹھ کے جاؤ نہ یہاں سے
کچھ تڑپنے ہی سے تسکین کی صورت ہوگی
چٹکیاں یوں جو کلیجے میں کوئی لیتا ہے
حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی
اے اجل کیوں ہیں تقاضے کہ مریضانِ قلق
تم نہ آؤ گے تو کیا پاس نہ ہوگا کوئی ٭
اوج ہم خلد میں کیوں جائینگے مطلب کیا ہے
آڑے نہ آتی اُنکی نزاکت تو واں مجھے
مجھے ملا کے آنکھ مجھے بت بنا گئے
وہ خوش ہیں یوں کہ اسکو اذیت ستم سے ہے
تیری بلا کو ہو دلِ اغیار سے غرض
ہم خوب جانتے ہیں جب چھپاتے ہو ہم سے کھیل
چین ہو موت ہو آئے شبِ ہجراں کوئی
دل میں آ تو سہی خلوت بھی ہو ہی جاتی ہے

لہو یوں دوڑتا پھرتا ہے کیوں کھل کے رگوں میں
پڑے رہنے دے میرے ہاتھ ساقی اپنی گردن میں
تیرِ نظر نہیں ہوں ترا جو خطا نہ ہو
اس پیار کی نظر سے مری جاں خفا نہ ہو
سوزِ غمِ نہاں سے جگر جل رہا نہ ہو
اے دیدۂ تر اشک فشاں تیری بلا ہو
وعدہ تو وہ کر لیتے ہیں چاہے نہ وفا ہو
آنکھوں میں چلے آؤ اگر دل سے خفا ہو
یہی بیتابیٔ دل باعثِ راحت ہوگی
یہ اُنہیں شوخ نگاہوں کی شرارت ہوگی
میکدے میں قدمِ پاک سے برکت ہوگی
دم بھی توڑیں گے تڑپنے سے جو فرصت ہوگی
شبِ فرقت مری ہمدم مری حسرت ہوگی
گلشنِ کوچۂ دلبر میں جو تربت ہوگی
دل سے اُتارتے وہ گراتے نگاہ سے
گویا وہ منہ کو سی گئے تارِ نگاہ سے
ہم شاد ہیں کہ انکو تعلق تو ہم سے ہے
اے حسرتِ وصال تجھے کام ہم سے ہے
جو مدعا جناب کا طوفِ حرم سے ہے
کاش نکلے دلِ ناشاد کا ارماں کوئی
میرا ذمہ جو رہے حسرت و ارماں کوئی

ہے شبِ مہتاب اور سامانِ عیش	گر نہ آیا ماہرو اندھیر ہے
ہے یقین وہ جانِ جاں آتا نہیں	موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اوج

(اوج) سرتاج مرثیہ گویاں حال مرزا محمد جعفر صاحب خلف الرشید و جانشین حضرت دبیر مرحوم مرثیہ گوئی میں اپنے والد ماجد کے قدم بقدم ہیں۔ قابلیت علمی معقول رکھتے ہیں مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی ان کا آبائی شعار ہے۔ شروع محرم سے چہلم تک مختلف مقامات میں جا کر اپنے تازہ مرثیوں سے اہلِ مذاق کو محظوظ کرتے ہیں۔ ہنگام قیام لکھنو میں راقم کو بھی مکرمی میر حامد علیخاں کے ہمراہ شرفِ نیاز حاصل ہوا تھا۔ اثنائے گفتگو میں جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمارا اصلی وطن دہلی ہے اور ہمارے اجداد کی سکونت قاضی کے حوض کے پاس تھی۔ چنانچہ آپ خود بھی ایک مرتبہ خاص اسی غرض سے کہ مسکن قدیم کا کچھ نشان لگائیں دہلی تشریف لائے تھے مگر انقلابِ زمانہ سے اُس محلہ کی صورت ایسی تغیر ہوگئی کہ کوئی پتہ آپکے بزرگوں کے مسکن کا بہم نہ پہنچا۔ نہایت خلیق۔ خوش مزاج۔ زندہ دل بزرگ ہیں۔ سن شریف ۶۰ سال سے متجاوز ہے حضرت جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ عظیم آباد کے اوقاف سے بہ صلہ مرثیہ خوانی دو ہزار سالانہ آپکا مقرر ہے۔ اسکے علاوہ اکثر حیدرآباد دکن کی مجالس عزا کو بھی قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشتے ہیں۔ اودھ کے بعض رئیسوں اور ریاست رامپور سے بھی آپکی معقول قدر ہوتی ہے۔ فی زمانہ آپکی ذات بابرکات مغتنمات سے ہے۔ اساتذہ سلف کی آپ ایک عمدہ یادگار ہیں۔ فن عروض میں آپکو زبردست مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ ایک مبسوط رسالہ اسی فن میں آپکی تصنیف سے شایع ہو چکا ہے۔ اب آپکے کلامِ گوہر نظام میں سے چند اشعار زیبِ تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

چار سو عالمِ امکاں میں اندھیرا دیکھا	تو جدھر ہے اُسی جانب کو اوجالا دیکھا
اُسپہ قرباں کہ جسنے تری آواز سُنی	صدقے اُس آنکھ کے جسنے ترا جلوہ دیکھا
خلوتِ قدس کی بے پردہ تجلی کو نہ پوچھ	شوقِ نظّارہ میں صرف آنکھ کا پردہ دیکھا

اے غیرتِ مسیح ذرا چل کے دیکھ لے
کس کس طرح سے اُسکی خوشامد منہ جِنّے کی

اتر بت ہے اب ترے بیمار کا مزاج
پایا کبھی نہ اُس بتِ عیار کا مزاج

یہ کہتا نہیں روز میرا کہا کر
عجب حال دو دن میں میرا ہوا ہے
کہوں کیا میں اُس چشمِ جادو کی باتیں
کیا ساقیا تو نے بیہوش کیسا
نہ غیروں پہ کر اے ستمگار ناز
پلادے مئے وصل کا جام ساقی
نہیں بوسۂ لب اگر دیتے ہمکو
عشاق کو زمانہ میں دیکھا نہ بیوفا
وعدہ ہر روز کیا کرتے ہیں

گر اک دن جفا کر تو اک دن وفا کر
ذرا دیکھ تو پاس اپنے بلا کر
اڑایا مجھے آنکھ سب سے لڑا کر
مجھے جامِ الفت کا اپنی پلا کر
اُٹھائیں گے ہرگز نہ اغیار ناز
بھلا دل ہمارا کُڑھانے سے حاصل
ہمیں گالیاں پھر سنانے سے حاصل
معشوق میں وفا کا نہ دیکھا اثر کہیں
کب جفا کا روفا کرتے ہیں

وہ صورت او رباتیں پیاری پیاری یاد آتی ہیں
کیا کہیں اپنے ستارہ کی بھلا گردش کو
کیوں پھرا تا ہے کو بکو ہم کو
آرزو ہے یہی خدا مجھ کو
شبِ وصل کی کیا بیاں کیجے حالت
رہا کرتی تھی مجھ میں اُس میں یہ صحبت
وضع کیا آپ نے نکالی ہے
یا الٰہی کیا ہوا وہ کیوں نظر آتے نہیں

بھلا میں کس طرح بھولوں جمالِ یار جانی کو
ماہرو سے نہ ملایا نہ ملایا ہم کو
رہنے دے اپنے روبرو ہم کو
اُس صنم سے کہیں ملا مجھ کو
مناتا تھا جوں جوں - وہ مجھ سے خفا تھے
کبھی میں خفا تھا کبھی وہ خفا تھے
بات پیچھے ہے پہلے گالی ہے
رات دن رہتے تھے جو اپنی نظر کے سامنے

تمنا دشمنِ جاں ہوا چاہتا ہے
آنے میں اُس جانِ جاں کے دیر ہے

جیسے جان سے تو ہوا چاہتا ہے
کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے

اطاعت اور خداوند کے جب نسبت ہم ٹھہری ۔۔۔ تو اس ناچیز مشتِ خاک کا پھر امتحاں کیا ہو

رباعی

بیمِ شبِ ہجر نیند کھونے آئی ۔۔۔ پلکوں میں دُرِ اشک پرونے آئی
چونکا تو خدا جانے اوج سوتے سوتے ۔۔۔ دن ڈھل گیا اور رات ہونے آئی

اوج

(اوج) منشی محمد یعقوب خلف شیخ قادر بخش مرحوم تاجر کتب گیا۔ ۲۵ برس کے قریب عمر اور تجارت وجہ معاش ہے۔ استعداد علمی خاصی ہے اکثر اخباروں کے نامہ نگار بھی رہے ہیں پہلے آپ کو ملطی سید ضمیر الدین عرش سے تلمذ رہا اب حضرت کوثر خیرآبادی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں طرزِ قدیم و جدید دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ناول موسوم بہ خوابِ غفلت اور بیاضِ انتخابِ نوبہار آپکی تصنیف سے ہیں۔ یہ آپکا کلام ہے ؎

جورِ فلک سے ذرّے مٹے نامیوں کے نام ۔۔۔ باقی نہیں نشان بھی لوحِ مزار کا

ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے ۔۔۔ پھلو پوشاک آسمانی آج

گورِ غریباں

ہمنے دیکھا جب پڑی گورِ غریباں پر نظر ۔۔۔ فرشِ گل کے سونے والے سو رہے ہیں خاک پر
مونس و غمخوار جتنے تھے کنارہ کر گئے ۔۔۔ آج کوئی نوحہ گر ان کا نہیں آتا نظر
فاتحہ کو بھی نہ آئے قبر تک وہ آشنا ۔۔۔ زندگی میں جو کہ رہتے تھے بہم شیر و شکر
مال و زر یونہیں پڑا رہجائے گا سب ہے یہیں ۔۔۔ کام آئے گا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر
ایک دن ہے خاک میں ملنا یہ سب کچھ خاک ہے ۔۔۔ دولتِ دنیا پہ نازاں کیوں ہیں انساں اسقدر
کسی غریب سے ہر دم کی چھیڑ ٹھیک نہیں ۔۔۔ سُنو سُنو نہ سُنو ہم جتائے دیتے ہیں

ملیں اغیار کو ہر وقت لبِ ۔۔۔ مرا دل دیکھنے کو ہے ترے

وفورِ سوزِ نہاں سے بسکہ پیاس مجھے ۔۔۔ خدا کے واسطے ساقی کوئی گلاس مجھے
کوئی بھی ساتھ نہیں اوج کوئے قاتل میں ۔۔۔ گئے ہیں چھوڑ کے تنہا مرے حواس مجھے
کبھی مفلس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے غنی ہوتے ۔۔۔ کبھی اہلِ دول کو ہمنے بے اسباب دیکھا ہے
بہت دن تک رہے ہیں اوج اس قصرِ طلسمی میں ۔۔۔ بہت کچھ ہمنے حالِ عالمِ اسباب دیکھا ہے

آنکھ جب بند ہوئی کھل گیا رازِ قدرت
شانِ معبود اندھیرے میں اجالا دیکھا

پردہ اُٹھ جائے گا جب روئے تجلی سے کلیم
آپ خود مُنہ سے کہیں گے کہ ابھی کیا دیکھا

روئے گل رنگِ خزاں جوشِ جنوں فصلِ بہار
چار دن کے لئے اس باغ میں کیا کیا دیکھا

اوجؔ کج بحثیِ اربابِ سخن سے کیا بحث
دامنِ گل کبھی کانٹوں میں نہ اُلجھا دیکھا

خواہشیں دنیا کی بارِ دوش و گردن ہو گئیں
رفتہ رفتہ منزلِ عقبیٰ کی رہزن ہو گئیں

یہ ہوا کیسی چلی اس تنگنائے دہر میں
شہر[1] جنگل ہو گئے آبادیاں بن ہو گئیں

چل بسُوئے گورِ غریباں اے حریصِ مال و زر
دیکھ کتنی آرزوئیں نذرِ مدفن ہو گئیں

کیسی رنگا رنگ شکلیں ہو گئی اے جوشِ بہار
مِٹ کے جو گلگونۂ رخسارِ گلشن ہو گئیں

گُھل نہیں سکتی کبھی کیفیتِ بغض و حسد
میرے آہیں پردۂ ناموسِ دشمن ہو گئیں

میرے نغموں نے جو پائی قلبِ گلشن میں جگہ
شاخِ گل پر بلبلیں بارِ نشیمن ہو گئیں

جب مرے نالے ہوئے قدِ صنوبر سے بلند
بلبلیں ساکت سرِ دیوارِ گلشن ہو گئیں

جامۂ ہستی ہوا صد چاک جب شغلِ سحر
زینتیں دنیا کی گرد اگرد دامن ہو گئیں

ہو سکے عون و محمد سے نہ سر پر زرہ پوش
حق میں مٹّو کے دعائیں ماں کی جوشن ہو گئیں

سلام

سلامی سوزِ ماتم سے نہ سرگرمِ فغاں کیوں ہو
نہوں آتش فشاں نالے تو مجلس نوحہ خواں کیوں ہو

حقیقت کنہِ خالق کی عیاں کیوں ہو نہاں کیوں ہو
نہ سننے کا تحمل ہو تو کہنے میں زباں کیوں ہو

اُسی کے لطف سے ہے ارتباطِ عالمِ امکان
جو وہ نامہرباں نکلے تو کوئی مہرباں کیوں ہو

زمیں کیسی کہاں کے آسماں سب اُسکی جولاں ہیں
کہیں ملتا نہیں وہ بے نشاں خاطر نشاں کیوں ہو

حجابِ نور ہو یا آنکھ کا پردہ ہو جو کچھ ہو
تمہیں تم ہو اگر دل میں تو کوئی درمیاں کیوں ہو

شہادت دے رہا ہے امتزاج اپنے عناصر کا
نہ ہو گر مرتبط کوئی تو ربطِ جسم و جاں کیوں ہو

جو آئی دوست کی جانب سے کیوں خوش خوش سر آنکھوں پر
بلا میرے مقدر کی نصیبِ دشمناں کیوں ہو

فشارِ سرزمینِ حرص بربادی کو کافی ہے
ملا کر خاک میں ہمکو گنہ گار آسماں کیوں ہو

[1] لکھنؤ کی تباہی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے جہاں زمانِ شاہی میں ۵ لاکھ کی بستی تھی ۱۲

کریں کس مُنہ سے عرض اُن سے کہ عاشق ہیں تمہارے ہم
مشاطہ کو ہے خوف لگانے میں حنا کے

ہرجائی پن اُس شوخ ستم گر کا ہے پیشہ
قتل وہ کرتی ہیں اب سرمئی آنکھیں مجھ کو

ہم نفیروں کی صدا اک نہیں سنتے بیدرد
شاید اغیار کے گھر سے اُنہیں ڈال آئی

الاماں کہنے لگے دیکھ کے تیرِ مژگاں
جب تماشا عشق تو کہتی تھی مرے میرا اُستاد

کہاں وہ صاحب حسن اور کہاں اُن کے نارے ہم
ہاتھوں کو جلا دیتے ہیں شعلے کفِ پا کے

اُستاد پشیماں ہیں بہت دل کو لگا کے
ہیلوانی کے ارادے ہوئے بیماروں کے

سیمبر بس ہیں الٰہی نہوں زرداروں کے
میرے بھیجے ہوئے دونے نہ لئے ہاروں کے

ہوش اُڑے دیکھ کے ابرو کو کمانداروں کے
رات دن کٹتے تھے جلسے میں ہیں یاروں کے

اُستاد

(اوگھٹ) حضرت اوگھٹ شاہ وارثی۔ آپ قصبہ بچھرایوں ضلع مرادآباد کے باشندے اور سلسلۂ چشتیہ وارثیہ میں بیعت رکھنے کے علاوہ خود بھی بحرِ ذخارِ معرفت کے شناور ہیں۔ آپکی تصنیف سے فیضانِ وارث نام رسالہ نظر سے گزرا اُسکے مطالعہ سے یہ امر آشکار ہے کہ کہ آپکو کتب درسیہ میں عبور حاصل ہونیکے علاوہ تصوف و معرفت میں ایک خاص مذاق ہے۔ جب کبھی سخن گوئی کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر اسی رنگ میں کہتے ہیں۔ زبان ہندی سے بھی بخوبی ماہر ہیں۔ اور اکثر دوہے اور گیت بھی کہتے رہتے ہیں۔ اب آپ کے کلام کا انتخاب حاضر کیا جاتا ہے ؎

کرامت یہ بھی ہے پیرِ مغاں کی
بوسۂ رخ کا جو میں سائل ہوا

خدا شاہد نہیں تقصیر میری
چھوڑ کر بسمل گیا بےرحم یہ سمجھا نہ ہائے

دل کا عالم عاشقی میں کیا کہوں کیا ہو گیا
جو محبت کو دل لگی سمجھے

کہ زاہد نے در میخانہ دیکھا
ہنس کے بولے تو بھی اس قابل ہوا

ہوا دل خود بخود بند اک سیکا
دل میں ارمانِ شہادت نیمجاں لیجائیگا

رنج سہتے سہتے تجھ کا کلیجہ ہو گیا
اُس سے بیکار دل لگانا تھا

کیسا ہے یہ دل میں داغ کس سے کہئے	رباعی	پژمردہ ہے کیوں یہ باغ کس سے کہئے
اے کاش کوئی ادھر مخاطب ہوتا		گھر کیوں ہے یہ بے چراغ کس سے کہئے
جیسے کوئی گل توڑ کے لیجائے چمن سے		اسطرح نکالا مجھے غربت نے وطن سے
اوج ایسی خوشنما دیکھی نہ ہمنے چاندنی	رباعی	چار سو پھیلی ہوئی ہے آج جیسی چاندنی
جو ہیں اعلےٰ مرتبت رہتے ہیں ہمت میں بلند		خاک پر پڑنے سے کب ہوتی ہے میلی چاندنی

اوحد

(اوحد) مولینا محمد عبدالودود خلف مولینا محمد عبدالرؤف وحید - ان کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا مگر یہ خود بمقام کلکتہ نومبر ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی - علم ادب فارسی و اردو میں ماہر اور نظم و نثر دونوں پر قادر تھے - زبان انگریزی میں بھی خاصی دستگاہ حاصل تھی - اپنے والد مولانا وحید میرمنشی دفتر لیجسلیٹو کونسل کے توسل سے اُسی محکمے میں مترجم ہوگئے تھے - مگر زندگی نے وفا نہ کی ۴۲ سال کی عمر پاکر ۱۹۲۳ء میں راہی ملک بقا ہوئے ان کے والد نے ایک مرثیہ اور کئی تاریخیں نہایت پر درد اور رقت خیز اسکے داغ مہاجرت میں کہی ہیں - اُنکے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

گو وہ شہر گاہ بیاباں کی سیر ہے	مت پوچھو حال اس دل خانہ خراب کا
زاہد پیو شراب کسی ماہ رخ کے ساتھ	صحن چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا
فصل بہار صحن چمن یار مے بکف	کیوں زاہد و حرام ہے مینا شراب کا
ہیں حضرت وحید ولی نعمت سخن	اوحد ہے ریزہ چین سی عالیجناب کا
ہو وے جو اُنکے روئے منور کے روبرو	ذرے سے بھی فروغ میں کمتر ہو آفتاب
دریا میں عکس آپکے رُخ کا پڑے اگر	ہو جائے ہر صدف میں ہر اک گوہر آفتاب
دو آفتاب کا ہے قراں وقت میکشی	چہرہ ہے آفتاب ترا ساغر آفتاب

اُستاد

(اُستاد) میر یار علی نام - ایک پرانی بیاض میں چند اشعار نظر سے گزرے اُن کا خلاصہ درج تذکرہ کیا جاتا ہے - مزاج میں شوخی و ظرافت خلقی تھی ؎

زیادہ تر مرثیہ گوئی کا شوق رہا ۱۹۰۹ء میں آپ کا مجموعہ مراثی شائع ہوا تھا - چند بند بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں - ان سے آپکی طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے ؎

طوبیٰ و خلد و کوثر و تسنیم و آسماں — ذراتِ ریگ و اختر و مہر و مہ و کتاں
آب و ہوا و آتش و گل دشت و بوستاں — درباں خلد و حور و ملک گلشنِ جناں
یہ سب مطیع امرِ امامِ جلیل ہیں — کعبہ پکارتا ہے یہ حق کے خلیل ہیں

وہ کمیت پر اوج تت ہوا خون کا تھالہ — لشکر دہن موت کا تھا ایک نوالہ
بچھ بچھ گئے پیدل ہوا پامال رسالہ — کہنے کو تو ناگن تھی پہ تھا سینہ میں بھالہ
دم وہ تھا کہ اژدر بھی دبک جاتے تھے اس سے — موذی نہ کبھی جاں کی اماں پاتے تھے اس سے

ہاں اے زمینِ نظم فلک سے بلند ہو — اے کلکِ نورِ طور سے تو بہرہ مند ہو
ہاں اے ورقِ ضیا میں قمر سے دو چند ہو — ہاں سطر ہر صحیفۂ مضامیں کمند ہو
ہاں ہر ورق پہ نازنیں جنت نثار ہو — ہر جزو دشت خلد کی زیبِ بہار ہو

اویسی

(اویسی) منشی غلام محی الدین خاں متوطن سرہند - حضرت سید حسن رسول نما صاحب کے خاندان کے مرید اور مرد قابل و ذہین - صاحب فکر سلیم - خوشنویس کامل اور درویش سیرت بزرگ تھے قرآن شریف کی ایک تفسیر نظم میں خوب لکھی تھی جس میں طرح طرح کے صنائع بدائع ملحوظ رکھے تھے - اُردو - فارسی - عربی - تینوں زبانوں میں داد خوش کلامی دیتے تھے - تذکرۂ شوق کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت تھے - شیفتہ نے انہیں بریلی کا باشندہ لکھا ہے اور ان کا دکن جانا بھی درج کیا ہے ؎

دل کی چوری پہ ترا خال ہے کالا کالا — لے گیا قد ترا لیکن اُسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ چشم چبھی دل میں مرے — دوسری ہر مژہ کرتی اُٹھی بھالا بھالا
ذکر و شغل اب تو اویسی کا یہی آٹھ پہر ا — کچھ کٹی رونے میں کچھ تیری حکایات میں رات
لائق نہ ہے ہم تو کہیں سیر و سفر کے — جیوں نقش قدم جلتہ نشیں ہیں ترے در کے

یہ تیری آنکھ ہے یا بادۂ وحدت کا ساغر ہے — ہوا بیہوش وہ خود جسکو تونے اک نظر دیکھا
سنا ہے شیخ جی آئے ہیں کعبے سے چلو دیکھیں — نظر آیا خدا بھی یا خدا کا خالی گھر دیکھا
گلی میں اُس ترک مہ جبیں کے عجیب یہ انقلاب دیکھا — نماز ہندو کو پڑھتے واعظ کو ہمنے پیتے شراب دیکھا
غنی ہے وہ مست ناز میرا ہے اُسکی سرکار لاابالی — کبھی کرم ہے کسی پہ بیحد کبھی کسی پہ عتاب دیکھا
ہے خالق ایک ہی ہے بت یہ اپنی قسمت ہے — تو بے نیاز ہوا میں نیاز مند ہوا
لحد پہ آیا جو بعد مردن لگا کے ٹھوکر یہ بولا پُرفن — اسی پہ دعویٰ تھا عاشقی کا کہ بھاگے دنیا سے منہ چھپا کر
عشق رہبر ہے پیشوا ہے عشق — اپنی کشتی کا ناخدا ہے عشق
مکیں بھی ہمیں لامکاں بھی ہمیں ہیں ٭ — کہیں بے نشاں کے نشاں بھی ہمیں ہیں
برہمن بھی آوازِ ناقوس بھی ہم — مؤذن بھی ہم ہیں اذاں بھی ہمیں ہیں
ہمیں بت پرست اور ہمیں بت شکن ہیں — ہمیں بت ہیں محبوبِ جاں بھی ہمیں ہیں
فنا و بقا کا بیاں کیا ہو اوگھٹ — نہیں بھی ہمیں اور ہاں بھی ہمیں ہیں
کھل گئی اپنی حقیقت جس کو وہ — جز سے کل قطرہ سے دریا کیوں نہو
یہ دل ہے وہ مکاں جو لامکاں والے کی منزل ہے — وہ لیلیٰ ہے اسی میں یہ اُسی لیلیٰ کا محمل ہے

ایک خوش رو سے محبت ہوگئی — دل لگی کی اچھی صورت ہوگئی
ہمکو کیا خوش رو جہاں میں لاکھ ہوں — ہوگئی جس سے محبت ہوگئی
لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا ٭ — آپ کی ظاہر حقیقت ہوگئی
سنتے ہو واعظ کی میخانے میں آج — رہن دستارِ فضیلت ہوگئی

رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہمنے — بتوں کو سجدہ کیا جانکر خدا ہمنے
بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ — کہ مدتوں کیا چلے خدا خدا ہمنے

اویس

(اویس) منشی میر ناصر علی اویس بلگرامی خلف اکبر میر غلام علی مغفور۔ آپنے اپنے چچا میر حیدر علی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی۔ عنفوانِ شباب سے فنِ سخن کی طرف توجہ ہوئی مگر

ہر چند کہ میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے کہ جہاں تھا یہ وہیں تھا

ہے ہے غلط اندازئے عیارِ ستمگر
جس جا پہ پڑا دھیان گیا واں وہ نہیں تھا

اب آنے وہ اب جاں کو ہوئی میری تسلی
تھا دھیان یہ اور لب پہ دمِ بازپسیں تھا

دیکھو تو مری ضد کہ کسی شب وہ ستمگر
آیا بھی تصور میں تو دشمن کے قریں تھا

دو دن میں ہوا حال یہ اُسکا کہ مری جاں
دیکھا تو وہ ایجاد ہی گویا کہ نہیں تھا

شب جا کے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
سب تھے تری محفل میں پر ایجاد نہیں تھا

لب اُسکے زخمونپہ چھڑکا کیا نمک جوں حباب
نگاہ دلپہ کیا کی سناں گزاری رات

لے اب جنازہ پہ ایجاد کے تو چل ظالم
تری ہی یاد میں تھا وقتِ دم شماری رات

ترے خنجر کے شکر نے قاتل
کی ہے زخموں سے سو زباں ایجاد

اس فصل میں کھولینگے جو زنداں کے در کو
مر جائیں گے دیوانے ترے پھوڑ کے سر کو

یہ باتوں میں بہلائے وہ دل چھین کے لیجائے
کیا یاد ہیں ڈھب لب کو تری اور نظر کو

ہمکو نہ اُٹھا بزم سے اپنی کہ میری جاں
ہم آپ ہی بجھ جائینگے جوں شمع سحر کو

لگے ہم سے نظر اپنی چُرانے
وہ سمجھے جس گھڑی لطفِ نظر کو

سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ
نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو

نظر کی برق مجھ پر ہی گرے گی
وہ دیکھے گو ادھر کو یا اُدھر کو +

ظالم ہیں سزاوار تو کچھ لطف کے ہم بھی
دیکھو کبھی تم ایک نگہ سے ہی ادھر کو

سکھایا دخترِ رز کو منہ چھپانا
کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو

جتنی ہو پلا دے کہ پیاسا ہوں میں ساقی
عالم میں سمجھتا نہیں کم اور زیادہ

کرتے ہیں میرا چارۂ غم جسقدر ایجاد
اُتنا ہی یہ ہوتا ہے الم اور زیادہ

کتنا ہی کروں خشک پہ یہ دامنِ تر ہائے
خجلت سے ہوا جاتا ہے نم اور زیادہ

(ایجاد) شیخ الہی بخش ایجاد ساکن صاحب گنج علاقہ گیا شاگرد مولانا کوثر خیرآبادی معمولی لیاقت

ایجاد

ہم اپنے تحمل میں نہیں آپ کو پاتے کسطرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جانا		جس دن سے ہوئے مو میاں تیری کرکے سر اگر جائے تو جاوے یہ قدم رُکتا ہے
اس آفتاب سے چہرہ پہ زلف کے کالی بتن[1] روزِ عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل		پناہِ سوختگاں مدظلہ العالی ہزار حیف یونہی الجھیوں ہی گیا خالی

ایاز

(ایاز) منشی عبد العلی - حیدر آباد دکن کے نومشق موزوں طبع نوجوانوں میں ہیں - مولانا حالی کے جشن جوبلی نظام پر حیدر آباد تشریف بری کے موقع پر آپ نے ایک نظم اُن کی ستائش میں لکھی تھی - اُسکے چند بند بطور نمونۂ کلام حاضر کئے جاتے ہیں ؎

یہ وہ حالی ہیں جنکی آج شہرت ہے زمانے میں	در مدح مولانا حالی	زمانہ اِن کا قومی راگ گاتا ہے ترانے میں
انہیں کی کوششیں ہیں قوم مردہ کے جلانے میں		انہیں کی شاعری کی روح ہے قومی فسانے میں
ہر اک شعر انکا قومی سوز کا دمساز ہوتا ہے		ہر اک ساز اُسکا قومی راز کا ہمراز ہوتا ہے
یہ وہ حالی ہیں جو پیدا کریں امرت کو زہروں میں		ہیں اِنکے نام کے قائم کلب یورپ کے شہروں میں
معانی کی جگہ جادو بھرا ہے انکی بحروں میں		مہذب لیڈیاں گاتی ہیں جنکو اپنی لہروں میں
اِنہیں کے نام کا حالی کلب قائم ہے لندن میں		اِنہیں کی نظم کے تو ترجمے ہوتے ہیں لسبن[2] میں
مسلّم شاعرانِ ہند میں ہے انکی اُستادی		نئی نظموں کا رکھا ہے انہیں نے سنگِ بنیادی
انہیں نے شاعری کو قید سے دلوائی آزادی		ہیں قدرت کے مناظر شاعری میں انکی ایجادی
موثر نظم دلکش شعر درد انگیز مضمون ہے		زباں میں انکے جادو ہے قلم میں انکے افسوں ہے

ایجاد

(ایجاد) شاہزادہ مرزا رحیم الدین گورگانی - تلمیذ رشید صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر صاحب تذکرہ گلستانِ سخن مرزا حسین بخش کے بیٹے بڑے خلیق اور ملنسار آزادمنش نوجوان تھے - غدر کے زمانے میں ۲۵ - ۲۶ برس کے سن میں پھانسی پائی - فن سخن میں طبیعت نہایت رسا اور عالی پائی تھی - انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

بتخانہ میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا		اے زاہد ناداں تجھے کیا میں کہیں تھا

[2] پرتگال کے دار الخلافہ کا نام ہے ۱۲ — [1] یعنی تونے ۱۲

ایجاد

(**ایجاد**) مولوی قمرالدین صاحب بھوپال سے ایک رسالہ آپ کی زیرنگرانی شائع ہوا کرتا تھا یہ آپ کا کلام ہے ؎

آئے نہ وہ تو بھیجدیں آنکھیں نکال کے	ہم نے نیا علاج کیا انتظار کا
دل نے بھی آہ اُن سے میرا حال کہدیا	اب اعتبار کیا ہو کسی رازدار کا
ہم نے نہ پی شراب جو قحطِ شراب میں	اسعد نے ثواب دیا روزہ دار کا

ایرن

(**ایرن**) مسٹر ایرن جیکب۔ عیسائی مذہب اور گورکھپور کے رہنے والے ہیں۔ شاید حضرت ریاض سے اپنے کلام میں مشورہ کرتے ہیں۔ بہرحال یہ اُنکے کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ہے ؎

ہاتھ میں سبحہ ہے لب پر ہے ترا نام اے بت	بس یہی دیں ہے میرا یہی ایماں میرا
خبر اسکی نہیں کیا ہوگیا دل	مگر یہ یاد ہے پہلو میں تھا دل
ترا تیر دل سے جدا ہو رہا ہے	یہ ظلم او کماندار کیا ہو رہا ہے
یہ کیا چپکے چپکے شکایت ہے اے دل	خبردار کسکا گلہ ہو رہا ہے
لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی	کہ ہر وقت ذکرِ خدا ہو رہا ہے
محبت ہے رکھنے کے قابل یہی ہے	حسیں جپہ نازاں ہوں وہ دل یہی ہے
ورے بت سے اچھی سہی حورِ جنت	مگر پیار کرنے کے قابل یہی ہے
نکلتی کس طرح ہے دیکھ جاؤ جان بسمل کی	نظارہ ہو وہم آخر بر آئے آرزو دل کی
ستم ایسا نہ کرے باغباں فصلِ بہاری میں	گرائیں بجلیاں ایسا نہ ہو آہیں عنادل کی

ایما

(**ایما**) میر یحییٰ مخاطب بہ عاشق علیخاں۔ صبیہ زادہ خوشحال خاں قاقشال۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد کے حضور رس امیروں میں تھے۔ دولت و تمول کا یہ حال تھا کہ ایک بنگلہ جواہر سے مرصع تیار کرایا تھا جس پر حضور شاہی سے موردِ عتاب ہوئے۔ شوخ طبعی خلقی تھی۔ دکن آپ کا مولد تھا اور وہیں زندگی کے دن بسر کئے۔ علم ہندی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ نواب نظام الملک آصفجاہ کے مزاجشناس و ہمعصر تھے۔ ریختہ میں کبھی ایما اور کبھی عاشق تخلص کرتے تھے۔ یہ

کے تجارت پیشہ آدمی ہیں - اب ۲۳ برس کی عمر ہے اور کم و بیش ۱۲ برس سے شاعری کا شوق ہے - کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

ہیں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی
رہن دو پیالوں پہ ہم نے حوضِ کوثر رکھدیا

مے گلرنگ سے ساقی چھلکا دے
گھٹا چھائی ہے اودی آسماں پر

یہ کہہ کے رُخ سے وہ پردہ اُٹھائے دیتے ہیں
تجھے بھی طور کا عالم دکھائے دیتے ہیں

دیکھنے والوں سے پردہ کہیں ہوسکتا ہے
نگہ شوق نے روزن کئے دیواروں میں

اس طرف رُخ تری رحمت کا جو دیکھا دمِ حشر
لگئے دوڑ کے زاہد بھی گنہ گاروں میں

وہی ہم ہیں کہ ہنسے پڑتے تھے بلبل کی فغاں سُنکر
وہی ہم ہیں کہ اب ہر رات لب پر آہ و نالے ہیں

نہیں جس بات پہ ہوگی قیامت تک نہیں ہوگی
خدا اس ضد کو رکھے اب وہ کسکی سننے والے ہیں

کسیکی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دئے ہمکو
جگر میں ٹیس - دل میں درد - لب پر آہ و نالے ہیں

چھپائے مُنہ جناب شیخ نکلے بزم رنداں سے
انہیں کی دُھوم تھی پہلے بڑے اللہ والے ہیں

لگاکر دل کسی سے جان ہے **ایجاد** آفت میں
امید وصل کیسی زندگی کے اب تو لالے ہیں

ناتوانی سے بیٹھتے اُٹھتے
لب تک آتی ہے آہ مشکل سے

جو پسند آئے ملیئے ہاتھوں میں
خونِ عاشق ہی ہے حنا بھی ہے

ایجاد

(ایجاد) منشی سرفراز علی ایجاد باشندہ رودلی اودھ یہ آپکا کلام ہے ؎

درد کہتا ہے کہ ہوں ضبطِ فغاں تک ٹلیں
ساتھ نالوں کے میں کانٹا سا نکل جاؤں گا

صدمۂ ہجر یہ کہتا ہے کہ جلدی کیا ہے
جان لے لونگا تو پھر دل سے نکل جاؤں گا

ہزاروں حسرتیں رہتی دل میں
ہے گھر چھوٹا سا گنجایش بڑی ہے

رو کے ہم نے جو کہا جاں ہی اب دیدیجئے
ہنسکے وہ بولے کہ نقصان ہمارا کیا ہے

عاشقِ حسن بتاں ہوں اے جناب شیخ میں
مجھ سے ذکرِ کافر و دیندار رہنے دیجئے

بن چکیں باتیں بس اب تکرار رہنے دیجئے
بوسۂ لب ہو عطا انکار رہنے دیجئے

یہ لبِ زخم تری تیغ کا بوسہ لیں گے
بدگماں ایسا گماں اپنے نمک خواروں پہ

حضرتِ ایماں درِ جاناں وہ آتا ہے نظر
دیکھو ہمت کو نہ ہارو آ چکے منزل کے پاس

ٹھیک بیٹھا جگر پہ تیرِ نگاہ
بل بے ظالم تری نظر کی تلاش

ایمان

(ایمان) شیر محمد خاں خلف محمد عاقل نایک۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دورانِ حکومت میں حیدرآباد کے شعرائے مشاہیر میں شمار کئے جاتے تھے۔ اخبار نویسانِ ریاست کے زمرہ میں تعلق تھا۔ سرزمین ملکِ دکن کے حالات سے واقفیت کامل حاصل تھی۔ عروض و قافیہ سے خوب ماہر تھے۔ اور اکثر اشعار میں ضلع جگت کی طرف طبیعت کی توجہ مبذول رہتی تھی۔ ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات ان کی یادگار ہے۔ شطرنج بھی خوب کھیلتے تھے۔ امیر الامراء وزیر اعظم کی مصاحبت میں اکثر رہتے تھے۔ سنہ ۱۲۲۱ھ میں وہیں انتقال کیا۔ یہ ان کا کلام ہے

جو داغ ہے دل کا سو برنگِ پرِ طاؤس
ہو کیوں نہ خجل دیدۂ نرگس پرِ طاؤس

روا ہے کون سے مذہب میں یہ اے عشقِ نا منصف
دلِ پرویز خوش ہو خاطرِ فرہاد محزوں ہو

مئے گلگوں کا جو دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے
ٹپک پڑتا ہے خونِ دل مرا ایمان آنکھوں سے

قدر یاقوت نہیں لختِ جگر کے آگے
ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے

ہے بناگوش سے شرمندہ ترے آبِ گہر
شمع کو تاب نہیں نورِ سحر کے آگے

سرمہ گر چشم سے اپنی وہ خوش ابرو پونچھے
گردِ خجلت کو سدا دیدۂ آہو پونچھے

آستیں کام میں کس کی نہ وا دستِ نگر
میرے ہی ہاتھوں نے آخر مرے آنسو پونچھے

ایمان

(ایمان) منشی محمد علیخاں ایمان مقیم شکارپور ضلع بلند شہر۔ آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے

نا آشنا بھی ہیں یہ صنم آشنا بھی ہیں
بندے بھی ہیں خدا کے یہ کافر خدا بھی ہیں

مٹا دو ہمارے نشانِ لحد کو
نہ چھوڑو زمیں پر نشانی ہماری

مٹا دو مجھے دل سے کیا داغِ ہجراں
وہ پوچھیں گے کیا کی نشانی ہماری

آپ کا کلام ہے ؎

طبیبِ عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا	کہا تجھ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا
وقتِ بد میں کیا کسی سے ہو رفاقت کی امید	بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سایہ رفیق
رزا لایا جب بولا میر آنا روپے پر ہے	تو ہم بولے کہ مُنہ دیکھو روپے کے سولہ آنے ہیں
عاشق نہیں ہے تجکو کچھ خوف معصیت کا	سونے چلے رضا میں ہیں گے امام ضامن

صاف دل آرسی سا کوئی نہیں	لیک مُنہ دیکھی آشنائی ہے
کیوں نہ گھر آوے وہ کماں ابرو	واسطے جسکے کھنچے ہیں چلّے

ایما

(ایما) میر حسین علی خاں مغفور۔ باشندۂ اورنگ آباد دکن۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک والی دکن کی سرکار میں بزمرۂ شعرا منسلک اور پانسو روپے ماہوار کے وظیفہ خوار تھے۔ شعر ریختہ کا شوق حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ مہاراجہ چندولال دیوان دکن کی قدردانی سے ہم عصروں میں ممتاز اور ہمیشہ مورد انعام و اکرام رہے۔ نہایت خوش تقریر و شیریں کلام بزرگ تھے۔ حضور نظامِ وقت کی فرمائش سے فی البدیہ یہ تضمین کی تھی جو درج ذیل ہے۔ ۷۰ برس کی عمر پاکر ۱۲۳۰ہجری میں راہیِ ملک بقا ہوئے ؎

ایما میں سا کنانِ چمن سے کیا سوال	ہم بھی تو تھے خزاں میں تمہارے شریک درد
کیفیتیں بہار کی ہم سے بھی کچھ کہو	اردی بہشت و دی کی ہوئی کسطرح نبرد
غنچہ نے مُسکرا کے دیا چٹ وہیں جواب	تو نے سُنی نہیں کسی اُستاد کی یہ فرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں	بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ایما

(ایما) حکیم سید حسن ایما شاگرد نواب فصیح الملک داغ دہلوی یہ خود دہلی کے متوطن ہیں مگر مدت مدید سے کلکتہ میں قیام رکھتے ہیں گلدستۂ نتیجۂ سخن میں کچھ کلام نظر سے گزرا اُس کا انتخاب ضبطِ تحریر میں آیا ؎

حالِ بیتابیٔ دل لختِ جگر کہتے ہیں	چلی آتی ہے خبر آنسوؤں کے تاروں پر

ب

بادشاہ

(بادشاہ) میر بادشاہ علی نام دہلی کے متوطن اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں حیات تھے ؎

بلبلِ شیدا نے پوچھا گل سے یوں روزِ بہار
اے گلِ رعنا ترے دامن ہے کیوں لپٹے ہیں خار

گل نے کر چاکِ گریباں یوں کہا رو رو کے حال
چشمِ گل کو نوکِ مژگاں کی جگہ ہے نوکِ خار

باران

(باران) منشی سید ولایت علی باشندہ بلند شہر- علمی استعداد رسمی اور ایک خوش گو شاعر ہیں بلند شہر اور اُسکے نواح میں خاصی شہرت حاصل ہے- یہ آپ کا کلام ہے ؎

جو کہتے اُن سے مشتاق جفا تم ہوتے جاتے ہو
تو فرماتے ہیں شوخی سے کہ ہاں ہاں ہوتے جاتے ہیں

لگا تا ہے نشانہ کون سا ناوک فگن دل میں
نکل کر تیر جنکی سے رگ جاں ہوتے جاتے ہیں

بہار آتی ہے شاید- پھر وہی شورش ہے سینے میں
کھل جاتی ہیں باچھیں زخم دل نگت بدلتا ہے

خزاں بھی ہو چکی اور فصل گل بھی جا چکی آ کر
یہ نخلِ آرزو کیا جانے کس موسم میں پھلتا ہے

نہ ملیے وصل کا وعدہ نہ کیجیے خیر کیا ڈر ہے
مگر یہ بھی سمجھ لیجے کہ ہونا ہو کے ٹلتا ہے

سرِ محفل یہ کیسا تاڑنا مڑ کر ان انکھیوں سے
یہ کیسی بجلیاں گرتی ہیں خنجر کس پہ چلتا ہے

پھر وہی بے باکیاں پہلی سی دکھلانے لگے
پھر مجھے چھیڑا تصور میں مرے آنے لگے

بارق

(بارق) مرزا مظفر حسین بیگ نام ہے- مرزا صفدر علی بیگ رسالدار ہز ہائینس نظام کے صاحبزادے ہیں- خود بھی فوجی ملازم رہ چکے ہیں- اصل میں ضلع علی گڑھ کے رہنے والے ہیں مگر اب عرصۂ دراز سے حیدرآباد دکن میں مقیم اور قلعۂ گولکنڈہ کے مدرسہ میں فارسی کے مدرس ہیں- امامیہ مذہب ہے- اہل و عیال کے جھگڑے سے آزاد و تن تنہا مزاج میں وارستگی اور بے تکلفی حد سے بڑھی ہوئی ہے- طبیعت میں سپاہیانہ جوش و خروش پایا جاتا ہے ساتھ ہی شوخ طبعی بذلہ سنجی سے ہر دل عزیز اور یار باش ظریف ہیں- پچاس برس کے قریب عمر ہے- فنِ سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مستفید اور اُنکے عقیدت مند شاگردوں میں ہیں- حضرت

ایمان

(ایمان) نواب تجمل حسین خاں رئیس مدراس جناب جلال لکھنوی سے مشورۂ سخن فرماتے ہیں ؎

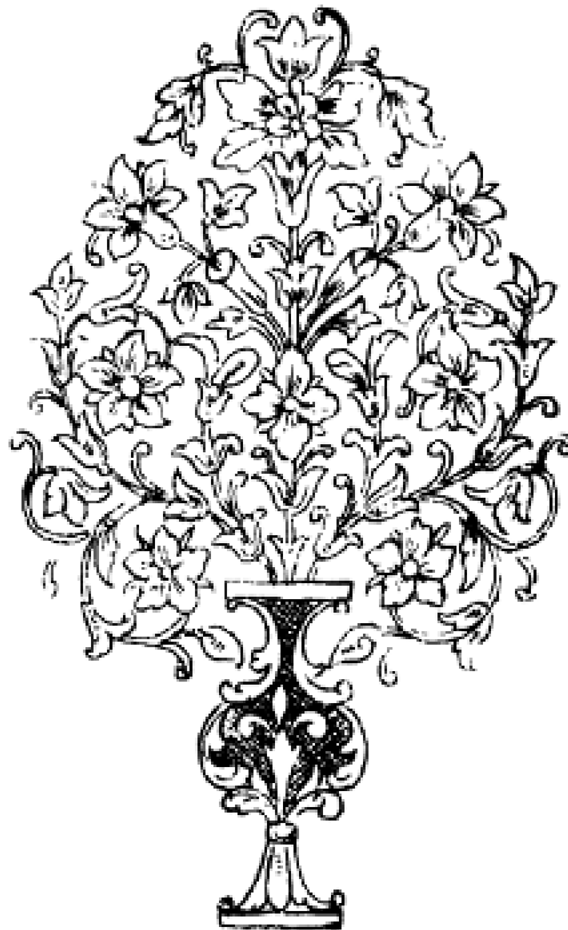
دیکھو ڈھنگ اُس پری شمایل کا — روز خواہاں ہے اِک نئے دل کا
بوسہ ملجائے روئے قاتل کا — خونبہا ہے یہی مرے دل کا ؂
اثر ہوتا جو کچھ اپنی وفا میں — کمی کرتا وہ ظالم کیوں جفا میں
نہیں مُدت سے دل پہلو میں ایماں — بتوں کو دیدیا راہِ خدا میں

ایمن

(ایمن) حکیم حافظ مولوی محمد احمد سکندر پوری - دور موجودہ کے شاعر ہیں - یہ آپکا کلام ہے ؎

ہائے رو رو کے جتانے یہ یہ ان کا کہنا — روٹھ کے ہمسے چلے ہیں یہ منائیں کیونکر
ناتوانی کا یہاں عذر نزاکت کا وہاں — وہ نہیں آتے تو ہم ہوش میں آئیں کیونکر
تم جفاکیش عدو چرخ فغاں بے تاثیر — آرزوئیں دلِ مضطر کی برآئیں کیونکر
خون منظور ہے عاشق کی تمناؤں کا — آپ مہندی شب وعدہ نہ لگائیں کیونکر
تُوہی اے دیدۂ تر اب کوئی تدبیر بتا — لگ گئی آتشِ غم دل میں بجھائیں کیونکر







طالب نہیں ہوتے کبھی اسکے وہ خوشی سے
دل دیتا ہے انسان اُنہیں آپ خوشی سے

رکھئے کبھی امید نہ دنیا میں کسی سے
بگڑی ہوئی بندے کی سنورتی ہے اُسی سے

خنجر سے کریں قتل کہ تلوار سے مجھکو
میری وہ سزا پوچھتے ہیں آج مجھی سے

دیکھی فلک پیر کی جب سفلہ نوازی
نفرت ہوئی دل کو مری ثروت طلبی سے

وصل کا کرتے ہیں آنکھ اُسکے اشارہ لیکن
قائم اقرار پہ رہتے ہیں کہیں تو والے

حضرتِ زاہد اگر دیندار ہیں
میکشوں میں کون دیندار ہے

شوخیوں کا دلِ بیتاب کی وہ قائل ہے
یہ تو بجلی ہے اسے کون کہے گا دل ہے

(بارق) حکیم میر عنایت حسین لکھنوی - زمانہ حال کے شعرا میں ہیں ؎

مرا ہر اشکِ غم ہے ایک نقشِ حسرتِ مردہ
قطار نخل ماتم کا ہے شک موہائے مژگاں پر

نیازِ عشق اسی نامنصفی کا نام ہے اے دل
خود اپنی جان دینا اور دعویٰ نازِ جاناں پر

(بازغ) ابوالحیات محمد عبدالحی بازغ فرزند حاجی حافظ محمد حسین فارغ سابق سرگروہ فوج کوتوالی بلدہ حیدرآباد - مرزا منیرالدین گورگانی ضیا دہلوی کے شاگرد اور سرکار نظام کے وظیفہ خوار ہیں - طبیعت اچھی پائی ہے - زبان اور بندش کا خیال رکھتے ہیں یہ شعر انکے ہیں ؎

جا گزیں ہے جب سے زانوئے بتاں پر آئینہ
ہو گیا ہے رو کش خورشید خاور آئینہ

اپنی صورت دیکھنے میں تنے مستغرق ہیں وہ
آئینے کے سامنے بیٹھے ہیں بنکر آئینہ

نرکھ لباس کا ادھاڑ تن پہ دستِ جنوں
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی

لحد پہ میری آکے وہ کہہ رہے ہیں یہ
کسی کی خبر بھی ہے ملے سونے والے

وہ حُسن سے ہیں مست تو ہم عشق میں بیخود
پروا نے وہ عالم نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے

لے لیجئے جو آپ کی منظورِ نظر ہے
یہ جان یہ ایمان ہے یہ دل یہ جگر ہے

(باسط) منشی سید باسط علی صاحب انکے والد کا نام سید محمد علی تھا آپ رمضان ۱۲۹۹ھ کو پیدا ہوئے - نظام پور ضلع بارہ بنکی کے متوطن ہیں - ۱۵ - سال کی عمر سے شعر گوئی کا شوق ہے

داغ بھی اِن پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے کلام میں شوخی۔ صفائی۔ پختگی۔ جدت۔ روانی۔ سب کچھ موجود ہے جیسا کلام مندرجہ سے ظاہر ہے ؎

شکوہ بیجا ہے بے وفائی کا
یہ تو شیوہ ہے دل ربائی کا

سب میں مشہور ہو گئے کافر
اور دعوے کرو خدائی کا

حشر میں ہے خدا بھی وہ بت بھی
اب ہے موقعہ مری دوہائی کا

کیا زمانہ ہے یہ کہ ہے دشمن
باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا

اس حسن پہ بھی اُس کو دئے ناز و ادا اور
سچ یہ ہے کہ بھرتے ہی کو بھرتا ہے خدا اور

بسمل میں ہے گریاں تو پھر دیکھتا کیا ہے
تیغ نگہِ ناز کا ایک وار لگا اور

ساتھ اس بتِ کافر کے خدائی ہے خدایا
مجھ عاشقِ بیکس کا نہیں تیرے سوا اور

پھر زاہد سیکدے ست لے چلیں ندو شرابا
لاؤ کوئی صاف ستھرا پاک برتن دیکھکر

صبح کعبے میں گزرتی ہے تو شب کو دیر میں
دنگ ہیں مذہب مرا شیخ و برہمن دیکھکر

آؤ بس مل لو اب چھوڑ دو رنج و ملال
لوگ ہنستے ہیں تمہاری میری ان بن دیکھکر

رسا گردوں تک آہیں ہیں قریبِ عرش نالے ہیں
تری فریادیوں کے آجکل تو بول بالے ہیں

بری باتوں کا اُن کی پھر بُرا مانے کوئی کیونکر
کہ وہ تو گالیاں دے کر دعائیں لینے والے ہیں

جو دنیا میں نہیں ملتے وہ محشر میں ملینگے کیا
یہ سارے عہد و پیماں آپکے جیلے حوالے ہیں

کبھی مطلب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے
ہمارے دیکھے بھالے ہیں وہ جیسے جو بھالے ہیں

یہ تم ہر بار کس کو کھینچکر خنجر ڈراتے ہو
وہ کب مرنے سے ڈرتے ہیں جو تم پر مرنے والے ہیں

عشق چھوڑا ہے نہ چھوڑینگے کبھی اے ناصح
اس بہانے ہی سے آجائے جو موت آنی ہے

تیرا بیمار مسیحا کی دوا کیوں کھائے
اس کو منظور تو جنت کی ہوا کھانی ہے

آپ کا وعدہ وفا ہو گا ضرور
گر قیامت تک سلامت ہم رہے

دو روز تو جینے دو جوانی میں خوشی سے
کیا تم یہ فدا ہوکے میں مرجاؤں ابھی سے

(**باقر**) میر باقر علی ولد میر علی حسین۔ حکیم مومن خاں وغیرہ کے ہمعصر تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں مدت تک لاہور اور اطراف پنجاب میں رہے۔ شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی اور اچھا کہتے تھے اُن کا کلام یہ ہے ؎

تجھے تو مشغلہ اغیار سے رہا تا صبح	تری بلا سے کسیکو گر انتظار رہا
اگر وہ شب کو نہ آئے تو کیا گیا ہم نے	یہی نہ اُن کے نہ وعدہ کا اعتبار رہا
چکھا ئینگے تجھے نازک مزاجیوں کا مزا	اگر ذرا ہمیں دلبر کچھ اختیار رہا

(**باقر**) اعتضاد الدولہ سید محمد باقر علی خاں برادر خرد ذوالفقار الدولہ ولد سید محمد تقی علی خاں شاگرد مرزا مظفر علی ہمراہ واجد علی شاہ کے زیر سایہ مٹیا برج (کلکتہ) میں رہتے تھے۔ تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھے۔ صاحب دیوان ہیں اشعار ذیل اُنکی فکر کا نتیجہ ہیں ؎

خاک پروانوں کی تھی بس اور لگن میں کچھ نہ تھا	صبح کے ہوتے ہی ہوتے انجمن میں کچھ نہ تھا
کسیطرح سے یہ کم ظرف ہو گئے عالی ظرف	حباب لاکھ بڑھے آسماں نہیں ہوتا
نہ مرتا عشق میں تو عاشقِ دلگیر کیا کرتا	سوا اسکے وصال یار کی تدبیر کیا کرتا
نیشِ غم نے اسقدر رگ رگ میں کی میری خلش	مغز بنکر درد ہر اک استخواں میں رہ گیا
جبہ سائی کی یہاں تک آستانِ یار پر	مٹ گیا سنگ درِ جاناں سے خط تقدیر کا

(**باقر**) نواب محمد باقر خاں لکھنوی۔ خلف نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خاں بہادر وزیر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ۔ کشمیری الاصل اور لکھنؤ کے رئیس تھے۔ خواجہ وزیر سے فن شعر میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ بعد غدر انتقال کیا ؎

غیر کے کہنے سے گو اُس نے چرائیں آنکھیں	ہو گئی صلح جو اک بار لڑائیں آنکھیں
بوسۂ چشم کبھی ہمنے جو مانگا باقر	یار نے چین بجبیں ہو کے دکھائیں آنکھیں

(**باقر**) باقر خاں ولد عباس خاں رام پوری۔ شاگرد مرزا حسین علی خاں شاداں۔ تذکرہ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت اِن کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ یہ چار شعر اُنکے ہیں ؎

آجکل ریاست بھٹوامئو ضلع سیتاپور میں راجہ صاحب کے سررشتہ دار ہیں۔ اوائل میں چند غزلیں منشی علی محمد صاحب آرمؔ کو دکھائیں پھر حضرت داغؔ سے رجوع لائے یہ کلام ہے ؎

مجھسے کیا پوچھئے جو حشر کے دن کیا ہوگا
سب کو آنے لگا خدا یاد کچھ ایسا ہوگا

کیجئے وعدۂ فردا پہ صبر کیا معنی
ہمیں تو اپنے ہی جینے کا اعتبار نہیں

کرو رقیب کے ملنے سے تم ہزار نہیں
خفا معاف مگر ہم کو اعتبار نہیں

بسمل تو ہزاروں ہی ترے آئے نظر میں
دیکھی نہ کبھی تیغ بندھی تیری کمر میں

فرقت میں یہ لیلی کے تصور کا تھا عالم
تاریک شب و روز تھے مجنوں کی نظر میں

اے پیرِ فلک شمس و قمر پہ ہے تجھے ناز
داغ ایسے ہیں صدہا مرے اپنے سے جگر میں

وہ آتے ہی رہے شبِ وعدہ کہ ہو گئی
صبحِ قیامت آج شبِ انتظار میں

کہتے ہیں قتل کیا اس لئے ہمنے تجھ کو
خوں میں دیکھیں ترے رنگِ وفا ہے کہ نہیں

آنکلتے ہیں وہ جب گورِ غریباں کی طرف
بیکسی بڑھ کے بنا دیتی ہے تربت میری

باطن

(باطن) حکیم میر قطب الدین مؤلف تذکرہ گلستانِ بیخزاں و شاگرد نظیر اکبرآبادی گو آپ نے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بیخار کے جواب میں یہ تذکرہ لکھا مگر افسوس کہ وہ بھی اُن عیوب اور نقائص سے پاک نہیں نکلا جو انہوں نے شیفتہ مرحوم کے تذکرہ میں نکالے تھے۔ آپ میاں کالے صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ دیوان اور مثنوی غمِ دلربا ان کی یادگار ہیں۔ انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

جی گیا مرنے سے مرنے نے جلایا مجھ کو
ملک الموت مرے حق میں مسیحا آیا

آنکھوں میں رہتے دل میں جگہ کرتے بے حجاب
پردہ نشین تھے آپ تو پردہ کہاں نہ تھا

ترے در سے خالقِ انس و جاں جو ملی تو لوں میں بلا طلب
وہ چلے یہ بلائے ہوس طلب تجھے ہے یہ دستِ طالب

ضبط کے معنی ہیں یہ کرتے نہیں ہم منہ سے اُف
شورشِ ہنگامۂ محشر ہمارے دل میں ہے

ہر اک جانب ظہورِ نورِ روئے یار جانی ہے
کہاں ارنی کہاں موسیٰ کہاں کی لن ترانی ہے

رسوخ حاصل تھا اور اکثر سفر و حضر میں اُنکے ہمرکاب رہا کرتے تھے۔ شاہی تقریبوں اور دربار کا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ آپ کو شعر و سخن سے دلی رغبت تھی۔ فارسی خوب کہتے تھے۔ فن سخن کے دلدادہ اور اربابِ کمال کے بڑے قدردان تھے چنانچہ نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے ابتدائی قیام میں اُنکے بڑے مدد و معاون رہے۔ سنہ ۱۳۰۵ھ میں جناب باقی کے دو صاحبزادے (جنمیں سے ایک ۲۵ برس کا نوجوان تھا) یکے بعد دیگرے داغِ مفارقت دے گئے۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں آپ کا اُردو دیوان موسوم بہ بقائے باقی منشی نولکشور کا پرشاد افق کے اہتمام سے چھپا تھا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔ بھاگوت فارسی۔ کیشو نامہ۔ کلیات یادگار باقی۔ قصائد باقی۔ پرنس نامہ وغیرہ۔ ۱۵-۱۶ رسالے آپکی تصنیف سے ہیں۔ اسکے علاوہ دو صغیر سن لڑکے آپنے یادگار چھوڑے۔ ۶۰ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۹۰۱ء میں عالم کو سدھارے ٥

اپنے سے جدا خدا کو سمجھا	باقی دیکھا شعور تیرا
چشم بلبل سے بنا دو مرے مرقد کا غلاف	جسمیں سب جانیں کہ عاشق تھا کسی گلرو کا
آہ نالے سے نہ نکلا کچھ کام	آسماں تک اسے پہنچا دیکھا
یار کا پاؤں تو عالم کا وہاں سر ہوتا	کاش کے میں ہی در یار کا پتھر ہوتا
دلِ عاشق کے یہ سو ٹکڑے کہاں سے ہوتے	تیغِ ابرو میں جو غمزے کا نہ جوہر ہوتا
یوں تو ہونے کو ہزاروں ہی نئے عاشق ہیں	باقی اک بندۂ دیرین و کہن ہے اُنکا
جامہ زیبوں کی لٹک ان میں کہاں بادِ صبا	تو نے غنچوں کے نئے گو جمع داماں کر دیا
لفظ بسمل جانئے بسم اللہ تھا تیرا سبق	تو نے مکتب ہی میں پہلے خوں کیا اُستاد کا
دیکھتے تم کہ شرارت سے بسر کیا کرتا	گر اجل سر پہ نہ ہوتی تو بشر کیا کرتا
موت آئی ترے عاشق کی بڑی خیر ہوئی	مرضِ عشق ابھی کس کو خبر کیا کرتا
میرے زخموں سے جو پھاہا اُترا	بن گیا منہ مینائے شراب
بات میں پیر جواں ہوتا ہے	زاہد ادیکھ تماشائے شراب

آہ اک آہستہ کی تھی ہجر میں روزِ ازل
رنگ پیلا ہو گیا اُس روز سے افلاک کا

عطر آگیں ہے ہر اک جھونکا صبا کا دیکھنا
اُس نے زلفیں کھول کر شاید کیا ہے شانہ آج

چلیے جو اپنے سائے سے بھی بچ کر ہائے
وہ ظالم لگا کسی کا آشنا ہو

قبر میں کشتۂ رفتار کا کیا جی بہلے
چاہیے روز نئی ایک قیامت ہم کو

باقر (**باقر**) باقر علی خاں ولد امجد علی خاں - خویش سبحان علی خاں کمبوہ لکھنوی - شعر و سخن کی طرف مائل تھے - مگر رعایت لفظی کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں - کوئی شعر اس التزام سے خالی نہیں جا - پانچ شعر انتخاباً ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

حادث ہو کیوں نہ صورتِ عالم تراد ہن
لب بھی نئے نئے ہیں ترے اور نیا دہن

اے بحرِ حسن دانت ہیں سلکِ گہر ترے
موجیں ہیں گال لب ہیں حباب آشنا دہن

آگے تو گالی دے کے زباں خوب صاف تھی
اب مُنہ چڑا کے بگڑا ہے کیا آپ کا دہن

باقر ریاضِ شعر میں جو مدفن کی ہے طلب
وا کر مفاز نجر میں بہر دعا دہن

باقر (**باقر**) اسم نا معلوم - مجموعہ عشاق مولفہ منشی محمد اسمعیل ۱۳۰۹ھ میں چند غزلیں نظر سے گزریں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے ؎

کلیجہ تھامے ہاتھوں سے مرے گھر روز آ نگے
کسی دن نوخو کھلائے گا اندوہ و غم اپنا

تمہاری دید کی حسرت میں دیکھو جان جائیگی
کھُلی رہ جائینگی آنکھیں نکل جائیگا دم اپنا

شکلِ تصویر ہو خاموش تماشہ کیا ہے
بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو یہ نقشہ کیا ہے

باقی (**باقی**) راجہ گردھاری پرشاد معروف بہ محبوب نواز ونت راجہ بنسی بہادر مغفور - آپ قوم کے کایستھ سکسینہ اور راجہ نرہری پرشاد خلف راجہ سوامی پرشاد کے فرزند تھے - سنسکرت اور فارسی سے بخوبی ماہر اور کسیقدر عربی سے بھی بہرہ ور تھے - آپ سلطنت آصفیہ کے ایک ممتاز رکن جاگیردار اور حضور نظام کے سچّے خیرخواہ تھے فوج باقاعدہ دولت آصفیہ کے سررشتہ دار اور دفتر خانسامانی کے مہتمم تھے - حضور نظام کے مزاج میں آپ کو ایک خاص

سنتا ہے تمہاری کون باقی
دیوانے ہو غل مچا رہے ہو

رسم بازارِ محبت کی نرالی دیکھی +
چور کی طرح سے کٹتے ہیں خریدار کے ہاتھ

حسن وہ جنس ہے بازار جہاں میں باقی
پھیلے ہیں جسکے لیے مفلس و زردار کے ہاتھ

کعبہ و دیر میں تھے شیخ و برہمن سرکوب
ہم تھے سنگِ درِ دلدار تھا پیشانی تھی

یار جبتک کہ نہ تھا ٹھنڈی تھی محفل ساقی
مئے گلرنگ صراحی میں تری پانی تھی

حضرتِ فیض کا سب فیض ہے باقی چلیے
نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ زباں دانی تھی

چتنوں میں تیری کیا کیا فتنے بھرے ہوئے ہیں
یاں سامری کا جادو چلتا نہیں ہے کوئی +

اپنے کشتے کی زیارت کیجیے
شمعِ رُخ کو شمعِ تربت کیجیے

نزع تک بھی اُسکی بے پروائیاں باقی رہیں
جب کہا دم توڑتا ہوں میں کہا ہاں توڑیے

مژگاں کا ذکر آیا ابرو کے عاشقوں میں
خنجر پہ پہونچی نوبت تلوار چلتے چلتے

تمہارے حسن کا افسانہ مشہور عالم ہو
چھٹے وامق سے عذرا قیس سے لیلیٰ دمن سے نل

مجھے اشکوں سے رسوائی کا ڈر ہے
مثل ہے گھر کے بھیدی سے خطر ہے

کیا زبوں حالِ دلِ رنجور ہے
داغ دل میں دماغ میں ناسور ہے

اُسکی مژگاں کا تصور نہ کر اے دل زنہار
کیوں تو بوتا ہے یہ اپنے لئے نادان کانٹے

ماہِ نو جھکتا ہے مجرے کے لیے
مہرباں نیچے سے اوپر دیکھئے

مست و مجذوب میں نہیں کچھ فرق
مے پرستی خدا پرستی ہے +

صنم کا نور دیکھا ہے خدا کے نور کے بدلے
ہوا ہے داغِ دل روشن چراغِ طور کے بدلے

(بالا) سید رحم رسول عرف بالا میاں - ولد سید جمال علی عرف کلو میاں پرستار زادۂ سید شاہ نجات اللہ بارہوی سنہ [illegible] ہجری میں پیدا ہوئے - فن تاریخ گوئی میں عجیب و غریب ملکہ حاصل تھا - بہت سی ایسی تاریخیں کہی ہیں جن کے مطول قطعوں میں متعدد صنعتوں کے ساتھ بے شمار تاریخیں نکلتی ہیں - چونکہ وہ سب فارسی میں ہیں اس سبب سے قلم اندازی کی۔

کہہ رہا ہے دلِ شیدائے شراب
پُتلیاں بھرتی رہتی ہیں آنسو

ہائے خُم - ہائے سبوہائے شراب
میری آنکھیں ہیں یا کہ ہے پنگھٹ

رفیقو جاں دی ہے میں نے کسی کے روئے روشن پر
شوق سے کرتے مرے صیاد یہ دوچار پر

گر جائے شمع شعلہ طور کا ہے میرے مدفن پر
طاقت پرواز کب ہے ہیں کسے درکار پر

شہسواروں کا جھو ییا دامن

اپنے مُشتِ غبار پر ہوں غش

کاٹے کھاتے ہیں غم ہجر صنم میں باقی
قدرت نہیں جھپکے دم نظارہ کبھی آنکھ
ٹکڑوں سے بحرِ غم کے ہیں باقی ہمیں ہلاک
دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
تُو نے مجھکو جو بھلایا تو کیا
عارض یار نہیں عکس فگن پانی میں
کب سکے ہے لبِ شیریں کی ہمسری کو سزا
سب وہی وہ ہے کہاں میں ہوں کسے پوچھتے ہو
یمجاں خنجر قاتل سے میں تڑپا جس دم
تُو بھی سُنتا ہے کہ یہ سب تجھے کیا کہتے ہیں
جیتے جی مر گیا جو زندۂ جاوید ہوا
دوستو میں نے یہ مانا کہ شریعت والے
لیکن از راہ طریقت ہے مرا یہ سوال
چھوڑنا عشق کا آساں ہے نکرنا آساں

شمع - سیارے - ستارے - شب دیجور - چراغ
تصویر بنا ہے تری تصویر کا مشتاق
یاروں کی کشتی پہونچی ہے ساحل کے متصل
ہمسے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم
میں تجھے یاد کیا کرتا ہوں +
گُل شاداب کا پھولا ہے چمن پانی میں
جو نیشکر کے جدا بند بند کرتے ہیں
سن دیا چھوڑ چکا ہوں کہوں کیونکر میں ہوں
بولی شمشیر نہ گھبرا ترے سر پہ میں ہوں
کتنے بت کہتے ہیں اور کتنے خدا کہتے ہیں
وہ جو عارف ہیں فنا ہی کو بقا کہتے ہیں
کفر و ایماں کو بُرا اور بھلا کہتے ہیں
جو کہ دونوں سے بری ہو اُسے کیا کہتے ہیں
کیا قباحت ہے کہ عاشق کو ہیں مشکل دونوں

قطعہ

دل میں تو لگی ہے آگ اشکو
معلوم ہے زرگری تمھاری

کیوں پانی سے گھر بہا رہے ہو
کیوں سیم تو تیار رہے ہو

وہ ہیں کیا کہتا ہے جا اب تو تجھے چھوڑ دیا
لوگ کشتہ کو ترے دیکھ لیے جاتے ہیں
جی اُٹھوں کیا ہے تعجب وہ دمِ آخر بھی
دی ہے ہر گل کو صبا میں ہے یہ تاثیر کھلا
سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ دلدار سے دل
آپ بسمل ہے رکھے ہے مجھے نت کل کل میں
دیکھ بے رحم وہ یوں کہتا ہے گریہ کو مرے
عید قرباں میں نہ کیوں اپنا گلا کاٹوں میں
دوسرا دل جو تو مانگے ہے کہاں سے تجھے دوں
ہے یہ وہ چشم کہ تنہا نہ زمیں جاوے ڈوب

مار ہی ڈالوں گا کبھو پھر جو ترا ہاتھ لگا
دو قدم اُس کو موئے پر تو بھلا ہاتھ لگا
دیوے بالا مرے تن سے جو ذرا ہاتھ لگا
غنچۂ دل نہ مرا پر کسی تدبیر کھلا
جانے دی عشق نے کیسی اسے اکسیر کھلا
جی میں ہے زہر دوں دل کو کسی تدبیر کھلا
پڑ گیا ہے ترے کیا دیدۂ تر میں تنکا
اُسنے پکڑا تھا مجھے ذبح کو - پر چھوڑ دیا
ایک دل تھا سو میں صدقے ترے کر چھوڑ دیا
ٹک جو روؤں بخدا عرش بریں جاوے ڈوب

بے دھڑک بال کھولے نکلے ہو

شام دیکھو نہ تم سحر صاحب

کیا جی کو خوش آتا ہے کہ جس وقت وہ ہنسکر
کیا کہیں حالِ دلِ زار کہ کچھ پوچھو مت
تھمتے نہ اشکِ خوں ہیں نہ تھمتا ہے سوزِ دل
نامہ و شوق و پیام و عجز سب کچھ کر چکے
جو جدائی میں جئے بن یار وہ عاشق نہیں
بے اختیار مجکو ابھی چاہنے لگے
کیا غضب ہے دیکھ کھل چھاتی پہ میرے زخم گل
خوف چوری کر کے بیٹھے ہو کہیں مارے نہ جاؤ
لاش دیکھو مری اٹکا در جاناں پہ ضرور
قیس بھی چونک پڑا اسکے مرا شورِ جنوں

کہتا ہے مجھے آئیے شیطاں کی صورت
غم سے ہے اب تو یہ بیمار کہ کچھ پوچھو مت
بے طرح کچھ بھڑکتی ہے آتش جگر میں آج
نامہ بر تو ہی بتا کچھ اُسکے یہاں آنے کی طرح
سیکھے بلبل تو پروانے سے مرجانے کی طرح
میرے جو حال سے ہو وہ محرم کسی طرح

قطعہ

یوں لگا کہنے وہ کر چہرۂ بت عیار سرخ
سچ بتا تونے یہ باتیں کہاں دینار سرخ
ہو کسی پر نہ کوئی شیفتہ نام مرے بعد
بولا شاباش بڑا نام کیا میرے بعد

گئیں آپ ریختہ گوئی کی طرف بھی مائل تھے- چنانچہ اس زبان میں بھی پورا دیوان مرتب کیا تھا- اپنے وقت کی زبان کے موافق اچھا کہتے تھے سنہ ۱۲۵۵ ہجری میں انتقال کیا اُنکے قلمی دیوان سے کچھ اشعار انتخاباً لکھے جاتے ہیں ؎

پھر اُس کو دو جہاں میں کس چیز کی ہے
ہے نام جس بشر کو وردِ زبان تیرا

معلوم کچھ تو ہو میں کیا کیا ترا گناہ
چاہے ہے قتل مجھ سے جو تو خیر خواہ کا

تو جو غیروں کو گلے لے ہے ہر اک آن لگا
اپنی چھاتی سے نہیں بھی تو کبھی جان لگا

کیا کہوں دیکھنا اُسکا وہ نظر بھر کے آہ
تیر سا تھا کہ کلیجے پہ مرے آن لگا

نالۂ عشاق میں سنتے تھے اک تاثیر ہے
سو مری قسمت میں وہ بھی بے اثر پیدا ہوا

ہائے سن نالہ مرا بولے وہ گل کس پیار سے
یہ مُوا جی کو مرے اِک نوحہ گر پیدا ہوا

دل سا تو کم جہاں میں گلستاں ہے دوسرا
مرجھائے داغ ایک تو خنداں ہے دوسرا

کیا ظلم ہے کہ دل پہ ادھر لگ چکا خدنگ
سو جو زخم پر دو ہیں پیکاں ہے دوسرا

اب غم نہیں فلک یہ دکھاتا ہے دوسرا
بھاتے تھے ہم جسے اُسے بھاتا ہے دوسرا

نالاں ہوں درد و غم کے نہیں ہاتھوں سے اسقدر
ضبط ایک کو کروں تو ستاتا ہے دوسرا

دیتے ہیں اب تو ایک ہی بوسہ یہ دل کو ہم
لینا ہو لو نہیں لئے جاتا ہے دوسرا

باتیں یہ میٹھی میٹھی ہم کچھ نہیں سمجھتے
بوسہ بھی دو تو دل سے کرتے ہیں جان ملا

یار جو تجھے سو جل بسے بالا ؎
تو بھی جلد اب قدم یہاں سے اُٹھا

دل جب سے لگا اُس بتِ ناداں سے اپنا
لگتا ہی نہیں جی کسی عنوان سے اپنا

آباد کر قدم سے اپنے کبھو تو پیارے
تجھ بن یہ خانۂ دل ویراں ہے ہمارا

جی تک جو چاہو سے لو دیں ہیں تمہیں گر
روٹھو نہ ہم سے اسمیں نقصاں ہے ہمارا

لب چومنے سے کیوں تو ہوتا ہے یار ناخوش
تیرا تو مصحفِ رُو ایمان ہے ہمارا

قطعہ

کیا ہی طالع ہیں بڑے اپنے کل اُس شوخ کے آہ
جو نہیں پاس سے دم بھر پابوس مرا ہاتھ لگا

اُسکا ہی لیویں دل اور اُسی کو کریں خراب ان ظالموں سے پھر کوئی کیسے وفا کرے

جو صدائے قم باذنی لبِ نازنیں سے نکلے موئی اُمتِ مسیحا وہیں تن زمیں سے نکلے

بخدا النقاب کھینچے جو ذرا وہ مُنہ سے کافر تو نہ پھر جہاں میں ہرگز کوئی اہلِ دیں سے نکلے

دل کیا جی بھی تم پہ ہے قربان لیجئے لیکن مرے کہے کو ذرا مان لیجئے

جس نام کے لئے سے ہو ہر درد کو شفا نام اُس صنم کا کیونکہ نہ ہر آن لیجئے

دل وجاں دیا تجکو تس پر بھی ہے ہے نہ کی تو نے کچھ قدر دانی ہماری

اُس نے دشمن کو مرے عشوہ گری دکھلائی دے مری چشم نہ کیوں خوں سے بھری دکھلائی

سانس ٹھنڈی نہ یہ کیوں عاشقِ حیران بھرے رات دن در پہ ترے رہتے ہیں دربان بھرے

خون سے کل تو نے تو تھے تیر دلکے پیکان بھرے آج کیوں مجھ سے پھر آئے ہو مریجان بھرے

ہو وے گا ترا ورد زباں نام وہاں بھی جب حشر کو ہم حکم سے داور کے اُٹھیں گے

کچھ پتنگا ہی نچھوڑے شمع کو آگے ترے شمع خود تجھ پر ہو پروانہ لگن کو چھوڑ دے

ہو حسن کا تیرے کیوں نہ چرچا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے کہ نالہ و اشک اپنا گزرا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

اُدہر ہے نالوں سے حشر آتش اُدھر ہے اشکوں سے اوپر پانی کیا ہے غم نے یہ حشر برپا فلک کے اوپر زمیں کے نیچے

کوئے جاناں کا رہا جی میں جو سارے دن خیال رات بھر ہم خواب میں باغِ ارم دکھا کئے

مرتے دم بھی ہم تو مُنہ قاتل کا مارے شوق کے تیغ سے جب تک یہ سر گردن قلم دکھا کئے

(بحر) شیخ امداد علی لکھنوی - خلف شیخ امام بخش - شاگرد رشید شیخ امام بخش ناسخ - آپ کے اُستاد اور اُستاد بھی مستند ہونے میں کسیکو کلام نہیں - تلاش اچھی - بندش چست - خیالات درست یہ تمام خوبیاں انکے کلام میں موجود ہیں - اور سب سے بڑھ کر وہ صفت جو خاص ہی خاص شاعروں کو میسر ہوتی ہے یعنی درد - آپکی عمر کا بڑا حصہ لکھنؤ میں ہی گزرا اگرچہ ہمیشہ آفات زمانہ کے ہاتھوں دق اور پریشان رہے لیکن طبیعت کی جولانی بڑھاپے میں بھی جوانی کا زور دکھاتی رہی - آخر عمر میں نواب کلب علیخاں والی رامپور نے دستگیری فرمائی اور رامپور طلب کرکے

میں دیکھنا تو اُسے ہوں پہ رشک آتا ہے
کہ خود نظر ہی نہ میری کہیں لڑا دے نظر

یہی ہے جی میں کسو کو نہ دیکھنے داں تجھے
رکھوں میں آنکھوں کے بھیتر تجھے بجائے نظر

ملاؤں کسطرح گل سے دلِ پُر داغ کو گلچیں
یہ گلدستہ بنایا ہمنے غم کے داغ سے سب کر

ہزاروں نیک و بد اِدھر اُدھر سے آ جاتے ہیں
یہ کیوں ہنستا ہے میخانہ میں شیشہ اتفاقہ کر

صبا کیا دل میں گزرا کر دیا وا آتے ہی شب کو
رکھتا تھا بقچہ غنچہ کو شبنم نے جو تہ کر

جس شب نہیں آمادہ بہاں وعدہ گسل ہائے
قسمت سے وہ شب بھی مری پڑ جائے ہے کچھ اور

آپ کو خاک کر دیا تو بھی
پائی اُسکی نہ خاک پا ہرگز

یوں تو عشاق ہیں کہنے کو ہزاروں بالا
خاص بندے ہیں پہ اُس شوخ دلارام کے ہم

شب اُٹھائے گئے اُس بت کے جو در پار سے ہم
رہ گئے سوئے فلک دیکھ کے ناچار سے ہم

غرور و جور و ستم کج ادائیاں دیکھیں
سنی تھیں جو جو کہ تجھ میں برائیاں دیکھیں

پھر ہجر کا جگر پہ لگا تیر کیا کریں
تقدیر جب اُلٹ گئی تدبیر کیا کریں

طالب ہیں اُسکے دیکھے سے جسکے ہو کشتہ دل
لیکر یہ سیم و زر کی ہم اکسیر کیا کریں +

جب میں مانگوں ہوں عوض دلکے لبوں کا بوسہ
ہنس کے کس پیار سے کہتا ہے یہ دستور نہیں

جسکے لئے جاتے ہو حرم کو سو وہ تمہارے پاس ہے شیخ
چشم یقیں سے دیکھو بھری ہے ساری خدائی سینہ میں

دختر رز کی خدا اِس دور میں حرمت رکھے
محتسب اور شیخ دونوں لگ رہے ہیں تاک میں

جام مئے الفت سے دل مست ازل کا ہے
بیخود اسے کہتے ہیں مخمور اسے کہتے ہیں

ہمسایہ تک یہ کہتے ہیں سنکر فغاں مری +
اِس بیقرار کو کہیں یارب قرار ہو

آنکھ لگا کر جی کو گنوایا لینا ایک نہ دینا دو
دام بلا میں دلکو پھنسایا لینا ایک نہ دینا دو

عجب سج دھج سے نکلا ہے وہ کافر گھر سے اے بالا
خدا کے نور کا منظر نہ دیکھا ہو تو یہ دیکھو +

ہائے بیمار پڑے تو بھی نہ اُس کافر کے
جی میں آیا یہ کبھو چل کے ذرا دیکھیں تو

چار دن کی بہار ہے پیارے
حسن پر اتنا مت گمان کرو

دل کو اس واسطے پہلو سے جدا کرتا ہوں　　آرزو ہے کہ ملوں یار سے تنہا ہو کر

ق

مجھکو نہ سلائیں ساتھ اپنے　　حسرت ہے یہ کہدیں مسکرا کر
آرام کیا کروں میں جب تک　　آنکھیں تلووں سے تو ملا کر

ق

جبکہ فرہاد سے شیریں نے یہ اکدن پوچھا　　کیا بنی تجھ پہ تراشے گئے کیونکر پتھر
کوہکن نے یہ کہا جان حقیقت تو یہ ہے　　نرم معلوم ہوا مجھکو سراسر پتھر
ڈھا دیا کوہ مگر بس نچلا کچھ تجھ پر　　سخت دیکھا نہ ترے دل کی برابر پتھر

دو دوپٹے کو آگے سے دُہرا نہ اوڑھو　　منو دا چیزیں چھپانے سے حاصل
قسم کھاؤ انکی جنہیں چاہتے ہو　　میرے سر کی سوگند کھانے سے حاصل

وصل جاناں نہوا وقت وصال آپہنچا　　وائے حسرت کہ رہی دل کی تمنا دل میں
شکر کعبے میں کلیسا میں بھٹکتے نہ پھرے　　اپنے دلبر کا پتا ہمنے لگایا دل میں

جان کے دشمن نہ یہ ارمان کر　　دل لگا کر آدمی بچتا نہیں

ظالم ہماری آج کی یہ بات یاد رکھ　　اتنا بھی دل جلوں کا ستانا بھلا نہیں
دو باتیں کرلوں ایک نظر دیکھ لوں سے　　اسکے سوا کچھ اور میرا مدعا نہیں

مدت سے التفات مرے حال پر نہیں　　کچھ تو کجی ہے دل میں جو سیدھی نظر نہیں

تری رکھائی کے صدقے ترے نثار ہوں میں　　گلے سے آکے لپٹ جا کہ بیقرار ہوں میں

بُرا مان جاؤ گے مُنہ پھیر لوگے　　نہ پوچھو قسم دے کے کیا چاہتا ہوں

معاف کیجئے ایسی خطا نہوگی کبھی　　برا کیا انھیں چاہا گناہ گار ہوں میں

ق

ایک پرزے پہ لکھکے یہ دو حرف　　دوستو یار کو روانہ کرو
جلد آؤ کہ دم نکلتا ہے　　مجھکو منت اکر بہانہ کرو
جاں نکلے ہجوم غم میں کیونکر　　کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو

کبھی نہ دنیا میں چین پایا ہمیشہ رنج و الم اٹھائے　　یہاں کے رہنے سے ہاتھ اٹھایا چلے عدم کو قدم اٹھاتے

فکرِ معیشت سے آزاد کر دیا۔ انکے کلام میں استعارہ بندی کے ساتھ ساتھ سلاست و صفائی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ کلام میں آورد کم اور بے ساختہ پن بلا کا ہے۔ عروض میں آپ کو اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ اِنکے بحرِ سخن سے بہت لوگ سیراب ہوئے۔ ۵۷ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں انتقال فرمایا۔ دیوان جسکی تدوین انکے دوست نواب سید محمد خاں رند نے کی تھی عرصہ ہوا چھپ چکا ہے۔ انتخاب زیبِ تذکرہ ہے ٥

کبھی جو باجے کی لہر آئی تو ہوش اُڑائے وہ شی بجائی — جُنوں کے بولوں پہ گت بتائی چھلاوہ بنکر ستار آیا

ہتو خدا پہ رکھو معاملہ دل کا — بُرا بھلا ہیں ہو جائے فیصلہ دل کا

بھٹک کے کوئی گیا دیر کو کوئی کعبے — عجیب بھول بھلیاں ہے مرحلہ دل کا

رباعی

احباب سے کوئی ہم کو پیارا نہوا — بیچ اُن کا کسی وقت گوارا نہوا

افسوس ہے دست و بات زور و زر سے — ہم سب کے ہوئے کوئی ہمارا نہوا

تارکِ دنیا کسی ملت میں بیگانہ نہیں — لاکھ کلیوں میں گزرتا ہے فقیر اللہ کا

ہرگز نہ رُک سکے گا جو روکیں گے دو پہاڑ — پونہچے گا بحر جو ہے تمہارے نصیب کا

حلاوت زندگی کی ہے ملاقاتِ احبا میں — مزا مردے کو تنہائی کا ہے زندے کو صحبت کا

آدمی کیا دیو ہوتا ہے اطاعت سے مطیع — یہ ہمارے تجربہ میں ہے عمل تسخیر کا

صندل کی نہ بو جائے گی میو کہ جلاؤ — گھٹتا ہے مٹانے سے کہیں نام کسیکا

راز پوشی سے کبھی ہاتھ اُٹھایا نہ گیا — نبض دکھلا کے مرض اپنا بتایا نہ گیا

جادۂ دل پہ قدم ماریے ہے سیدھی راہ — در گزر کوئے حرم سے وہ ہے رستہ اُلٹا

باغباں بلبلِ شیدائی ہی سے ہے تعزیر — شاخِ گل میں اسے پر باندھ کے لٹکا اُلٹا

نہ تو وہ پھول نہ کلیاں نہ وہ سبزی نہ بہار — رُت کے پھرتے ہی چمن زار کا تختہ اُلٹا

کیا کیا نہ مجھ سے سنگدل دلبروں نے کی — پتھر پڑیں سمجھ پہ نہ سمجھا کسی طرح

آبرو کھوئی ہے محوِ رُخِ زیبا ہو کر — بیڑیاں پہنی ہیں اس زلف پہ شیدا ہو کر

زلف کھولے ہوئے مقتل جو وہ یکبار چلے
بھیدے تھوڑا سا پانی اپنے او پروار کے

خوں بنکر ترے کشتے کی قضا آتی ہے
بسملِ ہجر سے پوچھے کوئی مرنے کی خوشی

وہ مسیحا اگر آئے تو ٹھہر جاؤں میں
داغ کو کیوں نہ کلیجے سے لگائے رکھوں

جاؤں کسی طبیب کی خدمت میں کس لئے
جان کیا چیز ہے آئی پہ نہ چھوٹے انساں

اے بحرِ ہم تو سمجھتے تھے مسیحا ہو تم
یہی لاتا ہے خرابی یہ کرتا ہے ذلیل

پردہ دوئی کا اُٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے
اے بحرِ قلب روح کی تسخیر سیکھ لے

نقاب میں نہیں ہو جو منہ چھپائے ہوئے
نہ پوچھو کس لئے آنسو ہیں ڈبڈبائے ہوئے

کسی کے مُنہ سے نہ نکلا ہمارے دفن کے وقت
خدا پناہ میں رکھے تمہاری پلکوں سے

کہو یہ قافلہ والوں سے ہم بھی آتے ہیں
بچا نہیں کوئی گھائل تمہارے ابرو کا

بچھڑ گیا ہے میاں بحر سے کوئی شاید
کٹی برسات بحر اس سال بھی زیادہ تر شیشوں میں

تصور میں اک عالمِ بیخودی ہے

ایک رسی میں بندھے سارے گنہگار چلے
وقتِ آخر مُنہ میں ٹپکا دیں ترے بیمار کے

دامنِ تیغ سے جنت کی ہوا آتی ہے
جان آتی ہے بدن میں کہ قضا آتی ہے

نفسِ بازپسیں سے یہ صدا آتی ہے
مجھکو اس پھول سے خوشبوئے وفا آتی ہے

جس نے مرض دیا وہی دیگا شفا مجھے
مرمٹے بات پہ اتنی تو حمیت رہے

سب اجل مارا خدا انکو سلامت رکھے
بادشاہی ہے اگر دل پہ حکومت رکھے

دیکھا مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے
اللہ رے کی زبان شفقت کی آنکھ سے

کسی غریب کا آتے ہیں دل دکھائے ہوئے
کسی جگہ سے ہم آتے ہیں چوٹ کھائے ہوئے

کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے
ستم کی فوج کھڑی ہے پرا جمائے ہوئے

بڑے ہے بحر دھڑا دھڑ قدم بڑھائے ہوئے
یہ دو نو تیغے ہیں زہر کے بجھائے ہوئے

ادھر ادھر ترے پھرتے ہیں تلملائے ہوئے
خبر ہمکو نہیں یاد ان کدھر آئے کدھر سے

خبر یہ نہیں مجکو میں ہوں کہ تو ہے

سرِ ریشۂ لعل جگر بہا رہے وہ آگ عشق کی ڈر سے غرارے
خراب مانگینگے خضر سے بھی طلبِ آب تقاضا کرینگے

نہ مانیں گے ہم کسی کا کہنا کسی کا اسمیں ہے کیا اجارہ
اب اپنا انہیں نہیں گوارا ہوں سے دل پھٹ گیا ہمارا

کبھی ہے بُو، کبھی ہے بچھو اہوائے دنیا کا کیا بھروسہ

مایوس نہو کوئی بشر فضلِ خدا سے
بخیر انجام ہے جس کا وہ ہے خود رفتگی اپنی

صورتِ روح میرے دل میں گزر اُسکا ہے
یار صیاد ہے اور اسکی نظر ہے شہباز

یکرنگ آشنا نہیں سے سمجھنے پرکھ لیا
جسکے عاشق ہیں تصور میں وہ ہر آن ہے

بے زری کا نہیں کچھ غم یہ بڑی دولت ہے
محتسب شیشہ و ساغر کو سمجھکر توڑے

میرا لہو چاٹے گا جب تک نہ تیغ کو
شکوہ نہ کر ازل سے یہی کارخانہ ہے

اسکی نگاہِ قہر ہے اپنی نگاہِ مہر
یہ دی ہے بیکلی تو نے کہ دلبر یہی کل ہے

جوڑا کچھ اس ادا سے کھلا ہم تو مر گئے
نکلے خزاں میں باغ سے یہ کہہ کے ہم صفیر

آسائشِ بیجا سے مسرت نہیں ہوتی
آنکھیں نہ جینے دیں گی تیری بیوفا مجھے

فرشتے بھی لامکاں پکار سے وہ داغ دیکھے وہ غم اُٹھائے
سرور میں بعثِ زندگی ہو خمار میں جی کبھا کرینگے

یہ دل تو کیا ہے جو دل نے چاہا تو جان اپنی فدا کرینگے
کرینگے بتخانہ سے کنارہ حرم میں یادِ خدا کرینگے

یہاں کے پھولوں پہ ہو نہ شیدا نہ چار دن پہ وفا کرینگے

مرتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے نہ دعا سے
چلے تھے ہم کلیسا کی طرف کعبے کو جا نکلے

صورتِ نور میری آنکھوں میں گھر اسکا ہے
میں شکار اسکا ہوں طعمہ جگر اسکا ہے

مُنہ پر کھڑے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

ہم رہیں وجد میں دل یار پہ قربان رہے
آبرو اپنی سلامت رہے ایمان رہے

دل نہ ٹوٹے کسی میکش کا ذرا دھیان رہے
قاتل کو دھونے ہاتھ کا کھانا حرام ہے

آج اُسکا دور ہے تو کل اُسکا زمانہ ہے
ہم اُسکے ہیں ہدف وہ ہمارا نشانہ ہے

ہیں دھو کر زندگی سے ہاتھ پونچھوں تیرا آنچل
نبضیں چھُٹیں جو بال کسی کے بکھر گئے

دیکھیں گے پھر بہار اگر آب و دانہ ہے
سو جائیں اگر پاؤں تو راحت نہیں ہوتی

ان ٹھوکروں سے جانکنی ہی ہے قضا مجھے

عزو وقار ہم پہ مریں تب تو لطف ہے
یہ بات کیا کہ ہم مریں عزو وقار پر

وائے قسمت کب عبادت کیلئے آیا ہے وہ
جب کہ بیمارِ محبت میں رہا کچھ بھی نہیں

دیکھئے تو مل کے خونِ بسمل کا اپنے ہاتھ میں
اسکے آگے شوخیٔ رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

یاں بیگانگی یگانہ میں ✣
کوئی اپنا نہیں زمانے میں

بچا کر دامن اپنا آج بسمل سے نکل جاؤ
کہاں جاؤ گے تم دامن بچا کر دیکھیں محشر میں

جگہ دوں خانۂ دل میں بچھاؤں ہر قدم آنکھیں
خدا وہ دن تو دکھلائے کہ تم آؤ مرے گھر میں

یہ کیا کہتے ہو تم سے بخت ہو سکتا ہے برگشتہ
مقدر یہ نہیں اپنا کہ جو پھر جائے دم بھر میں

انداز وہ کہ فتنۂ محشر نثار ہو
شوخی تو دیکھو بیٹھے ہیں کیسے غریب سے

بخشی

(بخشی) میر محمد علی نام اور مولد حیدر آباد دکن جائے قیام ہے مرزا سالک دہلوی سے فیض پایا ہے یہ آپکا کلام ہے ؎

دلِ عاشق کا اب خدا حافظ
شوق ہے اُن کو دلربائی کا

کیا جائے واں ہوا ہوں مخل اضطراب میں
وہ پوچھتے ہیں قصد کدھر ہے جناب کا

رہا بھی ہو کے کر گئے نہ قصد جانے کا
قفس میں لطف ملا ہم کو آشیانے کا

ذکرِ حوران دنوں کرو واعظ ✣
چھوڑ دو یہ شمار کی باتیں

نہ کیجئے مجھے دیکھ کر آنکھ نیچی ✣
کوئی تاڑ لے گا زمانہ برا ہے

عجب وحشتِ دشت میں بخشی نے دی جاں
ملا ہے جسکو نہ دو گز کفن بھی

بخشی

(بخشی) منشی خاکسار حسین نام۔ سلطانپور ضلع اودھ کے رہنے والے اور اردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ کلام سے پایا جاتا ہے کہ تفننِ طبع کے طور پر یا جذباتِ دل سے مجبور ہو کر شعر کہتے ہونگے ورنہ اس فن کی طرف کچھ خاص توجہ نہیں معلوم ہوتی مختصر سے دو دیوان بھی شایع کر چکے ہیں۔ بہر حال یہ انکا کلام ہے ؎

ہر باغ میں گلزار بہاراں نظر آیا
بلبل میں وہی یار ہزاراں نظر آیا

بخت

(**بخت**) حکیم قیام الدین جونپوری شاگرد امیر مینائی۔ پہلے فکر تخلص تھا۔ جونپور سے ایک رسالہ بھی آپ نے شائع کیا تھا۔ مذاقِ سخن اچھا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

گرا ئی بجلی جوا ے چرخ ٹوٹ پڑ تو بھی
اُٹھا نہ رکھ کوئی بیدادِ آشیاں کے لئے
چڑھے ہے جو ابروئی پُر خم نظر رہے سیدھی
یہ تیر خوب ہی موزوں ہے اس کماں کے لئے
ایک بوسہ پہ مانگتے ہو دل
کبھی سودا کوئی لیا بھی ہے

بخت

(**بخت**) منشی سید امیر حیدر صاحب بخت خلف الصدق میر صادق حسین پنشنر باشندہ آگرہ رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نومشق نوجوان ہیں۔ مشق سخن جاری رہی تو اچھا کہنے لگیں گے۔ کلام حاضر ہے ؎

شبِ وعدہ جھنڈی بتگانا کسی کا
نہ آنے کی خاطر بہانہ کسی کا
کچھ اچھا نہیں ہے ستانا کسی کا
بُرا ہوتا ہے دل دکھانا کسی کا
جو آئے تو کیا دی تسلی کسی کو
برابر ہے آنا نہ آنا کسی کا
بدلتے ہو بتو تم آنکھ پل میں
بھروسہ کیا تمہاری دوستی کا
گلا ہم تیغ سے خود کاٹ لینگے
مری جاں کام اٹکا ہے کسی کا

رازِ اُس کے عشق کا عالم میں افشا ہو گیا
میں تو رسوا ہو چکا تھا وہ بھی رسوا ہو گیا
مرگیا عاشق تمہارا پائی منہ مانگی مراد
دل میں خوش ہو لو تمہارا اب تو چاہا ہو گیا
کیا نویدِ جاں فزا تھی تیرے آنے کی خبر
یک بیک حالِ مریضِ عشق اچھا ہو گیا
بے بانگی سے غم کریں کیا اہلِ قناعت
رکھتے ہیں نظر سوئے خدا اہلِ قناعت
رہتے ہیں غنی فقر کی دولت سے ہمیشہ
خواہاں نہیں دولت کے ذرا اہلِ قناعت

نہیں مطلب نکلتا راستی سے
غلط تکذیب باطل فقرا جھوٹ
کسی کو راست گوئی میں مزا ہے
کسی کے واسطے راحت فزا جھوٹ
چھپا لو چاہے آج اے کاذبو تم
چھپے گا کس طرح روزِ جزا جھوٹ

لگاوٹ آپ کو اے دلربا نہیں آتی
وفا کی جس میں ہو بو وہ ادا نہیں آتی
دل کو بھی چین کئے دیتا ہے جوبن کا اُبھا
کسطرح سینہ سے اُنکو نہ لگائے کوئی

بدر

(بدر) منشی سید امیر حسن آروی - حضرت صفیر بلگرامی کے شاگردوں میں نامور ہیں - اور یہ اُن کا کلام ہے ؎

تاثیر بار سے اتنی تو دکھلائی یار نے
محفل سے اپنی غیر کو تم نے اُٹھا دیا
اے خفتگانِ خاک سناؤ تو کچھ مجھے
کس کا فسانہ کہہ کے اجل نے سُلا دیا

فغاں کا ہماری اثر دیکھ لینا
جہاں ہوگا زیر و زبر دیکھ لینا
نشاں دل کا اُٹھ اُٹھ کے تیر نظر کو
بتا دے گا دردِ جگر دیکھ لینا
نام تیرا لے کے چلاتی ہے روح
جب ہجوم غم سے گھبراتی ہے روح
پیمانِ یار کسطرح ٹوٹے گی لاکھ بار
توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں
رونا تمام شب ہے تڑپنا تمام دن
میں دل لگا کے آ پھنسا کس عذاب میں
خلش نوک فرہ کی کچھ نہ پوچھو
انی برچھی کی سینے میں گڑی ہے

بدر

(بدر) منشی سید مصطفےٰ حسین عزیز و تلمیذ شبیر حسین نسیم بھرت پوری ارشد تلامذہ حضرت داغ مرحوم قصبہ بہسر ریاست بھرت پور انکا وطن ہے مگر یہ خود اور اُنکے آبا و اجداد بوجہ روزگار خاص بھرت پور ہی میں عرصہ سے قیام رکھتے ہیں - ۱۸۷۶ء سال پیدائش ہے عنوان شباب ۱۸۹۵ء سے جناب نسیم کے فیضانِ صحبت سے شعر کہنے لگے محکمہ محلات میں محافظ دفتر ہیں - اب کچھ عرصہ سے فکر سخن کا کم اتفاق ہوتا ہے تاہم خوش فکر ہونے میں شبہ نہیں - کلام مرسلہ کا انتخاب درج ذیل ہے - ملاحظہ ہو ؎

میں روزِ حشر شرکتِ عصیاں سے ہوں خجل
رحمت ہے شاد مجکو گنہگار دیکھ کر
اچھے بُرے کا فرق رہے بزم غیر میں
لینا جو دل تو اے نگہِ یار دیکھکر
کوئی موقعہ محل ہو گر اے بدر
اُن سے کچھ اپنا عرض حال کریں

عجب نام خدا محبوب ہے وہ — فدا جس پر مری جاں سر بسر ہے
جب تلک اس دہر فانی میں رہے — بے خبر ہم زندگانی میں رہے

بدر

(بدر) میرزا بلاقی گورگانی - خلف شاہزادہ مرزا نصیر الدین شاگرد مرزا پیارے رفعت جوان زیبا شمائل و خوش اخلاق تھے - شعر و سخن کی طرف طبیعت مائل تھی کلام ملاحظہ ہو

سن بینا ایک دن کہ اسے غم نے کھالیا — غم کھائے گا یونہیں جو یہ غمخوار آپ کا
اے بدر گاہ گاہ ہے اب تک تو دردِ دل — بگڑے کہیں نہ طول یہ آزار آپ کا
اک کشتی طوفاں زدہ گرد وں کو بنایا — اے بدر رہے گریہ میرے اس دیدۂ تر کا
کہتا وہی ہے "اور محبت بتوں سے کر" — کہتا ہوں جس سے حال دل بیقرار کا
گھٹا نہ خاک ہونے پہ بھی کچھ وقار اپنا — ہمیشہ دوش صبا پر رہا غبار اپنا
اپنی ہی پرسش میں ہوگا ختم وہ ہنگامہ سب — گر قیامت میں ہمارے حال کا دفتر کھلا
تو نہ آتا تری آواز تو آیا کرتی — گھر بھی قسمت سے تری گھر کی برابر نہوا
در بدر مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت دل کی — گاہے گاہے تیرے کوچہ میں بھی آجاتا ہوں
وہ لب اور ان سے مجھ کو ملانے کی آرزو — جن کو دعا بھی دوں تو کہیں یوں کہ مر کہیں
میں اگر جاؤں تو نکلے مطلب دل کچھ نہ کچھ — میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے
کیا ڈر ہے جو چرخ ستم ایجاد غضب ہے — اپنی بھی یہ آہ دل ناشاد غضب ہے
جادو ہے نگہ غمزہ ستم چال قیامت — انداز ترا تھہرے ہے بیداد غضب ہے
چارہ گر کھینچ لے اس دل کو بھی پیکان کے ساتھ — گر یہی دل ہے تو دل بھی نہیں درکار مجھے

بدر

(بدر) نواب مرزا ہدایت علی خاں - نبیرۂ نواب مستقیم الدولہ مرحوم فروغ لکھنوی کے شاگرد اور حیدر آباد میں مقیم ہیں

شب وصل میں ہائے کیا مزے تھے — بگڑنا کسیکا منانا کسیکا
وہ ناز و نیاز محبت کی باتیں — وہ تیغ اٹھتے ہی سر جھکانا کسیکا

کے مشاعروں میں یہ بھی شریک ہوئے تھے - فنِ سخن میں خاص بادشاہ کے شاگرد تھے بادشاہ کی وفات کے چند ماہ بعد سیم لانچ میں شہر سے میٹا برج آتے ہوئے غرق دریا ہوئے اُنکے کلام کا انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے ؎

بکھرے بالوں کو ہٹا دو روئے عالم تاب سے	لوگ گھبرا کر کہیں گے ماہِ کامل کیا ہوا
اے فلک کیوں شب ہجر انکی درازی نگھٹی	ہو گئی باتوں ہی باتوں میں سحر وصل کی رات
پانی میں بھی تو آگ لگاتی ہے تری تیغ	نکلے ستر آب بدم شمشیر باہر
آتے آتے رک گئے آنکھوں میں خونِ لخت جگر	بہتے بہتے لگ گئی کشتی مرے ساحل کے پاس
زمیں سے بھی خدا نے چرخ کو پیدا کیا پہلے	بنی ہے دانۂ گندم سے شاید آسیا پہلے
غضب کی شوخیاں تھیں چلبلاپن تھا نگہ میں	تمہارے ہاتھ پر چڑھتا تھا رنگِ حنا پہلے
جو ہیں اہلِ وفا مرکے بھی ہیں ثابت قدم نکلے	بدن سے جاں نکلی پر نہ اُس کوچہ سے ہم نکلے
کھٹک ہوتی ہے دل میں درد جب پہلو میں اُٹھتا ہے	مگر کچھ رہ گئے ہیں کچھ ترے تیرِ ستم نکلے

(برتر) مولوی نادر علی غازیپوری - ابتدا میں آپ مرزا غالب کے شاگرد رالیط دہلوی کے تلمذ سے بہرہ ور ہوئے اب عرصہ سے فخر الاساتذہ مولانا ظہیر دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا ابتدائی زمانہ ملازمت ریاست دربھنگہ میں گزرا پھر عرصہ تک ریاست بڑودہ میں رہے اب ۷، ۸ سال سے حیدرآباد میں مقیم اور راجہ راے رایان امانت ونت بہادر کی سرکار میں مصاحب اور نوبلز کلب کے سکرٹری ہیں - ۴۰، ۴۵ برس کی عمر ہے - شوخ طبیعت پائی ہے شعر اچھا کہتے ہیں اور اپنے اُستاد کے باعقیدت تلامذہ میں ہیں - فارسی کی استعداد اچھی ہے چند سال ہوئے نسیم دکن نامی گلدستہ آپنے جاری کیا تھا اب عرصہ سے بند ہے - حیدرآباد کے مشاعروں میں آپ شوق سے شریک ہوتے ہیں اور وہاں کے شعرا میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل ہے - کلام ملاحظہ ہو ؎

تفرقے فرقتِ دلدار میں کیا ہوتے ہیں	دل کے دو حرف مگر وہ بھی جدا ہوتے ہیں

بدر

یونہیں کیا ہاتا پائی میں ریحاں صبح کردو گے
بھلا اک جام سے کیا سیر ہو نگے رند ایساقی
لگی ہوئی ہے سوئے جام تاک واعظ کی

مزہ دیتی بھی ہے تو وصل میں تکرار تھوڑی سی
خدا کے واسطے دے اور میرے یار تھوڑی سی
چھڑک دو تھوڑی سی رند و نظر گزر کے لئے

چارہ گر خیر ہے ہوا کیا ہے
ایک دل تھا وہ دے چکا تمکو
کسی پہلو نہیں ہے چین اسے

مرض عشق کی دوا کیا ہے
میرے پہلو میں اب دھرا کیا ہے
دل کو کیا جانے ہو گیا کیا ہے

ہر دم نظر بد سے بچاتے ہیں یہ تجھکو
دل بیچتے تھے تم تو یہ اے بدر ہوا کیا

ہو جال میں زلفیں ترے رخسار کے آگے
کیوں ہو گئے خاموش خریدار کے آگے

بدر

(بدر) منشی حسن افضل بدایونی - دور موجودہ کے موزوں طبع نومشق اور یہ اُنکا کلام ہے

بیمار محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
تصویر میں اترا نہ فروغ رخ روشن
ہم خاک نشینوں سے ہے اس درجہ کدورت
ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا
جناب شیخ مٹے گا کبھی نہ داغ جبیں
جو دل گیا تو گیا جاں کیوں نکلتی ہے
بس اب تو درد جدائی سے دل لگائینگے
گلے میں ڈال کے باہیں وہ پیار سے کہنا

آئی کو کسی کے کبھی ٹلتے نہیں دیکھا
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا
مٹی کا نہیں عطر بھی ملتے نہیں دیکھا
ھتیار کو لے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا
یہ روسیاہی کا دھبا ہے نقش پا تو نہیں
یہ بت حسیں ہیں طرحدار ہیں خدا تو نہیں
برا سے کچھ سہی تم سا یہ بیوفا تو نہیں
تمھیں ہماری قسم ہم سے کچھ خفا تو نہیں

برتر

(برتر) نواب حامد الدولہ سید محمود علی خاں بہادر برتر لکھنوی - خلف الصدق آغا جلیس الدولہ مصاحب الملک لطافت رقم آغا سید علی خاں بہادر مستقیم جنگ مصاحب سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بادشاہ مذکور کے زیر سایہ عاطفت کلکتے مٹیا برج میں امیرانہ شان سے رہتے تھے - جب ۱۸۸۲ء میں مرزا داغ مرحوم کلکتے گئے تھے اُسوقت

ہماری خانہ ویرانی مگر وجہ سکوں ہوگی
تڑپ جو کچھ ہے بجلی کی بقائے آشیاں تک ہے

ہوئی مدت رہائی کو مگر یہ رنگ وحشت ہے
در زنداں پہ اب تک بیڑیاں میری پڑی ہیں

برتر

(برتر) مولوی انیس الدین فرخ آبادی۔ یہ آپکے کلام کا نمونہ ہے ؎

اقرار شرم سے جو کیا ہر گناہ کا
پوچھو خدا کے رحم نے منہ عذر خواہ کا

کمسن ہو ڈر بجا و ذرا ڈال لو نقاب
دم ٹوٹتا ہے بسمل تیغ نگاہ کا

بالیں پہ ہاے آکے کسی کا پکارنا
اس منہ سے تمنے وعدہ کیا تھا نباہ کا

حشر کے دن بھی تو سب نے اُسکو دیوانہ کہا
جو گنہگاران کا تھا گویا گنہ سے پاک تھا

تم اپنے بات کے پورے ہو مانا
مگر دل بھی ہے اپنے نام کا دل

ادہر تیور سے سنکیں انکی باتیں
اُدھر شیشے سے نازک تر ہوا دل

برجیس

(برجیس) صاحب عالم و عالمیان شاہزادہ مرزا برجیس قدر بہادر خلف الرشید حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ آپکی والدہ نواب حضرت محل بادشاہ کی ممتاز بیگموں میں تھیں۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب بادشاہ کلکتے چلے گئے آپ اپنی والدہ کے سایہ عاطفت میں لکھنو میں قیام پذیر تھے کہ غدر ہو گیا۔ آپکی عمر اُسوقت نو برس سے زیادہ نہ تھی۔ جب باغی فوج لکھنو میں داخل ہوئے تو اُنسنے پہلے مرزا مصطفےٰ علی حیدر شاہ زادہ معزول کے برادر کلاں کو بادشاہ بنانا چاہا مگر انگریزوں نے انہیں بیلی گارد میں لے لیا۔ پھر فوج نے مرزا جہاندقدر بہادر مرحوم کو بڑا لینا چاہا مگر انکی والدہ نے یہ امر منظور نہ کیا اور انہیں لیکر بیلی گارد میں چلی گئیں۔ آخرش فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسند حکومت پر متمکن کر دیا۔ شاہ دہلی کی جانب سے باضابطہ تقرری منصب وزارت کے لئے بذریعہ سفارت نواب حضرت محل سنے دہلی روانہ کی انکے نام کا سکہ جاری ہوا جملہ نظم و نسق ریاست نواب حضرت محل صاحبہ کے حکم سے ہونے لگا۔ اور اکثر اودھ کے رؤسا اور سابق حکام شاہی نے انکا ساتھ دیا۔ الغرض نو ماہ تک انکی حکومت رہی آخر کو سرداران فوج میں ناچاقی ہو گئی اُدھر انگریزی فوج دہلی فتح کر کے اودھ

ہجر میں پاسِ وفا و ستم آرا کب تک
انکی آنکھیں سے جھکے ہیں سرِ نخوت کیا کیا
بت بنے بیٹھے ہو کیوں دیر میں جا کر برتر
یہ کیا غضب کیا مرے شکوے رقیب سے
کچھ تو لگاؤ ہو سے تسکین دردِ دل
میرے مرنے پہ کیوں آئینہ حیرت تمام ہو
نگاہ ناز سے دیکھا جدھر بسمل ہوئے لاکھوں
غرورِ ناز میں بھی بے نیازی ہو نہیں سکتی
مزہ آجائے پامالِ ستم کو پائمالی کا
قیامت میں بھی ہو اک دھوم بزمِ عیش برتر کی
پسِ چلمن یہ ایمائے جمالِ حیرت افزا ہے
حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے زاہد
تبسم غنچۂ لب کا نمکپاشِ جراحت ہے
گھڑی بھر دیکھ لینگے سیرِ آشوبِ قیامت کی
شبِ وصل انکا شرما کر یہ کہنا ناز سے برتر
ہے یہ افتادِ گراں جانی کہ بعدِ مرگ بھی
اب نوا سنجی کے آنگے گلستاں میں مرے
وہ خاک پر ہے میں ہوں تہِ خاک ضعف سے
کرم مجھ پر زیادہ تھا تو دشمن پر جفا کم تھی
پردہ اٹھا کبھی جو رُخِ رشکِ ماہ سے
احساں ہے مجھ پہ جلوۂ نظارہ سوز کا

اب تو شرمندۂ احسان قضا ہوتے ہیں
بت بھی اللہ غنی شانِ خدا ہوتے ہیں
ڈھنگ مومن کے یہی مردِ خدا ہوتے ہیں
رسوا کرے تمھیں نہ تمھاری زباں کہیں
نامہرباں ہی مجھ پہ رہو مہرباں کہیں
حقیقت تو یہ ہے اس ابتدا کی انتہا تم ہو
مگر طرفہ قدر اندازِ تیرِ بےخطا تم ہو
تغافل کیش ہو خواہانِ جانِ مبتلا تم ہو
اگر کچھ بھی شریکِ جورِ چرخِ فتنہ زا تم ہو
مزا ہو گر سزا نے جرمِ الفت کی جزا تم ہو
تماشا ہو گئے کیوں حسنِ صورت دیکھنے والے
بتوں کو دیکھتے ہیں شانِ قدرت دیکھنے والے
تمھیں کہتے ہیں یوں کانِ ملاحت دیکھنے والے
اگر جیتے بچے ہم طولِ فرقت دیکھنے والے
کسی کی آج ہم ہیں آدمیت دیکھنے والے
نعشِ بسمل سے نظر اٹھتی نہیں جلاد کی
دل سے بلبل کے خلش جاتی رہی صیاد کی
مجھ سے نہ دب سکے گا ترا نقشِ پا کبھی
تری بیداد یہ او بانیِ بیداد کیا کم تھی
آیا مجھے حجابِ خود اپنی نگاہ سے
میری نظر لڑی نہ کسی کی نگاہ سے

ہوتا نہیں اثر ترے دل میں تو سنگدل	یاں تیر آہ گزرا ہے عرش بریں سے دور
ہے شکر کردگار عقوبات سے بچے	خالق نے کر دیا مجھے تاج و نگیں سے دور
تکرار ایسے لفظ کی بوسہ کے وقت واہ	للہ آپ رکھیں زباں کو نہیں سے دور
مٹی خراب ہو گئی نیپال میں تری +	رہتا ہے کیوں مزار امام مبیں سے دور

(برشتہ) آغا حسین علی مرحوم۔ استاد الاساتذہ میر تقی میر مرحوم کے تمنے ملا دیا بہرہ ور اور اردو فارسی دونوں میں صاحب دیوان تھے۔ دو شعر ملے تبرکاً درج کیا

ہر وقت سب مجھے کرتا ہے دو نو جوان دماغ	استاد داغ اٹھانے کا مجھکو کہاں دماغ
بوئے عنبر سے جو سارا الجھ گیا میرا دماغ	کوئے زلف یار سے باد صبا آئی تو

برق (برق) میاں شاہ جی۔ ایک موزوں طبع شاعر تھے۔ فن سخن میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی سے مستفیض تھے۔ مزاج میں ظرافت اور طبیعت میں شوخی درجۂ اعتدال سے متجاوز تھی۔ ان کا کچھ کلام ایک قدیم بیاض میں نظر سے گزرا جس سے تین چار شعر انتخاباً درج ذیل ہیں ؎

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے	واللہ کہ تجھ بن سب مجھے آرام نہیں ہے
ہو وے دل پژمردہ مرا کیونکہ شگفتہ	ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلا یاد میں اسکے	کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے
کیا دھوم سے اٹھی ہے گھٹا اسی ہوا میں	افسوس کہ ساقی و مے و جام نہیں ہے

برق (برق) فتح الدولہ بخشی الملک میرزا محمد رضا خاں ابن مرزا کاظم علی مرحوم مصاحب خاص و استاد حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر بادشاہ لکھنو۔ شاگرد رشید ناسخ مغفور۔ انتزاع سلطنت اودھ کے بعد برق مرحوم اپنے خلوص دلی سے بادشاہ کے ہمرکاب کلکتے گئے اور ہنگام غدر میں جب گورنر جنرل نے مزید احتیاط کے لئے بادشاہ کو فورٹ ولیم میں نظر بند کیا یہ مردانہ وار بادشاہ کی رفاقت میں رہے بادشاہ کو ان سے دلی انس تھا اور یہ چند ماہ بعد ۱۸۵۷ء میں حق نمک سے ادا ہوئے یعنی انتقال کیا اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ چنانچہ یہ انکا کہا ہوا شعر ہے ؎

کی طرف متوجہ ہوئی اور شہر پر گولہ باری کر دی - ایک تلاطم مچ گیا - اس ہنگامہ میں نواب حضرت محل اُنہیں لیکر مختصر جمعیت کے ساتھ شہر سے باہر نکلیں اور مختلف اضلاع میں کئی ماہ تک نہایت دلیری - تحمل اور استقلال سے مقابلہ کرتی رہیں لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور انجام کار اُنہیں نیپال میں پناہ گزیں ہونا پڑا - مہاراجہ جنگ بہادر نے لوازم مہمانی بآئین شائستہ ادا کئے اور انکے گزارہ کے لئے معقول وظیفہ مقرر کر دیا - اُس زمانہ میں ہر چند سرکار نے چاہا کہ بیگم صاحبہ عملداری ہند میں قیام کریں اور سُنا گیا ہے کہ لاکھ روپیہ ماہوار بطور پنشن اُنہیں دئے جانے کی تجویز بھی ہوئی مگر بیگم صاحبہ نے کسیطرح اس امر کو قبول نہ کیا نیپال ہی میں ساری عمر گزار دی - اُنکے انتقال کے بعد صاحب عالم بہادر وہیں تشریف فرما رہے - چند پُرانے نمک حلال آپکے اس غریب الوطنی میں بھی رفیق رہے - شاہ اودھ کے انتقال کے بعد آپ ۱۸۹۰ء میں کلکتے چلے آئے اور اپنے استقرار حق کے لئے سرکار انگریزی میں کوشاں رہے سرکار نے تا تصفیہ حقوق آپکے خور و نوش کے لئے چار سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیا - مگر برابر پولیس کمشنر کی زیر نگرانی رہے -

گورنمنٹ کے اکثر جلیل القدر حکام انکے زمانۂ حکومت کی باتیں اُنہیں یاد دلایا کرتے تھے مگر یہ حکایت ہوتا تھا کہ ٹال جاتے کیونکہ فی الواقع وہ اُسوقت بالکل کمسن تھے آپ کا رنگ سانولا - ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے - قد پستہ - مزاج بہت سیدھا - انکسار اور خلق بیحد تھا - موسیقی کا بہت شوق تھا - گاہ گاہ شعر بھی کہتے تھے - ابھی انکے معاملات سرکار کے زیر تجویز تھے کہ یکایک ۱۸۹۳ء میں سفر آخرت پیش آیا - انکے بیٹے بیٹیوں اور چند ہمراہیوں نے بھی انکے ساتھ ہی دم دیا - ۴۵ - ۴۶ برس کی عمر ہوئی - ایک متوعہ ایک لڑکی آپکی یادگار رہی اور ایک لڑکا بعد وفات پیدا ہوا جسکا نام مرزا خورشید قدر رہے - سرکار سے اب ۲۵۰ روپیہ ماہوار سب کو وظیفہ ملتا ہے چند شعر بنزار وقت دستیاب ہوئے - وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ۵

بلبل تو ہوں پر ایک گل یاسمیں سے دور	برجیس ہوں مگر بت زہرہ جبیں سے دور

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا ۔ اُسکو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

لے گئی موت مجھے سوے عدم ہستی سے ۔ بے طلب گھر میں خدا کے بھی تو مہماں ہوا

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی ۔ جھپکی نہ آنکھ بھی کہ ادھر سے اُدھر گیا

تن تن کے میں گیا صفِ مژگاں کے سامنے ۔ ہر بار نوکِ نیزہ سے سینا ملا دیا

نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی ۔ اچھا ہوا جو خاک میں تمنے ملا دیا

برائی ہوئی مُنہ دکھانے سے کیا ۔ ہزاروں کا اسمیں بھلا ہو گیا

بحرِ عالم میں رہی کشتیِ امید تباہ ۔ دمبدم موجِ حوادث نے طمانچہ مارا

زہی بھلانے سے پوچھا تو جاؤنگا اے برق ۔ ہزار شکر کہ بندہ گناہگار ہوا

راحت بھی کم از غم نہیں دل جبکہ غمیں ہو ۔ صرصر مجھے جھونکا ہے نسیمِ سحری کا

میرے مولا ہیں صنم مرے ہیں میرے محبوب ۔ عاشق اُنکا ہوں غلام اُنکا ہوں بندا اُنکا

آنکلتا کبھی زاہد جو تری محفل میں ۔ ہاتھ میں شیشۂ مے طاق پہ قرآں ہوتا

خیر گزری کہ چلے آئے کہاں لیا ۔ ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا

سر پر اعلیٰ کے بلا آئی تو ادنا بڑھ گیا ۔ دھوپ جب بڑھنے لگی قامت سے سایہ بڑھ گیا

زینتِ اسلام اسے زاہد سیاہی دل کی ہے ۔ جامۂ کعبہ ہوا جب کفر اپنا بڑھ گیا

دیں وایماں کہتے ہیں کسکو خدا کا نام لو ۔ سب کو ڈبوے یہ اثر ہے اُس صنم کی یاد کا

اذاں دی کعبے میں ناقوس دیر میں پھونکا ۔ کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

سینہ داغوں سے رشکِ باغ ہوا ۔ جسنے دیکھا وہ باغ باغ ہوا

مجکو ہر منزل پہ ہر جا دیکھنے آتی ہے خلق ۔ لکھنؤ چھٹتے سے چھٹتا کیا میں تماشا ہو گیا

تو نے اُسکو عزیزِ مصر کیا ۔ ماہ کنعاں غلام ہے تیرا

ناتوانی نے حیاتِ جاودانی دی مجھے ۔ کیا اجل پائے نشاں عاشق کے جسمِ زار کا

گر قناعت سے آشنا ہوتا ۔ جامِ جم کاسۂ گدا ہوتا

برق جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اُٹھے | جان دی آپ کے دروازہ پہ مر کر اُٹھے

ایام شباب میں بڑے جری اور بانکے مشہور تھے۔منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی وزارت میں بڑے مقتدر اور بارسوخ رہے تمام عمر خوش حالی اور فارغ البالی سے بسر کی۔صاحبِ دیوان نامی شعراے لکھنؤ میں تھے۔ایک شہر آشوب لکھنؤ کے حال میں بہت دردانگیز لکھا ہے اُنہیں ... عر تھے۔ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے۔تشبیہ و رعایت لفظی سے کوئی شعر خالی نہ ... ادا کئے اور ... ب کے مشاق تھے۔بیان میں صفائی و سلاست بھی ہے۔اصنافِ سخن جا ... کہ ... پر اچھی طرح قادر تھے۔غزل کے علاوہ مخمس۔مسدس۔ترکیب و ترجیع بند مثنوی۔رباعی۔قطعہ غرض سب کچھ کہتے تھے۔اپنے اُستاد کی دل سے قدر کرتے اور اُن سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔حضرت برق کا دیوان عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط اور کمال صحت کے ساتھ اُنکے زمانے ہی میں چھپ گیا۔اُنکے جامع صفات اور مخزن کمالات ہونے میں کچھ شبہہ نہیں۔شاعری کے علاوہ پٹا بنوٹ بانک خوب جانتے تھے اور تلوار بہت اچھی لگاتے تھے۔بذل و رحم بھی اُنکا مشہور تھا۔انکے شاگردوں میں حضرت جلال لکھنوی یادگار اساتذۂ سلف ہیں۔اب انتخاب دیوان ملاحظہ ہو

بے پردہ دیکھنے کی تجھے کس کو تاب ہے | عاشق کو برقِ طور ہے گوشہ نقاب کا

گوہر افشاں ہے نیسانِ کرم سلطانِ عالم کا | بہار آئی جوانانِ چمن کی لکھنؤ چمکا

سخاوت کے یہ معنی ہیں کرمی اسکو کہتے ہیں | کہ حاتم بھی گدائے کمتریں ہے میرے حاتم کا

راجہ اندر کا اکھاڑا صحبتِ اقدس ہے برق | نام رکھا ہے پرستاں بزمِ عشرت گاہ کا

جل بجھے گا طالب دیدار اپنی آگ میں | نام ہے برق تجلی شعلۂ ادراک کا

خواہانِ وصل یار ہے طالب محال کا | ممکن نہیں جواب ہمارے سوال کا

اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ | گر کر بڑہا نہال سے سایہ نہال کا

دے کے سختی اُٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں | پتھر عوض ثمر کے ثمر ہے نہال کا

عشق اگر منظور ہے اُس سیمتن سے آپکو — پہلے رکھ لیجے منگا کر برق توڑے زر کے پاس

رہیں زمین پہ کیا زیرِ آسمان خاموش — فغاں کہ خاک کے نیچے ہے اک جہاں خاموش

بیکسوں کے واسطے جلتا ہے دل کس کا یہاں — کون رکھتا ہے بھلا گورِ غریباں میں چراغ

چاند سورج کو ترستا ہوں سیہ خانے میں — کسکو پھر کہئے شبِ غم میں پکارے مشتاق

عجب بانکے کنھیا نوجواں سلطانِ عالم ہیں — کہ قالب ہے جہاں جانِ جہاں سلطانِ عالم ہیں

حسین و خوبرو شاہِ شہاں سلطانِ عالم ہیں — جوانمرد و جواں بخت و جواں سلطانِ عالم ہیں

زبانِ موج سے بادِ بہاری کہتی پھرتی ہے — کہ قیصر باغ کے سروِ رواں سلطانِ عالم ہیں

بنا ہے لکھنؤ کنعاں و رشکِ مصر یہ کوچے — عزیز و یوسفِ ہندوستاں سلطانِ عالم ہیں

لبِ جاں بخش سے جیتے ہیں مُردے باتوں باتوں میں — مسیحائے جہاں معجز بیاں سلطانِ عالم ہیں

صدقے کیونکر نہ بھلا تیغِ زباں ہو جائیں — دیکھیں یہ زباں بھی جو حضرت کو تو قرباں ہو جائیں

پیشِ الفت درہم و دینار کو رتبہ ہے کیا — بندۂ بے زر ہیں بکتے ہیں نہ بازار میں

جب کہا میں نے کہ تڑپیگی تہِ خاک بھی روح — سن کے فرمانے لگے خلد میں کیا حوریں

بے عبادت نہ خدا بخشے گا سبحان اللہ — ایسی فردوس سے ہم گزرے کہ مزدور نہیں

لاکھ نعمت ہے جو بے رنج ملے ان حوریں — بدلی پی لیں گے اگر بادۂ انگور نہیں

موت نے آکر چھڑایا قیدِ ہجرِ یار سے — غم رقیبوں کو ہوا سارے اقارب شاد ہیں

دے ڈالیں جان بات نہ دیں اپنی ہاتھ سے — نکلے نہ ہاں زباں سے کہیے اگر نہیں

قطعہ

ترکِ مے توبہ کرو کفر ہے لاحول ولا — برق موقوف اس پہ تو مرتے سارے ہیں

روز زہاد کو بلوا کے سبیلیں رکھو — اپنے نزدیک یہ اس جرم کے کفارے ہیں

ترے خنجر نے بھرے خوں میں سلایا مجھے قاتل — تری تلوار نے لغنا دیا زخموں کے داماں میں

فزوں طاقت سے نعمت ہو تو سم ہے ناتوانوں کو — کہ اکثر مور مر جاتے ہیں جا کر شکرستاں میں

ہو گئی اللہ کی مجھ پر عنایت خواب میں — بخت جاگے دیکھ لی اُس بت کی صورت خواب میں

بیان کیا ہو رخ و جبیں کا وہ مہر ہے چاند چودھویں کا
جو عکس پڑ جائے اُس حسیں کا ستارہ ہر ذرہ ہو زمیں کا

جو اہلِ رفعت ہیں صاف طینت بال اُنکو ہو دل کی کلفت
ہمیشہ رہتے ہیں بے کدورت اثر فلک پر نہیں زمیں کا

بتاؤں کیا تجھے لذت نہ پوچھ اے زاہد
چھٹے نہ حشر تلک منہ سے جو لگائے شراب

کہاں کی توبہ کسے خلد چاہیئے - توبہ
فسوں مجکو جنم ہے کوئی لائے شراب

فراق یار میں لذت نہیں ہے جینے کی
پلادے زہر مجھے ساقیا بجائے شراب

نہیں ہے اس سے اپنے بھی نفع موذی کو
یہ دخل کیا ہے کہ کچھ گنج میں سے کھائے سانپ

تُو آئے عیادت کو تو کہنے لگے عیسے
کیوں ہم نہ ہوئے آج کو بیمارِ محبت

ہر ایک نفس عشق میں ہے زندگیٔ خضر
جینے کے لئے مرتے ہیں بیمارِ محبت

سب میں ہے جلوہ اُسیکا کیا میں دیکھوں سوئے دوست
میری نظروں میں ہے یکساں رُخِ دشمن رُخِ دوست

بوسہ لیتے ہی قرارِ دلِ مضطر نہ رہا
بڑھ گیا دردِ جگر اور دوا کے باعث

اُس مسیحا نے قدم رنجہ کیا کیوں نہ کہوں
اُتر آیا ہے فلک سے مرے گھر میں خورشید

باغباں خواب سے چونکا تو غضب لائے گا
کھیلتی ہے جس سے بلبل نالاں سپر

پیکاں کے ساتھ ساتھ جو نکلے دل و جگر
ناوک فگن ہی رونے لگا تیر دیکھکر

مانندِ تیر او جھکا بڑھ گئے عجز سے
سر ہے زمین پر تو قدم آسمان پر

وہ رازقِ کریم ہے تو اے کریم خلق
کچھ قید نیک و بد کی نہیں تیرے خوان پر

کس منہ سے وصف تیرے لبوں کے بیاں ہوں
دنیا کی لذتیں ہیں ہماری زبان پر

وہ ہم نہیں کہ بیٹھ کے پھر اُٹھیں جیتے جی
مٹ جائیں کیے نقیر اسی آستان پر

گرم بازاریٔ معشوق تو عشاق سے ہے
قدر موقوف ہے ہر شے کی خریداروں پر

فروغ رتبۂ عالی جہاں میں خاکساری ہے
یہ لازم ہے زمیں بن جائے انساں آسماں ہو کر

بچایا سختیوں سے دشمنوں کی ملکے چلنے نے
رہا محفوظ دانتوں میں ہمیشہ بے زباں ہو کر

آتا نہیں قرارِ دلِ بیقرار کو
غم میں پھنسا ہوں دامِ محبت سے چھوٹ کر

سر کا رتبہ پاؤں کو ہرگز کبھی ملتا نہیں
اس سے کیا ہوتا ہے زر دوزی اگر پاپوش ہے

عشق ہوگا جو کسی سے تو کھلے گا احوال
ہم بھی پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

قیامت آئے اُٹھاؤ جو پردۂ عارض
نہ ماہتاب رہے پھر نہ آفتاب رہے

زہر امرت ہے کہیں آبِ بقا زہر کہیں
بے سبب کونسی شے عالمِ اسباب میں ہے

شہرت کیا جہان میں اُس خود نما کی ہے
ایسے بشر بھی ہوتے ہیں قدرت خدا کی ہے

بے دئے جان نہیں بزم سے جانیوالے
اب تو بیٹھے ہیں اُٹھائیں تو اُٹھانے والے

پھر کے للہ ادھر دیکھ کہاں جاتا ہے
قتل ہم ہو گئے اُو منہ کے چھپانیوالے

ایک ہے اللہ تو بندے بھی سارے ایک ہیں
پھر بتاؤ تفرقہ کیا زاہد و ہندو میں ہے

وہی اُسکا ہے جو دیتا ہے کسیکو کوئی
اپنی وہ چیز نہیں جو کہ پرائی ہونی

شکوہ مینے جو کیا جائے شکایت نہیں
جس سے ہوتی ہے اُمید اُس سے گلہ ہوتا ہے

خضر آگاہ لبِ یار کے بوسوں سے نہیں
جان تک دیتے ہیں عاشق یہ مزا ہوتا ہے

یوں تو ہر روز قیامت ہے قدِ جاناں سے
دیکھیں کب وعدۂ دیدار روا ہوتا ہے

ہوش بس جاتے ہے جان پہ آفت آئی
پھر نہیں آپ میں آیا جو طبیعت آئی

عیب بیں کو ہنرِ اہلِ ہنر سے چڑ ہے
کیوں نہ آئینے سے بد شکل کو نفرت ہو جائے

گریہ و غم کی مجھے طاقت نہیں
کار و بارِ عشق اب کیونکر چلے

معجزہ دکھلائے گر عیسیٰ عشق
ساتھ قاتل کے تنِ بے سر چلے

اصل جس چیز کی جو ہے وہی ہے وصف اُسکا
بھرے تلخی مئے کیوں نہ حلاوت ہو جاوے

اُٹھ گیا پردۂ دوئی تو کھلا
خود پرستی خدا پرستی ہے

منہ سو کوئی عمارت نہیں الفت سے زیاد
سیل کا خوف نہیں دل میں جو گھر ہوتا ہے

بیکس کو ستانا نہیں اچھا نہیں اچھا
تم شاد رہو گے جو ہمیں شاد کرو گے

بتوں سے جلوۂ حق کا ظہور ہوتا ہے
عجیب خاک کے پتلوں میں نور ہوتا ہے

دل مکدر ہو تو سب عیشِ جہاں مٹی ہے
تو نہیں پاس تو پھر لطفِ چمن خاک نہیں

پارس سے بھی زیادہ ہے تاثیر پاؤں میں
چھوتے ہی خاک ہوتی ہے اکسیر پاؤں میں

کس قدر دور دو ساقی سے ہے
شیخ کہتا ہے مے حرام نہیں

عشق و غیرت شرم و نخوت مانعِ گفتار ہیں
اُس طرف مجبور وہ ہیں ہم اِدھر ناچار ہیں

طالبِ سجدہ وہ بت ہے مجھے معلوم ہوا
اب یہ منظور ہے ناراض خدا مجھسے ہو

واہ رے رحم کریمی کے یہی معنی ہیں
عفو ہو اُنکی طرح سے جو خطا مجھ سے ہو

دل میں ہے عشقِ صنم نام خدا ہونٹوں پہ
میں ہوں وہ رند کہ کہتے ہیں مسلماں مجکو

لذتِ بوسہ نے لب بند کئے زخموں کے
دہنِ یار ہوا غنچۂ پیکاں مجکو

میرا کیا جانے گا تم آپ ہی رسوا ہوگے
یہ منسی خوب نہیں کیوں مجھے رلواتے ہو

زاہداوہ تو رگِ جاں سے کہیں ہے نزدیک
کیوں بھٹکتے ہو اِدھر آؤ کہاں جاتے ہو

آج ترساؤ نہ صورت کو مُوا جاتا ہوں
کل دمِ حشر نہ دیدار دکھانا مجکو

شکل دکھلاؤ تو معلوم نہیں کیا ہو جائے
جانیں جاتی ہیں جو آواز سنا دیتے ہو

ایسا نہیں یہ سر کہ جھکے آگے غیر کے
پڑھتا نہیں نماز وہ جسمیں سلام ہو

اعجاز چال ہے بتِ محشر خرام کی
قدرت خدا نے اُسکے قیامت تمام کی

خدا غریب کی سنتا ہے غیب سے فریاد
اثر عجیب دلِ دردمند رکھتا ہے

قطعہ

مٹانا اگر اُن کو منظور تھا
یہ حیرت ہے پھر کیوں بنایا مجھے

فدا تھا جو میں خالِ رخسار پر
عجب واقعہ پیش آیا مجھے

یہ جھگڑا رہا کفر و اسلام کا
نہ گاڑا نہ اُسنے جلایا مجھے

سمجھ سکتا ہوں اچھے سمجھا ہر آپ
نہ مارا نہ تمنے جلایا مجھے

کچھ بن آتی نہیں یہ حیرت ہے
کیا کرے عاشق اور کیا نہ کرے

مرتبہ عالی نہیں پاتا ہے انسان مال سے
جانتے ہیں اہلِ دانش جکو عقل و ہوش ہے

قوتِ بازو عدو کو جانتے ہیں اہلِ دل
جو کڑے ہیں چرخ سے انگو ضرر مطلق نہیں
کام کچھ کسب وہنر آتا نہیں ادبار میں
فیضِ نیسانِ کرم سے بے زباں نکسیر ہیں

طائرِ جاں کو پر پرواز ہیں پر تیر کے
آسیا سے پستے ہیں دانے کہاں زنجیر کے
زنگ سے جوہر عیاں ہوتے نہیں شمشیر کے
رزق پہونچاتا ہے رازق منہ صدف کا چیر کے

برق

(برق) قاضی نجم الدین صاحب برق خلف قاضی سراج الدین از خاندان قضات سکندر آباد نواح دہلی۔ آپ کا بچپن اور شباب دہلی میں گزرا اور وہیں تعلیم پاکر حکیم مومن خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر فنِ شعر میں استفادہ کیا۔ چند ہی غزلوں کی اصلاح ہونے پائی تھی کہ اُنہیں کے استاد سے میر حسین صاحب تسکین (شاگرد رشید مومن) سے اصلاح لینے لگے۔ طبیعت قدرتاً شاعری کے مناسب پائی تھی۔ چند ہی روز کی مشق میں اچھا نام پیدا کرلیا۔ عاشقانہ مضامین بالخصوص معاملہ بندی میں فرد تھے۔ شوخیٔ طبع میں اسم بامسمی برق تھے۔ کلام بے ساختہ دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔ غدر سے پیشتر آپ کا عین شباب کا عالم تھا مگر خداداد ذہانت اور زورِ طبع کی بدولت اُس زمانہ میں بھی آپ کا کلام دہلی میں زبان زدِ خاص و عام ہوگیا تھا۔ اکثر اربابِ نشاط آپ ہی کے کلام رنگین سے رقص و سرود کی مجالس کو گرم کرتی تھیں۔ اور فی الواقع آپکے نتائج افکار میں غضب کی دلفریبی اور بلا کی دل آویزی ہے۔ شروع جوانی میں جب ملازمت کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگرہ اور الہ آباد کی عدالتوں میں امین رہے۔ بعد حصول پنشن مراد آباد میں وکالت اختیار کی۔ ۷۰ برس کی عمر پاکر انجام کار ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ چونکہ طبیعت کی لاپروائی اور خلقی استغنا نے شاعری کو بطور فن مشغلہ بنانے دیا اسلئے بیشتر حصہ کلام تلف ہوگیا اور جس شہرت کا فی الحقیقت مستحق تھا وہ حاصل ہونے پائی۔ وجیہہ۔ خوشخو اور وضعدار شخص تھے۔ اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی بدولت جلسۂ احباب کے روح رواں سمجھے جاتے تھے۔ نفاستِ بندش اور عمدگیٔ مضامین کے دلدادہ آپ کا طرزِ ادائے بیان غضب کا دلکش ہے

عاشق کو طوافِ کوچۂ جانانہ چاہیئے
اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ہوتی
مانو ہماری بات جو بخشش کی چاہ ہے
کیا حقیقت داغ کے آگے چراغِ طور کی
صوم میں گزرے اگر دن مے پیا کر رات بھر
جان دیں درہم داغ ایک اگر کم ہو جائے
فلک نے داغ دئے لالہ زار کے بدلے
اُٹھا کے آئینہ دکھلا دیا اُسے سینے
نگاہِ مست سے بیہوش کر دیا تو نے
ایسی قسمت تو کہاں ہیچ جو کوئی بات کہو
رنج ہوتا ہے جہاں میں صحبتِ ناجنس سے
چشمِ حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے
جز غبارِ دل نہیں حاصل کسیکو چرخ سے
چاکِ جگر کو طاقِ دعائے حرم سمجھ
کچھ حاجتِ لباس نہیں اہلِ خضر کو
جور و جفا اُٹھانے کی طاقت نہیں
جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی
میں جو روتا ہوں تو کہتے ہیں مجھے ہنس منہ کر
ناحق اپنے پاؤں توڑے یہ نہ سمجھا زاہدا
جوشِ وحشت کا تقاضا ہے کہ دل خوں کیجیے
چاہیئے تدبیر بیجا شکوے ہیں تقدیر کے

زاہد کو کعبہ رند کو میخانہ چاہیئے
مسجدوں میں تری تصویر لگائی ہوتی
اے زاہدو گناہ نہ کرنا گناہ ہے
رشکِ شمعِ طور ہے تتّی مرے ناسور کی
جام سے افطار کرنا روزے کا کفارہ ہے
نخلِ عاشق پہ ندامتِ حاتم ہو جائے
لئے خزاں نے چمن سے بہار کے بدلے
نسوجھی عارضِ گلگوں کی جب مثال مجھے
پیالہ ہاتھ سے رکھ ساقیا سنبھال مجھے
جھوٹ وعدہ بھی تمہارا سببِ تسکیں ہے
جسم میں جب تک رہیگی روح بے آرام ہے
ہر صنم خانہ نقش میں کعبۂ اسلام ہے
خاک جھڑتی ہے ہمیشہ کہنہ سقفِ بام ہے
قبضے میں ذوالفقار ہے گر دل دونیم ہے
دن چادرِ سفید ہے ہر شب گلیم ہے
آزاد کر کہ بندہ غلامِ قدیم ہے
کیا شوخیاں ہیں ابلقِ لیل و نہار کی
جو کرے عشق یہی اسکی سزا ہوتی ہے
وہ رگِ جاں سے بھی ہے نزدیک کعبہ دور ہے
دشت میں روشن چراغِ نام مجنوں کیجیے
یہ بڑی تقصیر ہے قائل نہوں تقدیر کے

دل چور تھا زخموں سے مرا گر بڑے جگر تھا
شب رُخ تری مژگاں کا خدا جانے کدھر تھا

کیوں ضبط کیا دیکھ کے بیتاب اُسے ہائے
شب لب پہ جو نالہ تھا سو سر گرم اثر تھا

یوں کاٹ لیا قاتل سفاک نے ہمدم
گویا کہ ازل ہی سے نہ تن پر مرے سر تھا

شب غیر میں اور ہم میں رہی یوں ہی لڑائی
دیکھا تو وہ بے دید ادھر تھا نہ اُدھر تھا

کس واسطے خوش آئی تجھے دل کی خرابی
اے خانہ برانداز یہ تیرا ہی تو گھر تھا

سودائے محبت میں کئے نالہ و افغاں
حاصل ہمیں ہر کام سے اک جی کا ضرر تھا

وہ بھی نہ رہا جوش محبت میں الٰہی +
پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا

طالع جو بُرے تھے نہ ہُوا تم نے تو ورنہ
وہ کام کئے جس میں مرے جی کا ضرر تھا

وہ وقت نہ پایا کہ کہیں حال دل اپنا
جب دیکھا اُنہیں آئینہ ہی پیش نظر تھا

واں جاکے چھپا کوئی جہاں جانے نہ پائے
اے برق یہ نالوں سے ترے غیر کو ڈر تھا

میں تو ہوں محو تماشا اک بت مغرور کا
واعظ ناداں مجھے دیتا ہے لالچ حور کا

اب نہیں تاب تحمل تو اٹھا رخ سے نقاب
اک فسانہ ہو گیا عالم میں جلوہ طور کا

اُف رے گرمی محبت عمر بھر مانگے پناہ
گر پڑے دوزخ پہ سایہ اس تن محرور کا

چارہ گر وہ مرہم آتے جو اس مجروح تک
چاندنی میں ہو اثر پیدا ابھی کافور کا

مے سے کی ہے گرچہ توبہ لیک ہو جاتا ہوں مست
جب خیال آتا ہے اُسکی نرگس مخمور کا

ہمنے جب طالع سے مانگا یار کا روز وصال
تیرہ بختی نے دکھایا مُنہ شب دیجور کا +

ہجر کی شب روتے روتے جان دی تھی کھوئیں
سیل گریہ لے گئی لاشہ ترے رنجور کا

گر نہیں جاتی بلا سے مار ہی ڈالے مجھے
یوں بھی تو احسان ہونا ہے شب دیجور کا

پیر میخانہ ہے تسکیں برق اُسکا جرعہ کش
ہے مزا اُسکے سخن میں بادۂ انگور کا

قلقل مینا ہے سب ساقی کے نالہ صور کا
آفتاب حشر ہے ساغر جو ہے بلور کا +

کوئے جاناں سے نکلتے ہی یہ حالت ہو گئی
جس طرح بار اٹھا کا آئے سازدور کا

غزلوں میں آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور اُن میں سے اکثر موسیقی کی دلفریب چاشنی سے مملو ہیں۔ بہنگام ترتیب تذکرہ جو کلام مختلف ذرائع سے بکوشش تمام ملا اس کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

آج ارمان مرے دیدۂ تر کا نکلا
کہ ہر ایک اشک سے ٹکڑا لختِ جگر کا نکلا

ہم تو کہتے تھے کہ جنت میں لگے گا کیا جی
بارے کچھ اُس میں بھی نقشہ ترے گھر کا نکلا

وہ بغل میں بھی رہا تو بھی نہ پایا آرام
دل سے کھٹکا نہ شبِ وصل سحر کا نکلا

اے فلک تجھکو بھی سوزش کا چکھا دینگے مزا
ایک بھی نالہ جو اس تفتہ جگر کا نکلا

خط یہ خط بھیجے اُسے لیک یہ حسرت ہی رہی
کوئی قاصد نہ کبھی آن اُدھر کا نکلا

عمر تو ساری کٹی کسبِ کمالات میں برق[1]
یاں نہ پرساں ہی[2] کوئی اہلِ ہنر کا نکلا

جلا یا گھر عدو کا، ورنہ کاخِ آسماں پھونکا
مجھی کو چپکے چپکے تو نے اے سوزِ نہاں پھونکا

اُٹھے کیونکر نہ دود دِل کہ اُس بدخو نے محفل میں
دیا حقہ عدو کو اور میری جانب دھواں پھونکا

بتوں کی گرم خوئی سے دلِ عشاق جلتے ہیں
ہمیں تو سرد مہری نے تمہاری مہرباں پھونکا

بری محفل میں یا بد سے چلا اُٹھ چلے وہ اک قیامت ہے
یہ کیسا صور تو نے نالۂ آتش فشاں پھونکا

کیا کیا اُڑی ہیں دھجیاں جیب و گریباں کی
ہاتھوں سے جبکہ یار کا داماں نکل گیا

پوچھا جو اُس نے آپ ہمیں چاہتے ہیں کیا
بے ساختہ زباں سے مری ہاں نکل گیا

اے برق تیز دستی وحشت کو دیکھنا
دامن کے سیتے سیتے گریباں نکل گیا

میری خاطر پھر دکھا عالم رخِ پرنور کا
غش سے موسیٰ نے نہیں دیکھا ہے جلوہ طور کا

گر یہی ہے شوقِ پابوسی تو بعد مرگ بھی
ٹھوکریں کھاتا پھرے گا لاشہ اس رنجور کا

گر کوئی محشر میں پرساں ہو تو فریادی ترے
ہر دہانِ زخم سے لیں کام نفخِ صور کا

کیا لگی پھرتی ہے اُس پائے نگاریں سے بہار
جس جگہ اُس نے قدم رکھا گلستاں ہو گیا

صورتِ گل چاک چاک اپنا جگر ہے برق یاں
چارہ گر کو فکر ہے ٹکڑے گریباں ہو گیا

[1] عمرت کی عمر یونہی ۱۲ [2] کوئی پرساں نہ یہاں ۱۲

دستِ تسکیں وہ مرے سینہ پہ رکھکر بولے
لے گیا برق ترا کب دلِ مضطر کوئی

پیکاں نکالنا ہے اگر ہاں نکالئے
پر دل پہ ہاتھ رکھ کے مری جاں نکالئے

بہت ہے مے کا قطرہ بھی جو دے ساقی محبت سے
غنیمت ہے جو گزرے کوئی دم غفلت میں حرمت سے

ترا قامت بنا کر صانعِ قدرت نے فرمایا
کہ یہ فتنہ رہے گا دو قدم آگے قیامت سے

وا جو گلشن میں ترا عقدۂ گیسو ہو جائے
غنچہ غنچہ گرہِ نافۂ آہو ہو جائے

کب یہ ممکن ہے نہ معشوق جفا جو ہو جائے
ہم مسیحا کو بھی چاہیں تو ہلاکو ہو جائے

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں
عشق وہ اکسیر ہے کہ شہرت مری ہر سو ہو جائے

کیا گہرِ دولتِ کونین تصدق اسیر
کسی دل میں جو مؤثر کوئی آنسو ہو جائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھاوے تو تو ہی تو ہو جائے

تو نہ ہوگا تو ترا درد رہے گا دل میں
یہ نہ ہوگا کبھی خالی مرا پہلو ہو جائے

بزمِ اغیار ہے ڈر ہے نہ خفا تو ہو جائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہو ہو جائے

کشتۂ چشمِ فسونگر کا جلانا کیسا
نہ کہیں اور مسیحا پہ یہ جادو ہو جائے

ناز تو اسکے اٹھاتا ہوں مگر ڈرتا ہوں
بے نیازی کی نہ اس بت میں کہیں خو ہو جائے

کچھ مزا ہے یہ ترے روٹھ کے من جانے میں
چاہتا ہوں یونہی ہر روز خفا تو ہو جائے

تو تو جس خاک کو چاہے تو کرے بندۂ پاک
میں خدا اسکو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

پہنچے اس بت کے نہ در تک یہ ہے ہمت کا قصور
ورنہ چاہے جو بشر عرش پہ قابو ہو جائے

آپ انکار کریں وصل سے میں در گزرا
کچھ تو ہو جس سے طبیعت مری یکسو ہو جائے

در بدر پھرنے سے ملنا تو کسی کا معلوم
ہاں غنیمت ہے جو کچھ ہم سے تگاپو ہو جائے

منہ تکا کرتا تھا اعجازِ مسیحا جسکا
ہائے اوس پہ ملک الموت کا قابو ہو جائے

ق

نہ وہ بلبل ہوں کہ ہر گل پہ فدا جاں کر دوں
نہ وہ پروانہ کہ ہر شمع کا قابو ہو جائے

ہاں یہ مانا کہیں دل بیٹھ کے بہلاؤں مگر
تو کہاں لاکھ کسی میں تری کچھ بو ہو جائے

ہے بظاہر ترکِ لذّت دل میں ہے حور و شراب
میں نہ سمجھا موت کو سو آتشیں نالوں بھی
وعدۂ دیدار ہے محشر پہ تو ہی کر مدد
وصل کی شب صبح ہوتے ہی قیامت آگئی
جان دینے پر بھی عاشق بات سے ٹلتے نہیں
سوزِ دل جاتا رہا سینہ سے لگتے ہی ترے
کیوں نہ ہو ہر دم جہنّم سے صدا ہل من مزید
وحشی نے تیرے خاک اُڑائی یہاں تلک
جی چاہتا ہے خاک میں ملئے یہاں تلک
صیاد ظلم کرتے ہیں لیکن نہ یہاں تلک
واں دل میں یہ کہ بوسہ یا بھی نہ دیجئے
عدو کے وصل کے دہاں عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں
مزا پڑتا چلا ہے انکو بے باکانہ ملنے کا
چھری پھیرے گا دم لے لے کے اس سے کب توقع تھی
تاثیر کچھ بھی ہووے تو رونے کا ڈر نہیں
وہ اشک کیا ہے جسمیں کہ لختِ جگر نہیں
رشکِ عدو و حسرتِ وصل آرزوئے مرگ
گو قہر کی نگاہ ہے پر دیکھتے تو ہیں +
تیرے ستم سے موت کی خواہش ہوئی ہمیں
جان جاتی ہے جو گردن سے جدا ہوتا ہے
دیکھ لیں ہم بھی کہ دل لیتا ہے کیونکر کوئی

زاہد و کچھ بھی ٹھکانا ہے تمھارے زور کا
کچھ اندھیرا سا اندھیرا تھا شبِ دیجور کا
انتظار اب نالۂ پرشور کب تک صور کا
بانگ تھی مرغِ سحر کی یا کہ نالہ صور کا
کیا ہوا گر دار پر سر رکھ دیا منصور کا
گرمجوشی نے اثر پیدا کیا کافور کا
برق لقمہ گرم ہے میرے تنِ محرور کا
ملتا نہیں زمیں کا پتہ آسماں تلک
پیدا نہووے حشر کے دن بھی نشاں تلک
میرا چمن سے پھینکدیا آشیاں تلک
ہاں شوق یہ کہ چوسئے انکی زباں تلک
ہماری جاں کے جانے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
نگہباں برطرف موقوف درباں ہوتے جاتے ہیں
یہ قاتل کی مری گردن پہ احساں ہوتے جاتے ہیں
ناحق تو کر خراب مجھے چشمِ تر نہیں
کیا ہے وہ آستیں کہ لہو میں تر نہیں
صدمہ ہے کونسا جو مری جاں پر نہیں
کیوں کر کہیں کہ آہ میں اپنی اثر نہیں +
ورنہ ہمارے دل میں فقط تیری چاہ تھی
ہائے کیا خنجرِ قاتل میں مزا ہوتا ہے
ہاں اشارہ کرے وہ چشمِ فسونگر کوئی +

عمر اور کلام مرسلہ کا انتخاب یہ ہے

کچھ نہ پوچھو نازِ قاتل وقتِ قتل
ہر ادا پر اُس کے میں مر مر گیا

آئینہ دیکھ کے دیکھا یہ تماشائے عجیب
اک تماشا تھا اُسے اپنے تماشائی کا

آئی ہے بہار اب تو صیاد
بلبل کو قفس سے تو رہا کر

میں کہتا تو ہوں کہ ہے قیمتِ دل اک بوسہ
اسپہ حجت ہے تو پھر آپ ہی ارشاد کریں

جو شک ہیں آپکے اُنکو مٹائے دیتے ہیں
تو آؤ چیر کے ہم دل دکھائے دیتے ہیں

جذبِ دل خود کھینچ لائے گا اُسے پروا نہیں
غیر بہکاتا ہے گر اُسکو تو بہکانے بھی دو

تم ہی سچے سہی آخر یہ جھگڑا طے بھی ہو صاحب
بگڑتے کیوں ہو اچھا بیوفا میں باوفا تم ہو

یہ چھپکر روز جانا میکدے میں حضرتِ زاہد
ہمیں معلوم ہے واللہ جیسے پارسا تم ہو

اللہ رے بیخودی کہ تصور میں یار کے
تصویرِ یار ہی سے ہم آغوش ہو گئے

اے برقؔ تم تو برق تھے پھر اک نگاہ میں
کیوں دیکھ کر حبیب کو بیہوش ہو گئے

آئینہ تمھارے روبرو ہے
سچ سچ کہو کون خوبرو ہے

خفا کیا جو تو دیکھا نگاہِ شوق سے تمکو
کہ ہم ہیں صانعِ قدرت کی قدرت دیکھنے والے

بتِ طناز آئینہ سے یہ خوش فعلیاں کب تک
اِدھر بھی اک نظر او اپنی صورت دیکھنے والے

مانا کہ اُسے تیغ لگانی نہیں آتی
ابرو بھی ستمگر کو ہلانی نہیں آتی

تمنا آج تیرے دل کی اے زہرہ جبیں نکلی
کہ خوش خوش تیرے قدموں پر یہ جانِ حزیں نکلی

بندھی تھی یار کی ہچکی لگے اغیار بھی رونے
کچھ اس حسرت سے گھٹ گھٹ کر یہ جانِ حزیں نکلی

(برق) منشی محمد اسحاق برقؔ خلف مولوی محمد عبدالقادر مرحوم رئیس و مصاحب نواب کلب علیخاں والیٔ رامپور حضرت داغ کے تلامذہ میں سے ہیں - زیادہ حال معلوم نہیں

یاد میں اُس نگہِ مست کے ہوں چشم پر آب
بن گئے ہیں مرے یہ دیدۂ تر جامِ شراب

ابھی بھر آئے گا پانی تیرے منہ میں زاہد
تو نے دیکھا جو کبھی بھر کے نظر جامِ شراب

ہو نہو بس میں کوئی کچھ نہیں اسکی پروا	دلِ بیتاب یہ اے برقؔ جو قابو ہو جائے
جو دیکھ چکے نوح کا طوفان نظر سے	وہ آنکھ چُراتے ہیں مرے دیدۂ تر سے
دن رات پڑا رہتا ہوں دروازہ پر اپنے	اِس غم میں کہ کوئی کبھی آتا تھا ادھر سے

برق

(**برق**) منشی محمد منظور احمد - وکیل شکوہ آباد فن سخن میں ابتدا سے حضرت داغ دہلوی کے ارادت مندوں میں ہیں پہلے منظور تخلص کرتے تھے۔ پھر برق تخلص اختیار کیا طبیعت تخلص کی موزونیت سے شوخ اور تیز پائی ہے - پھر اس پر استاد کی تقلید و اصلاح سونے پر سہاگہ ہوگئی - ترتیب تذکرہ کے وقت جسقدر کلام حاصل ہوا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے

دل بھی دیا جگر بھی دیا جان زار بھی	ہمنے تو تیرے عشق میں سب کچھ لٹا دیا
سوا اسکے کہ تیرہ جان دیدیا	ہماری آرزو کیا مدعا کیا
آبلے ٹوٹے ہیں نوکِ خار پر	سرکشوں کی موت آئی دار پر
وعدہ کرتے ہی تبسم آگیا	ناامیدی چھاگئی اقرار پر
بلا ئے ہجر ہے ضبطِ فغاں ہے	مصیبت میں جگر آفت میں جاں ہے
یہ ہے رازِ دہن ؟ حضرت عشق	کسیکا سر کسیکا آستاں ہے
تمھاری خوش خرامی پر تصدق	قیامت کیوں نہیں ہوتی کہاں ہے
بیاں کرتے کو بلبل کی زباں ہے	عجب دلکش ہماری داستاں ہے
نظر پھرتے ہی پھر جاتی ہے قسمت	تری آنکھوں میں رنگِ آسماں ہے
آیا جہاں میں آتے ہی حسن بتاں نظر	ہم پہلے ہوش آنے سے بیہوش ہوگئے
آرزوئیں نکلتی ہیں دل سے	گلے مل مل کے تیغ قاتل سے

برق

(**برق**) جناب منشی ہری شنکر سہائے کا یستھ سپرواسٹنٹ کلرک اسپشل فنڈ ہردوئی انکے والد منشی بلدیو سہائے لکھنؤ کے باشندہ ہیں - آپنے ایک رسالہ اصول اقلیدس پر شائع کیا ہے - فن سخن میں حضرت داغ دہلوی سے مشورہ کیا کرتے تھے - ۳۰ برس کے قریب

ہر چند عندلیب نے مارے ہزار پر	گنج قفس سے ہائے رہائی نہ ہو سکی
رک سکے گی کیا کسی پر جب طبیعت آئیگی ورنہ اُف بھی کی تو یہ سمجھو قیامت آئیگی	جس طرف آئیگی یہ مثلِ قیامت آئیگی ہم اگر خاموش ہیں تو کچھ اسی میں خیر ہے

برق

(برق) نواب سید عبدالحسین خان عرف جھو نواب - رئیس پٹنہ - شاگرد مولنا شاد عظیم آبادی - یہ آپکا کلام ہے ؎

چل کے رکتا ہے ہاتھ قاتل کا جب نہ پایا نشان منزل کا رکھ لیا تونے پردہ محمل کا	کیا مقدر رہے واہ بسمل کا نا امیدانہ تھک کے بیٹھ رہے ضبط کی آہ مرحبا اے قیس

برق

(برق) منشی محمد یعقوب - باشندہ جالندھر - مولوی شوکت میرٹھی کے شاگردوں میں ہیں - یہ اُنکے کلام کا انتخاب ہے ؎

گلشن میں ہر طرف ہے ترانہ ہزار کا کیا اعتبار ہستیٔ نا پائیدار کا بے ہوشیوں میں کام کیا ہوشیار کا اللہ رے شوق دیدِ دلِ بیقرار کا رہتے ہیں یہ حسین ہمیشہ عذاب میں جھک کے تو دیکھ کیسا مزا ہے شراب میں	ہے اِن دنوں عروج پہ موسم بہار کا جو دم ہنسی خوشی میں گزر جائے خوب ہے مے پی کے گر گیا در پیرِ مغاں پہ میں جی چاہتا ہے خط سے وہاں جاؤں پیشتر وہ دل میں اور دل تپش و اضطراب میں زاہد ابھی تو پی نہیں ہمت کر نہیں نہیں

برکت

(برکت) منشی برکت علی خاں - باشندۂ جعفرآباد - ملازم ریاست پٹیالہ - شعر و سخن سے نہایت ذوق رکھتے تھے - نصیر الدولہ جنرل اختر لونی، رزیڈنٹ دہلی کے سررشتہ دار تھے اور اس عہدۂ ممتاز کی وجہ سے اپنے زمانے کے عمائد میں شمار ہوتے تھے - ان کی شاعری کا شوق حد بیاں سے باہر ہے - قیام دہلی میں انکے ہاں تمام شہر کے ارباب کمال و معززین کا جمگھٹا رہتا تھا - اکثر مشاعرے بھی کیا کرتے تھے -

حشر کے دن بھی یہ مجھ رند کو خواہش ہوگی	کچھ ملے یا نہ ملے مجھکو مگر جام شراب

(برق) منشی محمد باقر دہلوی کافی پلانٹر مقیم حسن ملک میسور - حضرت داغ سے تلمذ رکھتے ہیں خود بھی خاصہ کہہ لیتے ہیں ؎

چمن حسن میں آئی ہے جوانی کی بہار	آج محرم میں سماتا نہیں جوبن انکا
نثار دل کو کیا ابروئے ستمگر پر	طبیعت آگئی بیٹھے بٹھائے خنجر پر
غضب کی چال ہے اے شوخ اُسکا کیا کہنا	نثار فتنۂ محشر ہے تیری ٹھوکر پر
گناہ تھوڑا ہے زاہد ثواب افزوں ہے	دُرود پڑھتا ہوں سو سو میں ایک ساغر پر
نہ ہو پرسانِ حال جب کوئی	جی جلانے میں پھر مزا کیا ہے
روز و شب اسمیں خیالِ عارضِ پر نور ہے	طالبِ دیدار کا دل ہے کہ کوہِ طور ہے
مختصر اتنا ہی لکھا یار نے خط کا جواب	آنکھ سے جو دور ہے دل سے کوسوں دور ہے

(برق) منشی محمد الیاس شاگرد مولانا شوکت میرٹھی - اب کچھ عرصہ سے منشی جلیل حسن صاحب جلیل کو اپنا کلام دکھاتے ہیں - یہ چند شعر آپکے کلام سے منتخب ہوئے ؎

تیغ وہ لائے ہیں ہم سر نہ جھکائیں کیونکر	اجل آئی ہے بلانے کو نہ جائیں کیونکر
سو رہے وہ مری قسمت کیطرح وصل کی شب	آنکھ کھلتی ہی نہیں ہائے جگائیں کیونکر
ایک ہی وار میں دل ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے	اب جو آنکھ اُس سے لڑائیں تو لڑائیں کیونکر

(برق) منشی مہاراج بہادر ورما دہلوی شاگرد آغا شاعر - زمانۂ حال کے نومشق شعرا میں ہیں - یہ چند شعر اُنکے ہیں ؎

ابرو کا وار اور دلِ بیقرار پر	کیوں رکھ لیا غریب کو خنجر کی دھار پر
اُس برق وش نے ہنسکے مرے حالِ زار پر	بجلی گرائی خرمنِ صبر و قرار پر
سینے تو کچھ نہیں یہ برا ماننے کی بات	دل دے تو کوئی آپکو کس اعتبار پر
لی ہوگی جیتے جی مری کچھ آپنے خبر	کچھ بعد مرگ آئینگے میرے مزار پر

زخم بھرنے کے نہیں تیر نکلنے کے نہیں
چارہ گر سہل نہیں مجکو شفا ہو جانا

کیا رنگ دیکھتے ہو دلِ داغدار کا
رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا

عالم شباب کا ہے زمانہ اُبھار کا
آیا ہے باغِ حسن میں موسم بہار کا

ہر دم ہے اُسکا وصف تمھاری زبان پر
دشمن کا کیوں دماغ نہو آسمان پر

پھر اُسی ناز سے کہنا کہ ہو غارت کوئی
ہاں مری عمر بڑھانے کی دعائیں کیونکر

نہ پوچھو اُس گھڑی شام وصال کا عالم
وہ آئی جب مرے گھر مُنہ چھپائے بالوں میں

صرف اک تارِ نفس پر ہے مدار
سچ تو یہ ہے کچھ نہیں انساں میں

بتاؤں کیا تمھیں اپنی حقیقت
مجھے خود ہی نہیں معلوم کیا ہوں

جان دیدیتے مگر سہتے نہ یہ رنجِ فراق
کیا کریں ہم موت اپنی بس میں انساں کے نہیں

غیر کی صورت وہی ہے ہجر میں
آتشِ غم میں یہ جلتا کیوں نہیں

ملتا رہے کچھ لطف وفا کا بھی جفا میں
تسکین کا پہلو ہو ستانے کی ادا میں

تصویر تری سامنے ہوتی ہے تو اے بت
کچھ اور ہی آتا ہے مزا یادِ خدا میں

جب وصل ہوا اور تڑپ بڑھ گئی دلکی
چھریاں ہیں ترے ناز میں نشتر ہیں ادا میں

وہ چتون یہ کیا مجکو سمجھا گئی
کہ نکلی ہوئی جان پھر آگئی

عشق کی بات سمجھ میں نہیں آتی کوئی
اسمیں آسان سی آسان بڑی مشکل ہے

شبِ فرقت کی شکایت نہ کرو تم برہم
ایسی باتوں سے کہیں رُوٹھ نجائے کوئی

عید کے دن جسنے دیکھا اُنکو قرباں ہو گیا
عید سے عید اُنکے قربانی سے قربانی ہوئی

تو دیکھ تو اپنی نگہِ ناز کو ظالم
کافر یہ وہ شے ہے کہ نکلتی نہیں جی سے

جنکی نظروں میں حسینوں کی ادا ہوتی ہے
وہ نہیں جانتے کیا چیز قضا ہوتی ہے

مار ڈالا نگہِ لطف سے اک عالم کو
زہرِ قاتل مرے عیسیٰ کی دوا ہوتی ہے

لاکھ داغ ایک طرف عشق کا داغ ایکطرف
گل سبھی ہوتے ہیں بُو باس جدا ہوتی ہے

غدر سے بیس بائیس سال پیشتر اپنے وطن خیرآباد میں انتقال کیا۔ یہ اُنکا کلام ہے ۵

اشکوں کو بہا دیدۂ گریان سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھکر

موسم گل ہے قفس ہی میں نوجان ہوا
مست نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل

یو بچے آسیب نہ اُسکو کہیں دلگیر نہ ہو
نالۂ شب میں الہی مرے تاثیر نہ ہو

دل بیتاب کسطرح سے ٹھہرائے کوئی
مجھے سمجھائے کوئی یا اُسے سمجھائے کوئی

غم اُٹھانا میرے اس دل کا ٹھکانے لگجائے
ایک دم کے بھی لئے پاس جو بٹھلائے کوئی

تصور میں ترے کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں
ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

مجھ کو رُکا سا جو پایا تو یوں کہا
یالے خدا نہ ڈالے کسی بدگماں کے

مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

برہم

(برہم) حکیم عبدالکریم نام۔ فتح پور ہنسوہ کے رہنے والے ہیں۔ حضرت امیر مینائی کے خاص معتقدین و تلامذہ خوش فکر میں ہیں۔ طبیعت میں رنگینی اور اُسکے ساتھ شوخی بھی ہے۔ نثر نگاری میں بھی اچھی دسترس ہے۔ گورکھپور سے صلح کل نامی اخبار آپ ہی کی اڈیٹری میں شائع ہوا تھا۔ رسالہ فتنہ کے بھی آپ ہی مالک و مہتمم ہیں۔ اخبارات میں اکثر آپ کے مضامین چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن اکثر حرارت قومی و بیجا پاسداری کے جوش میں آپ حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتے ہیں جیساکہ اُنکے ناول کرشن کماری کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ۵

درد دل سے تڑپ نہیں سکتے
ضعف یہ ہے ہلا نہیں جاتا

لہو میں ہمارے جو بہیں گئی
بہت شوخ رنگ حنا ہو گیا

خدا تک یہ بت بھی ہیں پہنچے ہوئے
کہ جو کچھ زباں سے کہا ہو گیا

ہماری نعش پہ آنچل کا ڈالدو سایا
کڑی ہے دھوپ ذرا سایہ کام کرتا جا

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھکر
میری طرف تو دیکھیے سرکار کیا ہوا

مشغول ہو گئے - آخرش ۱۳۰۰ھ میں انتقال کیا - ریختہ میں اسطرح سخن سرائی کرتے تھے تبرکاً کلام درج تذکرہ کیا گیا - زبان اگرچہ قدیم او مخلوط بہ ہندی ہے مگر مضامین کی نفاست خوبی صاف جھلک رہی ہے

خدائے کس شہر اندر ہمیں کو لائے ڈالا ہے	نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے
خوباں کی باغ میں رونق ہووے تو کسطرح یاراں	نہ دونا ہے نہ مردا ہے نہ سوسن نہ لالہ ہے
پیا کے ناؤں کی سمرن کیا چاہوں کروں کس سین (نام)	نہ تسبی ہے نہ سمرن ہے نہ کنٹھی ہر نہ مالا ہے (تسبیح)
پیا کے نام عاشق کون قتل یہ عجب دیکھے ہوں (کیسے)	نہ برچھی ہے نہ کرچھے ہے نہ خنجر ہر نہ بھالا ہے
برہمن واسطے اشنان کے پھر تا ہی بگیا سین	نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے

برہمن

(برہمن) نام و نشان معلوم نہو سکا - یہ دو شعر گل و صنوبر کے اُردو ترجمہ مصنفہ منشی (ہابھی) بھیم چند سے لئے گئے - تبرکاً درج کئے گئے ہیں

یہ بجا ہو کر مری آنکھ سے آنسو ٹپکا	نشتر عشق لگا جس سے کہ لو ہو ٹپکا
برہمن عشق بتاں کی ہوئی لذت معلوم	پکّے پھوڑے کیطرح جب دل پرخوں ٹپکا

بریاں

(بریاں) تخلص ہے ایک برہمن کشمیری نژاد بزرگ کا جنکا کلام ایک قدیم قلمی بیاض میں نظر سے گزرا - کاغذ بوسیدہ ہو جانے کے باعث نام پڑھا نہ جا سکا

غیر کے پہلو صنم آٹھوں پہر جو نسٹھ گھڑی	ہائے قسمت یہ ستم آٹھوں پہر جو نسٹھ گھڑی
شاد اور خنداں پھریں ہیں روز و شب بے عذر	میں پھروں با چشم تر آٹھوں پہر جو نسٹھ گھڑی

بزم

(بزم) مرزا محمد عاشق حسین بزم رئیس اکبرآباد خلف مرزا محمد عباس ملیح برادر زادہ مرزا فصیح مرثیہ گو - ۱۲۷۰ھ آپ کا سال پیدائش ہے - دس برس کی عمر تھی کہ آپ کو داغ یتیمی نصیب ہوا - مرزا علی حسین قیصر شاگرد رشید آتش نے جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپکو اپنے ظل عاطفت میں لیا - ۱۶ برس کی عمر سے شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی - فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپکے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا - اُنھوں نے خاص توجہ سے نکات فن بتائے چنانچہ چند ہی برس میں اچھا کہنے لگے - اور تین چار برس

مزہ زخموں میں پھر آئے کماں سے	نمک پاش اب نہیں انکا تبسم
کہ قیامت تو دور ہو جائے	کل کا وعدہ ضرور ہو جائے
کچھ دنوں کھالیں ہوا اب دشت کے بازار کی	سیریں کی ہیں خوب ہم نے حسن کے بازار کی
تاب لا سکتا نہیں وہ گرمی رفتار کی	دامن تربت کا سبزہ زمرہ نازک ہے بہت

برہمن

(برہمن) پنڈت چندر بھان۔ اکبر آباد اصل وطن تھا گو دہلی آن بسے تھے۔ فارسی کی استعداد عالمانہ درجہ کی تھی چنانچہ پہلے شاہ جہاں کے دفتر میں خاص منشی رہے پھر شاہزادہ دارا شکوہ کے میر منشی ہو گئے۔ طبیعت کی موزونی سے عاشقانہ و تصوف دونو رنگوں میں نہایت اچھا شعر کہتے تھے۔ اور اُسوقت کے مشاہیر میں انکا شمار تھا۔ ایک دیوان فارسی اور منشات برہمن اِن سے یادگار ہے شاہزادہ دارا شکوہ کے مزاج میں بہت دخل تھا اور وہ انہیں نہایت عزیز رکھتے تھے اور ہر وقت انکے اعزاز و ترقی کے خواہاں رہتے تھے۔ ایک دن شاہزادہ موصوف نے بارگاہ شاہی میں کہ مجمع کاملان عصر تھا عرض کیا کہ درنیوالا منشی چندر بھان سے عجیب شعر موزوں ہوا ہے۔ اگر حکم حضور ہو تو آکر عرض کرے۔ بادشاہ نے اجازت طلبی دی چنانچہ اُسیوقت حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ آج جو تمہارا شعر بابا نے پسند کیا ہے سناؤ۔ اُنہوں نے یہ بیت پڑھی ؎ مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار * بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم * بادشاہ کو یہ بیت سُنکر غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کافر مرتد کو گردن مارو۔ نواب سعد اللہ خاں وزیر اعظم نے جو برہمن کے مربی و قدردان تھے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ جناب عالی حضرت شیخ سعدی چارسو برس پیشتر تردید میں فرما گئے ہیں ؎ خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود * چوں بیاید ہنوز خر باشد * اس شعر کے سننے سے بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا کہ اگر اسوقت ایسا جواب ہم تک نہ پہونچتا تو آج ضرور اسے ہلاک کر ڈالتا شاہزادہ کو فہمایش کی کہ آئندہ ایسے اشعار کا تذکرہ ہمارے حضور میں نہ آیا کرے۔ بیچارے پنڈت جی جان بچا کر گھر آئے اور سجدۂ شکرانہ درگاہ خالق حقیقی میں بجا لائے دارا شکوہ کے قتل کے بعد برہمن تارک الدنیا ہو کر بنارس چلے گئے اور وہاں یاد خدا میں

ہم بھلا بھی جو کہیں لوگ بُرا کہتے ہیں
آپ بیجا بھی جو فرمائیں بجا کہتے ہیں

یہ جفا جو جسے انداز و ادا کہتے ہیں
ہم اُسے جان بنے والونکی قضا کہتے ہیں

جام مے ہاتھ میں لو آنکھ دکھا کر پوچھو
کسکو اربابِ خرد ہوش رُبا کہتے ہیں

بیوفا مینے کہا تمکو تو کیا قہر ہوا
کہنے والے تو تجھے اس سے بھی سوا کہتے ہیں

اُنہیں منظور ہے یہ آج مقتل رشکِ محفل ہو
چلیں ساغر شرابِ موت کے اور رقصِ بسمل ہو

دلمیں آئے تو سمجھے کیا یہ خدا کا گھر ہے
میرے گھر آؤ تو احساں یہ اے یار رہے

بند آنکھیں کئے جائیے کیوں ملکِ عدم کو
یہ راہ ہے پُر خوف و خطر دیکھتے چلئے

بیخودونکو کسیکی کیا پروا
تم بھی آئے ہیں خبر نہ ہوئی

شوقِ گیسو میں بسر عمرِ رواں ہوتی ہے
دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

دیکھنا حشر عدم والونمیں برپا ہوگا
آج وہ گورِ غریباں میں ہیں آنے والے

دیر و حرم کے سجدوں سے کچھ فائدہ نہیں
پھوٹے ہوئے نصیب کو جوڑا نہ جائیگا

بارِ عالم جو سلاطیں نے اُٹھایا سر پر
بادشاہ ہو کے بھی مزدور کے مزدور رہے

دل نے اِک بوند لہو کی جو چھپا رکھی ہے
یہ امانت تری اے دزدِ حنا رکھی ہے

صحبتِ غیر میں گھونگٹ نہ دوپٹہ نہ نقاب
کون سے پردے میں شرم آج اُٹھا رکھی ہے

روز منبر پہ کیا کرتے ہیں ذکرِ خلد و نار
دیکھئے زاہد کی صورت یہ ملیگی حور ہے

بجز سختی اُٹھائے نام ممکن ہے کہیں نکلے
تراشا جائے جب ہو بارِ تیغ تب نگیں نکلے

چلا ہوں میں حرم کو دل وہاں کسطرح بہلے گا
خدا ایسا کرے بتخانہ کعبے کے قریں نکلے

رنج و ایذا ہو مرے واسطے یا راحت ہو
آپ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے

جب تو خاصانِ خدا نے دیا دنیا کو طلاق
نہ رہی ہو کے کسیکی یہ بدکار رہے

(**بزم**) میر عباس حسین خاں بزم حیدرآبادی - دکن میں وکالت کرتے ہیں - یہ آپکا کلام ہے

جو زیرِ زمیں سوتے ہیں راحت میں وہی ہیں
آرام کسیکو نہیں دنیائے دنی میں

میں خاصہ سرمایہ فراہم ہوگیا۔ عرصہ ہوا آپکا دیوان موسوم بہ بزم سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہوئی تھی دوسرا دیوان بھی تیار ہے ؎

داں تیغ کھچ کے رہ گئی قاتل کے ہاتھ میں
یاں خون جوش کھا کے رگِ جاں میں رہ گیا

رقصِ بسمل سے مکدّر ہوگئے
خاک میں سارا تماشا مل گیا

حرمِ دل کے سوا نہیں کوئی مکاں
جھوٹ ہے مسجد میں اُنکی نہ شوالا اُنکا

ملک الموت و مسیحا ہیں یہاں دونو ایک
وہی جاں بخش ہے اپنا وہی جلّاد اپنا

مجھسے نقدِ دل و جاں نذر میں لیکر بولے
تمکو اک بوسہ کا احسان رہا یاد اپنا

دُنیا سے ہمکو عشق نے آزاد کردیا
پابندِ دامِ گیسوئے صیاد کردیا

کیا جانے مرنے والوں کو آیا پسند کیا
ہستی تباہ کی عدم آباد کردیا

سیماب ٹھہر جاتا ہے تھم جاتی ہے بجلی
پر تجکو قرار اے دلِ مضطر نہیں آتا

سب سے چُھپ کر جو ہے دل میں وہ بتلائی کیا
جو نہ آنے کبھی مُنہ تک وہ کلیجا کیسا

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر
جسے ہمنے پُوجا خدا ہوگیا

کسطرح وہ ٹھہریں مرے ٹوٹے ہوئے دلمیں
ویران مکاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا

کسطرح کوئی ہو ترے اسرار سے آگاہ
یہ علم تو تحصیل سے حاصل نہیں ہوتا

جرأت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھکر

کس قیامت کی ہے شمشیرِ ادا قاتل کے پاس
لوٹتے ہیں حسرتیں بیتابئ بسمل کے پاس

کیوں نہ ٹھہرے جان بیتاب آکے اپنے دل کے پاس
پھر قرار آتا ہے بسمل کو تو کچھ بسمل کے پاس

دل سے عاشق کے نہ کھینچو ابھی پیکانِ خدنگ
ٹھیر و ٹھیر و دہنِ زخم مزا دیتے ہیں

اس درجہ ہمکو تنگ زمانہ نے کردیا
تقدیر بیچنے سرِ بازار آئے ہیں

تشنہ کامانِ شہادت کو تو کردے سیراب
اتنا پانی بھی ترے خنجرِ بُراں میں نہیں

جسکو سب اہلِ زباں مہر و وفا کہتے ہیں
آپکی بولی میں کہئے اُسے کیا کہتے ہیں

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ		مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجیا اور بت خانہ		گھر گھر جھانکی میری توبہ
زاہد تیرا دل تو نہیں ہے		رنج ہے کیا گر ٹوٹی توبہ
واعظ کرلو گرمی گرمی		ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی		رندوں میں جی ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آتی		سیرت دیکھی بھاگی توبہ
واعظ کمدیں اور ہم کرلیں		گھر کی لونڈی سمجھی توبہ
بادل گرجے بجلی چمکی		مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ
کس کو خبر ہے رواں کی زاہد		تو نے ناحق کر لی توبہ
مولوی صاحب کیونکہ نہ کرتے	ق	اُن کی روٹی تہیں بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا		توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا		کس کی توبہ کیسی توبہ
لہری بندے ہی جو ٹھہرے		آگئی دل میں کر لی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو		یوں ہی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو		کام وہاں پر دے گی توبہ

بسمل

(**بسمل**) مولوی محمدی ملقب بمیاں صاحب ایک فاضل بزرگ تھے مولانا فخر الدین قدس سرہ کے دوستوں میں اور اپنے زمانے کے عالم متبحر و فاضل اجل تھے۔ اکثر درس و تدریس میں مشغول رہتے۔ ساتھ ہی اسکے فن شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ مگر طبیعت کی بے پروائی سے وہ مجموعہ برباد ہو گیا کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں ؎

تری گالیاں میں بہت کھا چکا		مزا عشق کا خوب ہی پا چکا

یہ رنج یہ افسوس ہے کیوں زاہد نافہم	کیا دم ترا ٹوٹا مری توبہ شکنی میں
اے بزم ہے معشوق بھی اور ساغر مے بھی	اب کیجئے تاخیر نہ توبہ شکنی میں
دیکھا جدھر زنگار ہوئے عاشقوں کے دل	تیر اُنکا مینہ برستا ہے اُنکی نگاہ سے
پہونچی کہاں رسائی تو آہوں کی دیکھئے	لپٹی ہوئی ہیں پایۂ عرش الہ سے

بزم

(بزم) شیخ خورشید حسین قدوائی - اودھ کے ایک مشہور خانداں کے ممبر ہیں - یہ آپکا کلام ہے

بگڑی ہوئی قسمت کو بنایا نہیں جاتا	ہاتھوں کی لکیروں کو مٹایا نہیں جاتا
وہ آئیں تو آئیں نہیں پھر موت ہی آجائے	اب صدمۂ فرقت تو اُٹھایا نہیں جاتا
ہے لطف کہ باندھے ہے کمر قتل پہ میرے	اور ہاتھ سے خنجر بھی اُٹھایا نہیں جاتا
دل بھی کہنے لگا اونہیں کی سی	اپنا کوئی بھی آشنا نہوا

بزم

(بزم) سید محمد یعقوب علی دہلوی مقیم رام پور نثر خوب پڑھتے ہیں گاہ گاہ شعر گوئی کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے

پتھر پسیجنے لگے غم کے بیاں پر	رحم آگیا بتوں کو مرے داستان پر
اتنا بھی عاشقوں سے تغافل نہیں ہے خوب	سُن لینا کوئی کھیل گیا اپنی جان پر
باتیں تو دیر تک رہیں اُس شوخ سے مگر	اک مدعائے دل ہی نہ آیا زباں پر

بزمی

(بزمی) مرزا احمد اشرف بی اے خلف مرزا محمود اشرف گورگانی دہلوی - ابتدائے ملازمت میں آپکو ریاست بہاولپور کے سررشتہ تعلیم سے تعلق رہا - آجکل خانپور میں ناظم اور ریاست کے ارکین میں شمار ہوتے ہیں شعر گوئی کی ابتدا ایام طالب علمی ہی میں ہو گئی تھی اور اُسمیں اپنے قابل بزرگ مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی سے مشورہ لیا کرتے تھے کمال ظریف و شوخ طبع اور بلا کے ذہین ہیں - غزل کم کہتے ہیں باوجود کوشش آپ کا تازہ کلام دستیاب نہوا چند اشعار ابتدائی مشق سے بہم پہنچے وہ درج کئے جاتے ہیں مزاج کی شوخی اُس میں بھی اپنی جھلک دکھا رہی ہے - بن باسی رستم کا قصہ انہیں کی شوخی طبع کا نثری نتیجہ ہے جو کسی انگریزی رسالہ سے ترجمہ کیا گیا ہے

در آج قفس کا ہے کھلا کیجیے پرواز
اے ہم قفساں خاطر صیاد کہاں تک

جز یاد حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گرہ
دے سبحہ وار رشتہ پہ اگر اپنے تو گرہ

یار تیری ہی زلف میں دیکھا
ایک زنجیر لاکھ دیوانہ

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
کیا مہربانیاں ہیں مرے مہرباں کی

کوئے بتاں تلک تو رسائی محال ہے
جب تک یہ مشت خاک نہ برباد کیجیے

پیارے یہ وضع چشم مروت سے دور ہے
دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چرائیے

آوارگی سے باز رکھوں آہ کس طرح
دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے

تیری ہی یاد ذکر ترا ہی ہر آن ہے
گویا کہ اس لیے مرے منہ میں زبان ہے

عہد و پیماں بتاں بسکہ یہ سالوسی ہے
ایک امید تو سو باعث مایوسی ہے

داغ اتنے ہیں دیئے عشق نے تیرے کہ تمام
مو بہ مو تن پہ مرے جلوۂ طاؤسی ہے

آسیے جلد کہ یہ بسمل مجروح ہنوز
ہر لب زخم سے مشتاق قدمبوسی ہے

گریہ افزا اسقدر اعضا مرے سارے ہوئے
ہر بن مو جوش سے آنسو کے فوارے ہوئے

پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تھی پیش آنی
اب یہ درد دل ہے اور اپنی یہ پیشانی

بسمل

(**بسمل** فیض آبادی) مرزا عنایت علی ولد مرزا سعادت علی شاگرد رشید آتش مرحوم۔ اصلی وطن فیض آباد تھا۔ مگر بنارس میں رہتے تھے۔ صاحب دیوان اور نامی شاعر گزرے ہیں یہ اُنکا کلام ہے

گناہ میرے خطائیں مری قصور مرا
وہی کہیں ہم انہیں کو گواہ کرتے ہیں

جفائیں سہتے ہیں جور و ستم اٹھاتے ہیں
ہمیں ہیں یار جو تجھ سے نباہ کرتے ہیں

نکرتے عشق اگر ہم آگاہ ہوتے عادت دل سے
کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے

محبت قطع کرتے ہو تو پہلے ذبح کر ڈالو
جدائی آپکی دیکھی نہیں جائیگی بسمل سے

بسمل

(**بسمل**) پنڈت سندر لال سررشتہ دار محکمۂ پرمٹ کانپور۔ ولد بخشی ٹیکا رام۔ ان کا اصلی وطن کشمیر تھا مگر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شیخ ناسخ مغفور کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان

پھر اب پاؤں کو کیوں لگائی حنا ذرا اب تو تحمل کر مل اے مہرباں ہوا سبز اب تک نہ نخلِ امید	قیامت تو سر پر مرے لا چکا بہت مدتوں تک تو تڑپا چکا بہت برکھا آنسو کی برسا چکا
ہائے اس دیوانے دل نے کام کیا بیجا کیا دلِ مجروح ہے از بس کہ زخمی لذتِ غم کا چلے ہم رکھ کے دوشِ بیکسی پر آشیاں اپنا اُس لب کی سدا یاد میں ہیچ ہیں مژہ کے	آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی بدنام کیا لہو اُترے ہے چشمِ زخم میں سُن نام مرہم کا نوا آزردہ دل اے باغباں لے گلستاں اپنا کب اشک ہے تسبیح عقیقِ جگری ہے

(بسمل) منشی سید جبار علی - موضع جبار کھڑ کی نواح چنارگڈھ اصل وطن تھا گر اکثر عظیم آباد اور بنارس میں رہتے تھے - کچھ دن مہاراجہ چیت سنگھ والی بنارس کی سرکار میں وکیل رہے - نواب علی ابراہیم خاں صاحب تذکرہ ۱۱۹۶ھ میں لکھتے ہیں کہ تیر مذکور بنارس میں قیام فرما ہیں اور باعزاز و آبرو بسر کرتے ہیں - جوان سلیم الطبع اور سخن فہم آزاد منش ہیں - تذکرہ لطف میں بھی آپ کا کلام نظر سے گزرا - کلام ہم رسیدہ کا انتخاب کیا جاتا ہے ؎

کیا خیال آوے بلاؤں سے اُسے پرہیز کا	ہے جو بیمار اس تری چشمِ بلا انگیز کا
جب غمزۂ چشمِ یار دیکھا یاد آگئی منتِ خاک اپنی دل خس و خاشاک کی صورت اُٹھتا ہی رہا جستجو میں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح کیا اُسکو جتادیں ہم جو ہمنے کیا ہوگا ہر دم مجھے نیاز اُسے ناز ہی رہا صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھے	سو تیر جگر کے پار دیکھا اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا میں کبھی ادھر کبھی اُدھر بھٹکتا ہی رہا کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دلکو دیا ہوگا انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا اُڑنے سے جب مرا پرِ پرواز ہی رہا
پہلو میں رکھوں میں دلِ ناشاد کہاں تک	اے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک

اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے فنِ سخن میں حضرت صہبائی سے اصلاح لیتے تھے - اس فن میں ایسا ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ انکے طباعی و ذہانت کے سب اہل عصر معترف تھے کلام سے صفائی زبان روزمرہ - بندش کی چستی - نزاکت خیال و معانی - اور رسائی ذہن آشکار ہے جو اُن کی خوش مذاقی کی دلیل ہے - علاوہ ان کمالات علمی کے نہایت ستودہ صفات و پسندیدہ اطوار تھے - غدر میں جوان فتنہ گوروں کے ہاتھ سے مارے گئے ۵

نوائے بلبل و بوئے چمن تو آجاتی
قفس کے گر مرے نزدیک گلستاں ہوتا

اگر نہ تیغ نگہ سے اُسے بچاتا میں
تو ہر ہدف کیلئے آج دل کہاں ہوتا

نہ اتنا بدگماں ہو تو نہ تڑپیں گے نہ تڑپیں گے
خدا کے واسطے مُنہ کھول خموں پہ گلداں کا

میری بالیں پہ وقتِ نزع لاؤ ایک دم اُسکو
رہے گا حشر تک سینہ میں ورنہ داغ ہجر انکا

چین دیتا نہیں یہ آٹھ پہر میں اکدم
آفتِ جان ہوا یہ دلِ مضطر نہوا

دیکھ دینا نہ بتوں کو تو دل اپنا بسمل
یہ وہ ہیں جنکے کوئی ہاتھوں سے جاں بر نہوا

ہزار حیف کہ سمجھے نہ تم ہمیں اور ہم
ہمیشہ کرتے رہے دل تلک نثار اپنا

شبِ فراق میں آوے اجل شتاب کہیں
کہ کر رہی ہیں عدم والے انتظار اپنا

ہم ایسے کیا تھے کہ یوں سہتے طعنۂ اغیار
یہ کیا کریں کہ نہیں اسمیں اختیار اپنا

کس شوق سے پہونچے ہم اے پیرمغاں تجھ تک
پرخوبیٔ طالع سے ماہِ رمضاں آیا

یقیں نہ تھا ہمیں کچھ فتنۂ قیامت کا
پہ تیرے قد کو جو دیکھا تو اعتبار آیا

قصہ سنے ہے کون عذاب و ثواب کا
ساقی شتاب دے مجھے ساغر شراب کا

میں اور روز و شب کی اُٹھائی ندلتیں
یارب بُرا ہو اس دلِ خانہ خراب کا

ہے آج کون بام پہ جلوہ نماجو یوں
اُڑتا ہے رنگ میری طرح ماہتاب کا

ساقی ہے اور شراب ہے اور یار ہمنشیں
اور اُسپہ لطف دے ہے ترشح سحاب کا

کعبہ اگر بنا ہے اسی سنگ سے تو کیا
زاہد کو بت کدہ سے سبب اجتناب کا

گزرے ہیں - یہ چار شعر اُن کے ہیں ؎

یہ نہیں ناقوس اے طفل برہمن ہات میں
کر رہا ہے مرغِ دل اپنا یہ شیون ہات میں

گوری گوری انگلیاں یوں خَب کو آئی ہیں نظر
شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہات میں

آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے
آرسی پہنی ہے کیوں اے شوخِ پرفن ہات میں

دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے
میں جو چٹکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں

بسمل

(بسمل دہلوی) حافظ محمد حسین ولد حافظ محمد بخش ساکن حویلی خاندوراں خاں دہلی شاگرد میرزا افاد بخش صابر بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں نشوونما پائی تھی - اشعار سے رسائی فکر وخوش کلامی ہویدا ہے ؎

نہ آوے گا بپا تنگ اور نہ مطلب لگے ہو دیں گے
نہ سمٹے گا قیامت تک کبھی دامن تمنا کا

دل تُو نے مجھے ادبِ کا فر اُٹھا لیا
اس نازکی پہ بوجھ یہ کیونکر اُٹھا لیا

بارگرانِ عشق فلک سے نہ اُٹھ سکا
کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا

کیا کام ہے بلا سے جو تُو ہوا اسیرِ زلف
جب تجھ سے ہاتھ اے دلِ مضطر اُٹھا لیا

پیرِ مغاں نے بسملِ مے کش کو دیکھ کر
شیشہ بغل میں ہاتھ میں ساغر اُٹھا لیا

نیم بسمل کیوں نہ مجھ کو چھوڑتا ہنگامِ ذبح
یار کو میرے تڑپنے کا تماشا ہو گیا

شکوہ مت کر حال جو بسمل ترے دل کا ہوا
شکر ہے ہر حال میں جو کچھ ہوا اچھا ہوا

میں نہ کہتا تھا نہ رو کش تو اسکی زلف سے
اس خطا سے مُنہ ترا مشکِ ختن کالا ہوا

ہم گئے تھے دل کو لینے وہ طلب کرتے ہیں جاں
دل کو کیا روتے تھے ہم اب جاں کا رونا ہوا

تم سے دل کی نازبرداری نہوگی دل نہ لو
جانِ من یہ دل بڑے نازونِعم سے پالا ہوا

دلبری کی بات گو انس نہیں لے دل مگر
عمر بھر اُن سا نہ ظالم بھی مجھے پیدا ہوا

بسمل

(بسمل) مولوی عبدالحکیم ولد حکیم نبی بخش برادر زادہ حقیقی مولوی امام بخش صہبائی - فارسی عربی اپنے چچا حضرت صہبائی سے پڑھی - علم طب میں مہارت کامل تھی - درس فن میں

ہر ہر جگہ ہے بسمل شوریدہ سر کی دھوم — تیرے جگر فگار کے چرچے کدھر نہیں
ہر ہر نگہ میں ناز فروشی ہے کس لئے — آئینا تو اب وہ دل ہی نہیں وہ جگر نہیں
اس بیکسی میں آبلۂ پا تھا اک رفیق — دولت سے خارِ راہ کی وہ بھی رہا نہیں
سو بار آسماں کو جلایا ہے ہم نشیں — کچھ ان دنوں میں ضعف سے نالہ رسا نہیں
بسمل تم اسپہ دل ہے بیٹھے ہو کس لئے — وہ بت کبھی کسی کا ہوا آشنا نہیں
اللہ ری غفلتیں کہ ہوئے ہم تو مر کے خاک — اور تم نے اب تلک نہیں اُلٹا نقاب کو
بہائے خونِ عاشق کیا اور اسکا خون کیا صاحب — مجھے تم قتل کر کے کس لئے اب ہو پشیماں سے
کسی دن حضرتِ دل تیرہ بختی گل کھلاویگی — اُلجھنا روز کا اچھا نہیں ہے زلفِ پیچاں سے
کھلے گا جس جگہ حق ہم وہیں سر کو جھکا دینگے — نہ ہم کو رابطہ کچھ کافر سے نے نفرت مسلماں سے
بتوں کا گھر ہے کعبہ سبحہ سے زنار کو رشتہ — کھُلا یہ ماجرا زاہد ہمیں تحصیلِ ایماں سے
گلی کوچے میں پھرنا روز کا اچھا نہیں حضرت — ہوا کیا تم کو اے بسمل جو ہو ایسے پریشاں سے
اے بلبلانِ باغ رہائی سے فائدہ — سر پر خزاں بھی آگئی جب ہم رہا ہوئے
اُسکی گرہ بھی کیا مرے دل کی ہے اک گرہ — بندِ قبا جو ہم سے نہ اک روز وا ہوئے
بسمل اُنہیں کی یاد میں سب کچھ بھُلا دیا — ناداں یہ صنم نہوئے کچھ خدا ہوئے

بسمل

(**بسمل**) پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری۔ پُرانے دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی اور وہاںکے بڑے ممتاز و مشہور متعلموں میں تھے انگریزی اور فارسی زبانوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ تمام عمر عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ کئی سال تک گورنمنٹ پنجاب کی میر منشی گری کے عہدے پر ممتاز رہ کر جوڈیشل اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول مقرر ہوئے۔ اپنے وقت کے سر برآوردہ اور نامی بزرگوں میں تھے طالب علمی کے زمانہ میں ایک تذکرہ بھی لکھا تھا۔ اور دو کتابیں فن مسمریزم میں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی تھیں۔ انگریزی کی استعداد درجۂ عالمانہ تک تھی۔ مسمریزم میں بھی اچھا دخل تھا تعلیم نسواں اور دیگر مضامین کے صلہ میں سرکار سے متعدد طلائی انعام پایا۔ ۶۲ برس کی

دَیر و حرم میں جا کے جو دیکھا بچشمِ غور
کردیں گے ہم زمانۂ پیری کو صرفِ زُہد
اندازِ گریہ ہی رہے ظالم ترے تو گھر
لائیگا سر پہ دیکھئے کیا کیا قیامتیں
عہدِ شباب حضرتِ بسمل ہے مے پیو
میں کیا کہ خبر اُسکو اپنی بھی نہیں ہمدم
کیا بنتی ہے اب دیکھئے بلبل کے دل و جانؔ
وحشت سی برستی ہے آوارہ سے پھرتے ہو
دیر و مسجد میں خرابی پڑ گئی دل کی طرح
حضرتِ بسمل کی حالت دیکھ کر بولا یہ قیس
عاشقوں پر تیرے کب حشر سا برپا ہوا
ساقی ہے آرزو کہ ترے لطف سے کبھی
دل نام کو تھا اپنے سو وہ بھی نہیں ہے اب

پایا کچھ ایک رنگ ثواب و عذاب کا
اب کیوں نہ مے پئیں کہ ہے عالم شباب کا
اُجڑے گا آج کل کسی خانہ خراب کا
رُخ سے یکایک اُسکا اُلٹنا نقاب کا
جھگڑا اُٹھا کرو نہ کسی شیخ و شاب کا
کمبخت یہ دل اپنا آیا تو کہاں آیا
پھر خار نظر آئے پھر وقتِ خزاں آیا
دل آپ کا اے بسمل سچ کہئے کہاں آیا
جس طرف سے اے بتِ کافر گزر تیرا ہوا
پیر و مرشد خیر تو ہے آپ کو یہ کیا ہوا
اِک قیامت ہوئی ظالم ترا چلنا ہوا
بیٹھیں جو شام سے تو پئیں تا سحر شراب
مدت ہوئی کہ داغ ہے بر میں بجائے دل

شیخ مے کو بُرا بتاتے ہو
ناصحا توبہ ۔ لے خدا کا نام

اس کا تمکو مزہ چکھائیں گے ہم
دل لگانے سے باز آئینگے ہم

مری شوقِ شہادت کو تو دیکھو اُسکے کوچے میں
مجھے ڈر ہے کہیں عالم نہ ڈوبے جوشِ طوفاں سے
نہ جی چاہے ہے کعبہ کو نہ بتخانہ کو اے بسمل
قاصد پھرا ہے یوں کہ خدا خیر ہی کرے
تاثیرِ شوق کی مرے حق میں ہوئی ہے زہر
سُنکر مرے فسانۂ ہجراں کو دیر تک

خود اپنے قتل کی خاطر لئے تلوار پھرتا ہوں
لئے جوں ابر ساتھ اب دیدۂ خونبار پھرتا ہوں
کروں کیا اضطرابِ دل سے میں ناچار پھرتا ہوں
میری طرح سے کچھ اُسے اپنی خبر نہیں
ٹکتا زمین پر قدمِ نامہ بر نہیں
چُپ تھا وہ اس طرح سے کہ گویا خبر نہیں

ہوں میں بیگانہ سیری کون سُنے گا ساقی — میکدہ تیرا ہے مے تیری ہے مینا تیرا

مہ و مہر آنکھوں میں کیونکر سمائیں — تصوّر میں ہے روئے روشن کسی کا

غش میں گرے کلیم تو آئی ندائے غیب — وہ ذوق و شوق طالبِ دیدار کیا ہوا

کس غمزدہ نے آج جہاں سے سفر کیا — چلا رہا ہے غم میرے غمخوار کیا ہوا

زبانِ پیغامبر کی قطع کر کے بھیجدی مجھ کو — جواب اچھا دیا ظالم نے پیغامِ زبانی کا

ہوں میں وہ افسردہ خاطر نغمۂ اہلِ طرب — کان تک میرے جو پہونچا نالۂ ماتم ہوا

قیامت سایہ بنکر پیچھے پیچھے ساتھ ہوتی ہے — گزر جس راہ سے ہوتا ہے میرے آفتِ جاں کا

بیوجہ پرزے پرزے گریباں گل نہیں — یہ بھی تو ماتمی ہے تمہارے شہید کا

مرنے کا اپنے غم نہیں پر غم یہ ہے کہ غم — بیکس ہوا غریب ہوا بیوطن ہوا

کوئی بات سُنئے گا مطلب کی بھی — کہ قصہ کہانی میں جائے گی رات

ہے عشق جسم حُسن تو ہے حسن جانِ عشق — جو حسن کا مکان ہے وہی ہے مکانِ عشق

کچھ اُس نے کمی کی مگر اندازِ جفا میں — فریاد ہے کیوں مجمع اربابِ وفا میں

یوں بنے جو صنم خانے تو دیکھے وہ کرشمے — بت بن گئے خود بیٹھ کے ہم یادِ خدا میں

پانی کی جگہ خوں شہیدوں کا ملاتو یہ — شوخی تمھیں منظور ہے کہ رنگِ حنا میں

لذت ہے جو آبِ دمِ شمشیر میں بسمل — وہ خضر کو حاصل نہوئی آبِ بقا میں

ملیں گے زاہدانِ خشک کیونکر بادہ خواروں میں — کبھی گنتی نہوگی ان پیادوں کی سواروں میں

ادھر چمکی اُدھر چمکی یہاں تڑپی وہاں تڑپی — گنی جاتی ہے بجلی بھی تمہارے بیقراروں میں

انداز کیا نرالے مرے دلستاں کے ہیں — دل لے کے پوچھتا ہے ارادے کہاں کے ہیں

کچھ ایسی بیخودی تھی سرورِ وصال میں — ہم کہہ گئے جواب کا مطلب سوال میں

تیرے دیوانے نے یہ پیدا کیا رنگِ اثر — جس پری سے ملگئیں آنکھیں وہ دیوانی ہوئی

دھو گئی ساری سیاہی نامۂ اعمال کی — جب گرے اشکِ ندامت جب پشیمانی ہوئی

عمر پاکر سنہ ۱۹۰۹ء میں بمقام لاہور سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رندانہ مزاج کے اقتضا سے ریختہ گوئی کیطرف بھی طبیعت مائل تھی۔ چنانچہ ذیل کے اشعار اُنکی یادگار ہیں ؎

یہ سمجھے دیکھ کر ہم خالِ لبِ اُس آفتِ جاں کا
بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حیواں کا

بہت سا فرق تجھ میں اور اُن میں ہے نکر دعویٰ
مہِ نو ہمسریِ ناخنِ وابروئے جاناں کا

بہادیں اشک کے طوفاں سے کشتی نوح کی ہم ہاں
اٹھادیں ایک پل کو ہم جو پردہ چشمِ گریاں کا

چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو
فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا

عاقبت تک رہے پابستۂ زنجیرِ بلا
دیکھ پائے جو تری زلفِ گرہ گیر کے بل

گھر پہ آتے ہی ترے پاس سے مرجاتا ہوں
بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں

بسمل

(**بسمل**) خواجہ فضل الرحمن دہلوی خلف اصغر نواب موسیٰ خاں۔ بعالم شباب سنہ ۱۲۸۳ھ میں سنگ مثانہ کے عارضے سے انتقال کیا حافظ احسان کے پوتے اور اپنے خالو مولانا آزردہ مغفور سے فن سخن میں مستفیض تھے۔ کلام ضائع ہو گیا صرف یہ شعر ملا ؎

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے
تم بھی بسمل کسی پہ مر دیکھو

بسمل

(**بسمل**) شیخ محمد زماں عرف عبد الرحمن صدیقی ابن شیخ افضل الرحمن بجنوری نواح لکھنؤ میں ایک مقام ہے فرخ آباد عرف چلاواں وہ اُن کا مولد و وطن ہے۔ مگر مدت سے شہر رامپور میں بود و باش ہے۔ نواب کلب علیخاں کے عہد سے ملازم ریاست ہیں سنہ ۱۲۶۳ ہجری سال پیدائش ہے۔ نہایت خلیق اور بڑے نیک ذات ہیں۔ عربی کی کچھ کتابیں منشی امیر احمد صاحب آمیر مینائی مرحوم کے منجھلے بھائی مولوی عنایت احمد مغفور سے پڑھی تھیں فارسی میں آمیر مینائی مرحوم سے مستفیض ہوئے۔ شعر و سخن سے دلی شوق ہے۔ مخصوص اُردو شعر گوئی سے بہت ذوق ہے۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ہیں ترتیب تذکرہ انتخاب یادگار کے وقت عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار تھے کلام سنجیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو ؎

چشمِ بینا ہو تو دیکھے وہ تماشا تیرا
کعبہ و دیر میں ہے ایک سا جلوہ تیرا

اے پیر مغاں تاک میں ہے محتسب شہر	پردے سے قدم دختر رز اب نہ نکالے
پیاسے ہیں بہت خیر ہو ساقی ترے دم کی	للعہ پلادے ہمیں دو چار پیالے

بسمل

(**بسمل**) مولوی رضی الدین بسمل خلف حکیم سعید الدین خان سعید سندوکالت حاصل کر کے نواب محمد علیخاں مرحوم معزول رئیس ٹونک کی سرکار میں داروغہ ہوگئے اور اسی وجہ سے بنارس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ چند سال بعد شاہجہاں پور جاکر وکالت شروع کردی۔ فن سخن میں مولانا مذاق سے استفادہ کیا تھا یہ کلام ہے ؎

رکا ہے آکے دم سینہ میں باہر نہیں نکلتا	نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں بُرا ہونا توانی کا
مینے دیکھا ہے اُسکے ابرو کو	کیا سمائے ہلال آنکھوں میں
شب نہ آیا ترے تصوّر میں	خواب کا بھی خیال آنکھوں میں
ہنس ہنس کے وہ زخم دل بسمل	چھڑکیں جو نمک تو کیا مزہ ہو
واعظ یہ تیرا ظاہر و باطن نہیں یکساں	لب پر تو خدا دل میں ترے یاد بتاں ہے
بینا ہوا اگر دیدۂ باطن تو ہو معلوم	وہ پردہ نشین دل ہی کے پردہ میں نہاں ہے

بسمل

(**بسمل**) حافظ سید محمد حسین بسمل خیرآبادی مولوی عبدالحق منطقی خیرآبادی کے حقیقی نواسے اور آجکل کے مشہور شاعر مضطر خیرآبادی کے بڑے بھائی اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ دربار ٹونک میں پہلے بصیغہ سفارت و وکالت رہے پھر میرمنشی بھی ہوگئے تھے۔ نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر والی ٹونک ان سے مشورہ سخن بھی لیا کرتے تھے اور انکا نہایت ادب کیا کرتے تھے منکسر المزاج اور درویش صفت آدمی تھے۔ فارسی میں اعلیٰ درجہ کے مشاق تھے اُردو کی طرف کم میلان تھا چند سال ہوئے ۵۴ برس کی عمر میں بمقام اجمیر انتقال کیا۔ کلام کا انتخاب یہ ہے ؎

اس خموشی سے بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم	عین گویائی ہے چُپ رہنا تری تصویر کا
نزع میں خواہش نہیں کچھ اور اے قاتل مگر	چاہتا ہوں بُوند بھر پانی تری تلوار کا

عقیدہ ہے جو ساقی سے تو بے کھٹکے پئے جاؤ
کہاں کی گفتگو ئے حلت و حرمت نکالی ہے

دل کی طرح عزیز ہے مجھے داغ دل بھی ہے
اِس پھول میں بسی ہوئی خوشبو وفا کی ہے

ٹھوکر لگا کے لاش کو قاتل نے یہ کہا
بسمل اُٹھو اگر تمھیں ہمت وفا کی ہے

بڑھا ہے اُنس یہ دردِ جگر سے
تڑپ جاتا ہوں ذکرِ چارہ گر سے

ہوا آخر وہ ظالم جی کا دشمن
جسے دیکھا محبت کی نظر سے

یہی ہے حکمِ ضبطِ رازِ الفت
نہ گرنے پائے آنسو چشمِ تر سے

خود اپنے عکس سے آئینہ میں وہ کہتے ہیں
کہ دیکھ دیکھ غش آیا ذرا سنبھال مجھے

ڈھلا جو کاندھے سے وقتِ خرام ناز اس کے
کہا ادا سے ڈوپٹے نے تو سنبھال مجھے

اے بیخودی سلوک کر اتنا کہ حشر تک
میری خبر ہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

بزم میں انکی کیا کرتا ہے مجھکو بیچین
دل سے کہدو مرے پہلو سے ذرا ہٹ بیٹھے

سمجھ عشرتکدہ غافل نہ عبرت گاہِ عالم کو
یہاں مثلِ حبابِ بحر اِک دم بھر کی ہستی ہے

زباں واعظ کی بہکی لڑکھڑایا پاؤں زاہد کا
نگاہِ ناز ساقی میں عجب عالم کی مستی ہے

جلا پروانہ کوئی شمع پر گر کر تو سمجھا میں
کہ مرجانا مآلِ مذہبِ شاہد پرستی ہے

خدا کا ہے اگر طالب خودی کو چھوڑ دے بسمل
گزرنا خود پرستی سے کمالِ حق پرستی ہے

نقشِ پا بن کے میں اُس در پہ پڑوں تو لیکن
ڈر ہے چل پھر کے مٹا دیں نہ مٹانے والے

لیں زمانے نے کروٹیں کتنی
رنگ بدلے نہ اُنکی محفل کے

بے محابا حسنِ مطلق کی تماشائی ہوئی
سات پردوں میں اسی سے قید بینائی ہوئی

دیکھکر آئینہ اپنے عکس سے بولا وہ شوخ
پڑتی ہے اب آپکی بھی آنکھ للچائی ہوئی

نشۂ حسن وہ کافر ہے کہ جب آنکھ میں آئے
نہ محبت نہ مروت نہ وفا رہنے دے

کیوں کروں قصدِ حرم کیوں تیرے در سے اُٹھوں
کیوں کروں کعبہ کو سجدہ ترے در کے ہوتے

کیا دخل پری آکے یہاں رنگ جمائے
دیوانہ ترا حور پہ بھی آنکھ نہ ڈالے

ہائے ایسے ناتوان پر تو ہوا تیغ آزما — نشترِ فصاد جس کو دشنۂ قصاب تھا
کیوں نہ جھکتی زاہدِ مغرور کی گردن ادھر — خنجرِ خمدارِ قاتل صورتِ محراب تھا
ساغرِ مل اب کہاں وہ شوقِ قلقل اب کہاں — نغمۂ بلبل فسانہ جلوۂ گل خواب تھا
میں نے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر — بسترِ سنجاب تمنائے بالشِ کمخواب تھا

بسمل

(بسمل) منشی واحد علی باشندہ کاکوری۔ حضرت امیر مینائی کے شاگرد اور بڑے طباع اور ہوشیار شخص ہیں۔ قریب ۴۰-۴۲ برس کی عمر ہے۔ زبان ستھری اور مذاق سلیم رکھتے ہیں عرصہ دراز سے رامپور میں بعہدہ نائب میر منشی ممتاز ہیں نمونہ کلام ملاحظہ ہو

دل میں مجمع ہے مرے یار کے پیکانوں کا — میزبان ہے یہ عجب لوگ کے مہمانوں کا
غضب ہے جوانی میں جوبن کسی کا — قیامت ہے بے ساختہ پن کسی کا
جلوہ پردہ سے دکھاتا نہ اگر بیٹھ کے تو — نہ تو کافر کوئی ہوتا نہ مسلمان ہوتا
تو قتل گہِ ناز میں دم بھر بھی نہ ٹھیرا — کشتے ترے تڑپا کئے آغوشِ قضا میں
ساقیا عید کا دن روز نہیں آتا ہے — آج دن بھر درِ میخانہ کھلا رہنے دے
زخم کہتے ہیں تیغ سے مل کر — آج نکلیں گے حوصلے دل کے
نوکِ مژگاں ذرا خیال رہے — پھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے
ادھر کا گرم ہے پہلو ادھر سے — تڑپ دل میں سوا ہے کچھ جگر سے
نگاہیں ڈھونڈھتی پھرتی ہیں پہروں — نکل جاتا ہے وہ کافر جدھر سے
پھر ہوئے گور غریباں وہ ادھر آنے والے — پھر ہیں سوتے ہوئے فتنوں کو جگانے والے
کیا ستم ہے رہے مالک کہیں گھر کے ہوتے — تیر پہلو سے نکل جائے جگر کے ہوتے

بسمل

(بسمل) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم آپ پنجابی اخبار نویسوں میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے اور بڑے ہوشیار۔ ذکی اور لائق مضمون نگار تھے۔ کئی سال تک آپ پنجاب پنچ لاہور کے اڈیٹر رہے علاوہ ازیں علمی اور رفاہ عام کے دیگر کاموں میں بھی نہایت مستعدی

اب لذتِ زخمِ جگری پوچھتے کیا ہو
دل اُسکو کہا کرتے ہیں جو تجھ پہ فدا ہو
جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزا ہو
دم وہ ہے کہ جو تیری محبت میں فنا ہو

نہیں زندوں نے یہ سر پر چڑھی ہے
خدا کی مار زاہد پر پڑی ہے
کسی کے گیسوئے مشکوں سے جاکر
سیہ بختی مری تکرار ری ہے
جہاں دل تھا وہاں اب کچھ نہیں ہے
بسا لو گھر جگہ خالی پڑی ہے
گواہی دے رہا ہے روزِ محشر
بڑی ہے تو شبِ فرقت بڑی ہے

بسمل

(**بسمل**) منشی غلام اللہ بسمل خلف منشی سرفراز علی کنبوہ - بانس بریلی کے رہنے والے ہیں سرکار انگریزی میں ملازم تھے اب پنشن خوار ہوکر خانہ نشین ہیں حج بھی کر آئے ہیں مرزا غالب کو کلام دکھایا ہے - اور فکرِ سخن میں اُنھیں کی طرز کے مقلد ہیں جیسا کہ کلام ذیل سے ظاہر ہے - چار پانچ سال قبل تک زندہ تھے - اب حال معلوم نہیں ۵

غزل بسمل

شب وفورِ اشک سے گردوں کفِ سیلاب تھا
دورۂ چشم کو اک حلقۂ گرداب تھا
واں حنا بندیِ عناں گیرِ خرامِ ناز تھی
یاں تنِ کاہیدہ غرقِ اشکِ خوں ناب تھا
شمع بزمِ عیش تھا واں خندۂ دنداں نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکا یاں درِ نایاب تھا
واں رخِ پر نور تھا صبحِ اُمیدِ زندگی
یاں ہر اک داغِ جگر خورشیدِ عالم تاب تھا
واں نگاہِ سرمہ آلودہ تھی گلچیں بہار
موجزن یاں چشمِ تر سے خوں کا سیلاب تھا
یاں دلِ شوریدہ کو سر پھوڑنیکا تھا خیال
زیرِ سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا
دیدۂ بیخواب تھا یاں ہائے محوِ انتظار
استراحت کے لئے واں بسترِ سنجاب تھا
حسنِ تمکیں آزما کو پاسِ خودداری اُدھر
خانہ زادِ عشق کو ملحوظ یاں آداب تھا
اُسکو پاسِ ننگ دامنگیر مجکو پاسِ وضع
وہ اِدھر بیتاب تھے اور میں اُدھر بیتاب تھا
ہوگیا بے ساختیوں آج سرگرمِ سخن
ایک مدت سے نوا سنجی کو دل بیتاب تھا
دیدۂ بیخواب کو شب تھا کسیکا انتظار
کان آہٹ پر سو واں مژگاں سے خونِ ناب تھا

بپا محشر ہوا آہ و فغاں سے
ہوئے آگاہ سب دردِ نہاں سے

مزے تیرِ نگہ کے کوئی پوچھے
ترے بسمل سے تیرے نیم جاں سے

بسمل

بسمل - منشی سید احمد شاہ صاحب شاگرد قیصر الہ آبادی دورِ موجودہ کے شاعر ہیں۔ کلام کا رنگ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

آپ نے وعدۂ دیدار کیا ہے جب سے
دیدۂ شوق بنا ہے ہمہ تن دل اپنا

دیکھا نہیں جب لبِ جاں بخش کے پی لیتا ہوں
زہر میں بھی اثرِ آبِ بقا ہوتا ہے

شور کرتا نہیں ناقوسِ کلیسا غافل
اسی پردے میں وہاں ذکرِ خدا ہوتا ہے

تیرِ نگاہِ ناز کسی خوش جمال کے
پہلو سے لے گئے جگر و دل نکال کے

فتنے بھی پائمال ہوں ٹھوکر سے راہ میں
محشر بھی لے قدم تری مستانہ چال کے

کچھ پی گئے ہیں آج مقرر جنابِ شیخ
ہو حق جو کر رہے ہیں عمامہ اچھال کے

دو گھونٹ کیا پلا کے مدہوش کر دیا
قائل ہیں ہم تو پیرِ مغاں کے کمال کے

اثر دیکھا صبا کا غنچۂ پیکاں میں قاتل کے
گلِ خنداں بنا ہر اک دہانِ زخم کھل کھل کے

نہ چونکا ٹھوکرِ شورِ قیامت کُنجِ مرقد میں
تھکے ماندے مسافر سو رہے ہیں پہلی منزل کے

قضا سر پر کھڑی ہے جن کے وہ چھپ کر تکتے ہیں
تماشے کس ادا سے دیکھتے ہیں رقصِ بسمل کے

بسمل

بسمل - سید بنّے میاں صاحب باشندۂ رامپور شاگردِ مولانا راسخ دہلوی۔ نوجوان آدمی ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔

بیقراری میں دلِ بیتاب سا مونس ہے کون
کوئے جاناں کی طرف مجھکو یہی لے کے چلا

المدد شوقِ شہادت ہمت آ ذوقِ وصال
رازِ دل اُس نازنیں سے برملا کہنے کو ہیں

کچھ اشارہ آنکھ کا ہے ہلتے ہیں کچھ میرے لب
دو نو ملکر تجھ سے کچھ اے بیوفا کہنے کو ہیں

ذرا تو رنجِ الفت کا جدائی میں مزہ دیکھو
ملے ہو مدتوں اے حضرتِ دل ناز و نعمت میں

دیکھیے تک کے تماشا سرِ بالینِ مزار
دل لگی کرتی ہیں حوریں ترے دیوانے سے

سے حصہ لیتے تھے - ظرافت کے مضامین لکھنے میں آپکو اچھا ملکہ حاصل تھا - عالم شباب ستمبر ۱۸۹۱ء میں بعارضۂ تپ انتقال کیا - آپکا کلام تلف ہوگیا بمشکل یہ چند شعر ایک پولٹیکل غزل کے ہاتھ لگے - درج تذکرہ کئے جاتے ہیں ؎

کابلی برسرِ پیکار ہیں لو اور سنو
اُن کی اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو

جنگلے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے
اُن سے ہی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو

شاہ ہتھیانہ تو اور کہ نہ مصالحہ موجود
سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو

کل جہالت میں جو غرقاب تھے یہ کالا لوگ
سول سروس کے طلبگار ہیں لو اور سنو

دو قدم کو نہیں یہ چل سکتے مگر اسپر بھی
جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو

ہم نرے مولوی تھے آج طفیلِ سرکار
بیچ ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نافے پڑے رہتے ہیں بسمل کے مدام
آج ہم غیرتِ تاتار ہیں لو اور سنو

بسمل

(**بسمل** رامپوری) صاحبزادہ محمد مرتضےٰ خان شاگرد جلال - رامپور کے عمائد میں سے ہیں بڑے خوش فکر شاعر ہیں کلام انکا بہت اچھا ہوتا ہے - ۴۰ - ۴۵ برس کی عمر ہے - ریاست سے گزارہ کے لائق وظیفہ پاتے ہیں یہ کلام ہے ؎

ہوش کیوں جاتے رہے کس کا تجلا دیکھا
طور پر آپ نے کیا حضرتِ موسیٰ دیکھا

جذب نظارہ مراد یکھ تو اے حسرتِ دید
اٹھ گیا وہ رُخِ محبوب کا پردہ دیکھا

کیا کچھ جنوں کو روزِ ازل اے خدا دیا
مجھ کو بس ایک دل ہی یہ حسرت بھرا دیا

بزم سرور ہوگئی بزمِ عزا مری
اس گل کو لاکے پھول نہیں کس نے چڑھا دیا

دے کر خبر وصال کی تڑپایا ہمکو اور
مژدہ اجل نے نزع میں یہ کیا سنا دیا

کہنا کسی کا ہائے پسِ قتل ناز سے
اللہ رے سخت جاں مرا بازو دکھا دیا

ہماری چشمِ نظارہ بیں کو ستائے کیونکر نہ بدگمانی
یہ کسکو نرگس چمن میں یا رب نگاہِ حسرت سے تک رہی ہے

تمام مطلب ادا ہو کیونکر مرا بیان اور زبانِ قاصد
وہ پوچھتے ہیں کہاں سے آیا زبان اُسکی بہک رہی ہے

شعر کہے ہوں۔ اُن سے یادگار ہیں۔ اسوقت آپکی عمر ۷۰ برس کے قریب ہے اور ریاست میں منصفی کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ یہ اُنکے اشعار کا خلاصہ ہے۔

ہر بزم میں ہے ذکر تری جلوہ گری کا — لیتا نہیں اب نام کوئی حور و پری کا

آفت ہی تجھپہ ڈھائینگی یہ بے نیازیاں — جب واں اپنی چاہینگے اے بت خدا سے ہم

سیر ہوکر دیکھنے پائے نہ روئے یار ہم — جل گئے لائے نہ تاب گرمیٔ دیدار ہم

علاج ہجر بتاؤ بتو خدا کے لئے — ہمیں تو موت بھی ملتی نہیں دوا کے لئے

بُرا نہ جانے تو تقوے آب کیا جانے — نہ پی ہو جسنے وہ قدر شراب کیا جانے

بغل میں جسکے نہو اک چاند سا معشوق — وہ لطف سیر شب ماہتاب کیا جانے

جسے نصیب نہو لذت وصال صنم — بھلا وہ لذت عہد شباب کیا جانے

دلکو لگی ہے شعلہ رخونکے وصال کی — کعبہ میں روشنی ہے بتونکے جمال کی

عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش — جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

بشیر

بشیر۔ شیخ بشیر احمد سرہندی از اولاد شیخ احمد سرہندی۔ اکثر علوم و فنون مثلاً رمل۔ نجوم عروض۔ موسیقی میں مداخلت تام رکھتے تھے۔ خوش وضع خوش خلق شخص تھے باقتضائی موزونی طبع صحبت احباب میں کبھی کبھی فکر سخن بھی کر لیتے تھے۔

رونق ہے غم کی مجسے کہ گلشن میں دہر کے — جوں سرو سر بلند میں آہ کشیدہ ہوں

موج آب زندگی ہے جوہر تیغ نگاہ — دے کے سر لے لیجئے یہ آب حیواں پھر کہاں

جب تلک ہے تو کمند زلف مشکیں کا اسیر — خواب راحت کر لے یہ شام غریباں پھر کہاں

غافلوں کی مت نصیحت مان اے شوریدہ سر — سلطنت اپنی نہ کھو یہ فوج طفلاں پھر کہاں

بشیر

بشیر۔ میر بشارت علی دہلوی شاگرد فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون غدر سے بہت پیشتر لکھنؤ سے واپسی کے وقت سفر میں انتقال کیا۔ ۱۲۴۴ھ تک حیات تھے یہ اُنکے اشعار ہیں

دل بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں — دیکھتے ہیں تجھے حسرت سے بھرے بیٹھے ہیں

شمع لے کر مری تربت پہ نہ آئے کوئی	مر گیا ہوں مجھے اب تو نہ جلائے کوئی

بسمل

بسمل۔ منشی اشرفی لال۔ آپ غالباً رامپور کے رہنے والے اور حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ یہ کلام کا خلاصہ ہے۔

شورِ محشر مرے نالوں نے اٹھایا کیسا	ہو گیا سارا زمانہ تہ و بالا کیسا
حسرت و یاس و الم دم تو ذرا لینے دو	آخری وقت لگا رکھا ہے میلا کیسا
خود نما حسن نہیں جذبِ محبت بھی نہیں	پھر یہ بے پردہ تمہارا ہے نکلنا کیسا
وہ اثر ہے مرے نالوں میں جو چاہوں بسمل	دل کو تھامے ہوئے وہ آئیں نہ آنا کیسا

بشاش

بشاش۔ آغا کلب عابد خاں بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر درجہ اول امرتسر خلف اکبر نواب کلب حسین خاں بہادر مرحوم و رئیس بنارس۔ بہت نیکنام منصف اور فیاض شخص گذرے ہیں امرتسر ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ایک عظیم الشان سرائے رفاہِ عام کی غرض سے امرتسر میں تعمیر کرائی تھی وہ آپ سے یادگار ہے۔ پندرہ سال کے قریب ہوئے وہیں انتقال کیا۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کی موروثی موزونی طبع کا نتیجہ ہیں۔

نہ میرے درپئے ایذا ہے آسماں تنہا	ہزار دشمنِ جاں ہیں اور ایک جاں تنہا
اگرچہ دشمنِ جاں ہوں مرے رقیب ہزار	نہیں ہے خوف جو ہو دوست مہرباں تنہا
ہے صحبت آپکی ناصح مجھے عذاب الیم	وہ بہتر اس سے بسر ہو جو مہرباں تنہا
میں عادت اسلئے کرتا ہوں گوشہ گیری کی	کہ کنجِ قبر میں رہنا ہے جاودان تنہا

بشاش

بشاش۔ منشی دیبی پرشاد خلف منشی نتھن لال بہجت قوم کایستھ ان کے بزرگ شہر بھوپال کے متوطن تھے یہ خود عرصے اجمیر میں سکونت پذیر ہیں اُردو انشا پردازی اور تالیف اور تصنیف کتب جغرافیہ۔ و تاریخ کا زیادہ تر شغل رہتا ہے۔ اوائل عمر میں صاحبزادگان ٹونک کی سرکار میں منسلک رہے اُسکے بعد ریاست جودھپور میں ملازم رہے۔ لطائف ہندی افسانۂ خرد افروز۔ گلدستۂ ادب۔ وقایع راجپوتانہ۔ احکام نوشیروانی۔ تاریخ ترک ہند۔ تذکرہ

بشیر

بشیر۔ شاہ بہار الدین دہلوی معروف بہ عبد اللہ شاہ بشیر۔ آپ شاہ نصیر کے چھوٹے بیٹے شاہ نجم الدین صغیر کے حقیقی نواسے تھے اور چونکہ اُنکی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے اُنھیں متبنےٰ بھی کر لیا تھا چنانچہ اُنکی وفات کے بعد درگاہ و جاگیر آبائی خانقاہ صدرجہاں (دہلی) کے مالک ہوئے۔ فنِ سخن کا مذاق موروثی تھا اور اس میں اپنے عزیز شاہ تنویر سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ عربی فارسی کی تحصیل اچھی تھی تصوف اور فنِ سخن کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتے تھے۔ افکار زمانہ نے کبھی دلجمعی نہ ہونے دی۔ ایک تذکرہ شعراء اردو کا لکھنا شروع کیا تھا مگر اُسے پورا نہ کر سکے۔ سات برس کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ ۵۵-۶۰ برس کے قریب عمر پائی قلمی دیوان جو راقم تذکرہ کے کتب خانے میں موجود ہے اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

چراغِ صبح ہوں اکدم کا مہماں تم ذرا دم لو
چُرایا گر نہیں ہے دل تو کیوں آنکھیں چُراتے ہو

دل مرا جانے ہے یا اُسکو خدا جانے ہے
ہوش میں پھر نہ سحر تک دلِ ناشاد آیا

رو کے سمجھے تھے کہ کچھ دلکو کرینگے خالی
غم میں سر دشوار بالیں سے اٹھانا ہو گیا

کیا یہ کیا اے کبن اے بشیر خستہ دل تُنے
اور تو کیا بختِ برگشتہ سے ہے یہی اُمید

ویدیا دل اُسکو لیکن یہ نہ سمجھے تھے بشیر
مُصحفِ رُخ پہ نہ لاویگا جو اُسکے ایماں

کہتا ہے آج ذوقِ طپیدن کہ تو سہی
نَشّہ کو چمن میں جو متی ہیں اُسکے بلبلیں

گلکدہ حوروں سے ہے پریوں سے پرستاں جیتا
مجھے رخصت تو کر لو نام لینا بعد رخصت کا

نہ شرماؤ کہ شرمانا تمہارا گھر ہے تہمت کا
کہ ترے ظلم سے اپنے ستمگر کیا کیا

اُسکا یہ کہنا نہ چھیڑو مجھے جب یاد آیا
چشم تر کرنے لگی اور یہ رسوا اُلٹا

دل لگانا سہل تھا مشکل چھڑانا ہو گیا
یہ مانا وہ خفا تھے تم منا لاتے تو کیا ہوتا

آبِ حیواں بھی جو ہاتھ آئے تو سم ہو جائیگا
دوستی میں دلکا دشمن وہ صنم ہو جائیگا

وہ مسلماں نہ ہوگا کوئی کافر ہو گا
توڑوں تڑپ کے یار کی شمشیر دیکھنا

جھڑتے ہیں پھول کیا دمِ تقریر دیکھنا
تُونے وہ حسن کے اقبال سے میداں جیتا

یارب نہ کھُلے زلفِ گرہ گیر کسی کی	وابستہ وہاں خاطرِ دلگیر کسی کی
شاید دلِ بیتاب کو تسکین ہو اپنی	لپٹوا کے رکھوں سینہ پہ تصویر کسی کی

بشیر

بشیر - محمد بشیر خاں رامپوری ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہوگی - پُرانے سپاہیانہ وضع کے آدمی ہیں - فن سپہ گری میں بھی اچھے بلکہ اوستاد ہیں - شعر شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے رکھتے ہیں - بظاہر الف کے نام بے نہیں جانتے مگر مبدء فیاض نے اس فن میں انکو بھی خاصہ حصہ دیا ہے - شعر اچھا کہہ لیتے ہیں - یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ان پڑھ کا کلام ہے - تیس برس کی مشق نے طبیعت میں پوری رسائی پیدا کر دی ہے - جو کچھ کہا نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کو دکھالیا - رامپور سے انکے فیضِ صحبت کا لطف اُٹھایا ہے - اب آجکل حیدرآباد میں کسی رئیس کے ہاں ملازم ہیں یہ اُن کا کلام ہے -

گردشِ چشم سے کب یہ دلِ مضطر پھرتا	بُت وفا کرتے تو اُن سے کوئی کافر پھرتا
یہ لگاوٹ یہ کرشمے جو نہوتے تجھ میں	اے صنم کہہ تو خدا سے کوئی کیونکر پھرتا
نقدِ دل سینے میں چھپایا تو بُرائی کیا کی	کوئی رکھتا نہیں دولت کو تو نگر باہر
اُنکا وہ ناز سے کہنا کہ عبث رو رو کر	پانی کرنا تمہیں خوب اپنا لہو آتا ہے
دُھوم رندوں میں ہے مسجد سے نکلکر باہر	آج میخانہ میں کرنے کو وضو آتا ہے
تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق	ہوتے نہ تھے جو مجھسے گھڑی بھر جدا کبھی
وہ چیز تھی شراب کہ اس پر جہاں نثار	سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی
تیغِ قاتل پر گلو مقتل میں رکھدیں بڑھ کے خود	کر دکھائیں آج ہم بھی جو ہمارے ولمیں ہے
تو نکو بیوفا تو نے بنایا کیا وفا کم تھی	کمی کسکی تھی کیا تیرے کرم میں ایکدم کم تھی
نگاہِ غور سے دیکھا تو یہ دونوں برابر تھیں	نہ فرقت تھی قضا سے کم نہ فرقت سے قضا کم تھی
بنایا آسماں بھی اور اک بے مہر ستم تو نے	الٰہی تیرے بندوں پر تو نکی کیا جفا کم تھی

جہاں ہے آگ الفت کی وہیں تو لاگ ہوتی ہے ۔ زیادہ دوستی میں بھی عداوت آہی جاتی ہے

یہ مانا ہم نے راہِ عشق میں ہے جاں کا خطرہ ۔ ذرا مضبوط دل کر لے تو ہمت آہی جاتی ہے

کسی سے دیکھتے ہیں اُسکو ہنستے بولتے جب ہم ۔ تو جیتی جان ہر ہمکو بھی حسرت آہی جاتی ہے

جو کچھ بچی تھی اُسی سے بنے یہ شمس و قمر ۔ تمہارے محوِ رُخِ بے نقاب کی مٹی

رلاتی کروٹیں بادِ سحر ہے ۔ ترا بیمار لاغر اس قدر ہے

اپنے اچھوں سے تری کاوشِ مژگاں کافر ۔ تنکے چنواتی ہے دیوانہ بنا دیتی ہے

کوئے قاتل کا پتا شوقِ شہادت مت پوچھ ۔ سُنتے ہیں ہم تو اجل آپ بتا دیتی ہے

سے تجھے بھی حنا تحفہ ہے یہ جس دوزخ نے اب ۔ لگا منھکو اُسی کے آگ پھر اے جانِ من اُٹھی

کسی کے بیٹھے بٹھلائے جو دن گردش میں آتے ہیں ۔ تو ہو جاتی ہے اُسکی عقل سے چرخِ کہن اُلٹی

وہ کر کے کیا شکایتِ دوران سر گئے ۔ لاکھوں دلوں کے اُنپہ سے صدقے اُتر گئے

اس بھولے پن پہ مار لئے سینکڑوں کے دل ۔ سایہ سے اپنی زلف کے وہ آپ ڈر گئے

کیا انکار اک بوسے سے تو نے دل ہوا زخمی ۔ یہ کچھ تلوار سے کم تھی ترے انکار کی برچھی

کیوں نہ اپنی غشی پہ میں غش ہوں ۔ وہ چھڑکنے گلاب آتا ہے

کبھو شام کہوے کبھو سحر جو سحر ہو کہوے وہ دوپہر ۔ جو یہی ہے وعدۂ وصل گر کوئی دن نہیں بنا وصال ہے

نہ جام دے کوئی چلو مجھے شراب تو دے ۔ جو یہ بھی ہو نہیں سکتا صنم جواب تو دے

کیا جو قتل تہِ خاک اُسکو داب تو دے ۔ کہ روزِ حشر کو کشتہ ترا جواب تو دے

بہت ہے تشنہ لبی تو خدا کا لے کر نام ۔ گلے پہ پھیر دے خنجرِ پُر آب تو دے

نہ دے جو دیتا نہیں قول وصل کا ظالم ۔ ہمارا پھیر دلِ خانماں خراب تو دے

کہونگا حال شبِ غم کا تجھے اے ہمدم ۔ پہ چین لینے مجھے دل کا اضطراب تو دے

جوشِ وحشت میں جھپک جاتی ہیں آنکھیں جو کبھی ۔ خواب میں بھی تو بیابان نظر آتا ہے

ہے عجب مذہبِ الفت بھی کہ جسکو دیکھا ۔ کوئی ہندو نہ مسلمان نظر آتا ہے

خضر بھی جان چھپاتے ہیں یہ پھر سینگے کب تک
انکو چھوڑیگی نہ یہ گردشِ دوراں جیتا

حسرتیں روز نئی روز ہیں ارمان نئے
یہ نہ رکھیں گے مجھے حسرت و ارماں جیتا

جھٹلاتی نزاکت نہ اُسے گر دمِ رفتار
پامال یہ دل زیرِ قدم ہو ہی چکا تھا

نہ تیغ ہاتھوں میں ہے نہ خنجر تو نہیں ہزاروں کے سو تڑپ کر
اُتارتا ہے لحد کے اندر چڑھانا قاتل کی آستیں کا

وہ پاک خاک پہ اے زلزلۂ آہ اُسے
ہے جو خورشید کلس گنبدِ مینائی کا

کون کہتا ہے دیے تم نے ہیں داغِ فرقت
نخلِ اُمید مرا لایا ہے بار آپ سے آپ

جرم کچھ تیرِ نگہ کا نہیں تیرے قاتل
جان دیتے ہیں ترے سینہ فگار آپ سے آپ

چاہتِ دل جب سے اُسپر کھل گئی ہے اے بشیر
اور بھی ہر بات پر کرتا ہے وہ دلبر مزاج

کچھ دم ہے پھر نگاہِ محبت سے دیکھ لو
صدقے ہزار جان سے ہوں اس امتحان پر

بے پری پہ تو یہ منعم ہیں ہوا میں اُڑتے
کیا غضب ہوتا جو ہوتے کسی زردار کے پر

جلانے کا مزا جب آئے میرے
دل آجائے جو اُن کا بھی کسی پر

صندل وہی لگا مینگے جاگے ہو جنکے گھر
کیوں لیں یہ مفت دردِ سری دردِ سر ہم

ناخوش ہیں کیوں رقیب ملا ہے رنگِ گل
دیتے ہیں اُلٹے داغ درم اُنکو گھر سے ہم

عجب تسخیرِ دنیا میں شبابِ حسنِ دلکش ہے
کہ اس سے بس میں پریوں کو یہ آدم زاد کرتے ہیں

پہلے ہی پھل آئے ہیں جوں غنچے منہ بند
کھل کھلیں گے ایدل ابھی گدرائے ہوئے ہیں

مرجائیں ولے پیئینگے نہ ہاتھ سے اسکے
ہم ساقیِ کوثر کی قسم کھائے ہوئے ہیں

منتوں پہ تو کرو وصل کا انکار نہیں
ابتو ہاں منہ سے کرو ہو چکی سو بار نہیں

ق

کیوں میں نے یہ کہا کہ مجھے بھی دو جام مے
پچھتایا کہہ کے اُس صنمِ پُرعتاب کو

شیشوں کو پھینکا توڑے سبو ہو کے پھر خفا
بولے کہ ایلو آگ لگاؤ شراب کو

نکلی ہے جان حسرتِ دیدار میں مری
بس شرم ہو چکی کہیں اُلٹو نقاب کو

مرجاؤں پہ توبہ نہ کروں عشقِ بتاں سے
اس سے بھی ہو گر رنج و محن اور زیادہ

جسے خیال کسیکا ہو اُسکو چین کہاں	کہاں انکا خواب کسیکا جو انتظار رہے

بشیر

بشیر - منشی محمد بشیر - موضع بمر سانار کے رہنے والے اور منشی ظہیر احسن صاحب شوق کے تلمذ سے بہرہ ور ہیں - شوخیِ طبع آپکے کلام سے ظاہر ہے -

گر کبھی یہ نگہِ ناز تو بسمل مجکو	آپ فرماتے ہیں کیوں کہتے ہو قاتل مجکو
یہ ذکرِ شراب اور مسجد میں واعظ	تجھے بھی عجب بے تکی سوجھتی ہے
کرو مے کشی خوب کالی گھٹا ہے	کہاں اس میں نیکی بدی سوجھتی ہے

بشیر

بشیر - منشی بشیر مرزا دہلوی - مولانا عبدالرحمن راسخ کے شاگرد اور موزوں طبع نومشق کہنے والوں میں سے ہیں - یہ آپ کا کلام ہے -

اجل نے لی خبر میری نہ آئے آپ فرقت میں	یہ سچ ہے کام آتا ہی نہیں کوئی مصیبت میں
الٰہی دردخواہانِ ستم ہیں منتظر کب سے	لگا رکھی ہے اتنی دیر کیوں تونے قیامت میں
ہمارا دل تمہارا ہے ہماری جاں تمہاری ہے	خیانت کب وفاداروں سے ہوتی ہے امانت میں
ادہر خواہش حسینونکی اُدہر اصرار حوروں کا	شہیدِ ناز پر برسوں رہی تکرار جنت میں
تم سے عزیز کب دلِ آشفتہ حال ہے	لیجاؤ لو اُٹھاؤ تمہارا ہی مال ہے
کیوں داد اپنی چال کی لیتے ہو چرخ سے	اس کا تو قصد تھا کوئی پامال ہے

بقا

بقا - شیخ بقاء اللہ خاں اکبرآبادی اصلی وطن انکا اکبرآباد و مولد دہلی ہے - حافظ لطف اللہ خان خوشنویس کے بیٹے اور مرزا رفیع سودا - میر تقی میر اور درد وغیرہ کے ہمعصر تھے - ریختہ میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے کثرت مشاقی سے میر اور مرزا دونو کو خاطر میں نہ لاتے تھے - طبیعت میں شگفتگی و رنگینی خداداد تھی کبھی کبھی اُس زمانے کے مذاق کیموافق ہجوگوئی بھی کر دیتے تھے کچھ عرصہ تک غمگین بھی تخلص کرتے رہے پھر بقا بن گئے - علمی پایہ بھی بلند تھا - اس فنِ خاص سے مناسبت تمام رکھتے تھے - غزلوں کے سوا قصائد میں بھی اپنا زورِ طبع دکھایا ہے - آخری عمر میں لکھنو جا رہے تھے - اردو میں ایک مختصر دیوان انکی یادگار ہے انکے شاگرد و نمیر رحمۃ اللہ خاں نوا مشہور ہوئے ۱۲۰۶ھ میں بمقام عجاز انتقال کیا یہ انکا کلام ہے

کیوں خفا ہوتے ہو خنجر بھی ہے میں بھی حاضر
کس لیے پھیر نہیں خنجر بُرّاں دیتے

یہ نہیں ہو جو ایک بوسے پہ کرتے ہو نہیں
جان تک مانگنے ہم سے تو ہم جاں دیتے

ہوگیا سینکڑوں آشفتہ دلوں کو سودا
کیوں نہیں رخ سے اٹھا زلف پریشاں دیتے

دل نہ بہلے گا اپنا حوروں سے
واں بھی تیری ہی جستجو ہوگی

زباں تیری نہ تِ پیماں شکن کچھ اور کہتی ہے
یقیں کس کا ہو چشمِ سحر فن کچھ اور کہتی ہے

بشیر

بشیر۔ جناب منشی بشیر احمد خانصاحب رئیس ملیح آباد خلف محمد احمد خانصاحب تعلقدار مرزا گنج۔ آپ لکھنؤ کے مشہور شاعر رسالدار فقیر محمد خان گویا کے پوتے ہیں۔ اسلئے گویا مذاق سخن آپ کو میراث میں ملا ہے۔ شعر خاصہ کہتے ہیں۔ معاملہ بندی کیطرف زیادہ میلان خاطر پایا جاتا ہے۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

رقیب تم سے کرے آرزوئے بوسۂ لب
خطا معاف مزہ ہے یہ منہ لگانے کا

بگڑ کے میں جو وہاں سے اٹھا تو وہ بولے
کوئی منائے تو ہے لطف روٹھ جانے کا

کیسی مشکل ہے کریں آہ تو رسوائی ہے
منہ کو آتا ہے جگر ضبط اگر کرتے ہیں

کون دل لے گیا وہ پوچھتے ہیں
اور یہ طرز ماجرا دیکھو

عشق میں ہم نے تم سے حضرتِ دل
جو کہا تھا وہی ہوا دیکھو

دیکھو ہم جان دیتے ہیں کہ رقیب
بات ہی کیا ہے آزما دیکھو

شیخ جی ہیو ہے تو کرتے ہو
تھوڑی پی لو تو پھر مزا دیکھو

درد ہے دل میں ہمارے آہ بے تاثیر ہے
آپ بسمل ہے یہ تیر انداز اپنے تیر سے

تم ابھی دشمن کی قسمت کو جو کہہ اٹھتے برا
ہو جو ممکن تو بدلوا دو مری تقدیر کو

کھل گیا ہم پر کہ تھے فرد اہل دلی بھی بشیر
رنگِ ذوق و غالب و سودا و درد و میر سے

تیری تیرِ نگہ کا کیا کہنا
دلنشیں بھی ہے دلربا بھی ہے

سن کے وہ دردِ دل مرا بولے
جھوٹ کی کوئی انتہا بھی ہے

یاد میں تڑپے ہے دل اُس ابروئے خمدار کے		آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اُس بیمار کی
عشق میں بو ہے کبریائی کی		عاشقی جس نے کی خدائی کی
تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے		تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے
گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے ترے		در پہ نالے کئے اتنے کہ گلے بیٹھ گئے
یہ رخِ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے		ہے نہاں صبحِ وطن شامِ غریباں کے تلے
آہ کی برق جو سینے میں جھپکتی دیکھی		طفلِ اشک آن چھپے دامنِ مژگاں کے تلے
کیا کروں سینہ جو ناصح سے چھپائے نہ پھروں		داغ سے داغ ہیں کچھ میرے گریباں کے تلے
نہیں ملنے کی بقا ہمکو بجز کنجِ مزار		جائے آسودگی اس گنبدِ گرداں کے تلے
ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے		دو آبہ جہاں میں یہ مشہور ہے
میر و مرزا کی شعر خوانی نے	قطعہ	بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونو صاحب کے		اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی
کچھ نہ پایا سوائے اس کے سخن		ایک تُو تُو کہے ہے اک ہے ہے
رخ اُس کا صفائی ترے تلوے کی نہ پائے		خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے
دل سے نکلے کہیں پابوسیِ قاتل کی ہوس		کاش وہ خوں کو مرے رنگِ حنائی جانے

بقا۔ مستند شعرا خواجہ محمد مرتضیٰ خاں بہادر بقا دہلوی۔ مقیم لکھنؤ کتاب سراپا تاریخ کے صلہ میں پرنس آف ویلز نے خان بہادر اور مستند الشعرا کا خطاب ان کو عطا کیا تھا ۱۲۹۰ھ میں بطور سیر حیدرآباد اور کلکتہ بھی گئے تھے ۱۳۰۰ھ میں انتقال کیا انکے شاگردوں میں سید محمد جعفر صاحب آسمان مشہور ہوئے۔ یہ اُنکا کلام ہے۔

باریابی کی توقع کسے درباں اُن کا		بختِ عاشق تو نہیں ہے کہ جو سو جائیگا
فروغِ کعبہ و بُت خانہ میں ہوں		چراغِ خانۂ شیخ و برہمن کا
دبستانِ ازل میں قیس تک نے		سبق مجھ سے لیا دیوانہ پن کا

سر سری مل کے سب سے پاس جانا کیا تھا — راہ بس ناپنے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

ق
میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر — اس میں ہووے جو نام شاعر کا
سب کے دیوان بکاتے پھرئے — ہر گلی کوچہ کام شاعر کا

قطعہ
نوبت اب اُس بُت سے پہنچی نامہ و پیغام تک — جس سے نت خلطہ تھا مجکو اور ہم پیالہ تھا
آہ کانوں نے سُنا اسکو جو تھا منظور چشم — چشم سے دیکھا جو کانونکے لئے افسانہ تھا
ہم نفس کوئی نہ دیکھا بیکسی کے دن بقا — آشنا صورت مگر معنی میں وہ بیگانہ تھا

وہ انگارا ہے پہلو میں دل بیتاب آتش کا — کہ دیکھے سے جسے ہو جاوے زہرہ آب آتش کا

دست ناصح جو مری جیب کو یکبار لگا — پھاڑوں ایسا کہ پھر اُس میں نہ بے تار لگا

یار کو پہونچی خبر نالۂ تنہائی کی — مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا

گردش پہ تری چشم کے بخشے ہے جسے یار — دعووں کی گفتگو سے قدح اور قدح سے ہم

چشم اپنی تک دکھاوے اُسے تا کہ باز آئیں — اس بحث و بدو سے قدح اور قدح سے ہم

ساقی کو وہ نوید بہار آئی باغ میں — سودے نے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جاں ہے — مرنے کا نہیں نام کا اپنے میں بقا ہوں

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں — اُسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

آہیں افلاک میں ملجاتی ہیں — محنتیں خاک میں ملجاتی ہیں

میکشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار — با خبر رہو کہ ہے بیخبری شیشے میں

گرمی مے سے پڑا آبلہ یوں دلمیں بقا — جسطرح ہوویں حباب جگری شیشے میں

سیلاب ہے آنکھوں کے رہتی ہے خرابی میں — نگڑی مرے دلکی بستی ہے دو آبے میں

ق
پنہاں ہی بھلا ہے خونِ عاشق — جانے دو اب اسپہ خاک ڈالو
گر قتل کیا بقا کو خوباں — اس بات کو مُنہ سے مت نکالو

تو نے اسطرح سے اے چرخ گرایا ہمکو — کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اُٹھایا ہمکو

کسطرح دیں تمہیں ہم آئینۂ دل اپنا
توڑ ڈالوگے جو دیکھوگے مقابل اپنا

پردۂ رنج سے ہوتی ہے عیاں شکل خوشی
ناخن غم سے کھلا عقدۂ مشکل اپنا

خاک عاشق نے جو کی حسرت لپٹنے کی ہوس
ناز بولا کہ اٹھا لیجئے دامن اپنا

ہوں وہ بیخود کہ کہا جا کے بت کعبہ میں
اے بت شوخ دکھا دے رخ روشن اپنا

دفتر معرفت ہے اے بلبل
ہر ورق مصحف گل تر کا

شوق دیدار کی یہ خواہش ہے
آنکھ پردہ بنے ترے در کا

میں بقا ہوں مجھے جو قتل کرو
زندہ ہو جائے نام خنجر کا

ہم نہ فتنہ ہیں نہ جادو ہیں نہ شوخی نہ حیا
اسکی آنکھوں میں جگہ پائیں تو پائیں کیونکر

شبنم سے ساری رات ہوئی شست و شوئے گل
پھر بھی نہ مل سکا ترے تلوے سے روئے گل

اے عندلیب عقل و ادب سے بھی کام لے
گل کو بہت نہ چھیڑ کہ نازک ہے خوئے گل

وہ ارمانوں کے جھرمٹ دیکھکر دل میں یہ کہتے ہیں
یہاں بھی لوٹنے والے مرے جوبن کو بیٹھے ہیں

یہ ہم نے سوچ رکھا ہے کہ لٹ جائیں راحت سے
متاع دل لئے رستے میں ہم رہزن کو بیٹھے ہیں

دکھا دے اے مری زہرہ ادا انکو بھی اک جھلکی
حرم میں حضرت زاہد فرشتہ بن کے بیٹھے ہیں

خبر لے جلدی اب او ستمگر ورنہ کھلتا ہی بھید سب پر
کہ میری آنکھوں سے اشک بنکر تری تمنا ٹپک رہی ہے

شباب آ گیا لڑکپن ابھار پر ہیں تمہارے جوبن
ہوئی ہے شوخی حیا کی دشمن خبر لو چولی مسک رہی ہے

لطف راحت بھی جو درد دل ناشاد میں ہے
کیا وفا کا کوئی پہلو ترے بیداد میں ہے

بقا شاہ محمد عبدالغفور فریدی ملک پوری مقیم میرٹھ زمانہ حال کے شعرا میں ہیں چند انتخاباً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں

قاتل یہ ستم اور ہے مجھ پر تہ خنجر
عکس ابروئے پرخم کا ہے خنجر تہ خنجر

کیا منہ سے کہے عاشق مضطر تہ خنجر
دم لینے کا یارا نہیں دم بھر تہ خنجر

صد شکر دم قتل ہوا مجھکو میسر
نظارۂ ابروئے ستمگر تہ خنجر

تقصیر ہوئی عاشق ابرو سے بھلا کیا
کیوں اسکو کیا تو نے ستمگر تہ خنجر

جنبہ کو ہے جنبہ کی تلاش / یعنی اب دل کو ہے جگر کی تلاش

دور میں جام شراب خوشگوار آنے تو دو / قالب مینا میں جانِ بادہ خوار آنے تو دو

مہندی نے غضب دونو طرف آگ لگادی / تلووں سے ادھر اور ادھر دل سے لگی ہے

بقا۔ میر بادشاہ علی صاحب بقا خلف الرشید میر وزیر علی صبا لکھنوی آپ مرزا دبیر مرحوم کے داماد اور خاندانی شاعر تھے۔ ۰۰ برس کی عمر پاکر چند سال ہوئے لکھنؤ میں انتقال کیا۔ فن سخن کا شوق تھا مگر اپنے والد کے رتبہ کو نہ پہنچے یہ کلام کا انتخاب ہے۔

خدا کو بھول جاتے ہیں بتوں کی آشنائی میں / بہت ایسے بھی ہیں اللہ کے بندے خدائی میں

کہا میں نے دکھا کر جنت دل اس شاہ خوباں کو / ملی یہ عشق کی سرکار سے ٹکڑے گدائی میں

بنتی ہے جب تو یہ کہتے ہیں ہوا فضل خدا / جب بگڑتی ہے تو سب کہتے ہیں قسمت تیری

یہ کہہ کے رنج کو دیتا ہوں اپنے دلمیں جگہ / نہ ٹھکانا کہیں جسکا میرے گھر میں رہے

بقا۔ مولوی عبدالرحمن بقا ۲۵ رجب ۱۲۸۱ھ کو آپکی ولادت ہوئی۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ کتب درسیہ کی تعلیم اعلےٰ درجے تک مولوی محمد عبدالاحد شمشاد سے پائی۔ اور علوم عربیہ کی تکمیل اپنے ماموں مولوی عبداللہ سے کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسۂ چشمۂ رحمت غازی پور میں عربی کے مدرس رہے لیکن چونکہ مزاج میں ملازمت سے تنفر تھا اسلئے جلد مستعفی ہوکر مدتوں آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے لیکن سلسلۂ تعلیم و تعلیم ہمیشہ جاری رہا۔ منطق میں رسالۂ تہذیب کی اردو شرح آپ نے لکھکر شایع کرادی ہے عنوانِ شباب سے شعر و سخن کا بھی شوق رہا۔ آپ صاحبِ دیوان ہیں۔ اور حضرت شمشاد کے نامی شاگردوں میں گنے جاتے ہیں۔ کلام مرسلہ سے چند شعر انتخاب ہوکر درج ذیل ہیں۔

کبھی تو وہ آجائینگے بھولے بھٹکے / لگا ہے سر راہ بستر کسی کا

وہ بدنام ہونگے ہمیں رنج ہوگا / گلا کیجئے اسلئے کیونکر کسی کا

بتوں کی محبت بھی قہر خدا ہے / نہ دل آئے یارب کسی پر کسی کا

اور صاحبِ اقتدار امیر گذرے ہیں۔ اُنکے بیٹے راجہ جسونت سنگھ پروانہ مشہور شاعر گذرے ہیں۔ تبرکاً ایک شعر درج تذکرہ ہوا۔

سیاہی مُو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی	ہمارے جامۂ کہنہ سے کی بُو نہ گئی

بہادر

بہادر۔ راجہ بہادر سنگھ۔ کشمیری الاصل برہمن اور میر انشاء اللہ خاں کے ارادتمند تھے۔ تذکرہ شوق کی ترتیب کے وقت انکا شباب کا عالم تھا۔ نہایت خلیق خوش مزاج اور رنگین طبع رئیس تھے۔ یہ اونکے اشعار ہیں۔

اے مشفقِ من ہم ہیں فقط بوسے کے نوکر	تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سوخت
سو دور رکھو دل سے ابھی لینگے بٹھا کر	نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں	اسطرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سُن لے تو اے یارِ خدایا	یکبار سُنوں میں کہ ہُوا شہر طلب سوخت

بہادر

بہادر۔ بابو رن بہادر سنگھ مقیم آگرہ آپ کے والد بابو فتح سنگھ مہاراجہ بلوان سنگھ رئیس بنارس کے عزیزوں میں سے تھے آپ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر سے مشورۂ سخن کرتے تھے یہ اُنکے شعر ہیں۔

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپکی امروز فردا سے	کہیں صاحب قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھیرے
ایک دم بھی جُدا نہیں ہوتا	کیا محبت ہے درد کو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے	چاند کترا گیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ بُت اے دل	درگذر اس خیال باطل سے

بہادر

بہادر۔ منشی راج بہادر رئیس شہر مرزا پور آجکل کے شعرا میں ہیں اور یہ کلام کا انتخاب ہے۔

گُل چاک گریباں ہوئے نالاں ہوئی بلبل	یہ باد بہاری چلی گلشن میں کہاں سے
داغوں نے عجب سینہ میں ہے رنگ جمائے	اے دل یہ کھلے گل تیرے گلشن میں کہاں سے
بتخانہ نظر آتا ہے زاہد کو حرم و دیر	آئی ہے یہ خوبی بُت پرفن میں کہاں سے

نہ پوچھو ناتوانی اسے مریضاں ایسے وحشی کی
نہ اٹھا بار جس سے بخیۂ چاکِ گریباں کا

چاہتے ہیں ایک عالم طالبِ دیدار ہو
گھر سے جب نکلیں زمانہ بھر پہ ہم احساں کریں

موہنی ہے ان حسینانِ جہاں کی آنکھ میں
یہ نظر سب کے رہے جسے دیکھیں اُسے حیراں کریں

دو طرح کی اُس نگاہِ شوخ میں تاثیر ہے
پھر گئی تو تیغ ہے سیدھی ہوئی تو تیر ہے

کلیجہ تھام لیں مشتاقِ دید حشر میں بھی
اُسی ادا سے یہاں بھی ذرا نگاہ ملے

خط کا ہر فقرہ سوا ہے خنجر و شمشیر سے
ٹکڑے ٹکڑے دل ہے تری شوخیِ تحریر سے

خمِ قد کا ہے پیری میں اشارہ
محبت بڑھتی جاتی ہے زمیں سے

پڑھا مجنوں نے پہلے درسِ الفت
ادائے لیلیِ مکتب نشیں سے

بہا

بہا۔ حکیم بہار الدین خاں بہار شاگرد حضرتِ داغ دہلوی اصلی وطن جاورہ ہے تحصیل علم کے بعد پھر جودھپور میں رہے اب مہتمم شفاخانہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ فن سخن کی طرف اچھا میلان ہے اور کثرتِ مشق سے خاصی مہارت پیدا ہو گئی ہے۔ اُنکے مطب کا بھی اجمیر میں اچھا شہرہ ہے۔ ۳۰۔۴۰ برس کا سن ہے۔ چند شعر انتخاباً درج کئے جاتے ہیں۔

کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ رہے
مزہ تو جب ہے پلٹتی تری نگاہ رہے

وہ آنکھ کیا ہے کہ جو طالبِ نظارہ نہ ہو
وہ دل ہی کیا ہے نہ جس میں کسی کی چاہ رہے

مزہ تو یہ ہے کہ محشر میں ناصحِ ناداں
ترے ثواب سے بڑھکر مرا گناہ رہے

یہ بھی ارمان تھا تیرا گویا
دم بھی نکلا تو وہ بھی مشکل سے

آپ ہی کی ہے اس میں رسوائی
مجھکو اٹھوائیے نہ محفل سے

ہاتھ سینے پہ کیوں دھرا تم نے
تم بھی مجبور کیا ہوئے دل سے

نہیں کیا تم برا کیوں مانتے ہو
شکایت ہے مجھے گر آسماں سے

بہا کہتے ہے وہ کیوں ہو مضطر
نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

بہادر

بہادر۔ راجہ بینی بہادر مغفور صوبہ بہار۔ عالمگیر ثانی شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں بڑے نامی

محبت کے قلمرو میں اگر جاگا تو سن لیگا
کوئی آرے تلے چیرا کسو کو کوہ پر پٹکا

کہ ہے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سرو پے
تکلف بر طرف خسرو کو کیا فرہاد میں نسبت

منظور سیر لالہ جو ہو اُس بہار بیچ
پھولا ہے خوب دیکھ دلِ داغدار بیچ

کہتے ہیں عندلیب گرفتار مجھکو دیکھ
اُمید جیونے کی نہیں اس بہار میں

دل ہمارا لے کے کیوں انکار کرتے ہو حسن
کس سے سیکھے ہو تم لیکر مکر جانیکی طرح

ناز استغنا عتاب اغراض سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا سعی کرے ہو دلکو نشاط

عبث تشویش کیوں دیتے ہو گل کی طبع نازک کے
یہ گستاخی نہیں ہے خوب مت کر شور اے بلبل

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل تو

مہرباں ہو کر ملا ہے ماہرو شب بے حجاب
کیا مبارک ہے ہمیں یہ ماہ اب کے سال میں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلی کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جسکے مبتلا ہوں مرد و زن

وہی اک ریسماں ہے جسکو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں زاہد
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

ناز بیجا و لطف بے موقع
دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ

کریں ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کیجے
جو انکے ہاتھ یوں مرنا ہوا تقدیر کیا کیجے

بنا کر عشق کی سنگیں کیا ہے ہمنے عالم میں
جو ہوتا کوہ کن یاں آج کرتا تسکے مزدوری

دیکھکر کیونکر نہووے دل رقیبوں کا کباب
کس ادا سیتی صنم دیتا ہے ساغر واہ رے

کوئی کس ساتھ لیوے فصل گل میں لگو پر جائے
نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ مطرب ہے نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیا ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھ مغفرت کم ہے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابی کیا تجھکو سنا جاتی

اگر بارا پڑا دل ہاتھ سیں غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

۱؎ مثل حضرت ذکریا۔ ۲؎ مثل حضرت موسیٰ۔

جلوہ نہیں اُس بُت نے دکھایا جو بہادر	جھگڑے یہ پڑے شیخ و برہمن میں کہاں سے

بہار

بہار۔ لالہ ٹیک چند کھتری دہلوی۔ خوشگو اور سراج الدین علی خانِ آرزو کے دوست صادق۔ صاحبِ استعداد۔ سخن فہم۔ وقت پسند۔ نظم و نثر فارسی کے اُستادِ کامل اور جملہ محاوراتِ فارسی و علم لغت پر قادر و ماہر تھے۔ چنانچہ خانِ آرزو نے جو کتاب سراج اللغات لکھی ہے اُس میں اکثر اِس بحرِ فنون شعر و زبان سے مشورہ کیا ہے۔ نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج بزرگ تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ پایا تھا۔ چنانچہ نادرشاہی یورش کے زمانہ میں موجود تھے اور کسبِ کمال و تحقیق کا ذوق اس درجے بڑھا ہوا تھا کہ قتل و دار و گیر کے وقت میں بھی قزلباش سپاہیوں سے فارسی لغات محاورات کی تحقیق کرتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ ایک وہ سچے قوم اور ملک کی خدمت کرنے والے تھے اور ایک اس زمانہ کے اہل علم میں کہ باوجود ہر قسم کے اسباب و اطمینان کے اپنی مادری زبان کی درستی اور تکمیل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہر حال حضرتِ بہار کی تعریف فرطِ شہرت سے زیادہ محتاج بیان نہیں اپنے زمانہ کے عالم متبحر اُستاد و مسلّم الثبوت تھے۔ آپ نے فارسی میں وہ ملکۂ راسخہ پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ادیب و زباں داں باادب نام لیتے تھے۔ بہارِ عجم جو ایک مبسوط اور مشہور لُغت کی کتاب ہے آپ ہی کی محنت و قابلیت کا نمونہ ہے۔ رسالۂ ابطال الضرورت بھی انکی تصنیف ہے فارسی کے علاوہ کبھی کبھی ریختہ گوئی کی طرف عنانِ توجہ پھر جاتی تھی۔ ایک قدیم قلمی نسخے میں جسکی تحریر کا زمانہ ۱۱۴۸ہجری ہے چند اشعار ریختہ نظر سے گذرے۔ اُنکی زبان اگرچہ قدیم ہے اور اکثر الفاظ اب متروک ہیں تاہم بطور اُس زمانے کی زبان کے نمونے کچھ شعر تبرکاً و تیمناً درج کئے جاتے ہیں۔ کہ ایسے قادر الکلام مشاہیر روزگار کے ذکر و کلام سے تذکروں کی رونق و زینت متصور ہے۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں انتقال کیا۔

سبھی کرتے ہیں دکھوں کی قسمت سے تو دیکھیگے	صفِ محشر میں کسکے ہاتھ دامن ہوگا قاتل کا

تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ میرے تڑپنے کا
زخمیوں اور تھوڑی دیر دم بسمل میں رہنے دو

نکالے تو نکالے عیب میرے دل کے داغوں میں
جب ہی جانوں نہ وہ ہے کبھی مہ کامل میں رہنے دو

جنازہ کوئے جاناں سے نہ آگے لیچلو یارو
تھکا ماندہ مسافر ہوں اسی منزل میں رہنے دو

ایک میں ہوں سر بازار ذلیل و رسوا
ایک وہ ہیں جنہیں گھر بیٹھے حیا آتی ہے

بہار ۔ منشی سید علی قادری باشندۂ مدراس اکثر حیدرآباد دکن میں قیام رہتا ہے کچھ عرصہ جناب شریف مدراسی سے اصلاح لیتے رہے پھر حضرت امیر مینائی کے خوشہ چینوں میں داخل ہوئے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

اسرار حسن و عشق ازل میں ہیں جگہ جگہ
راز و نیاز بلبل و گل ہر چمن میں ہے

یاد مژہ کی پھانس ہے دل میں گڑی ہوئی
یہ چور بھی نیا مرے زخم کہن میں ہے

وہ کیا درد دل کا مدارا کریں گے
مسیحا ہمیں خاک اچھا کریں گے

بہار ۔ جناب نواب سید محمد جعفر حسین عرف محمد صاحب لکھنوی آپ کو حضرت فصاحت سے تلمذ حاصل ہے کلام سے خوش فکر ہونا ثابت ہے۔

کیوں کسی محفل میں ذکر جلوۂ جاناں کریں
آپ بھی حیران ہوں اوروں کو بھی حیراں کریں

ساری وقت تو یہی ہے مجھسے غافل ہیں حضور
مشکلیں پھر مشکلیں کیوں ہوں جو آپ آساں کریں

کچھ نہ کچھ دل ہی بہل جاتا ہے آؤ یا نہ آؤ
روز تم وعدہ کرو اور روز ہم ساماں کریں

قابل عبرت ہے اس گھر کی تباہی اے بہار
ہائے جسکے رہنے والے خود اسے ویراں کریں

بہجت ۔ منشی عبد المجید ۔ شیخ قلندر بخش جرأت کے زمانہ میں طالب علم تھے اور مولوی بسمل سے علوم رسمیہ کے درس لیا کرتے تھے۔ یہ چند شعر انکے ہیں۔

خورشید ہے شرمندہ ترے منہ سے قمر بھی
ہے رشک بھی گیسو سے خجل سنبل تر بھی

تہانہ دہن نقطۂ موہوم ہے تیرا
جوں خط خیالی ہے میاں تیری کمر بھی

بہجت ۔ منشی خیر اللہ پنجابی مقیم بریلی ۔ غلام علی عشرت کے شاگرد اور بڑے ظریف مزاج

بہار

بہار۔ سوامی پرمانند سرستی۔ سیالکوٹی ۱۳۱۱ھ ہجری کے گلدستۂ شعرائے لکھنؤ میں ان کی غزل چھپی ہوئی دیکھی اُسکے کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں زیادہ معلوم نہیں ہوا۔ کلام دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ طبیعت میں جولانی اور رسائی تھی آپ بہار اور عاشق دو تخلص کرتے تھے۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

میں ناچیز اسقدر ہلکا ہوں برنگ کاہ اُڑتا ہوں
مرے اس دردِ ہجراں سے دلمیں موت طاری ہے

میں بہلاتا ہوں ہر اک کھیل سے اپنی طبیعت کو
نہیں لگتا ہے لیکن دل یہ کیسی بیقراری ہے

چلے جائینگے کوچے سے خفا کیوں ہو تے ہو صاحب
ہمیں کیا عذر ہے اسمیں اگر مرضی تمہاری ہے

لگاتا ہے تو کیوں جرّاح مرہم میرے زخموں پر
اسے یہ داغ کوئی دن رہے یادگاری ہے

بہار

بہار۔ حاجی مرزا علی مرثیہ گو مخاطب بہ گلشن الدولہ خلف حاجی علی بیگ لکھنوی رشک مرحوم کے شاگرد اور واجد علیشاہ کے مقربوں میں تھے۔ مٹیا برج کلکتہ میں رہتے تھے۔ فن سخن میں بھی حضرت سلطان عالم کے خوان نعمت سے بہرہ ور تھے۔ کربلا کی بھی زیارت کرآئے تھے۔ غالباً کلکتے ہی میں انتقال کیا۔ آپ کی چند غزلیں ہم پہونچیں اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

نہ دا کو نہ ترے ناز کو بیجا جانا
جو بُرائی نظر آئی اُسے اچھا جانا

دل ہے آب آب گنا ہوں پہ خدا خیر کرے
یہ بھی بھیگے ہوئے دامن کو بھگو جائیگا

کعبہ و بتخانہ اہل معرفت کو ایک ہے
دو طریقے پر کھچا نقشہ عبادت گاہ کا

رفتہ رفتہ روح دُنیا کے مزے میں پڑ گئی
دیکھئے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا

ناتوانوں سے دبے سرکش تو تیرے زور سے
توڑ کر نکلا پہاڑوں کو ذخیرہ کاہ کا

اُٹھو گلے سے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا
تمام رات پڑی ہے بناؤ کر لینا

روکوں حضور کو میں یا تھام لوں کلیجہ
پہلو سے آپ اُٹھے اک درد اٹھا جگر میں

حسینوں کی محبت اپنے آپ وگل ہیں رہنے دو
ہزاروں نیں لاکھوں مرادیں دلمیں رہنے دو

تمہیں بھی دردِ دل کا ذائقہ معلوم ہو جائے
اگر دم بھر ہمارے دل کو اپنے دلمیں رہنے دو

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھایا دار پر ۔ اسلئے رہتے ہیں ہر دم واقفِ اسرار چپ

حشر برپا ہوا خرام نکر ۔ نہ خدا سے تو قتل عام نکر

یہ ستارے نہیں روشن ہیں ہزاروں ہجت ۔ دید کو اسکے فلک نے ہیں بنائیں آنکھیں

بندے ہیں بت کے پیر مغاں کے مرید ہم ۔ مذہب ہمارا عشق ہے اور کچھ خبر نہیں

غضب میں ہوں میں اس سے دیکھیے اب کس کس کو چھوڑیں گا ۔ نگہ کو ناز کو ابرو کو لب کو رخ کو مژگاں کو

ہوا ہوں یا تو میں عاشق بتوں کا چھوڑ کر ہجت ۔ پیمبر کو خدا کو دین کو ایماں کو قرآں کو

تلاش دل میں جاتا ہے یہ اے چشم ۔ نہ روک اس قاصدِ اشکِ رواں کو

بیٹھے ہیں اس در پہ تو کئے ہم اور رولنے دیا دو ۔ کوئی خدا لگتی نہیں کہتا انکو اندر آنے دو

ہے مجازی عشق میں جان و دل و دیں کا خطر ۔ بہجت ایسی راہ چل جسمیں خطر کوئی نہو

اک گھٹا دل پہ چھا گئی غم کی ۔ تیری بدلی ہوئی نظر کو دیکھ

بہرام

بہرام۔ نواب خسرو قدر بہادر بہرام شاگرد میرزا یوسف علی ماہر۔ خاندان نواب ناظم مرشد آباد سے ہیں۔ اور کبھی کبھی اسطح فکر سخن کرتے ہیں۔

بے محل بیہودہ بکنے سے ہوا خالی دماغ ۔ کسلئے ہو جائے واعظ کا نہ دیوانہ مزاج

قیس کو کچھ بھی نہ تھی اپنے سراپا کی خبر ۔ عشق نے ایسا بنا رکھا تھا دیوانہ مزاج

بیان

بیان۔ خواجہ احسن اللہ۔ انکا اصل وطن کشمیر تھا۔ گر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کے کہلائے۔ حسن صورت و سیرت دونوں سے کافی بہرہ پایا تھا فن سخن میں مرزا مظہر جانجاناںؒ کے شاگرد اور مسلک طریقت میں مولانا فخرالدینؒ سے بیعت تھے ۱۸۰۰ء میں سرکار نواب نظام علیخاں نظام الملک والی حیدرآباد دکن کے ملازم تھے۔ اور بڑے اعزاز سے رہتے تھے اصول فن شاعری سے باخبر اور بڑے خوش کلام۔ تیز طبع۔ مشاق۔ سخن سنج و سخن ور تھے کلام میں نمکینی و رنگینی غضب کی ہے۔ تمام کلام میں دور از قیاس استعارات اور پیچیدہ بندشوں سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ کہا ہے صاف ستھری زبان میں کہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ سادگی میں

زندہ دل نوجوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے وقت نوجوان تھے۔ پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اُنکی حرکات دیکھکر لوگوں کو بیساختہ ہنسی آتی تھی۔

ہر دم جو تجھکو کہتا ہے چل کوئے یار کو	ناصح یہ کیا ہوا ہے دلِ بیقرار کو
جڑاؤ کان میں ہر چند ہر مہوش کے بالا ہے	ترے بالیکا پڑے مہروش عالم نرالا ہے

بہجت

بہجت منشی نتھن لال ولد لالہ کشن چند قوم کالستھ متوطن قدیم بھوپال بجادوں بدی سمت ۱۸۹۱ میں بمقام سرونج ضلع مالوہ پیدا ہوئے مگر تعلیم اور تربیت ٹونک میں پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد نواب عبدالکریم خان مرحوم خلف نواب میر خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوکر اجمیر گئے اور ۳۰ برس تک بکمال دیانت وولدہی وراستبازی اُنکا کام کرتے رہے ۱۸۸۶ء میں اپنے آقا کے انتقال کے بعد پنشن یاب ہوکر متولی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی کے دفتر میں ملازم ہوگئے بڑے حلیم الطبع پابند مذہب دیانتدار اور کارگذار شخص تھے۔ شعر گوئی میں اصلاح کسی سے نہیں لی۔ ذاتی استعداد اور موزونی ہی مصلح ہوجاتی تھی مندرجہ ذیل کتب اُنکی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ انشار فارسی۔ دیوانِ فارسی۔ دیوانِ اردو۔ قصایدِ اردو فارسی۔ سنگیت مال منظوم جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ کاتک بدی سمت ۱۹۵۹ کو بعمر ۶۸ سال جودہ پور میں انتقال کیا آپکے بیٹے لالہ دیبی پرشاد ریاستِ جودہ پور میں منصف ہیں اشعارِ ذیل آپکی فکر رسا کا نتیجہ ہیں ملاحظہ ہوں۔

ستمگروں کی گلی میں گیا سو پھر نہ پھرا	عدم کو جو کہ رواں ہوا سو پھر نہ پھرا
چلا یا ہوش وحواس اور طاقت وصبر وقرار	ساتھ دل کے کیا کہوں اک قافلہ جاتا رہا
طفیلِ اہلِ انگلش ہند میں پیدا ہوئی ہر صلح	خدا جانے تجھے کیوں قصد ہے مجھ سے لڑائی کا
زیرِ فلک جو شب کو اک ابر سا اٹھا تھا	دودِ سیاہ یارو اپنی ہی آہ کا تھا
برقِ نظر سے تیرے کوچے میں حشر سا تھا	کوئی تو مر گیا تھا کوئی تڑپ رہا تھا
یار آتا نظر نہیں آتا	غم یہ جاتا نظر نہیں آتا
کوئی دشتِ جنوں کی سیر سے بعد	خاک اڑاتا نظر نہیں آتا

تقلید گریباں کی رو یا بھی تو تو پھر کیا
سیرت سے کہ ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا

نکلا ہے لالہ خاک سے کہ نیچے سے سرخ سرخ
اسکے
عالم کو لعل و گوہر و تاج دلوا دیا

اُسکا ادا سے شکریاں کیونکہ کر سکوں
کب تلک اُسکی شکایت ہو نہ سب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ ست بیگانہ ہو گیا رگی
کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق میں مجھکو
دیکھا تھا اپنے یار کو پہلو میں غیر کے

از کہا سنگدل تو ہی نہیں ہے
گل کی حسرت سے مرے دلمیں سدا خار رہا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
مرتا ہوں غمگساری جواب نہیں تو پھر کب

برسے ہے ابرِ رحمت ساقی کدھر ہے مینا
جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی

دل تھا گھر ہمارا گم اسے بیاں ہوا ہے
یار نے جیسے اُٹھایا اپنے چہرہ سے نقاب

یہ حسابِ دوستان در دل مثل مشہور ہے
خان وہاں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن یہاں

کل تو آویگا ہی آخر غرّہ ماہِ صیام
پر لحنت دل شرہ میں کیونکر پڑ سکیگا

سُرخ و سفیدمائی کی صورت ہوئی تو لیا
رنگیں ہوا شہید و نکے خوں میں نہا نہا

اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا
جس نے اُٹھا کے خاک سے انسان کر دیا

ایک بیگانہ ہے مجھسے اور سب سے آشنا
دیکھ تو اے شوخ میں تیرا ہوں کب کا آشنا

پہونچا ہے مگر دل تجھے پیغام کسیکا
اُنہوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا

یہ طرفہ ترزا ہے کہ خنجر بھی پاس تھا
ہمارا دل بھی پتھر سا کبھی تھا

عمر بھر میں تو قفس ہی میں گرفتار رہا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا

اے یار مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب
ہنگام بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب

آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب
ہو مجکو بیقراری جواب نہیں تو پھر کب

طعن کرنے مرے آتا ہے ناصح کو حجاب
پر عجب ہیں دوست جو دلمیں بھی کرتے ہیں حساب

اب یہی ورد ہے یہی گھر خانۂ الفت خراب
آج تو پی لیجئے من مانتی ساقی شراب

بھی وہ آن بان نکالی ہے کہ کیا کہئے حق تو یہ ہے کہ سیدھی سادی زبان میں مضامین کا پایا کا گرنے نہ پانا خالی از کمال نہیں ہوسکتا۔ بعض بعض جگہہ تو ان کے کلام میں میراور درد کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے گو انکے کلام کی شہرت کماحقہٗ نہیں ہوئی۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اُردو زبان کے پودے کو سینچنے والے ضرور اُسکی داد دینگے۔ رباعیات میں خصوصیت کے ساتھ ایک انداز دلکشی پیدا کیا ہے۔ قصیدے بھی لکھے ہیں اور گو صرف دو ہی لکھے ہیں۔ لیکن دکھا دیا ہے کہ اس میدان میں بھی بیان کا توسن فکر ساجیسی چاہیے جولانی دکھا سکتا ہے۔ آخرش بڑی عمر پاکر حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔ انکے شاگرد لالے گلاب چند ہمدم نے تاریخ کہی ہے۔ "اُستاد از جہاں رفت" ۱۲۱۲۔ معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی مضامین بھی عجیب نفاست سے نظم کیے ہیں۔ ان کا قلمی دیوان راقم کے کتب خانے میں موجود ہے اور اُسکا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

قفس میں ہر بلائی کیلئے کیا کیا نہیں کرتا	تڑپتا ہوں پھڑکتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا
ہمدم نہ فکر کر یہ میرا کام ہوچکا	جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہوچکا
آتا ہے ننگ تجکو مرے نام سے عبث	اے شیخ اب تو شہر میں بدنام ہوچکا
کیا کیجیے بیاں اُسکے وجوب اور قدم کا	طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا
بندے سے ثنا حضرتِ اُستادؔ کی کیا ہو	مظہر ہے خداوند کی وہ شان نعم کا
مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح	لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر	دلمیں شیریں کے ایک گھر نہ کیا
کیا غبار اُسکے دل میں تھا کہ بیاں	خاک پر بھی مری گذر نہ کیا
سب کچھ بیان سے تب ہم جانیں ہوسکیگا	جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکیگا
جس دل کو فرش گل پر آرام تھا نہ اِک دم	بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکیگا

لہ مراد ہے حضرت جانجاناں مظہر سے۔

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا
کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک

نپٹ یہ بیاں کا برا حال ہے
تغافل ارے بے خبر کب تلک

یہی دن ہے ملتا ہے تو اُس سے مل
کہ جینا نہیں آج کی شب تلک

ادب سے یار کے دل میں نفس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس ہی میں ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
ڈرا جاتا ہے کیوں اتنا لگا اک تو پڑا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیاں کس منہ سے مانگے اس سے اپنا خوں بہا بسمل

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں
دل پہ میرا کچھ اختیار نہیں

وہ نگاہیں جگر میں پیر گئیں
کونسا وار ہے کہ پار نہیں

وقت آنے کا اپنے تو مت پوچھ
مجھکو کس آن انتظار نہیں

جھانک تک باغ دل میں اپنے بیاں
اس چمن میں بھی کم بہار نہیں

چراغ صبح ہوں یا آفتاب وقت آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں کوئی دم کا مسافر ہوں

ہوس اسباب آزادی کی سب برباد کرتی ہے
گرفتار علائق اے ہوا میں تیری خاطر ہوں

گر میری خبر پوچھیں بیاں حضرت آصف
کہیو اوسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں

کافر ہوں اس سے زیادہ گر کوئی آرزو ہو
اک نے خلل سی جا ہو واں میں ہوں اور تو ہو

ہمیشہ کہتے ہو مجھ سے کہ بیوفا تم ہو
خدا ہی جانے پرے جا نہیں ہوں یا تم ہو

ہرچند کہ گل بستر گلزار بہت تحفہ
دل لگے اگر اپنا تو خار بہت تحفہ

جا کہو کوئے یار میں کوئی
مر گیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا
سر رکھے اس کنار میں کوئی

کون کہتا ہے بیوفا تجھکو
جھوٹ ہے افترا ہے تہمت ہے

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے
اے ساکنان کوئے بتاں ہم تو یہاں رہے

کیا دیکھتی ہو دلکو مرے تم اولٹ پلٹ
آیا ہے گر پسند تو اے مہرباں رہے

اپنی مخموری سے اے واعظ نصیحت کیا مجھے
تو تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے
کیا امنگیں دل میں آتی ہیں بیاں میں کیا کہوں
پوچھتا کون ہے ڈرتا ہے تو اے یار عبث
تو بزم سے اٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
خم جسکے پاس ہے وہ فلاطو سے کم نہیں
کہتا نہیں میں عرش پہ اے نالے جا پہنچ
مشتِ غبار کو مرے واں ہووے کیا پہنچ
کہاں یہ ہاتھ مرا اور کہاں وہ دامن پاک
وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھا
عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آسکتی نہیں
اے مسیحا مجکو تو زندہ نکر
جز خدا آشنا نہیں کوئی
ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار
ازبس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر
صاف منہ پر میں نہیں کہتا کہ ہوگا اُسکے پاس
جو نہوا اُس شمع رو کے عشق کا سینے میں داغ
آتا ہے جی کو دیکھ کے جوشِ بہار حیف
یا تنگ ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
میں لبکہ خاک میں ترے کوچے کی ملگیا
ہو دیگا ذوق حسرت دیدار میں خلل

واقعی ہے آج سمجھا بد ہے انجام شراب
یار کی آنکھوں نے مجکو کر دیا یکبار مست
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجکو وہ بیخود مست
قتل کرنے سے مرے ہے تجھے انکار عبث
میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج
جمشید ہے وہ جسکو میسر ہے جام آج
کانوں تلک تو اُسکے تو اے نارسا پہنچ
جسکی گلی میں رکھتی نہو اے صبا پہنچ
تمہارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ
قلم کے بن کو لگے آگ اور جلے کاغذ
رحم آتا ہے بیان اب مجھکو اپنی مستی پر
اُن لبوں کے منہ سے نشہ شدہ نکر
کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دور
پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
اکثر ہوئی ہیں دل کی باتیں ظاہر
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہر یار جسکے پاس
کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ
اے عندلیب تو ہے قفس میں ہزار حیف
نکلے ہے اُسکے منہ سے بھی نے اختیار حیف
تسپر بھی ترے سکے دل میں ہے مجھسے غبار حیف
شیریں گذر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش
اور نکلے تو آن میں نکلے

قطعہ

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے
لیکن اسکا نباہ مشکل ہے

ترک مشکل نباہ مشکل ہے
سخت کافر نہ چاہ مشکل ہے

جو گل کی قفس میں خبر جائے گی
تو کیا اُن سے کے بلبل نہ مرجائے گی

بیاں کا یہ پیغام لے جائیو
صبا اُسکے کوچے میں گر جائے گی

جو ہم بن تمہاری گذرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گذر جائے گی

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ
دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی

آفریں صبر کو بیاں تیرے
مرگیا ضبط سے پر آہ نہ کی

بت خود کام چلا جاتا ہے
صبر و آرام چلا جاتا ہے

عمل نیک سدا رہتا ہے
جسم نہیں جام چلا جاتا ہے

ہے کدہر قیس کدہر ہے فرہاد
عشق سے نام چلا جاتا ہے

عشق میں صبر کی دولت سے بیاں
بارے کچھ کام چلا جاتا ہے

مجھے غم سے اسواسطے پیار ہے
کہ میرے برے وقت کا یار ہے

مری ناؤ پہونچی ہے منجھدار
تری اک توجہ سے بس پار ہے

ہزاروں قصر جنت کی برابر میں سمجھتا ہوں
اگر گردوں دوں آسودہ زیر خاک رہنے دے

فرشتوں کی عبادت کا مصلی ہے مراوان
اگر آسودگی دنیا کی اسکو پاک رہنے دے

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کر لے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کر لے

اپنے نہ دامن میں گہر چاہیے
اشک کے قطروں میں اثر چاہیے

ہائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں
خانہ نشینی کو بھی گھر چاہیے

دام میں جو شخص کے اپنے پھنسے
اوسکی کبھو لینی خبر چاہیے

دل تجھے جیسا کہ خدا نے دیا
مجکو بھی ویسا ہی جگر چاہیے

فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت ۔ اب کونسی جگہ ہے کہ جسمیں بیاں رہے

بیاں کون ہے اب تلک پوچھتے ہو ۔ تغافل کے قرباں تجاہل کے صدقے

مت آئیو اسے وعدہ فراموش تو اب بھی ۔ جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں ۔ نومید بھی ہو کہ خدا کارساز ہے

قطعہ

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی ۔ ظالم یہ تیری نگاہ کیا تھی

کید ہے کہاں سے خوشدلی تو ۔ ہم سے بھی کبھی تو آشنا تھی

شیریں بھی تجھی سے تھی ستمگر ۔ لیلی بھی اگرچہ بیوفا تھی

فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم ۔ مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی

ارا ہے بیاں کو جس نے اے شوخ ۔ کیا جانئے کونسی ادا تھی

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہے ۔ آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے

رسوا نکر خدا سے ڈر اے چشم تر مجھے ۔ آتا ہے اُس کی بزم میں بار و گر مجھے

خدا کرے کہ خفا ہو کے جی نکل جاوے ۔ کہیں شتاب یہ قصہ چکے خلل جاوے

میں وہ نہیں کہ ترا جا بجا کروں شکوہ ۔ ترے فراق میں گو جی مرا نکل جاوے

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں ایکبار ۔ دونوں جہاں کی فکر سے کر بیخبر مجھے

آیا ہوں اُس گلی سے ابھی دم لیا نہیں ۔ پھر لیچلا ہے یہ دلِ وحشی اُدھر مجھے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں ۔ شام سے لیکے صبح تک وہ میں نہیں رہی

بھر عمر ہمنے ضبط کیا ایک وقتِ نزع ۔ بے اختیار آنکھو نسے آنسو نکل پڑے

تھا حکم شرع عشق کہ ہرگز نہ رو بیاں ۔ گو ضبط گریہ سے نہ ترے جی کو کل پڑے

شبِ فراق کی وحشت سے جان جاتی ہے ۔ یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات جاتی ہے

الجھہ دیکھو دامن سے اسکے بھی ہاتھو ۔ یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہووے

بوسے کے نام ہی پہ لگے کاٹنے زباں ۔ کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھ گئی

شایع نہیں ہوا ہے تاہم اکثر غزلیں زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ ساٹھ سال کے قریب عمر پاکر سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام میرٹھ انتقال کیا۔ اب کلام ملاحظہ ہو۔

سارے جہاں کے دل میں تیرا مقام نکلا
ہر ایک شے میں پنہاں تیرا مقام نکلا

تو مجھ سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا
توڑا جو بتکدہ کو بیت الحرام نکلا

اُنکا منجملۂ اربابِ وفا ہو جانا
میرے نزدیک ہے بندے کا خدا ہو جانا

سرِ شوریدہ پائے وحشت پیما شامِ ہجراں تھا
کبھی گھر تھا بیاباں میں کبھی گھر میں بیاباں تھا

گئے تھے روندنے دلکو لئے بیٹھے ہیں تلوؤں کو
فرو رگ رگ میں نشتر تھی نہاں نس نس میں پیکاں تھا

نکھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے
کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

یہ ہے شامِ فرقت یہ ہے شامِ فرقت
نہ ہوگی نہ ہوگی سحر دیکھ لینا

وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اپنا تعلق
ادھر دیکھنا پھر اُدھر دیکھ لینا

مگر وقتِ نزع میں صیدِ بے بال و پر ہوں
اُڑے گی نہ اصلا خبر دیکھ لینا

جو سو ہچکیاں لیکے آئی ہے لب تک
اُسی آہ کا تم اثر دیکھ لینا

تو ہی اے تیشۂ فرہاد بتا دے کوئی چال
ان بتوں کے دلِ سنگیں میں ہوں راہیں کیونکر

شمع کہتی ہے میرے سر سے دھواں اُٹھتا ہے
تو نے روکیں دلِ پرسوز میں آہیں کیونکر

ہماری نعش کا احساں رہیگا محشر پر
کہ منحصر ہے قیامت کسی کی ٹھوکر پر

کبھی رُکا ہے اگر دستِ نازنین اسکا
تڑپ کے ہم نے گلا رکھ دیا ہے خنجر پر

اُسے قرار نہیں اور مجھے قرار نہیں
مرے قدم کے تلے آگ شمع کے سر پر

مجھے بھی نقدِ آمرزش کی محشر میں ضرورت ہے
شہنشاہا کمی کیا ہے تری سرکارِ رحمت میں

جہاں پرشور ہے ابدال پڑا رہ کنجِ عزلت میں
کہیں مارا نجائے جنگِ ہفتاد و دو ملت میں

تعصب سینہ سوزِ شیخ ہے پانی چھڑک ساقی
بھڑکا جاتا ہے زہدِ خشکِ مذہب کی حرارت میں

کلیسا میں محبت کی ادا بن گئی تو تو
حرم میں پہونچکر خدا بن گئی تو

بس ہے بیان حسرت دیدار اور	کیا تجھے اب خاک بسر جیا ہے

بیان

بیان - سیاح ملک ہمہ دانی سید محمد مرتضیٰ بیان یزدانی شاگرد رشید سید احمد حسن فرقانی میرٹھ کے نامور اور قابل شعرامیں تھے۔ استعداد علمی بہت معقول اور فن سخن میں دستگاہ کامل حاصل تھی مزاج بہت آزاد اور بے باکانہ پایا تھا نظم و نثر پر قادر تھے مبدء فیاض سے شعر گوئی اور سخن فہمی کا نہایت شستہ اور صحیح مذاق آپ کو ملا تھا۔ فارسی کلام سے نہایت ذوق تھا اور اُسمیں نہایت قابلیت کے ساتھ داد سخنوری دی ہے۔ جملہ اصناف سخن پر قادر تھے۔ ایک عجیب کمال ان کی قادر اور ہمہ گیر طبیعت میں یہ تھا کہ جس رنگ میں چاہتے فکر سخن کرتے اور پھر یہ نہیں کہ صرف قافیہ پیمائی ہو بلکہ فی الحقیقت اُس رنگ میں اپنی زور طبیعت سے وہ وہ اختراعیں کرتے کہ سننے والے حیران رہجاتے۔ مثلاً ان کے بعض شعر مرزا غالب کے رنگ میں ایسے لاجواب ہوتے تھے کہ اجنبی کو مرزا غالب کے کلام کا دھوکہ ہو جاتا تھا۔ الغرض یہ جوہر کامل گوشۂ گمنامی میں رہکر جس شہرت کا مستحق تھا اُسے حاصل نہ کرسکا ایک عرصے سے کچھ دماغی عوارض میں مبتلا تھے۔ وہ عارضہ بظاہر وہم سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ روشنی میں بلا وجہ بدرجہ غایت اذیت پہنچتی تھی۔ چنانچہ سالہا سال اس وہم میں حجرے سے باہر نہ نکلے اور آخر عمر تک اسکا اثر باقی رہا۔ اسی طرح بغیر میانہ کے پاپیادہ گھر سے کبھی باہر نہ جاتے تھے۔ عرصہ دراز تک طوطی ہند کے اڈیٹر رہے اسکے علاوہ جلوۂ طور وغیرہ اخباروں میں مدتوں اپنے نادر مضامین سے ارباب مذاق کی خدمت کرتے رہے۔ آپ کے مضامین نہایت وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ باوجود امراض اسکے ہمت و خیال پر ہزار آفریں ہے۔ کہ کبھی وقت قلم ہاتھ سے نہ چھوٹا طبیعت ہر وقت حاضر رہتی تھی آخر میں لسان الملک نامی ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا جس میں اکثر انکا اور انکے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا اور کچھ نثر بھی ہوتی تھی۔ مولانا حالی کے مسدس کے جواب میں آپ نے بھی ایک مسدس لکھا تھا جو چھپ چکا ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے مگر ہنوز

ازل سے اکتساب اندوزِ استادِ ازل ہوں میں | بیاں تائیدِ سبحاں ہو تو کیا سحبانِ وائل ہے

سیہ روزی سے میری چرخ اسیرِ بندِ مشکل ہے | کہ طشتِ خور میں کافورِ سحر کی پاس فلفل ہے

حجابِ قالبِ خاکی ہے جبتک دید مشکل ہے | مکانِ عاشق و معشوق میں دیوار حائل ہے

مزہ پھرتا ہے ہونٹوں پر تلاشِ خونِ بسمل ہے | زباں بگڑی ہوئی ہے کیا چھُری تیغِ قاتل ہے

چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربارِ قاتل ہے | کسیکا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے

تڑپ جاتے ہیں اُنکے خالِ رخ کو دیکھنے والے | نکردے نیم بسمل کیوں کہ تل بھی نیم قاتل ہے

نگاہِ یاس کی پھریوں نے نے چھوڑا قصاص اپنا | جو قاتل تھا وہ بسمل ہے جو بسمل تھا وہ قاتل ہے

مری صورت سے ہے خود صورت سوالِ دیدِ جاناں کی | ہیں کچکولِ گدا آنکھیں تو مژگاں دستِ سائل ہے

ستارے صورتِ پروانہ کسکے گرد پھرتے ہیں | الٰہی کون فانوسِ فلک میں شمعِ محفل ہے

میر اول اے بیاں مجنوں ہے اُس لیلیٰ شمائل کا | غبارِ عالمِ ایجاد کسکی گردِ محمل ہے

قیامت آگئی قاتل ترا کشتہ نکلتا ہے | غریقِ آبِ خنجر بر لبِ ساحل نکلتا ہے

خدا ملتا نہیں ہرگز خودی مٹتی نہیں جبتک | یہ پردہ عاشق و معشوق میں حائل نکلتا ہے

ازل سے جوہر استاد دل غریقِ آبِ خنجر ہے | ہزاراں صورتِ ماہی مرا گھائل نکلتا ہے

بیاں کہدو قیامت سے اوٹھا لیجائے حشر اپنا | ہزاروں حسرتیں لے کر ہمارا دل نکلتا ہے

گھبرا کے جہاں سے یہ ستم کش ترے گھر جائے | اور ہو ترا بند تو تبلا کہ کدھر جائے

رشک آئے ہے غمخوار مرا حال نہ کہنا | میں جا نسکوں واں تلک اور میری خبر جائے

مبارک

مبارک - حکیم میر نجف علی - وطن ملک عرب اور مولد کوئل (علیگڈھ) تھا کچھ عرصہ دہلی میں رہے اور حضرت مصحفی کے تلمذ سے فیضیاب ہوئے - طب میں اچھی دستگاہ تھی یہ ان کے اشعار ہیں -

ہم کو لیل و نہار نے مارا | گردشِ روزگار نے مارا

ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے | روز کے انتظار نے مارا

یہ پردے کی ہے بات نکلے نہ کوئی
کہ پردے میں کیا جانے کیا بنگئی تو

لگائی ہے لو تجھسے اُجڑے ہوؤں نے
اندھیرے گھروں کا دیا بن گئی تو

ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے
ہر اک درد و دکھ کی دوا بن گئی تو

بیان کے سوا تو نے سب سے نباہی
یہیں آنکے بے وفا بن گئی تو

سمائی ہے آنکھو نمیں یکتائی اوسکی
وہ احول ہیں جن کو دوئی سوجھتی ہے

تہمتِ قتل مٹائے سے نہیں جانے کی
خونِ ناحق مرا سُرخی ہے ہر افسانے کی

اب مجھے کھو کے نہ رو رو کہ اگر رو یگی شمع
جان پڑ جائیگی کیا راکھ میں پروانے کی

اثرِ سوزشِ تاثیرِ محبت مت پوچھ
ہو گئی شمع سے ستی آگ میں پروانے کی

جلوے سے ڈالدیا چشمِ تماشہ پہ نقاب
یہ نئی وضع ہے ظالم ترے شرمانے کی

جیت کیا جانے دمِ ذبح کدھر کی ہوتی
نگہِ یاس سے گر تیغِ نظر کی ہوتی

اے فلک گردشِ ایام کا کیا رونا تھا
وصل کی رات اگر چار پہر کی ہوتی

جگاتی ہے چھینٹوں سے تو غافلوں کو
رگوں میں لہو بنکے تو دوڑتی ہے

اُٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو
ترے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے

ادا دانِ فسوں کاری خمارینِ چشمِ قاتل ہے
زنخداں مکتبِ تعلیمِ سحرِ چاہِ بابل ہے

شہادت منزلِ مقصود ہے ملاح قاتل ہے
یمِ مواجِ بیتابی دمِ شمشیرِ ساحل ہے

تگ و تازِ سمندِ جسم تا ایوانِ قاتل ہے
اُترے اے سرِ شوریدہ اب نزدیک منزل ہے

فنا دامنگیرِ جسم و جاں ہوا ہے دشتِ الفت کی
جنونِ قیسِ بیاباں گرد کو فرہاد کو سِل ہے

اگر سمجھو تو سمجھے گیسوؤں کا سلسلہ ہم تک
ازل سے پیش پا افتادہ مضمونِ سلاسل ہے

نگاہِ یاس سے کیا تاک کر چھریاں لگائی ہیں
لہو میں لوٹتی ہے تیغ خنجر نیم بسمل ہے

جلی ارض و سما پر آتشیں تیغِ دو دم کس کی
کہ سینہ ماہ کا زخمی گلہ ماہی کا گھائل ہے

غمِ الفت گلوگیرِ نفس ہے پھیر دو خنجر
تمہیں آسان ہے مشکل ہمیں آسان مشکل ہے

دعویٔ خوں کہاں نکالا اپنی تو یہ دُعا ہے
رو یہاں بھی ہو نہ میلا قاتل کی آستیں کا

لو مری جانِ حزیں جاتی رہی
ہو گیا جو کچھ تمہیں منظور تھا

ناتواں قیس نازنیں لیلیٰ
کون پردہ اٹھائے محمل کا

موت آئی نہ مجھکو ہجر کی شب
درد اُٹھا مگر دوا نہ ہوا

جواب حشر میں ہو شانِ کبریائی کا
خدا کے سامنے دعویٰ کرو خدائی کا

ایک کو ایک کے جلوے سے ہوئی ہے حیرت
عکس آئینہ میں حیران وہ ششدر باہر

کہاں تک اب نہیں ہوگی نہیں پر
کرم کیجے دلِ اندوہگیں پر

ہوا کیوں عشق میں دشمن ہمارا
مگر ناصح بھی مرتا ہے انہیں پر

کچھ لذتِ وصال اُسی کو ہوئی نصیب
جو نامراد کھیل گیا اپنی جان پر

آبِ بقا نہیں کہ دمِ جانفزا نہیں
مشتاق چاہئے ترے خنجر میں کیا نہیں

کیوں نگاہِ لطف کا احسان لوں
کیا مزا کم ہے مجھے بیداد میں

عیشِ عشرت میں گذرتی ہے عجب راحت میں ہوں
محفلِ جاناں میں ہوں یا جیتے جی جنت میں ہوں

نعرۂ مستانہ لب پر وجد کی حالت میں ہوں
جب سے دیکھی ہے وہ چشمِ مست کیفیت میں ہوں

اُسکے جلوے نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا
عالمِ حسرت سے نکلا عالمِ حیرت میں ہوں

دل حشر میں بھی یار کے قدموں پہ پڑا ہے
آفت کی محبت سے قیامت کی وفا ہے

وعدۂ فردا یہ وہ بیتاب مجکو دیکھکر
ہنسکے فرماتے ہیں کیا ایسی قیامت دور ہے

ہم کیوں نہ کہیں حالِ دلِ زار تجھی سے
جو دوست ہو ہوتی ہے شکایت تو اسی سے

کیسا غمِ ہجر آرزوئے وصل کہاں کی
اپنی تو خوشی ہے مری جاں تیری خوشی سے

اب اسکو وہ تڑپائیں کہ آرام سے رکھیں
کچھ ہم کو غرض دل کی بُری سے نہ بھلی سے

مجبور ہوئے حضرتِ ناصح تو یہ بولے
اتنی ہی کسی کو نہ محبت ہو کسی سے

وقت آئے مری جان تو پھر ناز سے چلنا
کیا حشر اٹھانیکا ارادہ ہے ابھی سے

واد خواہوں سے گھر گئے رستے	اُس کا جس کوچے سے گذار ہوا
صیاد یہ ہوس ہے دلِ داغدار میں	گلپوش کر قفس کو مرے تو بہار میں

بیباک

بیباک۔ مولوی سید حسین احمد صاحب۔ آپکے والد شاہ تجمل حسین صاحب قادری شاہجہانپور میں صاحب سجادہ اور ایک معزز سرگروہ مانے جاتے ہیں۔ جناب بیباک کی زمانۂ طالبعلمی مختلف مقامات میں گذرا۔ اب ۳۵-۴۰ کے درمیان عمر ہے۔ شاعری کا اچھا مذاق ہے۔ فکر کی رسائی۔ اور زبان کی صفائی مزید برآں ہے۔ آپ کو حضرتِ داغ دہلوی سے ارادت تھی۔ مشق کم ہے لیکن جب کہتے ہیں تو اچھا کہتے ہیں۔ معاش کیطرف سے بدرجۂ اوسط بے فکر ہیں۔ باوجود کوشش صرف چند ہی غزلیں ہم پہونچیں اونکا انتخاب درج ذیل ہے۔

دنیا کی نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج ہے دیں کا	مشرب ہے تو رندانِ خراباتِ نشیں کا
تو کوچۂ دلدار اگر دیکھ لے واعظ	واللہ کبھی نام نہ لے خلد بریں کا
کیا کیجئے بیباک وہ دل تنگ سے رہتے ہیں	ہاں کرتے ہی بنتی ہے نہ موقع ہو نہیں کا
کہاتے کہاتے ہجر میں اُکتا گئے	اے فلک اب کہدے کتنا غم رہا
کچھ تذکرہ کسی کا احوال کچھ کہیں کا	دل چھیڑتا ہے فسانہ میرے دلِ حزیں کا
واعظ کے دل میں بھی اب گھر کر لیا تو نے	کعبے میں بھی عمل ہے ان دشمنانِ دیں کا
ساقی کے عکسِ رخ کی ادنی ہے یہ کرامت	پیمانہ میں دکھاوے وہ چاند چودھویں کا
بس بس معاف رکھو ہم خوب جانتے ہیں	جو تم سے میل رکھے رہتا نہیں کہیں کا
آخر نہ رنگ لائی آشفتگی کسی کی	دیکھو تو حال اپنے گیسوئے عنبریں کا
کرتا ہوں کب سے سجدہ اُس بُت کے آستاں پر	مٹجائے اب تو یارب لکھا ہری جبیں کا
ہمکو تو سند واعظ اللہ تجھے سمجھے	کرتا ہے جس مزے سے تو ذکر حور عیں کا
ناصح یہ سچ ہے لیکن کیا اپنا حال دیکھوں	آنکھوں میں تو ہے جلوہ اُس شکلِ دلنشیں کا
ہر شے تو کھنچ رہی ہے تیری طرف مریجاں	مانا گیا ہے پھر کیوں ساکن کُرہ زمیں کا

بیتاب - مرزا خداوردی خاں دہلوی نواب سعادت یار خان رنگین (جو ایک مشہور شاعر اور میر انشا کے دوست تھے) کے حقیقی چھوٹے بھائی اور دہلی کے خوشباش لوگوں میں تھے فن سخن میں آپ نے میر نظام الدین ممنون سے استفادہ کیا تھا۔ یہ دو شعر آپ کے ہیں۔

آپکا قصد ہے پھر غیر کے گھر جانیکا
فائدہ کیا ہے ابھی ہمسے قسم کھانے کا

مجھسے کہتا ہے وہ ہر دم اپنا خنجر دیکھکر
قتل کیجے تجکو جی چاہے ہے اکثر دیکھکر

بیتاب - لالہ کشن نراین بیتاب قوم کے کھتری اور بنارس کے رہنیوالے تھے۔ اکثر آگرہ میں بھی قیام رہا کرتا تھا۔ ایک عرصہ دراز تک سابق مہاراجہ نیپال مقیم بنارس کی سرکار میں مختار رہے خوش فکر اور موزوں طبع شاعر تھے۔ صفائی روزمرہ کے علاوہ اخلاقی مضامین میں اچھے اچھے نکالے ہیں۔ اور خوش کلامی کی داد دی ہے۔ بیس برس کے قریب ہوا انتقال کیا۔ دیوان کا انتخاب درج ذیل ہے۔

قضا سے دام تن میں ہے مقید مرغ دل ورنہ
یہ وہ گلشن جنت میں جس کا آشیانہ تھا

کھو دیا دکھ درد چشم یار نے مجھ زار کا
کام نکلا دیکھنا بیمار سے بیمار کا

رشتۂ وحدت کی دیکھو تو دورنگی کو ذرا
شیخ قائل سبحہ کا ہے برہمن زنار کا

پیش ابرو سر جھکا ہے گیسوئے پرتاب کا
کرتے ہیں کافر بھی سجدہ کعبہ کی محراب کا

آبرو کب پائیں وہ بیتاب جو بے علم ہیں
مرتبہ ہوتا نہیں کچھ گوہر بے آب کا

مجھ زار سے کہتا ہے وہ ہنس ہنس کے دم نزع
گل ہونا ہی اچھا ہے چراغ سحری کا

شمع رو کیا کہیں جو عشق میں تیرے دیکھا
ہمنے وہ دیکھا جو پروانے نے جلکر دیکھا

گھر سے باہر کبھی آنیکا وہ دلدار نہیں۔ نکلا کرنا گھر ولا
خانگی شوخ ہے کچھ یوسف بازار نہیں۔ خام سودے سے ذرا

ماہ گیسو میں چھپا ہے جو دلا رو سے صنم۔ اس میں گھبرا ہے ہم
صبح ہو جائیگی رہنے کی شب تار نہیں۔ صبر کر صبر ذرا

میں تو سمجھا تھا صبا ساتھ کو تیرے بہتر۔ یہ ہوا آکے میں فرز
خاک بھی پہنچی مری تا بدر یار نہیں۔ یہ غفلت برباد ہوا

کہنے کو تو کہتا ہوں کوئی غیر نہیں ہے
پردے میں مرے اپنا پرایا نہیں جاتا

اُسے جاتے نہ دیکھوں اپنے گھر سے
الٰہی موت دے پہلے سحر سے

محبت کر رہی ہے دستگیری
سنبھل جاتا ہوں گر گر کر نظر سے

بیتاب **بیتاب** ۔ میاں محمد اسمٰعیل ۔ فقیر وارستہ مزاج ۔ آزاد منش اور مصطفٰے خان یکرنگ شاعر دور اول کے تلامذہ میں تھے ۔ سر راہ گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوئے ۔ کچھ کلام ایک پرانی بیاض میں ملا چند شعر انتخاب ہو کر درج کئے گئے ۔ ان کے اشعار دلپسند ہوتے تھے ۔

نہ تھا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

وہ خفا مجھ سے میں خفا دل سے
بھلا کس بات کی حلاوت ہو

تم جو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اُٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

بیتاب **بیتاب** ۔ شاہ حاتم کے کسی شاگرد کا تخلص ہے جنکا نام باوجود تلاش بہم نہ پہونچا ۔ تذکرۂ گلشن بیخار میں اُنکا یہ ایک شعر قابل درج ملا ۔

بیتاب بھی کیا جواں تھا اے وائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

بیتاب **بیتاب** ۔ لالہ سیوک رائے ۔ بقاء اللہ خان بقا کے شاگرد اور خود بھی شعر کا اچھا مذاق رکھتے تھے ۔ کلام ملاحظہ ہو ۔

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہیں اُوکھ دیں ہم انکو اسطرح چاہیں

اِدھر نالہ کیا اُدھر وہ مضطر ہو چلا آیا
عجب دن تھے کہ جن روز ور ہیں رکھتی تھیں آہیں

بیتاب **بیتاب** ۔ افضل الدولہ نواب احمد بخش خاں عزیز نواب غازی الدین خاں وزیر عالمگیر ثانی مقیم کالپی صاحب دیوان گذرے ہیں ۔ یہ اِنکے اشعار ہیں ۔

نہیں ہے آج جو وہ گلعذار پہلو میں
اُچھل رہا ہے دل بیقرار پہلو میں

نہ منہ سے اُف کبھی نکلی ہمارے ای قاتل
لگائے گن کے جو خنجر ہزار پہلو میں

اُٹھا سکا جو نہ صدمہ فراق کا آخر
تڑپ کے رہگیا دل ایکبار پہلو میں

لہ یہ شعر شاہ حاتم کے نام سے مشہور ہے ۔ یا توارد ہے یا توارد ہوا ۔ واللہ اعلم ۔

عبث ہے شوق تمکو ہم و سا جاہ و ثروت کا
لئے زلفوں سے کے بوسے ہمنے آج اُنکی وعدہ

زمانہ کا دگرگوں رنگ ہو جاتا ہے دم بھر میں
پھنسائے دیکھنا بیتاب دو سانپ ایک منتر میں

پا شکستہ ہیں ہم تو اے وحشت
ایدل تجھے کیا بتاؤں کیا ہوں

کوئے جاناں سے مت نکال ہمیں
تو دروسے میں زری د واہوں

صحبت پیراں جواناں فیض سے خالی نہیں
جسم میں اے روح تو آئی ہے کسکے حکم سے

یہ کماں کا زور ہے جو دیکھتے ہو تیر میں
شمع روشن کی ہے رکھنے خانۂ تصویر میں

آج کا کام چھوڑ مت کل پر

زندگانی کا اعتبار نہیں

تھا عرش پہ سر جنکا وہ خاک پہ بیٹھے ہیں
جب روح لگی چلنے کچھ بس نہ چلا آخر
مردہ کیا چالو نے زندہ کیا باتوں سے

اقبال اسے کہتے ہیں ادبار اسے کہتے ہیں
مجبور اسے کہتے ہیں ناچار اسے کہتے ہیں
رفتار اسے کہتے ہیں گفتار اسے کہتے ہیں

عاشق و معشوق میں کرنا تمیز

ایک دل دونوں کو ہو جانے تو دو

اے پریرو تیرا دیوانہ ہے سب بھولا ہوا
ہماری خاک اوڑنے ہی ہوا کیطرح جا لپٹی
گر یہی ہے زمزمہ سنجی تو اک دن دیکھنا
اپنے اپنے رنگ میں ہیں مست گلہائے چمن

لے قسم دیر و حرم کا راستہ گر یاد ہو
بچایا لاکھ اُس رشکِ پری سے اپنے داماں کو
دام میں لا دینگے مرغانِ چمن صیاد کو
کون سنتا ہے بھلا بلبل کی یاں فریاد کو

چل بسی روح جسمِ خاکی سے
اڑ گئی روح رہگیا قالب
کون ہوتا ہے وقتِ بد میں شریک
مغتنم جان صحبتِ احباب
عشق میں زر کی نہیں حاجت ہے کچھ
جس سے دم بھر جدا نہوتا تھا

ہوگیا دم میں کیا سے کیا دیکھو
کیا پیادہ چلے سوار کے ساتھ
ابر روتا ہے برق ہنستی ہے
یہ بھی اک اتفاقِ ہستی ہے
خاک ہو جا بس یہی اکسیر ہے
ہائے اُس سے چھڑا دیا کس نے

دوست بنجاتے ہیں دشمن جب مگر بنتا ہے نصیب
آپ اُسکے دام میں بیتاب پھنس جاتے ہیں ہم

تیشۂ فرہاد نے پھوڑا ہے پھوڑا ہے سرفرہاد کا
دل دُکھانا کب ہمیں منظور ہے صیاد کا

ہے ستم میں پھنسا ستمگر آپ
ہے خوشی کسکے ملنے کی جو آج

چرخ کھاتا ہے روز چکر آپ
جامے سے ہو رہے ہیں باہر آپ

ہوائے شوقِ گلستاں میں ہو نہیں سرگرداں
کھول دستِ کرم اے منعم بیٹھے ہو کیا
عاشقِ معنی کبھی ہوتی نہیں صورت پرست

پھریگا ساتھ مرے تو کہاں کہاں صیاد
ایک دن اُٹھنا پڑیگا سب یہ ساماں چھوڑ کر
شیخ جاتا ہے حرم کو کعبۂ دل چھوڑ کر

میں عاشق ہوں نہیں کرنیکا شکوہ
جفا کر اے پریرو یا وفا کر

دلا ایمان مت لانا کہیں شیخ و برہمن پر
یوں جان و دل ہیں سینے میں پیکاں کے آس پاس

گماں رہبر کا مت کر بیٹھنا بھولے سے رہزن پر
جسطرح میزباں ہوں مہماں کے آس پاس

محوِ جمالِ یار کو مطلق خبر نہیں
آتا ہے کون بزم میں جاتا ہے کون شخص

پوچھتا ہے کون کسکو کام ہو جانیکے بعد
رنج روشن طبع سہتے ہیں پئے شادیِ غیر

صبح ہوتی ہے بجھا دیتے ہیں خاص و عام شمع
جل کے خود دیتی ہے دیکھو اوروں کو آرام شمع

ہے ترے ہات اب مرا انصاف
بوسہ غیروں کو گالیاں ہمکو
تیرے کوچے کے لاکھوں رستے ہیں
تماشائے پری گر دیکھنا ہے
پوچھتے کیا ہو مجھے کیا ہے عشق
نہ مرتی ہے نہ چھٹتی ہے قفس سے
ساتھ دیگی نہ جب تلک تقدیر

کچھ تو کر بندۂ خدا انصاف
یہ بھی ہے کوئی مہ لقا انصاف
بھلا کیونکر نہ دھوکا کھائے عاشق
کہو دیوانہ بن کر آئے عاشق
ظلم ہے قہر ہے بلا ہے عشق
پڑی ہے کس بلا میں ہائے بلبل
باز تدبیر نہ آئیں گے

ذرا اے میکشو دیکھو مچلنا دخترِ رز کا
سبو سے آئی شیشے میں گئی شیشے سے ساغر میں

اُسی کافر کو سب کا حُسن تو نے دیدیا یارب
لڑکر کبھی نہ اُن سے ملا ہمسے ہائے تو
ضد تو دیکھو کہ کمی غیر کی جانب داری
رل گئی واں کی زمیں ہو گئی آفت برپا
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جا پہنچے ہم اُسکے گھرتک
آج شہرت ہے کہ عاشق ترا دنیا سے گیا
ہر بات میں برہم کوئی اتنا نہیں ہوتا
یوں کوئی ستاتا ہے مری جان کسیکو
کچھ بن گئی ہے ایسی ہی دم پہ مرے ورنہ
اغیار کی کیوں بھیڑ دمِ ذبح لگی ہے
کیا دوا سے تری کام زہرِ قاتل کا
ملا کے خاک میں جاتے تو ہو مجھے لیکن
مارا ہے میرے دل نے مجھے مرگئی آرزو

مگر اب حشر تک پیدا نہ کوئی بھی حسیں ہوگا
ہمسے لڑا تو جا کے رقیبوں سے مل گیا
بولنا یوں بھی اُنہیں ہم سے گوارا نہوا
لے کے میں تجکو جدھر سے دلِ مضطر نکلا
دلِ گم گشتہ مرے حق میں تو رہبر نکلا
زُلف کے پیچ سے حیران ہوں کہ کیونکر نکلا
آپس میں ذرا سمجھو تو کیا کیا نہیں ہوتا
خوبی یہ جسے اپنا بھروسا نہیں ہوتا
مرنا تو کسی کو بھی گوارا نہیں ہوتا
کچھ قتل میں عاشق کے تماشا نہیں ہوتا
مری تو جان چلی ہائے چارہ گر لینا
خدا کے واسطے پھر بھی مری خبر لینا
بر میں رہا وہ میرے اور اُن سے ملا رہا

خنجر پڑیں کلیجہ پہ قاتل تو ہے مزہ
بس اتنی تمنا ہے یہی حشر تک اللہ

اتنا سا دل میں تیر کا پیکاں ہو تو کیا
تڑپے یوں ہی بریں دلِ ناکام ہمارا

کس بُت کے شہیدِ نگہِ ناز ہوئے تم
جرّاح اس علاج سے خوش ہوں کہ مفت میں
بوسے کا لطف پاکے تو ہم آپ مر مِٹے
ساتھ لے چل مجھکو بھی قاصد ملیگا کچھ جواب
کروں اللہ سے فریاد تمہارا ہو کر
آئے بے نام و نشاں جاتے ہیں رسوا ہو کر

اب دیکھ لیا شیخ جی اسلام تمہارا
کس کس مزے سے پیتے ہیں زخمِ جگر شراب
تجویز آپ کرتے ہیں اسکی سزا عبث
وہ کہیگا کچھ نہ کچھ مجکو مقرر دیکھکر
تمہیں منصف ہو کہ پھر میں رہوں کسکا ہو کر
وائے تقدیر کہ ہم مِٹ گئے پیدا ہو کر

مجکو دکھلا کے حسن کا عالم
زلف سرکا کے روئے روشن سے
رات کا دن بنا دیا کس نے
محو حیرت بنا دیا کس نے

غیر اپنو نکو یا غیر کو اپنا نہ کریں گے
کر ذبح ہمیں شوق سے تیغ نگہ یار
اے یار ترے عشق میں کیا کیا کرینگے
اس مرنے پہ جینے کی تمنا کرینگے

شکایت کی جو میں نے بیوفائی کی تو وہ بولے
کسی اب اور کو ڈھونڈو اگر ہم بے وفا ٹھیرے

تو عاشق مردہ کو جلاتا ہے کرم سے
اک دم میں طلسمات جہاں کھل گیا او نیر
ہے زندگی اے رشک مسیحا ترے دم سے
رندوں نے ترے چھین لیا جام کو جم سے
مجمع ہے نہ رندونکا نہ ہو حق کی صدا ہے
تھی زینت میخانہ جہانمیں ترے دم سے
بڑھ کے اُتنی ہے جتنی خرچ کیجے
کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے

اے دل یہ شب وصل نہ کل ہوگی میسر
واعظ سے کہو ہونا جو ہووے گا وہ ہو گا
جو کچھ کہ اُڑا نے ہیں مزے آج اُڑا لے
ناحق مجھے اندیشۂ فردا میں نہ ڈالے

بیتاب

بیتاب رامپوری - صاحبزادہ عباس علیخان مرحوم خلف الرشید نواب عبدالعلیخان بن نواب غلام محمد خان و برادر زادہ حقیقی نواب محمد سعید خان مغفور والی رامپور حضرت بیتاب کو فن سخن سے دلی عشق تھا - مومن خان مرحوم کے ارشد تلامذہ تھے ۱۲۷۰ھ آپ کئی برس سے دہلی میں رہتے تھے - نہایت پاکیزہ سرشت اور خوش حال کمالات ظاہری و باطنی سے پیراستہ تھے - آپکا دیوان ریختہ نواب کلب علیخان نے مرتب کرا کر شایع کرادیا تھا عاشقانہ اور معاملہ کے شعر خوب کہتے تھے - تذکرۂ انتخاب یادگار کی ترتیب کے وقت (۱۲۹۰) میں ۶۶ برس کی عمر تھی پندرہ برس ہوئے انتقال کیا -

میں مؤا تو چارہ گر کیوں پشیماں ہو گیا
تم طمانچوں سے کرو بوسوں سے ہم رخسار لال
ہے بتوں کی سرنوشت اللہ تہر کی لکیر
درد دل کلبۂ خبر یوں بھی تو درماں ہو گیا
ہے مزے کا معرکہ تقصیر اور تعذیر کا
پھر خطا انکی خطا یا جرم ہے تقدیر کا

واعظ بھلا یہ ہوش کا تیرا کلام ہے / جنت میں مے حلال ہے اور یاں حرام ہے

کس صفائی سے تصور ہے صنم کا دل میں / کعبہ میں لائے ہیں کافر کو مسلماں کرکے

بت کا کوئی نہ ہو پہ بیکسی تو تو / ہماری نعش کے صدقے ہوا کی

فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کے آکر / کیا درد ہے کیوں اسکا مداوا نہیں کرتے

سینے سے جدا کروں میں جی کو تو / چھاتی سے لگائے تو کسیکو تو

اشعار مثنوی

یہاں غم سے ہو دل جگر میرا خوں / منہدی سے وہاں ہوں ہاتھ گلگوں

یہ طور نئے ہوئے ہیں ایجاد / تم بھولتے جاؤ میں کروں یاد

نوحہ

اے فلک اب عیش و عشرت کے وہ ساماں کیا ہوئے / دلبری و شوخی و انداز خوباں کیا ہوئے

ہیں کہاں وہ لعلِ لب وہ روئے خنداں کیا ہوئے / کیا ہوئے وہ ناز اور اندازِ جاناں کیا ہوئے

شادمانی کی ہے جا ماتم دلِ ناشاد کا

قہقہوں کے بدلے غل ہے ماتم و فریاد کا

بیتاب

بیتاب ۔ منشی دوست محمد خاں بیتاب دہلوی ۔ خلف منشی عبدالرسول خانصاحب شاگرد رشید امراؤ مرزا انور ۔ آپ حیدرآباد دکن میں ملازم تھے ۔ ۱۰ و ۱۲ برس ہوئے دہلی میں جوان انتقال کیا باوجود کم مشقی اچھا کہتے تھے

سر اُسکے آستاں سے اٹھایا نجائیگا / تقدیر کا لکھا ہے مٹایا نجائیگا

ہنس ہنسکے بات بات میں جو آئی چھیڑ چھاڑ / ان شوخیوں کو دل سے بھلایا نجائیگا

یوں جائیگا کہ جیسے قضا آکے لیگئی / تیر نگہ سے دل کو بچایا نجائیگا

مجھکو نزار گا سا جو دیکھا تو کہتے ہیں / ہمسے کبھی کا ناز اٹھایا نجائیگا

کیوں کی تری تلاش کہ پایا عدو کے پاس / کیسے خجل ہوئے ہیں ترے امتحان نے

کبھی کہتا ہوں قیامت اسکو / کبھی کہتا ہوں قیامت کیسی

بیتاب

بیتاب ۔ میر سید حسین لکھنوی شاگرد حضرت جاوید لکھنوی ۔ آجکل کے شعرا میں ہیں ۔

شک مٹا عشق کا جب پائی جنوں نے شہرت
کہتے ہو جلد اٹھا دو کوئی اس مردے کو

خیر گذری کہ ذرا چونک کے پھر لگ گئی آنکھ
بیتاب دردِ عشق کہاں اور ہم کہاں

قتل ہونا نہیں دشمن کا گوارا واللہ
ان بیوفائیوں کا دکھاتا ذرا مزہ

یا بند ناصحوں کی زباں کردے یا خدا
پھر خدا بنا دے تو اتنا بھی ناصحا

کون کہتا ہے کہ یہاں آنیکا دستور نہیں
کہنا صبا جو جائے یار و نکے انجمن میں

سامان وہاں عیش کے دلبر کے لئے ہیں
مُنہ بھی نہ لگائے وہ مسیحا کی زباں کو

کیوں ہاتھ رُکا جاتا ہے دل کھول کر قتل
اُٹھ یہاں سے جو کہا تو نے نکلجائیگا دم

آخر فریب کھا کے کیا آ نے مجھکو قتل
غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہے کہ بیتاب ہو نہیں

لگیا راہ میں بت خانہ بھلے کو زاہد
معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ

بیتاب پی خدا نے تجھے بھی دئیے ہیں ہاتھ
رہیں نہ چین سے دشمن بھی یہاں تلک بیتاب

زاہد کو بادہ نوشی سے نفرت کمال ہے

راز پوشیدہ ہمارا ہوا رسوا ہو کر
التجا اوروں کی کرتے ہو مسیحا ہو کر

رہگیا یوہیں سا کچھ حشر کا غوغا ہو کر
بیٹھے بٹھائے ٹوٹ پڑا نا گہاں فلک

ہائے محشر میں کہے وہ اُسے میرا قاتل
ہوتا ذرہ بھی دل جو مرا اختیار میں

یا مجکو دے یہ صبر کہ بیٹھا سُنا کروں
اُسکو کروں نہ یاد تو پھر کیا کیا کروں

بات تو یہ ہے کہ ملنا اُنھیں منظور نہیں
ہم بھی کبھی ملیں گے آنکلے گر وطن میں

یہاں ہجر کے صدمے دلِ مضطر کیلئے ہیں
جس زخم نے بوسے ترے خنجر کیلئے ہیں

عشاق ہمہ کے سر سب ترے خنجر کیلئے ہیں
مار ڈالیگا مسیحا یہ ترا قُم مجھکو

مینے کہا تھا تمسے اُٹھا ئینگے مرکے ہاتھ
نام سے میرے ہوئی ہے اُسے نفرت ایسی

کعبہ کو جا ہی چکے تھے ترے بہکانے سے

قطعہ

ساقی اگر نہیں تو نہ ہو مے سے کام ہے
یہ خُم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے

ستم اُٹھا بستانے کی اُسکو خو ہو جائے
جنت میں بھی بچا کے کہ وہاں مے حلال ہے

سغر و رِحسن وہ تو ہمیں چاہئے پہ ناز	بازآئیں وہ جفا سے نہ اپنی وفا سے ہم
پڑے ہیں داغ بھی اُتنے ہی بلبل کے کلیجہ پر	چمن سے پھول جتنے بھر لئے ہیں تنو دامنیں
اسیری میں بھی ہے پیشِ نظر معشوق کا جلوہ	بنائیں جابجا تصویریں دیوارو پہ زنداں میں
خنجر بھی پھیرنا ابھی آتا نہیں اُنہیں	لیکن ہر اک سے داد کے خواہاں ابھی سے ہیں
منت کے طوق اُسنے گلے میں پہن لئے	دل کے اسیر ہونگے ساماں ابھی سے ہیں
ذارمانوں کے بر آنیکی کوشش اب کرینگے ہم	ہمیں بھی دیکھنا ہے یہ کہاں تک وہ لیں ستے ہیں
جنوں تھا قیس کو جو در پئے دیدارِ لیلیٰ تھا	وہ خود پردہ اُٹھا دیتے ہیں جو محمل میں رہتے ہیں
مشکلوں کو ہجر کی کسطرح ہم آساں کریں	بڑھتی جائے شب جو ذکرِ گیسوئے جاناں کریں
توڑے جاتے ہیں یہ کہکر او رودل بیمار کا	دردجب حد سے گذر جائے تو کیا درماں کریں
خوگر ایذا جو ہیں راحت میں وہ بیچین ہیں	دردِ دل کم ہو تو بڑھ جانے کا ہم ساماں کریں
ہجر کے صدمو نسے گو باقی نہیں ہے تن میں جان	رہ گیا ہے جو وہ صرفِ دعوت پیکاں کریں
پھرا کے حلق پہ کیوں روکتے ہو خنجر کو	جفا میں رحم نہیں چاہئے ستمگر کو
دعائیں مانگتا ہوں دردِ دل کے بڑھنے کی	کبھی سکون جو ہوتا ہے قلبِ مضطر کو
مرے حالِ پریشاں کی کسی کو کیا خبر ہوگی	اسی جانب کو سب ہونگے جدھر اُنکی نظر ہوگی
پریشاں ہوگئیں زلفیں تو تم اتنا نہ گھبراؤ	کسی کی آہ بے تاثیر جو پائے اثر ہوگی

جوابِ خط نہ آیا موت آئی دل وجگر کا ابھی ختم ولولہ ہو جائے	یہانتک راہ دیکھی نامہ بر کی جو ایک تیر سے دونو نکا فیصلہ ہو جائے

بیتاب مولوی محمد بشارت اللہ۔ وطن آبائی آپکا مرادآباد ہے۔ سنہ ۱۲۸۰ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے آپکے والد اُس زمانے میں یہاں مفتی تھے۔ کتب درسیہ اپنے والد مرحوم سے پڑھیں۔ بعہد نواب کلب علیخاں بہادر رامپور میں منصب داری ملی سنہ ۱۹۰۵ء میں رامپور سے گوالیار گئے اور محکمہ بندوبست میں سر رشتہ دار ہوئے۔ آخر سال ڈیڑھ سال بعد یہاں سے بھوپال پہنچے اور

اوائل مشق ہی میں کلام کا یہ رنگ ہے۔ طبیعت کی شوخی آیندہ ترقی کی گواہی دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو

وار کچھ اوچھا سا شاید پڑ گیا تلوار کا
مسکرانا کہہ رہا ہے زخم دامندار کا

مر گئے ہیں مرنے والے اتنی سی اُمید پر
حشر پر وعدہ کیا ہے یار نے دیدار کا

دیکھنا ہو جسکو اگر رات ہی کو دیکھ لے
غیر ہوگا صبح تک حال آپکے بیمار کا

وہ سرہانے ہیں جو آئے ہیں عیادت کیلئے
موت بھی منہ تک رہی ہے دور سے بیمار کا

اسنے بھی پرچا سنا ہے سخت جانی کا مری
دیکھتا ہے منہ کبھی میرا کبھی تلوار کا

ہوشیاری سے بھی بڑھکر غش ہے سودے کو عزیز
دیکھتا ہے حال کوئی طالبِ دیدار کا

وہ زور کسی طرح کا چلنے نہیں دیتا
اُف کی بھی صدا منہ سے نکلنے نہیں دیتا

سوجاتا ہوں تو خواب میں آتا ہے ستمگر
دل کو کسی پہلو وہ سنبھلنے نہیں دیتا

منحصر جبکہ تھا مرنے ہی پہ اچھا ہونا
پھر تو بیکار ہی تھا اُنکا مسیحا ہونا

رو چکے دلکو تو پہلے ہی محبت میں تری
آگے تقدیر میں ہے دیکھئے کیا کیا ہونا

سوکھ کر رہگئیں کانٹوں کی زبانیں اے دشت
برسوں آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد

تنگ آکے مر نہ جائے تو آخر وہ کیا کرے
سو درد جس غریب کی ہوں ایک جان پر

جورِ فلک نہ کم تھا کہ تم بھی جوان ہوئے ہو
دو آسمان ٹوٹ پڑے میری جان پر

تمہاری ضد بھی پوری ہو مری بھی آرزو نکلے
عدو کے گھر چلے جانا مگر دم بھر یہاں تھم کر

نکالے لیتے ہیں سینے سے پیکاں
ہمارے درد کا درماں سمجھ کر

تیری تصویر کا انداز اُسے بھایا ہے
کہ اسی طرح سے رہتا ہے مرا دل خاموش

رنگِ صحبت بھی بدلتے ہوئے دیکھا ہمنے
اُنکے چپ ہوتے ہی سب ہوگئی محفل خاموش

چوٹ جو کھا چکا ہو اُسکو بھلا صبر کہاں
درد جسمیں ہو وہ ہوتا ہے کہیں دل خاموش

جان دیدیکے دُعا کرتے ہیں مرنیوالے
آپ آئینگے سوئے گورِ غریباں کبتک

جل چکا دل بھی مرا شمع لحد بجھ بھی چکی
روئے جاؤگے سرِ قبر مری جاں کبتک

مہمان کی خاطر میں کمی ہونے نہ پائے
چلتے ہیں ہٹاتے ہوئے نقشِ کفِ پا کو
عاصی و گنہگار خطاوار ہے بیتاب
سر سبز ہو پھولوں کی طرح خارِ بیاباں

درد اٹھے جو دل سے تو جگر اسکو بٹھا لے
ضد ہے کہ کوئی اسکو نہ آنکھوں سے لگا لے
ستار ہے تو دامنِ رحمت میں چھپا لے
کرتے ہیں دعا بھوٹ کے یہ پانو کے چھالے

جہاں میں جسکا نہیں اعتبار دم بھر کا
خود تمہیں اسنے گرفتارِ بلا رکھا ہے
گرم بازاریِ بازارِ کرم سن سنکر

ہماری توبہ ہے وہ یا کسی کا پیمان ہے
تمنے کاکل کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے
ہمنے عصیاں کا اک انبار لگا رکھا ہے

بیتاب

بیتاب۔ مولوی سید علی جان عرف لاڈلے صاحب عظیم آباد پٹنہ کے باشندے اور اور مولانا شاد کے فیضِ تلمذ سے بہرہ ور ہیں۔ ابھی نو مشقی کا عالم ہے۔ چند شعر انتخابا درج ہیں۔

نثار ہوتے ہیں سات آسمان سر پر
جو انکے دل میں جگہ ہو تو صد رو پائیں کیا
جزائے خیر ملے میرے عشقِ کامل کو
دمِ نزع آخر نکل آئے آنسو تو
دل لئے اور دکھا دکھا کے لئے
کتنے الزام آخر اپنے سر
خود اترتی ہے عرش سے تاثیر

ملی ہے کوچۂ جاناں میں کیا زمیں مجکو
صفِ نعال بھی ہے پھر تو شہ نشیں مجکو
جہاں کی خاک تھی پہنچا دیا وہیں مجکو
کہاں جا کے تجھ سے وفا کرنے والے
کی جفا اور نئے وفا کے لئے
تمنے غیروں کو سر چڑھا کے لئے
دل سے نکلی ہوئی دعا کے لئے

بیتاب

بیتاب۔ پنڈت نراین پرشاد۔ دہلوی۔ آپ کے والد کا نام مہاراج ڈہلارائے ہے۔ حکیم سردار محمد خانصاحب طالب تلمیذ مرزا غالب مرحوم سے علم بیان و عروض وغیرہ میں استفادہ حاصل کیا۔ اور کچھ کلام منشی نظیر حسین سخا کو بھی دکھایا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریبا ۳۵ سال سے ہے ڈراما نویسی ہی کا مشغلہ رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بمبئی میں زیادہ قیام رہتا ہے۔ متعدد

ناظر محکمہ وزارت بنائے گئے [illegible] چندے عہدۂ نیابت وکالتِ ریاست پر ممتاز ہوئے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے

بھٹکے ہوؤں کو ترا ڈھونڈھنا محال نہ تھا
جو پاؤں ٹوٹ گئے تھے تو کیا خیال نہ تھا

دہن کو اُنکے جو پوچھا تو رہ گئے خاموش
جواب جسکا ہو ممکن یہ وہ سوال نہ تھا

نذرِ ناوک یہ جگر نذرِ سناں دل ہو گیا
پھل نہالِ عشق کا دونوں کو حاصل ہو گیا

کس قدر اپنے تصور پہ مجھے آتا ہے رشک
مجھ سے پہلے یہ تری محفل میں داخل ہو گیا

کچھ تاسف بھی نہیں اسکا نہ آئے بر اُمید
حیف تو یہ ہے دعا کر کے میں سائل ہو گیا

بانکپن سے آ گئی اسمیں روش تلوار کی
اسقدر رگڑ کر ملا مجھسے کہ قاتل ہو گیا

فیضِ بخشش سے ترے وصل کی شب وہ آئے ہیں
بانٹ دیتا ہوں رقیبوں کو سبھی غم اپنا

چور تو ہی ہے جو دل سینے میں پایا نہ گیا
کہیں تیرے سوا کوئی نہ آیا نہ گیا

دل کو توڑا اگر آ کر کبھی تسکین نہ دی
گھر بگاڑا تو گیا تم سے بنایا نہ گیا

تجھ سے بہتر ہے ترا درد کہ میرے دل میں
تو جب آیا نہ تھا درد جب آیا نہ گیا

بہت خوش ہوں سے گر خاکِ دشمن کو اُڑا جائے
کبھی تو اُڑ کے پڑ جائیگی وہ چشمِ نگہباں میں

عبث ہے بے نصیبوں کو تقربِ فیض بخشوں کا
کہ بجلی خشک رہتی ہے ہمیشہ ابرِ باراں میں

اعانت کچھ نہیں درکار ہے روشن دماغوں کو
کبھی روغن نہیں پڑتا چراغِ مہرِ تاباں میں

ڈرتا ہی یہاں کون ہے جو چاہے سزا ہو
وہ سامنے بلوائیں کوئی ایسی خطا ہو

پڑا عجیب کشاکش میں آج سر میرا
وہ تیغ کیلئے سمجھا میں آستاں کیلئے

کیا ہو گی واں مرے دلِ پُر آرزو کی قدر
اُنکو تلاش اک دلِ بے مدعا کی ہے

کیا مفت کا دل ہے جو یوہیں کر دیں حوالے
اُسکے لئے حاضر ہے جو ارمان نکالے

دل قابو سے باہر ہے جگر پہلو میں بیچین
اِک جان اکیلی مری کس کس کو سنبھالے

میں سمجھا یہاں سے ذرا بھی جو کھسکے
تو پھر پڑی نڑی ہے اور پاؤں اٹکے

پولٹیکل کریما

تو برحق ہے اے حق مشکلکشا ۔ تجھے بھولنا ہے سراسر خطا
سوا تیرے اب کون ہے ہند کا ۔ کریما بہ بخشائے برحالِ ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا

نہ کچھ قافلہ ہے نہ بانگِ جرس ۔ نہ تیغ و سپر ہے نہ فیل و فرس
نہ ہے اب کوئی ہمدم و ہم نفس ۔ ندا ریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

سیر کا اس باغِ عالم میں مزا کچھ بھی نہیں ۔ خوشنما ہیں گل مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
فرق کچھ اپنے پرائے میں نہیں آتا نظر ۔ امتیازِ آشنا نا آشنا کچھ بھی نہیں
رہ گئی ہے اب زمانے میں محبت نام کی ۔ دل ٹٹولیں تو بجز مکر و دغا کچھ بھی نہیں

رباعی بہ غم انتقال سوامی رام تیرتھ صاحب۔ ایم۔ اے

دنیا سے عجب مردِ خوش اسلوب گیا ۔ وہ ملک کا محب و محبوب گیا
اب ہند کے بیڑے کا خدا حافظ ہے ۔ افسوس کہ رام ناخدا ڈوب گیا

دیگر

کیوں سر پہ نہ تیغ اصفہانی پھر جائے ۔ کیوں درد سے نہ دورِ شادمانی پھر جائے
جب رام سا رہبر ہو غریقِ رحمت ۔ اُمید پہ کس طرح نہ پانی پھر جائے

بیجان - میاں عزیز خاں ساکن قصبہ بسولی۔ خوش سلیقہ و خوش اطوار شخص تھے۔ مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری مؤلف تذکرہ کے خاص حبیب تھے۔ اور فنِ سخن میں انہیں سے مشورہ

بیجان

ڈرامے آپ کی تصنیف سے ہیں۔ شیکسپیر نامی رسالہ آپ نے بمبئی سے نکالا تھا جس میں شیکسپیر کے ڈراموں کے اُردو ترجمے شایع ہوا کرتے تھے اب بند ہو گیا۔ ایشیائی شاعری کے علاوہ نیچرل مضامین میں بھی طبیعت کی روانی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ دونوں قسم کی شاعری کے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔ ابھی کلام میں پختگی کا رنگ پیدا نہیں ہوا ہے مگر کثرت مہارت سے اُمید ہے کہ اچھا کہنے لگیں گے۔

عالمِ خواب

گزر ہے خطرناک صحرا میں میرا
درندوں کا ہے گوشہ گوشہ میں ڈیرا

کروں ایسے جنگل میں کیونکر بسیرا
گزندوں نے ہے چپہ چپہ کو گھیرا

ادھر بھیڑیوں کے پرے کے پرے ہیں
نہیں دور بس کوئی گز بھر پرے ہیں

نہ کچھ پوچھئے حال اب بیکسی کا
یہ جانا کہ اب آسرا لوں کسی کا

ہوا رنگ چہرے کا دہشت سے پھیکا
نشاں ہی نہ آیا نظر آدمی کا

ٹھکانا رہا جب نہ دل کی تڑپ کا
اُدھا دُھندھی ایک جانب کو لپکا

ہوئی اتفاقاً نظر میری اونچی
وہ ہاتھی ہے یا جمع ہے رات اندھیری

تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہے ایک ہاتھی
سر اتنا بڑا ہے کہ توبہ الٰہی

نظر آتے تھے سر میں روزن جیسے
نہیں ایک ہی تین سو سا ٹھ ایسے

دہن چھ ہیں اور پاؤں بارہ ہیں سارے
ہوئے ہوش غائب مرے ڈر کے مارے

کھڑا ہے وہ اس غار ہی کے کنارے
نظر مجکو آنے لگے دن میں تارے

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
تجھسے کافر کو میرے گھر لایا

کوئی کہتا ہے دِوانا کوئی مجنوں مجکو
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہیں پھر ساقی کہاں
آج تو ظالم مچا دی خندۂ قلقل کی دُھوم

ہنسی آتی ہے گل کو حال پر کس کے خدا جانے
ایدھر ہے نالہ کش بلبل اُدھر ہے چشم تر شبنم

ہو گیا ہے نقش دلپر شام سے کس کا خیال
دیدۂ تصویر کی مانند ہے بیخواب چشم

بھیک مانگیں ہیں کھول کر دامن
دیکھ گلشن میں تجکو اہل چمن

پرورش گو زیر دامانِ فنا ہو لیک یار
کون بجز زیستن یاں مثلِ گل خنداں نہیں

میں کشتۂ ابروئے بتاں ہوں
انگشت نمائے اِک جہاں ہوں

جبکہ مستی میں مغاں اپنے میں آجاتا ہوں
جائے مے زہر بھی ہووے تو چڑھا جاتا ہوں

مضطرب حال چراغ سحری ہوں میں نسیم
کوئی دم صبح خموش آپ ہوا جاتا ہوں

رحم کر مجھپہ ٹک اک رحم کہ جیوں مو ضعیف
موج میں تیری میں اے اشک بہا جاتا ہوں

غیر کے ہاتھ میں دیکھا ترے داماں کو تئیں
چاک کیونکر نہ کروں اپنے گریباں کو تئیں

لکھوں کیا میں وصفِ دہان و کمر
مجھے غیب کی تو خبر کچھ نہیں

سایۂ نخلِ حنا میں مجھے کیجو مدفون
تا وہ جانے یہ مُوا حسرتِ پابوسی میں

شرم آتی ہے کہیں سر کو نواتے بتاں
اشک ساں محو ہیں ہم اپنی قدمبوسی میں

سب کے قدم کو تونے سرِ عجز پر لیا
اس تیری خاکساری کو صد آفریں میں

کثرت میں ہے عین دیدِ وحدت
گر دل میں نہ اپنے ما و من ہو

غربت کے مزے کو کون جانے
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

مری بیماریِ دل کا سبب ٹک وہ ہی سمجھیگا
کہ جس نے آنکھ تجھسے بیمروت سے لڑائی ہو

کیا ہی جھگڑا تھا ہم کل اسطرف آنے پہ یار
ہو نصیبِ دوستاں ہر وقت ایسی جنگ آہ

کیونکہ تاراجِ متاعِ دل نہوا ے مردماں
ترک چشمِ یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگِ راہ

لیا کرتے تھے ۔ دیوان ریختہ مرتب کیا تھا ۔ تذکرۂ شوق میں بہت سا کلام ان کا نظر سے گذرا چند اشعار اُس میں سے انتخاب کئے جاتے ہیں ۔ زبان سلیس اور صاف ہے ۔ اچھے اچھے مضامین نکالے ہیں ۔

کیا ہم سے کھلے بھید ترے رازِ نہاں کا ۔ نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گماں کا
کوئی دن ہے اگر شور یہی حسن کا تیری ۔ برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہاں کا

دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا ۔ حرفِ دعا ہو کیونکہ مرے لب سے آشنا

قطعہ

اُس دشمنِ وفا سے جو بیجاں میں کل کہا ۔ بیگانہ کیوں ہے مجھ سے تو اور سب سے آشنا
کہنے لگا وہ میری طرف دیکھ کر کہ ہاں ۔ ہوویں ہیں یکدگر کبھی یکدم سے آشنا
پر تم جو مجکو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی ۔ اتنے ہوئے ہیں آپ مرے کب سے آشنا

وہ چشمِ نم ہے مری ابر کیا کہوں تجھے ۔ کہ جسکو دیکھ گیا ڈوب آب میں دریا

دنداں کی صفائی سے جگر ہے آبِ گوہر کا ۔ ترے لب دیکھ کر جی جل گیا یاقوتِ احمر کا
حدیثِ عشق یا مہر و وفا کی بات سُن ہم سے ۔ دماغ قصہ ہاں کسکو ہے دارا و سکندر کا
بوقتِ وعظ اُس واعظ پسر کی دیکھ کر کاکل ۔ میں تب مضطر ہو بولا نام لے خلاقِ اکبر کا
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ۔ الٰہی تو ہی بس والی ہے اب دینِ پیمبر کا
مقدور بشر ہو نہ جہاں جنبشِ لب کا ۔ ایمائے سخن کس سے ہو بوسہ کی طلب کا
ہو جا نہ کسی غرفے سے سرگرم نظارہ ۔ بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا
کل ہی تو وہ صبح سے قتل ترے اک جہاں ہوا ۔ بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا
بیجاں جنابِ شوق کی صحبت سے فیض سے ۔ ہر فن میں محترم و عزیزِ جہاں ہوا

ہے جو شیریں لبوں کے لب میں مزا ۔ کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا
دن کا ملنا بھی خوب ہے لیکن ۔ ہے ملاقات کا تو شب میں مزا
بات میں جو چھو کے گالی سے ۔ اُس سے بوسہ کی ہے طلب میں مزا

روئے عرق آلود کا اوصاف تھے جبیں	وہ صفحۂ کاغذ مجھے افشاں نظر آیا
قاتل کے محلّے کی ہنو شہر میں کیوں خاک	نامرد بھی وہاں رستم دستاں نظر آیا
کر بیخبر ایسی ہی غزل تا کہیں یار	تجھسا نہ کوئی ہمکو غزل خواں نظر آیا
آلودہ مسی سے لب جاناں نظر آیا	ظلمت میں ہمیں چشمۂ حیواں نظر آیا
گلگشت چمن کو جو گیا میں کبھی تجھ بن	ہر غنچہ مجھے صورت پیکاں نظر آیا
بس وہیں جواب آ کے دیا طاقت پا نے	وادئ محبت کا جو میداں نظر آیا
جب پڑھنے لگا کھول کے اوراق گلستاں	ہر غنچہ مجھے طفل دبستاں نظر آیا
جہاں کو چھوڑکے کیوں تارک لباس ہنو	وہ کیا کرے ترے ملنے کی جسکو آس ہنو

بیخبر

بیخبر - خان بہادر ذو القدر غلام غوث صاحب بیخبر مرحوم رئیس الہ آباد - روایت ہے کہ انکے مورث اعلےٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کی اولاد میں سے تھے - اور حکومت سلاطین مغلیہ میں بعض بزرگ عہدۂ قضائے کشمیر پہ معمور رہے - اور بعض اراکین خاندان ملکی خدمتوں پر سرفراز رہے - انجام کار بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ان کے والد ماجد خواجہ حضور الدین اور انکے خسر یعنی انکے نانا خواجہ فرید الدین ترک وطن کرکے لاسہ (تبت) چلے گئے وہاں بھی انکی مدارات ہوئی اور اہل اسلام کے مقدمات کے تصفیۂ انکی ذات سے متعلق ہا وہاں کچھ ٹھہر کر دونو صاحب ریاست نیپال میں وارد ہوئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی - چنانچہ بیخبر وہیں ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے انکے چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردش زمانہ نے پھر ترک سکونت پر مجبور کیا اور اسمرتبہ بنارس میں طرح اقامت ڈالی - یہیں سن شعور کو پہونچے اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا ۱۸۴۰ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں میر منشی لفٹنٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوئے - انہیں ایام میں جب لارڈ الن برا نے گوالیار پر چڑہائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے میں منسلک ہوکر شریک مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پہ بصلہ کارگزاری خلعت پایا - پھر کئی سال بعد

ہے دل میں غمِ کفر نہ ایمان کا خطرہ — ہے کس کے تئیں گبر و مسلمان کا خطرہ

تو بھی تو چلے ہے وہی رفتار ہمیشہ — جس چال پہ چلتی ہے یاں تلوار ہمیشہ

ارے گل تجھے ہنستے دیکھوں تو پھر ہنس — اسی طرح ہنسنے کی خوتھی کسی کی

تغافل کے مارے سنا شب نہ تو نے — حکایت ترے روبرو تھی کہی کی

سکندر سلیماں پہ کیا ہے یہ دنیا — کبھو تھی کسی کی کبھو تھی کسی کی

ہمیں کہتا تھا ہر دم اُس سے شکوہ خوب نہیں ایدل — غبار آپس میں ان باتوں نے آخر درمیاں بیٹھے

منظور قتلِ عالم یارو نہیں جو اوسکو — پھرتا ہے چرخ کیسر تیغِ ہلال باندھے

قطعہ

رنگینیٔ سخن سے بیجان تلاش کر کے — تو نے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندھے

لیکن میں یہ ڈروں ہوں لیا ہو کہ نا دل — اس فن سے کچھ تو لیں زعم کمال باندھے

چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جائے — سینے سے مرے جو تو لپٹ جائے

خریداری سے خوباں کی اٹھایا ہاتھ عالم نے — تری فریاد نے بر سر بازار ایسی کی

ہر اک بیخود ہو تڑپے ہے کسی میں سدہ نہیں باقی — یہ مجلس اُس نگاہِ مست نے سرشار ایسی کی

کہتے ہیں کل رقیب سے اور اُس سے چل گئی — کیا میری بات مُنہ سے کچھ اُسکے نکل گئی

اس اپنی بے کسی پہ کسی کا نہ جی جلا — شمع مزار تک مرے بالیں سے ٹل گئی

خارا شکن نگاہ فرنگی پسر کی آج — سنگین کی طرح مری چھاتی پہ چل گئی

بیخبر۔ مرزا محمد بیگ قوم مغل خلف مرزا حیدر بیگ۔ قدیم وطن اصفہان تھا مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ آغاز جوانی میں عہد شاہ عالم ثانی میں عازم لکھنؤ ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔ ایک قلمی تذکرے میں کچھ انکا کلام نظر سے گذرا اسکا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ زبان اگرچہ پرانی اور اسمیں اکثر الفاظ متروک ہیں مگر لطف سے خالی نہیں۔

بیخبر

شب خواب میں جسکو رخِ جاناں نظر آیا — جیوں آئینہ وہ صبح پریشاں نظر آیا

اُسکے گلِ عارض کا جو باندھا میں تصوّر — پھیکا سا مجھے رنگِ گلستاں نظر آیا

بیخود

بیخود۔ منشی نراین داس دہلوی۔ حضرت بیدر د مرحوم کے با عقیدت تلامذہ میں تھے۔ افسوس کہ کلام ضائع ہو گیا۔ اونکی خوش فکری کا یہی ایک شعر کافی ثبوت ہے۔

سے گلوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد		بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

بیخود

بیخود۔ منشی محمد انتظام الدین خاں خلف و شاگرد مولوی محمد حیات خاں عذر سے پیشتر دہلی میں رہتے اور کسی سرکاری دفتر میں ملازم تھے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہ لیتے تھے۔

رہ گیا پیکاں جو پہلو میں ترا اچھا ہوا تھی ہوس مدت سے اے بیخود اسیری کی ہمیں		دل لگی کو اور دل پیدا ہوا اچھا ہوا ہو گیا دل مائل زلف دوتا اچھا ہوا

بیخود

بیخود لکھنوی۔ منشی ہادی علی بیخود باشندۂ لکھنو۔ خواجہ وزیر کے شاگرد رشید اور منشی ناصر علی سحر زمیندار بہری براؤں کے بیٹے تھے۔ آپ کچھ عرصے تک واجد علیشاہ کی سرکار میں ملازم بھی رہے۔ چنانچہ اکثر غزلوں میں بادشاہ کی تعریف کی ہے۔ آپ کا دیوان عرصہ ہوا چھپا تھا۔ مثنوی جلوۂ اختر آپ کی تصنیف سے ہے۔ شعر اچھا کہتے تھے بعد غدر انتقال کیا دیوان میں سے جسقدر صاف اشعار ہماری پسند کے نکلے اُنکا انتخاب درج ذیل ہے۔

حسن تیرا حیرت افزا ہو گیا		جسنے دیکھا اسکو سکتا ہو گیا
کوچے سے زلف کے کہیں دل جیتے ہے مُنھ پھیر لیا کر کے ہدف تیر نگہ سے عجب حسرت سے پانی مانگتے ہیں تیغ قاتل کا مرکے بھی ہوتے نہیں جسم ہاکے گرفتار رہا		یا رب بچایئو مجھے کھٹکا ہے راہ کا دیکھا نہ گیا اُس سے تڑپنا مرے دل کا ہمارے جسم میں جو زخم ہے کاسہ ہے سائل کا مژدہ اے شوق اسیری وہی صیاد آیا
کچھ نہ کی سننے دوائے درد دل		ہمتو آئے تھے مسیحا جانکر
صلح میں آنکھ لڑاتا ہے گنہگار ہے دل نہ تمہیں رحم کی عادت نہ اُسے صبر کی خو دور ہو کاہش جاں روز کا جھگڑا چک جائے		دار مژگاں پہ چڑھانے کا سزاوار ہے دل تم بھی مجبور ہو بندے کا بھی ناچار ہے دل انکے پہلو میں رہے جنکا طرفدار ہے دل

آپ نے فاوی کے بجائے میر منشی مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۸۵ تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز رہے اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر ۵۷ء میں خیر خواہی کے صلہ میں سند و خلعت ہفت پارچہ جسمیں تین رقم جواہر بھی شامل تھیں مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شہنشاہی اختیار کرنے کے موقعہ پر جو دربار لارڈ لٹن نے کیا اوس میں آپ کو بھی تمغہ قیصری ملا۔ ۱۸۸۵ء میں ۴۵ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خطاب خان بہادر ذوالقدر سے سرفراز ہوئے۔ اسی دوران میں نواب کلب علیخاں نے کئی مرتبہ باصرار اپنا مدار المہام کرنا چاہا مگر خان بہادر نے ہمیشہ شکریہ کے ساتھ اُسے نامنظور کیا۔ اور آخری حصہ زندگی کا یاد خدا میں بسر کرنا مناسب سمجھا۔ شاعری اور انشا پردازی میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ فارسی شعر ایسا اچھا اور برجستہ کہتے تھے کہ اکثر اہل زبان بھی اون کے کلام کی ستائش کیا کرتے تھے۔ غالب مرحوم سے خان بہادر مغفور کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے چنانچہ اکثر خط کتابت رہتی تھی۔ تصنیفات میں سے خونابہ جگر (رقعات و نظم فارسی) اور فغاں بے صبر (رقعات اُردو) ۱۹۰۱ء میں احباب میں تقسیم کے لئے شائع کئے تھے۔ خطوط کا طرز تحریر بھی نہایت شستہ و دلکش تھا۔ پیرانہ سالی میں ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا آپ کی صرف ایک غزل فقیروں کی بول چال میں نظر سے گذری انکی ذات والاصفات ایک زمانہ دراز سے الہ آباد میں مرجع اہل کمال تھی۔ تادم واپسین زندہ دلی اور شوخ کلامی آپکی ہمدم رہی۔ تبرکاً چند شعر درج ہیں۔

فقیرو نشے کرتے ہو جو بولی ٹھولی تو
بہت پیاری باتیں ہیں یہ بھولی بھولی

بھکاری ہو تو ہم تو دیدار کے ہیں
بھلا ہوگا بھر دو ہماری بھی جھولی

نہیں بند رہتا کوئی کام اپنا
گرہ دل کی ہے جب سے مرشد نے کھولی

پری آج شیشے سے داتا نکالو
یہ کالی بلا کیسی افیون گھولی

کہاں ہم فقیر اور دنیا کے جھگڑے
یہ کیچڑ تو دامن سے پہلے ہی دُھولی

پسند آئی اور شاگرد ہو گئے۔ کچھ دنوں تک مولانا حالی سے فیض سخن پاتے رہے۔ ۱۲۹۰ کے بعد سلسلہ معاش کی فکر ہوئی اور الہ آباد میں درجہ اوسط وکالت کی سند حاصل کی وکالت کے بہانہ کئی شہروں کی ہوا کھائی مگر طبیعت کی بےچینی اور شاعری کے شوق نے کہیں دل جما کر کام نکرنے دیا۔ ۱۲۹۴ ہجری کے بعد وکالت شروع کی۔ اُسی زمانے میں گلزار داغ شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ رنگ اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ رام پور جاکر حضرت داغ مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

سنبھل کی وکالت کے بعد ریاست سروہی میں بعہدہ جوڈیشیل آفیسر ممتاز رہے۔ وہاں بھی جی نہ لگا تو ۱۳۰۹ ہجری میں ریاست جودھپور کی طرف رخ کیا اور وہاں تھوڑے دنوں کی کوشش کے بعد ایک معقول عہدے پر ممتاز ہوئے۔ اب عرصے سے اُسی ریاست میں نوجدار ہیں۔ طبیعت میں برجستگی۔ شوخی صفائی اور مضمون آفرینی بلا کی پائی ہے۔ اپنے اُستاد کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پچیس تیس برس کی مشق اور فکر کی رسائی نے فن سخن میں ایک عمدہ اور اعزازی رتبہ ان کے کلام کو بخشا ہے۔ عاشقانہ مضامین نہایت خوب کہتے ہیں۔ دنیائے شاعری میں آپ کا نام بہت کچھ شہرت پاچکا ہے۔ اور اپنے مرحوم اُستاد کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کلام میں روانی اور صفائی بلا کی ہے۔ ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ایسی نکلتی ہے جو بے ساختہ دل میں چٹکی لے لیتی ہے۔ عرصہ ہوا کچھ کلام عنایت کیا تھا اُسکا انتخاب یہ ہے۔

سُن لیا تونے کہ جینا ہی اُسے مرجانا ساتھ ساتھ اہلِ تمنا کا وہ مضطر جانا جب کہا اونسے کہ مرتے ہیں تو ہنسکر بولے مجھے تو جانِ بے دو بھر آ اُو تم تو نہ آو	سببِ ترکِ ستم ہمنے ستمگر جانا اللہ اللہ رے ترا بزم سے اُٹھکر جانا زندگانی کا تو انجام ہی ہے مرجانا پتہ اجل ہی کو دیدو غریب خانہ کا
ہاں سچ ہے میرے سینے میں کیا ہے دھرا ہوا	اک داغ ہجر وہ بھی تمھارا دیا ہوا

پہلے تھی صاف صبح حلب آئے قمر جبیں
افشاں چھڑک کے بن گئی اختر نگر جبیں

شبِ تنہائی ہے فرقت سے بہلتا نہیں جی
کھدوا شکوں سے نہیں کرتی ہیں اب پائی آنکھیں

ہم اسیرانِ قفس لطفِ چمن کیا جانیں
سر پہ صیاد کو دیکھا جو ہوئیں وا آنکھیں

یادِ چشمِ مست میں رہتی ہے از خود رفتگی
طرفہ بیخود ہوں کبھی میں آپ میں آتا نہیں

بوقتِ نغمہ آرائی حضور ایسا بتاتے ہیں تو
پری رو غمزہ و ناز و ادا کو بھول جاتے ہیں تو

تو ہے ایسا کنہیا دیکھتے ہیں جب حسیں تجکو
درِ دولت سرا پر آ کے سب دھونی رماتے ہیں

جدا ہو نہ پہلو سے اے دردِ عشق
بہلتی ہے تجھ سے طبیعت مری

جام کے لب پر یہی گفتار ہے
پی کے گلگوں خدا غفار ہے

فصلِ گل میں ٹوٹتی ہے بار بار
دل شکستہ توبہ میخوار ہے

دیدۂ باطن کو وا کر دیدہ گر منظور ہے
پردۂ غفلت حجابِ شاہدِ مستور ہے

فرقت میں تن سے روح مری کوچ کر گئی
آخر کو جو گذرنی تھی مجھ پر گذر گئی

تم جو گالی لبِ جاں بخش سے دو جی اٹھوں
قمِ عیسیٰ کا اثر تلخئ دشنام میں ہے

بیخود

بیخود۔ مولوی عبدالحی خلف الرشید مولوی غلام رسول مرحوم بدایونی۔ آپ کی ولادت ۲۷ محرم ۱۲۷۴ ہجری مطابق ۱۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہوئی۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے۔ اپنے والدِ ماجد کی توجہ خاص سے مختلف اُستادوں کے زیرِ تعلیم رہے اور عربی فارسی دونوں زبانوں میں کافی استعداد بہم پہونچائی۔ ابتدائے زمانۂ شباب سے رندانہ مزاجی و حُسن پرستی کی طرف میلان طبع رہا۔ اساتذۂ ماسبق کے دیوان دیکھ دیکھ اور بھی طبیعت میں جوش آنے لگا۔ یہانتک کہ خود بھی فکرِ سخن میں منہمک ہوگئے۔ یہ پندرہ سولہ برس کے سِن کا ذکر ہے۔ رفتہ رفتہ کسی پختہ کار اُستادِ سخن کی تلاش ہوئی۔ اسی زمانے میں شمس العلماء مولانا سید الطاف حسین حالیؔ کا کلام سُنا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا حالی نیچرل شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوئے تھے۔ جناب بیخود کو اُس وقت اُن کی طرز

شیوۂ مہر و محبت تمہیں آتا ہی نہیں

اسکے ہاتھوں نملا چین مجھی کو دم بھر

وہ کہتے ہیں نہیں یہ نام کچھ خدا کا نام

کہا جب اُس سے کسی نے کہ مر گیا بیخود

کوئی نظیر نہیں اپنا بے کمالی میں

مجمع یاس کچھ ایسا دلِ ناشاد میں ہے

کہد یا اوسنے مرے دلمیں تمہارا گھر ہے

حاصل اُس مہ لقا کی دید نہیں

چھیڑ دیکھو کہ خط تو لکھا ہے

مجھسے قاصد نے کہا سُنکے یہ قاتل کا پیام

دردِ دل داغِ جگر مٹنے کو مٹتے ہیں مگر

خواہاں تھے حور کے نہ شرابِ طہور کے

مدعی کے سامنے کہتے ہیں کیسے مدعا

نصیحت کی بھی حد ہوتی ہے کوئی حضرتِ ناصح

جہاں یہ لب تک آیا کھل گئے چودہ طبق زاہد

تمہارے مرنے والوں کی سمجھ بھی کچھ نرالی ہے

کسی کا دل دُکھے یا جان جائے انکو کیا پروا

وہ سرشارِ شرابِ حُسن ہم مستِ مئے اُلفت

کسی ناشاد کا دل شاد کروگے کیا تم

مجھسے لے کر دلِ ناشاد کروگے کیا تم

ہمارے سامنے کیوں لے کوئی وفا کا نام

ملا جواب ہمیشہ رہے خدا کا نام

مگر جہاں نہیں یکتا ہیں اس کمال میں ہم

آج پامال سب ارمان ہوئے جاتے ہیں

اب وہ آباد رکھیں یا اسے برباد کریں

عید ہے اور ہمکو عید نہیں

میرے خط کی مگر رسید نہیں

آپ خط پا کے مجھے پیغام قضا دیتے ہیں

ٹکڑے ٹکڑے جگر و دل کو مٹا دیتے ہیں

ہم توبہ کر کے پھنس گئے ناحق عذاب میں

مُدعا یہ ہے کہ کہدوں مدعا کچھ بھی نہیں

بس اب سمجھا چکو تم ورنہ تمکو ہم سمجھتے ہیں

ہم اپنے ساغرِ مے کو بھی جامِ جم سمجھتے ہیں

قضا انکو شفا ہے زخم کو مرہم سمجھتے ہیں

وہ دل کو دل سمجھتے ہیں نہ دم کو دم سمجھتے ہیں

ہماری وہ سمجھتے ہیں نہ انکی وہ سمجھتے ہیں

کیا کہوں ہمدم دلِ پُر آرزو کی آرزو

آرزو مندوں نے تمکو آج خضر سمجھے مگر

تم مخاطب ہو کہیں کیسی ہی گفتگو سہی

آرزو اور اُس بتِ بیگانہ خو کی آرزو

کل تمہیں کو ہوگی اہلِ آرزو کی آرزو

آپ کی ہمکو تمنا ہے نہ تمکی آرزو

دل بھی عزیز ہے مجھے غم بھی عزیز ہے
یہ نعمت خدا وہ تو نکا دیا ہوا

ہوگیا سنگِ دریار بھی پامالِ عدو
مل گیا خاک میں ارمان جبیں سائی کا

آنکی حسرت بھی نہیں ہے یہی نہیں دل بھی
اب تو بیخود ہے یہ عالم مری تنہائی کا

یہ کوئی وقت ہے توبہ کا توبہ کر بیخود
خدا سے ڈر یہ جوانی میں پارسائی کا

وعدہ ہے قیامت کا اور اسپر یہ قیامت
کہتے ہیں خدا چاہے تو محشر ہی ہوگا

الٰہی ہمکو دلِ دردآشنا دینا
ہزار درد کا ہر درد میں مزا دینا

تم اپنے ہاتھ سے تعزیر روز ہے قسمت
جواب خط نہ کریں تو ہمیں سزا دینا

پردہ والے ہیں تو لیں بھی نہ آئیں
آنکھ سے پردہ کیا تو کیا کیا

سنکے میری موت غیروں نے کہا بیرحم
ضعف کے ہاتھوں عدم تک آن جایا جائیگا

رگِ گردن سے صدا آئی کہ اب یہ نکر
چلتے چلتے جو ذرا خنجرِ قاتل ٹھہرا

پردے سے پوچھتے ہو تڑا دل کہاں ہے اب
پہلو میں تیرے آؤ تو کہدوں یہاں ہے اب

سنعوں شاد نہو دولتِ دنیا پاکر
ہمتو کھو بیٹھے ہیں کیا جانیے کیا کیا پاکر

ہدفِ تیرِ جفا تم مرا سینہ نہ بناؤ
حسرتیں دل کی نکل جائیں نہ رستہ پاکر

چار دن میں یہی کانٹے کی طرح کھٹکے گی
شاد ہے کیا دلِ ناشاد تمنا پاکر

ابتو لوگوں کی ادائیں بھی ادا فہم ہوئیں
شرم رخصت ہوئی چتون کا اشارا پاکر

دیتے ہو بیخود ہے شوق کے طعنے کسکو
آپ میں کون ہے اب آپ کو تنہا پاکر

اس درجہ ہے وارفتۂ رفتار قیامت
جاتی ہی نہیں کوچۂ جاناں سے نکل کر

قبر میں بھی کیا نہ لینے دوگے چین
جاؤ کیوں بیٹھے ہو اب مدفن کے پاس

زندگی کو موت پر سو رشک آئے
کوئی جب آیا مرے مدفن کے پاس

اللہ رے سوزِ غم کے بدولت بہارِ داغ
دل ہے فدائے داغ جگر ہے نثارِ داغ

کیا ہوا اگر ستانے پہ پابند ہے کروہی
جس کی تسلیوں نے کیا بیقرار دل

اقران و اماثل میں ممتاز اور صاحبِ جاہ و مناصب تھے۔ نواب محمد میر خاں بہادر کو سرکار انگلشیہ سے بھی دو ہزار روپے ماہانہ کی پنشن خیر خواہی کے صلہ میں ملتی تھی جو اُن کی وفات کے بعد اُن کے فرزند رشید نواب سید محی الدین خاں عرف بُڈھن صاحب علاء الدولہ یمین الملک استقامت جنگ بھی غدر ۱۸۵۷ء تک پاتے رہے۔ غدر کے بعد اگرچہ عزت کے ساتھ الزام بغاوت سے وہ بری کر دیئے گئے مگر پنشن اور جاگیر ضبط ہو گئی۔ صرف چاوڑی بازار کی حویلی اور ایک موضع محمد گنج انہیں ملا حضرتِ بیخود کے حقیقی پر دادا نواب امتیاز الدولہ افتخار الملک سید احمد میر خاں منظور جنگ بہادر دربار شاہی میں منصب وزارت پر مامور تھے۔ اُن کے چھوٹے بیٹے یعنی بیخود کے دادا صاحب اپنے بڑے بھائی کی رحلت کے غم میں دہلی کی بود و باش ترک کر کے گوالیار تشریف لے گئے ایک سال بعد وہاں سے آکر سری مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر والیِ تجارہ کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور اُن کے مزاج میں اس قدر رسوخ پیدا کیا کہ مہاراجہ نے مرتے دم تک جدا نہ ہونے دیا۔ اُن کے سُرگ باش ہونے پر مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر فرمانروائے بھرت پور کی سرکار میں ان کا نصیب لڑا۔ مہاراجہ موصوف اور اُن کے جانشینوں نے بڑی قدر دانی فرمائی اور اُن کو کہیں جانے کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ دو گانوں سالم جاگیر میں ملے ہوئے ہیں۔

جناب بیخود کی عمر کا ابتدائی زمانہ بھی آپنے والد شمس الدین احمد کے ساتھ (قصبہ کالمبن کے انسپکٹر ہیں) ریاست بھرتپور ہی میں گذرا اور وہیں فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم پائی پھر دہلی آکر اپنے شوق سے اچھی علمی استعداد پیدا کی اور وجاہت خاندانی و میلان طبع سے اچھے بزرگوں کی صحبت اُٹھائی۔ ابتدائی عمر سے آپکو شعر و شاعری کا شوق ہے۔ اس فن میں جہاں اُستاد نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم کے شاگرد رشید ہیں۔ طبع سلیم و ذہن رسا کی مدد سے جلد اس میدان کے پورے شہسوار بن گئے۔ اور اپنے

زاہد وہ گناہوں سے بھی بیزار ہے لیکن
نفرت ہے اُسے زُہدِ ریائی سے زیادہ
ہر فرد و بشر خلق میں طالب ہے انہیں کا
کیا بات بتوں میں ہے خدائی سے زیادہ

ابتو مل جاؤ کہ سارے شہر میں
شہرتِ نا آشنائی ہو چکی

میکشوں کا خُمِ مے توڑ دیا زاہد نے
یا خدا بوند نہ آبِ چشمۂ زمزم میں رہے
راہ پر ناصحِ مشفق کو لگا لو رندو
یہ بھی کچھ لطف ہے ہمسا ہو اور حرم میں رہے

دعا کو نہیں راہ ملتی فلک کی
کچھ ایسا ہجومِ بلا ہو رہا ہے

ہماری خاک بھی برباد ہو گئی لیکن
کسی کے دل میں ابھی تک غبار باقی ہے
اجل نے آکے وہ قصہ ہی کر دیا فیصل
نہ منتظر شبِ انتظار باقی ہے
غیروں کے جلانے کو ملا مجھ سے وہ بیخود
خالی نہیں بیداد سے ظالم کی وفا بھی
ہجومِ شوق میں کچھ سوجھتا ہو تو قسم لیجے
یہ ناحق شرم کیسی کیوں یہ پردہ ہم سے ہوتا ہے
یہ شوخی دیکھنا دل کے تقاضے پر وہ اُٹھتے ہیں
ملایا خاک میں خود اور تقاضا ہم سے ہوتا ہے
ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردا ہم سے ہوتا ہے
اُلجھ کے حضرتِ دل بھی اگر نکل جاتے
کسی کے گیسوئے خوش خم کے بل نکل جاتے
دیکھتے ہیں مجکو کس حسرت سے وہ
دید کے قابل ہے حیرانی مری
اب جگہ دل میں کہاں آپ کے پیکاں کیلئے
ہو گیا وقف یہ گھر حسرت و ارماں کے لئے
وہی جنت ہے جہاں چین ملے دل بہلے
جس پہ دل آئے وہی حور ہے انساں کیلئے

بیخود

بیخود۔ منشی سید وحید الدین دہلوی۔ ان کے اجداد امجاد ہمیشہ مناصبِ جلیلہ پر سرفراز رہے۔ چنانچہ سید شاہ نظام الدین احمد صاحب جن کا چھتا اور تالاب دہلی میں شاہ جی کی نسبت سے مشہور ہے۔ مہاراجہ مادھوجی سیندھیا فرمان فرمائے گوالیار کی طرف سے خاص دہلی کے صوبہ دار تھے۔ اُن کے خلفِ اکبر نواب محمد میر خاں اعظم الدولہ معین الملک اور خلفِ اصغر شرف الدولہ نصیر الملک نصرتِ جنگ کے خطابات سے

تھی شبِ ہجر تو جان بچی لاکھوں پائے
اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود

مری محرومیٔ قسمت سے تو واقف تو ہے یارب
حیا غماز ہے رازِ محبت کھول دیتی ہے

الٰہی فصلِ گل پر بھی خزاں کا حکم جاری ہے
کھٹکتی ہے مرے سینے میں یارب آرزو گل کی

لگی میں دل کی لو میں شمع کی بیحد تفاوت ہے
غضب ہے اس تمنا سے وہ خواہش دل کی کرتے ہیں

وہیں بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتے ہیں
یہ کوئی بھید ہے اسمیں بھی کوئی رازِ مخفی ہے

ہماری جان ہو کر جب جدا رہتے ہو تم ہم سے
بجھائیں شمع سے دل کی لگی پروانے جب جائیں

جھجک کیسی یہ خنجر پھیرنے سے ہچکچانا کیا
سنبھل جائینگے بیخود آگیا ہے غش نہ گھبراؤ

ہاتھ میں طاقت اگر اے رہزنِ جیب اتنی نہیں
جانتا ہوں سنے ثباتی سے تری ہر بات میں

اُسکے قدموں میں ہمارے دلکو لیکر ڈالدے
آپ سے کہتے ہیں کہ رہنا ہے ترا اکثر خیال

یار بدخو آسماں دشمن زمانہ برخلاف
اُسکو سمجھے اسکو دیکھے عقل و چشم اتنی کہاں

ساربان ناقہ کی شوخی اور دیتی ہے پتا
خیر سے کٹ گئی صد شکر یہ آفات کی رات

آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات
وہیں پامال کردے دلمیں جو ارمان پیدا کر

نگاہِ شرم میں شوخی ترے قربان پیدا کر
چمن میں پھول پیدا کر تو نافرمان پیدا کر

نکل جائے یہ دل کی پھانس وہ سامان پیدا کر
تمیزِ عشق پروانے سے اے نادان پیدا کر

زمانہ جانتا ہے اسکے دشمن مجھپہ مرتے ہیں
ستم کیسا تمہارے لطف سے بھی ہمتو ڈرتے ہیں

مرا دل دیکھکر وہ اپنے دلپر ہاتھ دھرتے ہیں
تو پھر کیا جھوٹ کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں مرتے ہیں

یہ اپنی آگ میں جلتے ہیں تو کیا گُل کترتے ہیں
نہ تڑپیں گے قسم لے لیجئے کیوں آپ ڈرتے ہیں

بھلی تشویش کی تم نے کہیں ایسے بھی مرتے ہیں
پھیر دے دل پر چھری چینِ جبیں اتنی نہیں

چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں
کیا رسائی تیری زلفِ عنبریں اتنی نہیں

آپکے دلمیں تو گنجایش کہیں اتنی نہیں
یہ مصیبت سہ سکے جانِ حزیں اتنی نہیں

یہ رسا اتنی نہیں یہ دوربیں اتنی نہیں
شوخ طینت لیلیٰ محمل نشیں اتنی نہیں

نامی گرامی اُستاد کی نظر توجہ سے اس وقت اپنے ہم چشموں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضرتِ داغ انکی زباندانی اور مہارت فن کا خود اپنے سرٹیفکٹ میں اعتراف فرماتے ہیں۔ فصاحتِ روزمرہ کے ساتھ خیال بندی کی طرف زیادہ میلان ہے۔ داغ صاحب فرماتے ہیں کہ انکی شاعری اور زباندانی میرے قابلِ اطمینان ہے۔ اصناف کلام پر بفضلہ تعالےٰ قدرت رکھتے ہیں داغ کی زبان انکی زبان ہے یہ جسے اُستاد کو فخر و ناز کرتے ہیں ہیں انکو اپنا بچہ سعید جانکر دعا عمر دراز۔ نظم کے علاوہ نثر کا بھی آپ کو شوق ہے۔ ناول موسوم بہ "نام ونگ" آپ ہی کی تصنیف ہے۔ اب چھ سات سال سے وطن میں اقامت گزیں اور مقامی پادریوں کو اردو و فارسی پڑھاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں اور ترتیب تذکرہ میں بھی گاہ گاہ اپنے مشورہ سے امداد دیتے رہتے ہیں۔ بڑے خلیق۔ ملنسار۔ زندہ دل۔ پابند وضع شخص ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔

نگاہ غیر کی جانب خطاب ہے مجھسے تماشا سی شاطرانہ دیکھی نہ دیکھیں نہ دیکھا تھا جو بزم دشمن میں دیکھا	تری قسم کا یقیں اب ضرور ہے نے کیا تصور میں نقشے جماتی ہے کیا کیا محبت تماشے دکھاتی ہے کیا کیا
ٹوٹنے سے اور پیدا دل میں جوہر ہو گیا کیا اسی کا نام الفت ہے کہ جب دیکھا اسے ناپ لیجے اپنے گیسو کی درازی قد سے آپ آنکھ کہتی ہے کہ اب برباد کرتے ہیں تجھے جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی دیکھی	قیمتی شیشہ ہمارا بال پڑ کر ہو گیا خود بخود اک جوش پیدا دل کے اندر ہو گیا اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا منہ سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا گھر ہو گیا ان دیکھنے والوں نے تجھکو ابھی کیا دیکھا
بات سننے میں کیا قباحت ہے	ہر سخن مدعا نہیں ہوتا
بات کرنے میں گذرتی ہے ملاقات کی رات تکیہ خشتِ خم ہے فرشِ زمیں بسترِ خواب	بات ہی کیا ہے جو رہجاؤ یہیں رات کی رات یہ چین سے کٹتی ہے رندانِ خرابات کی رات

سوالِ وصل پر کچھ سوچ کر اس نے کہا مجھ سے
ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو

لگا دو آگ خاطر سے ہماری غیر کے غم کو
اٹھا کر جھونک دو دوزخ میں اس نارِ جہنم کو

مثل ہے یہ تو قسمت کسکی کسکے ساتھ ہوتی ہے
عدو کو گالیاں دی ہیں تو بوسے دیجئے ہم کو

رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا
خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو

قیامت ڈھا رہی ہیں گرمیاں خورشیدِ محشر کی
یہی موقع تو ہے اے داغہائے دل ذرا چمکو

نہ آنسو آنکھ میں آئے نہ دل میں داغ ہو پنہاں
وہ کہتے ہیں چھپاؤ راز دارو نے مرے غم کو

سپہرِ کینہ پرور کی سخاوت میں ظرافت ہے
دیئے موتی مگر جھوٹے دیئے ظالم نے شبنم کو

نہ دیکھ انسان کو اے آسمان چشمِ حقارت سے
ارے تیرے فرشتوں نے کیا ہے سجدہ آدم کو

سدھارو گھر کو جاؤ ہاتھ دھو لو تیغ کو پونچھو
قیامت اب ہماری نعش پر آئے گی ماتم کو

سینے سے دل نکل آیا ترے پیکان کے ساتھ
صاحبِ خانہ بھی رخصت ہوا مہمان کے ساتھ

کیوں الجھتے ہو ہر اک بات پہ مجروح ان سے
تم بھی ناداں بنے جاتے ہو ناداں کے ساتھ

جو دم ہے ہجرِ یار میں خنجر کی دھار ہے
میری ہی آہ میرے کلیجے کے پار ہے

چھوٹا نہ بعدِ مرگ بھی شادی و غم کا ساتھ
ہنسنے کو پھول رونے کو شمعِ مزار ہے

بے سبب دھوم قیامت کی مچا رکھی ہے
تیرے قامت نے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

طرزِ رنجش کی زمانے سے جدا رکھی ہے
بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے

اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملئے
سن بھی لی آپ نے جو اس نے اڑا رکھی ہے

دیکھ لیں تجھکو تو پھر کافر و دیندار ہیں ایک
تیرے پردے نے قیامت یہ اٹھا رکھی ہے

رہے جاے میکدے کے رندو نہیں ذکر اے واعظ
سو چھپا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے

کہا انکا عوم ہے کس سے لڑے ہو کیا جی میں ٹھانی ہے
شکن ماتھے پہ آنکھیں سرخ چہرہ ارغوانی ہے

خدا رکھے دلِ مرحوم کی اب قدر جانی ہے
یہ داغِ آرزو اس مرنے والے کی نشانی ہے

تم اپنی سی کئے جاؤ ہم اپنی سی کئے جائیں
جفا کا حسن موجد ہے وفا کا عشق بانی ہے

ہمنے دیکھا ہے زمانہ ہمنے دیکھے ہیں حسیں
بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں

آپ جاتے ہیں تو اسکو ساتھ لیتے جایئے
پھر پلٹ آئے نگاہ واپسیں اتنی نہیں

بتکدہ میں دل ٹٹولو دل جناب شیخ کا
بحث پڑ اکر جس میں رکھ لیں آستیں اتنی نہیں

پہلے دیکھی غور سے تصویر یوسف پھر کہا
جتنی دکھیت میں ہے اچھی دلنشیں اتنی نہیں

سانس کچھ باقی ہیں اب وہ بھی فقط گنتی کے ہیں
آپ پر صدقے کروں جان حزیں اتنی نہیں

یہ اور وقت رخصت اندھیر کر گئے ہیں
وہ اپنے ساتھ لیکر میری نظر گئے ہیں

دل کا سودا تو نگاہوں میں پٹا کرتا ہے
کسکو معلوم ہے کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

غم الفت سے دل لاکھوں پریشاں ہوتے جاتے ہیں
یہ گھر آباد ہو جانے سے ویراں ہوتے جاتے ہیں

ملا کر خاک میں مجکو بنے ہیں قدرداں میرے
بیاں کن حسرتوں سے میرے ارماں ہوتے جاتے ہیں

جوانی میں سمجھ آئی ہے ہم قائل نہیں اسکے
کہ جتنی عمر بڑھتی ہے وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

وہی ہم ہیں وہی دل ہے وہی دل کی تمنا ہے
نئے سر سے انہیں باتوں کے ارماں ہوتے جاتے ہیں

نگاہیں جب لڑیں آپس میں یہ بھی دیکھتے جاؤ
عیاں کس کی نظر سے راز پنہاں ہوتے جاتے ہیں

نہ دیکھے ہونگے رند لاابالی تمنے بیخود سے
کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

تمہارا تو یہ شیوہ ہے جسے تاکا اُسے مارا
نگاہ لطف کہتی ہے ستم میں بھی داخل ہوں

اس طرح سے برباد نکر اہل وفا کو
ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں ہم لوگ وفا کو

مدفن سے نکل کر کوئی دامن نہ پکڑلے
ٹھکرا کے چلا کر نہ مزار شہدا کو

گریباں چاک ہے میرے ہی ماتم میں سحر دیکھو
کبھی کو شمع بھی روتی رہی ہے رات بھر دیکھو

عدو کی بزم میں راز محبت کھل گیا دیکھا
کہا تھا تم سے کسنے تم کن انکھیوں سے ادھر دیکھو

اسیران قفس لو پر نکل آئے قیامت کے
مرے صیاد نے چھوڑیں ہیں کیا لغزش شہ پر دیکھو

لڑائی سے یونہی تو روکتے رہتے ہیں ہم تمکو
کہ دل کا بھید کہہ دیتی ہے لڑ کر نیچی نظر دیکھو

حسرت ہی نکلتی ہے نہ خنجر ہی نکلتا ہے
نزاکت نے ہمارے قتل پر باندھی کمر دیکھو

نکلنے دی دمِ کشتن نہ منہ سے آہ بھی پوری
کئے ہیں میرے قاتل نے مری فریاد کے ٹکڑے

گزر جاتے ہیں دو دو دن ہمیں بے آب و دانہ کے
قفس میں کون کھائے بیٹھکر صیاد کے ٹکڑے

دکھا دینگے تمہیں بھی جو قیامت اُسپہ گذرے گی
اُڑینگے ایک دن چرخِ ستم ایجاد کے ٹکڑے

زمانے سے جدا ہوتی ہے کچھ خلقت حسینوں کی
دہن موہوم ہوتا ہے کمر معدوم ہوتی ہے

دونوں کی صبحِ وصل کو حالت بدل گئی
اُنکی نظر پھری میری قسمت بدل گئی

محفل وہی مکان وہی آدمی وہی
یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی

پروانہ شمع بنکے جلا شمع گل بنی
آتے ہی اُنکے بزم کی رنگت بدل گئی

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتا ملتا ہے
سننے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے

حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا
تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے

پی کے زاہد نے ناب یہ ارشاد کیا
اِسکا انگور کے شربت میں مزا ملتا ہے

عالمِ کیف میں ہستی سے گزر جاتا ہوں
چشمِ ساقی سے مجھے جامِ فنا ملتا ہے

بتکدہ میں ہے خدائی کا تماشا موجود
اور کعبہ میں فقط ایک خدا ملتا ہے

سختیاں ہجر کی سہجاتی ہیں سب بعدِ وصال
قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے

ابتو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجھکو کمبخت ستا کر انہیں کیا ملتا ہے

ہر ایک بات تری بے ثبات کتنی ہے
پلٹنا بات کو دم بھر میں بات کتنی ہے

ترے شہید کو دولہا بنا ہوا دیکھا
رواں جنازے کے پیچھے برات کتنی ہے

جو ہنسکے کھلتے ہیں غنچے وہ دنکو جھڑتے ہیں
بہارِ باغِ جہاں بے ثبات کتنی ہے

ہائے وہ نیچی نظر سے مسکرا کر دیکھنا
ایک برچھی تھی کہ دل کے پار ہوکر رہ گئی

مہرباں وہ بتِ کافر اگر اک آن رہے
ہے تو یوں پھر کوئی کافر ہی مسلمان رہے

اُس گنہگار کو زاہد نہ گنہگار سمجھ
عمر بھر اپنے کئے سے جو پشیمان رہے

[illegible]

بیخود - حکیم احمد علی خان - رامپور کے باشندے اور موزوں طبع شاعر ہیں - وہاں کے

نہ ہم نکلیں کہیں شب کو نہ دن کو تم کہیں جاؤ
مجھے سمجھا رہے ہیں تم کے معنی جان ہی جانا
جگر پر ہاتھ دل پر تکیہ آنکھوں پر رہیں دامن
دعائیں مانگتی گذری ہے اون کو
جوانی کا وہ عالم جب یہ دل بے اختیار آئے
قیامت ہے جو لیسے پر دل امیدوار آئے
ہمارا فرض تھا سر کو تہ شمشیر رکھ دینا ہے
خدا جانے کہ کیا گذری خدا جانے کہ کیا بیتی
قیامت کا تو وعدہ آپ یہ مضموں قیامت کا

تمہاری تو خدا جانے ہمیں تو بدگمانی ہے
لب عیسیٰ پر انکو خون کی تہمت لگانی ہے
یہ افسانہ نہیں مجنوں کا یہ میری کہانی ہے
شب غم جان بچ جائے کیسی ہے
وہ صورت پیاری پیاری دیکھتے ہی جسکو پیار آئے
جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے
قضا کو کیا کریں ہم بوجھ گردن کا اُتار آئے
جناب شیخ کعبے سے نہایت شرمسار آئے
یہ ممکن ہی نہیں کمبخت تمکو اعتبار آئے

سمجھ کر ہی کچھ دلمیں خاموش ہوں نہ مے نوش ہوں میں نہ بے ہوش ہوں میں
یہ قصہ یہ جھگڑا نہ چھیڑو تو بہتر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے
اشارے بھی آپس میں کچھ ہوتے جائیں کہانی جدائی کی ہے روتے جائیں
سنو گے اسی طرح گر نیکے پتھر نہ میں کہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے

بل بھی چتون پر ہنسی کے ساتھ ہے
مر گیا بیخود تو اس کا کیا ملال

بانکپن کس کی سادگی کے ساتھ ہے
موت تو آخر سبھی کے ساتھ ہے

حسرت کعبہ یہ کیا ہے دیر سہی ہو
جو نگری تھیں التجائیں کیں
دل لگاتا ہوں دل سے اس بُت کے
انکی طرف سے دل کی طلب بارہا ہوئی
ایسی تو ہمسے وصل کی شب بارہا ہوئی

حج کا موسم نہیں تو سیر سہی
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی
ایک کعبہ تو ایک دیر سہی
چکر چلے فریب دیا التجا ہوئی
غصے سے جب نہ کام چلا التجا ہوئی

یہ بُت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے فولاد کے ٹکڑے

کلیجے اس نازکی پر عاشق ناشاد کے ٹکڑے

اور کچھ حال معلوم نہوا۔ کلام ہم رسیدہ کا انتخاب حاضر ہے۔

ہماری سخت جانیکا نہوگا بال بھی بیکا	وہ ہونگے اور خنجر کا لوہا مانجاتے ہیں
عاشق کی جسکے ہجر میں حالت خراب ہے	مذہب میں اُسکے ظلم ہی کرنا ثواب ہے
ہم رند مشربوں سے ملیگا کون آنکھ	قسمت میں زاہدوں ہی کی روزِ حساب ہے
لگ جائے گی نظر نہیں ابھی یہ تاک جھانک	نام خدا بہار پہ جوشِ شباب ہے
قدم جمنے دیا ہرگز نہ جانبازانِ الفت کا	فلک سے بڑھ کے قاتل تیرے کوچے کی زمیں نکلی
تصور نے تو پکڑا تھا تہارا جا نکر دامن	مگر جب غور سے دیکھا تو اپنی آستیں نکلی

بیدار۔ میر محمدی دہلوی۔ شاگرد میر درد و شاہ حاتم و مرید مولانا فخرالدین قدس سرہٗ۔ دہلی چھوڑ کر اکبرآباد جا رہے تھے میر اور مرزا کے ہمعصر تھے۔ کچھ دنوں مرتضیٰ علی فراق سے بھی اصلاح لی تھی۔ دہلی میں قیام کے وقت عرب سرا میں سکونت پذیر رہتے۔ کلام صاف دلپذیر اور معرفت سے بھرا ہوا ہے یہ بھی شاہ حاتم کے اُن شاگردوں میں تھے جنہوں نے اُردو زبان کی درستی میں سعی موفور کی تھی۔ شاہ حاتم کے وقت تک اُردو شاعری صرف رعایت لفظی تک محدود تھی۔ جب سودا نے اس رنگِ ناہموار کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اسمیں کوشش کی۔ بلکہ سودا کی صفائی کے ساتھ اپنا تصوف کا رنگ بقدر مناسب شامل کر کے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کر لیا۔ انکے بعض اشعار اپنی دلاویزی کے باعث ابتک لوگوں کی زبانوں پر بیساختہ جاری ہیں قبول خاطر و لطف سخن خداداد است۔ میر محمدی بیدار نے بمقام آگرہ ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء میں انتقال فرمایا دو دیوان مرتب کر لئے تھے جو تلاش سے اب بھی ملجاتے ہیں اب کلام کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

بھرا نہ مثل نگیں زخم یہ مرے دل کا	کندہ ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار	گل جدا سرو جدا نرگس بیمار جدا
عکس اُسکا پڑا جو دریا میں	آب حیرت زدہ ہو بہ نسکاز
واہ واہ اے دلبر کج فہم یوں ہی چاہئے	ہم سے ہو نا آشنا غیروں سے ہونا آشنا

رسالوں میں کلام شایع کراتے رہتے ہیں۔ چند اشعار انتخاباً درج ہوئے ملاحظہ ہوں۔

پسِ مُردن مرے کام آگیا یہ سوزِ دل میرا	کہ دودِ آہ کا ہے شامیانہ میرے مدفن پر
مٹائے سے مٹے گا کیا یہ میرا خونِ ناحق ہے	جو دھو ڈالو گے دامن سے تو رہ جائیگا گردن پر
دامنِ دل سے کسیکے کبھی دھویا نہ غبار	کیا کیا دیدۂ غمناک نے گریاں ہوکر
دیر سے کعبے میں کیا لطف سوا ہے واعظ	دل نشیں کون سا گھر ہوتا ہے ویراں ہوکر

بیخود

بیخود۔ حکیم سید شاہ محمد فاخر۔ الہ آباد کے رہنے والے اور آجکل کے خوشمشق شعرا میں ہیں اور یہ کلام ہے۔

لوگ پھر جیتے ہیں مرنے کی تمنا میں وہاں	عرصۂ حشر ہوا کوچۂ قاتل نہ ہوا
دل پسپا کرتے ہیں تو فتنے اٹھا کرتے ہیں	آپ چلتے ہیں کہ اک حشر بپا کرتے ہیں
چہرے پر اب نقاب ذرا ڈال لیجئے	بس ماہتاب مہر کی تنویر کر چکے
اب کعبے چلئے کیجئے بیخود خدا خدا	نالے بتوں پر آپ کے تاثیر کر چکے
جب ادائے شکرِ رحمت میں ہوا ہے قصور	وقتِ کلفت شکوۂ جور و ستم کیا کیجئے
اک نفس کا فرق ہے۔ ملجائینگے سب روزِ حشر	دم زدن کی بات ہے پھر اس کا غم کیا کیجئے

بیخود

بیخود۔ منشی احمد صاحب باشندۂ موہان۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کے عزیز اور غالباً انہیں کے شاگرد ہیں۔ علمی استعداد معقول اور ابھی خوشمشقی کا عالم ہے چند شعر درج ذیل ہیں۔

کرم اے خود فراموشی کہ کوئی جلوہ آرا ہے	قیامت ہے کہ میں محوِ تماشا ہو نہیں سکتا
مری ایذا رسانی مجکو یوں تسکین دیتی ہے	کہ تیرا ہو کے وہ ظالم کسیکا ہو نہیں سکتا
جو خود بینی وہاں ہے یاں وہی ہے خود فراموشی	یہاں کچھ امتیازِ قیس و لیلیٰ ہو نہیں سکتا
ترے حسنِ خرد دشمن سے جب اک حال ہے سب کا	ہجومِ حشر میں پھر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا
عبث شوقِ تماشا شکوہ سنجِ بے نیازی ہے	دوستِ ناز اے بیخود کسی کا ہو نہیں سکتا

بیخود

بیخود۔ محمد اکرام اللہ خاں بیخود ملازم کوتوالی میرٹھ۔ بجز اسکے ذرا آپکو مولانا شوکت میرٹھی سے تلمذ ہے

دامنِ کوہ تیرے ہو چکے اب تک
ہر چند غبار ہو گئے ہم

نے پرِ پرواز ہے بیدار نے فصلِ بہار
کس توقع پر قفس سے ہوویں آزاد ہم

خرقہ رہنِ شراب کرتا ہوں
دلِ زاہد کباب کرتا ہوں

جانیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں
بلبلے ظالم تیری بے پروائیاں

لپٹے چھاتی پر میرے لیتا تھا وہ
آہ کس کس آن سے انگڑائیاں

صبح ہوتے آئی رات آخر ہوئی
بس کہاں تک شوخیاں چلائیاں

دیکھتے ہی اُسکو ناداں ہو گیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

زنگاں کے تئیں کیا رو دیں کہ کوئی دم میں
ہم بھی اس بزم سے جیوں شمع سحر جاتے ہیں

کہاں گنجائشِ حرف اُس دہن میں
نہیں جائے سخن میرے سخن میں

ہم تری خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

یہاں تو جی آنکے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانئے وہاں اسکو خبر ہے کہ نہیں

جو ہم کلام اُس لبِ جاں بخش سے ہوئے
کس سے او نہیں دماغ کہ پھر گفتگو کریں

سے اپنے زمانے سے جدا روز و شبِ سوختگاں
شام سے کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

کہاں ہے طالعِ بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

دیکھ اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ

محشرِ فتنہ ہے اُس شوخ کی رفتار کے ساتھ
جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کے ساتھ

شکوہ کم نگہی آنکھوں نے اوس کی نکرو
گفتگو خوب نہیں مردمِ بیمار کے ساتھ

جو ہوئی سو ہوئی اب جانے دو اے بندہ نواز
آکے مل جاؤ گلے پیار سے بیدار کے ساتھ

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

جام و مینا و مے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

نہ گئی تیری سرکشی ظالم
ہمنے ہر چند جبہ سائی کی

مے و ساقی ہیں سب یکجا آہا آہا آہا
عجب عالم ہے مستی کا آہا آہا آہا

کیا بیدار سے عاشق کو تو نے قتل اے ظالم
کوئی کرتا ہے کام ایسا آہا آہا آہا

عمر وعدوں ہی میں گنوائیے گا
آئیے گا بھی یا نہ آئیے گا

یہی قامت ہے گر یہی رفتار
حشر برپا ہی کر دکھائیے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشکباری کا
سبق لیتی ہے مجھ سے برق بھی بیقراری کا

صبح کو بے نور بن تیرے چراغ لالہ تھا
جائے بانگ گل چمن لبریز آہ و نالہ تھا

کس کس کا دل نہ شاد کیا تو نے اے فلک
اک میں ہی غمزدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا

جو کچھ کہ تھا وظائف اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام ہمیں یاد رہ گیا

بیدار راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا ہوتا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا اک آگ کا پرکالہ تھا

بہے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اشک لال ایسے
مے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا سبو ٹوٹا

آنکھوں میں چھا رہا ہے ازبس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا

عجز و نیاز میرا حد سے زیادہ گذرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا

بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوے
اس پر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا

یہ مار زلف ہے وہ جسکا بچے نہ کاٹا ہو
اُترے ہے زہر کس سے افعی گزیدگاں کا

یوں تیرے سُنا ہے وہ مستِ ناز بیدار
تہ کر گیا مصلّے عزلت گزیدگاں کا

پھونک دی یہ آگ کس کے حسنِ بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانہ میں آج

تھا یہی زور تری زلفِ دل آویز کا بس
خم ہوئی لا نہ سکی تاب گرفتاری دل

بھڑکا ہے آہِ سرد سے جوں شعلہ داغِ دل
روشن دمِ صبا سے ہوا ہے چراغِ دل

نبیرۂ محسن الدولہ آنریبل راجہ سر صاحب دیال۔ کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ممبر کونسل واضع آئین و قوانین ہند۔ راجہ صاحب موصوف الحاق پنجاب سے پیشتر سرکار شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ و مہاراجہ دلیپ سنگھ میں ناظم سائرات و کانِ نمک کا عہدۂ جلیلہ رکھتے تھے۔ عنفوانِ شباب (۱۸۸۴) سے آپ کو شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے کچھ دن مقامی شعرا سے استفادہ کرتے رہے پھر حضرت داغ مرحوم سے مشورہ لینا شروع کیا۔ چنانچہ آپ کے حسب الطلب ایکمرتبہ حضرتِ داغ رامپور سے امرتسر اور کرشن کوٹ کی سیر کے لئے بھی آئے تھے اور کئی مہینے آپکے ہاں مہمان رہے آپکے کلام میں روزمرۂ اہلِ زبان کا لطف موجود ہے عاشقانہ مضامین بھی اچھے سلیقہ سے باندھ جاتے ہیں۔ راقم تذکرہ کے احباب میں ہیں۔ نہایت منکسر مزاج۔ خلیق اور زندہ دل شخص ہیں۔ آپکے چھوٹے بھائی آنریبل ٹھاکر مہان چند صاحب آجکل پنجاب کونسل کے ممبر اور ہندو رئیسوں میں بڑے راسخ الاعتقاد۔ روشن خیال۔ نیک نفس نوجوان ہیں۔ بیدار صاحب کی عمر اب ۵۸ سال کے قریب ہے عرصہ ہوا آپ کا دیوان شائع ہوا تھا۔ چند شعر درج ذیل ہیں۔

عاشق کا حال پوچھ نہ بازارِ حسن میں
دل بیچکر بھی تیرا خریدار ہی رہا

کیا سنائیں کہ ہجر کیا گذرا
قصہ جانے بھی دو گیا گذرا

اٹھائے رنج کیا کیا زندگی میں
اجل آجان بچتی ہے اسی میں

جو ہوتے تم بھی خوش میری خوشی میں
تو حسرت رہ نجاتی جی کی جی میں

ہزاروں مر گئے قاروں سے بڑھکر
خدا زر دے تو دل دے آدمی میں

خدا بخشے تو بخشے دولتِ عشق
مجھے لاکھوں کروڑوں ہیں اسی میں

بن نہیں پڑتی آؤ مر دیکھیں
کچھ تو بخت آزمائی کر دیکھیں

تماشہ ہے دل لیا آپ نے
یہ کہکر کچھ اسکی ضرورت نہیں

جاں بلب ہو گئے اب کون سنبھالے دلکو
جیسے کر پھینکتے ہیں نازک پیالی دل کو

قطعہ

رات خلوت میں کیا اسنے جو شکوہ دل کا
اور کہا ہنسکے کیا تیرے حوالے دل کو

بیدار کیونکہ آتشِ دل اشک سے بجھے / ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی / ابھی یاں چھین لئے جبہ و دستار کئی

ربط جو چاہئے بیدار ہو اُس سے معلوم / مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ہے / اے نالۂ جانسوز یہ کیا بے اثری ہے

جی میں ہے دکھا دیجئے اک روز ترے قد کو / جو شخص کہ منکر ہیں اے یار قیامت کے

مقدور کیا ہے مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے / ہیں چشم و دل مگر اُسکے جہاں چاہے واں رہے

نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا / محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے

ہستی ہی میں ہے سیر عدم آنکھ یاں جسے / فکرِ میانِ یار و خیالِ دہاں رہے

بیدار زلف کھینچئے اُدھر چشم یار ادھر / حیران ہے دل کہاں نہ رہے کس کے ہاں رہے

تیرے مژگاں ہی نہ پہلو مارتے ہیں تیر سے / ہمسری رکھتے ہیں ابرو بھی ترے شمشیر سے

بیدار

بیدار - رئیس الدولہ علی حسن بہادر بیدار لکھنوی مقرب بارگاہ واجد علیشاہ بادشاہ مقیم کلکتہ سلطانی مطبع کے مہتمم تھے۔ کچہری وساطت وافسری خوشنویسان کے محکمے بھی انہیں کے متعلق تھے۔ اور کتب خانہ شاہی بھی انہیں کی تفویض میں تھا۔ ۱۲۹۴ھ تک مٹیا برج میں باعزاز وآبرو بسر کرتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ انکا کلام یہ ہے۔

تیرے ملنے سے اے بلقیسِ عالم / سلیماں ہو گیا بیدار تیرا

اے قاتلِ عالم تجھے منظور ہے اب کیا / چھٹتی نہیں قبضہ سے جو شمشیر کسی وقت

اٹھا جہاں سے تمہارا شیدا نہ سمجھو غفلت نہ غش سمجھنا / یہ خواب تو خواب ہے اجل کا نہ تو جو باور جگا کے دیکھو

کیا ہے حق نے نہیں مسیحا پڑا ہی بیجاں تمہارا شیدا / ابھی تو ہوتا ہے زندہ مُردہ لبوں کو اپنے ملا کے دیکھو

ابھی تو ہو جائے حشر برپا ابھی تو بدلے جہاں کا نقشہ / ابھی دگرگوں ہو حالِ دنیا تم اپنی چتوں پھرا کر دیکھو

پڑے ہوئے ہیں اب زندگی کو لالے یہی تو ہیں آخری سنبھالے / خدا ہی بیدار کو بچالے جو دیکھنا ہے تو آکے دیکھو

بیدار

بیدار عالیجناب بیر بہر راجہ ہر کشن سنگھ بہادر جاگیر دار کشن کوٹ (ضلع گورداسپور) و رئیس امرتسر

بچپن میں مولوی محمد لطیف صاحب جو کابل کے ایک بڑے عالم تھے ان کے عربی معلم مقرر ہوئے
پھر تیرہ سال کی عمر سے انگریزی و فارسی تعلیم شروع ہوئی۔ انگریزی میں انٹرنس کلاس تک پڑھا
ہے۔ آغا محمود علی شیرازی سے فارسی پڑھی اور درسیہ کتابوں کی تکمیل کی۔
سنہ ۱۹۰۲ء میں اپنے دوست میرزا فقیر محمد کے اصرار سے ایک مشاعرے میں انکو بھی طبع آزمائی کا
موقع ملا۔ یہی غزل گوئی کی ابتدا ہوئی۔ اُس غزل کا یہ مطلع تھا۔

جو اُس بت پر آئی تو کیا ہے کسی کا	طبیعت پہ بھی بس چلا ہے کسی کا

مشاعرے میں اس غزل کی بہت تعریف ہوئی۔ جب کچھ غزلیں جمع ہو گئیں تو اُستاد کی تلاش ہوئی
چنانچہ اپنا کلام حضرتِ داغ دہلوی مرحوم کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا۔ اور اُنھوں نے اپنے
فیضِ عام سے ان کو بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا۔ جناب بیدار اگرچہ ابھی نومشق نوجوان ہیں مگر
طبیعت رسا اور سلجھی ہوئی پائی ہے اگر توجہ سے کچھ دنوں محنت کی تو اس فن میں اچھی مہارت ہوجائیگی
طبیعت چلبلی اور معنی یاب زبان کی شوخی اور بیان کی سلاست قابلِ تعریف ہے۔ اب اُنکا تھوڑا سا
کلام انتخاباً درج کیا جاتا ہے۔

آتی خود پردۂ محمل سے نکلکر لیلےٰ	جذبۂ شوق اگر قیس کا کامل ہوتا
تم جفاکار و ستمگار ہو تم کیا جانو	مہر کیا چیز ہے کرتے ہیں وفائیں کیونکر
ناز و انداز و ادا غمزہ کرشمہ شوخی	دلکو ہم اتنے اُچکّوں سے بچائیں کیونکر
داغِ دل داغِ جگر دو نہیں پتھر کی لکیر	مٹنے والے نہیں یہ انکو مٹائیں کیونکر
کہتے ہیں دیکھکر وہ مرا داغدار دل	کھوٹا ہے مال کوئی خریدار ہو تو کیوں

بجا ہے تم تو وعدے کے بڑے سچے ہو کیا کہنا	ہمیں جھوٹے ہیں دم دیتے رہے تمکو ہمیں برسوں
ہمارے گھر بھی وہ آئے گئے غیروں کے بھی گھر میں	مگر تھا فرق یہ ٹھہرے کہیں دم بھر کہیں برسوں
ستم ہے سُنکے وہ رشکِ عدو کا ذکر کرتے ہیں	ہوا کیا ہے ابھی تجکو جلائیں گے یہیں برسوں
دلِ بیتاب کہتا ہے رہیں مجھ میں ہمیشہ وہ	تقاضا ہے یہ چشمِ شوق کا ٹھہریں یہیں برسوں

اور کہا رنج و الم کون اُٹھائے ہر روز
سنکے کہنے لگے بیدار خبر ہے اسکی

لگا دل اک بتِ نا آشنا سے
ملو ہاتھ تو نہیں تم اغیار کا خوں

لیا دل اُس ستمگر نے ہمارا
دیا بیدار جب دل جب آپ اُسکو

دل کو وہ خوگر آزار بنا رکھا ہے
لہو ہوا اور ستم کا یہ طریقہ ایجاد

حسرت و یاس و تمنا کی نہ پوچھو بیدار
آپ بیدار کو کہیں کچھ بھی ہو

آدمی تھا نہ یہ کلیجہ کہ سنبھالے دلکو
چاہیے دشمن جاں جسکو وہ پالے دلکو

کروں فریاد اب کیا میں خدا سے
یہ کچھ پھیکا نہیں رنگِ حنا سے

کرشمہ سے شرارت سے ادا سے
تو پھر مطلب ہے کیا چون وچرا سے

درد کا نام محبت نے مزا رکھا ہے
نام کافر نے تغافل کا حیا رکھا ہے

سب نے دل میں مرے کہرام مچا رکھا ہے
ہم اُسے پارسا نہیں سکتے ہو

زمانہ جانتا ہے تم بھی جانتے ہو ہمیں
مزا تو جب ہے کہ غیروں کا امتحاں کرتے

نالہ کچھ نغمہ نہ تھا جسکو سمجھتے معیوب
عشق کچھ عیب نہ تھا ہم جسے پنہاں کرتے

میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
تم تو منہ پھیر کر خفا بیٹھے

بزم سے دشمنوں کو اُٹھوا دو
بات بیدار سے نہ کی ظالم

کہنا تمہارا میرے سر آنکھوں پہ ناصحو
آئے ہیں ساتھ غیر کے وہ میری قبر پر

عشق کیا چیز ہے خدا جانے

رنج و غم سارے گھر کی پونجی ہے
گر یوہیں کوئی دوسرا بیٹھے

کیا یہ کرتے ہیں بے حیا بیٹھے
تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے

پر یہ کہو کہ دل پہ مرے اختیار ہے
ٹھکرا کے پوچھتے ہیں یہ کِسکا مزار ہے

دل میں سوزش کباب کی سی ہے

بیدار

بیدار۔ خواجہ محمد بیدار بخت ولد خواجہ محمد اکبر نقشبندی۔ رئیس ڈھاکہ۔ اِن کی ولادت، ماہ ج ۱۸۴۳ء کو ہوئی۔ جو حالات انھوں نے بھیجے اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

کے بڑے مشہور جلیل القدر شاعر اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ نازک خیال تھے۔ اپنی ذہانت طبع اور نازک خیالی سے اختراع و ایجاد کے گل بوٹے لگاتے تھے۔ کلیات ضخیم اپنا کا یادگار چھوڑا ہے جسمیں ایک لاکھ بیت کے قریب ہیں۔ اُس زمانے کی حالت اور مذاق کے موافق کبھی ریختہ کی طرف بھی توجہ ہوجاتی تھی۔ ۱۱۳۳ھ میں شاہجہان آباد میں انتقال کیا۔ اُردو شعر تذکرہ منشی قدرت اللہ شوق مرتبہ ۱۱۰۰ میں انکے نام سے درج ہیں تبرکاً پیش کش ناظرین کئے جاتے ہیں۔

مت پوچھ دلکی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دلکے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہم میں

بیدل

بیدل - خواجہ غلام حسین خلف خواجہ محمدی خاں نبیرۂ خواجہ رحمت اللہ خاں باطن۔ حافظ عبدالرحمن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ غدر کے بعد چند سال تک دہلی میں طبابت کرتے تھے عرصہ ہوا کہ دنیائے فانی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ چند اشعار اُن کے کلام سے انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔ کلام کے دیکھنے سے طبیعت کی پختگی اور مشاقی کا پتا چلتا ہے۔ اور پڑھنے والے کے دل پر اثر ہوتا ہے۔

جان تو ہوکے خفا جب مرے گھر سے نکلا
ٹکڑے ہو ہو کے جگر دیدۂ تر سے نکلا

آہ او کس کو دم ناوک فگنی
گاہ دل گاہ جگر یاد آیا

ماہ سے نسبت کا دنیا تجکو ہے نا منصفی
مہروش تجھ میں اور اوسمیں فرق ہے ذرات کا

دل کر چکے پہلے ہی نیاز غم فرقت
اب کیا ہے کیا قصد جو ہے نازو ادا کا

پاؤں رکتا ہے کوئی کوچہ جاناں تو مرا
دلکے ہاتھوں نہ گیا آج تو کل جاؤنگا

دل پریشان کے رہنے کے یہی دو تو ٹھکانے ہیں
کبھی چاہ زنخداں میں کبھی زلف پریشاں میں

نگہ کی چشم کی زلف دوتا کی
سہے اک دل جفا کس کس بلا کی

بتوں نے ملتے ہو راتوں کو بیدل
تمہیں بھی دن لگے قدرت خدا کی

نہیں پہچانتے تم کون وہ محفل میں بیٹھا ہے
وہی بیدار ہے جو رہ چکا ہے دلنشیں برسوں

اُلٹی گنگا وہ بہاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں
وعدہ تو مجھسے ہے دشمن سے وفا کرتے ہیں

ناز انداز میں شوخی میں حیا کرتے ہیں
ہر ادا کو وہ اداؤں میں ادا کرتے ہیں

عرضِ مطلب کیلئے انکو مخاطب پا کر
دیے جاتے ہیں ٹھوکے مری ارماں مجکو

سُن لیا سُن لیا کمبخت خدا کا مارا
آپ نے مجکو کہا ہے ابھی ہاں ہاں مجکو

نہ مانیں گے نہ مانیں گے یہ اصلاً ہم نہ مانیں گے
بندو گے جور کا جبتک مچلکہ ہم نہ مانیں گے

سوال وصل پر یہ ضد یہ ہٹ کیا لطف دیتی ہے
قسم ہے تمکو پھر اکبار کہنا ہم نہ مانیں گے

نہیں ہے نازکیتائی ذرا آئینہ تو دیکھو تو
یہ بے بنیاد یہ بے اصل دعوی ہم نہ مانیں گے

خوشامد وہ مری آنچل پکڑ کر اُنکا وہ کہنا
زبردستی ہے کیا چھوڑو ڈوپٹہ ہم نہ مانیں گے

یہ چشم شوق آفت ہے غضب ہے تاک جھانک اسکی
ارے او چھپنے والے تیرا پردہ ہم نہ مانیں گے

کہتے ہیں وہ محشر میں گلہ کس سے کروگے
ہوجائے طرفدار ہمارا جو خدا بھی

جو تیر جان دیں اُسنے لو تم یوں رکھائی سے
بڑے بیرحم ہو باز آؤ ایسی کج ادائی سے

جواب اپنی طرف سے دیں سوال وصل پر کیونکر
وہ پہلے مشورہ کرلیں حیا سے پارسائی سے

جسے دیکھا اُسے سمجھا کہ یہ بھی اُنکا عاشق ہے
عجب شکی ہوں مجکو وہم ہے ساری خدائی سے

بیدل

بیدل ۔ مولانا مرزا عبدالقادر بیدل ۔ قوم چغتائی اصلی وطن توران تھا مگر یہ بخارا میں پیدا ہوئے اور صغرسنی میں ہی ہندوستان آئے اور یہیں نشوونما پائی ۔ کمال عالی حوصلہ وسیر چشم تھے ۔ ابتدائے شباب میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ خلف عالمگیر کی رفاقت میں رہے اور ہمیشہ موردِ عنایات شاہزادہ رہے ۔ قوتِ جسمانی اور طاقت بدنی اسقدر تھی کہ ایک دفعہ شیر کو بلا ہتھیار زیر کیا ۔ اپنے آقا کی وفات کے بعد تعلقات دنیوی سے کنارہ کر کے گوشہ نشین ہوگئے تھے ۔ نواب نظام الملک آصف جاہ ذکر با طرز دکن طلب کیا اگر اُنہوں نے نقل حرکت اصلا قبول نہ کیا ۔ اور دہلی میں صبر وقناعت پر تکیہ کئے بیٹھے رہے ۔ فارسی کلام آپ کا بڑے اعلےٰ پایہ کا ہے ۔ فارسی کے

مٹایا ضعف نے لپٹی ہے ناتوانی یوں — کہ ڈھونڈھتی ہے قضا مجھکو جستجو ہو کر

لگی ہے چپ اُسے کیا جانے کہدیا ہی کیا — نقاہتِ دلِ مضطر نے گفتگو ہو کر

کسی کی زود پشیمانی میرے مرنے پر — دلِ عدو میں کھٹکتی ہے آرزو ہو کر

حریم کعبۂ غیرت سے مت نکال قدم — جیا تو ناک جیا ننگِ آبرو ہو کر

گرہی جوشش گریہ ہے تو اے وحشتِ دل — بحر ہو جائےگا جو گھر ہے بیاباں اب تک

رہینِ جاں فشاری جانِ مضطر — اسیرِ پاسِ ناموسِ وفا دل

کہاں ہے ساحلِ بحرِ تمنا — سفینہ جسمِ لاغر ناخدا دل

وہ آنکھیں ہیں چہ بابل کے چشمے — نگاہِ ناز کے ساتھ ہو لیا دل

بچتی نہیں کشتی حیا وصل میں اے جاں — اس بحر میں ارمانوں کے طوفان بہت ہیں

رخنہ اندازِ راز ہیں دیکھو — نگہ شرمسار کی باتیں

کرتی ہے تیغِ ناز بیدل سے — گلے مل مل کے پیار کی باتیں

قطرہ میں ہے بحر کا تماشہ — نقشہ ہے خدائی کا بشر میں

دلِ افسردہ کو ڈھونڈھو تم اپنے بالوں میں — اٹکا ہوا دل ملیگا انکے جالوں میں

وفا عہد کا شاہد عدو ہے — مسیحائی قضا کے روبرو ہو

کروں جینے کو اُس مرنے پہ قرباں — تہِ خنجر گلو سینہ پہ تو ہو

کام آئی گرہ کی رخنہ گری — کوئی شے مانعِ نظر نہ ہوئی

قصہ وہ کیا جو دل گداز نہ ہو — بات وہ کیا جو مختصر نہ ہوئی

تماشائے نمکپاشی دہانِ زخم سے پوچھو — کہ مجروحوں کو حرصِ لذتِ آزار کیسی ہے

نگہ کے رخ پر نقابِ حیا سے — جفا سے جو باز آیا شرمِ جفا سے

کس ترقع پر اٹھائیں کوفت گریہ بھی نہ ہو — حسرتِ حاصل تو اپنی سعیِ لاحاصل میں ہے

آتی ہے جا یہ لیا آئی تھی تو کوئی دم — کھاتے پیتے کرتے کچھ آرام اٹھتے بیٹھتے

کب اس گل کی گلی تک جا سکے ہے	ہوا باندھی ہے یاروں نے ہوا کی

بیدل

بیدل - مولوی حبیب الرحمان خلف حاجی احمد علی محدث - ارشد تلامذہ حسین علی خاں شاداں مرحوم دہلوی - معمر آدمی ہیں اور اب اپنے آپ کو مرزا غالب کا شاگرد لکھتے ہیں - سہارنپور کے رہنے والے ہیں - عرصے سے حیدرآباد دکن میں وارد اور سرکار مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر کے دامن دولت سے وابستہ رہکر دعاگو و وظیفہ خوار ہیں - فی الحال مدرسہ عالیہ نظام میں معلم فارسی ہیں - پرانی روش میں شعر اچھا کہتے ہیں - مضمون آفرینی کا زیادہ خیال رہتا ہے - بندش وادائے مطالب میں خاصے مشاق ہیں - اپنے استاد شاداں کی طرز خاص کے مقلد اور باوجود جید عالم ہونے کے نہایت شوخ طبع زندہ دل ہیں - اب کلام ہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

گر ملاحت سے وہ قاتل نمک افشاں ہوتا	حشر تک زخم نہ منت کش درماں ہوتا
تنگی زخم سے ارمانوں کے عقدے نہ کھلے	کاش دل بھی مرا ہمرنگ گریباں ہوتا
تجھ پہ مرنے کو سمجھتا جو حیاتِ جاوید	بوالہوس ہجر میں کیوں مرگ کا خواہاں ہوتا
مر بھی جاتا تو جلانے کو وہ آتا نہ مسیح	مفت میں موت کا شرمندۂ احساں ہوتا
دل کی بیتابی سے آخر نکل آیا آنسو	سات پردوں میں جو رہتا تھا وہ باہر نکلا
صیاد صید ہو تو تماشائے جذب ہو	پھندا بنانا چاہیے تارِ نگاہ کا
عیش دنیا ہیچ ہے اور پوچ ہے اُس پر غرور	آج ہم غمناک ہیں اور کل عدو غمناک تھا
رہتا ہے سیہ پوش سدا خانۂ کعبہ	اس غم میں کہ تھا پہلے جلوخانہ کسی کا
ولیس وہی ہے جسنے کیا دلکو پاش پاش	کعبہ میں پہلے تیغ چلی پھر حرم ہوا
مژگاں کی آڑ میں وہ نگہ کام کر گئی	مارا کسی نے تیر کسی پہ بھرم ہوا
پاس رسوائی نے انجان بنایا اُسکو	پھر وہ بیگانگی کا پردہ بیکار نہ تھا
دوست کے گھر کو کہوں خانۂ دشمن افسوس	ربط اغیار سے اتنا بھی سزاوار نہ تھا
خدنگ سینے میں بیٹھا ہے آرزو ہو کر	رُکے ہے سانس گلے میں رگِ گلو ہو کر

ہو رہا وہ کچھ نہ کچھ انجام کار / موت کا کھٹکا جسے ہر دم رہا
کام ہیں بیدل پڑے سارے نہیں / اور موت آنے میں وقفہ کم رہا

حسنِ رخِ زیبا کو مشاطہ کی پروا / حالِ دلِ بیتاب نہ محتاج بیاں کا
کچھ ایسے دل و جان سے دنیا کے ہیں جویا / دنیا کو کبھی چھوڑ کے جانا نہیں گویا
ہے اسکا گلہ کیا کہ جو سو کر نہیں جاگا / رونا ہمیں اسکا ہے جو ہے جاگ کے سویا
کہتا ہے زمانہ مجھے کچھ کر کے دکھاؤ / عزت سے کے جو طالب ہو حکومت کے ہو جویا
ہنسی آتی ہے اب لوگوں کو سنکر نام الفت کا / گئے وہ دن پسیجا کرتے تھے دل جب نام گیوں میں
بسانِ آبِ نیساں قطرہ قطرہ ہو کے ریکتا / اثر کا دینے والا گر اثر دے مرے آنسو میں
حوادث نے دلوں کی ولولے ایسے مٹائے ہیں / مزا آتا نہیں اب ہمکو جنبش ہائے ابرو میں
ہماری طرح تم بھی بے ہنر رہ جاؤ گے بابا / جوانو کچھ نہ کچھ کر لو ابھی قوت ہے بازو میں
نصیحت کو مری مانو مرے کہنے کو سچ جانو / میرے اقوال تولو عقل و دانش کی ترازو میں
بھلا میں اُنکے چکر میں کہیں آنے کے قابل ہوں / اگر اغیار بے ڈھب ہیں تو یارو میں بھی بیدل ہوں
نہ شادی میں اُترتا ہے نہ غم میں نشۂ غفلت / ابھی ہشیار اگر کر دے تو کر دے میں تو غافل ہوں
مرے دم تک ہیں یہ عشق و ہوس کی تفرقہ سازی / کہاں ایک میں ہی معیارِ عیارِ حق و باطل ہوں
مزہ آتا نہیں مطرب تری رنگیں نوائی میں / کہ میں اک عمر سے خوگردۂ شورِ سلاسل ہوں
کبھی ہوں بتکدے میں اور کبھی کعبے میں ہوں بیدل / اسی اک اپنی دُھن میں سالکِ ہر راہ و منزل ہوں

تھا جواب آپ کی شکایت کا / ورنہ شکوہ ہمارا کام نہیں
گھاؤ تھا گھاؤ سے ہوا ناسور / اب کچھ امیدِ التیام نہیں
مغفرت کا یقین او پختہ / کیا ہے یہ گر خیالِ خام نہیں
خوب چلہ ملا مقدر کا / ہمکو کچھ فکر صبح و شام نہیں
کچھ نہ کچھ ہو رہے گا آخر کار / شوق جسکا کہ ناتمام نہیں

بجھ جاتے تیرے ٹوٹ نہ جاتے نسیم صبح	کب سے تھا قیس پردۂ محمل کے سامنے
مجکو شکوہ کی قسم مت کو وفا کی سوگند	کیا کہوں کس سے کہوں سخت پریشانی ہے
ایک مدت سے جو بیدل ہے وہ بے سر بھی ہی	سرِ بیدل کی قسم کھائیے گر کھانی ہے
تیرا وہ حسن کہ ہنگامۂ طلبِ عالم سے	میرا وہ دم کہ چلا تیری تگ سے پہلے
عشق آسان نہیں ہے دلِ خوردۂ حسن	چشمِ مشتاق سے گئے ابھی تر سے پہلے

بیدل - عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد الرحیم خانصاحب بیدل دہلوی سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن و رئیس دہلی - مولوی محمد تقی خانصاحب مغفور کے خلفِ اصغر اور سید امراؤ مرزا صاحب انور مرحوم کی ارشد تلامذہ میں ہیں سالک مرحوم سے بھی اصلاح لی ہے ۳۰ برس تک ریاست حیدرآباد دکن میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز رہے اب پنشن لیکر وطن میں خانہ نشین ہیں اپنے ولی دوست ملک الشعرا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی طرز کے اسیر اور نئی روش کی شاعری کے دلدادہ ہیں اور حق یہ ہے کہ اس طرز خاص میں رتبہ استادی رکھتے ہیں - کلام میں سوز و گداز بہت ہے - اور متانت - اخلاق تہذیب اور نصائح کی چاشنی بھی نہایت دلکش پیرایہ میں موجود ہے - آپ کی ذات ستودہ صفات اساتذہ سلف کی یاد دلاتی ہے - خلق شرافت - متانت - اخلاق نے ہر دلعزیز بنا رکھا ہے - اب ۶۵ برس کے قریب عمر اور دہلی کے باوقر رؤسا میں آپ کا شمار ہے - ذیل کے اشعار آپکے فکر رسا کی رسائی کا نتیجہ ہیں -

تھا خبر بحقیقت عقل و خرد کا دشمن	جب بے خبر ملی ہے رہتا ہوں بےخبر سا
مذہب میں شناختانے جواب ہیں پہلے کب تھے	آپس میں آپ ہمنے پھیلا دیا ہے شر سا
یاروں کی بیوفائی اپنوں کی کج ادائی	دنیا سے اتنو یا بے لگنے لگا ہے ڈر سا
سچ پوچھیئے تو ملنا ممکن نہیں جہاں میں	دانا بھی آدمی سا ناداں بھی بشر سا
چھٹ گئے دنیا و ما فیہا سے ہم	بیخودی میں بھی عجب عالم رہا

ہے موت کا کچھ خوف دکھو جان کی پروا
آئی ہے تو آئے کہیں جاتی ہے تو جائے

جو مجھ پہ بلا آئی ہے فرقت میں تمہارے
ٹلتی نظر آتی نہیں اللہ ہی ٹالے

شہرت سے مجھے کام نہیں اپنے سخن کے
وہ جانتے ہیں مجھکو جو ہیں جاننے والے

اب سانس کے لینے کی بھی طاقت نہیں باقی
بیدل کا بُرا حال ہے اللہ بچالے

بیدل

بیدل دہلوی - منشی مرزا بیگ خان بیدل دہلوی - نبیرۂ نواب فاضل بیگ خاں ثبت جنگ وکیل سلطانی - سررشتہ تعلیم لاہور کے رجسٹرار کے دفتر میں پچیس تیس برس سے متعین ہیں اور اکثر اُردو درسیہ کتب کی ترتیب میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں - اس وقت ۵۵ - ۵۶ برس کی عمر ہے اب عرصے سے فکر سخن چھوٹی ہوئی ہے - سابقہ کلام کا انتخاب حاضر ہے -

رفو ممکن نہو یارب جو ٹکڑے ہو تو اتنا ہو
دل و سینہ جگر جیب و گریباں آستیں دامن

سنبھل کر قتل کر خوں بیگنہ کا چھپنا مشکل ہے
لہو میں ہوں نہ تر جیب و گریباں آستیں دامن

ہوا جاتا ہے یہ ایک ایک عضو خونِ بلبل کا
نہ گل چن چن کے بھر جیب و گریباں آستیں دامن

بس حشر بھی ہے کوئی اور فردا
کہ یہ دن بھی پورا ہوا چاہتا ہے

سچ ہے چھری غریب پہ ہوتی ہے سب کی تیز
چھیڑا صبا نے زلف کو مجھ پر عتاب ہے

کب تک یہ ضبط نالۂ آتش فشاں رہے
کہدو کہ ہوشیار بس اب آسمان رہے

عیش و نشاط صحبتِ یاراں کہاں رہے
مانا جائیں آپ خضر جاوداں رہے

عنقا سے نکتہ داں لگے ہیں یہ خوب
شہرت جو چاہے کوئی بے نام و نشاں رہے

حالِ دل کی کچھ پریشانی نہ پوچھ
مو بمو صورت ہے زلفِ یار کی بو

دے گئی موت بھی آخر کو جواب
رہ گئی مرنے کی حسرت کیسی

چارہ کر کے دوا ہوں گے خجل
تیرے بیمار کو صحت کیسی

بیدل

بیدل - حاجی واحد نور خاں باشندہ باندہ آخر آخر میں آپ نے منشی امیر مینائی سے تلمذ اختیار کیا تھا آجکل جاورہ میں ملازم ہیں - اور وہاں سے ایک رسالہ بھی نکالا ہے

مرگِ بیدل کا یار ہے خواہاں

سب طرح کی قدرتیں ہیں اور پھر مجبور ہے
منزلِ مقصود تک پہنچو گے یارو کس طرح
ایک کے مرنے سے دنیا میں کمی ہوتی نہیں
جو تجلی تھی گری اُس پر وہ یہاں ہر آن ہے
اسکی سیدھی سیدھی باتیں دلمیں چبھتی ہیں بہت
آخر کو تیرے کارن آفت پڑی اٹھانی
مُنہ سے تو پھوٹ بیدل کیا تو نے جی میں ٹھانی
وہ تُحفے کہاں ہیں وہ ولولے کدھر ہیں
اِس سالخوردگی پہ چہل غضب ہے اسکی
خود اپنی جان ہی کے یہاں پڑ رہے ہیں لالے
وہ کون سی آفت جو یہاں نہیں ہے آئی
مالِ متاعِ دنیا ہے بے ثبات کتنا
دنیا کے کارخانے دھوکے کی ٹٹیاں ہیں
دلّی میں تیر کرنا انفاسِ واپسیں کو
کمیاب ہیں انسان کے پہچاننے والے
گر میرا کہا مانے تو بیدل کو منالے
دل دیکے اونھیں لطف بہت ہمنے اٹھائے
اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں بیمار میں تیرے
کچھ کھو ہی کے انسان کو ملتا ہے مرجاں
مجھکو بھی دکھاتی ہے دمِ سرد کی تاثیر

اُسکی الفت میں کچھ کلام نہیں

واہ کیا آزاد سے انسانِ بے مقدور ہے
تم یہیں جاتے ہو بیٹھے اور جانا دور ہے
بھید جسپر کُھل گیا حق کا وہ ہی منصور ہے
عاشقوں کا دل ہے یہ کیا مال کوہِ طور ہے
ایسا ویسا تم نہ سمجھو اسکو بیدل دور ہے
اے عرفت رہنے پہلے تری نجانی
تیرا اداس رہنا آفت کی ہے نشانی
روتا ہوں یاد کرکے گذری ہوئی جوانی
دنیا سے کوئی سیکھے اندازِ دلستانی
اِس مُنہ پہ ہمنے کی بس گلّے کی پاسبانی
اِک تو ہی رہ گئی ہے اے مرگِ ناگہانی
اسپر نہ کر بھروسا دولت ہے آنی جانی
نکلا سراب آخر سمجھے تھے جسکو پانی
آساں نہیں ہے بیدل یہ آرزو برآنی
یاں ہر کس و ناکس سے خدا کام نہ ڈالے
سے ملتے نہیں دنیا میں کہیں چاہنے والے
کرتے ہیں بس اب جان بھی ہم اُسکے حوالے
کیونکر تری الفت سے بھلا ہاتھ اُٹھا لے
پائے وہی اُسکو جو اپنے کو مٹالے
جتنا ترے امکان میں ہو مجھکو جلالے

مرنے آئے ہیں اُنکو امتحاں سے	نیا دل لاؤں میں ہر دم کہاں سے
وہ جائے مرگ سے بھی ہاتھ اٹھایا	کہ آخر کام ہے اک بدگماں سے

بیدم

بیدم — مولوی غلام جیلانی - ایک قدیم تذکرہ میں انکا بہت سا کلام نظر سے گذرا مگر حالات متعلق معلوم نہوئی - زبان بہت صاف - شیریں اور طرز بیان بے تکلف اور صاف ہے - اور نزاکتِ معنی کے پہلو بھی جا بجا اپنی جھلک دکھاتے ہیں - آپ نے شاہ عالم ثانی کے عہد میں نشو و نما پائی تھی - مگر افسوس ہے کہ کمال نے جِلا نہ پائی اور قبول عام کے دربار سے محروم رہے - معاملہ بندی بھی اچھی ہے اور اُس زمانے کے لحاظ سے نشست قافیہ و بندشِ الفاظ بھی قابلِ تعریف - کلام بہم رسیدہ کا انتخاب ملاحظہ ہو -

خیال ماہ منی جسنے دل سے دور کیا	خدا کے نور نے اُس دل میں آ ظہور کیا
سلوک سنگدلوں کا نہ پوچھ اے ہمدم	مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا

جس ادا سے ہے اُس جواں کی ادا	کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
کہئے کیا اپنے بے ادب کی ادا	گرد ہے جسکے آگے سبکی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اُسکا	ہائے رے شوخ پر غضب کی ادا
زخم کرتی ہے دل پہ جیوں شمشیر	مسکرانے میں اُسکے لب کی ادا

گیا ہے گھوڑ کیو خیز کرتا اُدھر سے وہ شہسوار میرا	ہو کیوں نہ آنکھوں میں دوستوں کی برنگ سرمہ غبار میرا
تھی شہر سے سخت مجکو الفت رہا نہ مجنوں صفت میں یں	بھبھولے پڑتے تھے پاؤں کھینچے تھا گرچہ دامانِ خار میرا
میں خاک غربت میں رُل گیا ہوں برنگ اشک رواں بیدم	کسی کی آنکھوں کے شوق میں آہ جیسی چھوٹا دیار میرا
کس کی تو جستجو میں آوارہ پھرتا ہے بیدم ابر ساں	نعرہ زناں وگریہ ناک نمناک بسر برنہ پا
اُس چشمِ سرمہ سا نے جی سے جہان نے مارا	ہندوستاں سے لیکر تا اصفہان مارا
سمجھے جو کوئی محرمِ اسرارِ غیب ہو	ترے دہانِ تنگ کی ہمنے نہ پائی بات
عالم نے دیکھ سوزِ دل اور چشمِ تر مری	سو سو طرح کی اُس سے لگائی بجھائی بات

ہجر میں جینا تو کیا مرنا بھی مشکل ہوگیا		آہ تو غارت نہ کیوں پہلے ہی بیدل ہوگیا
مار ڈالا آپکی لطفِ عیادت نے مجھے		جو مسیحا بن کے آیا تھا وہ قاتل ہوگیا
صیاد قفس میں نہیں ہم آپ سے آئے		کچھ پانی تھا تقدیر سے کچھ دانہ ہمارا
دور افتادہ یارانِ گلستانِ وطن	قطعہ	تجھکو پیغام یہ اے بادِ صبا دیتے ہیں
ہمصفیروں سے یہ کہنا کہ گرفتارِ قفس		یاد کرتے ہیں تمہیں اور دعا دیتے ہیں
تم ہمیں بھول گئے یہ تو نہ تھی شرطِ وفا		دیکھنا تو کہ جواب اسکا وہ کیا دیتے ہیں
بیمار ہوں میں نرگسِ بیمارِ یار کا		بیمار سے مریض کو حاجت دوا کی ہے

بیدل

بیدل لالہ انگل سین۔ جھنجھیانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور آجکل علیگڈھ میں رہتے ہیں مولانا شوکت سے فنِ سخن میں استفادہ کیا ہے۔ ۲۵ برس کی عمر اور نتائجِ افکار کا خلاصہ ہے۔

اے خوشا جلوۂ نیرنگیِ سبزانِ چمن		اے خوشا شیوۂ بدمستیٔ مستانِ بہار
صلح پروازِ نسیمِ سحری بیچ میں ہے		گل و بلبل ہیں نئے رنگ سے مہمانِ بہار
ساغرِ لالہ و گل بہتے ہوئے پھرتے ہیں		آگیا بحرِ مئے ناب میں طوفانِ بہار
آؤ اور آکے مسیحائیٔ قدرت دیکھو		آگئی قالبِ نقشاہ میں پھر جانِ بہار
رنگ کے پردے میں اب بکتی ہے صہبائے رنگ		کھولدی جلوۂ بدمستیٔ نے دکانِ بہار
یکتائے صنم سے دوئی دو بدو نہو		تو ہو بہا ہوا تو تری آرزو نہو
کہتی ہیں رشکِ حسن سے دل کی صفائیاں		اے کاش آئینہ بھی ترے رو برو نہو
ابرِ بہار دھوئے رخِ گل ہزار بار		تیری سی آب و تاب نہو رنگ و بو نہو
بھیگی ہے روشنی مرے شمعِ مزار کی		وہ شعلہ رنگ گرمیٔ بزمِ عدو نہو
بیدل کا خوں اگر نہو تیغِ ناز سے		پھر یہ شہیدِ روزِ جزا سرخرو نہو
جگر ٹکڑے ہوا تیرے بیاں سے		خبر لایا ہے اے قاصد کہاں سے

کب منفعت کسیکو عوض فاستو نے پہنچے
گلستاں ترک کرا ے باغباں ہم بید جا بیٹھے

گلشن میں سرو کیسا دیکھو تو سے تیرے
تمہارا جسپہ جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے

یہ طفلِ سرشک اپنا اُستاد ہے
محیط اسکو یار و رواں یاد ہے

خیالِ زلف و رخ میں نت مری اوقات کٹتی ہے
جفا تونے وفادار و نپہ یکبار ایسی کی
جفا کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیاز و نے
خطِ ترا غیرتِ ناموس نظر آتا ہے

اسی میں دن گذرتا ہے اسی میں رات کٹتی ہے
کہ نے ابتک سُنی ہے نے کیننے یار ایسی کی
جو تو نے ہمسے و یسی کی تو ہمنے یار ایسی کی
مالکِ زنگ و شبہ روس نظر آتا ہے

اب دیکھ ترے عقیق لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے

نشاں کچھ اور بنایا چمن میں بلبل کا
ہوں شاہِ کشورِ دیوانگی کہ ہے اپنی
بلند مرتبہ عرش آشیاں ملا ہے انھیں
کیا کیجیے کہ عشق سے اپنا بدن جلے
جب آیا کھینچکر مجھپر وہ تیغِ ابرواں اپنی
ٹالتا ہے وصل کے وعدو نپہ وہ برسوں مجھے
رکھیں کب داغ سے اپنا دلِ پُر درد ہم خالی
سیہ بختی سخن سنجو نکو لازم ہے سمجھے دیکھو
نہ پوچھ اے ہمنشیں باعث تو بیدم کے نہ ملنے کا
بسکہ دلِ میرا وصالِ یار سے مایوس ہے
اے کیا کیجے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
گر حجاب ہو رنگ سی مثلِ حنا خوں کیجئے
بزم میں اُس شمعرو کی یار بیدم کب ملے

پڑے تھے مشت پر اکجا یہ آشیاں کے تلے
ہزار فوجِ غم اس آہ کے نشاں کے تلے
سکان حضرتِ بیدم ہے لامکاں کرتے
کیونکر کوئی بجھاوے جو آتش سے بن جلے
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جاں اپنی
روز بتلاتا ہے ظالم آج کل پرسوں مجھے
جہاں بجھے ہی کھوٹا ہو جو سکے سے درم خالی
نہیں چلتا ہے جب ہووے سیاہی سے قلم خالی
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے لیکدم خالی
جو سخن ہے لب پہ یہاں سو حسرت و افسوس ہے
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے
کس کو دنیا میں میسر یاں ترا پابوس ہے
سر پر اپنے سایہ افگن طالعِ منحوس ہے

سنگِ گراں کسی سے اُٹھایا تو کیا ہوا — زور آور اُسکا نام ہے جنسے اُٹھائی بات

رہتے ہیں شور کناں نالہ و افغاں باہم — جیوں سبق پڑھتے ہیں اطفالِ دبستاں باہم

بہتی ہے نور شور سے اپنی مدام چشم — اک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم

کس گل کی اس چمن میں ہے دیکھی بہار چشم — جوں شبنم اب جو روتی ہے تو بار بار چشم

خوباں ہمیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھی — پرتاب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم

بیدم ہیں آج ہند میں ہوں فخرِ شاعراں — طاقت ہے کس کی ہووے جواب مجھسے چار چشم

ہیں ظالم اتنی اُس کافر بچے پیر کی آنکھیں — کہ جسکو دیکھیے پھرا گئیں جوان و پیر کی آنکھیں

تری ابرو کو گر میں دیکھکر رووں عجب مت کر — کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہِ نو کو پانی میں

سوادِ چشم ہوا یوں بیاض رونے سے — سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں

یہ کس کے لشکرِ سیلاب اشک کی خاطر — نیم حباب ہیں موجیں طناب دریا میں

ہے رشحِ خامۂ بیدم غزل کے بحر میں یوں — کہ جیسے برسے اُتر کر سحاب دریا میں

اووے اے شعلہ خو کہ شب ترا ملنا میسر ہو — برنگِ شمع تیری بزم میں جو خاک اگر ہو

گر چڑھے ناز کے توسن پہ کمر باندھ کے تو — لادے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو

قید اس دلکو کیا ہے کمرِ نازک نے — ہے بجا مجھکو رکھے موئے اگر باندھ کے تو

اے دنی کھے لگے کیسہ تو از گل کی طرح — مت رکھے غنچہ نمط گانٹھ میں زر باندھ کے تو

دل میں رہجائے نہ تا حسرتِ دیدار کہیں — قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو

آبرو سے ہے ولا قیمت و قدرِ عالم — یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثلِ گہر باندھ کے تو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ — پھر کسی دن ملے اللہ اُسی رات کی راہ

شیخ کل واسنے تو بیدم کو تو لایا تھا اُٹھا — آج اُس رندنے پھر لی ہے خرابات کی راہ

خاک سے جیوں نقشِ پا ہو کیوں نہ مایوسی مجھے — خوش لگی ہے خوبرویونکی قدمبوسی مجھے

جس سنگدل پہ اپنی یہاں اندنوں نظر ہے — تصویر اُسکی دل پہ اب نقش کا حجر ہے

بشنا گرو شاگرد مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ۔ پندرہ برس کے سن سے شعر گوئی کا شوق ہوا۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان تھے۔ ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ سترہ برس کی عمر سے سینتیس برس تک مناصب داروغگی و منشی گری پر سرکار انگریزی میں مامور رہے۔ مدت تک دلی میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ جب تک مرزا زندہ رہے ہمیشہ دوسرے تیسرے مہینے آتے رہتے تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں ستر برس کا سن تھا۔ مشاق اور موزوں طبع شاعر تھے۔ یہ انکا کلام ہے۔

بے موئے تیرے نہ آیا تو موا ہیبت میں
تجھکو آساں مشکل اور مشکل مجھے آسان ہوا

گھر ہوا ویران جب اپنا گھر ہوا ویرانہ میں
مین رہا صحرا میں صحرا میرے گھر مہماں ہوا

تنگ ہوں یہ لیکن وحشت سے کہ صحبت سے مری
تنگ یہاں تک آگیا صحرا کہ خود زنداں ہوا

شعر سنکر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
اب وہی بیفکر دیکھو صاحبِ دیواں ہوا

مدعا گر ہے تو یہ ہے عاشقِ دلگیر کا
اشک میں ہونا اثر کا آہ میں تاثیر کا

بیخودانِ عشق کو کیا حاجتِ ترکِ لباس
تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

عیاں جب اپنا فروغِ کمال تو نے کیا
تمام کردیا مہ کو کمال تو نے کیا

خودی کی دور جب علت ہوئی خود رہ گئی باقی
جسے ہم ڈھونڈتے تھے ہو گئے گم جب اسے پایا

دل اپنا قابوئے زلفِ دوتا میں ڈالدیا
الٰہی تو نے مجھے کس بلا میں ڈالدیا

صبا نے کیا یہ خطا کی کہ زلف اسکی ہلا
ختن میں زلزلہ لرزہ خطا میں ڈالدیا

تجھسے کیا اسکا گلہ کیا تیرا احساں مجھپر
غیر پر تیر چلایا تھا مرے آن لگا

کچھ میں کہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو
چپکے بیٹھے نہیں رہتے ہو اٹھا چاہتے ہو

رخصت وہ ہوا اشک ہمارے نکل آئے
خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے

بوٹا سا قد چھریرا بدن چمپئی سا رنگ
بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

بیفکر۔ منشی ہرپرشاد بیفکر لکھنوی۔ آجکل کے نومشق کہنے والوں میں ہیں

ہے وہاں سرکال اپنا کہ ہم اس باغ میں
زیر چوب سنگ نخل پر ثمر دیکھا گئے تو

کب نظر میں انکی آوے جلوۂ گل عندلیب
جو مدام آنکھوں نے یاں لخت جگر دیکھا گئے

کچھ نہ سمجھے سادہ لوح نے ہوا جوں آئینہ
غیر کی بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا گئے

کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلی ہے
شمشیر ہی وہاں پر اک دم بدم چلی ہے

سیمیں تنوں کی شہرت ہر نام عشق سے یہاں
نے سکہ بھی جہاں میں کوئی درم چلی ہے

بیمار چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مثل حباب ورنہ چھاتی میں دم چلے ہے

مانند خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
زنجیر پا میں میرے میرا ہنر ہوا ہے

اشک میں لکھتا ہے ڈوبا چرخ دولابی مجھے
مردمک سا کیا ہے مردم آبی مجھے

گرم دیکھا ہے سمند ناز کو کس شوخ کے
برق کی مانند رہتی ہے جو بیتابی مجھے

ہوں مریض عشق دیجوا اے طبیب حسن تو
جائے شربت بوسۂ لبہائے عنابی مجھے

بیرنگ - دلاور خان دہلوی شعرائے قدیم میں مرد سپاہی پیشہ اور مصطفٰے احسان یکرنگ سے مستفیض تھے طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتے تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں نشو و نما پائی تھی۔ یہ انکا کلام ہے۔

خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اُسکو خط بیرنگ
اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کی رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش
مثل مشہور ہے سویا سو چوکا

دلکو تجھ عشق سین قرار نہیں
اب تلک تجھکو اعتبار نہیں

سفلس کی خبر ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے ترا رخسار رہتا ہے زر آلودہ

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

بے صبر - لالہ بالمکند بے صبر متوطن سکندر آباد ضلع بلند شہر خلف لالہ کانجی مل کایستھ

بیصبر

مصحفی و احمد خاں غفلت - فارسی عربی میں استعداد کامل رکھتے تھے طبیعت مضموں خیز اور زباں نہایت صاف و شیریں پائی تھی - نواب محمد سعید خاں والیِ رامپور کی فرمائش سے بوستانِ خیال کے کچھ حصّوں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا تھا کئی دیوان بھی مرتب کئے تھے مگر سب کے سب پریشان ہوگئے ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ میں سَتّر برس کی عمر میں انتقال فرمایا رامپور مراد آباد میں ان کے شاگرد بکثرت تھے جنمیں منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے درجۂ امتیاز پایا۔ سوز و درد کے مضامین بالخصوص نہایت موثر و دلکش پیرایہ میں نظم کیا کرتے تھے۔

کون پرساں ہے حالِ بسمل کا
خلق مُنہ دیکھتی ہے قاتل کا

لب جو کون سیر کو آیا تھا
موج مُنہ چومتی ہے ساحل کا

سانس آتی ہے تجھے بیمار
ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا

نہ بناتا جو دن جدائی کا
کیا بگڑتا تری خدائی کا

شک نہیں اپنے صنم کی بے نیازی میں نہیں
دل کے لینے کا خدا جانے سبب کیا ہو گیا

ہائے رے شوخی کہ آپ سمجھا جو وہ گھر تک مرے
پھر گیا درباں سے یہ کہکر کہ دھوکا ہو گیا

جس کسی سے دل دیا اُنکو چھپے چوری دیا
ایک میں کم بخت ناداں تھا کہ رسوا ہو گیا

دل چاک چاک ابروئے خمدار نے کیا
کعبہ کو کربلا ترے تلوار نے کیا

بیمار رہ چکے ہیں ابھی تو وہ امتحان
کمبخت پھر وفا کا تجھے حوصلہ ہوا

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز
بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں

موت سے بھاگنے لگے بیمار
کیا اُسے تم شکستہ پا سمجھے

اور مطلب آہِ سوزاں سے نہیں
خاک ہونے کی تمنا ہے مجھے

بیمار کو غفلت سے بہت خیر نہیں آج
ہر چند کہ تھی حالتِ غش کل بھی ایسی

ہر روز وہ پھر جاتے ہیں در تک مرے آکر
کچھ جذبِ محبت کو لگی ہے نظر ایسی

یہ کلام ہے ؎

زندگی میں جب شریکِ دردِ دل کوئی نہیں	بعد مُردن کون ہوگا نوحہ خوانِ اہلِ درد
دھواں جو آہ کا میرے بلند ہوتا ہے	فلک پہ سب اُسے کالی گھٹا سمجھتے ہیں
خدا نے جنکو عطا کی ہے عقل و دانائی	بتوں کو دل کہیں بے آزمائے دیتے ہیں
ایسا استغنا انہیں اپنی مسیحائی کا ہے	دیکھکر بیمار کو کہتے ہیں مرجانے بھی دو
اِس زمانہ میں وہ خوش ہے جو مروت نکرے	رات دن رنج اُٹھاتے ہیں مروت والے

بیقرار

بیقرار ۔ میر کاظم حسین بیقرار ہمشیرزادہ نواب سید رضا خاں مختار شاہ عالم ثانی۔ شاہ نصیر کے شاگرد اور اُستاد ذوق کے ہم مشق تھے۔ دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں آپ کا مفصل حال درج ہے۔ بڑے موزوں طبیع اور ذہین نوجوان تھے مگر افسوس کہ باوجود تلاش صرف یہی دو شعر ملے۔

جس طرف پھر نا ہا یار وہ رشکِ آفتاب	جوں دلِ خورشید دل اپنا مقابل رکھیا
رُخ سے گر زلفیں اُٹھیں تو چھوڑ دی اُسنے نقاب	اِک نہ اِک پردہ ہمارے اُسکے حائل رکھیا

بیکل

بیکل سید عبدالوہاب۔ دولت آباد دکن کے باشندے اور سید مرتضیٰ خاں قلعہ دار دولت آباد کے عزیز تھے۔ سید عبدالولی عزلت سے اصلاح لیتے تھے۔ فارسی میں افتخار اور ریختہ میں بیکل تخلص کرتے تھے۔ مکرمی منشی سید علی اصغر صاحب کی بیاض میں انکا کلام نظر سے گذرا اُسکا انتخاب درج ذیل ہے۔

کوہ بھی ہنگامِ بارش میں عروس وقت ہے	سر پہ اُسکے سہرا مروارید کا ہے آبشار
عشق میں بھی ناہتی ہے مجھ دلِ بیتاب کو	بر سرِ آتش پہ دیکھا بس اسی سیماب کو
نرمی آنکھوں کی کیفیت نے کھویا ہوش عالم کا	دوالڑوں کو کہے کیا کوئی متوالے ہیں متوالے
آج دل پھر تڑپ میں آیا ہے	کس پری کی جھڑپ میں آیا ہے

بیمار

بیمار ۔ شیخ علی بخش بیمار ولد شیخ غلام علی ساکن شہر بانس بریلی۔ شاگرد رشید میاں

اکثر اودھ پنچ و دہلی پنچ وغیرہ میں آپ کے مضمون شائع ہوئے ہیں بروقت ترتیب تذکرہ چند غزلیں ملاحظہ ہوئیں اِن میں سے چند شعر انتخاباً لکھے جاتے ہیں۔

چڑھ گئے رندوں کے ڈمپ پر آج حضرت شیخ جی
کھلگیا چھمامیاں کے زہد بنیاد کا

عاشقِ زار کو ہرگز نہ ستاتا ظالم
خوف کچھ بھی جو تجھے ہائے خدا کا ہوتا

ہم مرگئے تب بھی خطا وار ہی ٹھیرے
اندھیر یہ ہے تیری سرکار میں دیکھا

اس ہستی موہوم پہ نازاں نہ ہو نادان
اک دم کا بھروسا نہیں بیمار یہاں کا

نام والوں کے مٹائے ہائے سب نام و نشاں
اے فلک ہم پر بتلا تجکو حاصل کیا ہوا

بیمار - حکیم جعفر علی خلف حکیم سکندر علی مرحوم متوطن ضلع میرٹھ علم عروض کی تحصیل مولانا محمد حسین آزاد دہلوی سے کی تھی علوم مشرقی سے اچھی طرح ماہر ہیں تاریخ گوئی کا شوق زیادہ ہے ۱۳۰۳ھ میں ۳۰ سال کی عمر تھی اور مہاراجہ کپور تھلہ کے ہاں بزمرۂ اطبا ملازم تھے یہ انکے اشعار ہیں۔

صیاد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے
کل دیکھا تڑپنا جو تہِ دام ہمارا

دامن کو میرے خون سے قاتل بچائیو
کہتے ہیں چھوٹتا نہیں دھبا لگا ہوا

اک زمانہ تھا کہ پابند تعلق میں بھی تھا
اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزاد کا

بے نوا - مقبول شاہ نام - عنفوان شباب میں ظاہری تعلقات دنیاوی ترک کرکے مولوی محمد رفیع الدین کے مرید ہوگئے۔ علاوہ عاشقانہ شاعری کے مرثیہ گوئی کا بھی شوق تھا۔ اور اس فن میں حافظ محمد حفیظ المتخلص بہ حفیظ سے اصلاح لیا کرتے تھے واقفیت فن شاعری میر عزت اللہ عشق سے حاصل کی تھی - میر و سودا کے ہمعصر اور ۱۱۸۱ھ تک زندہ دہلی میں موجود تھے یہ کلام اُن کا ہے۔

پڑے وحشت جنوں کو ہاتھ ہم جب دن اے ہمدم
گریباں ٹکڑے ٹکڑے دھجیاں داماں کی زنجیر

یہ رتبہ ہمنے پایا عشق میں اُس شاہ خوباں کے
بندے ہیں سر پہ سیلے اور فقیری شان رکھتے ہیں

کمندِ عشق میں جس پر کیا اسیر مجھے
عدم میں کیا وہ خدایا ہوئی خطا مجھے

گیا نہ بزمِ بتاں میں نہ آپ میں آیا
کہیں نہوں گے زمانے میں نارسا مجھے

کیا سفر کا ارادہ جو بزمِ جاناں سے
کوئی گلے نہ ملا موت کے سوا مجھے

کہیں سنی ہیں یہ نازک مزاجیاں بیمار
کہ اٹھ سکی نہ حسینوں کی التجا مجھے

جنت میں حیاتِ ابدی خاک ملے گی
دنیا میں تو مانگی نہ ملی موت خدا سے

اب اور آرزو نہیں اے خدا بس مجھے
کیا دردِ دل دیا کہ سبھی کچھ دیا مجھے

یا تو دنیا سے الٰہی دلِ شیدا اٹھ جائے
وصلِ معشوق کی یا دل سے تمنا اٹھ جائے

نہ رہنے دے گی وحشت تنکدے میں
اٹھو بیمار جو مرضی خدا کی

حالِ دلِ بیمار نہیں ضبط کے قابل
لیکن وہ زباں مجھکو ہلانے نہیں دیتے

بیمار

بیمار - حکیم محمد مراد علی بیمار خلف مولوی سید کرم علی عرف میاں کریم جی زمیندار موضع دولت پورہ معروف رائے سنگھ پورہ پرگنہ ستور علاقہ بیکانیر مطبع راجستان کے مالک راجپوتانہ گزٹ اجمیر کے ایڈیٹر تھے ان کے بزرگ حضرت پیران پیر کی اولاد امجاد اور خاندان سیادت قصبۂ شاہ ڈھوڑہ واقع پنجاب سے ہیں انکے دادا سید احسان علی صاحب کو مہاراجہ صورت سنگھ مرحوم سابق والیِ بیکانیر نے بعوض معالجہ مہارانی صاحبہ جاگیر عنایت کی تھی - چنانچہ اسی زمانہ سے علاقہ بیکانیر میں بود و باش رہی پیری مریدی اور جاگیر پر معاش ہے - سولہ برس کی عمر میں نواب محمد قطب الدین خان دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر تین برس تک علم عربی و فارسی حاصل کیا انہیں دنوں مرزا غالب دہلوی مرحوم کی خدمت میں بھی کچھ دن حاضر رہے پھر سیاحی کا خیال آیا تو کشمیر - کاشغر - حبش تک دیکھ آئے ہندوستان واپس آکر چند سال محکمہ پولیس میں سررشتہ دار و انسپکٹر رہے اب عرصے سے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے - جنگ نامہ روم و روس - مسائل خمسہ وغیرہ انکی تصنیف سے ہیں طبیعت حاضر جواب ہے - اور زود نویس بھی ہیں -

محررہ ۱۱۶۲ھ میں ان کی چند غزلیں ملیں اونمیں سے چند شعر منتخب ہوکر درج ہوئے
شاہ حاتم اور میرزا رفیع السودا کے ہم عصر تھے۔

روان گھر اپنے سے جس دم وہ کافر شوخ چنچل ہو
تو پھر او سدم یہی جا ہو قیامت ہو اور ہلچل ہو

زری کی اوڑھنی سر پر سراپا اور جھلا جھل ہو
جھلک سے شمس تاباں کی جھلک کچھ اسکی نقل ہو

گندھی ہو مانگ میں موتی کھنچے ہوں بال کنگھی سے
جڑی مسّی ہو دانتوں میں لگا آنکھوں میں کاجل ہو

شکر آلودہ لب ہوویں دہن ہو میم کی صورت
صراحی کیسی گردن ہو شکم مانند مخمل ہو

جب اس سج دھج سے بن ٹھنکر دکھاوے وہ غضب عالم
تو ممکن کیا کہ جو دیکھے سو وہ اسپر نہ بیکل ہو

عجائب شعر پر مضموں کہا بیہوش جو تو نے
غزل اک اور لکھا پر کر اس سے بھی سلسلا ہو

بیہوش

بیہوش - لالہ گردیال صاحب وکیل عدالت لکھنو ۱۸۸۰ء تک حیات تھے۔ زیادہ
حال معلوم نہیں۔

دیتے ہیں بے قصور جو یوں گالیاں مجھے
سمجھے ہوئے ہیں آپ مگر بیزباں مجھے

اک وار اور جس میں کہ قصہ ہو مختصر
قاتل نہ چھوڑ بہر خدا نیم جاں مجھے

ہر چند کی ہے دیر و حرم میں بہت تلاش
ملتا نہیں ہے یار کے گھر کا نشاں مجھے

بیہوش حد سے بادہ پرستی گذر گئی
ہر دم یہ طعنے دیتے ہیں پیر و جواں مجھے

تمت بالخیر

کہیں اُس زلف کی لٹ کھل گئی ہے	چلی آتی ہے بو مشکِ ختن کی
شہید تیغ ابروئے بتاں ہوں	مجھے حاجت نہیں تیغ وکفن کی
حبکہ مضمونِ کمر پیش نظر آتا ہے	بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

بینوا

بے نوا۔ انکا اصلی نام تحقیق نہیں ہوا۔ فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے زمانے میں ہولی کے موقعہ پر کچھ لڑائی دنگا ہوا اور ایک جفت فروش سُبکرن جوہری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس پر شہر کے جفت فروشوں نے بلوہ کر دیا اور جامع مسجد میں ہجوم کر کے امام کو خطبہ پڑھنے سے روکدیا۔ نواب ظفر خاں روشن الدولہ ملقب بہ طرہ باز خاں نے اُس جوہری کو اپنے مکان میں پناہ دی اور نواب وزیر الممالک قمر الدین خاں اعتماد الدولہ جفت فروشوں کے حامی و مددگار بنے آخر ان دونوں امرائے ذی اقتدار کے مابین سخت ہنگامہ ہوا اور بیسیوں آدمی طرفین سے کام آئے۔ نواب ظفر خاں کے اُس فتنہ و فساد میں کسی جوتے والے نے جوتا مارا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

آنچہ بر فرقِ ظفر خاں از خدا افتادہ است	من چہ گویم معنی آن پیش پا افتادہ است

حضرت بینوا نے اس معرکہ کی کیفیت ایک مخمس میں رقم کر ڈالی جو مدتوں تک عوام کے زبان زد رہی۔ اُسکا ایک بند نقل کیا جاتا ہے۔

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نا بکار	مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار؟
جوتی فروش مرد مسلمانِ دیندار	مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار
	سنگِ جفا سے چور کیا لعلِ آبدار
کتنوں کو مار جیسے قضا نے گرا دیا	کتنوں کا جی بچا کے بہت ہر بڑا دیا
کاغذ پہ بینوا نے یہ سنکر چڑھا دیا	لکھا ہے مار جوتیوں طرہ اڑا دیا
	تا حشر ہر زبانپہ رہے گا یہ یادگار

بیہوش

بیہوش۔ ایک قدیم سخنور کا تخلص ہے جنکا نام معلوم نہو سکا۔ قلمی مسودات

صحت نامہ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید

نمبر	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱	۴	۳	سطیع میں	سطیع سے	
۲	۱۰	۸	ڈیوڑہی	ڈیوڑھی	
۳	۱۵	۱۰	گذشت میں	گذشت روز میں	
۴	۱۴	۰	سیر باغ	سیر باغ	
۵	۱۰	۴	دیوانوں شعر	تازہ شعر	
۶	۷	۲۰	مس	میں	
۷	۲۲	۳	بوچھار	بوچھاڑ	
۸	۲۶	۸	تنہیں	ضعیفیں	
۹	۰	۱۶	سبحۃ المرجان	سبحۃ المرجان	
۱۰	۰	۲۰	ماثر الکلام	مآثر الکرام فی	
۱۱			فی تاریخ بلگرام	تاریخ بلگرام	
۱۲	۲۷	۸	تو ہے	سے	
۱۳	۴	۱۵	رو بر	رو برو	
۱۴	۳۱	۱۲	سلوک تھے ہو رہے	سلوک کرتے	
۱۵	۳۳	۷	یادگا	یادگار	
۱۶	۷	۱۵	ظہورا	ظہور	
۱۷	۳۶	۱۵	نوک جہوک	نوک جھونک	
۱۸	۳۸	۱	ہے	ہے	
۱۹		۷	دیار	یار	
۲۰	۴۰	۳	ساقی کا	ساقی کی	
۲۱	—	۵	مخزن	مخزن سخن	
۲۲		۲۰	سستو	سبو	
۲۳	۵۰	۸	نور مصورات	نور تصورات	
۲۴	۷	۱۰	جبہ	ہی جبہ	
۲۵	۵۲	۲	بادشاہ	اور بادشاہ	
۲۶	۵۳	۱	—	—	آزر برحاشیہ
۲۷	۵۴	۲	خوش مزاج	خوش طبع	
۲۸	۵۵	۱۱	تنافر	تنافر	
۲۹	۵۶	۹	رونا	رونا	
۳۰	—	۱۴	کی نقاب	سے حجاب	
۳۱	۵۰	۱	دہو	دہوی برحاشیہ	
۳۲	۷۰	۱۴	مرآۃ الاصطلاح	مرآۃ الاصطلاحات	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نشانات
۷۳	۲۰۵	۷	لاڈالا	لاڈالا		۹۴	۲۶۳	۱۳	نئوی تے	کی کہتے	
۷۴	۲۰	۰	انتزاع	انتزاع		۹۵	۲۶۴	۱۲	شادات	شاداں	
۷۵	"	۴	چاہے	جاہیے		۹۶	۲۶۵	۱۱	ہوئے تے	لئے گئے تے	
۷۶	۲۱۱	۱۰	اچل	اچھل		۹۷		۲۱	را	رہے	
۷۸	۲۱۴	۲	بچا چہ	بجائے		۹۸	۲۶۶	۱۵	لما	بڑھا	
۷۹	۲۲۱	۱۶	گگی	لگی		۹۹	۲۶۶	۲۱	ہوا	ہو	
۸۰	۲۲۴	۷	پیچ	پیچ		۱۰۰	۲۶۴	۵	صورت	سورت	
۸۱	۲۲۷	۲	ہوتی ہوتی	ہوتی		۱۰۱	۲۶۷	۱۴	سے دور	دور	
۸۲	۲۳۱	۶	اب	تو اب		۱۰۲	۲۸۰	۱	پھر	پر	
							۲۸۰	۸	سے	ہے	
۸۳	۲۳۳	۱۹	اور سیدان	اور یہ میدان		۱۰۳	۲۹۱	۹	دو	دو	
۸۴	۲۲۶	۱۰	لاتا ہے	رہاتے ہیں		۱۰۴	۲۹۱	۱۶	وو	وو	
							۲۹۳	۳	ذکھا ذکھا	دکھا دکھا	
۸۵	۲۳۸	۱۵	کو	لو		۱۰۵	۲۹۶	۱۳	تن تن کے کنا	تن تن کے کینا	
۸۶	۲۴۱	۳	تڑپ کو	تڑپ کر		۱۰۶	۲۹۷	۰	من مضاف	من مضافات	
۸۷	۲۴۲	۱۰	یہی سہے	یہی		۱۰۷	"	۱۰	موٹی	موسے	
							۲۹۸	۱۸	بنہری	بنہری	
۸۸	۲۵۰	۱۱	آستے	ستے		۱۰۸	۲۹۹	۲	نواح کے	نواح لکھنؤ کے	
۸۹	۲۵۰	۲۰	معیو	جو		۱۰۹	"	۹	صبح	طبع کی	
	۲۵۱	۱۳	لب با	لب یار							
۹۰	۲۵۹	۱۵	انھیں	انھیں		۱۱۰	۳۰۱	۰	دنیا	دنیا	
۹۱	"	۲۰	تیری	میری		۱۱۱	۳۰۲	۶	یا وہ	باوہ	
۹۲	۲۶۳	۱	—	ارشاد ہے حاشیہ		۱۱۲	"	۱۰	کوبکوچہ	کوچہ بکوچہ	
۹۳	"	۴	لائق	تریق		۱۱۳	۳۰۵	۱۳	احمد حسین	احمد حسن	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۳۳	۸۰	۱۵	کھُلنا	کھلنا	
۳۴	۸۱	۳	نیو	ہتو	
۳۵	۸۰	۱۳	کتری	کترمی	
۳۶	۸۴	۱۳	پر	تر	
۳۷	"	۱۴	سیکڑے	جٹ کرے	
۳۸	۸۴	نوٹ	چو	جو	
۳۹	۸۶	۱۳	کیچیو	کیجیو	
۴۰	۸۹	۲	اصرالدولہ	ناصرالدولہ	
۴۱	"	"	واپسا لیو	وہ ہاسیو	
۴۲	۵۱	۱۹	رئیس	بادشاہ	
۴۳	۹۴	۳	سینے	سنئے	
۴۴	"	۱۱	کر	کی	
۴۵	۹۵	۱۱	چھوٹے	پھوٹے	
۴۶	۹۶	۷	سکتے ہیں	سکتے میں	
۴۷	۱۱۰	۳	کی د	کی ×	
۴۸	۱۱۴	۲	نین	میں	
۴۹	۱۲۰	۱۰	کو کیا	کیا	
۵۰	.	۱۰	ہیں	ہے	
	۱۲۰	۱۹	نعلین	فیلن	
۵۱	۱۲۳	۱۱	ساعی	مساعی	
۵۲	۱۲۸	۱۰	توتعبات	تعجبات	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۵۳	۱۳۵	۱۱	نکمت	نگہت	
۵۴	۱۳۶	۱۳	آبسے	آب سے	
۵۵	۱۴۰	۴	زلف	زلف و	
۵۶	۱۴۱	۸	سن وہ	سن کے وہ	
۵۷	۱۴۳	۳	مری	میری	
۵۸	۱۴۵	۶	اٹھاسے	اٹھائیے	
۵۹	۱۴۷	۹	سوائے	رسوائے	
۶۰	۱۵۳	۴	ناز	تاز	
۶۱	۱۶۳	۰	کا	گا	
۶۲	۱۶۵	۱۴	سو	ہو	
۶۳	۱۶۹	۱۰	و	ودجگر	
۶۴	۱۷۰	۵	اہور	لاہور	
۶۵	"	۱۸	کو	تو	
۶۶	۱۸۰	۷	پھیر لے	پھیر لیے	
۶۷	۱۹۱	۶	نوجوان	نوجوانی میں	
۶۸	۱۹۲	۲	ملاکر	جلاکر	
	۱۹۳	۱۱	ہاں	آ	
۶۹	۱۹۵	۱۱	سبزا	سبزا	
۷۰	۱۹۹	۵	جرت	جرأت	
۷۱	"	۱۳	لکھے	لگے	
۷۲	۲۰۱	۸	سے	کے	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۵۴	۴۳۵	۱۴	درددوں	دردِ دل	
۱۵۵	۴۳۶	۹	کیا	کہا	
۱۵۶	۴۳۸	۹	بھڑ	شر	
۱۵۷	۴۳۹	۱	سنا	سا	
۱۵۸	۴۴۲	۱۸	زرانگا	زرانگاو	
۱۵۹	۴۴۳	۱۸	اشغلے	اُٹھکے	
۱۶۰	۴۴۴	۱۴	سرنپا	سراپا	
۱۶۱	۴۴۵	۹	الیا	ایسا	
۱۶۲	〃	۱۲	کیمی	نکیلی	
۱۶۳	〃	〃	وست	دشت	
۱۶۴	〃	۱۸	نار	نالے	
۱۶۵	۴۴۸	۲۰	منبیہ	منیچے	
۱۶۶	۴۵۲	۱۱	ہمعصرمیں	ہمعصروں میں	
۱۶۷	۴۶۴	۱۲	نکلتی جیکے	نکلتی نہیں جب کے	
۱۶۸	۴۶۵	۹	خارہا	خارپا	
۱۶۹	۴۶۶	۱۰	جھکا	جھمکا	یعنی جگمگاتا ہوا جلوہ
۱۷۰	۴۷۱	۳	نے	کے	
۱۷۱	۴۷۷	۹	یاس	پاس	
۱۷۲	۴۸۰	۷	آئے	آنے	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۷۴	۴۸۲	۵	بکھاپنے	بکھراپنے	
۱۷۵	〃	۱۱	حصہ	حصّہ	
۱۷۶	۴۹۲	۳	تہمت سب	تہمت سے	
۱۷۷	۵۰۳	۹	جاتی جنت	جاتی ہے جنت	
۱۷۸	۵۰۵	۲	کوچپ	بچا	
۱۷۹	۵۰۷	۴	آپ یہ	یہ	
۱۸۰	۵۱۴	۱۸	عرض	غرض	
۱۸۱	〃	۱۹	خوب چھپاتی	چھپاتے	
۱۸۲	۵۱۸	۱۶	سی	اُسی	
۱۸۳	۵۱۹	۱۴	کیت	کبت	
۱۸۴	۵۳۳	۱	تیلا	نیلا	
۱۸۵	۵۳۵	۵	عالم	عالم پناہ	
۱۸۶	۵۳۷	۱۸	ماہروی	مارہروی	
۱۸۷	۵۴۱	[illegible]	پرانکا	پھر اُسکا	
۱۸۸	۵۴۲	۲	ستارا	ستارا آیا	
۱۸۹	〃	۴	پہ	پہ نہ	
۱۹۰	۵۴۳	۱۳	سے	اُسے	
۱۹۱	〃	۲۱	اٹھاتے	اُٹھائے	
۱۹۲	۵۴۴	۴	ہتوں	بتوں	
۱۹۳	〃	۵	بروا	پُروا	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۱۴	۳۰۹	۶	تفنا٭	تفتا	
۱۱۵	۳۱۲	۱۵	آتا	آتی	
۱۱۶	۳۱۴	۱۴	روندھ	روند	
۱۱۷	۳۱۵	۱۹	ہے	سے	
۱۱۸	۳۲۰	۱۶	فی زمانہ	فی زماننا	
۱۱۹	۳۲۵	۱	غلام یحیے	غلام یحییٰ	
۱۲۰	۳۲۷	۱۷	بیر بہت	بہت	
۱۲۱	۳۳۵	۱۳	ہے	سبب	
۱۲۲	۳۳۹	۱۰	نہ کرتا	کرتا	
۱۲۳	۳۴۰	۹	پیدا ہونا	پیدا ہو	
۱۲۴	۳۴۳	۹	نزکت	نزاکت	
۱۲۵	۳۴۴	۱۹	گناہ	گنہ	
۱۲۶	۳۴۵	۱۱	ہونی	ہوئی	
۱۲۷	۳۴۶	۱	برسے	برسے	
۱۲۸	۳۴۹	۹	ہوکا	ہوگا	
۱۲۹	۳۵۱	۸	پیئے	آپ پیئے	
۱۳۰	۳۵۳	۱۰	بچنے	بچپنے	
۱۳۱	"	۱۳	علمانہ	عالمانہ	
۱۳۲	"	۱۲	ان والد	ان کے والد	
۱۳۳	۳۶۰	۷	گر	اگر	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۳۴	۳۶۱	۱۷	بستیوتین	بستیوتیں	
۱۳۵	۳۶۹	۷	رے حق	میرے حق	
۱۳۶					
۱۳۷	۴۰۰	۱۶	دیکھے	دیکھتے	
۱۳۸	۴۰۸	۳	ڈھونڈا	ڈھونڈتا	
۱۳۹	۳۸۲	۱۱	نغزہ	نغز	
۱۴۰	۴۰۲	۱۰	تمام کلام دیوان	کلام	
۱۴۱	۴۰۹	۸	کر	اگر	
۱۴۲	۴۱۰	۱۳	چوسگے	چوسکے	
۱۴۳	۴۱۱	۱۱	بار یہ	بارو	
۱۴۴	"	۱۵	فرید غنایت	یہ فرید عنایت	
۱۴۵	۴۱۳	۲۱	سرا	سر	
۱۴۶	۴۱۶	۹	ہستی	مستی	
۱۴۷	"	۱۱	کھینچے	کھینچ	
۱۴۸	۴۱۷	۱۱	عادت مجھے	عادت پہ مجھے	
۱۴۹	۴۱۹	۱۷	شل آج	شل باد	
۱۵۰	۴۲۴	۲۰	جے	جیسے	
۱۵۱	۴۲۶	۱۳	رنگواسے	رنگوائے	
۱۵۲	۴۳۵	۱	کدو	کہدو	
۱۵۳	"	۹	کر	کبھی	

فہرست اسمائے شعرا مندرجۂ تذکرۂ خمخانۂ جاوید

جلد اول

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۹۴	۵۴۴	۹	طلہ	طلعہ	
۱۹۵	۵۴۵	۸	رہے	رکھے	
۱۹۶	۵۵۱	۶	شمشیر بابر	شمشیت بابر	
۱۹۷	۵۵۵	۷	بجے کرتا	مجھ سے کرتا	
۱۹۸	۰	۷	دو	وہ	
۱۹۹	۔	۸	غیر	عنبر	
۲۰۰	۔	۱۱	جس سے	جس میں سے	
۲۰۱	۔	۱۵	اُڑی	اُٹھی	
۲۰۲	۔	۔	اِسی	ایسی	
۲۰۳	۵۷۷	۱۸	ایڑا	انڈا	
۲۰۴	۔	۲۱	راحت میں	راحت میں	
۲۰۵	۵۸۲	۱۹	انھن	انہیں	
۲۰۶	۵۸۴	۱۲	لالیے	لائے	
۲۰۷	۵۸۷	۱۸	دل کے	دل لے کے	
۲۰۸	۵۸۹	۱۰	ت	پ	
۲۰۹	۵۹۲	۶	تھیا	سنیبا	
۲۱۰	۵۹۴	۲۱	اکھر	اکھکر	
۲۱۱	۵۹۵	۱	بار	بار بار	
۲۱۲	۵۹۵	۱	دیا دل	یا درد	
۲۱۳	۵۹۵	۱۲	آلی	الی	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
	صفحہ کے اوپر		۶۹۶ / ۶۹۸	۵۹۶ / ۵۹۸	
۲۱۴	۵۹۶	۲۱	ترک	تزک	
۲۱۵	۵۹۶	۶	انکار	گرانکار	
۲۱۶	۶۱۶	۸	وولدہی	واری	
۲۱۷	۔	۱۶	چل دیا	چل وئے	
۲۱۸	۶۱۸	۲	کاگڑے	گرپے	
۲۱۹	۶۲۰	۱۵	ہونی	ہوتی	
۲۲۰	۶۲۷	۹	جسکی	جکی	
۲۲۱	۶۳۲	۱	پھوڑا	پھوڑا	
۲۲۲	۶۷۱	۲	اپنا کا	اپنا	
۲۲۳	۶۷۳	۱۷	گرز	گداز	
۲۲۴	۶۷۶	۶	جھتی	چبھتی	
	۔	۱۵	تیر	ٹیر	
	۔	۲۱	دکھاتی	دکھلائی	
	۶۸۱	۱	تمر	ثمر	
	۶۸۲	۲۱	کاسھ	کالیتھ	

یائے مجہول و معروف اور اسے وہ ھیثی اور اعراب و اضافت وغیرہ کی غلطیاں نظر انداز کی گئی ہیں۔

تقاریظ وقطعات تاریخ تذکرہ خمخانۂ جاوید

تقریظ وقطعۂ دلپذیر از نتیجۂ فکر ارجمند آسمان پیوند مہر سپہر نازک خیالی ماہ منیر آسمان شیریں مقالی سلطان قلمرو فصاحت فرمانروائے اقلیم بلاغت فخر طالب و اسیر نظیری نظیر راقم الدولہ مولانا سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی یادگار حضرت خاقانی ہند ذوق مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنامے خدائے کہ جاں آفرید
سخن آفرید و زباں آفرید

حمد و ثنائے بے منتہا اس ذات بے ہمتا کو سزاوار ہے کہ جسکی تصانیف شریف پر کتب اربعہ ملل و مذاہب مختلفۂ افراد عالم دال ہیں۔ زبان مقربین و متکلمین ملاء اعلےٰ توصیف فصاحت و بلاغت میں لال۔ ناطقۂ انسان خاکی نہاد کو کیا حوصلۂ نطق و یارائے دم زدن ہے کہ زبان چون وچرا وا کرے۔ اُسکے اوصاف لاتعد ولاتحصٰے سے ایک حرف حمد و ثنا ادا کرے

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ		آثار پدید است صنادید عجم را	

غیر اس فضول سے کیا حصول۔ باز آمدم بر سر مطلب۔ اب سنئے اُس بازار کے باشندے
چونکہ اہل لشکر تھے اور مختلف اللسان اور کب اگر باہم اتفاق زبان ہوا تو اسکا نام اُردوے معلی
قرار دیا اور روز بروز اسکی ترقی اور تراش خراش چھانٹ چھنٹ ہوتی چلی گئی اور الفاظ
ثقیل اور کریہ اور بعید الفہم کے عوض محاورات اور الفاظ شستہ و رفتہ قریب الفہم مستعمل
ہونے چلے گئے۔ ہر زمانے میں رنگ دگر پیدا ہوتا رہا حتیٰ کہ نوبت شعرا تک پہونچی اور قدما
نے زبان اُردو میں سخنگوئی اختیار کی اور شعرا نے اس خوان الوان نعماے ابدی
اور دولت سرمدی کو لوث و آلایش خار و خس ستم اور ردا اغلاط و سخت و درشت الفاظ غیر مربوط
و ناملایم سے پاک و صاف کر کے مثل زر بے غش و قند نبات شیریں و خوشگوار کر دکھایا۔ اب
بجاے خود یہ ایک چیز ہر دلعزیز ایسی ہو گئی کہ بلبلان شیراز کو رشک آیا اور طوطیان
شکر خاے عرب و عجم نے زہر کھایا۔ سبحان اللہ اردوے معلے کی فصاحت بلاغت شستگی
الفاظ رنگینی بیان شیرینی زبان کثرت محاورات تراکیب ارتباط لطافت ظرافت اسکی اسی کو
سزاوار ہے کہ منصف مزاجان ممالک غیر کو بھی اقرار ہے آفرین صد آفرین ہمت والا ہمت اُن
برگزیدگان پیشین پر کہ جو موجد اور بانی مبانی اور مشاطۂ اس شاہد طناز کے ہوئے اور کلام بلاغت
نظام اُن ذوی الاحترام کا صفحۂ روزگار پر تا روز شمار باقی و یادگار ہے۔ ہزار ہزار تحسین اُن والا نظران
پاک گوہر پر کہ جن ارباب فہم و ذکا نے ازراہ قدر دانی و ہمدردی اُس کلام معجز نظام کو فراہم
کر کے انتخاب کیا اور پس ماندگان کے واسطے سرمایۂ دولت بے زوال چھوڑ کر اپنا رستہ لیا
تاکہ متاخرین اُسکو مستند گردانکر بہرہ وافی و کافی اُٹھاویں و دعاے خیر سے یاد فرمائیں ۵

نام نیکو رفتگاں ضایع مکن		تا بماند نام نیکت برقرار	

تذکرہ شعراے قدما اکثر میری نظر سے گذرے ہیں اُنکی حلاوت دل ہی جانتا ہے زبان سے
بیان نہیں ہو سکتی مگر فی زماننا محقق والا نظر معدن علم و ہنر مدقق باریک بین سخن فہم نکتہ چیں

بالغ کلامان مدرسۂ سخندانی وشہسواران عرصۂ نکتہ رانی بزمزمۂ ماہذا کلام البشر رطب اللسان میں وفصحا وبلغاءِ عرب وعجم بکلمۂ طیبہ لا الٰہ الا ہو معرف وعذب البیان الحمد لواجب الوجود ہے۔ مستوجب وطاعت وسجود ہے۔ یکتا و یگانہ زمانہ۔ بیگانہ وباہمہ یگانہ آگاہ درونی وبرونی بیچون وچگونگی وچونی، الواحد لا شریک ثانی ودانائے حقیقت نہانی ودرود نامحدود اوسکے رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر کہ عالم ناخواندگی میں دولتِ علم لدنی حاصل کرکے تمام علوم دینی ودنیوی سے چیدہ ہزار افراد عالم کو دریابرد کر دیا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست	کتب خانۂ چند ملت بشست

ہیچمدان فقیر حقیر سید ظہیر الدین حسین ظہیر خوشہ چینِ اربابِ سخن خدمت بابرکت زباندانان فصیح البیان میں گذارش پرداز ہے کہ زبانِ اُردو کا آغاز سلاطینِ افاغنہ کے زمانہ سے ہوا ہے یعنے جس وقت شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھی راج پر فتحیاب ہوکر ملکِ ہندوستان پر قبضہ کیا وشہر دہلی کو دار الخلافہ ٹھیرایا اور لشکریان سلطان نے سکونت ہند اختیار کی اور فریقین ہنود ومسلمان میں باہم اختلاط وآمیزش پیدا ہوئی تو ہر دو زبان مروج تھیں مگر بباعث ناواقفیت لسانین بہت بہت دقتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مگر بعد چندے نوبت بانیجا رسید کہ ہر دو فریق نواقف لسانین سے بہرہ اندوز ہونے لگے اور کچھ سمجھنے لگے اور بولنے لگے اب آمیزش شروع ہوئی اور یوماً فیوماً وقتاً فوقتاً ترقی ہوتی چلی گئی مگر چونکہ لشکر سلاطین پیشین میں ہر ملک ودیار وہر اقوام وہر زبان کے اشخاص شامل تھے تو الفاظ مختلفۃ اللسانین اسمیں شامل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ نوبت سلطنت مغلیہ کی پہونچی اور بادشاہِ شاہجہاں نے حصار کھینچکر شاہجہان آباد کو آباد فرمایا اور جامع مسجد ولال قلعہ تعمیر کرکے قلعۂ معلیٰ میں جلوس فرماکر دار الخلافہ ٹھیرایا اور بیرون قلعہ اہلِ لشکر کی سکونت کے لئے حکم دیا اور بازار آباد کیا وہ بازار اُردو بازار کے نام سے موسوم ہوا چنانچہ تا زمانِ غدر ۱۸۵۷ء وہ بازار موجود تھا اور بعد زمانۂ غدر وہ منہدم ومسمار کیا گیا تا الی الاعلان کچھ کچھ نشانات اوسکے موجود ہیں

علوم و فنون کے فی نفسہ بھی لالہ صاحب موصوف ایک شخص ہر دلعزیز ہیں کہ جن کے لطف ملاقات سے ہرگز ہرگز انسان کا دل سیر نہیں ہوتا ہے۔ خوش صورت خوش سیرت خوش رو خوشخو خوش تقریر خوش گفتار خوش کردار جوانِ رعنا سراپا فہم و ذکا سلیم الطبع حلیم المزاج با مروت باحیا سراپا خلق وسیع الاخلاق عمیم الاشفاق یار باش مہماں نواز دوستِ صادق یار موافق غرضکہ بہمہ صفت موصوف یگانۂ آفاق ہر علم و ہنر میں طاق ہیں اور کیوں نہ ہو لالہ صاحب کے آباؤ اجداد کیسے لایق و فایق اولوالعزم ذی حوصلہ عالی پایہ یگانہ ہوتے چلے آئے ہیں چنانچہ زمانۂ سلطنت جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ دہلی میں جد امجد لالہ صاحب ممدوح راجہ ٹوڈر مل بہادر ٹنڈن کھتری امرا عظام اراکین بادشاہی سے تھے کہ جن کا ذکر خیر کتب تواریخ میں مرقوم ہے اور فی زماننا عموی بزرگوار جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب کیسے نامی نامدار یگانۂ روزگار مشاہیر آفاق ہیں کہ بجلدوی خدمات تعلیم مدارس و فن ترجمہ نگاری پیشگاہ دولت انگلشیہ سے خطاب رائے بہادری حاصل کیا ہے علیٰ ہذا القیاس والد بزرگوار لالہ صاحب عالی جناب آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹر لاہور کہ جن کا شہرہ لیاقت انگریزی ہندوستان سے لیکر انگلستان تک اظہر من الشمس و ابین من الامس سے موجود ہے حق تو یوں ہے کہ مصرعہ ہذا اسی خاندانِ والا شان کی شان میں صادق آتا ہے

ایں خانہ تمام آفتاب است

جناب لالہ صاحب ممدوح از بسکہ حال فقیر پر غایت درجے کی عنایت فرماتے رہتے ہیں بارہا متقاضی اسکے تھے کہ تو چند سطریں اس حدیقہ نوبہار سخن کے لکھدے ہر چند یہیچمیرز عذرات ہیچمدانی میں پیش کرتا رہا مگر وہ مقبول نہ ہوئے ناچار فقیر ظہیر نے یہ چند سطریں بمقتضائے الامر فوق الادب بطور تقریظ تحریر کرکے ارسال خدمت کردیں اللہ تعالےٰ اس ریاض پر بہار لالہ صاحب موصوف کو سرسبز و شاداب فرمائے۔ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ التوفیق۔

واقفِ رموز نکتہ دانی کاشف غوامضِ معانی عالم علوم متکاثرہ ماہر فنون متباحرہ مختار بے مثال جامع الکمال چاشنی گیر مذاق سخن نثر نگار کاملِ فن ماہر زبان انگریزی و فارسی لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے منصف عدالت خفیفۂ دہلی خلف الصدق جناب کمالاتِ اکتساب عالمِ متبحرِ زبانِ انگریزی و فارسی آنریبل راؤ بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر ایٹ لا ایم۔ اے۔ مقیم لاہور نے بکمال عرقریزی و جانفشانی و بہزار محنت و مشقت عرصۂ گیارہ سال[۵] میں ایک تذکرہ کلام شعرائے ماضی و حال منظم فرمایا ہے تذکرہ کیا اپنا جوہر فطری دکھایا ہے واقعی عجب کار نمایاں کیا ہے کہ احاطۂ طاقت و قدرت بشری سے باہر ہے اس محل پر یہی کہا جا سکتا ہے۔ ع

این کار از تو آید و مردان چنیں کنند

فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کیا ہے دو ہزار شعرائے نامدار کا کلام مع حالات تمام نام بنام قلمبند کیا ہے اگر بنظر سیر دیکھا جائے تو ایک تاریخ معتبر ہے اگر بطور مشاہدہ حسن کلام نظر ڈالی جائے تو نقش ارژنگ و نگارخانۂ چین و فرنگ ہے۔ کہ قسم قسم کے شاہدانِ طناز سرگرم عشوہ و ناز ہیں جنکے مشاہدے سے نظر کو نور دلکو سرور حاصل ہوتا ہے خود بخود دل مائل ہوتا ہے اگر انشا پردازی و عبارت طرازی پر غور کیجاتی ہے تو ویسی ہی بے نظیر ہے اگر انتخاب اشعار کو دیکھا جاتا ہے تو وہ لاجواب ہے غرضکہ ہر نہج انتخاب ہی اپنا آپ جواب ہے زیادہ لکھنا فضول ہے طول کلام سے کیا حصول ہے۔ میں بلا تصنع یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر تمام ہندوستان کے شعرائے محققین یکجا ہو کر انتخاب فرماتے تو ہرگز ہرگز گوئے سبقت نہ لیجاتے حق تو یوں ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انواع انواع طرح کے کمالات صوری و معنوی ذات ستودہ صفات بابو صاحب مسبوق الذکر میں عطا فرمائے ہیں خیاط ازل نے جامۂ اہلیت و خلعت قابلیت اسی قامت راست استقامت پر قطع فرمایا ہے اور قطع نظر

[۵] یہ تقریظ حضرت ظہیر نے ۱۹۱۰ء میں تحریر فرمائی تھی۔ صرف قطعات اب لکھے۔

اسکی لذت جانتے ہیں خوش مذاق
جسقدر دیکھو بڑھیگا اشتیاق

واقعی یہ تذکرہ ہے بے مثال
صاحبِ تالیف ہے نازک خیال

جمع ہیں اشعار کل ہر رنگ کے
ہیں شگفتہ پھول گل ہر رنگ کے

دیکھکر اسکو کہیں گے حق پرست
ہر گلی را رنگ و بوئے دیگر است

کم نظر آئیگا ایسا تذکرہ
ہے یہ اسمِ با مسمیٰ تذکرہ

تذکروں سے ہے الگ اسکا جو رنگ
ہو جدا تاریخ کا بھی رنگ ڈھنگ

کیجئے شامل سرِ طوطی اگر
سنہ فصلی ہوں بر آمد بے کسر

طہ

نام سے روشن ہے سالِ تذکرہ
تذکرہ۔ تاریخ و سال۔ تذکرہ
سنہ ۱۳۱۵ف ۱۳۲۵ھ

ثانی

مرے مخدوم ہیں لالہ سری رام
انہیں اشعار پر کامل نظر ہے

مذاقِ شعر ہے کچھ حد سے بڑھکر
اسی کا مشغلہ شام و سحر ہے

کئے ہیں جمع وہ اشعار چنکر
بجائے خود ہر اک لعل و گہر ہے

وہ گلزارِ ارم اب چھپ رہا ہے
کہ مشتاق اسکا ہر فرد بشر ہے

لکھیں اس گلکدہ کا سالِ تاریخ
بسا دلچسپ غایت مختصر ہے

سر اعجاز سے نکلی ہے تاریخ
نہیں یہ تذکرہ بحرِ گہر ہے

تقریظ ریختۂ کلکِ جواہر سلک نخلبند گلزارِ معانی طوطیِ شکرستان شیوا بیانی نظیری نظیر عرفی ثانی مولانا نجم الدین احمد ثاقب

رئیس ظہیر پور کے اک مہربان
شہرۂ آفاق و یکتائے جہان

بحرِ علم و منبع فضل و ہنر
عالم و منشی ہیں وہ والا گہر

نکتہ دان و ناظم و نثار ہیں
ماہرِ فن واقفِ ہر کار ہیں

علم انگریزی پہ قدرت خوب ہے
الغرض جو کچھ ہے سب خوش اسلوب ہے

عالم و فاضل ہیں اور قانون داں
فرد ہیں بیشک وہ عالی خاندان

ہر ہنر میں لائق و فائق ہیں وہ
جان و دل سے شعر کے شائق ہیں وہ

نام نامی ہے سریرام آپ کا
جانتا ہے اک جہاں نام آپ کا

رئیس نسب میں بھی وہ عالی خاندان
شہرۂ آفاق والا دودمان

آپ پر فہم و فراست ختم ہے
اس گھرانے پر لیاقت ختم ہے

باپ دادا نامور سب ہوئے
اہلِ دولت صاحبِ منصب ہوئے

آپ کو شعر و سخن کا شوق ہے
نثر لکھنے کا نہایت ذوق ہے

تذکرہ لکھا ہے خود اک لاجواب
منتخب اشعار کا لُبِ لباب

صفحۂ اوراقِ گلشن کر دیا
شاعروں کا نام روشن کر دیا

ہے عبارت خاص دہلی کی زباں
جانِ اردو صاف و شیریں ہے بیان

خوش بیانی پر ہے تحسین آپ کی
جانفشانی پر ہے تحسین آپ کی

استدادِ سالہائے سال میں
ختم کو پہونچا ہے سالِ حال میں

اس برس چھپکر ہوا تیار ہے
تذکرہ کیا ہے کہ اک گلزار ہے

دیکھنے سے جسکے ہوتی ہے نظر
شاعروں کا خاص ہے تعلیم گر

تذکرہ کیا شاعروں کی جان ہے
شائقوں کا دین ہے ایمان ہے

تذکرہ کیا ہے کہ ہے آبِ حیات
روح افزائی کی ہیں جس میں صفات

دیکھکر ہوتا ہے جسکو غم غلط
بیچ ہو جاتا ہے سب یکدم غلط

بلبلوں کے وہ ترانے وہ ترنم خیزیاں
باغ کو سر پر اٹھا رکھا ہے اللہ و غنی

چھیڑ رکھا ہے مہوکوں نے کیسا جنگلہ
اک طرف میرا شنو تمکو دہن ہر پیلو کی بندگی

شام سے دیپک کی لو ہے کرکے شب تا بگجر
جس طرف دیکھو ادھر ہے آگ پانی میں لگی

آشیانوں میں بھی غافل کب رہیں مرغانِ چمن
چھیڑ دینے کیلئے کافی ہیں تانیں دیس کی

صبح گلشن میں نمایاں ہے بہارِ صبح عید
خندۂ گل کی ہے نوبت شاہنائی ہر کلی

کون طوطی کی صدا نقار خانے میں سُنے
کر چکی ہے مست سبکو اپنی اپنی راگنی

رکھتے ہیں سر پر شگوفوں نے بھی تاجِ زرنگار
بول بولے تو ہر لیکے گت کہروکی بھری

جوڑے اربابِ طرب کے خود بسائے آئی ہے
طبلۂ عطار بنکر سنگدائی کی کلی

نور کا تڑکا سہانا وقت وہ ٹھنڈی ہوا
بھیرویں کی دُھن میں گلچیں نے غزل چھیڑ دی

غزل

سیکڑوں مژدہ کہ پھر آئی گلستاں میں بہار
لائی پھر رحمت کی کلیاں چمن کے دامنیں بہار

اے زلیخا کیا مزہ دیگی شبستاں میں بہار
پہلے کچھ دن لوٹتی تھی یبکے زنداں میں بہار

لے اڑی توبہ کو رندو موسمِ گل کی ہوا تو
آئے گی ساقی سے اب کچھ عہد و پیماں میں بہار

جا پہونچ اے وحشتِ دل بنکے مہمانِ عزیز
سُنتے ہیں آئی ہوئی ہے کوئے جاناں میں بہار

پانونکے چھالے وہاں بھی گل کھلائینگے نئے
ساتھ چھوڑے گی نہ دم بھر کنج زندانیں بہار

جاتے ہیں بھٹی پہ بانکے اٹھ میرداں لئے
آئی ہے اگلی برس فصلِ زمستاں میں بہار

بھرکے مے انگور پہ ہے محتسب کی فاتحہ
پھر نمک بھرتی ہے میرے زخمِ پنہاں میں بہار

کوچۂ دشمن میں شب باشی مبارک ہو اُسے
گھر وا کیوں گھیرتی ہے روزِ ہجراں میں بہار

پھر وہی تنہ لیکے آئی میرے دل کے سامنے
سر تو ڈالے اک ذرا اپنے گریباں میں بہار

لنک جنگی میں کھلا ہر غنچۂ زخمِ کہن
کس قیامت کی ہے قاتل کے نمکداں میں بہار

نام سے لیکر بس اب خالی ورق الٹا کرو
لیلی و مجنوں کے دم سے تھی دبستاں میں بہار

بدایونی المخاطب بہ پہلوان سخن از ارشد تلامذہ حضرت مولانا ظہیر دہلوی

یا خدا آمد ہے کس مست شہ زمانہ کی
پھر رہی ہے آج کیوں صحن چمن میں کھلبلی

کون مہمان عزیز آتا ہے جسکی راہ میں
چشم نرگس صورت چشم زلیخا وا ہوئی

شور ہے کسکی سواریکا یہ کیسی دھوم ہے
سرو قد استادہ ہیں گلشن میں شمشاد و سہی

نامیہ نے سبزۂ خوابیدہ کو چونکا دیا
ہر چمن کی ہر روش انگڑائیاں لینے لگی

گھاس لہرانے لگی موج نسیم صبح سے
بنگئی سخت رواں ایک ایک کیاری باغ کی

چھا گئیں سبزے کی ہریالی کی موجیں خال خال
آ رہی ہے ناز سے رکتی ہوئی نیلم پری

سبع سیارہ نے کیں ہر ہفت کی تیاریاں
ہو گیا رنگ فلک آمادہ مشاطگی

سوئی شبنم کے بنفشے نے پروئے بال بال
چوٹی سنبل کی بھی موباف زر گل سے سجی

ہو گئی بزم شہانہ سر بسر آراستہ
باب گلشن پر صلائے عام کی نوبت بجی

لولیان باغ کی وہ پیشوازیں سبز سرخ
ہر گلی میں جنکی پہنچی مہک زیرۂ گل کی ٹکی

ساز نے غنچے تار پھولونکی رگیں مضراب خار
چھیڑ کر سننے سنانیکی صبا کو دھن بندھی

کھولدی غنچوں کی گٹھری باندھ لی اپنی کمر
ہر نہال تازہ کو سوجھا تماشا دل لگی

خشک پتوں پر چھما چھم بوندیوں کے گھونگرو
کونے کونے وہ مجیروں کی کھنج وہ گنگری

بوئے گل کہنے لگی تازہ شگوفہ دیکھکر
خیر ہے اب تک کہاں بیٹھے ہیں استاد جی

تالیاں دو ہاتھ سے بجتی ہیں سنتے تھے مگر
پتے پتے نے ہوا میں بجکے سنگت آج دی

خود بخود دو لکی انگوں سے جوانان چمن
جوش مستی میں ہوئے آمادہ رخسیاگری

ہر کنار حوض پر وہ دور اور وہ دادرے
جنکی لے میں لغزشیں پر ہوا تر میں دکھنی

کوئلوں کی وہ ملہاریں جھولنے شونکے ساتھ
جنکی سب تانیں رسیلی اور چلن بھیرو بھری

وہ غضب قمری کے ملنے سرو کی ہر شاخ پر
اور نیچے سر میں وہ الاپ مسدم طاؤس کی

اپنی حالت سے گزر کر ایک مطلع وہ پڑھیا — نقد نقدِ جس کا دے ارباب معنی کو ہٹی

مطلع ثالث

شہرہ ہے اچھا برا بھی چاہئے سننے کو منصفی — یوں تو ہونے کو زمانہ ہے سخن کا مدعی

کیا ستم ہے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں — کس کا دعویٰ ہے دلیل کس کی حجت ہے قوی

صاف ہو کس کا بیاں گنجلک ہو کس کی دلیل — کس کے اظہار و نہیں الغرض کس کے لکھے میں کمی

کیجئے کس کی وکالت ہو جئے کس کے گواہ — مدعی سست اور شاہد چست کا ہے پاس بھی

چھیڑ دی اپنی صفائی پھر بھی کہکر یا نصیب — فیصلے کی ہاں مگر امید باقی ہی نہ تھی

حق بجانب ہے کسی عادل کو جابر کیوں کہیں — اپنے ہاتھوں اپنے پیروں میں کلہاڑی لی

مدعی سے کیا شکایت آسماں سے کیا گلہ — آپ اپنی قدر کرنی تھی جو ہم نے اب تک نہ کی

جب دکھائے اپنے جوہر عیب کی ٹھوکر کھائے — عمر بھر بے ڈھنگی گایا کئے ہم راگنی

راستی پر بھول کر آیا نہ اکدم بھی مزاج — بڑھ گئی دو ہاتھ قسمت سے طبیعت کی کجی

واہ وا شانِ تجبر مرحبا شانِ غرور — اپنے آگے بات ناصح کی کبھی جمنے نہ دی

اپنے منہ سے خود میاں مٹھو بنے پر شاخچہ — ڈھنگ سیدھی سی بنی جو بھی کی کیا آ گئی

گانٹھ ہلدی کی جو ہاتھ آئی پساری بن گئے — ہے یہ پھبتی کہی اچھی کسی نے واقعی

جان کیا آنکھیں چرا آئیں جانفشانی کی جگہ — کی تن آسانی جہاں کرنی تھی پوری تندہی

گلیوں گلیوں خوب بھٹکے شارعے چھوڑ کر — رہبری کا ذکر کیا آئی نہ سیدھی رہروی

بن گئے سر راہبر کے حق میں قطاع الطریق — جو ذرا آگے چلا کی جڑ کٹی اسکی رہبری

الغرض اعمال میں افعال میں اقوال میں — ہے وہی ہا ہنگ خرابی یا کمی یا کوتہی

داد دینی بھی نہ آئی داد لینی تو کجا — یہ طبیعت ہے ہماری یہ ہماری شاعری

اہل فن کو اہل فن سے رشک ہے یہ بھی بجا — عشق کی دنیا میں ہے یہ شیوۂ مردانگی

واہ وا دادا سے گردشِ گردونِ گرداں واہ واہ — اٹھ گئی کیا دور میں تیرے دلوں سے منصفی

آشیاں سے کھکر رہ وادِ قفس لانا جواب
ہو دا اپنے غنچے دل پریشاں ہو گئے
عیش کا کیا ذکر غم سے بھی طبیعت بھر چکی
پھر ہوا لے میکدہ کہانی ہے تاقب کوئی دم

بات اتنی ہے اگر ہو تیرے امکاں میں بیاں
کس نے بھر دی کوٹ کر قاتل کی پیکانیں جاں
اب کہاں صبحِ وطن شامِ غریباں ہم بہار
پھر سمائی ہے نئی طبع غزلخواں میں بہار

مطلعِ ثانی

اور بھی دانا فقیروں سے کہا نکل گئی
ساقیا ہر دم تری بھی شگفتی ہی رہے
بھولے بسرے تو وعدہ و فاقہ مستو بھی تھے
کب سے دستک دے رہا ہے دل در میخانہ پر
پہنچتے ہی پہنچتے آخر سویرا ہو گیا
جا لگا کس کا دل کروٹ زمانہ کی طرح
یا خدا اب ہم صبوحی نوش آخر کیا کریں
بے سبب اتنا سکوت ہمیں ممکن نہیں
پہنچے ساقی رہے بدمست یہ ہاں مگر
لو رضا اسکو بھی حفظِ مراتب کا تھا پاس
کیا قیامت ہے کسی کے کانپ رنگی نہ جوں
آؤ اک آواز دیکر آزمائیں پھر نصیب
کھولدا لیں کہہ کے یا فتاح قفل بر بھر
اب کھلی رہے آنکھ اور جو کٹنی نظر
پھر تمہ کھلکے وہ بھی صاف کر دیں خیر سے
پی پلا کر دیں دعائیں خمخانۂ جاوید کو

کوئی چلو ڈیڑھ چلو ہے ہمارے نام کی
اور بھی رات دونی دن سوائی بکری
بستی گنگا میں ار کم ظرف ہو گئی کیا کمی
کب سے گنڈی کھڑکھڑاتی ہے پریشاں خاطری
پہنچے جاگے چشمِ مست ساقی کی کھلی
رات گذری اور دن بھی چڑھ آیا دو گھڑی
حلق میں پھندے زباں بھی سوکھ کر کانٹا ہوئی
یا وہی بدمست ہیں یا کچھ خطا ہم سے ہوئی
وہ جوش بیداری پیر مغاں کی دھوم تھی
اہل حلقہ کو ہوا کیا کر گئے کیوں ان سنی
کیا مصیبت ہے کہ ربّ آنکھ جب سے ہے لگی
پھر ہلائیں میکدے کا باب کہکر یا علی
پڑھ کے بسم اللہ بے پیکی ہلائیں دو گھڑی
ہو کبھی کونے میں شاید اور بوتل بچی پڑی
دور میں آنے نظر کے جو چھپی اور بے چھپی
جسکی خاطر ہے وہ معشوق کی شادی بچی

اپنے اپنے رنج خیال اور اپنی دوڑ رہے
باب خلاقِ سخن پر یوں سی ہو یوں ترنا ب
تذکرے کو بخشدی خلعت قبول عام کا
اور کر اِسکے مولف کی بھی پوری ہر مراد
ابتو تاقب سُننے والے بھی پریشاں ہو گئے

چھوڑ دو ہر ایک کی مرضی پہ جسکی جو خوشی
اے مرے گویائی دینے والے قادر یا قوی
تا قیامت ہو نہ اِسکے قدر دانوں کی کمی
عام اس سے اب ہوا جب جو خفی ہو جلی
اور لکھتے لکھتے اپنی بھی طبیعت بھر گئی

اک نقط تاریخ باقی ہے تو قصہ مختصر
تذکرہ۔ بمثیل میں ہے سال ہجری عیسوی

تقریظ از نتائج افکار گہر بار ارسطوے دوراں جالینوس زماں فخر اطبائے ہندوستان حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالےٰ

خمخانۂ جاوید

اس زمانے میں جبکہ پُرانے آثار مٹتے جاتے ہیں اور ہوائے مخالف کے جھونکے ہمارے اسلاف کے نشانوں کو روز بروز پامال کرتے جاتے ہیں میرے دوست جناب لالہ سری رام صاحب رئیس دہلی خلف الصدق جناب رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب سرگباشی نے جو کام شروع کیا ہے وہ ہندوستان کی اُردو داں پبلک کے لئے علی العموم اور اہل دہلی کے لئے علی الخصوص باعثِ شکر گذاری ہے۔ بے شک انھوں نے اُردو پر احسان کیا ہے۔ اور اُسکے اگلے پچھلے کارفرماؤں (شاعروں) کو پبلک سے روشناس کرنے میں روپیہ اور وقت کے صرف کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ جو اُردو کے سرمایۂ ناز اس وقت خواب

کون اسکا میر منشی ہے کہ جسکی ہر رپورٹ
مہتمم ہے کون امن و شر کا حاکم کون ہے
منصفِ دہلی رہے وہ لالہ سریرام ایم اے
ذی ہنر ذی علم ذی فن ذی خرد ذی حوصلہ
نکتہ داں و نکتہ بیں و نکتہ فہم و نکتہ رس
پاک باطن پاک ظاہر پاک طینت پاکدل
صاحبِ طبعِ فہیم و صاحبِ ذہنِ سلیم
خوش بیاں خوش لہجہ خوش اخلاق خوش رو خوش ادا
ہاتھ ڈالا آجتک جس کام میں پورا کیا
کیوں نہ میزانِ عدالت میں گہر تولا کریں
شعر گوئی کیطرف رغبت نہیں اچھا نہو
سیکڑوں دیوان اُردو اور گلدستے ہزار
چھان مارا قریہ قریہ قصبہ قصبہ شہر شہر
خود ملے ہر ایک شاعر سے جہانتک ممکنا
منتخب ایسے کئے اشعار ہر ہر رنگ کے
پتی پتی ڈالی ڈالی غنچہ غنچہ پھول پھول
پہلے ہر شاعر کا لکھا حال پھر اُسکا کلام
گنگا جمنی ہار گوندھا بہرِ طبعِ نکتہ رس
داد دلوائے شہسوارانِ معانی داد داد
داد دیکر داد لینی ہو تو آؤ شوق سے
تذکرہ کیا ہے یہ جولانگاہ خاص و عام ہے

فقروں فقروں میں ہے رنگ آمیز حسنِ شاعری
جسکی ہر ہر شان میں پیدا ہے شانِ منصفی
جنکی نصفت سے خفیفہ کی گراں قیمت ہوئی
ذی دول ذی مرتبت ذی منزلت زیرکی کی
ختم جن پر نکتہ سنجی اور نکتہ پروری
کینہ و بغض و حسد حرص و تعصب سے بری
جنمیں فطرت نے بھری ہے کوٹ کر معنی رسی
اور پھر سوا کہ خوشنویسی کی خوشی خوش قسمتی
حق تو یہ ہے قدرداری اُنسی عالی ہمتی
قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
شعر فہمی کس بلا کی اُنکی گھٹی میں پڑی
دیکھنے میں چھانٹنے میں عمر اپنی صرف کی
جستجوئے اہلِ فن کی وہ ہوا سر میں بھری
حال کی تحقیق کامل کی جہانتک ہو سکی
رچ گویا صاف اُردو شاعری کی کھینچ لی
چن کے ہر ہر باغ سے طبعِ رسا لائی ہری
اور پھر ہر اک طبیعت کے مناسب راہ دی
یوں پروئیں نثر کے رشتے میں کلیاں نظم کی
آکے میداں میں دکھاؤ کچھ تو کرتب گبھری
جمع ہیں سب مرد میداں پھر بھی دست سے بڑی
سخت کم ہمت ہیں جنے باگ جس سے موڑ لی

چونکہ یہ تذکرہ معنوی لحاظ سے ایک قیمتی گلدستہ ہے۔ اس لئے اگر کاغذ چھپائی اور خط کے اعتبار سے وہ اپنے معنوی حسن کی مشاطگری کرے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔
آخر میں اپنے مہربان لالہ سری رام صاحب کا اُنکی اس خدمت پر جو انھوں نے اُردو کے علم ادب کی کی ہے۔ خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اُردو بولنے والے اُردو لٹریچر کے اس قیمتی اضافہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حکیم محمد اجمل

۲۴ نومبر ۱۹۰۸ء

تقریظ رقمزدۂ فاضل عصر یگانۂ دہر خانصاحب پیرزادہ محمد حسین ایم۔اے۔ المتخلص بہ عارف چیف جج عدالت عالیہ ہائیکورٹ قلمرو جموں و کشمیر

تذکرہ خمخانۂ جاوید

اُردو شاعری کا دور اول فی الواقع بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا ہے یعنی طرز قدیم کو روز بروز اہل سخن چھوڑتے جاتے ہیں اور اُسکے قدردان بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اُسکا جائزہ لینا اور جمع بیاں کرنا بہت ضروری تھا تاکہ دکھایا جاوے کہ ان گزشتہ دو صدیوں میں اُسنے کس قدر اور کس رتبہ کا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اس کام کے لئے ایسی لیاقت اور دماغ کے آدمی کی ضرورت تھی جیسکے تین سو سال پہلے شہنشاہ اکبر کو اپنے دیوانی دفتر کے تدوین کروانے کے لئے ضرورت پڑی تھی خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کو بھی اب ایک لائق ہونہار نوجوان نے جسکو اکبری دیوان کے اولاد میں ہونے کا فخر حاصل

عدم میں ہیں۔ اور جو ایسے اہل کمال آجکل ہندوستان کے مختلف شہروں میں خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں اُنکے ہنر و کمال کے ظاہر کرنے میں "خمخانۂ جاوید" نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔

وہ خاندان جن کے اسلاف کو "خمخانۂ جاوید" نے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جو اپنی کوشش میں کامیابی کا تمغہ حاصل کر چکا ہے خصوصیت کے ساتھ میرے دوست لالہ سری رام صاحب کے شکر گزار ہوں گے کیونکہ انکے فرض کو انھوں نے ادا کیا ہے اور ان کے بار دوش کو انھوں نے اپنے کندھوں پر لیا ہے۔ یہ ایک ایسی جوانمردی اور عالی ہمتی کا کام ہے کہ جسکا معاوضہ صرف احسنت نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی قدر دانی دلی شکر گزاری کے ساتھ کرنی چاہئے۔

خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کو جسکے صفحات کی تعداد ۰۰۰ کے قریب ہے میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولف نے انتخاب کے کام کو جو درحقیقت ایک مشکل کام ہے بہت قابلیت کے ساتھ انجام دے کر اپنی سخن فہمی کی وقعت کو ناظرین کی نگاہوں میں بلند کر دکھایا ہے۔

مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب کبھی تو صرف اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ گو شاعر فن شعر کا ماہر نہیں ہے لیکن علم و فضل یا دوسری حیثیت سے اسے خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور کبھی اس مدعا سے اُسکے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ اُسکے خیالات اور افکار اُسکے اشعار سے معلوم ہو سکیں۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ کبھی اسکے فن ادب کی مہارت کا اظہار انتخاب کرنے والے کو مدنظر ہوتا ہے اور کبھی اُسکے طرز ادا کا اظہار مرکوز خاطر ہوتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات اقسام شعر پر شاعر کی قدرت اور دستگاہ دکھانی ایک تذکرہ نویس کا میرے خیال میں سب سے بڑا اور اہم فرض ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ "خمخانۂ جاوید" ان تمام باتوں کو سخن فہم ناظرین کے سامنے پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

شاگرد خاندان فخرالشعرا امیر مینائی مغفور

تقریظ خمخانۂ جاوید

نام نیک دیگراں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ اگر دنیا میں بعض لوگوں کی کمی ہو جائے تو مخلوق خدا کو اپنی احتیاجوں کے رفع ہونے میں سخت تکالیف اٹھانی پڑیں گی لیکن شعرا کا گروہ اسقدر بیکار اور زائد نظر آتا ہے کہ اگر سرے سے یہ طبقہ زمین کو خالی کر دے تو بظاہر کوئی نقصان انتظام دنیوی میں عاید نہیں ہو سکتا اسی آواز کی صدائے بازگشت تھوڑی ہزار برس کے بعد مولانا خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی مقبول نام مسدس میں قریب قریب اسی جوش کی سنائی دیتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

جو سقے نہوں جی سے جائیں گذر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب
ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
جو مر جائیں بنگی تو گندے ہوں گھر سب

یہ کرجائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

ایسی زبردست شہادتوں کے مقابلہ میں دلیلیں پیش کرنا آسان نہیں لیکن اس عالم میں خدا کے بندے ایسے بھی موجود ہیں جو اس بیکار فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ ایک قدرتی اثر ہے جو نہ ارسطاطالیس کے حکیمانہ اقوال سے مفقود ہو سکتا ہے نہ مادی طور پر منفعت بخش ہونے سے نیست و نابود کیا جا سکتا ہے طبیعت کی موزونیت آسکا منبع اور زمانے کی دلچسپیاں خواہ وہ حسن انسانی کی شکل میں جلوہ گر ہوں خواہ گل و بلبل کا رنگ دکھلائیں اس کا لازوال ماخذ ہیں دنیا کے کاروبار بند نہیں ہو سکتے خلق خدا اپنی ضروریات

ہے اپنے ذمہ لیا اور اگر اس کام کی عظمت اور اہمیت کا صحیح اندازہ کیا جاوے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مصنف نے اپنے کام کو بہت محنت اور خوش اسلوبی سے پورا کیا ہے۔ سترہ سال تک شب و روز ایک کام کے پیچھے پڑ جانا اور اپنی صحت اور جوانی اور دولت کو قربان کرنا سوائے محب قوم اور عاشق علم ادب کے اور کسی کا کام نہیں۔ مصنف کو جو اس مضمون سے دل بستگی ہے یا کہنا چاہئے جو عشق ہے اُسکی شہادت کتاب کے ہر صفحے سے ترشح ہوتی ہے انتخاب اشعار میں جو کمال کیا ہے وہ اس سے مصنف کی صحت مذاق اور نکتہ رسی کا پتہ ملتا ہے۔ سچ پوچھو تو مصنف نے اپنے دوست سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ نے کچھ کم کام نہیں کیا ہے بلکہ اس کتاب کو اُس ڈکشنری کا ایک ضروری جوڑ سمجھنا چاہئے۔ خوبی قسمت سے اُردو زبان کے جسقدر یہ دو بڑے کام تھے اُنکے کرنے والے بھی اُسی قدر مناسب اور موزوں زمانے سے پیدا کئے اور اُن دونوں کو سرپرست بھی اقلیم سخن کا وہ فرمانروا نصیب ہوا ہے جسکو اگر اردو زبان بولنے والوں کا بادشاہ کہیں تو کچھ عجب نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ جامع تذکرہ اُردو زبان کے علم ادب کے لئے آئندہ زمانہ میں اسکا سرمایہ ناز سمجھے جانے کے قابل ہے اور اُن تین ہزار حضرات میں سے جنکا تذکرہ میں حال بیان کیا گیا ہے دو ہزار نو سو پچاس کو مصنف کا خصوصاً ممنون ہونا چاہئے کہ اُنکا نام اور کلام ساقی خمخانہ کے فیاضی کی بدولت جریدۂ جاوید پر ثبت ہو کر نسلہائے آئندہ کے گوش زد ہو جائیگا۔

راقم عارف از جموں

۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

تقریظ و تاریخ رشحۂ خامۂ نخلبند گلزار معانی طوطی شکرستان خوش بیانی شاعر عدیم المثال قاضی غیاث الدین احمد صاحب خورشید دہلوی

ہوتا ہے جسپر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جسقدر شعرا کی حالات اور اُنکے کلام کے نمونہ اس بیش بہا تالیف میں جمع کیے گئے ہیں اُنکی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے گویا ہزاروں باکمالوں کے حق میں جنکی نام کچھ دنوں کے بعد صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے مؤلف نے مسیحائی کا کام کر کے اُردو زبان پر اک ایسا احسان کیا ہے جس کی شکرگزاری سے دنیا اور اہل دنیا کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہم قابل مؤلف کو اس بڑی کامیابی پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اُن کی تالیف مقبول انام ہو جس سے اُنکی تمنائے دلی اور ملک و قوم کی تمنائیں بر آئیں۔

دعا وے ، ہا ہے یہ مستانہ ساقی	سلامت رہے تیرا خمخانہ ساقی

اب ہم اس اظہار سپاس کو ایک قطعۂ تاریخ پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے قلب مشتاق سے نکلا پڑتا ہے

قطعۂ تاریخ

میرے محب مصدر لطف و کرم نے اک	شعرائے ریختہ کی لکھی ہے کتاب آج
برسوں کی کاہشوں میں کیا تذکرہ رقم	بدلا ہے عہد پیری سے عہد شباب آج
اک عمر دور دور سخنداں کیے تلاش	ہیں مدت مدید میں وہ کامیاب آج
خورشید فکر ختم میں کل سے جو محو تھا	تاریخ سال ایسی لکھی لاجواب آج

آیا زبانیٔ مصرع سالم یہ غیب سے
عالم کے شاعروں کا کیا انتخاب آج
۱۹۰۸ء

تقریظ ریختۂ کلک گوہر سلک شاعر بے نظیر ناثر پر تاثیر مشّاق طرز قدیم و نوی مشفقی پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی۔

کا اژدہام اور تملا کرتی رہتی ہے گرم بازاروں کی زیب و زینت تجارت گاہوں کا شور و شغب الجنوں
کی گھڑ گھڑاہٹ اُس لحن داؤدی پر ہرگز غالب نہیں آسکتی جو قلب انسانی سے نکلکر اور روح انسانی
پر موثر ہو کر اُسی وجد میں لاتی ہے اور جس کا جوش غیر منطقی انسان کی دم کے ساتھ ساتھ ہے
عالی دماغ فلسفیوں کے غل غپاڑے سے ہم تو سہم گئی تھی اور سوچتی تھی کہ ہماری تو عمر اسی بیکار فن کی
تحصیل میں صرف ہوئی ہے اب ہم کہاں لٹے گئے ہوئے وقت کو واپس لائیں جو دیگر کمالات
کی تحصیل میں صرف کریں صرف اتنی امید کے سہارے پر جیتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ کی بیشمار مخلوق
میں سے ایک شخص کے دل میں بھی ہماری ہزاروں سرائی گدگدی پیدا کر دے گی تو ہماری
ساری محنت رفتہ وصول ہو جائے گی مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ زمانہ کا ہاتھ ہر وقت ایسی
شے کو مٹانے کے لئے مستعد ہے جس کی حفاظت کا کافی انتظام نہ کیا گیا ہو الحمد للہ کہ خدا
کی دانشمند بندوں میں سے ایک شخص لایق فنشی بابو سری رام منصف لاہور ایسی تلی ہوئی اور شعرا
کے نام اور اُنکے کلام کی حفاظت کے لئے بالکل جنچی ہوئی جہان آفرین نے پیدا کی خمخانۂ جاوید
کی ترتیب اور تالیف میں لایق مولف کو جو دقتیں اور دشواریاں پیش آئی ہونگی اُنکا اندازہ صرف اسی بات
سے ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے بعض نادر الوجود دواوین دو مہیا کی ہیں جو ہندوستان میں نایاب
تھی اس اہم اور مشکل کام میں اُنہوں نے اپنی عمر عزیز صرف کی اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے
اپنی جمع کی ہوئی دولت کا کثیر حصہ اسمیں کھپایا ہے بیس برس کی متواتر محنتوں اور صرف کثیر کے بعد
خدا نے آج وہ دن دکھایا کہ ہم سات سو صفحہ کی ایک جلد ضخیم شعرا ماضی و حال کی یادگار مرتب
پاتے ہیں اور خداوند تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ لایق و مستعد مولف کی سعی و کوشش
کو مشکور فرمائے اور اس خمخانہ کو جس کی ساقی نے حریفان سخن سنج کو بادۂ سخن سے سرمست
کرنے میں کوئی کوشش اوٹھا نہیں رکھی ہے خلق خدا کو بے انتہا فیض کا منبع ثابت کرے
اُردو زبان میں تذکرے کے ایسی ضخامت کی مثال شاید مشکل سے دستیاب ہوگی اور ہم اپنی اہل
ملک کو مژدہ دیتے ہیں کہ آج ہماری غریب زبان کے خزانہ میں بھی ایک ایسی لازوال دولت کا اضافہ

برعکس اسکے کیوں یہ تذکرہ جامع اور "آج کی تاریخ تک" مکمل ہے۔ کیوں اس میں خسرو اور دلی سے لیکر آغا شاعر دہلوی۔ اور اقبال کشمیری تک درج ہیں۔

(۲) معروف مثل "کل امر مرہون باوقاتہ" کے خلاف کیوں اسمیں ہر دور اور طبقے کے شاعر اور ہر انکا ہر رنگ کا کلام درج ہے۔ کیوں اس فونوگراف میں ہیں اور سرود کے ساتھ ہارمونیم اور پیانو کی آوازیں بند ہیں۔ کیوں اسمیں دُمرہ کے ساتھ ٹمری اور غزل کے ساتھ مسدس اور ترکیب بند موجود ہیں۔ کیوں اسمیں غزل اور واسوخت کی پرانی شاعری کے پہلو بہ پہلو نئی نیچرل شاعری جیسی کہ وہ اسوقت ہے۔ کے نمونے ملتے ہیں۔

(۳) کیوں اسمیں کسی مذہب یا تبدیل مذہب یا حسب نسب کے متعلق غلط یا دلخراش مندرجات نہیں پائے جاتے۔

(۴) کیوں اس میں شعرا کے حالات اس شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں کہ اور جگہ ایک مجموعی صورت میں فراہم نہیں کئے گئے۔

(۵) کیوں یہ تذکرہ مقامی تعصب اور ذاتی پسند کی جنبہ داری سے پاک وصاف ہے چونکہ یہ نفسانیت سے مبرا ہے لہذا کوئی شخصیت نہیں رکھتا ہیچ و پوچ ہے۔

(۶) کیوں تذکرہ ہزار داستان نہ صرف تاریخی و شاعرانہ اہمیت بلکہ ضخامت میں آجتک کے تذکروں کو منزلوں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اور (۷) کیوں مؤلف کی اپنی زبان جس میں اسنے شعرا کے حالات لکھے ہیں زور دار پرتاثیر۔ فصیح۔ دہلی کی ٹکسالی زبان۔ رنگین اور پرشکوہ ہے۔

اب تصویر کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے۔

لارڈ میکالے کا یہ مقولہ خواجہ حالی بھی اقتباس کر چکے ہیں کہ اصلی شاعری جادو کی لالٹینیں (میجک لینٹرن) کی مثال تاریکی میں اپنا رنگ جما سکتی ہے۔ یعنی شاعری اور شاعرانہ انشاپردازی تاریکی کے زمانے میں یعنی جب محض تخیل اور زبان کا ہی سکہ جاری

پرائیویٹ سکرٹری آنریبل کنور پرتاب سنگھ بہادر آف کپورتھلہ۔

مصنف مسدس بھارت درپن وغیرہ

جس طرح ایک شخص اپنے یا اپنے پیارے دوست کے بچے کا نشو و نما دیکھتا ہے اسکی ہر چیز کو منہ میں لیجانے کی بالطبع کوشش۔ اسکا گھٹنیوں چلنا۔ پھر لڑکھڑاتی ٹانگوں سے گر گر اٹھنا۔ اور پھر سرو کی طرح رواں ہونا۔ اول اسکا غوں غاں کرنا۔ بیوجہ ہنسنا اور رونا۔ پھر کچھ مدت بعد تتلاہٹ سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور پھر سن تمیز کو پہنچکر معقول اور سلسلہ وار گفتگو کرنا غرضکہ جس طرح ہم ایک دوست کے بچے میں دیکھ رہا ہوں جو آج خمخانۂ جاوید کے نام سے آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔ اسکے نوٹوں کے پرچے۔ اسکے اوراق پریشاں۔ اسکے مختلف جز۔ اسکے مسودوں کے مشقے۔ کٹے پھٹے جز اور صاف شدہ مسودہ اور اب آرائش خراش اور آب و تاب کے ساتھ اسکی جامۂ طبع سے آراستہ شکل دیکھی۔ اسوجہ سے مجھے حق ہے کہ میں اس تذکرے کی نسبت وضاحت سے لکھ سکوں خواہ وہ تقریظ کہلائے کی مستحق ہو یا تنقید کہلانے کی اُردو کا ایک محاورہ ہے "اپنے بچھڑے کے دانت کون نہیں جانتا" یعنی اپنے بچے کے دانت کون نہیں جانتا۔ یعنے اپنے بچے کے حسن و قبح سے اسکے والدین یا بزرگ ضرور واقف ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے دوست مؤلف تذکرہ ہذا تو اپنے اس اللہ آمین سے پلے پوسے سولوؤں کی فرطِ محبت کیوجہ سے اسپر نقادانہ نظر نہ ڈال سکیں۔ لیکن میں اس جذباتی نقص سے بری ہوں کہ میں ہمیشہ بچپن اور لڑکپن میں بھی اس بچہ کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہا ہوں۔

لیجیے سب سے پہلے میں اس تذکرے کے نقائص آپ کو گنائے دیتا ہوں۔

(۱) اگلے کہہ گئے ہیں۔

کار دنیا کسے تمام نہ کرد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

ہونگے۔ نہ کوئی اُس شاخ کو ہرا کر سکیگا۔ نہ تمسے بڑھکر پھل پھول لگا سکے گا۔ ہاں تمہاری لکیروں کے فقیر تمہارے ہی ہجر و وصل اور خط و خال کے مضمون لینگے۔ انہیں لفظوں کو اُلٹیں پلٹیں گے اور تمہارے چبائے ہوئے نوالوں کو مُنہ میں پھراتے رہینگے۔

اگرچہ زیادہ تر عمارتیں تمہارے حُسن و عشق کے جلوس کے لئے ہیں مگر انہیں بھی تمنے ایسے سامان اور مصالح لگا دیئے ہیں کہ آیندہ نسلیں جس غرض سے چاہیں گی عمارتیں بنائیں گی۔ اور تمہاری صنعتوں سے بہت کچھ مدد پائیں گی۔ جن پتھروں کو تمنے منبت اور گلکاری سے تراش کر فقط خوشنمائی کے لئے لگایا تھا ہم اُسے وہاں سے نکال لیں گے شکریہ کے ساتھ آنکھوں سے لگائیں گے۔ اور اس سے کسی ایسی محراب کو زینت دینگے جو اپنی مضبوطی سے ایک ایک ملکی ایوان کو استحکام دے۔ اور دلوں کو خوشنمائی سے شگفتہ کرے"۔

مولانا آزاد کی یہ پیشین گوئی یا ہدایت یا کہنا یہ کس قدر راست ثابت ہوئی یا عمل میں آئی۔ اقبال۔ چکبست۔ چودھری خوشی محمد ناظر۔ میر نیرنگ۔ سرور جہان آبادی۔ افق اور برق لکھنوی۔ تمنا۔ اور مولانا شبلی۔ مرزا رشد مرحوم اور سب سے اخیر بلکہ سب سے زیادہ خواجہ حالی کے کلام کے ملاحظے سے ثبوت کو پہنچتی ہے۔ ان سب اصحاب اور اس قسم کے دوسرے سخنگویوں کے کلام و حالات بھی اس تذکرے میں غالب و ذوق۔ ناسخ و آتش۔ نسیم و سالک۔ مجروح و داغ۔ امیر و اسیر کے حالات اور کلام کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اِسکے ساتھ ہی ان کا کلام بھی ملتا ہے جنھیں مولانا آزاد نے افسوس مگر صحت کے ساتھ چبائے ہوئے نوالوں کو منھ میں پھرانے والوں کا خطاب دیا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس تذکرہ کا ملاحظہ ایک زباندان کو خوشنوایانِ بزمِ سخن کے

ہو پبلک مذاق پر حاوی رہتی ہے۔ سائنس یا علوم۔ فلسفہ اور سیاسات کے عہد میں اسکی دال نہیں گلتی۔ اگر ہم میکالے کے اسی قول کو لیں تو گویا براؤننگ اور ٹنی سن۔ مِلٹن۔ اور بائرن کے شاعر کہلانے کی شان نہیں رکھتے۔ لیکن تاج فلاسفہ ہربرٹ سپنسر نے واقعات اور دلائل سے میکالے کو اس قول کو کاٹ دیا ہے۔ اور واقعہ میں ملٹن اور بائرن کیا شکسپیر۔ لانگ فیلو۔ بلکہ ا یڈمنڈ سپنسر کا تخیل اور شاعرانہ بلند پروازیاں اگر ان سے بڑھکر نہیں براؤننگ اور ٹنی سن میں موجود ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غالب کا تخیل اور آتش وانیس کی نغز گفتاری کا چسکا میرے محبان ذیشان محمد اقبال اور پنڈت برجنرائن چکبست کی نظموں میں نہیں پایا جاتا۔

میں مانتا ہوں کہ تغزل کا وہ چٹخارا جو میرے معصر شاعروں کے کلام میں پایا جاتا ہے جو طرز جدید میں لکھتے ہیں۔ آنے والے" تین قرنوں کے شاعروں میں شاید نہ ملے۔ جن لوگوں نے غزل گوئی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ حالی۔ امیر۔ داغ اور آزاد کی آنکھیں دیکھیں تھیں انکے متقدمین کے ساتھ ہم صحبت ہوجانے پر اُردو کی شاعری خوف ہے کہ کپلنگ کی شاعری کی طرح ؎

دندانِ تو جملہ در دہان اند

چشمانِ تو زیر ابروان اند

کا چربہ رہجائے۔ اگر یہ خوف معرض امکان میں جار کھتا ہے تو میرے خیال میں یہی ایک وجہ کافی ووافی ہے کہ ہم خمخانۂ جاوید کی قدر کریں۔ اسے اُردو شاعری کا ایک جامع انسائیکلوپیڈیا اور شاعروں کے حالات کا مکمل تاریخی دفتر تسلیم کریں۔

مولانا آزاد نے آب حیات کو اسطرح ختم کیا ہے۔

اے باقبال بزرگو۔ افسوس کہ تمہاری شاعری نے بہت کم عمر پائی۔ قسمت نے تمہیں اچھے سامان دیئے ۔ ۔ ۔ ۔ اب نہ وہ سامان ہونگے نہ ویسے قدردان

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند	تہی خمخانہا کردند و رفتند
ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشانست	خم و خمخانہ با مہر و نشانست

اُن مایۂ ناز کارناموں میں جو ہمارے اسلاف کی یادگار ہیں فلسفہ کے بعد تاریخ کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے اگر مورخ کا قلم اپنی روانی طبع سے صفحۂ عالم کو بوقلموں نکرتا تو آج مشاہیر عالم کے کارنامے ہمارے لئے خیالی تصویریں ہوتیں اُنکی ہستی جاوید پر گمنامی کا تاریک پردہ پڑا ہوتا اور دستبرد زمانہ ان جواہر کو خاک میں چھپائے رکھتا۔

خوش نصیبی سے "بلبل ہزار داستاں" کی شیوا بیانیوں اور نغمہ سنجیوں سے لطف اُٹھانے میں اپنے وقت کا کچھ حصہ میں نے بھی صرف کیا واقعا جس "توجہ" "دلچسپی" اور "خوش اسلوبی" سے اس تذکرہ کی تدوین و ترتیب ہوئی ہے اُس سے جناب لالہ سری رام صاحب کے "دلی شوق" "عمدہ واقفیت" اور "ذاتی تجربہ" کا پتہ لگتا ہے۔ علاوہ اور خصوصیتوں کے اس تذکرے میں "سلاست بیان" اور "لطف زبان" کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ تحقیق کی داد دی ہے اور اپنے قلم جادو رقم سے جام جہاں نما کے مرقع میں خوب خوب گلکاریاں کی ہیں۔

خدایا اس "خمخانہ" پر قبولیت عام کا پہرا رہے! رندان قدح نوش اسکے کیف سے سرشار رہیں۔ پرستاران عروض اسکے فیض صحبت سے طرب اندوز ہوں اور اپنے لئے دستور قرار دیکر اس سے بصیرت حاصل کریں! قدر دانان عروس سخن اسے ہاتھوں ہاتھ لیں! یہ قابل قدر تذکرہ ملک و قوم کی طرف سے دلی مبارکباد کا مستحق ہے اسلئے کہ جناب لالہ صاحب کی مستعدی، عرق ریزی" اور "جانفشانی" کی کوئی نظیر ہمکو نہیں مل سکتی۔

۱۵ جولائی ۱۹۰۸ء

راقم اثم
سید علی اصغر بلگرامی

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار پر بہار صاحبعالم مرزا مجاہد الدین بہادر شاہی خلف الرشید

گوناگوں ترانوں اور بوقلموں نغموں کا لطف دیتا ہے تو ایک ژرف نگاہ فلسفی کے سامنے تہذیب معاشرت اور وضع روزگار کی تغیر و انقلاب کے نو بر نو دفتر کھولتا ہے۔ جسکے معرض اس رقت نہ صرف اُردو زبان و شاعری بلکہ کل ہندوستان ہے۔ اسکے پُرغور مطالعہ سے واضح ہوگا کہ غزل گوئی اگرچہ رفتار زمانہ موجودہ کی لتاڑ میں ہے اور حسن و عشق کی داستانیں اگرچہ داستانِ پارین کا حکم رکھتی ہیں لیکن اُردو زبان کے جدید تدوین کے کارکن کس قدر لغزیت زبان اور تجزل کلام کیں تغزل معتدل کے والہ و شیدا ہیں۔

میرے دوست منصف دہلوی نے نہ صرف یہ زنگا رنگ مرقع شاہدان کلام کا پیش کرکے زبان کی بے بہا خدمت کی ہے بلکہ اُن کی خاص اپنی جادو نگاری اور فسونکاری جو اُنھوں نے شعراء کے حالات لکھنے میں دکھلائی ہے نہ صرف صاد بلکہ داد کے قابل ہے۔ آپ کے قلم کا زور۔ بیان کی سلاست۔ کلام کی فصاحت۔ روزمرہ کی صفائی۔ بالمقابلہ امتحان کی عمیق نگاہی بصیر نقادی اور کامل مبصری ایسے اوصاف ہیں کہ انکی عالمگیر واقفیت اور اُردو شاعری کے تواریخی تجر کے ساتھ ملکر آجکل کے اُردو نویسوں میں اُنہیں بہت اونچے پایہ پر جگہ دیتے ہیں۔

اب میں اس الزام سے بچنے کے لیے کہ:۔

ہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے یار فروشی دکاں نمی باید

اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور مولف اور تالیف کے لئے دعائے خیر کے ساتھ ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں۔

برجموہن دتاتریہ کیفی

از رشحۂ خامۂ سحر طراز شعلہ باز رعنائی خیال ہم آغوش عروس کمال منشی سید علی اصغر صاحب بلگرامی بی اے

صاحبعالم مرزا شاہرخ بہادر خلف حضرت بہادر شاہ ثانی از تلامذہ میرزا قادر بخش صابر گورگانی

اے شفیق صمیمی اے ایم اے سر ایام
کیا ریختہ پہ ڈالی بنیاد نظم اردو
دعوے پہ جو دلائل لائے وہ خوب محکم
وہ آپ کی عبارت اور اسمیں نظم شاعر
جو لفظ تمنے لکھا بیشک عجب تلا ہے
تعریف نامناسب لکھی نہ شاعروں کی

کیا خوب تمنے وصف اہل کمال لکھا
تحقیق سے نہایت ہر اک کا حال لکھا
جو لکھدیا شاللہ وہ بے مثال لکھا
پردہ میں حال سب کے گویا کہ قال لکھا
مضمون خوبصورت اور پر جمال لکھا
اور ہجو سے بچا کر بے بال بال لکھا

اس تذکرہ کو سنکر اس تذکرہ کو پڑھکر
گلزار[1] عشرت افزا جو وقت نے سال لکھا
۱۳۱۰ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قلم جادو رقم نواب سید بہادر حسین خان صاحب انجم لکھنوی از تلامذہ حضرت امیر مغفور

بس یہ انجم خانے کا چھپ گیا ہے تذکرہ
جسمیں لفظ تذکرہ سے سال پیدا ہو گیا

یہ اسی میں ہے صفت تبلا رہا ہے اپنا عہد
تذکرہ خود شعر تاریخ اپنا ہو گیا
۱۳۲۵ ہجری

قطعہ تاریخ ریختہ قالب طبع فصاحت منبع بزم آرائے خوش بیانی مولوی منشی

[1] یہ قطعہ بھی ماضی زمانہ کا ہے۔

میرزا مغل بہادر خلف حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی ۔ از تلامذہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی ؒ

لکھا ہے تذکرہ جو سر رام آپ نے
مصرع ہر اک سرو ہے بہت باغ ہے
شاعر کی شان کھلتی ہے اشعار دیکھ کر
اس سخن کے حال کی تحقیق خوب کی
اک شان نظم میں ہے تو اک آن نثر میں
جانکاہی ہے آپ کی ڈالیں اگر نظر

کیا پُر فضا ہے یہ گل اشعار کا چمن
ہر نقطہ یاسمیں ہے تو ہر لفظ یاسمن
معنی کی نہر ہوتی ہے مضموں سے موجزن
تصویریں آئینہ میں ہیں شعشعہ فگن
دیتا ہوں داد آپ کو اے مہربان من
ممکن نہیں کہ شاد نہوں ماہران فن

شاہی کو اسکے چھپنے کا جب آگیا خیال
خامہ نے سال طبع لکھا منظر سخن
سنہ ۱۹۰۰ء

ایضاً

سر رام ایم۔ اے۔ جو مخلص ہیں میرے
اُنہوں نے لکھا تذکرہ شاعروں کا
محبت سے حالات وہ سب کے لکھے
فصاحت بلاغت کی نہریں معانی
اُسے دیکھ کر میرے دل میں یہ آئی

نہ مخلص کہیں۔ دُرِّ کانِ محبت
ہر اک نقطہ ہے جس کا جانِ محبت
نمایاں ہوئی جس سے شانِ محبت
مضامین بحرِ روانِ محبت
کہ تم بھی دکھادو نشانِ محبت

کہی مجھسے ہاتف نے تاریخ شاہی
لکھو چشمہ بوستانِ محبت
سنہ ۱۳۱۷ھ

قطعہ تاریخ از نتیجۂ فکر صاحبعالم مرزا اسکندر شاہ بہادر جودت خلف الرشید

؎ ۱۸۹۰ء میں تذکرہ کی اشاعت کا ارادہ تھا اسی زمانہ میں یہ قطعے صاحبعالم نے ارسال فرمائے تھے لیکن بعض وجوہات سے یہ بہت دنوں ملتوی رہا اور سات برس بعد تذکرہ چھپا

قطعۂ تاریخ از نتائج افکار مورد مراحم صمد حافظ سید وکیل احمد صاحب وکیل فرزند حضرت جمیل سہسوانی

سخن سنج کامل سرِ رام تے — عجب شاعروں کا لکھا تذکرہ

ہوئی جب مجھے فکرِ تاریخ طبع
زباں پر مرے آگیا "تذکرہ"
۱۳۲۵ھ

تاریخ طبعزاد حافظ محمد عبد المجید صاحب مجید راجگڈھی ملازم ریاست بھوپال تلمیذ جمیل سہسوانی

موج فیضاں ریزند این تذکرہ — ہاں بیا اے تشنہ کام ریختہ

بہر سالِ طبع آن کلک مجید
زد رقم جوئے کلامِ ریختہ
۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ ریختۂ کلک جواہر سلک سرگروہ ارباب صفا معدنِ صدق و وفا شاعر نکتہ پرور حکیم معشوق علیخان جوہر شاہجہانپوری وکیل عدالت ہائے ریاست بھوپال از تلامذہ مرزا غالب مرحوم

مذاق سخن ہندوستان سے اوٹھتا جاتا ہے اسکے ماہر اسکے قدر دان جسقدر تھے وہ چل بسے جو فرقہ ابھی شباب کے عالم میں ہے وہ اس کوچے سے نابلد محض ہے طرز تعلیم کو زمانہ کی رفتار نے بدل دیا اور ملکی زبان انگریزی قرار پا گئی اس واسطے تعلیم یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جو انگریزی کے ماہر ہیں۔ ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے زبان اُردو کی

سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی منشی روبکاری رئیسہ معظمہ ریاست بھوپال دام اقبالہا

این تذکرہ کہ کلک سرایم زد رقم
شد از وفور شوق خریدار آن جہاں
تاریخ طبع جلد نخستین جمیل گفت
گنجینۂ کلام لطیف سخنوران ثر
۱۳۲۵ھ

قطعۂ تاریخ از خوش فکری ہائے سخنور باکیاست منشی محمد شاکر حسین صاحب سہسوانی متخلص بہ نکہت سررشتہ دار محکمہ نیابت وزارت مال ریاست موصوف

آن سرایم سخن گستر کہ ہست
واقف اسرار و آئین سخن
داد از ذکر جمیل شاعران
شانہ او وا و تزئین سخن
کلک نکہت بہر تاریخش نوشت
یادگار بزم رنگین سخن
۱۳۲۵ھ

درسلک نظم تازہ سرایم باکمال
چون گوہر کلام سخن پروران بسفت
نکہت چو فکر کرد پے سال عیسوی
الف زچرخ تذکرہ بیشان گفت
۱۹۰۷ء

تاریخ طبع از منشی محمد مقبول احمد صاحب مقبول ملازم ریاست کوٹہ تلمیذ جمیل سہسوانی

نفیس تذکرہ مقبول شاعروں کا چھپا
سخنوروں کے لئے ناز کا مقام ہے یہ
زبان پہ ہے مری تاریخ طبع برجستہ
حیات ریختہ گویوں کی لاکلام ہے یہ
۱۹۰۸ء

میں ملگئے اسمیں شک نہیں ہے کہ منشی صاحب موصوف نے اندازۂ ہمت سے زاید کام کیا ہے جسکے داد دینے کی قابل نہ زبان میں طاقت ہے نہ قلم کو قدرت ہے یعنی دل ہی اُسکے لطف اور ذایقہ کو جان سکتا ہے اور اپنے بے زبان ہونے سے گھٹ گھٹ کر رہجاتا ہے خمخانۂ سخن کی میگسار جلد آئیں اور اِسکے دو چار جام چڑھائیں جو حشر تک خمار رہی نہو بلکہ سرمستی کے عالم میں دو دو باتیں روز حساب کے معرکہ میں داور محشر سے بھی کریں تذکرہ ہے کہ کارنامۂ شعرا ہے جسکو دیکھنے وہ موجود زندہ مردہ سبھی تو اس تذکرہ کے صفحات کے میدان میں اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں پھر کیوں نہ ایسا تذکرہ مطبوع طبع خلایق اور مقبول عالم ہو یہ تقریظ نہیں ہے بلکہ سچا واقعہ ہے تعریف نہیں بلکہ اصل معاملہ ہے دیدہ ورجنس کاسد و بےغش میں امتیاز کر سکتے ہیں تذکرہ جنکی نظر سے گذرے گا وہ اس تقریظ کا مصداق پائیں گے۔ جو جو خوبیاں اُس تذکرہ میں ہیں اُسنے خود اُٹھائیں گے۔ اہل مذاق دونوں کی قدر کرینگے حاسد دونوں کو دیکھ دیکھ کر جل جل مرینگے میں تو اس تقریظ کو صرف ایک قطعہ تاریخ پر ختم کرتا ہوں اور دعاء مقبولیت میں مصروف ہوتا ہوں کہ اے سخن آفرین اس تذکرہ کو ارباب بصیرت کی پتلی کا نور بنا آمین ثم آمین۔

قطعہ

خوب تالیف کیا تذکرۂ اہل سخن — جس کا ثانی نہیں عالم میں نظر آتا ہے
ہے مؤلف بھی تو یکتائے زمانہ اسکا — آج سحباں کو فصاحت میں جو شرماتا ہے
دہلوی مولد و مسکن ہے مؤلف اسکا — جس جگہ سے کہ سخن اپنی سند لاتا ہے
آج اُس خاک میں پنہاں ہیں وہ ارباب ہنر — جنکا ہم رتبہ فلک بھی تو نہیں آتا ہے
میر و مرزا و ولی قائم و مضمون معروف — نام اب لینے سے دل سینہ میں الجھاتا ہے
مصحفی حسرت و جرأت ہوئے اُسی جا سے — جنکا ہر شعر سند ہی میں پڑھا جاتا ہے
درد و تاباں حسن و سوز و شہنشاہ و نصیر — کوئی ایسا بھی زمانے میں نظر آتا ہے
آزرد و خسرو آزردہ و مومن غالب — ان کا غم پہلو میں دل تنگ کو ہلاجاتا ہے
ذوق و صہبائی نہ تھا جنکا زمانہ میں عدیل — یاد سے جنکی کلیجہ تو پھٹا جاتا ہے

آراستگی کی اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسکو صاف کیا اور اسکو ایک زبان کی حد تک پہونچایا وہ لوگ نہ اب ہیں نہ آیندہ اُنکے اس عالم میں آنے کی اُمید ہے پس اونکا نام اور نشان دو نوسٹ جانا کچھ تعجب نہیں بلکہ یقینی ہے اور اسمیں بھی شک نہیں ہے کہ زبان اُردو کے محسن اور زبان دانوں کے مربی و رہنما ضرور تھے اور زبان کی سند جہانتک اس دور میں جو لب خاتمہ پر ہے شعر سے لیجاتی ہے تو وہ لوگ اس دور کے جسکا اختتام ہو رہا ہے ارباب سخن تھے جو ہر طرح پر زبان اُردو کو فخر و مباہات کے درجے پر پہونچا گئے ہر شعر اون کا مشعل تاریکی زبان سمجھا جاتا ہے۔ کسی زبان میں اعتبار پیدا نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اُسکے جاننے والے کے اقوال سند میں نہ پیش کئے جاویں۔ محاورات اُردو کی اسناد میں اشعار اُن بزرگوں کے جنکو دنیا نے شاعر مانا ہے لائے جاتے ہیں جس سے تکملۂ زبان کا ہوتا ہے۔ پس ایسے فرقے رہنمائے زبان اُردو کا دُنیا سے بے نام و نشان ہو جانا کتنا قلق ناک واقعہ ہے جسکے بقا کے واسطے منشی سری رام صاحب دہلوی نے ستر برس محنت شاقہ اختیار کر کے ایک تذکرہ تیار کیا ہے۔ جسکے جلد اول میں صرف اُن شعرا کے حالات و منتخب کلام درج ہیں جنکے تخلص کو بقید ردیف الف اور ب سے شروع ہوئی اصطلاح پر یہ حرف تخلص کو متعدد جلدوں میں قلمبند فرما کر اُن تمام شعرا پر احسان کیا ہے۔ جو تختہ ہائے تاک پر ارینیا اور سوکھے دھانوں پر ابر باراں موسم میں کرتا ہے بلکہ یوں کہنا بھی نازیبا نہوگا کہ احیاء اموات معنوی طور پر کیا ہے۔ اور زیادہ تعجب خیز اور حسرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ منشی صاحب موصوف اس زمانہ کے تعلیم یافتہ علم انگریزی کے قابل شخص ہیں جنکا مذاق بالکل اسکے خلاف ہوتا ہے اوپر سے تعلقات ملازمت ایسے ہیں کہ جن سے اور اس کام سے کمال درجہ کا تخالف مگر یہ کون سا امر ہے جس نے منشی صاحب کو اس بات پر متوجہ کیا ہے وہ دہلی کی خاک سے اُنکے نشو و نما جہاں اُردو کی شاعری پیدا ہوئی اور جہاں اُسنے اپنے لڑکائیں اور جوانی اور بوڑھاپا سب گذارا اور وہیں جام اجل نوش کر کے اوسی سرزمین میں اپنے شیدائیوں کے خاک کے ساتھ خاک

بحمد للہ کہ از خاکدان دہلی گوہر یکتائے قابلیت مہر سپہر سمائے اہلیت جلوہ وجود بظہور آورد کہ عدیلش در عالم مثال پیدا نیست۔ اعنی گوہر گرانمایہ سخندانی و سخن سنجی منشی سری رام صاحب مصنف تذکرۂ خمخانۂ جاوید کہ بہزار کشایش انجام کار عہدہ منصفی و ضروریات دنیوی و علایق زمانہ کتابے عجیب تالیف نمود شعرائے ماضی و حال را جام حیات جاوید بخشید طبعش بہ طبایع عالم جہاں مقبول کہ ہر دیدہ مشتاق جلوہ اوست۔ حبذا بخت شعرا گذشتہ و موجودہ کہ در صفحات خمخانۂ جاوید جا یافت گویا کہ آب بقا یافت۔ خداوند عالم تذکرۂ خمخانۂ جاوید را توتیائے چشم قبول گرداناد آمین۔

احقر

جوہر شاہجہانپوری

قطعۂ تاریخ از نتائج طبع نقاد ذہن نقاد سرآمد شعرائے ذی کمال طلسم آرائے بزم خیال منشی سید جلیل حسن صاحب جلیل جانشین حضرت امیر مینائی مغفور

دے جزائے خیر اس قابل مصنف کو خدا		خوب لکھا تذکرہ نام آوران دہر کا

مصرع تاریخ لکھکر داد دیتا ہے جلیل
یہ کھنچا زیبا مرقع شاعران دہر کا
۱۳۲۳ھ

کم نہیں جام جہاں بیں سے یہ کامل تذکرہ	ولہ	درج جسمیں اہل فن کا پورا پورا حال ہے

فکر سال طبع کرتا ہوں تو کہتا ہے جلیل
فکر ہے کیوں سال کے یہ تذکرہ خود سال ہے
۱۳۲۵ھ

تقریظ و تاریخ طبع زاد مجموعہ فصاحت و بلاغت گلدستہ ذہانت و ذکاوت منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی ایڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

سب وہ سیارۂ گردون سخن تھے یہ لوگ
تھی وہ دہلی کہ ہوئی سب کی ہیں نشو و نما
سب کے سب آہ وہیں خاک کے پیوند ہوئے
دل یہ قابو نہیں رہتا ہے جگر جلتا ہے
بے تحاشی ہی نکل پڑتے ہیں اس صدمہ سے
جوشش گریہ ذرا تھم تو کہ لکھوں کچھ اور
شیفتہ آہی و تسکین سے سخن سنج کہاں
سالک و عارف و ثاقب سے کہاں اہل سخن
نیر و بسمل و مجروح و طلب اور ویراں
میکش و تشنہ و آزاد و طرب تفتہ نسیم
تھی انہیں لوگوں سے دہلی کی جہاں میں شہرت
خاک دہلی کو شرف حق نے عطا ہے یہ کیا
جسکا ثانی نہ عالم میں نہ مثال و نظیر
کیوں نہ پھر کہئے کہ اس وقت مولف اسکا
تذکرہ ایسا لکھا ہے کہ لکھے کا کوئی کیا
وہ عبارت ہے کہ دیکھی نہ سنی آجتلک
فکر تاریخ ہوئی اسلئے جوہر مجھکو

انہیں سے ایک کو بھی کوئی کہیں پاتا ہے
ہے وہ دہلی کہ نہیں کوئی نظر آتا ہے
ذکر انکا جو زباں پر کبھی آجاتا ہے
آنکھوں میں آنسوؤں سے بھی نہ تھما جاتا ہے
رخ یہ ہر قطرۂ اشک آپ ڈھلا جاتا ہے
ذکر اوروں کا بھی کمبخت رہا جاتا ہے
قول کی جنکے ہر اک شخص سند لاتا ہے
آنکھیں رو دیتی ہیں جسدم کہ خیال آتا ہے
دھیان ایک ایک کا ہمدم مجھے رلواتا ہے
یاد کرکے انہیں دل اسے تڑپ جاتا ہے
اب کوئی ویسا نہ نظر ایسا نہیں آتا ہے
کہ وہاں اب بھی کوئی ایسا نکل آتا ہے
خطۂ دہلی انہیں لوگوں سے کہلاتا ہے
یادگار اگلوں کی اک ہمکو نظر آتا ہے
لطف تاریخ کا ہر ذکر میں آجاتا ہے
طبع کا سال لکھوں دل مرا للچاتا ہے
اک نئے ڈھنگ سے ہاتف مجھے سمجھاتا ہے

تذکرہ خود ہی سن طبع ہے دیکھو تو ذرا
عدد تذکرہ سے سال نکل آتا ہے
۱۳۲۵

تقریظ پارسی الحکیم معشوق علی خان جوہر شاہجہان پوری

لیکن ابھی بالکل ہی نہ مایوس ہوں شاعر — اب بھی اس اندھیرے میں ہے تھوڑا سا اجالا

اس وقت بھی موجود ہے اک بندہ خدا کا — ہے مرتبہ جس کا مری تعریف سے بالا

میں نام تو اُس کا ابھی ظاہر نہ کروں گا — ہاں کام کا اُس کے تمہیں دیدوں گا حوالا

یہ تذکرہ اس وقت جو تم دیکھ رہے ہو — ہمت ہے اُسی شخص نے چھپوا کے نکالا

مصروف تھا برسوں سے وہ ترتیب میں اسکی — اس بات سے واقف ہے ہر اک جاننے والا

شاعر کبھی ہو سکتے نہیں جس سے سبکدوش — احسان کا وہ بار گراں سر پہ ہے ڈالا

ہے اُسکی شب و روز کی محنت کا نتیجہ — ہر رات سفید اس میں ہوئی دن ہوا کالا

اسکے لئے اردو کا ہر اک پرچہ خریدا — باقی نہیں چھوڑا کوئی گلدستہ رسالا

اس کام کا بیڑا جو اُٹھاتا کوئی شاعر — گھر بار کا لکھ دیتا مہاجن کو قبالا

خمخانۂ جاوید وہ ہے سرے جس کی — ہو جاتا ہے رنج و الم و غم کا ازالا

اس شخص نے احسان کیا بے غرضی سے — خالص یہ عنایت ہے نہیں دال میں کالا

اب جان پڑی قالبِ بے جاں میں سخن کے — بر وقت خبر لی بخدا خوب سنبھالا

زندہ تو ابھی زندہ ہیں ان کا نہیں کچھ ذکر — مُردوں کو بھی زندہ کیا مٹی سے نکالا

تحریر کیا حال گذشتہ شعرا کا — یوں اُنکا وجود اس نے نئے سانچے میں ڈھالا

یہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جس کا تعلق — اس عالم خاکی سے ہے تا عالم بالا

زندوں کے دل اور مردوں کی روحیں ہوئیں شاداں — اس تذکرہ نے سب کا غرض کام نکالا

کاغذ بھی لکھائی بھی چھپائی بھی ہے نادر — ہر ایک طرح جیت لیا علم کا پالا

نایاب ہے بے مثل ہے کاغذ کی سفیدی — دیکھا نہ سفید ایسا کبھی روئی کا گالا

پھر اُس کی چمک میں ہے کچھ اس قسم کی تیزی — کٹ جائیگا بد بیں کی بھی آنکھ کا جالا

کیا لالۂ سری رام سے واقف نہیں شاعر — محسن کوئی ایسا تو کبھی دیکھا نہ بھالا

احسان کیا آپ نے یہ تذکرہ لکھ کر — سب مل کے کہو سلمہ اللہ تعالا

شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم

خمخانۂ جاوید کا ہے نشہ نرالا ۔ پہنچا ہے کہیں سے کہیں ہر جھومنے والا

ہے اسکی مئے ناب میں تاثیر کچھ ایسی ۔ وہ مست ہوا جس نے پیا ایک پیالا

ہو جاتے ہیں چودہ طبق اک آن میں روشن ۔ کھل جاتی ہیں آنکھیں نظر آتا ہے اُجالا

جو رند ہیں یاں کے وہ نیا رکھتے ہیں مشرب ۔ کر دیتے ہیں مذہب کو تو بالکل تہ و بالا

پینے سے انہیں کام ہے چھٹ ہو کے خالص ۔ ساغر کو انہوں نے کبھی دھویا نہ کھنگالا

رکھتے نہیں دونوں سے سروکار یہ کچھ بھی ۔ مسجد ہے مسلمان کی ہندو کا شوالا

ہے اور ہی مخمور یہ پیا کرتے ہیں جسکو ۔ تسبیح کی حاجت ہے نہ درکار ہے مالا

سچ ہے کوئی مذہب نہیں ہوتا شعرا کا ۔ کعبے میں بھی پڑتا ہے بتوں سے انہیں پالا

اک وقت بتوں کو بھی سمجھ لیتے ہیں پتھر ۔ ہے مذہب و دیں انکا زمانے سے نرالا

خمخانۂ جاوید سے ساقیِ ازل نے ۔ مدہوش بنا کر انہیں دنیا میں نکالا

اِن لوگوں کے حالات بھی دلکش ہیں سخن بھی ۔ دیکھے مری آنکھوں سے کوئی دیکھنے والا

لکھ سکتا ہے مشکل سے کوئی تذکرہ ان کا ۔ کس طرح فراہم ہو بھلا اتنا مسالا

اِسکے لئے ہے کوشش و محنت کی ضرورت ۔ دشوار ہے یہ کام نہیں منہ کا نوالا

لائے گا کہاں سے کوئی مال و زر و دولت ۔ قارونکا بھی اسمیں تو نکل جائے دوالا

ہو مال تو پھر خرچ کی بھی چاہئے ہمت ۔ سب اپنے خزانے کو لگا دیتے ہیں تالا

اس کام میں جو چیز ضروری ہے خصوصاً ۔ وہ شوق طبیعت کا ہے اے حضرت والا

اب دیکھو یہ سب باتیں ہیں پوری بھی کسی میں ۔ ہیں سیٹھ ہزاروں تو یہاں لاکھوں ہیں لالا

نفرت ہے انہیں شغلۂ شعر و سخن سے ۔ وہ روگ سمجھ کر اسے پالیں گے نہ پالا

کیا خاک ترقی ہو اب اس فن کی جہاں میں ۔ کوئی بھی سخنور کا نہیں پوچھنے والا

نگینہ۔ جسنے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اس سرمایہ کی جمع کرنے میں صرف کیا ہے ہزار روپیہ اُٹھا کر کتابوں کا انبار لگا یا ہر وہ کون سا نسخہ ہے جو دیوان یا تذکرہ جو یہاں نہیں۔ ابر ہا او صاف جامع تذکرہ کا شہرہ کہاں کہاں نہیں۔ برسوں کلام غیر مطبوع کی تلاش میں سرگرم جستجو رہا۔ کون سا شہر۔ کون سا قصبہ۔ ہندوستان میں ایسا ہے جہاں یہ خریدار سخن نقادِ معانی نہ گیا۔ سالہا سال کی محنت۔ اُسپر صرف ہمت و دولت۔ اب کہیں خدا خدا کرکے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ ایک حصہ اِس جواہر گراں بہا کا چھپ کر طیار ہوا ہے۔ چار ابھی ایسے ہی اور باقی ہیں۔ دیکھئے انکو خدا کب دکھاتا ہے۔ مگر اب اسکی سرپرستی حضرت بندگان عالی۔ اعلیٰحضرت۔ قدر قدرت۔ دارا حشم۔ نوشیرواں معدلت۔ منور نظام سریر آرائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ واقبالہ نے منظور فرمالی ہے۔ مو لف کو ہر طرح آسانی ہوجائے گی۔ اللہ تعالےٰ اِس کارنامہ کو قبولیت اور زمانے کو اسکی دید کی مہلت۔ مؤلف کو عیش کامرانی۔ اور اس ذرہ بیمقدار خورشید کو گردش روزگار سے امن وامان عطا فرمائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہان آمین باد۔

محمد خورشید عالم مرزا گورگانی

۱۴ فروری ۱۹۰۸ء

تقریظ طبع زاد جامع کمالات صوری و معنوی منبع لیاقت وذکا صاحب فکر رسا نواب مرزا اکبر علی خانصاحب خرد رئیس دہلی

ہمہ در گفتگوئے آید
آب جو در سبوئے آید

ہرچند دنیا خونگار خانہ طلسم وجادو ہے اسمیں تماشا کسکو ہے ہزاروں باکمال دیکھتے دیکھتے پریشان ہوگئے لاکھوں نام آور بے نشان ہوگئے دگرگوں ہر دم رنگ زمانہ ہے سچ ہے دنیا طلسمات کا کارخانہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

دل نے غم بے حساب کیا کیا دیکھے   آنکھوں نے جہاں میں خواب کیا کیا دیکھے

تاریخ نکالی ہے وجاہت نے نرالی	یہ تذکرہ چھپا پا گیا لاریب نرالی

تقریظ ریختۂ کلک گہر سلک شمع انجمن صاحبقرانی فروغ دودۂ گورگانی صاحب عالم مرزا محمد خورشید عالم بہادر یادگار مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد حضرت ظل سبحانی بہادر شاہ ثانی

کیا خدا کی شان ہے معشوق عاشق بنگئے	ہر حسین کہتا ہے میں ا۔ کا خریدار ہوں

زمزمہ سنجی حمد و نغمہ سرائی نعت کے بعد میخانۂ سخن کے متوالوں کو مژدہ اور ساغر نشانِ عشق و محبت کو نوید کہ یہ جامِ مے ارغوانی سہ آتشہ یعنی شعرا کے تینوں دوروں کا لبِ لباب پھر دوبارہ بھی چھپنا۔ نتھرا۔ صاف شفاف تذکرہ کی صورت میں جلوہ گر ہو یوسفِ کنعاں کی طرح زمانے کا دل لبھا رہا ہے جو ایک نگاہ دیکھتا ہے ہزار جان سے اسکا خریدار اور شیدا بنجاتا ہے۔

شاہ و وزیر۔ امیر و فقیر۔ سب اسکے جلوہ دلکش کے تماشائی۔ اُف رے اس معشوق خیالی کی دلستانی و دلربائی۔ حیف نظر اس شاہد رعنا کی تجلی اور زیبائی جس نے ایک بار آنکھیں کھول کر اسکا تماشا دیکھا۔ اُس نے جان بیچکر یہ سودا مول لیا۔ کلام ہے جادو ہے۔ کرامت ہے اعجاز ہے۔ ہر مضمون کا نیا پہلو۔ ہر شعر کا نیا انداز ہے۔ تذکرہ نہیں سراپا جیتی جاگتی تصویروں کا مرقع۔ معشوقانِ طناز۔ یعنی شاہدانِ خیالی کا گلدستۂ ناز ہے۔ ہر نقطہ آنکھہ کا تارا۔ ہر لفظ دیدۂ بینا۔ ہر سطر سرمۂ دنبالہ دار۔ ہر صفحہ ید بیضا۔ ہر ورق دل کا ورق ہے۔ بیان میں نہ گنجلک۔ نہ روزمرہ میں غلطی۔ نہ کوئی مضمون ادق ہے۔ کیوں نہو آخر ان پھولوں کا گلچیں۔ اس چمن کا بانی۔ اس نغ کار کھوالا۔ کون ہے۔ رونق افزائے گلزار معانی۔ زینت بخش گلستان سخندانی علامۂ روزگار و زبان زدِ کاملان ہر شہر و دیار۔ خمخانۂ جاوید کا ساقیِ مے آشام۔ رائے سری رام ایم ا ہی نہیں بلکہ خاندانی امیرزادہ۔ راجہ ٹوڈرمل کا نبیرہ۔ شہنشاہِ اکبر کے نورتن کا قیمتی سچا

قطعات تاریخ طبع تذکرۂ شعرا از نتائج افکار گہربار سخنور بیمثال شاعر نازک خیال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی خلف الصدق سرآمد سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی و حال جناب حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

علم کا دریا ہیں جو لاثانی ہیں امداد امام اثر — موج کیسی آگئی برسا دیئے دُرِ خوش آب
تذکرہ لکھا ہے یا آئینۂ حالات ہے — بے نظیر و بے مثال و یادگار و لاجواب
کیا دکھائی ہے ترقی معانی و بیان — آشکارا ہے بہارِ فکر سے رنگِ شباب
یہ تعلّی و تجلّی مضامیں دیکھئے — آسمانِ فکر سے اترا ہیں پر آفتاب

ایک مصرع سے عیاں ہوں تین رنگ اب اے کمال
تذکرہ - خمخانۂ زیبا - گرامی انتخاب
سنہ عیسوی — سنہ فصلی — سنہ ۱۳۲۵ ہجری

ایضاً

عالم و منصف ہیں جو لاثانی امداد امام اثر — عادل و منصف مزاج و ذی مراتب ذی وقار
شعر کی عالی و باغی خوب نعمت تذکرہ — اہل دانش پر کیا زور قلم کو آشکار
روئے روشن کی جھلک ہیں صاف کیا آب و تاب — صورت گیسو مضامیں کچھ نہیں ہیں پیچدار
ہر جگہ رنگ عبارت میں ہے ہی انشا گری — لوٹ اس تحریر پر کیونکر نہ ہوں جادو نگار
مژدہ اے اہل سخن یہ حسن کی تصویر ہے — ہے یہی زیبا کہ دل اس پر کیے جائیں نثار
کیا بیاں نسخہ کیا زبانیں ہو مزہ — آپ نے گفتار صدق نطق خود کر ہی دیا
یہ مضامین سخن کا ایک دلکش باغ ہے — لاکھ دل سے سب فدا اس رنگ پر رنگ بہار

اس عمر میں انقلاب کیا کیا دیکھے	طفلی و شباب عیش و رنج و راحت

غرضکہ ہر بہار کے لئے خزاں اور ہر بقا کے لئے فنا ہے۔ اسے ایک روز ہم بھی خواب و خیال ہو جاوینگے گل کی طرح باد مرور سے فنا ہو جاوینگے۔ بعد کو کہانی ہوگی۔ اور وہ زبانی ہوگی۔ البتہ جو کچھ قلمبند ہوگیا وہ حال ہمیشہ تازہ ہے۔ اُسکا حرف حرف دیکھنے والوں کو نیا اندازہ ہے۔ یہ کام میرے معزز دوست لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ منصف و رئیس دہلی خلف الرشید آنریبل لالہ مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا رئیس دہلی سے ہوا ہے۔ کہ نسخہ لاجواب تذکرۃ الشعرا موسوم بہ خمخانہ جاوید اسم با مسمیٰ تذکرہ کا نام رکھکر ملک پر احسان کیا ہے۔ میدان سخن میں نام کیا ہے۔ کتاب تالیف کیا کی ہے۔ داد سخنوری دی ہے۔ نسخہ کیا ہے حرز دل تعویذ سینہ ہے۔ شعرا کی جان سخنوروں کا ایمان ہے۔ تمام شعرائے جہاں ماضی وحال کا سچا فوٹو کھینچکر تذکرہ کو نگارخانہ چین و فرنگ بنا دیا ہے۔ مردہ شعرا کو زندہ۔ زندوں کا نام کیا ہے۔ آجکل نقش اُمید ہے بعد کو آثار صنادید ہے۔ عجیب دلپسند کام کیا ہے۔ دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ باوجود اختصار ۸۰۰ صفحہ پر کتاب کو ختم کیا ہے۔ میں نے صرف الف بے کی ردیف کو اکثر جگہ سے دیکھا نظم و نثر قابل تعریف۔ زبان بامحاورہ۔ باوجود اختصار حرف حرف و لفظ و الفاظ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی ہے کیوں نہو بابو صاحب دہلی کے نامی لوگوں سے ہیں زبان اُردو انکے گھر کی لونڈی۔ شاعری انکی جاگیر۔ المختصر علاوہ ناظم و ناثر ہونیکے خدا تعالےٰ نے صورت ظاہری و سیرت باطنی ایسی دی ہے جسکی نظیر مصداق اس شعر کے خوبی ہیں **بیت**

اُسکی توصیف یہی ہے کہ نہیں ہے ہمسر	اُسکی تعریف یہی ہے کہ جہاں میں یکتا

ہرچند میں نہ ناظم ہوں نہ ناثر الا اس تذکرہ کی خوبی اور بابو صاحب کے اصرار سے یہ چند سطریں لکھکر اپنا نام بھی پانچوں سواروں میں لکھواتا ہوں اور دُعائے خیر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

چوں رقم خمخانۂ جاوید شد
خامہ حیراں در بیان وصف اُو

بے عدیل و بے نظیر و لاجواب
حرف حرف و نقطہ نقطہ انتخاب

از پئے تاریخ طبعش گفت اُمید
گشت مطبوع جہاں باب و تاب
۱۳۲۶ھ

ایضاً

لکھے شاعروں کے یہ حالات خوب
دکھاتی ہے تحریر حسن شباب

عجب تذکرہ یہ ہوا دلپذیر
نہ کیونکر ہوں مشتاق برنا و پیر

رقم کردہ اُمید یوں سال طبع
کہ اچھا چھپا نسخۂ بے نظیر
۱۹۰۸ء

قطعات تاریخ طبع خمخانۂ جاوید از نتائج افکار محمد نور الحسن فرخ خلف جناب شیخ محمد علیم الدین صاحب علیم پیشکار ریاست تروا ضلع فرخ آباد شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی رضا صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست تروا ضلع فرخ آباد

واہ کیا بے مثل لکھا تذکرہ
ہر طرف برپا ہے اسکی دھوم دھام

بن سنورتے ہیں عروسانِ سخن
سامع و قاری کو کر دیتا ہے مست

شاعروں کا دلکش افسانہ ہے یہ
کیا مثالِ جشن شاہانہ ہے یہ

خوب اُنکی زلف کا شانہ ہے یہ
کچھ عجب تاثیر میخانہ ہے یہ

طبع کے دو مادے لکھو فرخ
ساغر دلخواہ خمخانہ ہے یہ
۱۹۰۸ء ۱۳۲۵ھ

جو سخنور ہیں سوانح اونکے ہیں اسمیں رقم
پھر نہ کیوں شانِ سخن ہو نئی شرف ذی اعزا

خوب اک مصرع میں تاریخیں ہوئیں والے کمال
"ہے بہا خمخانہ" ہے یہ "انتخاب لاجواب"
۱۹۰۵ء

ایضاً

سچ ہے افسوس ہے یا تحسین ہے
حسن سے حالات اُنکے لکھدئے
صنو قرطاس پر نقاش نے
سال ہجری سے ملا دے عیسوی

دیکھیں اس تحریر کو جادو مقال
جو سخنور ہیں بہت نازک خیال
نقش کھینچے ہیں عجیب و بے مثال
ایک مصرع میں ہوں دو رنگ کمال

کاملین فن کو یوں مسرور کر
تذکرہ - تصویر حیرت بے مثال
۱۹۰۵ء

ایضاً

ہے یہ خیالات کا ایک عجیب آئینہ
کھینچی ہے دلکش شبیہہ خوب کمالات کی
اہلِ سخن کا ہے ایک تذکرہ لاجواب

دیکھکے ہوں کیوں نہ دنگ جتنے ہیں نازک خیال
شوق سے رکھیں نہ کیوں آنکھوں پر اہلِ کمال
یا ہے نئے رنگ کا قصہ ماضی و حال

دل میں اگر ہے خیال طبع کا لکھوں میں سال
کیوں نہیں کہتے کمال "تذکرہ بے مثال"
۱۹۰۵ء

قطعات تاریخ طبع "خمخانۂ جاوید" از نتائج طبع سید رشید الزماں امید ردولوی شاگرد جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال لکھنوی طبیب ریاست ترو اضلع فرخ آباد

زہے نباے دانشور سخن را حامی و یاور
سرایم آنکہ نبود مثل او والا نژاد اینجا

چہ خوش خمخانہ یا بزم جہان آرا کہ می بینم
سخن سنجان والا گوہر انداز ہر سواد اینجا

چہ بزم بوستان عندلیبان نوا سنجاں
بیا بنگر کہ ہرگز نیست دخل بوم و خاد اینجا

تعال اللہ چہ بزم دلکشا کز دشمناں خالی
بہر سو پر طرب بنشستہ اند اہل وداد اینجا

حسوداں گر نمی سازند تحسیں نیست پروائے
برآمد از سخن سنجان عالم شور و داد اینجا

زر و مال جہاں ہرگز وفا با کس نمی سازد
سخن باشد متاع نغز نبود بر کساد اینجا

بہ نقاشان اول گو کہ نقش خویش را شویند
نشستہ دہ جہالسے دوستان نقش مراد اینجا

بوقت نیک چوں گردید چاپ ایں نامۂ نگیر
علیما از پئے تاریخ طبعم رو نہاد اینجا

کہ گفتہ زود تر در خلعت ہجری بگوش من
سن خمخانۂ جاوید با آب و استاد اینجا ۱۳۲۲ھ

پس تاریخ ہجری ہر سال عیسوی اکنوں
کتاب عمدہ و اطرفہ طلسم آمد بیاد اینجا ۱۹۰۰ء

سن فصلی قلم ذکر محبان فرید آورد
بحال ماست ہر دم منت کلک و مداد اینجا

کتاب تذکرہ آئینۂ عالم نسبت گفت ۱۳۲۵ھ
سروش ایزدی در وقت فکرم بامداد اینجا

بالطاف الٰہی یافتہ انجام نظم من ۱۹۶۵
کمیت فکرم از جولاں نبود ایستاد اینجا

بدنیا تا بود نام ختم خمخانہ ہا باقی
خدایا بانی خمخانہ دائم شاد باد اینجا

ریویو رقمزدہ جامع کمالات صوری و معنوی فضیلت مآب کمالات انتساب شمس العلماء خان بہادر پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب رئیس دہلی۔ ریویو تذکرہ ہزار داستان خمخانہ جاوید

میں شاعر نہیں ہوں کہ شاعروں کے تذکرہ کی پوری داد دے سکوں۔ مگر اردو کے شاعروں

ہیں جو اک منصف سر رام ۔ ایم ۔ اے
ایک تحفہ ہے عجیب و یادگار
کیا زباں مطبوع طبع و دلپسند

تذکرہ لکھا نہایت خوب ہے
طالبوں کے واسطے مطلوب ہے
کیا بیان دلکش و محبوب ہے

یوں سنین طبع لکھوائے فروغ
تذکرہ ۔ یہ بے بدل مرغوب ہے
۱۳۲۵ھ ۱۳۲۶ھ

ایضاً

کیا ہوا ہے تذکرہ یہ بے مثال
کس جگہ ہیں جوہری و قدر داں

جو ہیں منصف داد وہ کیونکر نہ دیں
گوہر نایاب کو آنکھوں سے لیں

دو ہوئیں تاریخیں یکجا اے فروغ
تذکرہ ۔ بے مثل ہے تاریخ میں
۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء

تقریظ ریختۂ کلک جادو رقم سخنور فہیم صاحب طبع سلیم قاضی محمد علیم الدین صاحب علیم سررشتہ دار محکمۂ پنچایت رزیڈنسی جےپور

در خمخانۂ جاوید را ساقی کشاد اینجا
نہ ہے خمخانہ پر از بادہ مستی فزا باشد
دریں خمخانہ ہر کس بادۂ پر زور را خوردہ
چہ خمخانہ کہ باشد استوار بہر جاویداں
چہ خمخانہ کہ وقف اہل ذوق و شوق می باشد
چہ خمخانہ کہ مامن از برائے اہل عشرت ہست
بنازم بے نہایت ہمت فیاض نبا را

صلای الصبوح از بہر خاص و عام داد اینجا
کسی ناشاد اگر آمد بدم گردیدہ شاد اینجا
چو اشک نامراداں بر زمیں زود افتاد اینجا
ہمانا زوار دو بر زمیں سبع شداد اینجا
بجز احباب اصلا نیست بر غیر اعتماد اینجا
نباشد ہیچ باک از فتنۂ و شر و فساد اینجا
کہ کسب فیض ہا سازند جمشید و قباد اینجا

شعرا کے دواوین اور کلیات کے پڑھنے سے مستغنی کرتا ہے۔ اسکو پڑھکر کہنا پڑیگا کہ گویا کل شاعروں کے کلام کا لبِّ لباب نظر سے گذر گیا۔ شاعروں کے اکثر حالات مصنف نے نثر میں ایسی فصاحت وبلاغت و سلاست سے لکھے ہیں کہ اونمیں بھی عمدہ نظم کا لطف آتا ہے۔ غرض یہ مصنف کا بڑا احسان اہلِ زبان پر ہے کہ اوسنے اُردو لٹریچر پر اپنے اس تذکرے کی تصنیف سے ایسا اضافہ کیا ہے کہ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اسکی یہ ہزار داستان سخن کے بوستان جاوید میں ہمیشہ چہچہاتی اور اُسکے نام کی مدح سرائی کرتی رہے گی۔

ذکاء اللہ

تقریظ منظوم طبعزاد بلبل گلزار سخن طوطی شکرستان علم و فن سخنور نکتہ سنج سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی از ارشد تلامذہ فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی

بہار آئی ہے گلفام دینا — لبالب بھر کے ساقی جام دینا
پیالے ہیں بہت دینگے مے آشام — شراب روح پرور کا پلا جام
پڑے ہیں دیکھیے کانٹے زباں پر — گھٹا گھنگھور چھائی آسمان پر
وہ مے دے جو نشے میں چور کر دے — وہ مے جو بے پیے مسرور کر دے
چمن پر آج نکہت آ رہی ہے — کچھ آنکھوں میں تراوٹ آ رہی ہے
کہیں بلبل کے لب پر ہے ترانا — کہیں گلچیں کے ڈر سے سہم جانا
سخن رنگیں کوئی ایسا سنا دے — کہ جو رنج و الم دل سے بھلا دے
برس کر ابر جب سے کچھ کھلا ہے — چمن کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے
قیامت ڈھائی غنچے نے چٹک کر — گری ہے دل پہ بجلی سی کڑک کر
وہ شوخی سے صبا کا گدگدانا — وہ پھولوں کا ادا سے مسکرانا

کے تذکروں کی میری جتنی واقفیت ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ سب اول اُردو کے شاعروں
کا تذکرہ قاسم نے لکھا اگرچہ وہ چھپا نہیں لیکن اُسکے قلمی نسخے بہت دور دور شایع ہوئے پھر اس
تذکرے کو نواب مصطفےٰ خان شیفتہ و حسرتی نے زیر نظر رکھکر تذکرہ گلشن بے خار لکھا جو چھپا
اور بہت مقبول انام ہوا۔ اِسکے بعد صہبائی نے تذکرہ گلستان سخن لکھا جو مرزا صابر کی تصنیف
سے مشہور ہوا اور چھپا اِن تذکروں کے علاوہ اور پانچ چھ تذکرے چھپے مگر اِن سب تذکروں پر شمس العلما
مولوی محمد حسین آزاد کے تذکرہ آب حیات نے پانی پھیر دیا۔ اب اس تذکرہ کے آگے اور کوئی
تذکرہ نہیں پوچھا جاتا اِسکے بعد تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید کے ۴۴ صفحے میرے
مطالعہ میں آئے۔ جسمیں اُن شاعروں کا کلام اور حال لکھا ہے۔ جنکے تخلص کے اول
الف ممدودہ والف مقصورہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا حجم اور سب
تذکروں کے مجموعی حجم کے برابر ہوگا۔ اسکے مصنف رائے سری رام ایم۔اے۔ فرزند خجستہ خصال آنریبل
رائے بہادر مدن گوپال۔ ایم۔اے بیرسٹرایٹ لا ہیں بظاہر اسپر تعجب ہوتا ہے کہ اس لایق
بیٹے نے اپنے لایق باپ کی طرح قانون میں فرد کامل ہونے میں سعی نہ کی فقط سرکاری قانونی
امتحان میں پاس ہونے پر بس کی۔ لیکن انگریزی میں ضرب المثل ہے
(شاعر بنانے سے نہیں بنتا وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے) انکی طبیعت قدرت
ہی نے شاعری کے لئے وضع کی تھی۔ وہ دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس خداداد
فہم مستقیم اور مذاق سلیم کے سبب سے انہوں نے ادنیٰ اور متوسط شاعروں کے کلام میں
سے ایسے تھوڑے تھوڑے اشعار منتخب کئے کہ اُستادوں کے کہے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں۔ اور اعلیٰ شاعروں کے کلام میں سے بہت بہت سے اشعار ایسے منتخب کئے کہ ان سے
بہتر اور اشعار ان کے کل کلام میں نہیں پائے جاتے۔ قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی اچھا
شاعر نہیں ہوتا کہ اساتذہ سابقہ کے کلام پر اُسکی نظر نہ ہو اور وہ اُسکے ذہن میں محفوظ نہ ہوں پس
یہ مطلب فقط اس تذکرے کے مطالعہ سے حاصل ہوسکتا ہے کہ اچھا شاعر بننے کے لئے

بیاں کی میرے آگے اک کہانی / سنائی شعر بھی کچھ منہ زبانی
مجھے تو عشق ہے شعر و سخن کا / ہوا وہ زور کم دیوانہ پن کا
مرے دل کو کیا قابو میں کیسا / دکھایا معجزہ جادو میں کیسا
مجھے سنبھلا ہوا جب اسنے پایا / خزانہ اک معانی کا دکھایا
سنا کر ذکر کچھ اک تذکرے کا / کیا تقریظ لکھنے کا اشارا
کتاب اک ایسی رکھدی لاکر آگے / کہ وحشت جس سے کوسوں دور بھاگے
اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو / تو ہاں کچھ اسکی خوبی کا بیاں ہو
کہیں سادہ کہیں ہے طرز رنگیں / چُھٹے چٹکلے ہوئے سارے مضامیں
جہاں تعریف ہے زلفِ دوتا کی / وہاں پیچیدگی ہے کس بلا کی
کسی نے شوخیاں بھر دیں زبانیں / کسی نے گرمیاں کی ہیں بیانیں
کسی کی سادگی ہے قابلِ داد / کسی نے طرزِ نو کرلی ہے ایجاد
کسی کو ہے ادا بندی کا لپکا / کوئی تشبیہ کی جانب ہے لپکا
کسی کو استعارہ بھا گیا ہے / کوئی ڈہل کر زباں پر آگیا ہے
معانی پر نگاہیں ہیں کسی کی / جگر کے پار آہیں ہیں کسی کی
کہیں شوخی کا ہے عالم نرالا / کہیں ہے سادگی کا بول بالا
تصوف میں کسی نے نام پایا / کسی نے مدح میں انعام پایا
کوئی الفاظ کی شوکت کا عادی / کسی کی بندشیں ہیں سیدھی سادی
کوئی نازک خیالی پر مٹا ہے / تو کوئی روزمرہ پر فدا ہے
کہیں ہے فارسی ترکیب ساری / کہیں اردو زباں ہے پیاری پیاری
نئی ترکیب کا ہے کوئی موجد / پرانی طرز کا کوئی مقلد ہے
کہیں الفاظ کی جادوگری ہے / کسی نے گود پھولوں سے بھری ہے

ہوا سے سبزہ کا وہ لہلہانا　　طیور خوش نوا کا چہچہانا
وہ مشتاقِ ستم سرو لبِ جو　　تڑپ کر درد سے قمری کی کوکو
وہ ہر سو جلوہ فرمائی قدرت　　تماشا دیکھکر نرگس کو حیرت
وہ نہروں میں رواں آبِ مصفا　　خراماں ہر طرف طاؤس زیبا
وہ زیبائی وہ رعنائی گلوں کی　　پھر اس پر خوشنوائی بلبلوں کی
ہوا سے ہر طرف بادل کا چھٹنا　　شبِ مہتاب سونے پر سہاگا
یہ گذری سیر جب میری نظر سے　　لہو جاری ہوا زخمِ جگر سے
ابھر آئیں وہ دلکی ساری چوٹیں　　کبھی کھائیں تھیں عشق کی کاری چوٹیں
کسی کی وہ جفائیں یاد آئیں　　مجھے اپنی وفائیں یاد آئیں
وہ اپنی اشک باری یاد آئی　　وہ دلکی بیقراری یاد آئی
کسی کا مسکرانا یاد آیا　　وہ ہنس ہنس کر رلانا یاد آیا
وہ یاد آئی کبھی کی اپنی حالت　　نظر میں پھر گئی اس بت کی صورت
وہ شوقِ وصل نے پھر گدگدایا　　وہ یادِ یار نے پہلو دبایا
کھلا سینے میں پھر باغِ تمنا　　ہرے پھر ہو گئے داغِ تمنا
جدائی سے کلیجہ شق ہوا پھر　　بنا سینہ مرا ماتم سرا پھر
لہو پھر ہو گیا آنکھوں سے جاری　　تڑپ کر پھر گذاری رات ساری
گریباں کو کیا پھر چاک میں نے　　اڑائی سر پہ اپنے خاک میں نے
نگاہوں نے ادھر صحرا کو تاکا　　ادھر تلووں نے خاروں کو ٹٹولا
بن آئی پھر سپہرِ فتنہ زا کی　　سرِ شوریدہ نے دیوار تا کی
جب اس درجہ کو نوبت اپنی پہنچی　　تو پھر عقلِ مآل اندیش چونکی
تسلی دی مجھے دلکو دلاسا　　پلائی کچھ دوا صدقے اتارا

کہاں تقدیر نے پہونچا دیا ہے — معنوں نام نامی سے ہوا ہے
نظر تک حضرتِ آصف کی پہونچا — بہت دن میں نصیبا اِسکا جاگا
قلم نے کی ہے برسوں جبہ سائی — جب اِس در تک ہوئی حاصل رسائی
یونہیں مشکل ہے شہ کی مدح خوانی — پھر اُس خسروِ ملکِ معانی
فریدوں فر بھی ہے معجز رقم بھی — ملا ہے اُسکو نیزہ بھی قلم بھی
اُسی کی سلطنت ملکِ دکن میں — اُسی کا راج اقلیمِ سخن میں
اُسکا کام ٹھہرا حکمرانی — اُسی کا شغل ہے شیریں بیانی
دعاگو با معالی کے ہزاروں — ثناخواں خوش مقالی کے ہزاروں
قلمداں اُسکا دُکانِ جواہر — غزل ہے اُسکی یا کانِ جواہر
اُٹھا کر ہاتھ بعجز و ادب دعا کر — ارے سخنے خدا سے التجا کر
الٰہی شاہ کو دل شاد رکھنا — دکن کی سلطنت آباد رکھنا
اُسے حاصل ہو عیش کامرانی — عطا کر اُسکو عمرِ جاودانی
مؤلف کا رہے نام اِس سے قائم — مزہ لیں پڑھ کے اِسکو شاہ دائم

تقریظ از نتیجۂ افکار گہربار ناشر یگانہ منشی بدیع نگار شیریں گفتار منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ و دیگر کتب متعدد وظیفہ خوار سرکار نظام

اس تذکرے کی کیفیت جیسی ہمیں بالتفصیل معلوم ہے۔ شاید دوسرے کو ہوگی کیونکہ زمانۂ تدوین سے اسپر ہماری نظر پڑتی رہی ہے۔ اور جو جو دل چھیڑ دینے والے موقعے اُس زمانہ میں اسکے مدوّن کو پیش آئے ہیں وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑے ہیں۔

ہمارے دوست لالہ سری رام صاحب نے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس بار دوش کو

کسی نے تیر کر جیتا ہے پالا — کسی نے ڈوب کر موتی نکالا
کسی نے چوٹ کھا کر آہ کی ہے — کسی نے دل کے اندر راہ کی ہے
کسی نے چٹکیاں لیں ہیں جگر میں — سمایا ہے کوئی ظاہر نظر میں
ستم کے دُکھڑے روئے ہیں کسی نے — کہیں موتی پروئے ہیں کسی نے
کسی نے پھول توڑے ہیں چمن سے — کسی نے لعل اُگلے ہیں دہن سے
غرض ہر شعر جوئی کا چُنا ہے — سُنا جس نے اُسی نے سر دُھنا ہے
کسی نے تذکرہ لکھا ہے ایسا — کبھی تم نے سُنا دیکھا ہے ایسا
کسی سے ہو سکے کب ایسی محنت — پھر اُسپر صرف دولت صرف ہمت
مؤلف اِسکے ہیں لالہ سری رام — خلایق کے زباں زد اِنکا ہے نام
بھرے ہیں اُنمیں اوصافِ حمیدہ — لکھے ہیں شعر سارے چیدہ چیدہ
ہزاروں پر پھرا ہے اِنکے پانی — کھچی ہے جب یہ تصویرِ معانی
کوئی شاعر نہیں چھوڑا ہے باقی — ہوئے جس سے نہ جا کر یہ ملاقی
مہینوں بلکہ برسوں خاک چھانی — گنوا دی عشق میں اِسکے جوانی
کیا ہے کام یہ اِک عمر بھر میں — سفر برسوں کیا ہے بحر و بر میں
جہاں قلمی کوئی دیوان دیکھا — ہزاروں دیکے ظالم سے خریدا
کتابوں کی یہاں تعداد کیا ہے — زمیں سے چھت تک اِک کمرہ بھرا ہے
ہزاروں ہیں کہیں دیوان اسمیں — کہیں سے ہے تذکرے کی کان اسمیں
کتاب اِنسے بچی ہے کب جہاں میں — نہیں اصلا غلو میرے بیاں میں
خریدی جو جہاں سے ہاتھ آئی — یہی دولت یہ ہے اِنکی کمائی
لکھا ہے تذکرہ جادو کیا ہے — زمانے سے نرالا ہے نیا ہے
زمانہ ہے خریداروں میں اِسکے — جسے دیکھو طلبگاروں میں اِسکے

اور اہلِ تذکرہ احوال بہم پہونچا کر لائے۔ کبھی کلکتہ کا سفر کیا۔ کبھی بنارس اور لکھنؤ کا دھاوا مارا۔ کبھی آگرہ پہنچے۔ کبھی بمبئی۔ کبھی اجمیر کبھی جے پور۔ کبھی بریلی۔ پنجاب کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو چھان مارا جن نازک خیالوں کا کلام اُنکے خاندانی افلاس نے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا تھا۔ اُن سے لیا۔ اور چھپوا کر اُن ازجہاں رفتہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ گویا اپنے آپ کو مسیحا ٹھہرا دیا۔

اس تذکرے میں جب کسی نامی شاعر کے حال پر نظر پڑے گی تو خاص خاص خاندانوں کا حال دیکھکر اُس خاندان کے لوگ خود چونک پڑیں گے۔

یہ لالہ سری رام ہی کے حصّے کا کام تھا۔ اور انہیں کے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ بھلا دوسرا آدمی انکا سا حوصلہ اُنکی سی ذہانت۔ اُنکی سی سخن فہمی۔ اُنکی سی سخن شناسی۔ اُنکی سی نکتہ رسی۔ تاوقتیکہ ایسی ہی امدادِ غیبی اور خداداد لیاقت نہو۔ کبھی حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ حافظہ اور ذہانت انکا خاندانی ورثہ ہے۔ راجہ ٹوڈرمل اکبری نورتن کے گوہر شب چراغ کو کون نہیں جانتا۔ آپ بھی اُسی خاندان کے نام لیوا ہیں بلکہ روشن چراغ ہیں۔ آپکے خاندان نے ایام غدر تک شاہانِ دہلی سے توسل رکھا۔ اور اخیر وقت تک خاندانی اعزاز کو ہاتھ سے نجانے دیا۔ آپ کے والد بزرگوار آنریبل رائے مدن گوپال صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا بھی کچھ کم ذکی و فہیم نہ تھے۔ اُنکا تبحر علمی پنجاب میں ضرب المثل اور قانونی قابلیت مسلم تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے رکن اعظم اور علوم مشرقی و مغربی کے زبردست ماہر تھے۔ آپ متواتر ۲ سال تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور اپنی حسن کارگذاری سے رعایا اور حکام دونوں کو رضامند رکھا۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ چیف کورٹ کی ججی کے علاوہ عنقریب امپریل کونسل کے ممبر نامزد ہوتے۔ آپ کی قانونی کتابیں پنجاب کی عدالتوں میں رائج اور وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ ہی کے ہونہار فرزند نے تذکرہ لکھکر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور زندوں کو عمرِ جاوید کا پٹہ لکھدیا۔ یعنی وہ اس خمخانۂ جاوید میں آگئے۔ اور مست ازل کے لقب سے ملقب ہوگئے۔

اُٹھایا تھا۔ یعنی ایّام طالبعلمی سے ہی اِسکا ذ چھیڑ ڈالا تھا۔ اور اپنے آپ کو اجتماع سخن و اہلِ سخن کا متوالا بنایا تھا۔ اُدھر انٹرنس کے امتحان کی تیاری تھی اُدھر یہ بیماری تھی۔ کہ اِس تیاری کے تمام اوقات وقفِ تذکرہ تھے۔ دیکھنے میں بی۔ اے کی امتحانی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ مگر درحقیقت وہ اساتذۂ ماضی وحال کے تذکروں انکے دیوانوں اور چیدہ کلام کا انتخاب تھا۔ گو ایم۔ اے کا امتحان سر پر تھا۔ مگر تذکرہ کا پشتارہ بغل میں۔ غرض علمی امتحانوں سے لیکر قانونی امتحان تک یہی حالت رہی۔ کھانے کی سُدھ نہ پینے کی بُدھ اِسکے علاوہ اور بھی سیکڑوں مکروہاتِ زمانہ سدِ راہ ہوئے۔ مگر اس دُھن کے پکے نے اپنی دُھن نہ چھوڑی۔ والد بہادر اِس شوق سے ناراض رہے۔ تمام بزرگ مانع ہوئے۔ مگر لالہ سریرام صاحب نے بھی یہ کام نہ چھوڑا۔ سب سے بگاڑی مگر یارانِ تذکرے سے بنائے رکھی۔ اور اُسے انجام پر پہونچا کر چھوڑا۔

خمخانۂ جاوید کی تدوین میں جیسی جیسی دقتیں پیش آئیں اور جو جو مزاحمتیں دامنگیر ہوئیں انہیں کوئی مدوّن کے دل سے پوچھے۔ یہ استقلال بے زوال ہی کا تصدق تھا۔ کہ اِس خمخانۂ جاوید سے آج نوید کے شادیانے بج رہے ہیں۔ جس انہماک کو غفلت سمجھ رکھا تھا۔ وہ عین ہوشیاری اور کامل مسرت نکلی۔ بھلا لالہ سریرام سے زیادہ کون سراہا ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے اجتماع ضدین کو ثابت کر دکھایا۔ انٹرنس سے ایم۔ اے تک پاس کرتے چلے گئے۔ یاس کو پاس نہ آنے دیا۔ یہانتک کہ قانون پر بھی ہاتھ مار ہی دیا۔ یہ خداداد ملکہ تھا۔ جس نے تمام مجمعوں میں تہلکہ ڈالدیا تھا۔ اِسکی بدولت منصفی ہتھکاری۔ اور علمی کامیابیوں کے طفیل خاندانی ناموری کو سنبھالا۔

اگلے تذکرہ نگاروں نے صرف گزشتہ تذکروں۔ بیاضوں اپنے وقت کے روشناس شاعروں کے حالات گھر بیٹھے لکھکر تذکرہ نویسوں میں اپنا نام شمار کرالیا۔ لالہ سریرام نے نامی شعرا کے خاندانوں کا پتا لگایا۔ اُنکی ذریات سے ملے۔ اور وہ حالات حاصل کئے۔ جو اہلِ خاندان کو سینہ بسینہ پہنچے تھے۔ موجودہ مشہور شاعروں کے گھروں پر پہنچے۔ اُنکا کلام اُنکے بزرگوں کا کلام

کوئی فصاحت پر مٹا ہوا ہے۔ تو کوئی بلاغت پر فریفتہ۔ کسی نے سیدھی سیدھی بول چال اپنا وتیرہ ٹھہرالیا ہے۔ تو کسی نے خاص خاص اصطلاحات و محاورات کا نقشہ جمایا ہے۔ کوئی فلسفیانہ مسائل پر جھکا ہے۔ تو کوئی منطقیانہ دلائل پر مائل۔ گو شکلیں مختلف ہیں۔ مگر نتیجہ کلام ایک ہی ہے یعنی ہر ایک شخص اپنے ملک کی زبان کے قیام پر بطیب خاطر مائل اور اُسکی ترقی کا اپنے ہر ایک ہمعصر سے سائل ہے۔ چنانچہ ہم بھی اس امر کے ثبوت میں چند شعرا کے کلام کا انتخاب کرکے اُنکے رجحان طبع کو دکھاتے اور کچھ کچھ حالات سُناتے ہیں۔

سب پہلے خواجہ حید علی آتش کے حال کو لیجئے اور حضرت ناسخ سے جس قسم کا برتاؤ تھا۔ اُسے دیکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب آتش بیان ہی نہ تھے۔ بلکہ آتش مزاج اور نازک طبع بھی تھے۔ باوجودیکہ دونوں صاحبوں کی باہمی نوک جھونک رہتی تھی۔ لیکن حضرت ناسخ کا دنیا سے گزرنا اور آتش کا ترک سخن گوئی کرنا ایک عجیب پاس وضع اور انصافِ قلبی ظاہر کرتا ہے۔ آتش کا کلام صاف ہے پاکیزہ ہے۔ مگر وہ بات کہاں جو ناسخ کو حاصل تھی۔ وہ تشبیہہ و استعارہ کا بادشاہ تھا یہ میدانِ فصاحت کے دلدادہ ہیں۔ اُن کا ایک ہی شعر ایسا ہے۔ جو آتشیں طبیعت کا نمونہ اور صاف گوئی کا چربہ ہے ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

علیٰ ہٰذا شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کے حال پر نظر ڈالئے۔ تخلص کے ساتھ کلام اور طبع میں بھی وہ آزادی ہے۔ کہ اچھے اچھے وارستہ مزاجوں کو پرے بٹھاتی ہے۔ جس بات کی ابتدا کی انتہا پر پہنچایا۔ اُستاد ذوق کی محبت۔ ایام غدر کی مصیبت سُن سُنکر سنگدلوں کے پتھر دلوں کو موم بنا دیتی ہے۔ نثر میں وہ کمال ہے کہ صوفیِ صافی تک سر دُھنتے ہیں۔ موسم زمستاں کا بیان۔ ابر کرم۔ شب قدر کی مثنوی پڑھو اور بے اختیار اس جدت کی داد دو۔ کلام سنو اور فصاحت پر مر مٹو ؎

ہاتھ جو میں گے مرے گبر و مسلماں دو دو	ایک میں دستِ صنم ایک میں قرآں ہوگا۔

آپ کے عموی نامدار رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب نے جو اپنی لیاقت کے آپ ہی نظیر ہیں۔ اپنی غیر معمولی لیاقت اور علمی سرپرستی سے عموماً ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کو بہت بڑا فیض پہنچایا۔ سینکڑوں کتابیں سررشتہ تعلیم میں انہی کی تجویز اور رائے پر تصنیف و تالیف ہو کر مروج کی گئیں۔ خود بھی لکھیں۔ اور اس سررشتہ کے اراکین کو بھی رستہ بتایا۔ غرض اس خاندان سے جو کچھ ہوا کوئی نئی یا عجیب بات نہیں ہے۔ جسکا جس طرف شوق ہوا۔ اُس نے اُسی میں اونی توجہ سے وہ کمال کر دکھایا۔ کہ ابنائے زمانہ عش عش کرتے رہگئے۔

بھلا جو تذکرہ اتنی مدت میں اسقدر تحقیقات اور اخراجات سے لکھا جائے کہ ایک ذات کا روپیہ اُسکی اغراض ہم پہنچانے میں ٹھیکری کر دیا جائے۔ وہ کیوں نہ سب تذکروں سے بہتر اور افضل ہو۔ یہ تذکرہ تجارت کی غرض سے نہیں لکھا گیا۔ صرف شوقِ زبان۔ شوقِ سخن فہمی و ابقائے نام شعرائے ہند بلکہ قیام زبان کی وجہ سے تدوین ہوا۔ اور اُسکا منافع کسی مفید عام امور کے واسطے وقف کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

یہانتک تو ہمنے اپنی ذاتی واقفیت کا خلاصہ لکھا تھا۔ اب ہم تذکرہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ یہ تذکرہ بارہا نظر افروز مطالعہ ہوچکا ہے۔ مگر جب دیکھا ہے جب ہی ایک نئی جدت پائی۔ پس اس لحاظ سے یہ نظر اور ہے اور وہ نظر اور تھی

اس تذکرے کے اول حصے میں الف سے لیکر بے تک کے بلبلانِ ہزار داستان جمع ہو کر اپنی اپنی روش نغمہ سنجی اور خاص خاص بولیوں سے دل لبھا رہے ہیں۔ ہر ایک کا انداز جدا ساز جدا بظاہر ایک ہی باغ کے فدائی ہیں۔ مگر دراصل عجیب عجیب نیرنگیوں کے شیدائی ہیں۔ کوئی حسن پرستی پر لوٹ ہے۔ تو کوئی خدا پرستی پر غش۔ کوئی کارخانۂ قدرت کی حکمتوں کا دلدادہ تو کوئی روزمرہ دہلی کی سخن سنجی پر دل و جان سے آمادہ۔ کوئی اپنے وقت کی ابتدائی زبان کو فخریہ کلام میں ظاہر کر رہا ہے۔ تو کوئی اُسی زبان کو اصلاح دے کر دوسرے پیرایہ میں نیا رنگ اور نیا انداز دکھا رہا ہے۔ کسی کا کلام دلمیں میٹھا جاتا ہے۔ تو کسی کا عرش بریں تک پہنچا دینے کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔

بڑے تشکوے سے جاتا ہے قافلہ دل کا		جُھکے گا رو برو کس کے معاملہ دل کا
اِک دن یار سے یہ میں نے کہا	ق	اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
سُن کے کہنے لگے کہ اے آصف		یہی کہہ کے لاکھوں جان سے گئے

حضور نظام آصف سے

آصف سے یہ چھپا ہے نہ ہرگز کبھی چھُپے	لپکا ہے اُسکو دید کا چسکا ہے جاہ کا
میں سنبھلتا نہ رہِ عشق میں کیا اے ناصح	تو نہ ہوتا مرا اللہ نگہباں ہوتا
مار رکھنے کے یہ انداز نکالے تم نے	آن سے تیغ کبھی ناز سے خنجر نکلا
میخانے میں کیا لطف سے کیا مانگ کے ساقی	آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور
اِن حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ کرے	خونبہا دیتے نہیں خون بہا دیتے ہیں
بے وفا ایک تیری خاطر سے	سُن رہا ہوں ہزار کی باتیں
اِدھر میں ہوں اُدھر محشر میں تو ہو	جو ہونی ہو خدا کے روبرو ہو
پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزہ ہے	یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے
کریں بتکدے سے عبث قصدِ کعبہ	یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے
بتکدے میں جو دیکھی ہے صورت	وہ بھلے کو خدا کے گھر نہ ہوئی

افتاب۔ یعنی فردوس منزل ابوالمظفر عالی گوہر شاہ عالم ثانی کے اُردو اشعار اور اُنکی تصنیف پر ہی نظر نہ ڈالیے۔ بلکہ اُنکی مختصر ہسٹری کو ملاحظہ فرمایئے۔ تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ تذکرہ تاریخی حالات کا بھی ذخیرہ ہے۔ بادشاہ موصوف نے جو اپنی ایک فارسی غزل میں اسوقت کی مصیبت۔ نمکحراموں کی کیفیت نابینا کئے جانے کی کیفیت بیان کی ہے۔ قابلِ عبرت ہے۔ یوں تو آفتاب کی روشنی ایک عالم پر پڑتی ہے مگر حضرت کے اُردو اشعار۔ زبان کے روزمرے اور متوکلانہ طبیعت سے ایک اور جھلک دکھاتے ہیں جس سے عیش پرستی امن پسندی اور ذاتی آرام کیطرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں سے

مثنوی زمستاں میں کہتے ہیں ؎

ساون گیت اٹھا رہے طوفاں دلوں میں	پردیسیوں کی یاد سے ارماں دلوں میں ہلا
ہر تان میں ملہار کی مستی کا شور ہے	بادل گرج کے پردے میں دیتا ٹکور ہے

غرض یہی حال شب قدر کے بیان میں ہے۔

اسی طرح مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب آزردہ کے حال میں جو خاص خاص واقعات درج ہیں۔ وہ الگ ہی اپنا پرلطف سماں باندھ رہے ہیں جس عاشقانہ مناسبت سے آزردہ تخلص کیا ہے۔ اُسی شیدایانہ رعایت سے اکثر کلام بھی موزوں فرمایا ہے ؎

اس دردِ جدائی سے کہیں جان نکلجائے	آزردہ مرے حق میں ذرا تو بھی دعا کر
ہو نہ دامنگیر کوئی جاکر قاتل تجھے	تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر
یہ کہکے رخنے ڈالے اُنکے حجاب میں	اچھے برے کا حال کھلے کیا نقاب میں
عشق بازی کا مُنہ چڑانا ہے	اب وہ موسم نہیں شباب نہیں
مختصر حال چشم و دل یہ ہے	اس کو آرام اُسکو خواب نہیں
ہے روزِ عید رنجش خاطر کو وسلام	آؤ گلے لگو مرے کیسی نہیں نہیں

اس تذکرے کے آصفوں میں قابل ذکر دو آصف ہیں ایک نواب آصف الدولہ والئے اودھ جنکے ہاں دہلی کے اہل زبانوں نے جاکر پناہ لی۔ اور انھوں نے اس زبان میں شعر گوئی اختیار کرکے روز افزوں رفعت سے گرنے نہ دیا۔ دوسرے حضور پرنور میر محبوب علیخان بہادر نظام بالقابہ سلطانِ دکن جنہوں نے اس زبان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیکر ابھارا اور اپنے اُس کلام سے جو کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے۔ چار چاند لگا دئیے۔ زبان کی فصاحت دونوں حضرات کے کلام سے ٹپکتی ہے۔ مگر حضور نظام نے میر تقی کی روش پر بے تکلفانہ اشعار کہکر اُستاد ذوق اور حضرت داغ کو زندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ تیمناً و تبرکاً دونوں حضرات کے دو دو چار چار اشعار زیب ریویو کئے جاتے ہیں۔ آصف الدولہ آصف ؎

ریویو میں اتنی گنجایش کہاں کہ انکا شمہ بھی درج ہو سکے ہاں شاعرانہ طبیعت کا کسی قدر ذکر کر دیتے ہیں آپ پُرگو شاعر اور ہر ایک فن سے کچھ نہ کچھ ماہر تھے۔ مرثیہ گوئی میں بھی کچھ کم نہ تھے۔ سلام بھی خوب کہتے تھے۔ مثنویاں بھی اچھی لکھتے تھے ناول بھی بنائے۔ فسانے بھی تیار کرائے۔ رقص وسرود کا بھی شوق رکھا اور خود بھی اس فن میں طاق بلکہ یگانۂ آفاق ہوئے۔ یہ اُنکے کوتہ اندیش ندیموں و بدخواہ مقربوں کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے اپنی خود غرضی کو مدنظر رکھکر اس بادشاہِ وقت کو ایسے رنگ میں رنگا کہ رنگ رلیوں کے سوائے کسی کام کا نہ رکھا اس شوق نے کلام میں سوز و گداز پیدا کر دیا تھا۔ مختلف تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ کلام ملاحظہ ہو ؎

ہاتھوں سے دل نکلکر بالشوں اچھل پڑا ہے	ڈھونڈیں فلک پہ قدسی کچھ کھو گیا ہے میرا
تم پوچھ لینا ہر جا سب جانتی ہے دنیا	مظلوم و مضطر اختر نکلے پر پتہ ہے میرا
مرے داغ دلکا گئے داغ اُسکو	رُخ ماہ پر ہو نشانی ہماری
رندانہ بسر کرتا ہوں دنیائے دنی میں	پابند رہا میں نہ کبھی دیر و حرم کا
بولتا ہے بادشاہ آ ردو سے بازار خاص	اختر خوش لہجہ واہ ہے یہ زبان ہمثال

ہمارے یار مرزا عبد الغنی گورگانی بھی اس تذکرے میں موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ اپنے فن میں لاثانی تھے۔ جنکے آگے خوش بیانی نے ہار مانی تھی۔ انہیں دوہری بادشاہی نصیب تھی۔ ایک خاندانی دوسری شاعری سخن پناہی۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ مرزا ارشد ایک طفلانہ مشاعرے میں جو اُن کے گھر سے چھ سات کوس دور بندے کے غریب خانہ پر کبھی کبھی ہوا کرتا تھا۔ تشریف لاکر داد سخن لیتے تھے پھر وہ زمانہ ہوا۔ کہ اُستاد سخن مانے جانے لگے۔ طبیعت میں تیزی۔ جدت پسندی۔ خداداد بلکہ پروازی ابتدا سے تھی۔ ذکاوت۔ رسائی فکر انتہا کی تھی۔ آمد کا یہ حال تھا کہ سو سو دو دو سو شعر کی غزل لکھ ڈالنی کچھ بات ہی نہ تھی مجھے اُس زمانہ کا ایک شعر ابتک یاد ہے ؎

قیام جسم خاکی ہے نفس پر	ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

شب دل آرام سے گذرتی ہے	قطعہ	صبح تو جام سے گزرتی ہے
اب تو آرام سے گذرتی ہے		عاقبت کی خبر خدا جانے
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو		چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو
اُسکی رعنائی سے مت تو اپنی رعنائی ملا		خوب ہی۔ سید ہا بنے گا دیکھ اے سرو چمن
دیکھکر ہوتا ہے تجکو تنگدل گلزار کا		اسقدر افسردہ دل کیوں اندنوں ہے آفتاب

ادیب ۔ سیف الحق ادیب دہلوی کے حالات اس شرح وبسط سے لکھے ہیں۔ کہ اُن کے کسی ہمصفیر اور گہرے دوست کیا رشتہ دار کو بھی لکھنے نصیب ہوتے۔ ادیب کی چلبلی طبیعت صحت الفاظ کی حد سے زیادہ مزاولت۔ جودت طبع اور رنگینی مزاج کو انکے برتاؤ اور کلام سے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے ۔ ادیب ہمارے لنگوٹئے یار تھے ۔ ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ خدا داد ذہانت آتش کا پرکالہ بنا دیا تھا۔ تاریخ گوئی میں وہ ملکہ تھا۔ کہ یاروں سے گفتگو کرنے میں چاہتے تو تاریخی جملوں میں باتیں کئے چلے جاتے ۔ کلام کی ندرت اشعار ذیل سے ظاہر ہے ؎

آجکل شوق تو ہے تکو خود آرائی کا		چشم آئینہ سے بچنا کہ مجھ سے بچنا ؤ
کاش ہونا م قضا تیری مسیحائی کا		موت آتی نہیں مجھ تک کہ جفا سے چھوٹوں
دشمن نے آج کام کیا دوستدار کا		موت آ گئی مجھے سر شام فراق ہی
لپکا بڑا پڑا ہے سے تجھے انتظار کا		گر چشم و دل کی خیر خدا سے طلب ادیب
ہاتھ ہلکا ہے مرے قاتل کا		جس کو ما را دہ اُف نہیں کرتا
مر کے بھی ہوتی ہے انساں کو ندامت کیسی		مُنہ چھپا لینا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا

اختر ۔ کو نے اختر حضرت سلطان عالم واجد علیشاہ رنگیلے والئے اودھ ۔ آپکے تاریخی حالات شاید اس تذکرہ سے زیادہ دوسری جگہ دیکھنے میں نہ آئیں ۔ کیونکہ اس کے مدون نے کوشش بلیغ سے اُس زمانے کے پرچہ نویسوں سے اصلی پرچے حاصل کئے اور اُن سے یہ حالات اخذ فرمائے ۔ علاوہ اسی طرح کلام کے بہم پہنچانے میں بھی کسر نہ رکھی ۔ ہمارے

شوخ چشمی ایک ادنیٰ باندی بات میں سے بات پیدا کرنی آپ ہی کا حصّہ ہے۔ باقی سب قصّہ ہے۔ نمونۂ کلام خود شاہدِ واجب الاحترام ہے۔ کلام اکبر ملاحظہ ہو ؎

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا		بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش		طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ		مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر
لا کہ نعمت ہے اتنی آزادی		سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
بیڈ صب ہے جھوٹ سچ کی جھڑی بحث ہند میں	قطعہ	سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو روسیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہیں ہم پر ہیں حکمراں		جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

غرض اس گلستانِ ہزار داستان میں جسقدر نامی شعرا ہیں۔ اُن کے حالات اس انداز سے درج تذکرہ فرمائے ہیں۔ گویا سوانح عمری لکھکر دکھادی ہے۔ ہم کہاں تک انتخاب کر کے لکھیں خود تذکرہ ہی ہمارے بیان کا شاہد ہے۔ آباد۔ آشفتہ۔ محمد میر اثر۔ احسان دہلوی۔ انشاء اللہ خاں۔ میر قطب الدین رشک۔ شاہ محمد اکبر ابوالعلائی۔ اکبر حسین خان اکبر۔ امیر مینائی۔ نجم الدین برق۔ لکھنوی برق۔ انیس۔ الوز دہلوی۔ بحر لکھنوی۔ وغیرہ وغیرہ جسکے حال پر نظر ڈالتے ہیں بن دیکھے چھوڑ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلسِ شعرا ہے جس میں صرف مشاعرہ ہی نہیں ہو رہا۔ بلکہ اُن کے جوہروں اور قابلیتوں کا بھی سین دکھایا جا رہا ہے اب دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس تذکرے کو مقبولِ خاص و عام فرمائے۔ اور اُسکے مدوّن کو عمر طبعی تک پہنچائے فقط

سید احمد دہلوی مؤلفِ فرہنگ آصفیہ و رسوم دہلی وغیرہ وغیرہ

۳ مارچ ۱۹۰۸ء روز دوشنبہ

قطعہ تاریخ مع التقریظ طبع تذکرۂ شعرا موسوم بہ "خمخانۂ جاوید" از خامۂ عنبر

تم جان سکتے ہو جسکی ابتدا میں یہ طبیعت ہو۔ اُسکی انتہا میں کس درد کی فصاحت و بلاغت ہوگی اُستاد کو ان پر ناز تھا۔ اور اس شاگرد کو بدستور اُنکی خدمت میں سر نیاز۔ پڑھنے کا وہ انداز تھا کہ شعر کی صورت بندھ جاتی تھی۔ جس بات کا ذکر ہوتا۔ اُسکی تصویر آنکھوں سے آگے پھر جاتی تھی۔

مزاج میں وارفتگی۔ استغنا اور پریشانی اول سے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ظرافت اور بذلہ سنجی اُنکے گھر کی لونڈی تھی۔ مرزا ارشد سا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔ میرے ساتھ جو خصوصیت تھی۔ وہ فرہنگ آصفیہ کی برجستہ تقریظوں سے ظاہر ہے۔ ہر چند اس تذکرے میں سے اُنکا حال لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دل قابو سے نکلا جاتا ہے اور قلم ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے پس ان چند اشعار پر اُنکی طبیعت کی کیفیت قوف رکھتا ہوں ؎

نیند آپ کی اُڑے مرے اوسان کی طرح
کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے
بتوں کا ستم رہ منا ہو گیا
اجی شیخ جی زر سے ہے سرکشی
نہیں کھلتا نہیں کھلتا کہ مجھ سے کیا رکاوٹ ہے
سرکش ہوں وہ گردو میں بولے مجھے ساقی
مانا نہ حشر غیر نے تیرے خرام کو
وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں
کعبے میں بھی دیکھو ارشد کو بتخانے میں بھی

افسانہ گر سنو مرے حال تباہ کا
اس کشمکش میں لوٹ گیا رشتہ چاہ کا
کرخ اپنا سوئے خدا ہو گیا
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا
کہ کچھ رک رک کے چلتی ہے تری تلوار گردن پر
آپڑتی ہے منہ میں مرے ساغر سے نکلکر
دھبا لگایا تو نے قیامت کے نام کو
کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
پوچھتے ہو کیا حقیقت اُس خدائی خوار کی

اگر خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی کے حال اور اُن کے کلام کو ملاحظہ فرمائیے تو اللہ اکبر عجب چلبلی طبیعت اور خوبی خیالات کی بطور جدت وچاشنی پائیگا۔ نتیجہ خیز ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دلچسپی ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ مضمون آفرینی گھر کی لونڈی ہے۔ اور

میری ابتدائی عمر میں قلعہ دہلی کا چراغ گُل ہو چکا تھا۔ اُردوے معلّی کا نشان گر گیا تھا۔ دلّی کے آخری تاجدار ابوظفر رنگون کو اور لکھنؤ کے آخری نواب واجد علی شاہ کلکتہ کو جا چکے تھے۔ ہاں اُن کے درباروالوں کے بازاری حسن پرستیوں کے گرے ہوئے نشان دلّی کے چاندنی چوک اور لکھنؤ کے امین آباد وغیرہ میں باقی تھے۔ اُنہیں کی پرواز پر میری مشقِ سخن شروع ہوئی۔

اسوقت میرزا غالب کی اُردوے معلّے کو قبولیت عام حاصل تھی۔ اور لکھنؤ میں مرزا رجب علی بیگ سرور کے فسانۂ عجائب اور امانت کی اندر سبھا کا زور شور تھا۔ دلّی کے آخری بادشاہ اور لکھنؤ کے آخری تاجدار کی حسرتناک غزلیں۔ ٹھمریاں۔ ہولیاں جلسوں میں گائی جاتیں تھیں۔

اسکے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ سادہ عمل نے زرتار کی جگہہ حاصل کی۔ جرأت کے کام نے سادہ کاری کے ہاتھوں مات کھائی۔ یہ دور دو حصّوں میں منقسم رہا۔ ایک حصّہ نیچرل نگاری سے مخصوص رہا۔ اس وادی میں آنریبل سر سید احمد خان بہادر۔ سید محمود۔ مولانا نذیر احمد۔ نواب محسن الملک۔ علامہ شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی ذکاء اللہ نے شہرت حاصل کی۔ دوسرے حصّے میں پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی سجاد حسین مالک اودھ پنچ۔ مولوی عبدالحلیم شرر۔ حکیم محمد علی ناولسٹ ہردوئی۔ حضرت ریاض خیرآبادی۔ خان بہادر منشی ناصر علی دہلوی سخن کی گبڑی بات بناتے رہے۔ شاعروں میں۔ داغ و امیر مرثیہ گویوں میں میر انیس و دبیر کے ڈنکے بجتے رہے اور آسمانِ سخن پر شاعری کے بادل گرجتے رہے۔ نیو فیشن والوں کے لئے مولانا حالی نے نظم جدید کی نئی بنیاد قائم کی۔

مجھکو زمانہ کی ضرورتوں نے دونو گروہوں سے وابستہ رکھا۔ کبھی ایک غزل لکھکر اولڈ فیشن والوں کا شریک ہو گیا۔ کبھی ایک نظم لکھکر نیو فیشن والوں کے ساتھ ہولیا۔ یہ تو عامیانہ حالت تھی۔ آگے بڑھکر کلام الملوک ملوک الکلام کے ساتھ سابقہ پڑا۔ بائیس برس نواب سکندر بیگم صاحبہ

شمامۂ سرآمدِ سخنورانِ باکمال فخر شعرائے ماضی و حال حضرت حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی ادام فیضہم اللہ المتعال

خمخانۂ جاوید مطبوع
حقا کہ عجائب تذکرہ ایست
ہر کس ز سروشِ نعرہ زناں
سرگرم سخن در تحسینش
از کیفِ معانی وے سرخوش
در لطف مذاقش وجد کناں
برخوبی و حسن صفا مینش
القصہ چو نقشے گشت عیاں
تاریخِ طبعش گفت جلال

شد فیض رسانِ بزم سخن
در ذکر و بیانِ بزم سخن
مستانہ میانِ بزم سخن
ہر پیر و جوانِ بزم سخن
پیمانہ کشانِ بزم سخن
لبہا و زبانِ بزم سخن
قربان دل و جانِ بزم سخن
از نام و نشانِ بزم سخن
یادِ مستانِ بزم سخن

۱۳۳۵ھ

ایضاً

خمخانہ نام تذکرہ فی الحال طبع شد
پرسید سالِ طبع چو از طبع خود جلال
از مدتے کہ داشت جہاں آرزوئے دید
گفت ایں سخن بگو کہ "خمخانۂ جدید"
۱۳۳۵ھ

تقریظ از افکار درربارجانِ بلاغت کانِ فصاحت نادرِ عدیم المثال ناظم نظامی خیال مولانا سید امجد علی صاحب اشہری متوطن اٹاوہ۔

ناظرین۔ راقم کو چالیس برس فن ادب کے مشغلہ میں گذری ہیں۔ ع
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔

اس کہنے سے میری مراد اپنی معلومات کا اظہار کرنا نہیں بلکہ اس سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ میں نے چالیس برس میں تین دور دیکھے۔ اور ہر صنف سخن کے دیکھنے کا موقع پایا۔ اسلئے اگر میں فنِ سخن کے متعلق کوئی راے قائم کروں تو وہ میرا نا دیدہ خیال نہ ہوگا۔

تذکرہ

فارسی اور اردو میں تذکرہ اُس جامع کتاب کو کہتے ہیں جسمیں گذشتہ یا موجودہ یا دونو زمانے کے قابلِ قدر اور نامور لوگوں کا ذکر کیا جاے۔ جو کسی ایک صنف سے متعلق ہو۔ جیسے صنف علمار یا صنف شعرار یا صنفِ امرا وغیرہ فارسی میں میر غلام علی آزاد نے امرار اور شعرار کے تذکرے نہایت عمدہ لکھے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم نے علمار کا تذکرہ موسوم بہ اتحاف النبلار بڑی جامعیت سے تحریر فرمایا ہے۔ اور شعرار فارسی کا ایک تذکرہ شمع انجمن۔ نام لکھا ہے۔ قاضی محمد صادق خاں اختر کا تذکرہ آفتاب عالمتاب اتنا بڑا تذکرہ ہے جسمیں ہزاروں شعراے فارسی کو جگہ دیگئے ہے اور بھوپال ہی اسے شمع انجمن صبح گلشن روز روشن نام کے تین بڑے بڑے ضخیم تذکرے لکھے گئے اور چھپ گئے ہیں۔ لیکن اردو میں کوئی مبسوط تذکرہ شایع نہیں ہوا بعض تذکرے چھپیں وہ نہایت محدود ہیں۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں صرف چند شاعروں کو آبِ حیواں پلایا باقی کو پیاسا چھوڑا ہے اور یہ کام آسانی سے پورا ہو بھی نہیں سکتا۔ اسکے لئے ہر طرح کی لیاقت۔ فرصت دولت اور معلومات وسیع کی ضرورت ہے۔ یہ سب بھی جمع ہو جائیں تو سالہا سال تک ایک کام کو استقلال سے کرتے رہنا ہماری موجودہ طبایع کے حسب حال نہیں۔ لیکن جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے۔ تو اُسکے لئے غیر متوقع اسباب اور غیر معمولی سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس تذکرے کی تالیف اور اشاعت سے ظاہر ہے۔

تالیف و اشاعت

خلد نشین والیہ بھوپال اور نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ جنت آرام کے قرب حضوری میں گذرے
نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے شعر و سخن سے روز
کا سروکار رہا۔

ابو ظفر بادشاہِ دہلی اور نواب یوسف علی خان فرمانفرمائے رامپور کے دواوین کا مطالعہ کیا۔ جانعالم
محمد واجد علیشاہ بادشاہِ اودھ کا دیوان منشی امیر علی خانصاحب وزیر السلطان نے عنایت فرمایا۔
نواب کلب علیخاں بہادر خلد آشیان فرمانفرمائے ریاستِ رامپور نے اپنے چار دیوان مرحمت
کئے۔ اعلیحضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخان بہادر کے کلام معجز نظام سے وقتاً
فوقتاً آگاہ ہوتا رہا۔ رزم و بزم میں میر انیس اور مرزا دبیر کی معجز بیانیوں نے اُردو میں شاہنامہ کی تصویریں
سامنے دکھائیں۔

بیگمات اور خواتین میں نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے علاوہ ایران کی فرخندہ بیگم۔ جاورہ کی ضیا۔
لکھنؤ کی خاص محل دلی کی چھوٹی بیگم اور بڑی بیگم (نزیل بھوپال) کے دیوان دیکھے۔

طبقہ شعراء میں میرزا غالب۔ میر انیس۔ میرزا دبیر۔ نواب میرزا داغ۔ منشی امیر احمد صاحب امیر
مینائی۔ منشی اسمٰعیل حسین منیر۔ جیسے لاثانی سخن طرازوں کے دیکھنے اور اُنکی زبان سے اُنکے
کلام سننے کا فخر حاصل ہوا۔ اور یہ دور ان کی معجز بیانیوں پر تمام ہو گیا۔

زاں بعد اُردو کا تیسرا دور شروع ہوا جس کی ابتدا اعلیحضرت اڈورڈ ہفتم دربار تاجپوشی دہلی
سنہ ۱۹۰۳ء سے قرار دیتا ہوں یہ دور تصنیف کی حیثیت سے نگاہ میں نہیں جچتا۔ لیکن تالیف اور
ترجمہ کی حیثیت سے اُردو میں جان ڈال رہا اور زبان میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔ شیخ عبد القادر
صاحب بیرسٹر و اڈیٹر رسالہ مخزن۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ عصر جدید
مسٹر ظفر علیخانصاحب بی۔ اے اڈیٹر رسالہ دکن ریویو۔ مسٹر محمد اقبال صاحب وغیرہ وغیرہ
کی سخن آرائیوں سے اس دور کی جھولی دامن گلچیں بن رہی ہے۔ ۶

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اردو کے ابتدائی زمانہ میں رزم و بزم کے جو مناظر تھے وہ خواب و خیال ہو رہے ہیں
محلات شاہی کا نام و نشان نہیں جو اُردو کی تراش و خراش کا معدن تھے۔ امرا کے جلسے
بھی بھولا ہوا افسانہ ہیں۔ اب تو لے دے کر سالانہ میلوں پرائیویٹ جلسوں بازاری حُسن
فروشوں کے بالاخانوں کے مناظر ہماری شاعری کے معراج سمجھے جاتے ہیں۔ ان
مقامات کا سوچا ہوا ایک رعنا نگار ہر منظر کی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

میلہ کا منظر

ساون کا مہینہ ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ پانی برس کے کھُل گیا ہے۔ بلند دیواروں پر
جا بجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادہر اُدہر جاتے نظر آ رہے ہیں۔ یکے۔
گاڑیاں۔ ٹمٹمیں۔ ڈولیاں۔ پالکیاں۔ چلی آتی ہیں۔ رنڈیوں کی ساری بہار ہے گوری رنگت
ململ کے دہانی ڈوپٹے سے پھوٹی نکلتی ہے۔ اودے گرنٹ کا پائجامہ پڑے بڑے پائچوں
کا سمہالے نہیں سنبھلتا۔ ہاتھ گلے میں ہلکا ہلکا زیور ہے۔ ناک میں ہیرے کی کیل
کانوں میں سونے کی انتیاں۔ ہاتھوں میں کڑے گلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ ایک ایک
پر نظر ڈالنا چاہتی ہیں۔ مگر جب وہ دیکھنے لگتا ہے تو منہ پھیر لیتی ہیں۔
جا بجا کھلونے والوں مٹھائی والوں کی دوکانیں۔ خوانچے والے میوہ فروش۔ ہروائی تمبولی
ساقنیں نظر آتی ہیں تماشائیوں میں مفلس۔ مالدار بیوقوف عقلمند۔ شریف۔ رذیل۔ سخی بخیل سب
اپنے عادات اور خصائل سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک صاحب ہیں کہ وہ اپنے تنزیب
کے انگرکھے۔ اور اودی صدری۔ نکہ دار ٹوپی چست گھٹنے اور مخملی چڑھویں جوتے پر
اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ کوئی صاحب صندلی رنگا ہوا ڈوپٹہ سر سے آڑا باندھے ہوئے
رنڈیوں کو گھورتے پھرتے ہیں۔ کوئی صاحب اپنے چھوٹے سے لڑکے کی انگلی پکڑے
اُس سے باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب بازاری منظر کا حال سنئے۔

سترہ سال اودھر دلّی کے مشہور اور نامور رئیس آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ممبر
کونسل واضع آئین لاہور آنجہانی کے لایق فرزند جناب رائے سریرام صاحب ایم۔ اے
منصف دہلوی کے دل میں خیال آیا کہ اُردو کا ایک مبسوط تذکرہ قلمبند کرنا چاہیئے۔ اُسکے
لئے اونہوں نے مواد جمع کرنا شروع کیا۔ دلی کا کونہ کونہ چھانکر سیکڑوں دیوان اور مثنویاں
اور ہزاروں غزلیں اور بیاضیں اور متفرق اوراق معقول قیمت دیکر خرید کئے۔ اونمیں کتنے
دیوان ایسے ہیں جنکا دوسرا نسخہ موجود نہیں اور کسی کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بعض ایسے
ہیں جن سے بازاری اور درباری بول چال کا فرق علاحدہ ممیز ہوتا ہے۔ پھر دلی کے
علاوہ لاہور۔ آگرہ۔ لکھنو۔ الہ آباد۔ پٹنہ۔ کلکتہ۔ حیدر آباد وغیرہ وغیرہ میں جہاں کہیں ایسے
ذخیرۂ سخن کے ملنے کی اُمید تھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعراء گذشتہ و موجودہ کے کلام حاصل کئے
اور اٹھائیس حرفوں کے حساب سے کاغذ سادہ کے اٹھائیس مجلّد بنوا کر ایک ایک جلد کو
ایک ایک ردیف سے متعلق کیا۔ اور ہر ردیف کے شاعر کا کلام معہ اُسکے حالات کے
اُس ردیف کے مجلد میں ٹانکتے گئے۔ اور سالہا سال اس دیدہ ریزی کو جاری رکھا۔
جب اسطور پر ایک وسیع ذخیرہ جمع ہو گیا تو اسکو تالیف کی صورت میں لانے اور مسلسل قلمبند
کئے جانے اور ہر ایک کے مناسب حال و قال رائے دیئے جانے پر توجہ مبذول کی۔
اور خدا کے فضل سے یہ مشکل کام ایک بڑی حد تک آسان ہوا۔ اُسکا ابتدائی حصہ یہ
مجموعہ ہے جو تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی پہلی جلد کے نام سے سات سو صفحوں پر چھپوا کر شایع
کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اگر یہ تذکرہ اُمید کے موافق تمام ہو جاسے تو اسکو اُردو شاعروں
کی انسائی کلوپیڈیا کہنا چاہیئے۔ اب میں اُردو شاعری کے متعلق ایک اجمالی اور مختصر کیفیت
پیش کرتا ہوں۔ اُس سے آگے چلکر نتیجہ نکالونگا۔

شاعری کے موجودہ مناظر

زرنگار مسند بچھی اور مخملی گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اُس سے لگی ہوئی ایک ماہ لقا بیگم جلوہ فروز ہے
مانگ نکلی ہوئی۔ چوٹی کمر تک پڑی ہوئی۔ سرخ و سفید رنگت۔ اونچا ماتھا کھنچی ہوئی بھویں۔ بڑی بڑی
آنکھیں۔ گال جیسے گلاب کی پتیاں۔ ملیموئی ناک۔ چھوٹا سا دہانہ۔ پتلے پتلے نازک ہونٹ
نقشے بھر میں کوئی چیز ایسی نہیں جس سے بہتر خیال میں آسکتی ہو۔ اُس پر امیرانہ رعب۔ بات
کرنے میں مُنہ سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ لباس اور زیور بھی اس صورت کے لائق
ہے۔ مہین دوپٹہ کندھوں سے ڈھلا ہوا۔ کیچلی کا شلوکہ سپنا سپنا سُرخ گرنٹ کا پاجامہ کانوں
میں صرف یاقوت کے آویزے۔ ناک میں ہیرے کی کیل۔ گلے میں سونے کا طوق۔
ہاتھوں میں موتیوں کی سمرنیں۔ بازوؤں پر نورتن۔ پانوں میں سونے کی بیڑیاں۔ چہرے کی خوبصورتی
لباس کی سادگی اور زیور کی مناسبت ہر چیز دلفریب۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

ان محدود مناظر کو دیکھکر عام نگاہیں خیال کر سکتی ہیں کہ ہمارے مشرقی شاعر ان مناظر کو دیکھکر
کیا بات پیدا کر سکتے ہیں لیکن جب آپ گہری نگاہ ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ جیسے ایک
فلسفی کو خوردبین کے ذریعہ سے ایک کائی کے ٹکڑے یا ریت کے ذرے اور پانی
کے قطرے میں ایک نئی دنیا آباد نظر آتی ہے اور وہ اپنی معلومات سے دوسروں کو مستفید
کرتا ہے ایسے ہی ان حقیر اور معمولی مناظر میں شاعر کی نگاہِ خوردبین کو وہ پوشیدہ رموز و لطائف
دریافت ہوتے ہیں جو اُسکا حصہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اُنکو طرح طرح کے معنی آفرینیوں سے
عام میں جلوہ گر کرتا ہے جسکو دیکھکر سخن شناس طبیعتیں اُسکے حسن بیان کی داد دیتیں اور اُسکی
معنی آفرینی پر بخشش کرتی ہیں۔
چنانچہ آپ اسی تذکرے میں دیکھینگے کہ اِن مشرقی شعرا نے اس بے بضاعتی پر کیا کمال
دکھایا ہے اور معمولی مناظر سے کیا کیا باتیں پیدا کی ہیں۔

بازاری منظر

چوک کے بالاخانے آباد۔ زمین پر دری کا فرش اوسپر چاندنی بچھی ہے۔ نواڑ کا پلنگ ڈوریوں نے کسا ہوا ہے بڑے بڑے نقشی پاندان۔ مغابنے۔ حسن وان۔ اوگالدان۔ اپنے اپنے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں دیوار وںپر تصویریں اور آئینے لگے۔ چھت پر چھت گیری بندھی ہے۔ اوسمیں چند ہانڈیاں لگی ہیں۔ سامنے دیواریں ولایتی لیمپ روشنی دے رہا ہے نوجوان رئیس زادے دل بہلانے کو حاضر ہیں۔ سامنے پاندان کھلا ہوا ہے۔ ایک ایک کو پان لگا کے دئے جاتے ہیں۔ جو ہے انکے حکم کا تابع ہے۔ بن مانگے لوگ کلیجہ نکالکے دے دیتے ہیں کوئی دل ہتیلی پر رکھے ہے۔ کوئی جان قربان کر رہا ہے۔ یہاں کسی کی نذر ہی قبول نہیں ہوتی۔ کوئی بات نظر میں نہیں سماتی۔ بے پروائی یہ کہ کوئی جان بھی دے تو انکے نزدیک کوئی مال نہیں۔ محفل بھر میں سب کی نگاہ انکی طرف ہے یہ آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتیں۔ اور جسکو دیکھ لیا اس پر سیکڑوں نگاہیں پڑنے لگتی ہیں۔

جس کو تاکا بچ گیا چوکے جسے مار گئے	تمکو تیر اندازی آتی ہے نئے انداز کی

یہ منظر کم و بیش دلی کے چاندنی چوک۔ لکھنو کے امین آباد۔ آگرے کے کناری بازار لاہور کی انار کلی۔ حیدرآباد کے چارمینارے میں سب جگہ یکساں پایا جاوے گا۔ قدم قدم پر آپ کو دل پامال ہوتے ہوئے ملیں گے۔ اور آپ کہتے نکلیں گے۔

مرا بکوئے تو رفتن چہ مشکل افتادہ است	بہر طرف کہ نظر میکنم دل افتادہ است

عام مناظر کے بعد کسی خوش نصیب کو یہ منظر نظر آئیگا۔

خاص منظر

ایک پائیں باغ ہے باغ میں محل محل کے اندر کمرہ سجا ہوا ہے۔ اُس کے صدر میں ایک

رہے ہمیشہ ترا دور دور والے ساقی
یہ آرزو ہے کہ اسکا کروں میں ذکرِ جمیل
بلند مرتبہ عالی ہمم ستودہ صفات
سحابِ جود و کرم صاحبِ شکوہ و حشم
نہیں کسی پہ ہے پوشیدہ و نہاں اے دل
عجیب ذاتِ خجستہ صفات ہے اُنکی
کمال رکھتے ہیں ہر علم و فن میں وہ ایسا
حصول انکو ہے اسدرجہ علم انگریزی
خلیق ایسے کہ ملتے ہیں خندہ پیشانی
ہوا ہے تیرِ محبت کا اسکے دل کے پار
ممانعت جو کرے اُنکی دل کی جمعیت
جو دل کہ مردہ ہیں کرتا ہے اُنکو یہ زندہ
گرہ میں نقدِ وفا جسکے ہو وہ لے آکر
کتاب عمدہ و نادر جو اُن کی ہے تصنیف
کتاب تذکرہ تو ہے نسخۂ نایاب
عجب نہیں ہے کہ رنگینیٔ عبارت پر
ہزار طرح کی رنگینیٔ عبارت ہے
لکھی ہے اسکی عبارت بہت فصیح و بلیغ
کتاب کے ہیں جو بین السطور روشن تر
دلوں کو اُسکے مضامیں نہ کیوں کریں تسخیر
ہے مجھے بھی فکر لکھوں اسکی سنوی تاریخ

وہ مے پلا کہ اثر سے ہو جسکے پیر جواں
ہوئے ہیں جسکے معرف تمام اہلِ جہاں
رئیس اعظم و ذی قدر و افتخارِ زماں
سپہرِ عظمت و اجلال کے مہِ تاباں
کہ نام اُسکا سری رام ہے جہاں میں عیاں
ثنا و مدح میں قاصر ہوئی ہے میری زباں
کہ خود کمال یہ کہتا ہے مثل اُنکا کہاں
نکات جتنے ہیں اُسکے وہ سب ہیں نیر عیاں
عزیز جانِ جہاں کی یہ خوبیاں ہیں عیاں
بخلق جس سے ملے ہیں وہ جھکے مثلِ کماں
ہوا کرے نہ پریشان زلفِ محبوباں
دمِ مسیح کا ہے رشک اُسکا حسنِ بیاں
متاعِ حسنِ محبت کی کھول دی ہے دکاں
جوابِ اسکا نہ ممکن ہوا کسی عنواں
کہ سیر معنی ہے اسکی مفرحِ دل و جاں
ہزار ہا گلِ باغِ جہانی ہوں قرباں
کریں جو سیر تو سیری نہو کسی عنواں
فریفتہ ہوئے ہیں ولے آپ اہلِ جہاں
بیاضِ صبح دل و جاں سے اسپہ ہیں قرباں
کتاب اُنکی ہے تصنیف جو ہیں سحر بیاں
اگرچہ شاعرِ ناقص ہوں اور ہیچمداں

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو	ذی فہم سے لطف نکتہ دانی پوچھو
توقیر کلام حق سمجھتا ہے کلیم	موسیٰ سے رموز لن ترانی پوچھو

یہ بات خاص مسرت کی ہے کہ اس تذکرے کو اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ نواب میر محبوب علیخاں بہادر فرمانروائے حیدرآباد نے اپنے نام نامی سے معنون ہونے کا افتخار بخشا ہے۔ اور مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر مدار المہام سلطنت آصفیہ حیدرآباد نے اسکی نسبت خاص قدر دانی کا اظہار کیا ہے۔ امید کہ گورنمنٹ پنجاب اور ہندوستان کی سب گورنمنٹیں اور لائبریریاں اسکو خاص قدر دانی کا مستحق تصور فرماوینگی اور مغربی لائبریریوں میں بھی عزت سے دیکھا جاویگا۔

میں آخر میں جناب رائے سرام صاحب ایم۔ اے منصف چیف کورٹ لاہور کو مبارکباد دیتا ہوں۔ کہ اون کی ساقی گری سے یہ خمخانہ وقف عام ہوا۔ اور جرعہ نوشان سخن کو بادۂ سرجوش کی کیفیتیں حاصل ہوئیں اسکے بعد دعا کرتا ہوں کہ اس خمخانہ کے جو خم باقی ہیں وہ بھی جلد لنڈھائے جائیں۔

ساقی باقی جو کچھ ہے وید ے	باقی ساقی جو کچھ ہے لے لے

تاکہ جو لوگ پی چکے ہیں وہ اور نشہ تیز کرلیں اور جنکو ابھی ایک بوند نہیں ملی وہ پورے طور پر چھیک جائیں اور اسیر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے اٹھیں۔

خالی خالی تھے جو یوں میکدہ و جام و سبو	ساقیا ایک نظر میں تری سب بھر پائے

سید امجد علی اشہری

قطعہ تاریخ چکیدۂ خامۂ عنبر شمامہ معدن صدق وصفا منبع فہم وذکا

مشفقی و مکرمی مسٹر حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹر لکھنؤ رئیس امروہہ

پلا دے ساقیِ مہوش شراب تاب و تواں	کہ اسکے نشے سے ہو طبع زار میری رواں

تقریظ جاویدۂ خامۂ جادو طراز سحر پرواز بلبلِ گلزار شیوا بیانی و طوطیِ چمنستانِ شیریں زبانی مخلصی و محبی نواب میرزا سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی نبیرہ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر رخشاں جاگیردار لوہارو و داماد نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

ایک میرے دوست نے یہ مجھ سے کہا
آج کچھ انبساط کی حد ہے
وعدۂ وصل دلربا ہے آج
مفت کا تو نے مال مارا ہے
کوئی ہتّے چڑھا ہے کشمیر
زعفراں زار ہو کے آیا ہے
کوئی منت تری بر آئی ہے
کیا نرینہ ہوا کوئی فرزند
مے انگور مفت ہاتھ لگی
کسی دشمن پہ ہاتھ صاف کیا
خیر مقدم ہے یار جانی کا
یار کو گھر میں[۲] ڈال کر آیا
دانۂ خشک کو پلائی ہے
در جاناں سے اٹھ گئے درباں

نظر آتا ہے تیرا رنگ نیا
جانتا ہوں میں تجھکو تو یہ ہے
بہجت اس سے بھی کچھ سوا ہے آج
کوئی جادو جمال[۱] مارا ہے
چال کا چل گیا کسی پہ تیر
بے تردد خزانہ پایا ہے
ایسی کیا چیز تو نے پائی ہے
بے طرح ہو رہا ہے تو خورسند
آج کچھ روز سے سوا پی لی
منہ سے کچھ پھوٹ تو ہوا تجھے کیا
کیا سبب اتنی شادمانی کا
اپنے دشمن پہ چال کر آیا
بول کیا تجھ پہ آفت آئی ہے
پھوٹ کمبخت کچھ نہیں یا ہاں

[۱] جادو جمال مارا ہے۔ زبان کے اعتبار سے اسکے یہ معنی ہیں کہ کسی جادو جمال پر قبضہ کر لیا ہے +
[۲] گھر میں ڈالنا مراد حبالۂ نکاح میں لانا +

ندائے غیب ہوئی سال عیسوی یہ لکھہ
کتاب تو میں مضامیں ہیں سراجِ جہاں
سنہ ۱۹۰۸ء

قطعات از فکر محقق فنِ تاریخ ماہرِ عروض مشاقِ قدیم منشی رام پرشاد صاحب ظاہرؔ دہلوی از تلامذۂ مرزا قادر بخش صابرؔ

بطبعِ جلیلہ بسالِ مسیح — طبع تذکرہ شد بحسبِ مراد
بزیر و بیین سنش خواستم — بحالتِ مسرت بدل شاد شاد
بظاہر ندا شد بپائے ادب
کہ بیا پسندِ خلائق بباد
سنہ ۱۹۰۸ء

دیگر

تذکرہ نادر مصفائے نظیر — در سنِ ہجری طبع شد بیگماں
سالِ او گفتم بصبوری معنوی
سیزدہ صد بست و شش زیبِ جہاں
سنہ ۱۳۲۶ ہجری

دیگر

بماہِ فروری در سالِ فصلی — بطبعِ ایں کتاب شاد گشتم
بنادر صنعتِ سالِ طبع او
چہ عمدہ نادرِ سالش بگفتم
۱۳۱۶ف

دیگر

ہوا شوق تحریرِ تاریخ کا — کتابِ مستجل ہے جبدم چھپی
لکھی میں نے تاریخ یہ برملا
مصفا ہے گلدستۂ شاعری
۱۳۲۶ھ

شو شبنم[1] پٹرٹی[2] میں تارا ہے | یا کوئی تو نے شیر مارا ہے

تیرا مقبول کچھ کلام ہوا | داغ کی طرح تیرا نام ہوا

قید خانے سے چھوٹ کر آیا | خندہ کیوں لب پہ ٹوٹ کر آیا

نوجوانی نے کیا اعادہ کیا | روز سے شغل مے زیادہ کیا

پرورش کچھ نظام نے کر دی | یا مدارالمہام نے کر دی

کوئی منصب ہوا ترا جاری | عامرہ[3] سے کوئی رقم ماری

ہوئی صادر عطائے سلطانی | بعنایات و فضل ربانی

جنگ و دولہ کا مل گیا ہے خطاب | ہو گیا تو بھی شہ کا رکن رکاب

شاہ آصف نے دی کوئی جاگیر | کی دعائے سحر نے کچھ تاثیر

ہفت سالہ امید بر آئی | داغ کی طرح آبرو پائی

سرفرازی شہ دکن نے کی | سحر سازی ترے سخن نے کی

آصفی بذل کا نزول ہوا | اجر امید کا حصول ہوا

تیرے منہ سے سنے ترے اشعار | بندگان حضور نے دو چار

یا سفارش تری کسی نے کی | بولی تجھ پر خدا کی ہو نیکی

قصد بیت الحرام تو نے کیا | ایسا کیا نیک کام تو نے کیا

شادمانی کے ہیں یہی اسباب | سب سے انکار تجھکو خانہ خراب

پھر سبب کونسا وہ ایسا ہے | جس سے تو بے ہنسائے ہنستا ہے

چیستاں بنگیا ہے تیرا سرور | تجھکو کہنا پڑیگا حال ضرور

عرض کی اُس نے میں نے مشفق من | عاجز آئے تمہاری عقل و فطن

کھل گئے بکتے بکتے سب بھیجا | یہ نہ دیکھا کہ سامنے ہے کیا

---

[1] سنسکرت میں نیک اور سعید کو کہتے ہیں۔ [2] مراد زراجپہ سے ہے۔ [3] عامرہ نام خزانۂ نظام دکن۔

محفل یار کا بلاوا ہے / پاسخ خط شوق آیا ہے

خواب دیکھا ہے کوئی خوش تعبیر / کوئی سوجھی فلاح کی تدبیر

تجکو ڈگری ملی عدالت سے / کہ رہائی ہوئی ندامت سے

حور وش کوئی تجھ پہ ریجھا ہے / کسی ظالم کا دل پسیجا ہے

رنج عقبیٰ سے ملگئی ہے نجات / چیز کیا آگئی ہے تیرے ہاتھ

جلوۂ برق طور دیکھ لیا / کچھ نہ کچھ تو ضرور دیکھ لیا

خواب میں شکل مصطفےٰ دیکھی / سچ بتا چیز ایسی کیا دیکھی

کسی خدمت پہ ہو گیا مامور / رنج و کلفت کے دن ہوئے سب دور

کوئی پُرزر ٹھکانا ہاتھ آیا / آب وجد کا خزانہ ہاتھ آیا

کوئی بدظن ہوا ترا منقاد / کوئی حاصل ہوئی ہے تری مراد

رہ میں دیکھی ہے میت دشمن / کیا ہوا تجکو آج او پُرفن

یار و اغیار میں فساد ہوا / تیرا دل اس سے اتنا شاد ہوا

خط روانہ کیا کوئی سوئے دوست / تکیہ سر بنا ہے زانوے دوست

یار نے کچھ تسلیاں دی ہیں / دل نوازی سے چٹکیاں لی ہیں

نسخۂ اکسیر کا ملا ہے کوئی / اس خوشی کا سبب بتا کوئی

دو شعر کا قطعہ

بیعت پیر مے فروش ہوئی / کہ فراموش فکر دوش ہوئی

غم فردا نہ پاس پھٹکے گا / اب تو ساقی نہ ہاتھ جھٹکے گا

ڈاربی[1] کا سٹارٹر[2] نکلا / یہ ٹکٹ وس[3] کا کارگر نکلا

[1] ولایت میں ایک گھوڑ دوڑ کا نام ہے۔ [2] سٹارٹر اس گھوڑے کا نام ہے جو ڈاربی میں شریک ہوتا ہے۔

[3] اس شرط کا ٹکٹ دس روپے کو فروخت ہوتا ہے جس خریدار کے ٹکٹ کے ساتھ کسی سٹارٹر کا نام نکلتا ہے وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہو جاتا ہے

آمنا سامنا جہاں ہو گا دوپہر وقت رائگاں ہو گا

ہے تقاضا کہ کچھ سناؤ کلام عوضِ شعر ہوں اگر دشنام

وہ بھی سن سن کے دل سے ہوں خورسند دوست اور دوست کے ارادتمند

بس چلے تو مجھے رکھیں دل میں میں رہوں تو ہیں یہ محفل میں

شاعروں کے توقت رواں یہ ہیں اہلِ دہلی یہ نکتہ داں یہ ہیں

شمع اہلِ سخن یہ پروانہ بے عدیلِ زمانہ فرزانہ

عمر پینتیس تیس کے اندر صاحبِ علم و فضل و فن و ہنر

دیکھئے گر نصاب کی تعلیم ہے ام اے کی سند بفضلِ کریم

عہدۂ منصفی کے کارگذار جس کا قانون پر ہے دارومدار

قابلِ رشک ہے دماغ رسا تذکرہ وہ ضخیم لکھ ڈالا

جسکے دیکھے سے عقل حیراں ہے بس یہ حدِ کمالِ انساں ہے

صاحبِ فن شعر ماضی و حال اسمیں موجود ہیں تمام و کمال

تذکرے پہلے اسنے گرد کئے گرم بازار سب کے سرد کئے

ریختہ گو ہیں جتنے اہلِ سخن یہ پھلا پھولا انکا ہے گلشن

اسمیں ہے درج حمدِ ربِ علا اسمیں نعتِ حبیبِ پاکِ خدا

اسمیں شامل مناقبِ شہدا اسمیں داخل صفاتِ آلِ عبا

رہبرانِ طریقِ عشق کے ذکر عاشقانِ خدا کے رنج و فکر

سنگسارانِ معرفت کا حال جنکی تصریح وجہ طول مقال

برقِ ایمن کی کار پردازی خودنمائی و عاشق اندازی

چاہِ کنعاں کا قصہ دردانگیز تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز

مصر کی داستان پر عبرت منتہا عیش مبتدا حسرت

یہ سری رام کا ہے خمخانہ — تذکرہ با ہزار افسانہ

تم سری رام کو بھی کچھ سمجھے — خاندانی رئیس دلّی کے

انکے گھر کے ہیں جتنے چھوٹے بڑے — کوئی بی۔ اے ہے کوئی ہے ایم اے

قدردان کمال و فضل و ہنر — صاحب عزت و فضیلت و زر

ذات سے کھتری ہیں نیک صفات — دوست سب دوستی میں انکے ملت

خوبصورت جوان خوش تقریر — نیک رائی میں اپنی آپ نظیر

نیکیاں کرکے بھول جاتے ہیں — منتیں کرکے بھول جاتے ہیں

لوگ کہتے ہیں انکو دوست نواز — دل میں بے انتہا ہے سوز و گداز

بات کرنے میں سحر کا ہے اثر — ملکے۔ پڑتا ہے جانا انکے گھر

گھر گئے اور گھر سے گئے بالکل — یاد ہیں انکو مہر و لطف کے چل

شہر دہلی کی جان ہیں تو ہیں — آدمیت کی شان ہیں تو یہ ہیں

آنکھ سے دل کا حال پہچانیں — یہ قیافے کی انکے ہیں شانیں

سرمۂ چشم دلربا تحریر — رنج و اندوہ و غم زدا تقریر

دوست انکے شمار سے زائد — کوئی دشمن نہیں بجز حاسد

ملنے والے شاکر انکے ہیں — خوبیاں انمیں۔ یہ ہیں۔ ایسی ہیں

بھول پن وہ مزاج میں ہے دخیل — رحم ہوتا ہے وقت قہر و کیل

دو شعر کا قطعہ

ایسی دیتے ہیں یہ سخن کی داد — کہ مصنف کا دل ہوا بس شاد

شکر دکھیا زبان پر ان کا — بار احسان کان پر ان کا

پانچ شعر کا قطعہ

انسے شکوہ ہے مجھے ہے اپنے سوا — ان کا سا کی کوئی نہیں دیکھا

جس میں جاتا ہے ایسی دشواری — جس سے وہم و قیاس ہیں عاری
تیغ کے منہ پہ چڑھ کے رہتا ہے — ایسی ایسی کڑی یہ سہتا ہے
عشق کے اسمیں داغ ہوتے ہیں — جیسے روشن چراغ ہوتے ہیں
زخم و ناسور اسمیں پڑ جائیں — عشق و الفت کے خیمے گڑ جائیں
ابتلا کے مواد اسمیں سب — الغرض ہے یہ دل بڑا بیڈھب
کھیل اسکا ہے جان دینا — اپنے اوپر عذاب لے لینا
اسمیں رنگینیاں قیامت کی — سادگی ہے تو وہ بھی آفت کی
خارِ غم کی کھٹک رہے اسمیں — دشمنوں کی لٹک رہے اسمیں
نالہ و آہ کا یہی گھر ہے — اسکا منقاد دیدہ ور ہے
اسکے کہنے میں عاشقِ ناکام — دلربا ہیں اسی کے بسمیں تمام
وصل کا شوق و ابتہاج اسے — بات کا پاس اسے ہے لاج اسے
دشمنی پر اگر یہ آجائے — خصم کی بوٹیاں چبا جائے
دوستی پر اگر کمر کس لے — بات کی پیچ میں جانتک دیدے
چشمِ زخمِ رقیب کا مسکن — ہے تصور میں یار کا مامن
زمیاں اسمیں سوم سے بھی زیاد — سختیوں میں ہے آہن و فولاد
اسکی گرمی کا نام سوزِ دروں — گر الٹ جائے تو ہو جوشِ جنوں
یہ نہیں آدمی کے قابو کا — آدمی بلکہ اس کا کٹ پتلا
عشق و الفت کے سارے راز و نیاز — پائیگا رقم بسوز و گداز
مختصر یہ کہ وہ کتاب لکھی — دل یہ کہتا ہے لاجواب لکھی
مجھسے اصرار ہے کہ لکھو تقریظ — ایسی خدمت مجھے ہوئی تفویض
اولیں تھا زبان سے ایما — پھر یہ تحریر میں پیام آیا

قیس و لیلیٰ کے مندرج احوال
کوہکن کا تمام ہو جانا
خسرو پرویز غرض کی مکاری
پیرزن کا پیام مرگ انجام
وامق بدنصیب کا احوال
فصل گل کی بہار سامانی
دستبرد خزاں کے افسانے
داغ لالے کے دلمیں پنہاں ہیں
ایک دل میں ہزارہا باتیں
دل کا نور صفا ہے برق طور
دل میں ہے جان مہر و الفت کی
وہم ہیں اسمیں لاکھ صورت کے
بدگمانی کا ہے گزار اس میں
اسمیں تشویش بھی ہے لامحال
شادمانی کا ہے قیام اسمیں
اسمیں پنہاں شقاوتی شانیں
حسرت قتل و آرزوئے قید
منبع کینہ و حسد یہ ہے
اسکے بسمیں تباہ کر دینا
ساری دنیا سے بڑھکے راحت جو
ضبط و تمکیں میں بھاری پتھر ہے

از الف تا بہ یا تمام و کمال
عشق شیریں میں نام ہو جانا
آجتک ہے زبان پر جاری
کردیا جس نے کوہکن کو تمام
عشق عذرا نے کیسا کیا حال
خوش نصیبوں کی گل بدامانی
جنکی تفصیل کو خدا جانے
یعنی گل چند روزہ مہماں ہیں
سینکڑوں خوبیاں کراماتیں
شکل سے آدمی کی جسکا ظہور
کینہ و بغض کی عنایت کی
سامنے ہیں ہزار آفت کے
خوش یقینی کا ہے ہزار اسمیں
مطمئن بھی ہے یہ بحد کمال
رنج و غم کا ہے ازدحام اسمیں
اس سے پیدا سخاوتی آئیں
ناامیدی اسے اسے امید
نیک تر یہ ہے سب سے بد یہ ہے
سب سپید و سیاہ کر دینا
بیشتر از قیاس محنت خو
بیقراری میں برق مضطر ہے

اُسکو اُس آزادی سے ظاہر کروں جس میں غیر واقعیت کا شائبہ نہو اور اُن تقریظ نویسوں کے مقصد و طرز سے علیحدہ ہو جن کا ابھی ذکر ہوا تاکہ اصلیت کا انکشاف ہو جائے میرے اس خیال کے مُصدق چند دلائل ہیں اولاً یہ تذکرہ بہ سبب اپنی اجماعی خوبیوں کے جو علاوہ امعان و غور کے نظر سے دیکھنے کے بادی النظر میں نمایاں ہوتی ہیں اپنی توصیف میں مبالغہ کا محتاج نہیں ثانیاً میرے معزز دوست مؤلف تذکرہ خود صاحب شہرت و دولت ہیں انکو اس کے ذریعے نہ عرصہ نام آوری میں آنے کی ضرورت ہے نہ جلب منفعت کی احتیاج برسوں کی عرق ریز مساعی ہیں جس کی محنت کا حال اُنہیں کے دل و دماغ سے پوچھا جائے ہزار ہا روپیہ صرف کر کے ایک ایسی بے نظیر تالیف کی ہے جس میں ہمارے ملکی زبان کی عہد بعہد تبدیلیوں۔ اہل ملک کی اختلاف مذاق طبایع۔ فطرتی جذبات۔ اکتسابی قوت مشق۔ قادر الکلامی۔ وغیرہ وغیرہ کا روشن اور صاف آئینہ پیش کیا ہے اور جس سے اہل نگاہ کو وہ خط و خال نظر آتے ہیں جنکے دیکھنے کی اسوقت ضرورت ہے۔ تذکرہ اپنی معنوی زبان سے کہہ رہا ہے لیس کمثلی۔ ثالثاً میں خود کسی کی بیجا ستایش یا خودستائی پسند نہیں کرتا اُسکو ممدوح و مدّاح دونوں کے لیے مستلزم منقصت خیال کرتا ہوں اس لئے جن لفظوں میں اپنا خیال اس مجلد کی نسبت ظاہر کرونگا وہ واقعیت کے محیط ہونگے اور بالکل غیر دل خوش کن۔ سادے اور حتی الامکان سچے۔

میں اس امر کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ تذکرہ نویسی کس قدر مشکل کام ہے یا اُس کے لئے کیسی مختص قابلیت کی ضرورت ہے جو ہر شخص کا حصہ نہیں انتخاب کلام کے لئے کیسے بالغ نگاہی غائر نظری درکار ہے اور سلامتی طبع کے ساتھ کیا سامان فراہم ہونا چاہئے مگر اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ ان صفتوں میں مؤلف نے ایسا امتیازی پایہ حاصل کیا کہ اُنہوں نے خمخانۂ جاوید جیسے تذکرہ کی تدوین کا بار اہتمام اپنے فرط لیاقت سے اُٹھایا۔

مؤلف اعلےٰ مغربی تعلیم یافتہ ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اُنہیں ایم۔اے کی ڈگری کے ساتھ

تار برقی کی آگئی نوبت
دوست کا امتثال امر کیا
ہر زہ گوئی قبول ہو جائے
لکھتے لکھتے مرا قلم جو تھا
اسم تاریخ طبع ہے درکار

ایک ہفتے کی مینے لی مہلت
مجھسے جو کچھ ہوا برا اچھا
تو یہ محنت وصول ہو جائے
ہمنشیں دوست سے یہ فرمایا
کیوں خموشی ہے یہ خدا کی سنوار

سائل اب وقت کو نہ ہاتھ سے دو
باغ مینو طراز تم لکھدو
۱۳۲۶ھ

تقریظ از نشحات قلم جناب حاذق الزمان حکیم رضی الدین احمد خانصاحب
رئیس و آنریری مجسٹریٹ دہلی آنریری فیلو پنجاب یونیورسٹی

میرے دلی دوست و کرمفرما لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ رئیس دہلی منصف پنجاب نے اپنا مولفہ تذکرہ میرے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اُسکے متعلق اپنی ناچیز رائے ظاہر کروں یا بہ تبدیل الفاظ اُسپر تقریظ لکھوں۔

تقریظ لکھنے اور لکھوانے سے میرا یا اُنکا ہر گز یہ منشا نہیں ہے کہ طلائی حرفوں سے انواع نثر کی کسی قسم میں رنگین عبارت لکھکر غیر واقعی تعریف کے ساتھ اصل کتاب میں ایک ضمیمہ اُسکی ضخامت کے لئے بڑھایا جاوے جیسا کہ ہمیشہ ریویو کرنے والے اکثر تصانیف پر تکلف کی میناکاری کرکے خوبصورت ٹائٹل چپکا دیتے ہیں تاکہ عام مبصرین کی نظروں میں خاص قبولیت و دل پسندی کا محرک ہو اور اس پیرایہ میں اس کتاب کی اشاعت بڑھے۔

مولف کا قصد اور میرا ارادہ یہ ہے کہ اس جدید تالیف کی نسبت جو رائے میں رکھتا ہوں

نسبت دیتے ہیں اور بعض مہمل سے فارسی زبان کا پہلا شاعر بہرام گور بتایا جاتا ہے جو وسیع سلطنت کا حکمراں تھا۔ اُسکے بعد یعقوب بن لیث یا ابوحفص سغدی کو اسکا مالک بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلاطین سامانیہ کے دور حکومت میں رودکی نے زبان فارسی کی شاعری کو کمالیت کے مرتبہ پر فائز کیا بعد ازاں وقتاً فوقتاً مختلف اساتذہ کی مختلف موشگافیوں سے کمال کو پہونچی انگریزی زبان کی نظم گوئی میں چاسر کی اقدمیت کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ ہندی زبان میں والمیک اور کالیداس کو خالق نظم کہا جاتا ہے اُردو زبان میں ولی نظم کلام کی درگاہ کے پہلے سجادہ نشین مانے جاتے ہیں۔ ان تمام بزرگواروں کی فلسفیانہ فکر اور دوربین نگاہ نے اصل مقصد کلام کے حاصل کرنے میں کامیابی پائی اور دنیا کو دکھایا کہ کلام کی زبردست تاثیر زہر۔ و تریاق کے اثر سے زیادہ فوری قوت رکھنے والی ہے اور جس سے قوی و ارواح میں تحریک۔ قدرتی واردات کے اظہار سے کیفیت۔ مشاہدہ و مناظر پر قوت غور۔ خیال میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ کی گردش سے جب انسانی مذاق کے سالک تبدیل ہوئے تو ایشیا میں یہ عمدہ و برگزیدہ مقصد بھی محض حسن و عشق کے منحوس و خیالی تصویروں کے دائرہ میں محدود ہو گیا اور فرقت کے صدمہ و وصل کی لذت کا مفسرہ گیا لیکن باایں ہمہ علوم کے خزانوں پر کسی قدر اسکو قبضہ باقی یا زبان کی دار السلطنت پر پورا اقتدار قائم رہا اور نیز ہر زمانہ کا مذاق طبیعت اور اہل زمانہ کے خاص حالات زندگی کے مُشعر ہونے کا وصف رکھیا۔

فرضی حسن و عشق کے جھگڑوں نے اگرچہ اسکو اپنا مرکز بنا لیا مگر پھر بھی دلی جذبہ۔ فطرتی میلان طبعی جوش کے اظہار کے آلہ ہونے کی صفت اسمیں ایسی قائم رہے جو گزشتہ سلسلوں کو توضیح حال و خیال کے لئے ایک بہترین نمائشگاہ ہے۔

انھیں اصلی باتوں کو ملحوظ رکھکر لائق مؤلف نے ایسے تذکرے کی ضرورت کا ادراک کیا اور اپنے بلند خیالی سے اُسکے پورا کرنے کی کوشش کی۔

خود میرے دعوے کے ثبوت کی محکم حجت ہے ایسے مشتمل ہوئے کہ مناظر کو مجادلہ بنا دیتے ہو اس مقولہ کو سنکر اُسکے مخاطب کو انفعال ہوا اور اُسنے تسلیم کر لیا کہ اسمار فی الحقیقت موثر ہیں یہ ایک حکایت تھی جو بسبیل ذکر تمثیلاً زبان قلم سے نکلی ورنہ شب و روز کے واقعات ہی اس امر کی بین دلیل ہیں کہ دوستی۔ دشمنی۔ قرب۔ بُعد۔ مغارت۔ مقارنت۔ وغیرہ جملہ نسبتوں اور تعلقات میں کلام کے تاثیر کو بڑا دخل ہے۔

ماوا اسکے سبزہ زار تاریخ کے اوراق ان تذکروں سے گلزار بنے ہوئے ہیں کہ ہر دور و عہد میں کلام کی آبیاری سے رنگارنگ کے انقلاب۔ قوموں۔ دولتوں۔ میں پیدا ہوئے۔ ایک ایک لکچر و خطبہ سے ممالک ہلا دیئے ایک ایک نظم و مرثیہ نے غافلونکو بیدار بزدلونکو شجاع بنا دیا۔ کہیں مذہبی مصالح پورا کرنے میں کلام نے دخل پایا اور اپنے قوی تاثیر سے عالم روحانیت میں انفعال پیدا کرنے کے لئے مندروں میں بھجن اور گیت بنکر اور مجالس سماع میں غزل وغیرہ وغیرہ کا لباس پہنکر انسانی ہستی میں غیر متوقع اور قابل حیرت تغیر پیدا کرنیوالا ثابت ہوا جس سے روحانی کمالات میں نمایاں ترقی ہوئی۔

جب دور اندیش اور مصلح دماغوں نے اوسکی تاثیر کی بالبداہت ثبوت دیکھے تو اُسکی فصیح بلیغ کرنے میں ساعی ہوئے حتیٰ کہ اوسکو ایسی موزونیت کا خلعت پہنایا جو آجتک نظم کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے۔

اس بات کا تحقق نہایت مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس صواب اندیش دماغ نے کلام کے اس اصلی مفہوم کو سمجھا اور اُسکی موزونیت کی داغ بیل دنیا میں ڈالی اگرچہ مورخوں نے قلم تحقیق اُٹھائے ہیں اور لکھا ہے مگر اختلاف کی جزئیات نے تحقیق میں اہمیت پیدا کر دی ہے جس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ اس ایجاد کا فخر کسکو ہے ابن اثیر اور بعض اُن کے متتبع مورخ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس اختراع کو منسوب کرتے ہیں قاسم ابن سلام بغدادی شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو موجد بتاتے ہیں۔ بعض اہل تاریخ اشعر بن سبا سے یمنی سے

ہے جو اس تذکرے کے خصوصیت سے لایق ذکر صفت ہے۔

مجموعۃً یہ تذکرہ تالیفی عالم میں بے مثل کہے جانے کا مستحق اور اُسکے مؤلف اُردو زبان کے مربی سمجھے جانیکے اہل ہیں جنکا پبلک کو شکر گذار ہونا چاہئے کہ کیسے خوش اسلوب تالیف اُسکی کتب خانۂ زبان میں بڑہی جو اپنے محاسن سے نہ اہل سخن یا مشتاقانِ فن شعر کو ہی فائدہ پہونچانیوالی ہے بلکہ اُردو زبان کے مفید تر کتاب ہے۔

میں خمخانۂ جاوید کے مؤلف اپنے معزز دوست لالہ سری رام صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اُنکی کوشش مشکور ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس شاقہ محنت اور سخت تردد سے مؤلف نے اپنے تذکرے کو لکھا ہے ایسے ہی مفرط شوق سے ملک اسکی منزلت کرے اور یہ عمدہ تالیف اُردو زبان کی ذخیرۂ کتب میں ایسا ہی مکمل و دلفریب اُنکا اور کلام کا جاودانی تذکرہ و یادگار سمجھا جاوے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔

وکم للہ من لطف خفی	یدق خفاہ عن فہم الذکی
وکم ہم تعانیہ صباحاً	فتعقب المسرۃ بالعشی



ہمارے ملکی زبان کی نظم کی بہت سے قابل قدر تذکرے لکھے گئے اور اہل ملک نے اُنکو عزت کے ہاتھوں میں لیا۔ شوق کی آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ تذکرہ اپنی مخصوص خوبیوں کی وجہ سے اپنے طرز اور ایفائے ضرورت میں ایسی قیمتی اور قابل پسند چیز ہے جسکو ہماری زبان کی تصنیفات میں ایک مفید اضافہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں۔

اس تذکرے میں مولف نے اصل مقصد نظم کی رعایت سے جسکو ظاہر کیا گیا ہے منتخب شعرا کے کلام کے انتخاب ہی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ نہایت فیاضی سے ملک کے اُن تمام شاعروں کے کلام کو درج کیا جنکے کلام تک اُنکی آگاہی کا ہاتھ پہونچا اس کے انصرام میں اُسکو بلیغ سعی کرنی پڑی یا کثیر صرف سے کام لینا پڑا مگر وہ مدعا ضرور حاصل ہوا جو اس تذکرہ کا موضوع ہے اس تذکرے نے ایسی سہولت پیدا کر دی کہ ہر شخص مختلف اقطاع و امصار کے باشندوں کی زبان اور خیالات سے بآسانی واقف ہو سکے گا اور اُسکو زمانۂ ماضی و حال کے تبادلۂ خیالات و زبان کی واقفیت کا موقع ملیگا۔

ہجر و مواصلت کے شرمناک قصوں کو چھوڑ کر خذ ما صفا دع ما کدر کی رعایت سے اہل ملک کے طبعی حالات۔ خصائل۔ عادات۔ روحانیت۔ زبان کی روئداد معلوم کرنے کا فائدہ مند کارنامہ ہے۔

سخن فہمی کے قدرتی انصاف سے انتخاب کلام میں کیا بہ حیثیت کوالف ذاتیہ شاعر کیا بہ اعتبار زبان کیا بہ صورت ادائے مقاصد لیسے شائستگی و تسلسل سے مولف نے کام لیا ہے کہ اُسکا عدیل آیندہ کبھی لیسے اور انتخاب کیلئے ملنا سہل نہیں معلوم ہوتا اہل کمال کے اندراج حالات میں جہانتک مؤلف کو علم ہوا ہے کمی نہیں کی اور نہایت صداقت سے بغیر رنگ آمیزی مدح و ذم اونکو قلم بند کیا گیا ہے جس سے ایک تذکرہ نویس کے پورے فرض کا ادا ہونا تسلیم ہوتا ہے۔

حسن ترتیب خوبی التقاط۔ مؤلف کے بے انتہا تہذیب۔ سلیقہ مندی۔ سخن شناسی پر دال



اِعلان

حضرات شعرا اور دیگر ناظرینِ تذکرہ کی خدمت میں التماس ہے کہ تذکرہ خمخانۂ جاوید کے بقیہ چار دفتر جو زیرِ ترتیب ہیں حتی الوسع جلد شائع ہونگے۔ جلد ثانی کی نظرِ ثانی ہو رہی ہے اور اس کی کاپی عنقریب شروع ہو جائیگی۔ جو حضرات اپنا یا اپنے بزرگوں کا غیر مطبوعہ کلام اور حالات درج تذکرہ کرانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

تذکرہ کی خریداری کے لئے بھی اسی پتے سے درخواستیں آنی چاہئیں چونکہ درخواستیں کثرت سے آ رہی ہیں۔ تھوڑی جلدیں باقی رہ گئی ہیں شائقین جلد درخواستیں بھیجیں ورنہ طبعِ ثانی کا اِنتظار کرنا پڑیگا۔ قیمت فی جلد صہ

تذکرہ کی رجسٹری موافق قانون کرا دی گئی ہے۔ کوئی صاحب قصد طبع نکریں

دفترِ خمخانۂ جاوید۔ کوٹھی آنریبل رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر مرحوم

لاہور